فتح المبین

فی

کشفِ مکائدِ غیر المقلدین

غیر مقلدین کی فریب کاریوں کی پردہ دری

مصنف

علامہ منصور علی خاں مرادآبادی

ناشر

طلبۂ جماعت سادسہ

۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۴ء

دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی، یوپی



فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین

مصنف: علامہ منصور علی قادری بن مولانا محمد حسن علی مرادآبادی علیہ الرحمہ

و

ضمیمۂ فتح المبین موسوم بتنبیہ الوہابیین

مصنف: علامہ محمد عبدالعلی آسی مدراسی علیہ الرحمہ

و

فتوائے جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد

مصنف: محدث سورتی علامہ وصی احمد السنی الحنفی السورتی علیہ الرحمہ

و

دبوس المقلدین بجواب فؤس المحققین

مصنف: علامہ محمد عبدالعلی آسی مدراسی علیہ الرحمہ

و

تنبیہ الآسی علیٰ تشنیع الاناسی

مصنف: علامہ محمد عبدالعلی آسی مدراسی علیہ الرحمہ

ناشر: جماعت سادسہ (عالمیت سال آخر) ۲۰۱۴ء، مطابق ۱۴۳۵ھ،
دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی (یو.پی)

تفصیل اشاعت کتاب

نام کتاب: "فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین" فی جواب "الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین"

مصنف: علامہ منصور علی خان بن مولانا محمد حسن علی مرادآبادی علیہ الرحمہ

اشاعت جدید: بموقع جشن دستار بندی، مورخہ ۶ / جون ۲۰۱۴ء، مطابق ۷ / شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

ناشر: طلبۂ جماعت سادسہ (عالمیت سال آخر) دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی (یو۔ پی)

تقدیم: حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ علیمی مصباحی، دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی

تخریج، تسہیل، پروف ریڈنگ وغیرہ: حضرت علامہ کمال احمد صاحب قبلہ علیمی، حضرت علامہ منظم علی صاحب قبلہ ازہری، حضرت مولانا طیب صاحب قبلہ علیمی وحضرت مولانا غلام سید علی صاحب علیمی

کمپوزنگ: مولانا شمس تبریز (جماعت ثامنہ) محی الدین ربانی، مقصود رضا و خلیل الرحمن (جماعت سادسہ)

تعداد صفحات: ۶۸۰

تعداد اشاعت: ۱۰۰۰

قیمت: ------------



(۱) جماعت سادسہ ۲۰۱۴ء، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی

(۲) مجلس الثقافۃ والمعارف لطلبۃ دارالعلوم العلیمیہ جمدا شاہی بستی

(۳) المجمع النورانی دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

(۴) علیمی کتب خانہ جمدا شاہی بستی

(۵) رضوی بک ڈپو جمدا شاہی بستی

تہدیہ

بہ بارگاہ

کشتۂ عشق رسالت، امام اہل سنت، سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت
الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی
علیہ الرحمۃ والرضوان

و

مرشد برحق، مظہر اعلیٰ حضرت، مبلغ اسلام
حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی
مہاجر مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان

و

قائد اہل سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ والرضوان

و

آفتاب علم و حکمت شیخ رشد و ہدایت سلطان المدرسین، شیخ القرآن
حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی
علیہ الرحمۃ والرضوان

منجانب: جماعت سادسہ (عالمیت سال آخر)
۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ
دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی (یو. پی)

شرف انتساب

سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے ہر اس فرد کے نام جو ائمہ اربعہ

حضور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ

و

حضور سیدنا امام مالک

و

حضور سیدنا امام شافعی

و

حضور سیدنا امام احمد بن حنبل
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

میں سے کسی ایک کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہے۔

تشکر و امتنان

بات تقریباً ڈیڑھ برس پرانی ہے جب ہم نے استاذ گرامی حضرت علامہ کمال احمد صاحب قبلہ علیمی کے انتخاب ومشورہ سے "**فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین**" کی اشاعت تو کا بیڑا اٹھایا، علامہ **منصور علی** مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی یہ تصنیف غیر مقلدوں کی گمرہی اور گمراہ گری کی پردہ دری میں بڑی لاجواب کتاب ہے، اس سلسلے میں ہمارے مؤقر اساتذہ خصوصاً علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ علیمی مصباحی، علامہ کمال احمد صاحب قبلہ علیمی اور مولانا طیب علی صاحب قبلہ علیمی نے صرف حوصلہ افزائی ہی نہ فرمائی بلکہ کتاب کی ضخامت اور اسلوب کی قدامت کے پیش نظر تسہیل، تخریج اور تبویب وغیرہ کے اہم فرائض اپنے ذمہ کرم پر لے لیے۔ انتہائی احسان فراموشی ہوگی اگر کرم فرما علامہ منظم صاحب قبلہ ازہری کا ذکر نہ کیا جائے کیوں کہ یہی وہ ذات ہے جس نے ہمیں کتاب کا نسخہ ہی فراہم نہ کیا بلکہ کتاب ہذا کی اشاعت سے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، یوں علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ کی سرپرستی میں کتاب کا پروقار کام بڑی تیزی سے چل پڑا۔

اب کچھ ہمارا حال بھی سن لیجیے! اہم ترکی موجودہ فراہمی پر ہی شاداں وفرحاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے آمد کتاب کے منتظر تھے، اور ہوتا بھی یہی تھا کیونکہ اب تک ہمارے ہاتھ میں جدید تراش خراش سے مزین اور آراستہ کتابیں ہی آئی تھیں، اس لیے کسی کتاب کی تخریج، تزئین اور تبویب میں پیش آنے والی دشواریوں سے ہم یکسر نابلد تھے۔ پس اس اہم ترین کام کو بھی بازیچۂ اطفال سمجھ بیٹھے، لیکن وقت کی بے پرازان اور کمپوزنگ وغیرہ میں پیش آنے والی دشواریوں نے ہمیں جلد ہی سکھا دیا کہ۔ ع

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

اور کتاب کی اشاعت تو میں غیر معمولی تاخیر پر کڑھنے والے دلوں نے سمجھ لیا: ع

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

جب دنوں نے ہفتوں، ہفتوں نے مہینوں اور مہینوں نے مکمل سال کی شکل اختیار کر لی تو ہم پر بھی غفلت کی پرتیں بھی از خود اتر گئیں، پس ہمارے کچھ باذوق ساتھیوں خصوصاً محب گرامی مولانا شمس تبریز صاحب (ثامنہ)، حامد رضا راجستھانی، وسیم احمد کٹیہاری، محی الدین ربانی بلرام پوری، مقصود رضا مظفر پوری، محمد واصف اور محمد شکیل گمر اور محمد خلیل الرحمن بستوی (سادسہ) زادالله علمهم نے کتاب کی تزئین وتنقیح میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اساتذۂ کرام کی گوناگوں مصروفیات کو دیکھتے ہوئے پروف ریڈنگ اور حواشی وغیرہ کی کمپوزنگ کے اہم فرائض کو بھی اپنے نصاب تعلیم میں داخل کر لیا۔ اس طرح مؤقر اساتذہ اور باذوق ساتھیوں کی شبانہ روز کاوشوں کی بدولت یہ لاجواب کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہونچی۔

کاموں کی تفصیل

حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ استاذ دارالعلوم علیمیہ نے بے پناہ مصروفیات کے باوجود جامع مقدمہ تحریر فرمایا۔

حضرت علامہ کمال احمد صاحب قبلہ علیمی نے عرض حال تحریر کرنے کے ساتھ صفحہ ۱۹۵ تا ۳۶۰ کی تخریج، تسہیل اور پروف ریڈنگ کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت علامہ منظم صاحب قبلہ ازہری: تخریج صفحہ ۱ تا ۱۵۰

حضرت علامہ طیب علی صاحب قبلہ علیمی: تخریج، تسہیل، پروف ریڈنگ: صفحہ ۱۵۱ تا ۱۹۴

یہاں اس بات کی وضاحت بھی از حد ضروری ہے کہ پروف ریڈنگ اور کمپوزنگ وغیرہ کے فرائض انجام دینے والے باذوق ساتھیوں نے بعض مقامات پر فارسی، عربی اشعار، محاورات اور ضرب الامثال کا ترجمہ بھی حواشی میں شامل کردیا ہے، اور تنگی وقت کی بنا پر اساتذۂ کرام سے ان کی تصدیق کا موقع نہ مل سکا۔ لہذا اگر ترجمہ، پروف ریڈنگ اور قوسین وغیرہ کے بنانے میں کہیں کسی قسم کی خامی ہو تو یہ ہماری طرف ہی منسوب ہوگی محترم اساتذہ اور علامہ منظم ازہری ان سے بری ہوں گے۔

سب سے پہلے ہم ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں ان اساتذہ اور علامہ منظم ازہری صاحب قبلہ کی بارگاہ میں جن کے جہد پیہم نے ہمارے دیرینہ خواب کو پیکر حقیقت عطا کیا، اور ساتھ ہی ان اساتذۂ کرام اور مشائخ عظام کا بھی جنھوں نے اپنے گراں قدر تقاریظ و دعائیہ کلمات کے ذریعہ ہمارے کام کو درجۂ اعتبار عطا فرمایا۔ خصوصاً جانشین مفتی اعظم، تاج الشریعہ، قاضی القضاۃ فی الہند، حضرت علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا خان صاحب قبلہ قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ، جانشین حضور صدر الشریعہ، نائب قاضی القضاۃ فی الہند محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفی مدظلہ العالی، بانی و مہتمم الجامعۃ الامجدیہ گھوسی، ادیب شہیر علامہ فروغ احمد صاحب قبلہ اعظمی، صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی جنھوں نے ناسازی طبع کے باوجود ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا، ساتھ ہی کتاب کی تقریب لکھ کر اس کے درجۂ استناد کو اونچا کردیا۔ قمر العلماء علامہ قمر عالم صاحب قبلہ شیخ الحدیث دارالعلوم ہذا کے شکر گزار ہیں جنھوں نے کتاب پر گراں قدر تاثر تحریر فرمایا، نیز ہم علامہ شفیق الرحمن صاحب قبلہ، علامہ مفتی اختر حسین صاحب قبلہ صدر شعبۂ افتاء دارالعلوم ہذا، حضرت مولانا اسید علی صاحب قبلہ علیمی مصباحی، علامہ ڈاکٹر انوار احمد صاحب قبلہ بغدادی، علامہ احمد رضا صاحب قبلہ بغدادی، مولانا معراج الحق صاحب قبلہ بغدادی، مولانا محب احمد صاحب قبلہ علیمی، مولانا حافظ منصور علی صاحب قبلہ علیگ، مولانا غلام سید صاحب قبلہ علیمی علیگ، مولانا حافظ وقاری محمد ہاشم صاحب قبلہ علیمی، محترم ماسٹر سراج الدین صاحب قبلہ علیگ، محترم ماسٹر محمد احمد صاحب قبلہ و دیگر اساتذہ کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہر موڑ پر ہمارے ڈگمگاتے قدموں کو استقامت عطا کی اور ہماری غلطیوں کی اصلاح فرمائی۔ اللہ رب العزت ان بزرگوں کا سایۂ لطف و کرم ہم پر دراز فرمائے۔

ہم ان تمام حضرات کا بھی شکر ادا کرتے ہیں جنھوں نے کسی بھی طرح ہماری مدد فرمائی اور ہماری مشکلات کو بعونہ تعالی

آسان کیا۔ خصوصیت کے ساتھ پیر طریقت رہبر شریعت حضور شاہد میاں صاحب قبلہ جانشین خانقاہ مقدسہ اجمیر شریف اور فخر قوم و ملت مقبول حسین اشرفی (نیا پور گجرات) کا جنھوں نے اپنے گراں قدر عطیات سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ رؤف و رحیم مولی تمام معاونین کو دارین کی سعادتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

منجانب: طلبۂ جماعت سادسہ ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ

از قلم: محمد جعفر علی (سادسہ)

متعلم دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

عرض حال

عالم نبیل، فاضل جلیل، حضرت علامہ کمال احمد صاحب علیمی

استاذ دار العلوم علیمیہ جمداشاہی

تقریباً ڈیڑھ سال پہلے علیمیہ کی موجودہ جماعت سادسہ کے طلبہ میرے پاس آئے، اور کہنے لگے کہ ہم سب ایک کتاب چھپوانا چاہتے ہیں، تاکہ ہمارے یہاں نہ رہنے کے بعد یہ کتاب ہماری یادگار رہے، کتاب کا انتخاب میرے ذمہ چھوڑ دیا گیا، صرف اتنا بتا دیا گیا کہ اسلاف میں سے کسی کی معتبر و مستند کتاب ہو تو بہتر رہے گا، ان کی بات بڑی معقول تھی، آج ہم اسلاف کی کتابوں سے خوشہ چینی کر کے ہی کچھ لکھتے پڑھتے ہیں، پھر کیوں نہ عوام تک اصل ماخذ کو پہنچا دیا جائے، بزرگوں کی باتیں تاثیر کے شہد سے شیریں ہوتی ہیں، کیوں کہ ان کے خمیر میں اخلاص کا عنصر غالب ہوتا ہے، یہی سب سوچ کر میں نے کتاب کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا، تائید غیبی اور مشیت ایزدی دیکھیے! کہ انھیں دنوں محب مکرم حضرت علامہ منظم ازہری صاحب سے رابطہ ہوا، حضرت سے میں نے کتاب کی اشاعت کا ذکر کیا موضوع کتاب کی نوعیت سے آگاہ کیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک کتاب ہے جو آپ کے معیار پر پوری اترتی ہے، یہ کتاب علامہ منصور علی مرادآبادی کی تصنیف ہے جو اعلیٰحضرت کے معاصر ہیں، اس کے ساتھ چند اور مفید رسالے ہیں جن میں محدث سورتی کا ایک بصیرت افروز اور جامع رسالہ بھی ہے، اس کتاب کا مرکزی موضوع رد غیر مقلدیت ہے، یہ کتاب دراصل "**الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین**" کی تردید میں لکھی گئی ہے۔ ۱۳۰۱ھ میں پہلی بار منظر عام پر آئی، ۳۲۶ علمائے کرام و حفاظ و امراء سے مزین یہ کتاب کئی جہتوں سے منفرد و ممتاز ہے۔ علمائے عرب و عجم بالخصوص علامہ نقی علی خان، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، علامہ وصی احمد محدث سورتی، علامہ وکیل احمد سکندرپوری (صاحب نصرۃ المجتہدین)، محشی ہدایۃ النحو علامہ الٰہی بخش اور صاحب تصانیف کثیرہ ابوالحسنات علامہ عبدالحی اور اس طرح کے متعدد علمائے کرام علیہم الرحمہ کی تائید و تصدیق نے اس کتاب کو مقبولیت کی سند عطا کی ہے۔ رد میں لکھی جانے کے باوجود یہ کتاب بے جا تبرا بازی اور غیر مناسب طنز و تنقید سے خالی ہے سنجیدہ اسلوب میں دعوت فکر دی گئی ہے اور غیر مقلد عالم کے ہفوات کا مدلل و مفصل جواب دیا گیا ہے۔

کتاب کی ان خوبیوں کو سن کر میں اس کی زیارت کے لیے سراپا اشتیاق بن گیا، اور سجدۂ شکر بھی بجالایا کہ ایک بڑا معرکہ سر ہو گیا۔ میں نے علامہ ازہری صاحب سے گزارش کی کہ کسی طرح سے کتاب یہاں بھیج دی جائے حضرت کی کرم فرمائی

کر فوٹو کاپی کرا کے آپ نے وہ کتاب ہم تک پہونچا دی، کتاب بہت خستہ حالت میں تھی، کچھ صفحات تو فوٹو کاپی کے لائق ہی نہیں تھے، خیر جیسے تیسے کر کے کتاب ہم تک پہونچی، جتنا سنا تھا کتاب اس سے اچھی تھی، فوراً کتاب پر کام شروع ہوا، کام کرنے کے لیے جن فرخندہ فال شخصیات کا انتخاب ہوا ان میں علامہ ازہری کے ساتھ حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب، راقم الحروف، حضرت مولانا طیب صاحب اور حضرت مولانا غلام سید علی صاحب مصباحی علیگ (اساتذۂ علیمیہ) تھے، ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق کام کیا، کام بڑا مشکل تھا، اولاً تو کتاب کی تخریج، دوسرے پیراگرافنگ، تیسرے کمپوزنگ شدہ میٹر کی پروف ریڈنگ، چوتھے حاشیہ نگاری اور پانچواں کام تھا جدید فہرست سازی کا، علاوہ ازیں نئے انداز میں ذیلی سرخیاں لگانا، اور عربی عبارتوں کی تشکیل بھی ایک بڑا کام تھا، ڈیڑھ سال کی طویل مدت ان کاموں کے سامنے بڑی قلیل لگی ہے، اللہ کا فضل و احسان کہ ہر ایک نے محنت کی، اور سب کی محنت رنگ لائی، آج یہ کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے، کتاب کی اشاعت میں کیا دشواریاں آڑے آئیں، کتنے مصائب و آلام ہمارے پاؤں کی زنجیر بنے، کتنی راتیں اس پر قربان ہوئیں، کتنے لوگوں نے ساتھ دیا اور کتنوں نے ساتھ چھوڑا، یہ سب ذکر کرنا کچھ مفید نہیں، کام دیکھ کر آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔

کام ہوا مگر مکمل نہیں، کما حقہ ہم کام کر نہ سکے، مثلاً تسہیل الالفاظ کا کام یکسر چھوٹ گیا، کہیں کہیں تحشیہ کی ضرورت تھی مگر نہیں کیا جا سکا، تخریج میں بہت سارے حوالہ جات چھوٹ گئے، جس کی سب سے بڑی وجہ کتابوں کی عدم دستیابی رہی، فراہم کتابوں سے تخریج میں ہم نے کوتاہی نہیں کی ہے، ہاں! کچھ کتابوں کے نہ ملنے کی وجہ سے ان سے ماخوذ عبارتوں کی تخریج نہیں ہو سکی، ایسی جگہوں پر ہم نے مصنف کتاب ہی کی تخریج درج کر دی ہے۔ پوری کتاب پیراگرافنگ سے عاری تھی، ہم نے تا بہ مقدور پیراگرافنگ کا التزام کیا۔ عناوین اور سرخیاں حاشیہ پر درج کی گئی تھیں، ہم نے انہیں عبارتوں کے درمیان رکھا ہے تاکہ قاری مطلوبہ مواد تک آسانی سے پہنچ جائے۔ طرزِ کتابت میں قدیم اسلوبِ کتابت کا بھرپور لحاظ رکھا گیا تھا، ہم نے جدید انداز میں کتابت کرائی ہے، تاکہ جدید طرزِ کتابت سے آشنا قارئین کو کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ موضوع کی مناسبت سے برمحل پیش کیے گئے اشعار اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں تھے، مگر یہ نظم بشکل نثر کا بہترین نمونہ تھے، ہم نے انہیں اشعار کی شکل میں رکھا تاکہ نظم و نثر میں امتیاز رہے۔ علاماتِ ترقیم سے کتاب یکسر خالی تھی ہم نے ان کا لحاظ رکھا، کاما، فل اسٹاپ، سوالیہ نشان سب کا خیال رکھا گیا ہے۔

کتاب کو منظرِ عام پر لانے میں جماعت سادسہ کے طلبہ نے جو مساعیِ جمیلہ کیے ہیں، وہ ناقابلِ فراموش ہیں، بالخصوص محمد وسیم احمد، محی الدین ربانی، محمد مقصود رضا، محمد واصف رضا، جعفر علی، خلیل الرحمن قابلِ ذکر ہیں، مالی قربانی ہی کیا کم تھی، انہوں نے عملی تعاون میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا اپنے ان عزیز طلبہ کی وجہ سے کیا، اگر ان کا بار بار کا اصرار نہ ہوتا، ان کے بار بار کے تقاضے نہ ہوتے، تو شاید یہ علمی کام تشنۂ تکمیل رہتا، کبھی ان کے کھلے ہوئے چہرے ہمیں حوصلہ

دیتے تو کبھی ان کے مرجھائے ہوئے چہرے ہمیں کچوکے لگاتے، ان کا جذبۂ صادق ہمارے لیے مہمیز کا کام کرتا، ان کا اخلاص ہمیں آگے بڑھنے پر مجبور کرتا اور ان کا عزم مصمم ہمیں کچھ کر گزرنے کا حوصلہ بخشتا۔ کس کس کا نام لیا جائے، سب بے مثال ہیں، ان کے اس عظیم کارنامے نے یہ ثابت کر دیا ؎

نہ ہو نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

چلتے چلتے اساتذۂ کرام کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش ہے، جن کے مفید مشورے اور نیک دعائیں ہمارے ساتھ رہیں، علامہ منظم ازہری کا بھی شکریہ کہ انہوں نے نہ صرف اس کتاب کی نشان دہی کی بلکہ تخریج کا فریضہ بھی انجام دیا، اور برابر مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

خدا کرے کہ اسی طرح علمی کام ہوتا رہے، ہمارا حال و مستقبل ہمارے ماضی سے عمدہ ہو، اور جسمانی و روحانی قوت میں ایمانی حرارت سے ابال آتا رہے، اور ہم اسی طرح سے خدمت دین کرتے رہیں۔ (آمین)

کمال احمد علیمی

29-04-2014

بروز منگل، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

دعائے جمیل

وارث علوم امام احمد رضا، جانشین حضور مفتی اعظم ہند، تاج الشریعہ، حضرت علامہ الشاہ

مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ

قاضی القضاۃ فی الہند، بانی جامعۃ الرضا بریلی شریف

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

امابعد! عزیز ارشد، محب محترم، مفتی محمد اختر حسین قادری رضوی زید علمہ نے مجھے بتایا کہ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی میں زیر تعلیم جماعت سادسہ ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ کے طلبہ جماعت اہلسنت کے عظیم المرتبت عالم دین حضرت علامہ منصور علی خان بن مولانا محمد حسن علی مرادآبادی علیہ الرحمہ کی رد غیر مقلدیت پر لکھی ہوئی کتاب مسمیٰ بہ **فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین** کو جدید کمپوزنگ اور طباعت کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں۔

اس خبر سے مسرت ہوئی اور ان طلبہ کے لیے دل سے دعا نکلی۔ آج ضرورت ہے کہ اس طرح کی کتابوں کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور مسلمانوں کو وہابیت اور دیوبندیت کے دام فریب سے بچایا جائے۔

میری دعا ہے کہ رب جل شانہ وتعالیٰ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی اور ان باذوق اور باحوصلہ طلبہ کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور بیش از بیش دینی خدمات لے اور کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے۔ (آمین)

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری

دعائیہ کلمات

جانشین حضور صدر الشریعہ، نائب قاضی القضاۃ فی الہند
محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی
بانی الجامعۃ الامجدیہ گھوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس خبر سے مجھے بہت خوشی ہوئی اور شکر الٰہی بجالایا کہ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی درجۂ عالمیت کے طلبہ نے غیر مقلدین کے رد میں **فتح المبین** اور **دبوس المقلدین** کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں غیر مقلدین کی فریب کاریوں اور الزام تراشیوں کی پردہ دری میں بہت ہی جامع اور دلائل سے بھرپور ہیں۔

غیر منقسم ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں ائمۂ اربعہ کی تقلید بلا انکار نکیر صدیوں سے جاری وساری ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہو گیا، لیکن جب سے ابن تیمیہ کی کتابیں پڑھ کر محمد ابن عبدالوہاب، قاضی شوکانی اور اسمٰعیل دہلوی گمراہ ہوئے تو انھوں نے اجماع کے برخلاف امت میں اختلاف وانتشار کی راہیں ہموار کیں۔ اور ایک نئے مذہب غیر مقلدیت اور نام نہاد اہل حدیث کی بنیاد ڈالی۔ یہ غیر مقلدین خود اپنے بابیوں کے مقلد ہیں۔ ورنہ کتاب وسنت سے استنباط احکام میں ان کے درمیان ضرور اختلاف واقع ہو۔ ان کے تمام علما اور عوام استنباط احکام واستخراج مسائل کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ شرائط استنباط سے بھی نرے کورے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ حقیقۃً قاضی شوکانی، ابن حزم کے مقلد ہیں۔ جبکہ یہ دونوں خود احکام کی تخریج واستنباط سے عاری تھے۔ میاں جی نذیر حسین دہلوی اور صدیق حسن بھوپالی جیسے غیر مقلدین بھی ابن حزم، ابن تیمیہ اور شوکانی کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔

استنباط احکام کے لیے بنیادی طور پر تفصیلی دلائل شرعیہ کے اصول وقواعد کا متعین ہونا ضروری ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کے یہاں نہ اصول فقہ ہیں نہ اصول حدیث وتفسیر، مثلاً امر ونہی کو وجوب یا حرمت، سنت یا کراہت یا اباحت کے لیے متعین کرنے میں ان کے پاس کیا اصول ہیں؟ ان سب معاملات میں درحقیقت ائمۂ اربعہ میں سے جس کا قول اپنی خواہش نفس کے مطابق پایا اس کو اختیار کر لیتے ہیں اور یہ اتباع ہوا و نفسانیت ہے نہ کہ اتباع شرع۔

اصولی طور پر غیر مقلدیت کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ عقائد سے لے کر فروع احکام تک مخالفت شرع کے قعر عمیق میں ڈوبے

ہوئے ہیں۔

غیر مقلدین قیاس شرعی کے منکر ہیں جو سراسر کتاب وسنت کی مخالفت ہے اور خود ان کا حال یہ ہے کہ جن آیتوں میں اصنام و انصاب سے استغاثہ کرنے کی وجہ سے کفار مکہ کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ انھیں آیتوں پر خود ساختہ قیاس کرتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے مدد مانگنے والے بھی مشرک ہیں۔ جبکہ ان نفوس قدسیہ سے استعانت کتاب وسنت سے صراحۃ ثابت ہے۔

طلبہ کے اس ذوق اشاعت سے ہماری یہ توقعات وابستہ ہیں کہ ان شاء اللہ مستقبل میں حق کی سربلندی اور بدمذہبوں کی سرکوبی کو اپنے لیے محور زندگی بنائے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور تائید غیبی سے نوازتا رہے۔ (آمین)

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری

تقریب

ادیب شہیر حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی

صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

تحریک وہابیت کے عملی بانی ابن عبد الوہاب نجدی نے مسلکِ اسلاف کے مقابل اپنے جس فکری و عملی تشدد پسندانہ کردار کا غیر انسانی مظاہرہ اپنے دور میں جزیرۃ العرب کے اندر ایک محدود حلقے میں کیا اور خاندان سعود کی پشت پناہی میں طاقت وزور کی بنا پر علمائے اسلام اور عام مسلمانوں پر جو ظلم و ستم روا رکھا قتل و غارت گری کی، اور اسلامی آثار کو تباہ و برباد کیا وہ جگ ظاہر ہے اور عالمی تاریخ کا ایک اہم اور لائق توجہ و مطالعہ حصہ ہے۔

برصغیر میں اسمٰعیل دہلوی نے اسی راہ پر چلنے کی بھرپور کوشش کی، اور وہابیت کی تشہیر و اشاعت میں اہم رول ادا کیا مگر سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں مار دیے جانے کے بعد وہابیت کی تبلیغ و اشاعت کا ارہابی انداز تو اس وقت کسی حد تک ختم ہو گیا تھا۔

مگر ادھر چند دہائیوں سے تحریک وہابیت کا ایک مخصوص ارہابی اور شدت پسند طبقہ ابن عبد الوہاب نجدی اور اسمٰعیل دہلوی کے طریقے پر افغانستان، پاکستان، لیبیا، عراق، شام اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں بڑے منظم پیمانے پر یہ کام انجام دینے میں لگا ہوا ہے، جس سے اسلامی اصول، عالمی منشور اور حقوق انسانی کی صریح خلاف ورزی ہو رہی ہے، علمائے اسلام سمیت پوری دنیا کے عوام اور حکمراں اس سے متاثر اور حیران و پریشان ہیں اور اس کے صحیح اور کارگر علاج میں یورپ و امریکہ جیسی زبردست طاقتیں بھی بے بسی کا اظہار کر رہی ہیں۔

دنیا بھر کے علمائے اسلام سمیت برصغیر کے علمائے اہل سنت نے بھی علمی و استدلالی انداز میں تحریری و تقریری رد وہابیہ کی سرکوبی کے لیے بھرپور اور زبردست کردار ادا کیا تھا، جن میں علامہ فضل رسول بدایونی اور علامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے، زمانی اعتبار سے بعد میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خصوصی کردار تو بہت نمایاں اور نکھرا ہوا ہے جس کی ساری دنیا معترف ہے۔

مگر رد وہابیت کرنے والے کئی سابقین اولین علمائے اہل سنت کی علمی و تحریری مسائل منظر عام پر آنے سے رہ گئیں یا ان کے دور میں ایک دو ایڈیشن کے بعد کمیاب یا نایاب ہو گئیں۔

دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی کے طلبہ نے زیر نظر کتاب **"فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین"** از علامہ منصور علی قادری مرادآبادی [م ۱۳۲۷ھ] کی اشاعت کر کے اسلاف کی خدمت میں بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے ۶۱۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک غیر مقلد عالم کی لکھی ہوئی کتاب "**الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین**

"کے جواب میں لکھی گئی ہے، غیر مقلد عالم نے ائمۂ سلف پر طعن وتشنیع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا، اپنے زعم میں فقہ کے سو مسئلے قرآن وحدیث کے خلاف لکھ کر اس کتاب کے ذریعہ عوام الناس کو یہ تاثر دینا چاہا تھا کہ ائمۂ مجتہدین نے جتنے مسائل فقہیہ بیان کیے ہیں وہ سب قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، بالخصوص ائمۂ اربعہ کی شان میں گستاخی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

زیر نظر کتاب کے مصنف حضرت علامہ محمد منصور علی بن مولانا محمد حسن علی مرادآبادی نے اس فتنہ کو محسوس کیا، اور اس کے جواب میں یہ کتاب "**فتح المبین**" ۱۳۰۱ھ میں تصنیف فرمائی، ۲۶۳ علمائے کرام کے دستخط ومواہیر سے مزین یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے، علمائے عرب وعجم نے اس کتاب کی تائید وتوثیق فرمائی، بالخصوص اس دور کے مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین صفحات پر مشتمل زبردست تقریظ لکھ کر اس کتاب کی افادیت واہمیت کی سند فراہم کردی۔

تقریباً ۱۳۳ سال سے یہ کتاب منصۂ شہود سے غائب تھی، خدا بھلا کرے دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کی جماعت سادسہ ۲۰۱۴ء کے طلبہ کا جنہوں نے اسے عظیم کام کے لیے کمر کسی اور تحقیق، تخریج، مقدمے، تسہیل اور فہرست سازی کے ساتھ اس کتاب کو زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

شروع کے ایک سو پچاس صفحات کی تخریج کا کام اولاً حضرت مولانا معظم ازہری بدایونی نے کیا اور حضرت علامہ کمال احمد علیمی استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، حضرت مولانا طیب صاحب علیمی استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی نے تخریج کا بیشتر کام انجام دیا، جماعت سادسہ کے طلبہ بالخصوص عزیزم وسیم احمد، محمد منصور رضا، ذکی الدین ربانی، جعفر علی، محمد واصف، محمد خلیل الرحمن وغیرہ نے کچھ حد تک کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، تخریج، تحشیہ اور کمپیوٹر پر کریکشن کا کام انجام دیا، ضروری مواد پر مشتمل ایک وقیع مقدمہ حضرت علامہ مولانا مفتی نظام الدین صاحب استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی نے لکھا، اور عرض حال حضرت علامہ کمال احمد علیمی صاحب استاذ دارالعلوم علیمیہ نے تحریر مایا، اشاعت کے لیے رقم کی فراہمی جماعت سادسہ کے طلبہ نے کی، اللہ رب العزت ان تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازے، اور مستقبل میں اس سے زیادہ عظیم کام کرنے کی توفیق سے نوازے۔

یقیناً اس طرح کے مثبت کاموں سے طلبہ کے اندر تحقیق وتصنیف کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، ان کو اس طرح کے تحقیقی کاموں کی انجام دہی کا سلیقہ وشعور ملتا ہے، غیر علمی سرگرمیوں، غیر ضروری اور غیر اہم کاموں سے دور رہتے ہیں اور مزید یہ کہ دوسرے طلبہ میں اس طرح کے کاموں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اللہ پاک طلبہ کو اس طرح کے دینی، ملی، تحقیقی اور تصنیفی کاموں کی مزید توفیق دے، دنیا وآخرت میں سرخروئی عطا فرمائے، اور ان کے اس عظیم کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے۔ آمین ثم آمین

مخلص

فروغ احمد اعظمی غفی عنہ

صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی

تقریظ جمیل

حضور قمر العلما علامہ قمر عالم صاحب قبلہ

شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

زیر نظر کتاب مستطاب "**فتح المبین**" ردوہابیت میں بڑی شاہکار تصنیف ہے، یہ کتاب ایک غیر مقلد عالم کی تصنیف کردہ کتاب "**الظفر المبین**" کی تردید میں لکھی گئی ہے۔ موضوع سے متعلق بڑے قیمتی مواد یکجا کیے گئے ہیں، اکابرین اہل سنت بالخصوص سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، محدث سورتی، مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا الہی بخش علیہم الرضوان کی تقریظات وتصدیقات نے اس کے پایۂ استناد کو نہایت بلند کر دیا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی کی موجودہ جماعت سادسہ ۲۰۱۴ء کے طلبہ نے خصوصی کردار ادا کیا ہے، ان کی کوششیں لائق صد تحسین وتبریک ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کے علم اور عمل میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے، اور اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین

محمد قمر عالم قادری

خادم دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

۱۰ر مئی ۲۰۱۴ء مطابق ۱۰ر رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

تاثر گرامی

حضرت علامہ مولانا **شفیق الرحمٰن** صاحب قبلہ

استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

نہایت مسرت وشادمانی کی بات ہے کہ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی کے موجودہ جماعت سادسہ ۲۰۱۴ء کے طلبہ نے کتاب لاجواب "**فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین**" مصنفہ علامہ **منصور علی خان** مرادآبادی کی جدید اشاعت کا کام انجام دیا۔

موجودہ دور میں فتنۂ غیر مقلدین روز افزوں ہے اور ہر طرف یہ لوگ عوام الناس کو فریب دیکر تقلید ائمہ سے بیزار کر رہے ہیں ۔ایسے میں ہمارے ان طلبہ کا عمل نہایت قابل صد آفریں ہے ۔مولیٰ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کتاب سے بدمذہبوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور ایمان والوں کو اور مستحکم بنائے۔

اللہ تعالیٰ ان ناشرین طلبہ کے علم وعمل میں کثیر برکتیں عطا فرمائے ۔ آمین

محمد شفیق الرحمٰن عفی عنہ

خادم الطلبہ والاستاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

۱۰ مئی ۲۰۱۴ء مطابق ۱۰ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

کلمات طیبات

نا شرِ مسلکِ اعلیٰحضرت مناظرِ اہلِ سنت، خلیفہ حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر حسین صاحب قبلہ علیمی
قاضی شریعت ضلع سنت کبیر نگر و صدر شعبہ افتا، دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

اما بعد!

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حق و باطل اور خیر و شر کی معرکہ آرائی عہد قدیم سے ہوتی چلی آئی ہے اور آج بھی باطل اپنی پوری توانائی سے حق کو نیست و نابود کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے، طاغوتی طاقت نے حق کے خلاف بے شمار محاذ کھول رکھا ہے اور ہر سمت اسلام بیزار طوفان برپا کر دیا ہے مگر حقانیت کا چہرہ کل کی طرح آج بھی مانند آفتاب و ماہتاب درخشندہ و تابندہ ہے اور کائنات کو نور ہدایت بخش رہا ہے **فلله الحمد.**

بارہویں صدی ہجری میں عقیدۂ تثلیث پر نثار قوم نے اسلام و مسلمین کی تباہی کے لیے کچھ نام نہاد مسلمانوں کو خرید کر دسیسہ کاری کا ایسا حربہ اپنایا کہ امت مسلمہ کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور مسلمانوں کا شیرازہ اختلاف و انتشار کی آگ میں خاکستر ہو گیا۔

توحید کے نام پر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی عزت و حرمت پر ناروا حملے کیے جانے لگے اولیاء اللہ کے تقدس کو پامال کرنے کا سلسلہ چل پڑا اور اسلاف کی چادر عظمت کو تار تار کر کے رکھ دیا گیا۔

توحید کے ان نام نہاد علم برداروں نے معتقدات و معمولات اسلام کو شرک و بدعت کے خانے میں ڈال کر مسلمانوں کو مشرک و بدعتی اور جہنمی ہونے کا روح فرسا فتویٰ سنایا گھر گھر میں جنگ و جدال کا بازار گرم کر دیا اور ہر سو وہابیت اور نجدیت کے زہریلے جراثیم پھیلنے لگے۔

ان جان لیوا حالات اور ایمان سوز حرکات سے نبرد آزما ہونے اور اسلام و مسلمین کی حفاظت و صیانت کے لیے علمائے حق کفن بر دوش ہو کر میدان میں اتر پڑے اور باطل افکار و نظریات کے پرخچے اڑا دیے، ہزاروں صفحات پر پھیلی اس تفصیل کو جاننے کے لیے علمائے کرام کی کتب و رسائل کو دیکھا جا سکتا ہے۔

یہودیت ونصرانیت کے بطن سے پیدا تحریک وہابیت کی حقیقت کو طشت از بام کرنے کے لیے دنیائے اسلام کے ہزاروں علماء نے قربانیاں پیش کی ہیں مگر سرزمین ہند میں اس مذموم تحریک کی سرکوبی میں مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی اور علامہ فضل رسول بدایونی علیہما الرحمہ نے اپنے عہد میں نمایاں کردار ادا کیا ہے آپ کے بعد جماعت حقہ کی بچی قیادت کالازوال اور بے مثال کارنامہ مجدد دین وملت امام ربانی اعلیحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انجام دے کر اللہ ورسول کی ایسی رضا حاصل کی کہ آپ کی طرف نسبت مذہب حق کی پہچان بن گئی۔

آپ کے دور میں بے شمار جلیل القدر علماء دین وملت نے وہابیت کی بیخ کنی فرمائی اور چاند پر تھوکنے والوں کو کیفر کردار تک پہونچایا ان باہمت اور پرعظمت شخصیات میں علامہ منصور علی خان بن مولانا محمد حسن علی مرادآبادی علیہ الرحمہ کا نام بھی شامل ہے۔

آپ نے مئے توحید سے سرشار ایک بدمست وہابی کی مکروفریب سے پر کتاب **الظفر المبین فی رد مغالطات مقلدین** کا جواب بنام **فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین** لکھ کر اس کے خرافات و خرافات اور ہذیانات کا ایسا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے کہ دنیائے وہابیت کا کوئی سورما آج تک اس کا جواب دینے کی جرأت نہ کر سکا **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**۔

مسلک اعلیحضرت کی نشر واشاعت کا عظیم قلعہ خلیفہ اعلیحضرت مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی مہاجر مدنی علیہ الرحمہ کی دعائے صبح گاہی کا حسین ثمرہ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی اور اس میں زیر تعلیم جماعت سادسہ ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ کے باذوق طلبہ قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اس عظیم علمی سرمایہ کو قوم تک پہونچانے کا بارگراں اپنے ناتواں کندھے پر لیا رب تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثنا کے طفیل ان سب کو قدم قدم پر اپنی رحمتوں سے نوازے مسلک اعلیحضرت کا سچا ترجمان بنائے اور علم وعمل کی دولت سے مالامال فرمائے۔ (آمین)

فقیر محمد اختر حسین قادری

خادم درس وافتاء دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی

۲۰ رمئی ۲۰۱۴ء مطابق ۲۰ ررجب المرجب ۱۴۳۵ھ

تقریظ جلیل

حضرت علامہ ومولانا محبّ احمد صاحب قبلہ علیمی

استاذ: دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

غیر مقلدین اپنی شدت پسندی اور فکری آوارگی کے لیے بہت مشہور ہیں ان نام نہاد اسلام کے ٹھیکیداروں سے اسلام کو جو زبردست نقصان پہونچا ہے وہ اہل علم ودانش سے مخفی نہیں ہے اور عصر حاضر میں وہابی ازم کے پرستاروں سے اسلام کی صاف ستھری شبیہ جس طرح داغدار ہو رہی ہے وہ بھی جگ ظاہر ہے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اور برطانوی حکومت کے غاصبانہ قبضے کے نتیجے میں متحدہ ہندوستان میں مذہب کی آڑ میں جن فتنوں نے سر ابھارا ان میں ایک عظیم فتنہ عدم تقلید کی شکل میں وہابیت کا بھی تھا، صدیوں سے جاری مسلمہ حقائق وعقائد کو ان متشددین نے یک لخت مسترد کرنے کی ناپاک کوشش کی، اسی پر آشوب ماحول میں غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے اشارے پر ایک نومسلم غیر مقلد کتب فروش نے ہفوات وبکواس پر مشتمل کتاب "**الظفر المبين في رد مغالطات المقلدين**" لکھی جس کے جواب اور رد میں علمائے اہل سنت کی طرف سے "**فتح المبين في كشف مكائد غير المقلدين**" اور "**نصر المقلدين في جواب الظفر المبين**" وغیرہ جیسی کتابیں لکھی گئیں۔

زیر نظر کتاب "**فتح المبين**" اور اس کے ساتھ جو کچھ مفید اور معلوماتی رسالے شامل ہیں غیر مقلدیت کی تردید اور مسلک حق کی تصویب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں مگر امتداد زمانہ کی وجہ سے نسل نو علمی اور تحقیقی معرکۃ الآرا کتابوں سے نابلد ہوتی جا رہی ہے جو اسلاف شناسی کے منافی اور نامناسب ہے۔

اللہ بھلا کرے دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی کے جماعت سادسہ ۲۰۱۲ء کے ان ہونہار اور سعادت مند طلبہ کا جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت وطباعت کا ذمہ لے کر اسلاف سے سچی محبت اور مذہب اہلسنت سے گہرے تعلق خاطر کا بین ثبوت پیش کیا ہے، اس ضمن میں عزیز محمد وسیم احمد، محی الدین ربانی، محمد مقصود رضا، خلیل الرحمٰن، محمد واصف رضا، جعفر علی، حامد رضا اور ان کے رفقا کار کی مساعی قابل قدر اور لائق تبریک ہیں، اللہ تبارک وتعالی ان سب کو مستقبل کا بہترین قلم کار اور دین متین کا سچا نقیب وترجمان بنائے۔

اس کتاب کو نئے سرے سے ایڈٹ کرنے اور تخریج و تحشیہ اور فہرست سازی جیسے دشوار گزار مراحل کو آسان کرنے میں فقہ و فتاوی پر گہری نظر رکھنے والے مفتی اور میدان تدریس کے عظیم شہسوار استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین قادری علیمی مصباحی استاذ دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی کی نگرانی میں دارالعلوم کے جواں سال اساتذہ کی ٹیم میں حضرت علامہ کمال احمد علیمی، حضرت مولانا غلام سید علیمی خنیف، حضرت مولانا طیب علیمی استاذ دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی کی خدمات اور کاوشیں لائق صد تحسین ہیں۔ اور بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس کتاب کو نئے رنگ و آہنگ اور حوالوں سے مزین کرنے والوں میں حضرت علامہ محمد منظم ازہری صاحب کا ذکر نہ کیا جائے۔ اللہ رب العزت ان تمام حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے اور کتاب کو مقبول انام فرمائے۔

(آمین)

محب احمد قادری علیمی

استاذ: دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی بستی

۱ر مئی ۲۰۱۲ء مطابق ۱۱ر رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

تقدیم

جامع معقول و منقولات حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ علمی مصباحی
استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ و مجتہدی امتہ اجمعین۔

تقلید اور اجتہاد

تقلید کا لفظ دو معنوں پر بولا جاتا ہے۔

پہلا معنی:

دوسرے کے قول پر بغیر کسی دلیل کے عمل کرنا، یعنی جس بارے میں نہ تو اجمالی دلیل ہو اور نہ ہی تفصیلی دلیل ہو۔ مثلاً ایک عامی (غیر مجتہد) دوسرے عامی کے قول پر عمل کرے، کیوں کہ عامی (غیر مجتہد) کا قول نہ تو خود اس کے حق میں حجت و دلیل ہے اور نہ ہی دوسرے کے حق میں حجت و دلیل ہے۔

تقلید کی مذکورہ بالا صورت تقلید حقیقی کہلاتی ہے، اور یہی تقلید کا معنی حقیقی ہے۔ تقلید حقیقی کی شرع میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں بھی تقلید کی مذمت وارد ہے وہاں یہی معنی مراد ہے۔ امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں:

" إنَّ التقليد المذموم هو اخذُ قول اهل الزيغ و البطلان بلا دليل و تمسك، ليس تمسُّكهم فيه إلا قولهم "إنا وجدنا الآباء على أمة وإنّا على آثارهم مهتدون" ۔ وهو كاليهود والنصارى والفرق الضالة من الروافض والخوارج، فمن قلدهم كان مثلهم في الضلالة، أما الاتباع إلى أهل الحق والتقليد بهم فهو اصلٌ من أصول الدين، وعصمة من عصم المسلمين يلتجي إليه المقصّرُ عن ذلك النظر"۔

ترجمہ: بے شک بری تقلید وہ ہے کہ گمراہوں اور اہل باطل کے قول پر بغیر کسی دلیل اور تمسک کے عمل کریں اور دلیل میں صرف یہ کہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا، اس لیے ہم ان کے قدم بہ قدم چل کر راہ پاتے ہیں اور وہ فرقہ یہود و نصاریٰ اور روافض اور خارجیوں کے مثل گمراہ لوگ ہیں، اس لیے جو شخص ان کی تقلید کرے گا گمراہی میں انہی جیسا ہوگا۔ مگر

اہلِ حق کی اطاعت اور اُن کی تقلید عینِ دین کا اصول اور مسلمانوں کے لیے گمراہی سے بچاؤ ہے اور جو نظر و اجتہاد سے قاصر ہے وہ اس کی پناہ لیتا ہے۔

(تعمر المقلدین ص ۹۹-۱۰۰ بحوالہ انتصار الحق)

چوں کہ تقلید کا حقیقی معنی یہ ہے کہ بغیر کسی (اجمالی یا تفصیلی) دلیل کے دوسرے کے قول پر عمل کیا جائے، اس لیے اگر کوئی عامی، مجتہد کی طرف اس لیے رجوع کرے تاکہ اس سے حکمِ خدا و رسول معلوم کرکے اس پر عمل پیرا ہو تو یہ تقلید حقیقی نہیں ہے، کیوں کہ عامی کو اگرچہ مجتہد کی تفصیلی دلیل پر آگاہی نہیں ہوتی ہے، لیکن وہ یہ دلیل اجمالی جانتا ہے کہ نصوصِ قرآن و سنت میں مجتہدین کے قول پر عمل کرنے کا حکم موجود ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ تو اے لوگو! اگر تمھیں علم نہیں تو علم والوں سے پوچھ لو۔ اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " ألا سألوا إذ لم يعلموا فإنما شفاء العيّ السؤال " یعنی: اُن لوگوں کو جب معلوم نہ تھا تو اُن لوگوں نے پوچھا کیوں نہیں، کیوں کہ لاعلمی کا علاج دریافت کرنا ہے''۔ (مشکوۃ المصابیح، باب التیمم ص ۵۵)

تقلید کا دوسرا معنی:

تقلید کا معنی حقیقی تو وہی ہے جو بیان ہوا، لیکن عرفِ ناس میں اس کو بھی تقلید کہا جاتا ہے کہ ایک عامی کسی مجتہد کے قول پر اس کی تفصیلی دلیل سے آگاہی حاصل کیے بغیر عمل پیرا ہو، یہ بھی ایک اصطلاح ہے اور اس معنی میں تقلید کا استعمال اصولیین کے نزدیک بھی شائع ہے۔ چوں کہ اس اصطلاحِ ثانی کی رو سے تقلید اس کا نام ہے کہ مجتہد کی تفصیلی دلیل سے آگاہ ہوئے بغیر اس کے قول پر عمل کیا جائے، اسی لیے تفصیلی دلیل کے علم کے بغیر محض اجماع کی بنیاد پر کوئی عمل تقلید نہیں کہلاتا، حالاں کہ تفصیلی دلیل یہاں بھی مفقود ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ تقلید کا استعمال عرفِ ناس میں اس معنی میں ہوگیا ہے کہ مجتہد کی تفصیلی دلیل پر آگاہی کے بغیر اس کے اس قول پر عمل کیا جائے جس کو وہ اللہ و رسول کا حکم ہوتا ظاہر کر رہا ہے۔

جامع معقول و منقول ملا محب اللہ محقق بہاری علیہ الرحمہ مسلم الثبوت میں تحریر فرماتے ہیں: "التقليد: العمل بقول الغير من غير حجة، كأخذ العاميّ والمجتهد من مثله، فالرجوع إلى النبي ﷺ أو إلى الاجماع ليس منه، وكذا العامي إلى المفتي، والقاضي إلى العدول لايجاب النص ذلك عليهما، لكن العرف على أنّ العاميّ مقلّد للمجتهد، قال الامامُ: وعليه معظم الاصوليين "۔ یعنی: تقلید یہ ہے کہ دوسرے کے قول پر بغیر کسی دلیل کے عمل کیا جائے، جیسے کہ ایک عامی اپنے جیسے کسی دوسرے عامی سے اخذ کرکے عمل کرے یا ایک مجتہد اپنے جیسے کسی دوسرے مجتہد سے اخذ کرکے عمل کرے۔ (چوں کہ تقلید کا معنی حقیقی بغیر کسی دلیل کے دوسرے کے قول پر عمل کرنا ہے) یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنا یا اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے اور یوں ہی ایک عامی کا مفتی (مجتہد)

کی طرف رجوع کرنا یا قاضی کا عادل گواہوں کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے، کیوں کہ نص نے عامی اور قاضی پر یہ واجب کر دیا ہے۔ البتہ عرف اس پر جاری ہو گیا ہے کہ عامی کو مجتہد کا مقلد کہا جاتا ہے، اور اسی اصطلاح پر بیشتر اصولیین بھی ہیں۔

اس معنی ثانی کے اعتبار سے تقلید مذموم نہیں ہے، کیوں کہ یہاں بغیر کسی دلیل کے وہ عمل کرنا صادق ہی نہیں ہے جس کی قرآن وحدیث میں مذمت وارد ہے، بلکہ اس کے برخلاف اس تقلید کا قرآن حکیم نے حکم دیا ہے، جس پر آیت کریمہ ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ اور آیت کریمہ ﴿واطيعوا الله و اطيعوا الرسول واولى الامر منكم﴾ واضح برہان ہیں۔ پہلی آیت کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے: " وفي الآية دلالة على وجوب المراجعة إلى العلماء في ما لا يُعلم " یعنی: یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ جس بارے میں علم نہ ہو اس میں علماء سے استفسار واجب ہے۔

اور دوسری آیت کے تحت دارمی کے باب الاقتدا بالعلماء میں ہے " أخبرنا ابو يعلى، قال اخبرنا عبد الملك عن عطاء ﴿واطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم﴾ قالوا: اولو العلم والفقه " ۔ یعنی: خبر دی ہم کو ابو یعلی نے، انھوں نے کہا کہ مجھ سے عبد الملک نے کہا، انھوں نے عطاء سے روایت کی قول باری تعالی ﴿ اطيعوا الله واطيعوا الرسول اولى الامر منكم ﴾ میں اولوالامر سے مراد اہل علم وفقہ ہیں۔ (بحوالہ جاء الحق اول ص ۲۳)

اور تفسیر در منثور میں اسی دوسری آیت کی تفسیر میں ہے: " اخرج ابن مردويه عن انس قال سمعتُ النبي ﷺ يقول: إنّ الرجل يصلي ويصوم ويحجّ ويغزو وانّه لمنافق. قالوا: يارسول الله! وبماذا دخل عليه النفاق؟ قال: لطعنه على امامه، قالوا: وامامه مَن؟ قال، قال الله في كتابه ﴿فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ " یعنی: ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بعض شخص نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج اور جہاد کرتے ہیں، حالاں کہ وہ منافق ہوتے ہیں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! ان میں کس وجہ سے نفاق آ گیا؟ فرمایا کہ اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے۔ عرض کیا، امام کون ہے؟ فرمایا کہ رب نے فرمایا ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھ لو"۔ (ایضا)

اس بیان سے واضح ہوا کہ ہم جس معنی میں ائمۂ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ تفصیلی دلیل کا علم اگرچہ ہمیں نہ ہو لیکن اجمالی دلیل ہمارے پاس موجود ہے، لہذا اس صورت میں بغیر کسی دلیل کے دوسرے کے قول پر عمل کرنا نہ پایا گیا۔

گزشتہ سطور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کے افراد دو طرح کے ہیں (۱) مجتہد، یہ وہ ارجمند حضرات ہیں جن کو رب قدیر نے اجتہاد کی مطلوبہ صلاحیت سے بہرہ ور کیا ہے (۲) عامی (غیر مجتہد)۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ اجتہاد کی تعریف

اور اس منصب کے لیے مطلوب اہلیت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

اجتہاد:

حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی علیہ الرحمہ اجتہاد کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: "**هو بذل الفقيه طاقته في استخراج الحكم الشرعي النظري بحيث يحس عن نفسه العجز عن المزيد عليه**" "یعنی: اجتہاد یہ ہے کہ فقیہ (مجتہد) کسی حکم شرعی نظری کے استخراج میں اپنی پوری فکری توانائی خرچ کر دے کہ مزید توانائی صرف کرنے سے اپنے اندر بے بسی محسوس کرے۔" (قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص ۲۴۰)

اور علامہ ابوالبرکات نسفی علیہ الرحمہ اجتہاد کی شرطیں ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "**وشرط الاجتهاد أن يحوي علم الكتاب بمعانيه ووجوهه التي قلنا، وعلم السنة بطرقها المذكورة وأن يعرف وجوه القياس بطرقها وشرائطها**" "یعنی: اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والے کو کتاب اللہ کے لغوی اور شرعی معانی کے علم کے ساتھ بیان کردہ وجوہ کا علم ہو اور اس کو سنت (حدیث) پر بھی اس کے جملہ علوم کے ساتھ عبور حاصل ہو نیز اس کو وجوہ قیاس پر بھی اس کے مقررہ طرق اور شرائط کے ساتھ کامل آگاہی حاصل ہو۔" (المنار مع نور الانوار ص ۲۴۰)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: "**لأنّ معرفة الدليل إنّما تكون للمجتهد لتوقّفها على معرفة سلامته من المعارض، وهي متوقّفة على استقراء الأدلّة كلّها، ولا يقدر على ذلك إلّا المجتهد.**" "یعنی: دلیل کی معرفت تو صرف مجتہد کو حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ دلیل کی معرفت اس پر موقوف ہے کہ پیش نظر دلیل، معارض سے سالم ہو اور معارض سے سالم ہونے کی معرفت اس پر موقوف ہے کہ تمام دلائل کا استقراء و تتبع کیا جائے اور اس عمل پر مجتہد کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے۔" (رسالہ شرح عقود رسم المفتی مشمولہ رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۳۰)

آج کل غیر مقلدین کا طبقہ عوام کو ہر طرح سے ورغلاتا ہے اور حدیث پر عمل کی دہائی دے کر امت مسلمہ کو روش تقلید سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے، بخاری مسلم ان کے نوک زبان پر ہوتا ہے لیکن اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ حدیث پر عمل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے فہم ناقص کے مطابق عمل کر لینے کو حدیث پر عمل کرنا قرار دے لیا جائے، کیوں کہ کسی حدیث سے براہ راست استدلال کے لیے درج ذیل امور کا علم ضروری ہے۔

(۱) اس حدیث کا منسوخ نہ ہونا معلوم ہو۔

(۲) دلائل کا استقراء ہو اور جملہ دلائل پر نظر ہو تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس حدیث کا کوئی ایسا نقلی یا عقلی معارض نہیں ہے جو زیر نظر حدیث سے قوی تر یا اس کے مساوی درجہ کا ہے۔

اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جب تک بعطائے رب قدیر کسی کا قلب نور اجتہاد سے منور نہ ہو ان مذکورہ امور کا صحیح

عرفان نہیں ہوسکتا۔

احادیث کے جوذ خائر ہم تک پہونچے ہیں اُن میں بیشتر احادیث کی تواریخ ارشاد اور شانِ ورود کی روایات کا ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے، پھر سن بشا کو کسی حدیث پر حکم نسخ لگانے کا حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ قرآنی آیات کو دیکھ لیجیے تمام آیات کا ثبوت بطریق تواتر قطعی ہے اور علما نے شانِ ورود اور نسخ کے بیان کا کامل اہتمام کیا ہے، بایں ہمہ ناسخ منسوخ آیات کی تعداد اور تفصیل میں علما وائمہ کے مابین اتنے کثیر اختلافات ہیں جن میں ایک حاذق عالم بھی مبتلائے حیرت ہوجاتا ہے اور اس کے لیے کوئی حکم لگانا بہت مشکل ہوتا ہے تو پھر احادیث میں جہاں شانِ ورود اور ارشادات میں ترتیب کے بیان میں قرآن پاک کی طرح اعتنا ے شان بھی نہیں وہاں کسی عامی کی کیا مجال کہ کسی قولِ فیصل لانے کا دعوے دار ہو۔

پھر اگر بطور فرض انتفاے نسخ معلوم بھی ہو تو دلیلِ معارض اقوی یا مساوی کا انتفا بھی معلوم ہونا درکار ہے۔ اور معارض دلیل کی صورتیں بہت ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں

☆ معارض کی ایک صورت یہ ہے کہ حدیث کا مضمون کسی صریح آیت، یا ظاہر نص، مفسر، محکم، یا اشارۃ النص، یا دلالت النص، یا اقتضاء النص، یا عموم یا خصوص، یا اطلاق یا تقیید کے منافی ہو۔

☆ معارض کی ایک صورت یہ ہے کہ اس حدیث کے خلاف دوسری صحیح یا حسن قابلِ احتجاج حدیث موجود ہو، اگرچہ وہ حدیث بخاری و مسلم میں نہ ہو، کیوں کہ ہم ارشاداتِ رسول علیہ السلام کو مانتے ہیں خواہ وہ امام بخاری یا امام مسلم علیہما الرحمہ کی روایت سے ہم کو پہونچے، یا اور کسی دوسرے محدث وفقیہ کی روایت سے پایۂ ثبوت واستناد تک پہونچے، کیوں کہ صحیح حدیثیں بخاری اور مسلم میں منحصر نہیں جلیل القدر علما ومحدثین نے امام بخاری سے خود روایت کیا ہے کہ اُن کو لاکھوں صحیح حدیثیں یاد تھیں، حالاں کہ بخاری شریف میں بحذف مکررات چار ہزار حدیثیں ہیں۔ اب امام بخاری علیہ الرحمہ کی عقیدت کا دم بھرنے والے اور بات بات میں اُن کی دہائی دینے والے خود بتائیں کہ کیا وہ حدیثیں جن کو امام بخاری قید تحریر میں نہ لاسکے حالاں کہ ان کا صحیح ہونا خود ان کو مسلم ہے بالکل نظر انداز کر دی جائیں؟

☆ معارض کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ حدیث اجماع یا مقتضاے اجماع کے خلاف ہو۔

☆ معارض کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ حدیث راوی حدیث کے مذہب کے خلاف ہو۔

☆ معارض کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مضمونِ حدیث اہم فرائض عامہ واحکام ضروریہ سے متعلق ہونے کے باوجود صحابہ کے مابین غیر مشہور و مستفیض ہو۔

☆ معارض کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بعض حدیثیں ہم تک پہونچتے پہونچتے ضعیف یا پایۂ استدلال سے ساقط ہوجاتی ہیں، لیکن یہ سقم بعض نیچے کے درجے کے راویوں میں ضعف آجانے کے باعث ہوتا ہے، وہ مجتہد جس کی تقلید کی جاتی ہے اس

کے زمانے تک اس حدیث میں ضعف نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ احادیث کے بارے میں مقررہ ضابطہ ہے کہ اوپر کے راویوں کا ضبط واتقان کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو اگر نیچے کہیں بھی ضعیف راوی آگیا تو اسی ضعیف راوی کو دیکھ کر حدیث کا درجہ متعین کیا جاتا ہے۔ اس لیے ایسا ہوسکتا ہے کہ ہمارے عہد میں معارض قوی تر یا مساوی درجہ کا نہ ہو لیکن خود مجتہد کے عہد میں حدیث کا معارض قوی تر تھا اس لیے مجتہد نے اس سے استدلال نہ کیا۔

مذکورہ بالا معارضات کے علاوہ اور بھی معارضات ہیں، اور ظاہر سی بات ہے کہ ان معارضات کا علم محض حدیث کی چند کتابوں کی ورق گردانی سے نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے جملہ اصناف کتب حدیث کا بھرپور استحضار اور معانی ومفاہیم کا صحیح ادراک درکار ہے جو قطعاً مفقود ہے، کیوں کہ حدیث کے سارے مجموعے محفوظ نہیں ہیں اور اگر مان لیا جائے کہ سارے مجموعے محفوظ ہیں تو اس پر کیا دلیل ہے کہ تمام حدیثیں موجودہ کتب حدیث میں منحصر ہیں۔

نصوص کتاب وسنت سے براہ راست استدلال میں من وشما کی کیا گنتی؟ خود صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو عربی زبان کا کامل علم رکھتے تھے، جن کے اقوال کو عربی زبان کے لیے شاہد اور دلیل کی حیثیت حاصل ہے، جو نزول وحی کے حاضر باش تھے، جنھوں نے مشکاۃ نبوت سے براہ راست اکتساب نور کیا تھا ان میں سب مجتہد نہ تھے، بعض صحابہ نے آیت تیمم میں مذکور ﴿فلم تجدوا ماء﴾ کا مطلب یہ سمجھا کہ اس آیت میں حقیقۃً پانی نہ پانا مراد ہے، اسی وجہ سے ایک زخمی کو بھی تیمم کی اجازت نہ دی اور اسی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا۔ مشکاۃ المصابیح میں بحوالہ ابوداؤد وغیرہ ہے "عن جابر قال خرجنا في سفر، فأصاب رجلاً منا حجرٌ، فشجّه في رأسه، فاحتلم، فسأل أصحابه هل تجدون لي رخصةً في التيمم؟ قالوا: ما نجد لك رخصةً، وأنت تقدرُ على الماء، فاغتسل فمات، فلما قدمنا على النبي ﷺ أُخبر بذلك، قال: قتلوه، قتلهم الله، ألا سألوا إذ لم يعلموا، فإنما شفاء العيّ السؤال، إنما كان يكفيه أن يتيمّم ويعصّب على جرحه خرقةً، ثمّ يمسح عليها ويغسل سائرَ جسده. رواه أبو داؤد" یعنی: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک سفر پر نکلے، تو ہم میں سے ایک آدمی کو ایک پتھر سے چوٹ لگ گئی جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا، اس کو احتلام ہوگیا، تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگ میرے بارے میں تیمم کی رخصت پاتے ہیں؟ تو انھوں نے یہ بتادیا کہ ہم تمھارے لیے تیمم کی رخصت نہیں پاتے ہیں، کیوں کہ تمھاری حالت یہ ہے کہ تم کو پانی پر قدرت ہے۔ پھر انھوں نے غسل کرلیا اور ان کی وفات ہوگئی، پھر جب ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔ (ایسا جواب دینے والوں نے) اُن کو مار ڈالا، خدا انھیں قتل کرے! ان لوگوں کو جب مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ کیوں کہ لاعلمی کا علاج دریافت کرنا ہے۔ ان کے لیے بس کافی تھا کہ وہ تیمم کرلیتے اور اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرلیتے اور اپنے پورے بدن کو دھل لیتے"۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲،۵۵)

یہی وجہ ہے کہ غیر مجتہد صحابہ بھی مجتہد صحابہ سے استفسار کرتے اور ان کے قول پر عمل کرتے، اور ائمہ اربعہ کے ظہور اور ان کے مذاہب فقہ مدون ہونے کے بعد ان چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید پر سواد اعظم اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، یہاں تک کہ صدیوں سے فرقہ ناجیہ اہل سنت انھیں کے متبعین میں منحصر اور انھیں کی اتباع پر مقتصر ہے۔

برصغیر میں جب سے اسلام آیا اس وقت سے لے کر اب تک یہاں کے مسلمان تقلید شخصی پر عامل رہے، تیرہویں صدی میں یہاں غیر مقلدیت کا فتنہ نے سر ابھارا، عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

"تیرہویں صدی کے نصف اخیر میں یا اس سے کچھ قبل سرزمین ہند ترک تقلید کے فتنے سے دوچار ہوئی اور تقلید ائمہ پر طعن و تشنیع کا ہنگامہ خیز دور شروع ہوا۔ پھر تقلید کی مخالفت، ائمہ کی تحقیر، خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کے سب و شتم پر مشتمل بھاری لٹریچر سامنے آیا" (تقدیم بر لفر المقلدین ۱۸)

غیر مقلدین کی ٹولی کی طرف سے تقلید اور ائمہ و عوام اہل سنت کے خلاف جو کتابیں لکھی گئیں انھی کتابوں میں ایک کتاب "الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین" ہے جو غلام محی الدین ساکن علی پور، ضلع گوجرانوالہ، پنجاب کی تالیف ہے، کتاب کے مولف کا پرانا نام ہری چند بن دیوان چند کھتری ہے جس سے ان کے مذہب کو سمجھا جا سکتا ہے، بعد میں انھوں نے غیر مقلدیت اختیار کی۔ اس کتاب کو چھاپنے میں غیر مقلدین کا مقصد یہی رہا ہوگا کہ سادہ لوح عوام اہل سنت والجماعت کو ارشادات رسول کریم ﷺ کے دل آویز عنوان سے فریب دیا جائے اور ان کو صدیوں سے چلے آرہے سواد اعظم کی متفقہ روش تقلید سے بیزار کر دیا جائے اور اس طرح ہر ایک کو اپنے ناقص فہم کے مطابق نصوص قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کی کھلی آزادی حاصل ہو جائے، اپنے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ائمہ مجتہدین اور عوام اہل سنت والجماعت کے خلاف بے بنیاد الزام تراشیاں کیں اور سادہ لوح عوام کو یہ باور کرانا چاہا کہ ائمہ مجتہدین اور ان کے متبعین، حدیث کے مخالف اور اس کے دشمن ہیں، اپنے طور پر بے بنیاد مغالطے فرض کر کے ان کا انتساب متبعین ائمہ کی طرف کیا۔ اس کتاب کے مولف نے ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم علیہ الرحمہ کو ہدف طعن و تشنیع بھی بنایا ہے اور کچھ مسائل جمع کر کے بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ ائمہ کرام خصوصاً امام اعظم علیہ الرحمہ کے استخراج کردہ یہ مسائل قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔

بے بنیاد اتہامات:

یوں تو ظفر المبین کے مولف نے فریب سے کام لیتے ہوئے بہت سارے اتہامات متبعین ائمہ کی طرف منسوب کیے ہیں جن سے تفصیلی آگاہی آپ کو زیر نظر کتاب سے ہوگی، ذیل میں بطور مثال ایک فریب نقل کیا جا رہا ہے۔

(۱) الظفر المبین میں ہے "ایک مغالطہ یہ ہے کہ (مقلدین) کہتے ہیں کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں ہے"۔ (بحوالہ فتح المبین ص ۲۹)

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ مولف نے حدیث وفقہ کو باہم ایک دوسرے کی ضد کا وہم دلانے والی عبارت لاکر کس طرح متبعین ائمہ مجتہدین کی طرف بے بنیاد بات منسوب کرنے کی جسارت کی ہے۔ ہر مقلد یہی سمجھتا ہے کہ فقہ کا ماخذ نصوص کتاب وسنت ہیں۔ لیکن نصوص کتاب وسنت سے ہر طرح کے مسائل کا استخراج ہر کس وناکس کا کام نہیں، یہ کام ان بلند پایہ ہستیوں کا ہے جن کے قلوب واذہان کو خدائے حکیم وعلیم نے نور اجتہاد سے تابانی بخشی ہے۔ کیا غوطہ خوری کے فن میں دسترس حاصل کیے بغیر سمندر سے موتی نکالا جاسکتا ہے؟ کیا مفردات طب کی کتابیں دیکھ کر ہر شخص کو نسخہ نویسی اور علاج کرنے کی آزادی دی جاسکتی ہے؟ کیا فن جراحت کی باریکیوں کو سمجھے بغیر کسی کے ہاتھ میں نشتر دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں، اور بے شک نہیں، تو صلاحیت اجتہاد سے بے بہرہ افراد کو بھی استنباط مسائل کا کوئی حق نہیں ہے، اسی وجہ سے اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور استاذ المحدثین حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:" **الحدیث مضلة إلا للفقهاء** "یعنی فقہاء (مجتہدین) ہی حدیث سے سچی رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔

بطور تمثیل یہ ایک مثال ذکر کردی گئی ہے، اس طرح کے بے بنیاد اتہامات اور افتراپردازیوں کی داستان اور ان کا تفصیلی جواب آپ زیر نظر کتاب فتح المبین کے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ائمۂ کرام اور علماء کی شان میں گستاخانہ کلمات:

☆ ظفر المبین کے مولف نے آیت کریمہ ﴿ اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله ﴾ کی من مانی تشریح کرکے ان ائمہ مجتہدین کو (جن کے تقوی، پاکبازی اور منصب اجتہاد سے سرفرازی پر سواد اعظم اہل سنت کا اتفاق ہے) کتاب اللہ میں تحریف جیسے سنگین جرم کا مرتکب قرار دے کر ان پاکباز نفوس کو احبار ورہبان کی صف میں کھڑا کرنے کی گستاخی جسارت کی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

☆ ایک جگہ لکھا ہے:" بجز بعض متعصب علماء کے ایک امام کی تقلید کو واجب تو کیا مباح بھی کوئی نہیں کہتا"۔

☆ ایک جگہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا:" یہ شیخ عبدالحق وغیرہ حنفیہ کی خانہ ساز باتیں ہیں"
[بحوالہ فتح المبین ص۲۶۱]

☆ جگہ جگہ لکھا:" اور ایک مردود مسئلہ فقہ حنفیہ کا حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک یہ ہے"۔

☆ ایک جگہ حنفیہ پر بے بنیاد اتہام اور ناشائستہ انداز میں بعض علماء حنفیہ کا یوں ذکر کیا ہے:" یہ خیال نہ کیا کہ وطی فی الدبر تو مذہب حنفیہ ہی میں حلال ہے، چنانچہ امام طحاوی رئیس حنفیہ جو کہ نعیمی اور ابن ہمام کا بھی پیشوا ہے لکھتا ہے"۔ (ایضاً ص۲۵۸)

☆ جابجا ائمہ کرام خصوصا امام اعظم علیہ الرحمہ پر قرآن وحدیث کی مخالفت ورزی کا الزام لگایا ہے اور ائمہ کرام اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی مستدل حدیثوں کو نظر انداز کرکے ان کے مذہب کے خلاف کوئی نہ کوئی حدیث ذکر کرکے سادہ لوح عوام کو ان

کی عقیدت سے برگشتہ کرکے اُن کو حدیث کا مخالف اور دشمن ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی ہے، یہاں تک کہ ایک جگہ لکھ دیا:
''مسائل امام اعظم کے جو فقہ حنفی کی کتابوں میں درج ہیں صحیح صحیح حدیثوں کے اس قدر مخالف ہیں کہ میں شمار نہیں کرسکتا''۔
(ایضاً ص ۲۶۱)

ائمہ کرام کی تنقیصِ شان اور اہلِ سنت کے خلاف بے بنیاد اتہامات کا مجموعہ بن کر جب یہ کتاب طبع ہوئی تو متعدد اربابِ ہمت علمائے دین نے عوام الناس کو ان غیر مقلدین کے مکر وفریب سے بچانے اور اس کتاب کے ہفوات اور صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنے کی ضرورت محسوس کی اور پھر یکے بعد دیگرے مستقل تین کتابیں معرضِ وجود میں آئیں۔

(۱) **''نصر المقلدين في جواب الظفر المبين''** اس کتاب کے مؤلف حضرت علامہ حافظ وقاری سید شاہ احمد علی بٹالوی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۳۲۵ھ) ہیں، بحمدہ تعالیٰ یہ کتاب طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی کوششوں سے عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی شیخ الجامعہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی پیش قیمت تقدیم کے ساتھ جدید آب وتاب کے ساتھ ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۱ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

(۲) **''نصرة المجتهدين برد هفوات غير المقلدين''** یہ کتاب مولانا حکیم وکیل احمد بن قلندر حسین سکندر پوری بلیاوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۲۲ھ) کی تصنیف ہے، اس کتاب میں ''الظفر المبین'' کے ہفوات وخرافات کا تفصیلی رد وابطال کیا گیا ہے۔

(۳) **''الفتح المبين في كشف مكائد غير المقلدين''** زیرِ نظر یہ کتاب جامعِ معقول ومنقول حضرت مولانا محمد منصور علی مرادآبادی رحمہ اللہ الہادی (متوفی ۱۳۴۷ھ) کی لاجواب شاہکار تصنیف ہے۔

ان تینوں کتابوں میں ''نصرۃ المجتہدین'' سب سے پہلے طبع ہوئی، یوں کہ فتح المبین کی تقریظ میں حضرت مولانا وکیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''نصرۃ المجتہدین'' کے دو مرتبہ طبع ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ''فتح المبین'' طبع ہوئی، اور ان دونوں کے بعد ''نصر المقلدین'' طبع ہوئی، ''نصر المقلدین'' میں زیرِ نظر کتاب فتح المبین کے بارے میں لکھا ہے
''اور ہر مسئلہ کی تحقیق وجواب کتاب فتح المبین اور نصرۃ المجتہدین میں کہ یہ دونوں کتابیں بھی اس کے جواب میں چھپ چکی ہیں مذکور ہیں''۔ (نصر المقلدین ص ۵۶)

فتح المبین:

الظفر المبین کی علمی خیانتوں اور دسیسہ کاریوں کو بے نقاب کرنے والی کتابوں میں سب سے گراں مایہ اور شاہکار تالیف ''فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین'' ہے۔ جس میں اس کتاب کے عبقری مصنف نے عناوین اور سرخیاں قائم کر کے ''الظفر المبین'' کے ایک سو اٹھائیس کید وفریب کا پردہ چاک کیا ہے اور ضمنی طور پر سیکڑوں مکر وفریب کو بے نقاب کیا ہے۔

اس کتاب کی قدر و منزلت اور بلند پائیگی کا صحیح عرفان تو اس کے مشتملات کو پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے، لیکن کتاب کی ثقاہت اور درجۂ اعتبار کا اندازہ لگانے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ یہ کتاب برصغیر کے اُن سیکڑوں نامور فضلا اور ممتاز و مشاہیر علما کی تصدیقات و تائیدات سے مزین ہے کہ علم و فضل میں جن کی تفوق و برتری ایک امر مسلم ہے، زیر نظر کتاب "فتح المبین" پر فرنگی محل لکھنؤ، مرادآباد، بریلی، بدایوں، سنبھل، رام پور، جون پور، چریاکوٹ، کان پور، دہلی، پیلی بھیت، آرہ، کلکتہ، سورت، گجرات، بمبئی، حیدرآباد، مدراس، دکن اور لاہور وغیرہ کے ممتاز ترین علما کی تصدیق و تائید موجود ہے، جن میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی، مولانا عبدالاول جون پوری، مولانا محمد حسن سنبھلی اور علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہم الرحمہ جیسی درجنوں مایۂ روزگار اور عبقری شخصیات شامل ہیں، چوں کہ یہ کتاب "حسام الحرمین" سے پہلے کی تالیف ہے اس لیے اس کتاب پر دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی اور رشید احمد گنگوہی کی تصدیق بھی موجود ہے۔

مصنف کتاب کے اسلامی علوم و فنون میں تبحر و رسوخ اور علمی برتری کا اندازہ درج ذیل اُن القابات اور تکریمی خطابات سے بھی لگایا جا سکتا ہے جن کا مصداق تقریظ نگار علماء نے مولف کتاب کو قرار دیا ہے:

☆ فاضل جلیل، علامہ نبیل، فقیہ اجل، محدث بے بدل ☆ جامع فضائل و فواضل ☆ جامع علوم دینیہ ☆ جوہر آئینہ علوم، گوہر گنجینۂ فہوم، فضائل و شمائل نشان ☆ فاضل نحریر، عالم عدیم النظیر، مشہور بین الاماثل والاقران ☆ فخر المعاصرین، حامی دین، نصیر الائمہ، محی السنہ ☆ مناظر بے بدل، فاضل یگانہ، علامۂ زمانہ ☆ متکلم نحریر، والا مناقب ☆ کشاف دقائق فروع واصول وغیرہ۔

فتح المبین جیسی وقیع کتاب محض تین مہینے کی قلیل مدت میں تالیف ہوئی ہے، اس سے بھی مصنف علام علیہ الرحمہ کے وفورِ علم اور استحضارِ اصول و فروع کو سمجھا جا سکتا ہے، اس کتاب کی وجہ تالیف اور سبب تسمیہ بیان کرتے ہوئے خود رقم طراز ہیں:

"چوں کہ یہ کتاب "الظفر المبین فی مغالطات المقلدین" مسلک حق سے بالکل بعید تھی، اس لیے اس کا جواب لکھنا ضرور ہوا، اگرچہ مجھ کو اپنے کاروبار دنیوی سے فرصت نہ تھی، جو بوجہ اصرار بعض مخلص احباب کے مجبور ہو کر تین مہینے میں کتاب مذکور کے کل جوابات سے فراغت پائی اور بدون تعصب اور نفسانیت کے موافق اقوال محدثین ہر مسئلے کا ماخذ قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا، چوں کہ مولف کتاب مذکور نے واسطے ثابت کرنے مخالفت قرآن و حدیث کے نسبت مسائل ائمہ مجتہدین، خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ کے اور واسطے بدعقیدہ کرنے اور فریب دینے عوام مقلدین حنفیہ کے جا بجا قرآن و حدیث کے معنی بیان کرنے میں دھوکے دیے تھے اور حق باتوں کو چھپایا تھا اور عنایت ایزدی سے اس عجیب خاکسار نے اس کی کج ادیوں اور حق پوشیوں کے کشف و اظہار پر بخوبی فتح پائی تھی، لہذا اس کتاب کا نام "الفتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین" رکھا کہ جس سے

سب فریب سازیاں اور دھوکے بازیاں اُس کی اور اس کے ہم خیالوں کی ظاہر ہوگئیں اور اعتراضات اور مطاعت جو ائمہ مجتہدین پر کیے تھے سب دفع ہوگیے"۔ (فتح المبین ص ۳۰)

یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں تنبیہ الوہابیین کے ضمیمے کے ساتھ پہلی بار طبع ہوئی اور قبولیت عامہ کے سبب جلد ہی اس کے نسخے ختم ہوگیے اور کتاب کے حسن قبول کا حال یہ ہوا کہ بہت سارے لوگوں کو ترک تقلید ائمہ سے توبہ نصیب ہوئی۔ لیکن پہلی طباعت کے وقت کتاب میں مندرج مضامین کی فہرست نہ تھی جس سے استفادہ آسان نہ تھا، ۱۳۱۶ھ میں مضامین کی فہرست اور ضمیمہ تنبیہ الوہابیین میں بعض اہم چیزوں اور بعض دیگر رسائل کے اضافہ نیز بعض بڑے بڑے علماے عرب و عجم کی مزید تقریظات کے ساتھ یہ کتاب دوبارہ چھپی۔

طبع اول کے وقت بشمول مصنف علام رحمہ اللہ متعدد شعراء نے سال اشاعت کے بیان کے لیے ابیات نظم کیے۔

☆ مولف قدس سرہ نے عربی میں تاریخ اشاعت یوں رقم کی:

جاء من المصحف تاریخه — انا فتحنا لك فتحا مبین (۱۳۰۱ھ)

☆ مولوی عبدالخالق صاحب نے سن اشاعت یوں بیان کیا:

بگو سال او لائق از روے ابجد — جوابات دنداں شکن شد مدلل (۱۳۰۱ھ)

☆ علامہ حافظ محمد عبدالحمید فرنگی محلی نے سال اشاعت یوں نظم کی:

چو تاریخ نصرت قریں خواستم — ز قرآن معجز نماے غریب

ندا از لب ہاتف آمد چنیں — کہ نصر من اللہ فتح قریب (۱۳۰۱ھ)

دوسری طباعت کے سن کو بعض نظم نگاروں نے یوں رقم کیا:

لکھ دو سن طبع کا زروے جمل — اب کی فتح المبین چھپی کیا خوب (۱۳۱۶ھ)

اس وقت جو نسخہ پیش نظر ہے وہ مکتبہ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور پاکستان میں ۲۰۱۳ء میں طبع ہوا ہے، جس میں تحریر ہے "ادارہ نوریہ رضویہ نے اس نایاب کتاب کو مکمل شائع کیا ہے دوسرے اداروں نے زمانہ قدیم کے بڑے بڑے علماء کرام کی تقاریظ اور اُن کے ساتھ جو مفید مضامین تھے وہ نکال کر کتاب کو نصف طبع کر دیا تھا"۔

زیر نظر کتاب "الفتح المبین" کے اخیر میں کچھ دیگر رسائل وفتاوی بھی شامل ہیں۔ (۱) تنبیہ الوہابیین (۲) فتوی جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد (۳) دبوس المقلدین جواب فردوس المحققین (۴) تنبیہ الآتی علی تخریج الاتای۔ ان میں "جامع الشواہد" کے سوا تینوں رسائل مولانا عبدالعلی آسی مدراسی (متوفی ۱۳۲۷ھ) کی تالیف ہیں۔ اور فتوی جامع الشواہد فی

اخراج الوہابیین عن المساجد حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کا تاریخی فتویٰ ہے جو ہندو پاک کے مشاہیر علما کی تائید وتصدیق سے مزین ہے اور جو "نصر المقلدین" مطبوعہ جامعہ اشرفیہ کے ساتھ بھی طبع ہوا ہے۔لیکن زیر نظر کتاب میں کچھ تائیدات کا اضافہ بھی موجود ہے۔اس کتاب میں مفتیانِ حرمین شریفین کے وہ فتاوے بھی ہیں جو انھوں نے "الظفر المبین" کے رد وابطال میں تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا عبد العلی آسی مدراسی علیہ الرحمہ کے تینوں رسائل بھی بیش قیمت معلومات سے لبریز ہیں۔

☆ رسالہ تنبیہ الوہابیین میں شمول وجوب تقلید متعدد ایسے مسائل پر تحقیقی اسلوب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے جن میں حدیث کی دہائی دینے والے غیر مقلدین کا عمل صحیح اور معتبر احادیث کے خلاف ہے۔

کتاب کا اسلوب تحریر بہت شگفتہ ہے،تنبیہ الوہابیین کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:"عجب دور ہے،طرفہ طور ہے،نئے نئے گل پھولے ہیں،لوگ اپنی پرانی روش بھولے ہیں،دین میں طرح طرح کے جھگڑے نکالتے ہیں،اسلام میں فساد کے رخنے ڈالتے ہیں،ایک کوچہ نیچری میں پڑا ہے،دوسرا لامذہبی کے تنگ نالے میں اڑا ہے،ایک خیر کو شر اور شر کو خیر بتاتا ہے،دوسرا نکنے کے واسطے مسجد کو ڈھاتا ہے،ایک لکھانہ پڑھا فاضل مشہور ہے،دوسرا دو حرفی قابلیت کے نشہ میں چور ہے،ایک نے آزادی کو اختیار کیا،دوسرے نے ترک تقلید کا اشتہار دیا،ایک نے اگلے بزرگوں کو مشرک اور بدعتی ٹھیرایا،دوسرے نے خود ستائی کا ڈنکا بجایا اور اپنے موحد اور محقق ہونے کا سکہ جمایا....."۔ (تنبیہ الوہابیین ص ۳،۲)

اس رسالہ کی ستائش میں حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ نے ایک طویل نظم لکھی ہے جس میں تقلید کے محاسن وفضائل رقم کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

وصی بس کر اب مدح کی کیا ہے حاجت	کہ آسی نے خود کی تھی ہے میں مدحت
وہ آسی کہ تبراس انوار وحدت	وہ آسی کہ قسطاس اسرار حکمت
وہ آسی کہ دانائے حکم شریعت	وہ آسی کہ بینائے راز طریقت
وہ آسی کہ سباح دریائے جودت	وہ آسی کہ سیاح بیدائے فطنت
وہ آسی کہ ہے جامع فقہ وسنت	وہ آسی کہ قامع شرک وبدعت
وہ آسی کہ تقلید کو عین سنت	کیا ثابت از روئے برہان وحجت

☆ "دعوی المقلدین" یہ فردوس المقلدین نامی کتاب کا جواب ہے جس میں فردوس المقلدین کے مولف کی کج فہمی،بہتان،ہذیان اور سخن سازی کو بے نقاب کیا ہے،اس کتاب کا اسلوب تحریر بہت شگفتہ ہے لکھتے ہیں:

"(مولف فردوس المقلدین نے) یہ تو دیکھا کہ فتح المبین میں اس کے مولف نے ان مسائل کے جواب میں چار پایاں

لامذہب کو مناظرہ کی چارپائی پر ڈال کر کیسا کھوندا اور اس طائفہ نابکار نے اوبار کو بزور سلاح و اوزار فحول کار کس طرح روندا۔ ایسا بے فہم و بے شعور، اور رسالہ تصنیف کرنا ضرور، کہ صحت الفاظ کی تمیز بھی نہیں، جن کو مبتدی اطفال بھی جانتے ہیں، ''استفادی'' بیائے مصدری، اور ثلاثی سے ''مستلاشی'' اور ''خامہ'' بجائے حطی اور ''وعدہ حطی'' بجائے وعدہ حتی اور اسی طرح بکثرت اغلاط سے سیاہ کیا ہے جس کے مناسب حال یہ کسی کا شعر مجھ کو یاد آیا۔

سین سے ''صبر'' ''ثمر'' صاد سے ثے سے ''اصرار'' — حائے حطی سے ''کمرۂ'' لکھتا ہے ہوز سے ''حمار''

اس حماقت پہ طلب گار ہے ڈپلومہ کا — طفل نادان ہے معصوم ہے معصومہ کا

اسی کتاب کے اخیر میں ایک ملحق رسالہ ہے جس کا نام ''سیف الآسی علی تشنیع الاناسی'' ہے، اس رسالے میں امام الائمہ، کاشف الغمہ، سراج الامہ، ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ تعالی عنہ کے مناقب جمیلہ رقم کیا ہے اور اخیر میں امام اعظم علیہ الرحمہ کا نعتیہ قصیدہ ہے جس کا بیت بیت عشق رسالت سے مشکبار ہے۔

الفتح المبین کی اشاعت:

برصغیر میں اہل سنت والجماعت کی ممتاز ترین مذہبی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے باذوق اور ہونہار طلبہ گزشتہ چند سالوں سے بعض معلومات افزا کتاب اپنے صرف خاص سے طبع کروا کر قوم وملت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، رب کریم کا بے پایاں شکر واحسان ہے کہ بھارت کی معروف دینی درس گاہ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کے باحوصلہ طلبہ عالمیت (سال آخر) نے اسی طرح کے محمود جذبہ کے پیش نظر ''الفتح المبین'' کی اشاعت کر کے قوم وملت کی خدمت میں ایک گراں قدر علمی تحفہ پیش کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کے نتیجہ میں یہ مفید اور بیش قیمت تصنیف منیف ''الفتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ رب کریم ان طلبہ کا اقبال بلند فرمائے، ان کے علم وعرفان اور عمر میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے اور مزید توفیق خیر سے نوازے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ وآلہ واصحابہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

محمد نظام الدین قادری

خادم دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی۔ یوپی۔

۱۲/رجب ۱۴۳۵ھ/۱۲/مئی ۲۰۱۴ء

سوانح مصنف فتح المبین

علامہ منصور علی خان مرادآبادی (م ۱۳۲۷ھ)

حضرت علامہ منصور علی خان مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار چودھویں صدی ہجری کے مشہور اور اکابر علماء میں ہوتا ہے، آپ کی ولادت ضلع مرادآباد کے ایک علمی گھرانے میں ہوئی جیسا کہ آپ کے نسب سے ظاہر ہے کہ آپ کے والد ماجد، جد امجد بلکہ پردادا تک سب کے سب جلیل القدر عالم دین تھے۔

نام ونسب:۔ منصور علی خان حنفی مرادآبادی بن مولوی حسن علی خان بن مولوی عبد اللہ خان بن مولوی امان اللہ خان حنفی مرادآبادی رحمہم الھادی۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۹۳ حرف المیم)

تعلیم:۔ آپ نے اکتساب علم وکسب فیض اپنے وقت کے جلیل القدر والشان علماء سے کیا جن میں حضرت علامہ محمد حسن سنبھلی، امرا ئیلی (نسبا) حنفی (فتح المبین ص ۵۱۶ نسخہ قدیم) اور آپ کے استاذ حدیث شیخ احمد علی بن لطف اللہ ماتریدی سہارن پوری کا نام سر فہرست ہے (نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۴۹۳)

اخلاق وذہانت:۔ آپ نے زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے ذہانت وفطانت کے آثار مرتب فرما دیا تھا جیسا کہ آپ کے استاذ حضرت علامہ محمد حسن سنبھلی آپ کی ذہانت کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: "ایام تحصیل میں جب اس بندۂ ہیچمداں ناکارۂ زماں پر اکثر عنایت فرماتے تھے اور اپنے حسن اعتقاد سے بہ نیت استفادہ بہنگام انتصاب بندہ بمدرسہ اول مرادآباد بعض کتب معقول بصورت سبق سناتے تھے تو خود رنگ استقامت ان کی ناصیۂ حال سے ظاہر و نور سلامت ان کی پیشانی پر تاباں و درخشاں تھا اور طبیعت کو نہ سیالہ و وقادہ وقوت مدرکہ جیدہ ونقادہ تھی" (تقریظ بر فتح المبین، ص ۵۱۸ نسخہ قدیمہ)

آپ کے استاد کی اس شہادت سے نتیجۃً درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

اولاً: یہ کہ آپ کے استاد آپ کی ذہانت اور اخلاق حسنہ سے اچھی طرح واقف تھے کہ خود فرماتے ہیں "مصنف کتاب مولوی منصور علی خان مرادآبادی حفظہ اللہ تعالیٰ عن شرور الاعادی سے میں خوب واقف ہوں" (فتح المبین ص ۵۱۸ نسخہ قدیم)

ثانیاً: آپ نے علوم نقلیہ حضرت علامہ محمد حسن سنبھلی سے مدرسہ اول مرادآباد میں پڑھا جیسا کہ استاد نے کہا "بہ نیت استفادہ بہنگام انتصاب بمدرسہ اول الخ۔

ثالثاً: یہ کہ آپ بڑے سے بڑا مسئلہ بآسانی سمجھ جاتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے استاد نے لکھا "قوت مدرکہ جیدہ ونقادہ تھی"۔

رابعاً: یہ کہ علماء کی قدر شناسی و اساتذہ کے احترام کا جوہر آپ کو حاصل تھا۔ جیسا کہ ان کے استاد کے قول "اپنے حسن اعتقاد سے جمعیت استفادہ بہنگام اخ" سے ظاہر و باہر ہے۔

ہم عصر علماء: آپ کے معاصرین میں اپنے وقت کے لعل و گہر مدقق، محقق، محدث، مصنف، شارح، محشی، متکلم اور چرخ علم و ہنر کے بے شمار درخشندہ ستارے شامل ہیں۔ اور نہ یہ کہ فقط آپ کو اکابر جید علماء کرام کی ہم عصری حاصل ہے بلکہ آپ کی کتاب فتح المبین پر ۳۴۶ علماء کرام کی تقاریظ ان علماء کبار سے آپ کے حسن تعلقات کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

فتح المبین پر تقریظ لکھنے والے اس وقت کے صف اول کے چند جلیل القدر و مشہور علماء کے اسماء مبارک مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مناظر بے مثال صاحب التنبیہ و التبکیت علامہ محدث وصی احمد سورتی

(۲) مصنف جلیل ادیب نبیل حضرت علامہ وکیل احمد سکندر پوری (تقریباً ۴۰ تحقیقی کتابوں کے مصنف)

(۳) حضرت علامہ عبد العلی آسی مدراسی

(۴) حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی

(۵) محشی ہدایۃ النحو علامہ الٰہی بخش وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

یوں تو آپ کے علم و فن کا ڈنکا غیر منقسم ہندوستان میں بج رہا تھا اور فتح المبین کی اشاعت کے بعد تو آپ کی عقیدت ہر خاص و عام کی رگ جاں میں پیوست ہوگئی اور آپ کا پیکر بزم علم کا سرمایۂ افتخار بن گیا۔

آپ کے ہم عصر علامہ عبد الحکیم سلمہ الکریم آپ کی شان میں لکھتے ہیں۔

فتح المبین کی تیغ نے کسی دھوم دھام سے	سارے جہاں میں فتح کا ڈنکا بجا دیا
سارے جہاں میں فتح کا ڈنکا بجا دیا	ان آبدار تیغ نے ان کو بجھا دیا

(فتح المبین ص ۱۳۷)

علامہ وحید حافظ عبد الحمید فرنگی محلی آپ کی شان میں یوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

با اوصاف ہر علم و فن متصف	مفسر محدث فقیہ و ادیب
ولے چونکہ نصرت بہ منصور بود	جہاں گشتہ وا جہان کہیب

تدریس: آپ نے شہر حیدر آباد کے مدرسہ طبیہ میں لمبے عرصے تک فریضۂ تدریس انجام دیا۔

(نزہۃ الخواطر ص ۴۸۲، ج ۸)

تصانیف: صاحب نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر نے آپ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔

(۱) مذہب منصور (دو جلدیں)

(۴)معیار الادویہ

(۳)فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین (ج ۸، ص ۴۸۲)

ان کی دوسری تصانیف کے متعلق کچھ کہنا تو کارے دارد مگر فتح المبین لکھ کر انہوں نے شعلہ تحریر سے خرمن باطل کو جلا کر خاکستر کر دیا اور اس کتاب کی اشاعت کے بعد غیر مقلدین کے پاس سوائے عناد و ہٹ دھرمی کے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

شاعری: یہ کہنا دشوار ہے کہ آپ کو شاعری میں کمال حاصل تھا یا نہیں اور آپ کس کس زبان میں شاعری کرتے تھے تاہم کتاب فتح المبین کے آخر میں آپ کے درج ذیل تاریخی اشعار کہیں نہ کہیں آپ کی ادبی وجوہر شعر گوئی کی غمازی کر رہے ہیں:

قد حصل الفتح لنا بالجدال　　أيدنا الله على المفسدين

جاء من المصحف تاريخه　　إنا فتحنا لك فتحا مبين

——— ۱۳۰۱ھ ———

وفات: آپ حیدرآباد کے مدرسہ طبیہ میں عرصۂ دراز تک درس دینے کے بعد معاشی ذمہ داری کی وجہ سے مکہ مکرمہ جا کر وہیں مقیم ہو گئے اور ۱۳۳۲ھ میں مکہ مکرمہ میں ہی آشنائے اجل ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۴۸۲)

نوٹ: علامہ منصور علی خان مراد آبادی کی مکمل سوانح کسی کتاب میں دستیاب نہ ہو سکی تاہم راقم الحروف نے نزہۃ الخواطر میں مندرج آپ کے نصف صفحے کی تذکرۂ حیات اور فتح المبین میں جا بجا بکھرے ہوئے گوشہائے زندگی کو اپنے انداز میں مرتب کر دیا ہے جس سے مصنف علیہ الرحمہ کی حیات کا ایک گونہ علم حاصل ہو جاتا ہے۔

محمد نسیم احمد علیمی کٹیہاری

متعلم جماعت سادسہ

دار العلوم علیمیہ جمداشاہی بستی یو پی

۳ مئی ۲۰۱۴ء مطابق ۳ ر رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

فہرست مضامین فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین
مع ضمیمہ موسوم بہ تنبیہ الوہابیین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تشکر و امتنان	5	وجہ ضرورت تقلید و حقیقت مذہب امام اعظم	3
عرض حال	8	وجہ تسمیۂ کتاب	3
دعائے جمیل	11	مؤلف ظفر مبین کی دروغ گوئی و افترا پردازی	4
دعائیہ کلمات	12	دروغ گوئی دوزخ میں پہنچاتی ہے	4
تقریب	14	غیبت اور جھوٹ کی وعید	5
تقریظ جمیل	16	لعن طعن کرنے والا مسلمان نہیں	6
تاثر گرامی	17	سند ہر مسئلہ کی حضور تک ضروری نہیں	7
کلمات طیبات	18	فریب دہی مؤلف ظفر مبین کی	7
تقریظ جلیل	20	علم فقہ داخل دین ہے اور جواب معترض کا	8
تقدیم	22	راویان حدیث معصوم نہیں	8
سوانح	35	ائمہ اربعہ صرف فقہا ہی نہیں محدثین بھی تھے	9
فتح المبین		فقاہت ضروریات دین سے ہے	11
دیباچہ و وجہ تالیف و بیان بدگوئی مؤلف ظفر	1	دینداری ظاہر الفاظ پر منحصر نہیں	11
وجہ اختلاف احکام شرعیہ بتقریر معقول	1	ائمہ اربعہ کو فہم حدیث میں محدثین پر ترجیح حاصل ہے	11
اختلاف روایات صحیحین	2	امام بخاری کے اجتہادات کا صریح حدیث کے خلاف ہونا	12
خبر آحاد ناسخ قرآن نہیں ہو سکتی	2	امام بخاری کی تحقیر کے الزام کا جواب	12
حدیث کا قوی اور ضعیف ہونا راویوں پر موقوف نہیں	3	طائفہ منصورہ سے کون لوگ مراد ہیں	12

عنوان	صفحہ
اصحاب صحاح ستہ ہی صرف محدثین نہیں	13
مؤلف ظفر کا شرح مسلم سے سرقہ اور قول امام بخاری کا انکار	13
صحیحین کی حدیث سے قیاس کا واضح ثبوت	14
توحید میں قیاس کی نفی اور احکام میں قیاس کے اثبات پر سب کا اتفاق ہے مگر داؤد ظاہری نے انکار کیا	15
امام ترمذی کا قیاس کو غلط کہنے کی وجہ اور اشعار کی حقیقت	17
''ابوحنیفہ'' صرف امام اعظم کی کنیت نہیں تھی	17
مؤلف ظفر نے فریب دہی کے لیے تفسیر کبیر کی عبارت ناقص نقل کی	17
ہر شخص قرآن وحدیث سے ہر مسئلہ نہیں سمجھ سکتا	19
مؤلف صاحب کا مجبوراً قائل تقلید ہونا	19
عام آدمی کیوں کر اجتہاد کر سکتا ہے؟	19
داؤد ظاہری کا قول مسئلہ ربا میں جمہور علماء کے خلاف پر ہے	20
عامی کی تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں	20
مجتہدین کو رہبان اور احبار کہنا گستاخی ہے	21
احناف کا کوئی بھی مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں	22
قاضی ثناء اللہ کے انکار تقلید کا جواب	23
خود احناف بھی بعض مسائل میں امام اعظم کی تقلید نہیں کرتے	23
کسی امام کا اجتہاد من وجہ مخالفت سے خالی نہیں	23
ائمہ کی تقلید درحقیقت خدا اور رسول کی تقلید ہے	24
معین مذہب کو لازم پکڑنے کی وجہ	24
احادیث کی صحت وضعف میں اختلاف کا بیان	27
معترض کا فقہ میں اسناد کو ضروری خیال کرنا غلط ہے	28
ائمہ مجتہدین حدیث کی تحقیق اور فہم میں خوب ماہر تھے	29
نیم حکیم خطرۂ جان اور لامذہب خطرۂ ایمان	30
فقہاء کا اختلاف تو محدثین کے اختلاف سے کم ہے	30
احادیث ہدایہ ہرگز موضوع نہیں	31
امام اعظم کا امام بخاری سے کم حدیث دانی کا الزام غلط ہے	32
صحیح حدیث پر عمل نہ کرنا بھی بتقاضائے احتیاط ہے	33
پانی کا بیان	
حدیث قلتین کی تحقیق	36
قلال ہجر کی حدیث منقطع اور راوی مجہول ہیں	36
دو در دہ کی کوئی مقدار متعین نہیں	37
مؤلف ظفر تو عقود الجواہر کی عبارت بھی نہیں سمجھ سکے	38
ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے	39
مؤلف صاحب کا مجمع البحار کی عبارت میں تصرف	43
ایمان کے کم وبیش نہ ہونے کا واضح ثبوت قرآن وحدیث سے	44
معنی ایمان کی لغوی تحقیق	45
قصۂ خضر وموسیٰ علیہما السلام کی حکمت	47

مضمون	صفحہ
نجاستوں کا بیان	
شیرخوار بچے کے پیشاب کا شرعی حکم	47
اونٹ کا پیشاب بلا ضرورت شرعیہ پینا جائز نہیں	49
کتے کا جھوٹا برتن تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے	51
شراب کا سرکہ بنانا حلال ہے	52
تیمم کا بیان	
تیمم میں دو ضربیں ہیں	53
مسح عمامہ کا بیان	
پگڑی و عمامہ پر مسح جائز نہیں	56
نماز قبل طلوع و غروب	
حدیث "مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً" کی تحقیق	57
قراءت نماز کا بیان	
حالت نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا درست نہیں	62
ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قرات کی مقدار برابر ہونی چاہیے	63
ظہر کی پچھلی دو رکعتوں میں قرات ضروری نہیں	63
آمین وبسم اللہ کا بیان	64
نماز میں بسم اللہ اور آمین بالجہر درست نہیں اکیس حدیثوں کا احادیث کثیرہ سے جواب	65
بشر بن رافع ضعیف راوی ہیں	65
بحث اخفائے آمین اور حضرت حجر کی کنیت کی تحقیق	73
ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے	74
حضرت شعبہ کی خوبیاں	74
حضرت علقمہ کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے	76
آیت قرآنی میں معترض کے شبہ کا جواب	79
آمین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونی چاہیے	79
احناف کے نزدیک دعا میں اخفا لازم نہیں بلکہ مستحب ہے	85
عرفات و مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین باجماع صحابہ جائز ہے	86
مؤلف ظفر کا آیت سے فریب دینا	86
حدیث متواتر و مشہور ناسخ قرآن ہو سکتی ہے	87
مسافر، عورت اور مریض پر جمعہ واجب نہیں	89
جمعہ کے شرائط اور احکام کا بیان	90
مصر جامع کی تفسیر	92
آیت "إذا قمتم إلى الصلوة" بے وضو لوگوں کے متعلق ہے	93
داؤد ظاہری کی فریب کاری	94
آمین بالسر کے بیان کا تتمہ	96
جماعت کا بیان	
نماز فجر و مغرب میں دوبارہ شریک نہیں ہونا چاہیے	99
فجر اور عصر کے بعد نفل نماز درست نہیں	99
امامت کا بیان	
نابینا اگر عالم محتاط ہو تو اس کے پیچھے	100

نماز جائز ہے ورنہ مکروہ ہے	100
امام تسمیع اور تحمید کو جمع نہ کرے	101
عورت، عورت کی بھی امامت نہیں کرسکتی	102
عورت تکبیر کہتے وقت مونڈھے تک ہی ہاتھ اٹھائے	103
تنہا صف میں کھڑے ہونے کا بیان	104
طمانینت رکوع وغیرہ کا بیان	105
بعد دونوں سجدوں کے جلسۂ استراحت کا بیان	
پہلی اور تیسری رکعت کے درمیان جلسہ استراحت مستحب نہیں	108
تصدر کا بیان	
نماز کے تمام جلسوں میں پیر بچھا کر بیٹھنا حدیث کے موافق ہے	109
قبل نماز مغرب نفل کا بیان	
غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے قبل نفل نماز پڑھنا درست نہیں	110
حدیث مرفوع کے باوجود بھی اجماع صحابہ پر عمل کیا جائے گا	111
ابن حبان کی حدیث کا جواب	111
حدیث صحیح کبھی غیر صحیح اور حدیث ضعیف صحیح ہوجاتی ہے	112
ظاہر یہ بخاری ومسلم کو قرآن کی آیت پر ترجیح دیتے ہیں	113
سنتوں کا بیان	
سنت اور فرض نماز کے درمیان ضروری گفتگو کی حقیقت	114
فجر کی سنت وفرض کے درمیان ضروری کلام جائز ہے	115
سنت فجر کی تاکید واہمیت	116
بعض جگہ حدیث ضعیف قرائن سے قوی ہوجاتی ہے	120
جمع بین الصلاتین	120
نماز وتر کا بیان	124
وتر کی تین رکعتوں پر اجماع ہے	125
سواری پر یا بیٹھ کے وتر کی نماز پڑھنا جائز نہیں	127
ایک سلام سے آٹھ رکعت یا زیادہ پڑھنے کی تحقیق	128
نماز فجر میں قنوت پڑھنے کا بیان	129
نماز جمعہ کا بیان	
نماز جمعہ گاؤں میں واجب نہیں	131
جواثی گاؤں نہ تھا بلکہ بحرین کا ایک قلعہ تھا	131
نماز استسقاء کا بیان	
استسقاء دعا واستغفار ہے	132
گہن کی نماز کا بیان	
تحقیق حدیث نماز کسوف	134
نماز کسوف میں خطبہ مسنون نہیں	136
سجدۂ سہو کا بیان	137
نماز جنازہ کا بیان	
نماز جنازہ مسجد میں درست نہیں	139

عنوان	صفحہ
نماز جنازہ کی چار تکبیروں پر اجماع صحابہ ہے اور پانچ تکبیروں والی حدیث منسوخ ہے	141
نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ عمل وقول صحابہ سے ثابت نہیں	143
زکوٰۃ کا بیان	
تندرست اگر مالک نصاب نہ ہو تو مال زکوٰۃ لے سکتا ہے	144
مال مستفاد پر زکوٰۃ واجب ہے	146
عشر کا بیان	
جو کچھ زمین سے نکلے دسواں حصہ اس میں زکوٰۃ کا ہے	147
روزے کا بیان	
مذہب جمہور ہے کہ میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جاسکتا	148
روزۂ رمضان کی نیت قبل زوال درست ہے	150
اعتکاف کا بیان	152
حج کا بیان	
امام اعظم کے نزدیک محرم کو سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں	154
امام اعظم کے نزدیک صرف وہ اشعار مکروہ ہے جو حد سنت سے تجاوز ہو	156
مدینہ کے حرم ہونے کا بیان	
مدینہ منورہ مثل مکہ معظمہ کے حرم نہیں	158
قربانی کا بیان	
شہر میں نماز عید سے قبل قربانی جائز نہیں	159
عقیقے کا بیان	
عقیقہ جائز ہے واجب نہیں	160
بیع کا بیان	
ثمن کلب میں علماء کا اختلاف	161
حدیث سے مطلق کتے کی بیع ثابت ہے	163
امام اعظم کے مسانید وروایات	164
کیا امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں پہونچی تھیں؟	164
مہر البغی بالاتفاق حرام ہے لیکن بیع کلب میں ہرگز اجماع نہیں	165
بلی کی بیع جائز ہے اور حدیث نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے	168
شاۃ مصراۃ مع لبن کے واپس نہ کی جائے	170
غلام مدبر کی بیع جائز نہیں	173
تفرق بالابدان وتفرق بالاقوال کی تحقیق	174
بیع درخت میں ثمر بلاشرط داخل نہیں	176
نسیئہ بیع احناف کے نزدیک بھی جائز نہیں	179
شہر سے باہر غلہ خریدنا جائز ہے جبکہ شہر والوں کو تکلیف نہ ہو	179
نکاح کا بیان	
آزاد اور بالغہ عورت کا نکاح بغیر اجازت ولی کے جائز ہے	181

عنوان	صفحہ
دار الاسلام میں داخل ہونے سے کفار کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے	183
باری میں باکرہ ثیبہ، نئی، پرانی سب برابر ہیں	184
باکرہ اور ثیبہ کی باری میں عموماً مساوات ہے	185
مہر کا بیان	
دس درہم سے کم مہر جائز نہیں	186
اس مسئلہ کا حاصل کلام	187
نکاح شغار جائز نہیں وہاں طرفین کے یہاں جائز ہے بشرطیکہ مہر مثل دیا جائے	188
رضاعت کا بیان	
آیت ثلٰثون سے مدت حمل دو برس اور مدت رضاعت ڈھائی برس ثابت ہوتی ہے	189
حمل و رضاع سے متعلق دو اعتراضات اور ان کے جوابات	190
ایک شبہ کا جواب	191
آیت حولین کی شان نزول	192
آیت مذکورہ سے مدت رضاع دو برس ثابت نہیں	192
دو سال کے تعین میں کوئی حدیث مرفوع نہیں آئی ہے	193
آیت سے رضاع دو برس کا یا استحقاق اجرت دو برس کا ثابت ہوتا ہے	194
مدت رضاع کو ڈھائی برس رکھنے کے فوائد	196
مسئلہ رضاع میں ایک روایت امام اعظم سے	196
صاحبین کے موافق آئی ہے	196
رضاع باعث حرمت ہے قلیل ہو، یا کثیر	199
لعان کا بیان	
انکار حمل سے لعان کسی حدیث سے ثابت نہیں	200
معترض صاحب کا مغالطہ	200
پڑی ہوئی شئی کا بیان	201
حضرت علی کے دینار پانے کا واقعہ	202
حفاظت کی غرض سے گم شدہ جانور کا پکڑنا جائز ہے	203
شراب پینے کا بیان	206
اطلاق عام خمر کا حکماً یا مجازاً ہے	208
معنی مخامرت کی عمومیت کے شبہ کا جواب	208
چار قسم کی شراب بالاتفاق حرام اور چار میں اختلاف کیوں کہ صحابہ نے انہیں پیا	208
پختہ نبیذ حلال و خام حرام ہے	209
نبیذ و شراب کی کیفیت میں فرق	210
کل مسکر خمر والی حدیث سے پیدا شدہ شبہ کا جواب	210
عصیر عنب پکانے سے جب ایک تہائی بچے تو وہ حلال ہے	211
خلیط کا حکم	211
چار قسم کی شراب میں حد نہیں ہے	212
ان چاروں شرابوں کا پینا حلال ہے بشرطیکہ نشہ نہ ہو	213

عنوان	صفحہ
حرمت نبیذ کا سبب اور امام اعظم کا نشہ بالفعل مراد لینا	321
حدود کا بیان	
حد و تعزیر میں فرق	216
نکاح محارم شبہات عقد میں داخل ہے	216
مؤلف ظفر کا فتح القدیر کی عبارت کا نہ سمجھنا	216
ایک شبہ کا جواب	217
شبہ عقد سے حد ساقط ہو جاتی ہے	217
دفع حد میں حیلہ جائز ہے	218
قرآن سے نکاح محرمات میں حد ثابت نہیں	219
مسئلہ رجم سے متعلق حد شبہ کے دو جوابات	219
احصان کے واسطے اسلام شرط ہے	220
مولی کو غلام پر حد لگانا اذن امام سے جائز ہے	221
شہر بدر کرنا حد میں داخل نہیں	222
باتفاق ائمہ اربعہ غلام کا قصاص مولی سے نہیں لیا جائے گا	224
درخت سے میوہ چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا	224
حرز میں سے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا	225
مولف ظفر کا مغالطہ	225
دس درہم کی چوری میں بالاتفاق قطع ید ہے اس سے کم میں اختلاف ہے	226

عنوان	صفحہ
جب مالک اپنی چیز چور کو بخش دے تو چور کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں	227
بخشش کا بیان	
ذی رحم محرم کو ہبہ کی ہوئی شیٔ واپس نہ لی جائے	228
قضا کا بیان	
نکاح وغیرہ عقد و فسخ میں حکم قاضی ظاہرا و باطنا نافذ ہوتا ہے	229
حدیث موقوف و معلق حنفیہ کے یہاں حجت ہے	229
تعلیقات بخاری کا حکم	230
وجہ اختراع شروط بخاری	231
تعلیقات امام محمد امام بخاری کی تعلیقات کی مانند متصل ہیں	231
صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کے عقائد فاسدہ	232
تطبیق احادیث میں مسلک امام اعظم نہایت درست ہے	232
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک مذاہب اربعہ ہی برحق ہیں	233
تتمہ بحث قضاء قاضی	234
کسی مال کی بیع کرنے والا دیگر قرض خواہوں کے مساوی ہے	235
مدعی کی قسم مردود ہے	237

عنوان	صفحہ
مدعی کی قسم اور مدعی علیہ کی شہادت کا اعتبار نہیں	237
مؤلف ظفر کی کج فہمی	238
حزیہ کا بیان	
ایک شبہ کا جواب	240
اجارہ کا بیان	
مؤلف نے عبارت چلپی سے اجر مثل کو زنا کی اجرت سمجھا	240
اجرت زنا حرام ہے لیکن زانیہ کی خدمت کے منافع حلال	241
چلپی کی عبارت اجارۂ فاسد میں ہے نہ کہ اجارۂ باطلہ میں	243
مزارعت کا بیان	
مخابرت اور مزارعت ممنوع ہے	244
مؤلف ظفر کا احادیث صحیحہ سے انکار	245
نذر کا بیان	246
ذبیحہ کا بیان	
ذبیحہ کے پیٹ کا مردہ بچہ حرام ہے	247
ذبیحہ کے پیٹ کا مردہ بچہ حشفن نہیں	248
گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے	249
دریا میں مر کر الٹ جانے والی مچھلی مکروہ ہے	250
مؤلف ظفر کی احادیث صحیحہ کی مخالفت	250
کتب امام اعظم رحمہ اللہ	
امام اعظم کی تابعیت پر جمہور محدثین وفقہا کا اتفاق ہے	252
امام اعظم کی روایت صحابہ سے ثابت ہے	253
نواب بھوپال کا تشدد	254
ان روایات کی تفصیل جو امام اعظم نے صحابہ سے کی ہے	254
علامہ ابن جوزی اکثر احادیث صحیحہ کو موضوع کہہ دیتے ہیں	258
امام اعظم پر قلیل الروایہ ہونے کے الزام کی تردید	259
ابن خلدون کی غلطی اور اس کی وجہ	261
استنباط احکام میں امام اعظم کا عمدہ اسلوب	263
مؤلف ظفر کا فریب	264
مسانید امام اعظم کی تفصیل	265
شرح مواہب الرحمن کی احادیث صحیحہ کے انکار کا جواب	266
مؤلف ظفر کا کذب وفریب	266
امام صاحب کے اساتذہ میں چار ہزار تابعی تھے	267
امام صاحب کے قلیل الروایہ ہونے کی وجہ	267
فضائل امام اعظم رحمہ اللہ	
امام اعظم اور دیگر ائمہ مجتہدین کی بشارت احادیث صحیحہ میں	268

تمیز امام اعظم رحمہ اللہ

عنوان	صفحہ
امام اعظم کی عظمت شان حدیث شریف کی روشنی میں	269
مؤلف ظفر کی حدیث اور سیرت اسلاف سے لاعلمی	270
کثرت عبادت سنت ہے بدعت نہیں	270
حضرت عائشہ کا کل شب میں قیام کرنے کی نفی کا مطلب	272
صحابہ کرام کی کثرت عبادت کا ثبوت	273
مؤلف ظفر کا کثرت عبادت کو بدعت کہنا گمراہی ہے	275
مطلق کثرت عبادت کو بدعت کہنا صحیح حدیث کو باطل کرنا ہے	277
حدیث عبداللہ بن عمر کا جواب	277
نبی کریم نے کبھی کبھی کثرت عبادت کیوں ترک کیا	278
مؤلف ظفر کے دوسرے اعتراض کا جواب	278
قفال مروزی کا قصہ موضوع ہے	278
فضائل ومناقب امام اعظم	279
امام اعظم ایک رکعت میں رات گزار دیتے	280

فضائل و کمالات

امام اعظم و دیگر ائمہ دین

عنوان	صفحہ
امام اعظم کی سخاوت	281
امام اعظم کی عقل نصف اہل ارض کی عقل پر بھاری ہے	281
مناقب امام محمد رحمہ اللہ	282
مناقب امام شافعی رحمہ اللہ	282
مناقب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ	282
مناقب امام مالک رحمہ اللہ	283
مناقب امام بخاری رحمہ اللہ	283
بڑے بڑے مجتہدین و محدثین امام اعظم کے شاگرد ہیں	284
بخاری و مسلم امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں	284
وقت زیارت امام شافعی کا امام اعظم کا ادب کرنا	284
مذہب حنفی کی اشاعت کا حکم نبی کریم علیہ السلام نے دیا	285
تمام مجتہدین ہدایت وصواب پر ہیں	285
دیگر ائمہ پر امام اعظم کی تفضیل کے اسباب	286
امام اعظم اعمش کی نظر میں	286
امام اعظم کے برابر کسی امام کے شاگرد نہیں ہیں	286
امام اعظم کی خشیت اور سخاوت	288
امام اعظم کی قبر مبارک پر بزرگوں کا استمداد	289
امام اعظم نے اللہ تعالیٰ کی ننانوے مرتبہ خواب میں زیارت کی	290
حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں امام اعظم کا علمی مقام	290
مذاہب اربعہ کی تعیین حضور علیہ السلام سے ثابت ہے	290

عنوان	صفحہ
امام اعظم کے حاسدین کی حالت	291
ہر طبقے اور مکتبہ فکر کے علما نے امام اعظم کی شان میں کتابیں لکھی ہیں	292
حنفیہ کا عمل صریح و صحیح احادیث پر ہے اور مسائل استنباطی میں احتیاط پر	293
حدیث بسرہ معلول ہے	295
متفرق مسائل فقہ کا بیان	
نماز کی اندر وضو ٹوٹنے سے از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے	296
"الوضوء مما مست النار" والی حدیث سے منسوخ ہے	296
اونٹ کا گوشت کھانا ناقض وضو نہیں	297
خانہ کعبہ کی پشت پر نماز مکروہ ہے	298
مؤلف ظفر کا مسائل حنفیہ میں ایک اور مغالطہ	298
معترض صاحب کا جواب	299
مؤلف ظفر کا اعتراض امام ابو یوسف پر اور اس کا جواب	300
دباغت سے آدمی اور خنزیر کی جلد سکتی ہے	301
حد بوجہ شبہ کے ساقط ہو جاتی ہے	302
بوقت ضرورت شی حرام سے علاج جائز ہے	302
غیر مقلدین کے یہاں بلا ضرورت پیشاب کا استعمال جائز ہے	303
امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے	303
معترض صاحب چند غیر مقلدوں کی مدد سے مصنف بن گئے	304
ہدایہ کے مسائل معتبرہ کا بیان	
احادیث ہدایہ کو موضوع کہنے کے جوابات	304
روایت بالمعنی جائز ہے	305
معترض صاحب کا فریب	306
کروٹ پر لیٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے	307
کتب فقہ کا مطالعہ کیے بغیر حدیث کا سمجھنا بہت مشکل ہے	308
مؤلف ظفر کی چالاکی	309
باب مسح میں حدیث ہدایہ کی روایت صحیح ہے	310
حدیث سے نجاست منی کا ثبوت	312
زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے	313
صاحب ہدایہ کا تبحر فی الحدیث	313
روایت بالمعنی میں تغیر الفاظ محل طعن نہیں	314
آخر وقت عشا کا طلوع فجر تک اور افضل وقت تہائی رات تک ہے	315
بوجہ اختلاف الفاظ احادیث ہدایہ موضوع نہیں	315
مؤلف ظفر کی خیانت	315
معترض صاحب کا اجتہاد	318
غیر مقلدین سواد اعظم سے خارج ہیں	319

عنوان	صفحہ
معرکۂ کربلا کو بطور دلیل پیش کرنے کا جواب	319
مجتہدین کے درمیان بعض احکام میں مخالفت جائز اور واقع ہے	320
بڑے بڑے عارفین و محققین نے تقلید کی ہے	321
غیر مقلدین کے زعم میں وہی مقبول بارگاہ الٰہی ہیں	321
خدائے تعالیٰ غیر مقلدوں سے خوش نہیں	321
مسائل اجتہادیہ میں خطاء وصواب کا احتمال ہے مگر جانب صواب کو غلبہ حاصل ہے	322
ناسخ ومنسوخ آیات و احادیث کا جاننا مشکل ہے	323
بیان ناسخ ومنسوخ	324
امام اعظم کا قول کسی آیت و حدیث کا ناسخ نہیں یہ غیر مقلدین کی بدگمانی ہے	324
مؤلف ظفر کی بددیانتی	324
ثقاۃ کی خبر واحد حجت ہے	324
حضور کا جو فعل بروایات صحابہ ثابت ہے وہ ناسخ ہے	325
غیر مقلدین پر الزامی جواب	326
بغیر دلیل قوی کے حنفیہ کسی آیت و حدیث کو منسوخ نہیں کہتے	326
مؤلف ظفر کا اتہام اور کذب بیانی	326
آیات منسوخہ کو پانچ اور احادیث منسوخہ کو صرف دس میں منحصر کرنا جمہور محققین کے خلاف ہے	327
چند منسوخ احادیث	329
علامہ ابن جوزی کے کلام کا جواب	329
حضور کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بوجہ عذر تھا	331
بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ	331
دباغت سے کتے کی جلد پاک نہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے	332
معترض صاحب کا امام بخاری اور نواب بھوپالی کی مخالفت اور صاحب دراسات کی تقلید	332
معترض صاحب کی کج فہمی	333
جمع بین الصلاتین کا مسئلہ	334
جمع بین الصلاتین کی حدیث منسوخ ہے یا جمع صوری پر محمول ہے۔	334
معترض صاحب کا آیت اور حدیث کو ترک کرکے ضعیف حدیث پر عمل کرنا	335
معترض صاحب کی تقلید جامد	336
رمضان میں فجر سے قبل غسل والی حدیث منسوخ ہے	336
مولانا عبدالحی لکھنوی نے نواب بھوپالی کی قلعی کھول دی ہے	338
مؤلف ظفر کا تحکم	338
بخاری کی ہر حدیث قابل عمل نہیں	340
چند منسوخ حدیثیں بخاری شریف کی	340

عنوان	صفحہ
مؤلف ظفر کا حنفیہ پر جواز فی الدبر کی تہمت لگانا اور اس کا جواب	342
مؤلف ظفر کی خیانت	343
تعزیر شدید وطی فی الدبر کی	344
بخاری و مسلم کے ضعیف راویوں کی تعداد	345
حدیث سے شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے	346
مذاہب اربعہ کی حقانیت کا بیان	346
اطلاع ضروری	347
ضمیمہ فتح المبین موسوم بتنبیہ الوھابیین	348
کثرت آراء پر حکم دینے کا حدیث سے ثبوت	349
صحاح ستہ کو کتب فقہ کہنا درست ہے	349
لامذہب اولوالالباب اور ذوی العقول سے خارج ہیں	350
پہلا مسئلہ معرکۃ الآراء اثبات وجوب تقلید کا	351
حضرت امام اعظم کی تابعیت کا ثبوت	352
اہل نسبت حنفی یا شافعی کا مثل حنفی و شافعی کے قرون ثلاثہ میں پایا جانا	355
نسبت لفظ محمدی کی حقیقت	356
دھوکہ دیکر غیر مقلد بنانے کا نیا طریقہ	357
تقلید حرام و شرک کا بیان	358
ثبوت تقلید شخصی کا آیہ کریمہ سے	359
تقلید شخصی و غیر شخصی دونوں تقلید ماموره و مشروع کے افراد ہیں	359
ائمہ اربعہ کے وجوب تقلید کا ثبوت	360
لامذہبوں کا کام افتاء میں بغیر تقلید کے چل نہیں سکتا	361
عمل بالحدیث کے شرائط	362
غیر مقلدوں کی گمرہی پر پرچہ اشاعۃ السنہ کی شہادت	363
مذاہب اربعہ کی حقانیت پر حجۃ اللہ البالغہ کی شہادت	363
التزام تقلید مذہب معین میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کی عبارت	364
حرمت عمل تلفیق کی بالاتفاق ثابت ہے	365
تقلید مذہب معین کی واجب ہے	365
صدر اول اور اس کے بعد میں تقلید کا حال	366
رسالہ انصاف کی عبارت میں تحریف مترجم کا ثبوت	366
امام بخاری کے شافعی المذہب ہونے کا ثبوت	367
امام بخاری کا امام اعظم کے شاگرد کے شاگرد کی تقلید کرنا	367
انحصار مذاہب اربعہ کا امر الٰہی و فضل ربانی سے ہونا	368
غیر مقلدوں میں زیادہ اختلاف سے خرابی اور فساد ہونا	369
ایک آمین کے مسئلے میں غیر مقلدوں کے چھ فتوے	370
آج کل بغیر تقلید شخصی کے فتنہ فساد و اختلاف سے بچنا محال ہے	371

عنوان	صفحہ
تحقیق سے تقلید شخصی	372
شاگردوں کی روایت درحقیقت امام صاحب کی روایت ہے	372
امام کی روایتوں کی جانچ پہلے ہی ان کے شاگرد کر چکے	373
اثر کوتولی تفسیر الرسول اذا صح کا صحیح مطلب اور اعتراض کا جواب	373
ایسے دین کو مقلدین کا اچھا جاننا اور غیر مقلدوں کا برا جاننا	375
زمانہ صحابہ میں تقلید شخصی اور محل اختلاف میں مسئلہ دریافت کرنے کا ثبوت	375
پہلے تقلید شخصی موجب فساد نہ تھی مگر اب ہے	376
غیر مقلدین کا قیاس کی حدیث صحیح پر عمل نہ کرنا	377
اول من قاس ابلیس کا مطلب اور اعتراض کا جواب	377
قیاس علماء کی تقلید فرض ہے اور قیاس ابلیس کی تقلید شرک	378
غیر مقلدین نے صحاح ستہ سے ثبوت قیاس کی حدیث ترک کردی	378
دلائل فوائد قیاس کے	379
ثبوت شرعیت قیاس کا آیات قرآنی سے	379
غیر مقلدین نے ثبوت اجماع کی حدیثیں چھوڑ دیں	379
منکر اجماع کی وعید قرآن وحدیث سے ثابت ہے	380
اجماع قطعی کا منکر کافر ہے	380
آمین بالاخفاء والی حدیثیں غیر مقلدوں کی معمول بہا نہیں	380
تعدیل شعبہ کی	380
مد بہا صوتہ کے معنی	381
تفسیر رفع بہا صوتہ کی	381
حدیث صحیح سے جواب پانے پر قید غیر مقلدین	382
علقمہ کے چھوٹے بھائی نے اپنے باپ سے سنا	382
حدیث سکتہ سے آمین بالاخفا کا ثبوت	383
قول کبھی آواز بلند کرنے نہیں آیا	384
آمین دعا ہے	384
غیر مقلدین نے عدم رفع یدین کی حدیثیں چھوڑ دیں	384
دلائل تحقیق حدیث رفع یدین کے	385
عبداللہ بن عمر کا رفع یدین نہ کرنا اور عبداللہ بن زبیر کا رفع یدین سے منع کرنا	385
مقابلہ امام اوزاعی کا ابوحنیفہ سے رفع یدین میں اور غالب آنا امام ابوحنیفہ کا	386
یہی قصہ شاہ ولی اللہ کی کتاب انصاف اور کفایہ میں مرقوم ہے	

عنوان	صفحہ
حضور کا رفع یدین کو گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دینا اور منع کرنا	388
دعویٰ کے باوجود غیر مقلدین نے حدیث صحاح ستہ پر عمل نہ کیا	388
موافق حدیث کے سات مقام پر رفع یدین کرنا چاہیے	389
عدم رفع یدین امام صاحب کے ساتھ صحابہ اور تابعین کا بھی مذہب ہے	389
غیر مقلدوں نے قراءت خلف الامام کی مانع احادیث صحیحہ کا خلاف کیا	390
عبارت تفسیر معالم میں مولف ظفر کی خیانت اور چالاکی	391
فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے شبہ کا جواب	391
قرأت خلف الامام کو دس صحابہ نے منع کیا	392
اعتراض قول زہری پر اور جواب اس کا	393
بددیانتی اور دروغ گوئی مؤلف ظفر مبین کی تبدیلی نام راوی میں	394
مجابات احادیث وجوب قرأت خلف الامام کے	395
قرأت خلف الامام کی حدیث ضعیف ہے	396
جرح کا تعدیل پر مقدم ہونا	397
یحییٰ قطان اعلم بالرجال ہیں	397
قرأت خلف الامام پر صحابہ و تابعین کی جانب سے سخت وعید	398
غیر مقلدین نے زیر ناف ہاتھ باندھنے والی حدیثوں کو ترک کر دیا	398
جواب ثانی اعتراض موقوفیت حدیث کا	400
غیر مقلدین کی مخالفت حدیث جمع بین الصلاتین میں	401
غیر مقلدین نے حدیث بخاری کو ترک کیا	402
غیر مقلدین نے حدیث ابن ماجہ اور ترمذی کو ترک کیا	402
غیر مقلدین نے کراہت اکل لحم اسپ میں احادیث کی مخالفت کی	402
غیر مقلدین نے کراہت جہر بسم اللہ میں احادیث پر عمل نہ کیا	403
غیر مقلدین نے تیمم کی ضربوں کے متعلق احادیث کی مخالفت کی	403
غیر مقلدین نے در بارۂ کراہت نفل بعد غروب و قبل نماز مغرب کے حدیث اور اقوال صحابہ پر عمل نہ کیا	403
غیر مقلدین نے محرم کا سلا ہوا کپڑا پہننے میں حدیث کو ترک کیا	404
غیر مقلدین نے نکاح حرہ بالغہ بلا اذن ولی میں حدیث کے خلاف کیا	404

عنوان	صفحہ
غیر مقلدین نے سوائے نماز وتر کے اور نمازوں میں قنوت پڑھنے کو خلاف احادیث جائز کہا	404
غیر مقلدین نے کراہت سمک طافی میں احادیث کی مخالفت کی	405
غیر مقلدین نے شئی موہوب کے ذی رحم محرم سے واپس لینے میں احادیث کی مخالفت کی	405
غیر مقلدین کے نزدیک مردوں کو کندھوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے	406
غیر مقلدوں نے پچھلی دو رکعتوں میں تساوی قرأت کے متعلق احادیث پر عمل نہ کیا	406
غیر مقلدین نے مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹنے میں احادیث کے خلاف کیا	407
غیر مقلدین نے اکل لحم شتر سے وضو ٹوٹنے میں احادیث پر عمل نہ کیا	407
غیر مقلدین نے دباغت پوست خنزیر میں حدیث کی مخالفت کی	407
غیر مقلدین نے عدم قطع ید سارق التمر علی الشجر میں حدیث پر عمل نہ کیا	408
غیر مقلدین نے عشری شئی قلیل ارضی میں ترک احادیث کیا	408
غیر مقلدین نے جواز کثرت عبادت میں احادیث کا خلاف کیا	409
غیر مقلدین نے درباره مسنون ہونے مسح گردن کے احادیث کو چھوڑ دیا	410
غیر مقلدین حضور کی پیشین گوئی کے پورے پورے مصداق ہیں	410
غیر مقلدین خواہش نفس امارہ کے مقلد ہیں	410
غیر مقلدوں کا تعصباً تمامی مقلدین کو مشرک و کافر کہنا اور تقلید کو شرک حرام جاننا	411
خروج وہابیہ نجدیہ کا مختصر بیان	412
حال پر ملال اجمال وہابیان ہند کا	413
پس اس حدیث سے سب افعال و اقوال احوال غیر مقلدین کے ظاہر ہو گئے	414
غیر مقلدین نے تعظیم مقامات مقدسہ کے متعلق قرآن و حدیث کو ترک کر دیا	414
مناقب و فضائل حرمین و دیگر مقامات مقدسہ قرآن و حدیث سے	414
ثبوت اور بقاء دین محمدی کا حقیقت مذہب مقلدین پر موقوف ہے	415
مطلب اہل السنۃ اور مصداق سواد اعظم کا جماعت مقلدین ہے نہ کہ غیر مقلدین	416
غیر مقلدین نے عوام مقلدین کو بہکانے کے لیے	417

مضمون	صفحہ
اشتہار کا طریقہ اپنایا	417
محمد حسین بٹالوی کا تجاہل اور جواب باصواب پاکر انعام دینے سے مکرنا	417
اشتہار	
نقل اشتہار سوالات مولوی محمد حسن لاہوری	418
تفصیل جوابات اشتہار مذکور کے	419
فریب دہی محمد حسین بٹالوی کی سوالات مشتہرہ میں	419
اشتہار جدید مقلدین کی طرف سے چودہ سوالات	420
ایضاً بیس سوالات نمبر بوعدہ انعام دس اشرفی فی جواب کے	421
غیر مقلدین در بارہ شرائط جوابات	422
عقائد فاسدہ واعمال کاسدہ غیر مقلدین میں کہ خلاف اہل سنت کے ہیں	422
فتوائے جامع الشواھد فی اخراج الوھابیین عن المساجد	425
علامات ظاہری لامذہبوں کی	427
تفصیل عقائد غیر مقلدین قابل ملاحظہ ناظرین	427
حضرات مقلدین وصوفیہ کو غیر مقلدین مشرک اور کافر جانتے ہیں	429
نواب بھوپال نے فقہ جعلسازی اور فقہاء مقلدین کو مشرک و بدعتی کہا	429
نواب بھوپال نے صدقات ثواب اموات کو طریقہ ہنود قرار دیا ہے	429
امام بخاری کا شافعی ہونا مقلدین کو برا کہہ کر ان کی برائی کرنا	430
نذیر حسین نے تقلید کو بدعت اور ایمہ مجتہدین کو احبار و رہبان بنایا	431
آیات متشابہات صفات باری میں اور فرقہ ظاہریہ کا رد اور اہل سنت کی تحقیق	431
نواب بھوپال نے بیس تراویح کو لے کر حضرت عمر کو مخترع بدعت ضلالہ کا ٹھہرایا	432
غیر مقلدین فیض روحانی انبیاء واولیاء کے قائل نہیں	434
مانعین زیارت قبر نبوی پر قرآن سے لعنت ثابت ہے	435
غیر مقلدین بیعت حضرات صوفیہ کو شرک جانتے ہیں	436
غیر مقلدین حضور کے تمام اقوال وافعال کو محمود نہیں جانتے اور عصمت نبوت کے قائل نہیں	437
غیر مقلدین حضرات سعدی، جامی اور حافظ کو بوجہ تضمین اقتباس قرآنی کے کافر بنادیا	438
تصریح عملیات غیر مقلدین اس میں ستر واعمال ہیں	440
غیر مقلدین پانی سے استنجاء کے بعد ڈھیلا لینے کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں	443
سور کی چربی کھانے کا اتہام آنحضرت ﷺ پر	443

غیر مقلدین اہل بدعت وضلالت ہیں ان کی مصاحبت شرعاً ممنوع ہے	444
جو شخص اس زمانے میں مذاہب اربعہ سے خارج ہو وہ بدعتی اور دوزخی ہے	444
غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں	444
حکم لامذہبوں کا مثل حکم باغیوں کے ہے	445
حقیقت حال مسخ نامہ علماء دہلی مورخہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۹۸ھ کا	445
دستخط و مواہیر علماء مشاہیر	
مواہیر و دستخط علمائے دہلی و کانپور وغیرہ	446
مواہیر و دستخط علمائے مقام لودھیانہ و دیوبند	448
خط: از طرف شاہ رحمت اللہ صاحب بخدمت حضرت مولانا صاحب قبلہ غازی پوری	454
واقعہ آرا	456
مواہیر و دستخط علمائے شہر اندور و چھاؤنی	458
مشاہیر علمائے دار الاسلام مصطفیٰ آباد عرف رام پور	459
اشعار علامہ وصی احمد حنفی صورتی مدرس مدرسہ پیلی بھیت	461
مواہیر العرب من مفاتی مکۃ المعظمۃ	465
مواہیر علماء المدینۃ المنورۃ	468
مواہیر علماء العجم من مشاہیر دیار الہند	469
مواہیر علماء الفنجاب	471
مواہیر علماء الولایۃ	473
فتویٰ مفتیان مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً ثبوت وجوب تقلید شخصی	473
فتویٰ مفتیان حرمین شریفین برد کتاب الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین	480
تقاریظ	
تقاریظ دلپذیر و عبارات بے نظیر مشتہرہ مواہیر و دستخط علمائے دار العلم و العمل فرنگی محل لکھنؤ	485
تقریظ العالم الالمعی والفاضل اللوذعی مولانا محمد ایوب الکویلی الاسرائیلی	493
تقاریظ مشتہرہ دستخط و مواہیر علماء جون پور	494
تقاریظ مشتہرہ دستخط و مواہیر علمائے تحریر و فضلائے مشاہیر شہر کانپور	495
تقاریظ بلاغت مضمون و تقاریظ فصاحت مشحون علمائے بریلی و بدایوں و سنبھل	497
عبارات مشتہرہ مواہیر و دستخط علمائے دیوبند و سہارنپور و منگلور	506
تقاریظ مشتہرہ مواہیر و دستخط علمائے کاملین شہر مراد آباد و علی گڑھ	507

عنوان	صفحہ
عبارات مستندہ مثبتہ مواہیر و دستخط علمائے اعلام وفضلائے کرام شہر رامپور	509
تقاریر مستندہ و عبارات مصدقہ علمائے مشاہیر وفضلائے نحریر شہر دہلی	511
تقاریظ مثبتہ دستخط و مواہیر علمائے مشاہیر مقام پھلی بھیت	517
تقاریر بے نظیر و لپذیر علمائے مشاہیر لاہور و امرتسر مع دستخط و مواہیر	518
تقاریظ مثبتہ مواہیر و دستخط علمائے مشاہیر آراہ و ہوگلی و کلکتہ	520
تقاریظ مثبتہ دستخط و مواہیر علمائے مشاہیر حیدر آباد دکن و مدراس	529
تحریر بے نظیر و تقریر دلپذیر از علامہ قاضی محمد فاروق صاحب چریا کوٹی	533
مولانا شاہ امانت اللہ کی المختصر الفاظ پھلواری	535
تحریر خلاصہ علامہ نحریر مولانا جناب مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری	538
تقریر دلپذیر جناب مولانا مقتدانا محمد اشرف علی صاحب صدر مدرسین جامع العلوم کانپور	539
مولانا حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی	541
علمائے مشاہیر گجرات و سورت و دکن وغیرہ	542

عنوان	صفحہ
دبوس المقلدین بجواب فؤس المحققین	544
صاحب فؤس کا علماء اسلام کو برا کہنا	544
صاحب فؤس کی لفظی غلطیاں	545
صاحب فؤس کی کج فہمی	546
وجوب تقلید کے مسئلے میں صاحب فؤس کا فریب	546
جناب والا کا بہتان و کج فہمی و ہذیان	547
صاحب فؤس کا بہتان و کج فہمی	547
مصنف فؤس کی دروغ بافی اور ناسمجھی	547
صاحب فؤس کی سخن سازی و افترا پردازی	548
مصنف صاحب کی کج فہمی و دشنام سازی	548
حضرت کی ناسمجھی	549
مصنف کا افترا و کج فہمی	549
حدیث کل بدعة ضلالة اور نعمت البدعة هذه کا مفہوم	549
صاحب فؤس کی ترکیبی غلطیاں	550
اجتہاد اور مسائل فقہیہ کا بیان	551
ائمہ مجتہدین کو برا کہنا تو غیر مقلدین کا مذہب ہے	551
الزام الٹے احناف پر	552
اسناد حدیث کے مراتب	554
انتساب روایات میں سلسلۂ اسناد ضروری نہیں	554

عنوان	صفحہ
صاحب قوس کی چالبازی اخذ عبارت میں	556
قمر کے سلسلے میں چار اعتراضات اور ان کے جوابات	556
قضاء القاضی نافذ ظاہرا و باطنا کے معنی	557
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب مبارکہ	558
تغلیط امام نووی اور موافقت حدیث علی رضی اللہ عنہ	559
قاعدہ اتفاقیہ کا جواب	559
امام ابو یوسف پر ابو حاتم کا صریح افتراء	560
چار کھوٹے اعتراضات	560
قفال مروزی کا قصہ موضوع ہے	562
قفال مروزی کے قصے کی فاحش غلطیاں	563
خود نواب صاحب کے قول سے حکایت ابو یوسف بے اصل ہے	564
نفی تقلید کی تحقیق	567
کبار شوافع حضرات کی غلطیاں	568
عمل بالحدیث کے لیے چند قیود ہیں	569
چند شبہات کے مسکت جوابات	572
معنی سماع کی تحقیق	574
حقیقت اجارہ کی تحقیق	574
حدیث مصراۃ کا مفہوم	576
اعتراضات کے مفصل جوابات	571
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے قصے سے استدلال کی حقیقت	578
قیاس کے معانی و مفاہیم	579
خواب کی عمدہ تحقیق	580
اسماعیل دہلوی کا اشراک فی التوحید کہنا نمونہ جہالت ہے	581
وسیلہ بزرگان دین سے جائز ہے	581
قبر پرستی کا الزام غلط ہے	581
مومن کا عمدہ خواب یقیناً حجت ہے	582
خواب کے مراتب زمان و مکان کے اختلاف کے اعتبار سے ہے	583
شیخ صنعانی کے خواب کا جواب	585
نداء : یارسول اللہ اگر کفر ہے تو تمام جہان کے مسلمان اس کفر سے متصف ہیں	586
غیر خدا کو عطائے الٰہی علم غیب ہونا ثابت ہے	587
اذان کے وقت انگوٹھا چومنا جائز و مستحسن ہے	588
سماع موتی احادیث سے ثابت ہے	588
کرامات اولیاء حق ہیں	588
ایصال ثواب جائز ہے	590
چلتے چلتے چند باتیں بطور خاتمہ	590

تنبیہ الاسی علی تشنیع الاناسی	592
جوابات ترکی بہ ترکی نثر کا نثر میں نظم کا نظم میں	592
امام اعظم تابعی تھے	597
مناقب امام اعظم در زبان فارسی	598
امام اعظم کے ارشاد "ولوقذفہ باباقبیس" کی تحقیق	599
امام اعظم کی عربی دانی ان کے قصیدۂ نعمانیہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے	600
قصیدۂ نعمانیہ	601
اشتہار	607
تاریخ طبع سابق از خن سنج فائق مولوی عبدالخالق صاحب لائق	609
علامہ منصور علی خان	610
علامۂ وحید مولوی حافظ محمد عبدالحمید از علمائے دار العلم والعمل فرنگی محل	610
المولوی وصی احمد سورتی مدرس مدرسہ پیلی بھیت	611
محمد عبدالحکیم سلمہ اللہ الکریم	612
مولانا مولوی حافظ ابوالخیر محمد جان صاحب محمد بکری آبادی احسن اللہ آبادی الیہ	613
حافظ مولوی مدعو بضیاء الدین کفی بابی المسکین ساکن پیلی بھیت	614
اشتہار جدید قابل دید	615
تقدیم نحو کے چند اصل صفحات	617

من جانب

طلبۂ جماعت سادسہ

۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ

دار العلوم علیمیہ

جمدا شاہی

بستی یو. پی

فتح المبین
فی کشف مکائد
غیر المقلدین
فی
جوب الخفر المبین
فی رد مغالطات المقلدین

مصنف: علامہ محمد منصور علی خان مراد آبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

وجہ تالیف وبیان بدگوئی مؤلف ظفر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ! خاکسار ازلی محمد منصور علی بن مولانا محمد حسن علی مراد آبادی غفر لھما اللہ ذو الایادی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ایک کتاب **الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین** مطبوع لاہور تصنیف ہری چند بن دیوان چند کھتری ساکن علی پور ضلع گوجرانوالہ ملک پنجاب کہ فی الحال بر ائے نام مسلمان ہو کر نام اپنا غلام محی الدین رکھا نظر سے گذری اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مؤلف نے ائمہ سلف پر طعن وتشنیع کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے، جس قدر اس کی زبان نے یاوری دی اس قدر در گزر نہیں کیا اور اپنے زعم میں یوں سمجھا ہے کہ سب ائمہ مخالفت حدیث وقرآن کی کرتے تھے۔ چنانچہ سو مسئلے فقہ کے مخالف قرآن وحدیث بیان کیے ہیں اور چاروں اماموں خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہر مسئلے میں یہی دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے اس مسئلے میں قرآن یا حدیث کی مخالفت کی ہے اور ہر مسئلے میں ایک حدیث اور کہیں آیت بھی لکھ دی ہے کہ یہ مسئلہ اس حدیث اور آیت کے مخالف ہے اور جو حدیث اور آیت اس مسئلہ کے موافق تھی اس کو بالکل چھوڑ دیا، **پھر ان مسئلوں کی وجہ سے جس قدر اس میں تبرا لکھا ہے اس کو دیکھنے والے اس کتاب کے خوب جانتے ہیں مگر یہ تبرا درحقیقت قرآن وحدیث پر ہے نعوذ باللہ کیونکہ کوئی مسئلہ ان سو مسئلوں میں سے ایسا نہیں کہ جس کا ماخذ قرآن وحدیث نہ ہو، پھر نہیں معلوم کون سی شی** اس طعن کی باعث ہوئی؟ **پھر حنفیوں کی طرف سے انہوں نے مغالطات** فرض کیے ہیں کہ وہ مغالطے محض مصنوعی ہیں حنفیہ ان کے ہرگز قائل نہیں جو غرض حنفیہ کی ہے اس سے مؤلف ''ظفر مبین'' بمراحل دور ہے اور حدیث میں، واسطے ثابت کرنے مخالفت امام صاحب کے، بہت کچھ تحریف کر دی ہے۔

وجہ اختلاف احکام شرعیہ بتقریر معقول

ہر امام کا ماخذ حدیث اور قرآن ہے اگر ایک امام مجتہد نے ایک حدیث سے اخذ کیا ہے تو دوسرے امام مجتہد کا ماخذ دوسری حدیث ہے غرض کوئی امام مخالف حدیث اور قرآن کے نہیں کہتا اور کسی کو ان پر طعن کرنا نہیں پہونچ سکتا، اور اگر ایسی ہی مخالفت مورد الزام ہے جیسا کہ یہ سمجھے ہیں تو کوئی متقدمین ومتاخرین سے ایسا نہیں کہ من وجہ مخالفت حدیث کی اس سے نہ ہوئی ہو بلکہ جو لوگ ان پر طعن کرتے ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ سب سے زیادہ حدیث کے مخالف ہیں۔ غرض من وجہ مخالفت سے حقیقت مذہب کی باطل نہیں ہو سکتی اور اماموں پر اعتراض کرنے سے درحقیقت خدا اور رسول

پر اعتراض ہو جاتا ہے، نعوذ باللہ منہ، کہ انہوں نے مختلف طریق کیوں بیان کیے یا ہر امر کی تصریح قرار واقعی کیوں نہیں کی؟ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ جس قدر بعید ہوتا گیا اسی قدر راویوں میں بوجہ عدم عصمت واتقاء کے اختلاف واقع ہوتا گیا، گو کل اختلافات شارع کی طرف سے نہیں فقط راویوں کے سہو ونسیان پر مبنی ہیں مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ اختلاف امت، شارع کو کسی مصلحت سے منظور تھا ورنہ جب ایسے ہی لوگ مخالف حدیث اور خلاف مرضی خدا اور رسول ہو جائیں گے تو پھر موافق حدیث اور مطابق مرضی شارع کون ہوگا؟ اسی طرح اُن کے پیروکو بھی سمجھنا چاہیے، کیونکہ تنقیح حدیث کی جیسی ان چاروں اماموں نے کروی ہے ایسی کسی نے نہیں کی اسی وجہ سے جو قول اُن چار کے اقوال سے خارج ہو وہ غیر معتبر شمار کیا جاتا ہے الا ماشاء اللہ! غرض کہ تقلید ائمہ کی کوئی معیوب امر نہیں، بلکہ اس کو برا سمجھنا اپنی جہالت ظاہر کرنا ہے اس میں تو بڑے بڑے مصالح دنیوی واُخروی موجود ہیں اور قاعدہ ہے کہ جب تک آدمی کسی امر دینی یا دنیوی کا التزام نہ کرے اس امر کا صادر ہونا التزاماً دشوار معلوم ہوتا ہے، پس حنفیہ کا التزام کرنا اس کو مقتضی نہیں کہ تقلید کے وجوب میں کوئی نص قطعی وارد ہے۔

اختلاف روایات صحیحین

البتہ بعضے حنفیہ نے اس میں ایسا غلو کر لیا ہے کہ محققین اس کو پسند نہیں کرتے ہیں، جیسے فرقۂ ظاہری نے بخاری اور مسلم میں اس درجے کا غلو اور انہماک کیا ہے کہ اس کے سامنے اسی قسم کی حدیث بھی نہیں مانتے ہیں بلکہ آیت قرآن اگر کوئی پڑھتا ہے تو برا جانتے ہیں اور کہتے ہیں کیا پیغمبر ﷺ قرآن نہیں سمجھتے تھے حالانکہ سیکڑوں برس کے بعد یہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں راویوں میں صحیحین کے خود اختلاف ہے ایک کی کچھ روایت ہے اور دوسرے کی کچھ ہے علی ھذا القیاس۔

خبر آحاد ناسخ قرآن نہیں ہو سکتی

جب راوی ضعیف بھی موجود ہیں ایک شخص کچھ بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کے مخالف کہتا ہے، خود ثقہ راویوں کے مسلک میں بھی اختلاف پڑا ہوا ہے، پھر کیوں کر ایک شخص کی روایت کو قرآن کی آیت پر ترجیح دی جائے گی؟ ہاں! اگر یہ یقین ہو جائے کہ یہ کلام بے شک رسول اللہ ﷺ کا ہے اور راوی سے اس میں غلطی ممکن نہیں تو اس وقت وہ حدیث ناسخ ہو جائے گی اور یہ یقین جب ہوگا کہ راوی نے اپنے کانوں سے سنا ہو اس کے حق میں وہ حدیث حکم قطعیت کا رکھتی ہے مگر جب تک اس کے راوی اس کثرت سے روایت نہ کریں کہ ان کا سہو ونسیان محال ہو، کیونکر اس کو ہم بمقابلہ آیت کے ترجیح دے سکتے ہیں غرض ہر چیز کو اپنے محل پر رکھنا بہتر ہے، بخاری کی صحت میں بہ نسبت اور کتابوں کے بیشک زیادہ التزام ہے لیکن قرآن کے متواتر ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں پس قرآن پر بخاری کی روایتوں کو ترجیح دینی بڑی جہالت کی بات ہے حالانکہ کسی بات کا یقین ہونا کہ فلاں کلام اس شخص کا ہے فقط راویوں کی صحت اور ضعف پر مبنی نہیں بسا اوقات ثقہ کی خبر غلط نکلی ہے اور فاسق وفاجر سچ کہہ دیتا ہے۔ گو کم سہی مگر اس کے وجود میں کلام نہیں، اسی وجہ سے ضعیف حدیث کا قوی ہونا اور قوی حدیث کا ضعیف ہونا ہو سکتا ہے۔

حدیث کا قوی اور ضعیف ہونا راویوں پر موقوف نہیں

قوت اور ضعف حدیث کا راویوں پر موقوف سمجھنا خلاف واقع ہے، بسا امور قرائن سے قوی ہو جاتے ہیں گو راوی اس کے ضعیف ہوں۔ اسی طرح قوی بات جس کو ثقہ نے روایت کیا ہو قرائن سے ضعیف معلوم ہوتی ہے، پھر لفظ حدیث میں اس قدر اختلاف کہ ایک شخص اس کو منسوخ جانتا ہے اور دوسرا معمول بہ سمجھتا ہے۔ ایک کے نزدیک بنااس کی ایک امر پر ہے اور دوسرے کے نزدیک دوسرے امر پر۔ اگر اس قسم کا اختلاف نہ ہوتا تو ہم ائمہ کی طرف ہرگز رجوع نہ کرتے۔

وجہ ضرورت تقلید وحقیقت مذہب امام اعظم

ہم کو اختلاف رواۃ نے تقلید پر مجبور کر دیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ تقلید سے مقید ہونا طبیعت کو ناگوار گزرتا ہے، بے قیدی اچھی معلوم ہوتی ہے، ہم اپنی سمجھ اور عوام کی سمجھ کو اس امر اہم کی تنقیح میں کافی نہیں سمجھتے ہیں خصوصاً متعصبین جن کو اماموں سے عداوت قلبی اور حسد دلی ہے ان کے اقوال کو تو ہم لوگ بادہوائی اور ان کی خانہ ساز باتیں سمجھتے ہیں پس جو شخص جتنا قرون ثلاثہ سے قریب ہے اسی قدر اس میں شان حقیت زیادہ ہے، اور یہ باتیں کہ امام صاحب وغیرہ کو بہت سی حدیثیں نہیں پہونچیں متعصبین کی محض نفسانیت اور خانہ ساز باتیں ہیں۔ کوئی حجت اس پر نہیں، خصوصاً اس کتاب ظفر مبین میں تعصب اس درجہ کا موجود ہے جس کا کچھ بیان نہیں، ناظرین باانصاف خود ملاحظہ کر لیں گے۔

وجہ تسمیہ کتاب

چونکہ یہ کتاب مسلک حق سے بالکل بعید تھی اس لئے اس کا جواب لکھنا ضرور ہوا، گو مجھ کو اپنے کاروبار دنیوی سے فرصت نہ تھی، پھر بھی بوجہ اصرار بعض خاص احباب کے مجبور ہو کر تین مہینے میں کتاب مذکور کے کل جوابات سے فراغت پائی، اور بدون تعصب اور نفسانیت کے موافق اقوال محدثین ہر مسئلے کا ماخذ قرآن وحدیث سے ثابت کر دیا چونکہ مؤلف کتاب مذکور نے واسطے ثابت کرنے مخالفت قرآن وحدیث کے نسبت مسائل ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اور واسطے بدعقیدہ کرنے اور فریب دینے عوام مقلدین حنفیہ کے جابجا قرآن وحدیث کے معنی بیان کرنے میں دھوکے دیے تھے اور حق باتوں کو چھپایا تھا اور عنایت ایزدی سے اس عجیب خاکسار نے اس کی کیادیوں اور حق پوشیوں کے کشف واظہار پر بخوبی فتح پائی تھی لہٰذا نام اس کتاب کا "**اَلْفَتْحُ الْمُبِیْن فِیْ کَشْفِ مَکَائِدِ غَیْرِ الْمُقَلِّدِیْن**" رکھا کہ جس سے سب فریب سازیاں اور دھوکے بازیاں اس کی اور اس کے ہم خیالوں کی ظاہر ہو گئیں اور اعتراضات اور مطاعن جو ائمہ مجتہدین پر کیے تھے سب رفع ہو گئے، اللہ تعالیٰ اس کو مقبول خاص وعام کرے! اور اس سے برادران دینی کو فائدہ پہونچاوے! آمین ثم آمین۔

کشف کید اول

قال: ایک مغالطہ یہ ہے کہتے ہیں کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں؟ سو جواب اس کا یہ ہے کہ جس

شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن میں جابجا یہی فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ پر چلو!اور یہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے برخلاف بتلاتا ہے کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں الخ۔

مؤلف ظفر مبین کی دروغ گوئی وافتراء پردازی

اقول: یہ محض مغالطہ اور افتراء پردازی معترض صاحب کی ہے،کوئی حنفی اس کا قائل نہیں کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں، بلکہ حنفیہ تو اس کے مدعی ہیں کہ کوئی بات فقہ کی قرآن اور حدیث کے برخلاف نہیں اور ماخذ فقہ کا قرآن وحدیث ہے پس فقہ اور حدیث میں فقط تغایر اسمی ہے، مسمّٰی ایک ہے یا فرق اجمال وتفصیل کا ہے حاصل دونوں کا ایک ہے یا کلیات اور جزئیات کا فرق ہے مدعیٰ ایک ہے غرض اس قسم کی مغایرت حقیقت میں مغایرت نہیں علیٰ ھذا القیاس۔

فقہ شافعی، مالکی اور حنبلی بھی ہرگز مخالف قرآن وحدیث کے نہیں، اور بیشک حنفیہ کے نزدیک اس حدیث پر چلنا جائز نہیں جو مؤول اور منسوخ ہو گو وہ بخاری اور مسلم ہی میں کیوں نہ ہو، پس مغالطے کو اپنی طرف سے لکھنا اور حنفیہ کی طرف منسوب کرنا پھر اس کے جواب میں آیتیں اور حدیثیں پیش کرنا حنفیہ پر صریح کذب اور افتراء ہے کیونکہ خود حنفیہ قرآن وحدیث پر چلنے کو فرض کہتے ہیں،اور جو مسئلہ مخالف اس کے ہو اس پر چلنا جائز نہیں رکھتے ،افسوس!معترض صاحب نے اس عقیدۂ حنفیہ کے برعکس حدیثیں اور آیتیں لکھنی شروع کیں اور کذب وافتراء کی وعید اور کتمان حق اور طعن ولعن کے مواخذہ کا جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے مطلق خیال نہ کیا۔قرآن شریف میں ہے ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(۱) یعنی خلط ملط نہ کرو حق کو ساتھ باطل کے اور نہ چھپاؤ حق کو حالانکہ خود تم جانتے ہو۔

دروغ گوئی دوزخ میں پہونچاتی ہے

بخاری ومسلم میں ہے ''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا''(۲)یعنی عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ

۱...... سورۃ بقرۃ:آیت:۴۲۔

۲......صحیح البخاری: کتاب الادب، باب قول اللہ تعالی:یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصدقین۔ ج:۶۰۹۴،ص:۷۳۷(ألفا للنشر و التوزیع، القاھرۃ)۔

......صحیح مسلم: کتاب البر و الصلۃ والآداب، باب قبح الکذب و حسن الصدق وفضلہ. ج:۲۶۰۷،ص:۱۰۹٤ (دار الآفاق، القاھرۃ)۔

کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اختیار کرو سچ بولنے کو اس واسطے کہ سچ بولنا نیکی کی راہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف پہونچادیتی ہے اور ہمیشہ آدمی سچ بولتا ہے اور قصد کرتا ہے سچ بولنے کا یہاں تک کہ لکھا جاتا ہے نزدیک خدا کے سچا اور جھوٹ بولنے سے بچو تم کیوں کہ جھوٹ بدی کی راہ بتاتا ہے اور بدی دوزخ کی طرف پہونچادیتی ہے اور ہمیشہ آدمی جھوٹ کہتا رہتا ہے اور قصد جھوٹ کا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھا جاتا ہے انتہیٰ۔

غیبت اور جھوٹ کی وعید

اور صحیح مسلم میں ہے "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَاالْغِيْبَةُ؟ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُه أَعْلَمُ. قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَاأَقُوْلُ قَالَ إِنْ كَانَ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَه وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّه "(۱) یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ کہا صحابہ نے اللہ اور رسول اُس کا خوب جانتا ہے فرمایا یاد کرنا تیرا اپنے بھائی کو ساتھ اُس چیز کے کہ جو بُری ہے کہا گیا بتلائیے؟ اگر میرے بھائی میں وہ امر ہو جسکو میں کہتا ہوں، فرمایا اگر وہ شے جسکو تو کہتا ہے اُس میں موجود ہے تو تو نے اُسکی غیبت کی اور اگر وہ بات جو تو کہتا ہے اُس میں نہیں ہے پس تو نے بہتان باندھا اُس پر انتہیٰ۔

اور ترمذی میں ہے "قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَإِنَّا نَحْنُ بِكَ فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا "(۲) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت آدمی صبح کو اٹھتا ہے پس کل اعضاء زبان سے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں تو اللہ سے ڈر کہ ہم ساتھ تیرے ہیں اگر تو سیدھی ہے تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہے تو ہم میں بھی کجی آجائے گی انتہیٰ۔

اور دوسری حدیث صحیح ترمذی کی یہ ہے "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ "(۳) یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب جھوٹ بولتا ہے بندہ دور ہوجاتا ہے اُس سے فرشتہ ایک میل بسبب اُسکی بدبو کی وجہ سے انتہیٰ۔

اور تیسری حدیث ترمذی کی یہ ہے "عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاأَخْوَفُ مَاتَخَافُ عَلَيَّ؟ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هٰذَا "(۴) سُفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے عرض کی میں

۱..... صحیح مسلم: کتاب البر و الصلة والآداب، باب تحریم الغيبة، ح: ۲۵۸۹، ص: ۱۰۸۷۔

۲..... سنن الترمذي: كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في حفظ اللسان.

حدیث: ۲۴۰۷ صفحة: ٦٨٩ (دار ابن حزم، القاهرة)

۳..... سنن الترمذي: كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الصدق والكذب، ح: ۱۹۷۲، ص: ۵۷۹۔

۴..... سنن الترمذي: كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في حفظ اللسان، ح: ۲۴۱۰، ص: ٦٨٩۔

نے یارسول اللہ ﷺ کون سی شی زیادہ خوفناک ہے اُن اشیاء سے کہ جن کا مجھ پر آپ خوف کرتے ہیں؟ کہا انہوں نے پس آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا یہ ہے انتہی۔

لعن طعن کرنے والا مسلمان نہیں

اور چوتھی حدیث ترمذی کی یہ ہے ''عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ ''(۱) یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں مسلمان طعن کرنے والا اور نہ لعنت کرنے والا اور نہ فحش کہنے والا اور نہ بے شرم انتہی۔

اور پانچویں حدیث ترمذی کی یہ ہے ''عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ ''(۲) یعنی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ عرض کی میں نے یارسول اللہ ﷺ نجات کیا شی ہے؟ فرمایا قابو میں کر تو زبان اپنی اور چاہیے کہ گنجائش دے تجھ کو گھر تیرا اور گریہ کر تو اپنی خطاؤں پر انتہی۔

اور چھٹی حدیث بخاری اور ترمذی کی یہ ہے ''عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يَتَوَكَّلْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَتَوَكَّلْ لَهُ بِالْجَنَّةِ ''(۳) یعنی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص میرے واسطے ضامن ہو جائے اپنی زبان اور شرمگاہ کا تو اُسکے واسطے جنت کی ضمانت کرتا ہوں انتہی۔

اور ساتویں حدیث ترمذی کی یہ ہے ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا ''(۴) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے مسلمان نہیں ہوتا لعن طعن کرنے والا انتہی۔

اور مسلم میں ہے ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ ''(۵) یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب کہا کسی شخص نے کہ گمراہ ہو گئے آدمی پس وہ اُن سب میں زیادہ گمراہ ہے انتہی۔

۱.....سنن الترمذي، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في اللعنة، ح: ۱۹۸۴، ص: ۴۸۰۔

۲.....سنن الترمذي، كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في حفظ اللسان، ح: ۲۴۰۶، ص: ۵۶۸۔

۳.....صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب من ترك الفواحش، ح: ۶۸۰۷، ص: ۱۱۸۱۔

سنن الترمذي، كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في حفظ اللسان، ح: ۲۴۰۸، ص: ۵۶۹۔

۴.....سنن الترمذي، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في اللعن والطعن، ح: ۲۰۲۱، ص: ۴۸۹۔

۵.....صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن قول هلك الناس، ح: ۶۶۸۳، ص: ۱۰۹۹۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ ہر مسئلے کے لیے سند اس کی رسول اللہ ﷺ تک پہونچانی ضرور نہیں اس لیے کہ مجتہدوں نے بڑی سعی اور کوشش سے ہر طرح کے مسائل جمع کر رکھے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کیوں کہ قائل اسکے محقق حنفیہ بھی نہیں ہیں۔ دیکھو کہا ملا علی قاری حنفی نے شرح فقہ اکبر میں کہ علم وہ ہے کہ ہو بیچ اس کے حدثنا اور جو سوا اس کے ہے وہ وسواس ہے شیطانوں کا۔

کشف کید دوم

اقول: جواب اس کا جو معترض صاحب نے دیا ہے وہ ماشاء اللہ قابل دید ہے خود نہیں پر اعتراض الٹ پڑا، بات کچھ ہے جواب کچھ، ؎

سوال از آسمان کردم　　جواب از ریسمان آمد

سند ہر مسئلہ کی حضور تک ضروری نہیں

دیکھو بخاری اور مسلم کو کہ ان میں بھی ہر مسئلہ کی سند رسول اللہ ﷺ تک موجود نہیں بعضے کی صحابی تک بعضے کی تابعی تک ہے پس اگر آپ کی یہ غرض ہے کہ ہر مسئلہ کی سند رسول اللہ ﷺ تک ضرور ہے تو یہ اعتراض تمام حدیثوں کی کتابوں پر ہو جائے گا، اور اگر یہ غرض ہے کہ مطلق اسناد فلکستہ دین میں داخل ہے اور بلا اسناد نقصان ہے تو یہ بھی خلاف حدیث ہے فقط یہ قول عبداللہ بن المبارک کا ہے وہ خود کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اسناد دین میں سے ہے، اور غرض ان کی یہ نہیں کہ لفظ حدثنا ضرور ہے ورنہ دین میں نقصان ہوگا بلکہ مراد ان کی یہ ہے کہ ہر شخص سے بلا سند مان لینا نہیں چاہیے اور ظاہر ہے کہ اگر اسناد کا فلکستہ دین سے ہوتا تو امام بخاری "تعلیقات" میں اسناد نہ چھوڑتے، معترض صاحب حنفیہ کے جواب میں تو صحابہ کے قول اور فعل کو بھی حجت نہیں کہتے ہیں اور خود تبع تابعین کی سند لاتے ہیں ان کو چاہیے تھا کہ کوئی حدیث مرفوع یا موقوف صحیح یا ضعیف کچھ تو بیان کرتے، حدیث میں کہیں پتہ بھی نہیں کہ حدیث بیان کرنے میں راویوں کے نام بھی بتلایا کرو فقط مصلحۃً اس کو علماء نے جاری کیا ہے اس کو بدعت حسنہ کہنا چاہیے اور محض مبتدعین جبریہ قدریہ جہمیہ وغیرہ کے واسطے اسناد نکالی گئی ہے تاکہ بے دین لوگ موضوع حدیثیں دین میں داخل نہ کریں، اس واسطے نہیں ہے کہ مسلمان متقی سچے کی حدیث بھی مقبول نہ کی جائے رسول اللہ ﷺ تو فقط ایمان دریافت کر لیتے تھے اور جتنے شروط ہیں اُن سے تعرض نہیں کرتے تھے اب لوگوں نے اس میں ایسی شدت کی کہ انقطاع اور ارسال وغیرہ اونی اونی باتوں سے حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں۔

فریب دہی مؤلف ظفر مبین کی

حاصل تحریر یہ ہے کہ جو حنفیہ کہتے ہیں اس کا تو معترض صاحب نے جواب بالکل اڑا دیا، دوسری بات جواب میں بطور خالی نباشد کے اپنی طرف سے بیان کر دی حالانکہ اسناد ضروریات دین سے نہیں ہے ورنہ یہ اعتراض خاص حنفیہ پر نہیں بلکہ

سب پر لازم آتا ہے، پس معترض صاحب نے جواب میں سب محدثین پر بھی ہاتھ صاف کیا اور ملا علی قاری کی طرف اس قول کی نسبت ہرگز صحیح نہیں ہے انہوں نے اپنا قول نہیں کہا بلکہ امام شافعی کے اقوال انہوں نے نقل کیے ہیں اُن میں ایک یہ بھی اُن کا قول نقل کیا ہے چنانچہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں " وقال ایضاً :

كُلُّ الْعُلُوْمِ سِوَى الْقُرْآنِ مُشْغِلَةٌ إِلَّا الْحَدِيْثَ وَإِلَّا الْفِقْهَ فِي الدِّيْنِ

اَلْعِلْمُ مَاكَانَ فِيْهِ قَالَ حَدَّثَنَا وَمَاسِوَى ذٰلِكَ وَسْوَاسُ الشَّيَاطِيْنِ (۱)

یعنی اور یہ بھی امام شافعی نے کہا ہے کہ کل علوم سوائے قرآن کے شغل دنیا میں ڈالنے والے ہیں مگر حدیث اور فقہ دین کی علم وہ ہے جس میں قال حدثنا ہو اور ماسوا اس کے وسواس شیطانوں کا ہے انتہیٰ۔

پس معترض صاحب نے نصف عبارت کا ترجمہ لکھا جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ قول ملا علی قاری کا ہے حالاں کہ وہ فقط ناقل ہیں اُن کا یہ مسلک ہونا کسی کے عبارت کے نقل کرنے سے نہیں سمجھا جاتا۔

علم فقہ داخل دین ہے اور جواب معترض کا

معترض صاحب حنفیہ کی طرف مغالطوں کو منسوب کرتے ہیں اور خود مغالطے دیتے ہیں، پس اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہ دین سے خارج نہیں بلکہ دین میں داخل ہے، اسکے بعد جو امام شافعی نے یہ کلام بیان کیا کہ جس علم میں حدثنا ہے وہ تو علم ہے باقی وسواس شیطانی، ظاہر ہے کہ مراد اس سے لفظ حدثنا نہیں ورنہ کوئی محدث اس سے بری نہ ہوگا خود امام شافعی کی بعض کتابیں حدثنا سے خالی ہیں، علاوہ اس کے انہوں نے فقہ کو پہلے ہی مستثنیٰ کر دیا ہے، پس مراد امام شافعی کی یہ ہے کہ جو علم حدیث سے خالی ہو اور مخالف حدیث ہو وہ داخل وسواس شیطانی ہے اور جو موافق قرآن اور حدیث کے ہے وہ من جملہ دین کے ہے، گو اس میں لفظ حدثنا لکھا ہو اور اسناد سے خالی ہو اور اگر فرض کیا جاوے کہ یہ قول ملا علی قاری کا ہے تو کہا جائے گا کہ خود اُنکی بہت کتابوں میں اسناد نہیں پس اس سے مراد اُن کی یہ ہوگی کہ حدیث سے وہ علم تعلق رکھتا ہو۔

راویان حدیث معصوم نہیں

کوئی حنفی حدیث کو یا اُسکے راویوں کو ہرگز برا نہیں جانتا بلکہ حنفیہ رُوات حدیث کو مانتے ہیں اور اُن کو متقی اور بزرگ جانتے ہیں مگر معصوم نہیں سمجھتے برخلاف فرقہ ظاہریہ کے کہ اُنکے نزدیک حدیث کا راوی کل رواۃ قرآن سے بھی بڑھ کر ہے اگر ایک راوی کوئی حدیث بلفظ حدثنا بیان کردے تو پھر اُسکے مقابلے میں آیت قرآن کی بھی نہیں مانتے ہیں اور حجت کیا معقول پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کیا قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ انہوں نے راوی کو معصوم سمجھا اور مثال اُس کی ایسی سمجھنی چاہیے کہ ایک حدیث متواتر ہو جس کو ہر قرن میں جمہور روایت کرتے چلے آئے ہوں اور ایک حدیث

---

(۱)۔۔۔ شرح الفقہ الاکبر، ص: ۲۰۰ (مکتبۃ الایمان القاھرۃ)۔

آحاد ہوجسکے ایک دوراوی مخالف روایت جمہور کے پائے جائیں پس ظاہر ہے کہ حدیث آحاد بمقابلہ حدیث متواتر کے ترک کی جائے گی اور اس وقت یوں نہ کہا جائے گا کہ پیغمبر خدا ﷺ کیا متواتر کے معنی نہیں جانتے تھے؟ جو حدیث آحاد فرمائی اسی طرح آیت قرآنی کو سمجھنا چاہیے۔

حاصل تقریر یہ ہے کہ اسناد میں فرقۂ ظاہریہ نے اس درجے کا غلو پیدا کیا ہے کہ باقی طریقے یقین کے بالکل چھوڑ دیے، پس متقدمین نے تو اسناد کو مصلحۃً واسطے مخالفین اہل سنت وجماعت کے نکالا تھا، اُسکے بدعت حسنہ ہونے میں کلام نہیں، مگر حضرات ظاہریہ نے بوجہ تعصب کے اس میں ایسا اہتمام کیا کہ اہل سنت وجماعت ہی پر ہاتھ صاف کرنے لگے کہ حدیث بخاری ومسلم کے مقابلے میں اگر دوسری حدیث صحیح بھی ہو تو بھی اس پر عمل کرنے کو خلاف اتباع نبوی ﷺ جانتے ہیں، غرض کہ ان کے نزدیک مدار اسلام کا اسناد پر ہے جو اسناد کی ذرا بھی رعایت نہ کرے گا اپنے زعم فاسد میں اُسکے واسطے نعوذ باللہ خلود فی النار سمجھتے ہیں حالانکہ اسکی اسناد کے بدعت سیئہ ہونے میں کچھ کلام نہیں۔

اور بخاری اور مسلم میں ہے "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ" (۱) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا اُنہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص ہمارے اس دین میں نئی بات نکالے کہ وہ اس سے نہ ہو پس وہ مردود ہے انتہی۔

اور امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نئی بات سے بچو کیونکہ کل حادث امور بدعت ہوتے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے انتہی مختصراً۔

ائمۂ اربعہ صرف فقہاء ہی نہیں محدثین بھی تھے

طائفۂ منصورہ صرف اہل حدیث ٹھہرانا بعض کا قول ہے، ہم پر حجت نہیں ہوسکتا اور اگر تسلیم کیا جائے تو اہل حدیث میں چاروں امام بدرجہ اولیٰ داخل ہیں کچھ اہل حدیث، محض ناقلین کو نہیں کہتے ہیں بلکہ اصلی اہل حدیث وہ لوگ ہیں جو حدیث کی غرض اور مراد بھی سمجھتے ہوں محض روایت سے کام نہیں چلتا، پس چاروں امام خصوصاً امام اعظم حقیقی محدث ہیں، باقی محدثین کو اس درجے کی فقاہت حدیث حاصل نہیں۔

اور امام شافعی اور امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور دارمی اور بیہقی سے روایت ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ

---

۱ ... صحیح البخاري : کتاب الصلح ، باب اذا أصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود ، ح ۲۶۹۷ ، ص:۳۷۳۔
... صحیح مسلم کتاب الأقضیة ، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور ، ح ۱۷۱۸ ، ص: ۷۴۰۔

إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ "(١) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تروتازہ کرے اللہ اس بندے کو کہ میرے کلام کو سن کر یاد رکھے اور اسے بھولے اور پہونچادے اُسکو اس لیے کہ اکثر اٹھانے والے حدیث کے فہیم نہیں ہوتے اور اکثر حامل اُسکے ہیں کہ پہونچادیتے ہیں طرف اس شخص کے کہ وہ زیادہ سمجھدار ان سے ہوتا ہے انتہی۔

اور بخاری اور مسلم میں ہے "عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي "(٢) یعنی معاویہ ؓ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جسکو اللہ تعالی خیر

١.....مسند الشافعي، ج: ١٠٩٥، ص: ٢٤٠ (دار الكتب العلمية، بيروت)

.....مسند الامام احمد (مؤسسة قرطبة، القاهرة)

حديث		جزء	صفحه
٤١٥٧	مسند عبدالله بن مسعود	١	٤٣٦
١٣٣٧٤	مسند انس بن مالك	٣	٢٢٥
١٦٧٨٤	حديث جبير بن مطعم	٤	٨٠
١٦٨٠٠	حديث جبير بن مطعم	٤	٨٢
٢١٦٣٠	حديث ابي ذر رضي الله عنه	٥	١٨٣

.....سنن ابي داؤد: كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ح: ٣٦٦٠، ص: ٥٦٤ (دار ابن حزم، القاهرة)

.....سنن الترمذي: كتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الحديث على تبليغ السماع، ح: ٢٦٥٦، ٢٦٥٧، ٢٦٥٨، ص: ٧٥١.

.....سنن ابن ماجة: المقدمة، باب من بلغ علما، ح: ٢٣٦، ٢٣٢، ٢٣٣، ٢٣١، ٢٣٠، ص: ٣٩ (دار ابن حزم، القاهرة)

.....سنن ابن ماجة: المقدمة، باب الاقتداء بالعلماء، ح: ٢٣٦، ٢٣٥، ٢٣٤، ٢٣١، ٢٣٠، ص: ٣٩ (المكتبة الطيبي للنشر والتوزيع، القاهرة)

.....شعب الايمان الثامن عشر من شعب الايمان وهو باب في نشر العلم والايمنعه اهله، ح: ١٧٣٦، ١٧٣٨، ج: ٢، ص: ٢٧٣، ٢٧٤ (دار الكتب العلمية، بيروت)

٢.....صحيح البخاري: كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقه في الدين، ح: ٧١، ص: ١٩.

.....صحيح البخاري: كتاب فرض الخمس، باب قول الله تعالى: فان لله خمسه وللرسول، ح: ٣١١٦، ص: ٣٧٧.

.....صحيح مسلم: كتاب الزكاة، باب النهي عن المسألة، ح: ١٠٣٧، ص: ٤٠٦.

.....صحيح مسلم: كتاب الامارة، قول النبي ﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق الخ، ح: ١٠٣٧، ص: ٨٠٢٩.

.....صحيح البخاري: كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: لا تزال طائفة الخ، ح: ٧٣١٢، ص: ٨٧١.

دینے کا ارادہ کرتا ہے اُسکو دین میں فقیہ کر دیتا ہے اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے انتہی۔

فقاہت ضروریات دین سے ہے

پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حدیث کی روایت اور شی ہے اور سمجھنا اسکی اور ہے۔

پس اگر محض ظاہر الفاظ پر دین کی بنا ہوتی تو پھر فقاہت کے کوئی معنی نہ تھے کیونکہ ظاہر الفاظ تو تمام عرب سمجھتے تھے انکا کو بعض جبرا اور جبر کو معنی انکا نہیں لیتے تھے، پس معلوم ہوا کہ غرض نبوی اور حکمت محمدی ﷺ بات کی کنہ کو پہونچنا ہے فقط معنی، ظاہر جسکو ہر شخص عربی دان سمجھ سکتا ہے نہیں بلکہ جو شخص جتنا زیادہ سمجھدار ہوگا اتنا ہی زیادہ مقصود شارع کو سمجھے گا۔

دینداری ظاہر الفاظ پر منحصر نہیں

قرآن شریف میں ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (١) یعنی احسان کیا ہے اللہ نے مسلمانوں پر جبکہ بھیجا اُن میں ایک رسول اُن میں سے کہ پڑھتا ہے اُن پر آیتیں اسکی اور تزکیہ کرتا ہے اُن کا اور تعلیم کرتا ہے انکو کتاب اور حکمت کی انتہی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فقط دارومدار دین کا ظاہر الفاظ پر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں چار درجے بیان کیے ہیں، پہلا مرتبہ تلاوت قرآن کا جس سے ظاہر الفاظ کے معنی صحابہ سمجھ جاتے تھے پھر اس پر ترقی کر کے دوسرا درجہ تزکیہ نفس کا بیان فرمایا پھر اسکے بعد تیسرا درجہ تعلیم قرآن کا کہ ان دونوں مرتبوں سے بڑھکر ہے ارشاد کیا پھر اسکے بعد چوتھا درجہ حکمت کی تعلیم کا ارشاد ہوا پس معلوم ہوا کہ علاوہ ظاہر الفاظ کے اور مدارج بھی ہیں مگر حضرات ظاہریہ ان سے بوجہ لعن وطعن وسب وشتم ائمہ دین کے محروم ہیں کیوں نہ ہو۔ ع

بے ادب محروم ماند از فضل رب

ائمہ اربعہ کو فہم حدیث میں محدثین پر ترجیح حاصل ہے

غرض حدیث اور قرآن دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے محدثین رواۃ ظاہریہ سے افضل ہیں اور زیادہ ضرورت دین میں فہم کی ہے، جن لوگوں کو فہم حدیث نہیں محض راوی ہیں اُن کو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ حدیث پہونچا دیں اور نقل کر دیں کہ سمجھنے والے آپ سمجھ لیں گے، اس لیے حنفیہ چاروں اماموں سے بڑھکر کسی کو فہم حدیث میں نہیں جانتے۔ امام بخاری اور امام مسلم کے محدث اور متقی اور بزرگ ہونے کے نہایت معتقد ہیں مگر ائمہ اربعہ پر فقاہت حدیث میں ترجیح نہیں دیتے ہیں، حدیث تو سب کی لیتے ہیں مگر اس میں محققین کے اقوال دیکھ کر تطبیق کر دیتے ہیں ظاہریہ کے قول کو حجت نہیں گردانتے کیونکہ اس فرقے نے فرط اعتقاد سے امام بخاری کو کل ائمہ پر ترجیح دی ہے اور ایسا اعتقاد بھی اچھا نہیں ہوتا کہ جس سے انکار قرآنی لازم آ جاوے۔

١..... سورۃ: آل عمران، آیت: ١٦٤.

امام بخاری کے اجتہادات کا صریح حدیث کے خلاف ہونا

اگر غور سے بخاری شریف کو دیکھا جائے تو خوب واضح ہو جائے کہ اجتہادات امام بخاری کے حدیث سے بظاہر برخلاف ہیں جیسا کہ یہ امر ترجمة الباب آمین بالجہر وغیرہ سے پیدا ہے، علماء نے کس قدر انکی تطبیق میں تکلف اور تاویلات کیے ہیں، البتہ امام بخاری کی روایت اکثر اول درجے کی ہم سمجھتے ہیں مگر ظاہر الفاظ جس سے تناقض درمیان حدیث اور آیت قرآنی کے پیدا ہو جائے انکی حنفیہ کے نزدیک تاویل معقول موجود ہے، اگرچہ ظاہریہ اس کو پسند نہیں کرتے اور اپنے تخیلات محضہ میں خلاف حدیث جانتے ہیں اور فقط ظاہر الفاظ بخاری و مسلم پر اکتفا کر کے دوسری صحیح صحیح حدیثوں اور آیتوں اور جمہور صحابہ کے اقوال کا انکار کر دیتے ہیں۔

امام بخاری کی تحقیر کے الزام کا جواب

حنفیہ درایت حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم کو چاروں اماموں پر ترجیح نہیں دیتے اگر اس کا نام حقارت ہے تو تابعین کو صحابہ پر اور تبع تابعین کو تابعین پر اور صحابہ کو انبیاء پر اور عالم کو اعلم پر ترجیح نہ دینا بھی حقارت ہو جائے گا اسی طرح خلفاء اربعہ پر اور صحابہ کو ترجیح نہیں! اسکا نام تحقیر سمجھنا وَضْعُ الشَّيءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّه ہے، جیسے امامیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اس وجہ کا غلو کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کو ان سے افضل نہیں جانتے اور اہل سنت و جماعت کا انکار فقط انکے افضل ہونے پر ہے نفس ان کی فضیلت کے منکر نہیں، پس حنفی جو امام بخاری اور امام مسلم کو امام صاحب پر ترجیح نہیں دیتے اس میں وہ حق پر ہیں، البتہ ان کی فضیلت اور تقویٰ اور حدیث کا انکار محض جہالت ہے یہ انکار کوئی حنفی کرے یا شافعی ہم اسکو ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ گناہ سمجھتے ہیں اور نہ کوئی حنفیہ میں سے اسکا قائل ہے۔

طائفہ منصورہ سے کون لوگ مراد ہیں

حاصل کلام یہ ہے کہ طائفہ منصورہ کی تفسیر میں اختلاف ہے، چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں ''وَأَمَّا هٰذِهِ الطَّائِفَةُ فَقَالَ الْبُخَارِيُّ هُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ إِنْ لَمْ يَكُونُوا أَهْلَ الْحَدِيثِ فَلَا أَدْرِي مَنْ هُمْ؟ قَالَ الْقَاضِي عِيَاضٌ إِنَّمَا أَرَادَ أَحْمَدُ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَنْ يَعْتَقِدُ مَذْهَبَ أَهْلِ الْحَدِيثِ قُلْتُ وَيَحْتَمِلُ أَنَّ هٰذِهِ الطَّائِفَةَ مُتَفَرِّقَةٌ بَيْنَ أَنْوَاعِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ شُجْعَانٌ مُقَاتِلُونَ وَمِنْهُمْ فُقَهَاءُ وَمِنْهُمْ مُحَدِّثُونَ وَمِنْهُمْ زُهَّادٌ وَآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَمِنْهُمْ أَهْلُ أَنْوَاعٍ أُخْرَى مِنَ الْخَيْرِ وَلَا يَلْزَمُ أَنْ يَكُونُوا مُجْتَمِعِينَ بَلْ قَدْ يَكُونُونَ مُتَفَرِّقِينَ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ ''(1)۔ یعنی یہ طائفہ منصورہ میں کہا امام بخاری نے وہ اہل علم ہیں اور کہا امام احمد نے اگر وہ اہل حدیث نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے؟ کہا قاضی عیاض نے ارادہ کیا احمد نے اہلسنت و جماعت

---

(1)...شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الامارة، قول النبي ﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم، ح: ۱۹۲۰، ج: ۱۳، ص:۶۶، (دار احياء التراث العربي، بيروت)۔

کا اور جو اُن کے مذہب کا معتقد ہے میں، کہتا ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ گروہ انواعِ مسلمین میں متفرق ہو، بعضے اُن میں کے بہادر لڑنے والے ہوں اور بعضے ان کے فقہا اور بعضے محدث اور بعضے زاہد اور حکم کرنے والے بھلائی کے اور منع کرنے والے بُرائی سے اور ان میں سے اور اقسام کے خیر والے بھی ہوں اور یہ لازم نہیں کہ وہ مجتمع ہوں بلکہ کبھی اطرافِ زمین میں متفرق ہوتے ہیں انتہیٰ۔

اصحابِ صحاح ستہ ہی صرف محدثین نہیں

اب غور کرنا چاہیے کہ معترض صاحب نے فقط ایک صورت کو کہ اس سے بھی مراد بقول قاضی عیاض کے اہلسنت وجماعت ہی لے لیا اور باقی صورتیں ترک کر دیں، امام بخاری خود کہتے ہیں کہ مراد طائفہ منصورہ سے اہل علم ہیں اور امام نووی نے تمام فرقے اس میں داخل کیے ہیں۔

مؤلف ظفر کا شرح مسلم سے سرقہ اور قول امام بخاری کا انکار

معترض صاحب نے عوام کو مغالطے دینے کے لیے محدثین ہی پر حصر کر دیا کیوں کہ عوام بیچارے کیا جانیں؟ ظاہر یہ نے اُن کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ اہل حدیث فقط امام بخاری اور مسلم وغیرہ ہیں۔ اور امام صاحب تو اہل حدیث سے نہ تھے اسی لیے شرح مسلم کا ایک جملہ لکھ دیا اور امام بخاری کا قول چوں کہ مخالف اُن کے تھا چھوڑ دیا اس لیے کہ اُس سے عوام حنفیہ ہی پر حصر سمجھتے، غرض مغالطے دینا معترض صاحب کا شیوہ ہے حنفیہ اس سے بری ہیں۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ خصوصاً حنفیہ حدیث پر عمل کرنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ مسائل دینیہ میں قیاس کرنا مشروع ہے اور دلیل اس کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو کہ ابوداؤد و ترمذی اور دارمی میں روایت ہے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے جب کہ بھیجا معاذ کو طرف یمن کے (یعنی قاضی اور حاکم کر کے فرمایا (یعنی امتحان کے لیے) کس طرح حکم کرے گا تو جس وقت کہ پیش آئے گا واسطے تیرے کوئی قضیہ؟ کہا حکم کروں گا میں بموجب کتاب اللہ کے فرمایا اگر نہ پاوے تو (یعنی صراحۃً کتاب اللہ میں) کہا پس حکم کروں گا میں بموجب سنت رسول خدا کے فرمایا اگر نہ پاوے تو بیچ سنت رسول اللہ کے کہا اجتہاد کروں گا میں اپنی عقل سے اور نہ قصور کروں گا میں، کہا معاذ رضی اللہ عنہ نے یا روایت کرنے والے نے معاذ سے پس مارا پیغمبر خدا ﷺ نے ہاتھ اوپر سینے کے۔ جواب اس کا تین طرح پر ہے۔

کشفِ کید سوم

اقول: حنفیہ اثبات قیاس میں فقط یہی حدیث نہیں لاتے ہیں بلکہ اس میں صحیح صحیح حدیثیں صحیحین کی بھی موجود ہیں مگر ظاہر یہ قیاس کا مطلق انکار کرتے ہیں، حالانکہ احادیث مثبت قیاس المعنی حد تواتر کو پہونچے ہیں، ظاہر یہ محض قیاس سے انکار قیاس کرتے ہیں۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے "عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ

فاجتهد واصاب فله أجران واذا حكم فاجتهد واخطأ فله أجر واحد ''(۱) یعنی عبداللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہا دونوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت حکم کرے حاکم پس اجتہاد کرے اور صواب کو پہونچ جائے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس وقت حکم کرے پس اجتہاد کرے اور خطا کرے تو اس کے واسطے ایک اجر ہے انتہی۔

صحیحین کی حدیث سے قیاس کا واضح ثبوت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجتہد کو در صورت صواب دو اجر ہیں ایک اجر اجتہاد اور ایک صواب کا اور اگر مجتہد کو استنباط مسائل میں خطا واقع ہوگی تو ایک اجر فقط اجتہاد کا اس کو ملے گا اور ظاہر ہے کہ اجتہاد قیاس کو شامل ہے پس ثبوت قیاس کا حدیث صحیح بخاری و مسلم سے ہو گیا۔

اور دوسری حدیث سنیے! بخاری اور مسلم میں روایت ہے ''عن ابن عباس قال أتى رجل النبي ﷺ فقال إن أختي نذرت أن تحج وإنها ماتت فقال النبي ﷺ لو كان عليها دين أكنت قاضيه؟ قال نعم قال فاقض دين الله فهو أحق بالقضاء'' (۲) یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس عرض کیا کہ میری ہمشیرہ نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ مرگئی ہے پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تو ادا کرتا؟ کہا ہاں! فرمایا پس ادا کر دین خدا کا کہ وہ زیادہ مستحق ادا کا ہے انتہی۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو بطور قیاس کے سمجھایا کہ جب بندے کا قرض ادا کیا جائے تو اللہ کا ادائے قرض بدرجہ اولیٰ چاہیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو جو خط لکھا ہے اس سے بھی قیاس کرنے کا ثبوت ہوتا ہے۔

۱...... صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب اجر الحاكم اذا اجتهد فاصاب او اخطا، ح: ٧٣٥٢، ص: ٧٢٩.

...... صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب بيان اجر الحاكم اذا اجتهد فاصاب او اخطا، ح: ١٧١٦، ص: ٧٣٩.

۲...... صحيح البخاري، كتاب الايمان والنذور، باب من مات وعليه نذر، ح: ٦٦٩٩، ص: ٨٠٠.

...... صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت والرجل يحج عن المرأة، ح: ١٨٥٢، ص: ٢٩٤.

...... صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم حكمهما ليفهم السائل، ح: ٧٣١٥، ص: ٨٧٦.

...... صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم، ح: ١٩٥٣، ص: ٣٣٦.

...... صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت، ح: ١١٤٨، ص: ٤٤٦.

چنانچہ دار قطنی اور بیہقی میں روایت ہے "اَلْفَهْمَ اَلْفَهْمَ فِيْمَا يَخْتَلِجُ فِيْ صَدْرِكَ مِمَّا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اِعْرِفِ الْاَشْبَاهَ وَالْاَمْثَالَ ثُمَّ قِسِ الْاُمُوْرَ عِنْدَ ذٰلِكَ فَاعْمِدْ اِلٰى اَحَبِّهَا اِلَى اللّٰهِ وَاَشْبَهِهَا بِالْحَقِّ فِيْمَا تَرٰى اَلْحَدِيْثَ "(۱)

یعنی سمجھ سمجھ کر چشتا اس میں جو خلجان کرے تمہارے قلب میں اس شے سے کہ نہیں پہونچی تم کو کتاب اللہ اور حدیث میں، پہچانو اشباہ اور امثال کو پھر اس وقت قیاس کرو امور کا پس قصد کرو طرف محبوب تر کے نزدیک خدا کے اور مشابہ تر اسکے کے ساتھ حق کے اس چیز میں کہ دیکھتے ہو تم انتہی۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیاس کرنا امر دین میں مشروع ہے۔

اور علامہ تفتازانی نے "تلویح" میں لکھا ہے کہ عمل صحابہ سے دو حجتیں قیاس کے حجت ہونے پر پائی جاتی ہیں ایک تو صحابہ کا قیاس پر عمل کرنا وقت نہ ہونے نص کے بہ تواتر ثابت ہے اگرچہ تفصیل اسکی آحاد کو پہونچتی ہے اور عادت حکم کرتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا مگر جبکہ دلیل یقینی قیاس کے حجت ہونے پر پائی جائے، گو تعیین اسکی ہم کو معلوم نہ ہوا اور دوسری وجہ صحابہ کا قیاس پر عمل کرنا اور مباحثہ کرنا ترجیح بعض میں بعض پر شائع ہو گیا ہے بغیر انکار کے اور یہ اتفاق اور اجماع ہے قیاس کے حجت ہونے پر اور وہ جو مذمت رائے کی عثمان، علی، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے وہ بعض صورتوں میں بوجہ مخالفت نص کے یا بوجہ نہ ہونے شرائط قیاس کے ہے اور شائع ہونا قیاسات کثیرہ کا بلا انکار کے امر یقینی ہے (۲) انتہی۔

توحید میں قیاس کی نفی اور احکام میں قیاس کے اثبات پر سب کا اتفاق ہے مگر داؤد ظاہری نے انکار کیا

جامع العلم میں ابن عبد البر نے لکھا ہے "لَا خِلَافَ بَيْنَ فُقَهَاءِ الْاَمْصَارِ وَسَائِرِ اَهْلِ السُّنَّةِ فِيْ نَفْيِ الْقِيَاسِ فِي التَّوْحِيْدِ وَاِثْبَاتِهِ فِي الْاَحْكَامِ اِلَّا دَاوُدَ فَاِنَّهُ نَفَاهُ فِيْهِمَا جَمِيْعًا "(۳) یعنی نہیں اختلاف ہے درمیان

۱۔۔۔۔۔سنن الدار قطنی، کتاب عمر رضی الله عنه الی ابی موسی الاشعری، م: ۱۵، ج: ۴، ص: ۲۰۶ (دار المعروف، بیروت)۔

۔۔۔۔۔۔سنن الدار قطنی، کتاب عمر رضی الله عنه الی ابی موسی الاشعری، م: ۱۶، ج: ۴، ص: ۲۰۷۔

۔۔۔۔۔السنن الکبری للبیهقی، کتاب آداب القاضی، باب مایقضی به القاضی و یفتی به المفتی

م: ۲۰۸۴۹، ج: ۱۰، ص: ۱۱۵ (مجلس دائرة المعارف النظامیة، الهند ببلدة حیدر آباد)۔

۔۔۔۔۔السنن الکبری للبیهقی، کتاب الشهادات، باب لا یحل حکم القاضی علی المقضی له والمقضی علیه ولا یجعل الحلال علی واحد منهما حراما ولا الحرام علی واحد منهما حلالا، ج: ۲۰۴۹۲، ج: ۱۰، ص: ۱۴۹۔

۲۔۔۔۔۔شرح التلویح علی التوضیح: القسم الاول فی الادلة الشرعیه، فصل القیاس یفید الظن۔

۳۔۔۔۔۔جامع العلم لابن عبد البر۔

فقہائے بلاد اور تمام اہل سنت کے قیاس کے نفی کرنے میں توحید کے اندر اور قیاس کے ثابت کرنے میں احکام کے اندر بجز داؤد ظاہری کہ انہوں نے دونوں میں قیاس کی نفی کی ہے انتہی۔

اور ابوداؤد میں روایت ہے "عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ اٰيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ "(۱) یعنی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے علم تین ہیں، ایک آیت محکم دوسرے حدیث صحیح تیسرے احکام اجتہادی کہ ماخذ قرآن و حدیث کے ہیں وجوب عمل میں اور ماسوا ان کے فضول ہے انتہی۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مسائل قیاسیہ جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوں انہیں کے حکم میں ہیں اور علامہ حسن چلپی "حاشیہ تلویح" میں لکھتے ہیں کہ "صحابہ نے بعد اختلاف کے قتال مانعین زکوۃ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف رجوع کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اوّل نانی کو ورثہ دلایا تھا اور دادی کو محروم رکھا تھا، پھر دونوں کے ورثہ میں شریک کرنے پر بوجہ قول بعض انصار کے رجوع کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو جو مرض الموت میں تین طلاقیں دی گئی ہو اپنی رائے سے وارث کیا اور ایک شخص کے قصاص میں ایک جماعت کے قتل کرنے میں شک کیا، پھر علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف بوجہ اُنکے قیاس کرنے کے اوپر شریک ہونے جماعت کے سرقے میں رجوع کیا اسی طرح آنحضرت ﷺ نے خثعمیہ سے جب کہ اس نے اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کا سوال کیا فرمایا اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا اور تو اس کو ادا کرتی کیا تیری طرف سے مقبول نہ ہوتا؟ کہا اس نے ہاں! فرمایا خدا کا قرض زیادہ استحقاق رکھتا ہے اسی طرح فرمانا آنحضرت ﷺ کا عمر رضی اللہ عنہ سے جبکہ انہوں نے بوسہ صائم کا سوال کیا بتلاؤ تو اگر تم پانی سے کلی کرکے پھر ڈال دو کیا تم کو اس سے کچھ نقصان ہوگا؟ کہا نہیں"(۲) انتہی۔

پس ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط امر مشروع ہے، رسول اللہ ﷺ اور جمہور صحابہ سے ثابت ہے، البتہ وہ قیاس درست نہیں جس کا ماخذ قرآن اور حدیث نہ ہو بلکہ محض اپنی رائے ہی کو دخل دیا ہو، اس قیاس کی بیشک مذمت آئی ہے، جتنی روایتیں قیاس کی برائی میں وارد ہیں وہ بھی قیاس اور رائے ہے جس کا ماخذ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ نہ ہو ورنہ صریح آیات واحادیث صحیحہ کا انکار لازم آجائے گا اور ائمہ اربعہ قیاس مذموم سے بالکل بری ہیں۔

۱...... سنن ابی داؤد،کتاب الفرائض ، باب ما جاء فی تعلیم الفرائض ، ح : ۲۸۸۵، ص: ۴۴۸۔

...... سنن ابی داؤد، دار ابن حزم ، القاھرۃ میں الفاظ حدیث اس طرح مذکور ہیں:(حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعٍ التَّنُوْخِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ)۔

۲...... حاشیۃ التلویح۔

البتہ داؤد ظاہری بالکل قیاس کی نفی کرتے ہیں سو ان کے خلاف سے بالاتفاق خرق اجماع نہیں ہوتا ورنہ کوئی مسئلہ اجماعی نہ ہوگا الا ماشاء اللہ اور بخاری کی حدیث کا معارضہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس حدیث سے بھی قیاس ثابت ہوتا ہے باوجودیکہ انکے سردار نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور فرض اطاعت سے حجت لائے مگر صحابہ نے اس پر قیاس کیا کہ ہم تو آگ سے بچنے کے واسطے ایمان لائے اور یہ آگ میں ہم کو ڈالتے ہیں یہ مراد آنحضرت ﷺ کی امر اطاعت سے ہرگز نہ ہوگی اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انکی اطاعت نہ کرنے کو پسند کیا ورنہ اور کوئی آیت یا حدیث انکے پاس بجز اس قیاس کے آگ سے بچنے کے لیے نہ تھی ورنہ بیان کرتے۔

امام ترمذی کا قیاس کو غلط کہنے کی وجہ اور اشعار کی حقیقت

ترمذی نے امام وکیع کی جو روایت لکھی ہے وہ تبع تابعین کا قول ہے کسی پر حجت نہیں ہوسکتا، علاوہ اسکے وکیع کو امام صاحب کے مسئلے کی حقیقت معلوم نہ تھی ورنہ ایسا نہ کہتے امام صاحب اصل اشعار کو ہرگز مکروہ نہیں جانتے تھے، بلکہ اپنے اہل زمانہ کا اشعار کہ بہت مبالغے سے کرتے تھے کہ چوپایہ کے تلف ہوجانے کا خوف ہوتا تھا مکروہ جانتے تھے چنانچہ تحقیق اسکی مسئلہ بست وکم کے جواب میں مذکور ہے اور حدیث دارمی کی جس میں قیاس کی مذمت ہے وہ مطلق قیاس نہیں جیسا کہ ظاہریہ کا مذہب ہے ورنہ احادیث میں تناقض ہوجاویگا اور تواتر کا انکار لازم آویگا۔

”ابوحنیفہ“ صرف امام اعظم کی کنیت نہیں تھی

صاحب دراسات نے جو ”لولا تحی“ کی عبارت نقل کی وہ بلا سند ہے کوئی حجت اس پر نہیں علاوہ اسکے ابوحنیفہ کئی شخصوں کی اس زمانے میں کنیت تھی امام صاحب کی طرف نسبت کرنا محض بے اصل اور موضوع قصہ ہے، یہ شیعہ کا امام صاحب پر اعتراض ہے چنانچہ نواب والا جاہ امیر بھوپال نے ”کشف الالتباس“ میں جواب اس کا لکھا ہے بعینہ نقل کیا جاتا ہے ”یہ حکایت محمد بن نعمان ملقب بہ شیطان الطاق کی ہے نہ نعمان بن ثابت ابوحنیفہ کی کیونکہ یہ لوگ بسبب بے علمی کے عبارات ائمہ کو نہ سمجھتے تھے، پس ترتیب کرنا قیاس شرعی کا ان سے ممکن نہ تھا اس لیے ائمہ نے ان کو قیاس سے منع فرمایا اور ابوحنیفہ ﷫ وغیرہ کو بملاحظہ کثرت علم وقوت اجتہاد اجازت قیاس کی دی چنانچہ کتب حنفیہ اور رسائل فضائل اہل بیت میں اجازت صادق علیہ السلام کی ابوحنیفہ ﷫ کو واسطے قیاس کے مصرح ہے“ (۱) انتہی۔

مؤلف ظفر نے فریب دہی کے لیے تفسیر کبیر کی عبارت ناقص نقل کی

تفسیر کبیر کی عبارت معترض صاحب واسطے مغالطہ دہی کے اول سے چھوڑ گئے ہیں وہ پوری عبارت یوں ہے: ”وَلَمَّا دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّ التَّكَبُّرَ عَلَى اللّٰهِ يُوْجِبُ الْعِقَابَ الشَّدِيْدَ وَالْاِخْرَاجَ مِنْ زُمْرَةِ الْاَوْلِيَآءِ وَالْاِدْخَالَ فِيْ زُمْرَةِ

۱......کشف الالتباس۔

۲......اشعار یہ ہے کہ جانور کے جلد پر زخم لگا کر خون بہا دیا جائے تا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ حج کی قربانی کا جانور ہے۔

الملعونین ثبت اَنَّ تخصیص النص بالقیاس لایجوز وھذا ھو المراد بما نقلہ الواحدی فی البسیط عن ابن عباس رضی اللہ عنہما"(۱)۔ یعنی جبکہ اس آیت نے دلالت کی اس پر کہ تکبر کرنا اللہ پر واجب کرتا ہے عذاب سخت کو اور خارج کرنے کو زمرۂ اولیا سے اور داخل کرنے کو جماعت ملعونین میں تو ثابت ہوگیا یہ امر کہ خاص کرنا نص قرآنی کا قیاس سے نہیں جائز ہے اور یہی مراد اس حدیث سے ہے جسکو واحدی نے بسیط میں ابن عباس سے نقل کیا ہے انتہی۔

علاوہ اسکے اس قول ابن عباس رضی اللہ عنہما میں مطلق قیاس کی نفی ہرگز نہیں بلکہ وہی قیاس ہے جسکی سند کلام شارع سے ماخوذ نہ ہو ورنہ سب قیاس عمل صحابہ کا درہم برہم ہوجائے گا۔ بلکہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جس وقت کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے "تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"(۲) کی حدیث بیان کی اُن کو بطور قیاس کے جواب دیا تھا اگر مطلق قیاس ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک جائز نہ ہوتا تو خود قیاس نہ کرتے باقی رہا قول مدارک اور دراسات کا حالانکہ اُنہوں نے اسمیں اجماع بیان کر دیا پھر بھی معترض صاحب مغالطے سے باز نہ آئے نص کے ہوتے ہوئے تو کسی امام کے نزدیک قیاس درست نہیں ﴿فَاْتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾۔(۳)

اس کا کون قائل ہے جو معترض صاحب نے ناحق ورق سیاہ کیے حاصل کلام یہ ہیکہ قیاس ائمہ کی مشروعیت میں کچھ کلام نہیں کیونکہ قیاس خدا اور رسول کے احکام مخفی کو ظاہر کر دیتا ہے نیا حکم قیاس سے برآمد نہیں ہوتا چونکہ فرقہ ظاہریہ مقلد امام داود ہیں اس لیے وہ اسکا انکار کرتے ہیں اور صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ کی حدیثوں میں تاویلات رکیک اور تسویلات واہیہ کرتے ہیں۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ حدیث کے جو جو مسئلے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں اُن پر تو حدیث پر چلنے والے عمل کر ہی لیں گے لیکن جو جو مسئلے کہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں اُن کے لیے کیا کریں گے۔ آخر کار فقہ کی کتابوں ہی پر چلیں گے اور کسی نہ کسی امام ہی کے مقلد بنیں گے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غور سے از راہ تحقیق قرآن اور حدیث کی طرف نظر کرے اور دیکھے تو ہر مسئلہ قرآن اور حدیث سے معلوم ہوسکتا ہے کسی مسئلے کے لیے بھی کسی کو مسائل فقہیہ کی حاجت نہیں انتہی۔

کشفِ کید چہارم

اقول: معترض صاحب نے اس جگہ کمال بے انصافی سے گفتگو شروع کی ہے اور حنفیہ کے کلام سے اس کو کچھ تعلق نہیں حنفیہ کچھ کہتے ہیں اور معترض صاحب کچھ ارشاد کرتے ہیں۔ قولہ" اگر کوئی شخص غور سے دیکھے تو ہر ایک مسئلہ قرآن

۱۔۔۔تفسیر الرازی المسمی ب مفاتیح الغیب: سورۃ الاعراف، ج: ۱۴، ص: ۲۹ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

۲۔۔۔۔صحیح مسلم: کتاب الحیض، باب الوضوء مما مست النار، ح: ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ص: ۱۹۴-۱۹۵۔

۔۔۔۔سنن الترمذی: کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی الوضوء مما غیرت النار، ح: ۷۹، ص: ۴۳۔

۳۔۔۔۔البقرۃ: آیت: ۱۱۱ و النمل: آیت: ۶۴۔

اور حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے کسی مسئلے کے لیے بھی کسی کو مسائل فقہیہ کی حاجت نہیں"۔

ہر شخص قرآن وحدیث سے ہر مسئلہ نہیں سمجھ سکتا

اقول: یہ کلام بالکل مہمل اور بے معنی ہے، معترض صاحب نے مطلق انصاف نہیں کیا، ذرا معترض صاحب ہی نے چند مسائل فروعی کو قرآن اور حدیث سے استنباط کر کے دکھلا دیا ہوتا تو ہم جانتے کہ البتہ معترض صاحب سچے ہیں، جناب من! زبان سے کہہ دینا تو بہت آسان ہے مگر استنباط مسائل ہر ایک کا کام نہیں اگر ہر شخص مسائل فروعی معلوم کر لیتا تو پھر مجتہد کا ہونا مع اُسکے شروط کے جو آج کل بالکل مفقود ہیں محض بیکار تھا، باقی نفس معنی قرآن وحدیث کے سمجھنے سے استنباط مسائل کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر ہو گا تو رجماً بالغیب ہو گا اتفاقیہ شاید مطابق نکلے مجتہد سے اگر چار خطائیں ہونگی تو غیر مجتہد علماء سے پچاس خطائیں سرزد ہونگی، پھر مجتہدوں نے کیا زہر ملا دیا ہے جو اُن کے اقوال چھوڑ کر معترض صاحب بھی اجتہاد کرنے لگے؟ یہ قول اُن کا محض تعصب اور دھینگا دھینگی ہے غیر مجتہد کو مسائل فقہیہ میں جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہیں تقلید مجتہدین سے چارہ نہیں اور غیر مجتہد کو استنباط کا دعویٰ محض نازیبا اور سراسر جہالت ہے کوئی حاکم شریعت نہیں ورنہ ایسی جہالت کی باتوں سے تعرض کرتا۔ ع

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت (۱)

مؤلف صاحب کا مجبوراً قائل تقلید ہونا

قال: لیکن جس کسی کو بسبب کم علمی کے یا قصور فہم یا قلت تدبر کے کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو کسی محدث یا مجتہد یا فقیہ سے پوچھ کر عمل کرے ایسے محل میں بسبب ناچاری کے کسی کی تقلید کرنی جائز ہے۔

اقول: اس کلام سے معلوم ہوا کہ ناچاری میں تقلید درست ہے مقلد بھی بدون ناچاری کے تقلید نہیں کرتے اور مجتہد کے واسطے تقلید کو بہتر نہیں سمجھتے کیونکہ جسکو خود ملکہ استنباط حاصل ہے اُسکو کسی کا تابع ہونا عقلاً اور نقلاً مستبعد ہے۔ حنفیہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ جمیع اصول و فروع میں سب پر تقلید ضرور ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کو تقلید مجتہد کی کرنی چاہیے۔

عام آدمی کیوں کر اجتہاد کر سکتا ہے؟

قال: لیکن اُس تقلیدی مسئلے کی تحقیق کی فکر میں رہے اور کوشش کرے الخ۔

اقول: یہ کلام بالکل خلاف واقع ہے کیونکہ گفتگو تو کم علم اور کم فہم میں ہے اُس کو کیونکر تحقیق ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ خلاف قرآن اور حدیث کے ہے، اس لیے کہ ہر مولوی اپنے مذہب کے موافق اُس کی تحقیق بتلا دیگا جب خود علماء بلکہ مجتہدین کو تو کسی تحقیق نہیں ہوئی تو ہر ایک اپنے اجتہاد کے موافق دوسرے کے مخالف کہے گا تو یہ بیچارہ عامی کیونکر اس مسئلے کو محقق سمجھ لے گا؟

۱..... یعنی عقل کا پڑھنا اب تو تمام اقتدار گدھوں کے ہاتھ میں ہے۔ت

اور محض اپنی رائے فاسد سے اُسکو درست جاننا اس کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ جب دوسرے مذہب کے دلائل قویہ سنے گا وہ تحقیق جاتی رہے گی پھر وہ کیونکر باوجود کم علمی کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہے؟ جب بڑے بڑے علمائ کی سمجھ میں اختلاف اور تناقض ہوگیا تو عامی کس شمار میں رہا، غرض عامی کے مسئلے کا نام تحقیق رکھنا خلاف تحقیق ہے۔

داؤد ظاہری کا قول مسئلہ ربا میں جمہور علماء کے خلاف پر ہے

ربا میں جو حدیث وارد ہے اُسمیں چھ چیزیں مذکور ہیں مگر تمام علما اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اسکے حرام ہونے کی کوئی علت ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد ان چاروں اماموں نے اس کی علتیں جدا جدا بیان کی ہیں کہ ہر ایک کی علت سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا ان چھ چیزوں کے اوروں میں بھی حکم ربا جاری ہے۔

مگر داؤد ظاہری کوئی علت نہیں نکالتے اور انھیں چھ اشیا میں ربا کو منحصر جانتے ہیں اس واسطے کہ یہ قیاس کو نہیں مانتے ہیں، حالانکہ یہ مذہب مخالف جمہور اہل سنت ہے، اگرچہ فرقہ ظاہریہ کے واسطے یہ قول حجت ہے مگر مخالفت جمہور سے مردود سمجھا گیا، پس چاروں مذہب کے مقلد اپنے اپنے امام کے قول کے موافق سند پکڑیں گے پھر اگر کسی کے نزدیک بوجہ اختلاف اس علت کے ایک شئی میں ربا ہوگا تو دوسرے کے نزدیک اس میں ربا نہ ہوگا۔

عامی کی تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں

ایک شخص عامی جو علم میں بھی کم اور فہم میں بھی ناقص ہو اسکو ایسے مسائل میں کیونکر تحقیق ہو سکتی ہے بجز اسکے کہ وہ اپنے زعم فاسد میں تحقیق سمجھ لے اور فی الواقع تحقیق نہ ہو، پس حیف صد حیف کہ محققین اکابر دین تو مسائل فرعیہ کی تحقیق میں تمام عمر گفتگو کرتے کرتے انتقال کر گئے اور آج تک صدہا قرن سے کوئی بات محقق اور منقح نہیں ہوئی، اب یہ بیچارے کم علم جو ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (۱) ہیں دم بھر میں تحقیق کرلیں گے واہ واہ انصاف اسی کا نام ہے؟

اسی وجہ سے جب عامی کی تحقیق کا مطلق اعتبار نہیں ہوا تو اس کو بجز تقلید کے کوئی چارہ نہ ٹھہرا اور ساری تفتیش اور کوشش اسکی تکلیف مالایطاق میں داخل ہوگئی، جسکے واسطے جناب باری فرماتا ہے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۲) یعنی نہیں تکلیف دیتا ہے اللہ کسی نفس کو مگر موافق اسکی وسعت کے، البتہ جن لوگوں کو درجۂ اجتہاد حاصل ہے اُن کے واسطے بھی مجال نہیں یا جنکو بعض مسائل میں مرتبۂ اجتہاد ہو وہ بھی اس سے خارج ہیں ان کے واسطے بھی ان مسائل میں تقلید واجب نہیں، پس عامی کو مجتہدین اہل ذکر کی تقلید کرنی عین اطاعت خدا اور رسول ہے اور اس کا انکار کرنا صریح آیت کا انکار ہے اگر عامی کو تقلید مجتہدین سے منع کیا جائے گا تو خلاف آیۃ ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۳) کے لازم آئے گا اور بے علم اور کم فہم کو تکلیف تحقیق مسائل دین کی جو اس سے ناممکن ہے خلاف آیۃ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ﴾ کے ہوگی۔

۱۔ الاعراف: آیت ۱۷۹۔ ۲۔ البقرۃ: آیت ۲۸۶۔ ۳۔ النحل: آیت ۴۳ و الانبیاء، آیت ۷۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ کم علم کو فقط اہل علم سے دریافت کر کے تقلید کرنی چاہیے اور اس کو کوشش کی تکلیف دینی صریح آیت کے خلاف ہے، البتہ جو ایسا شخص ہو کہ گو اس کو بالفعل ملکہ استنباط نہیں مگر لیاقت اور ذکاوت ایسی رکھتا ہے کہ اس سے امید ہے کہ اگر علم حاصل کریگا تو درجہ تحقیق کو پہونچ جائے گا اس شخص کو بے شک درجہ تحقیق کا حاصل کرنا چاہیے، اور فی زمانا جیسے لوگ ہیں خصوصاً حضرات ظاہریہ کہ بدیہیات قدما بھی اُنکے نزدیک نظریات کا حکم رکھتے ہیں اور بالکل اُن سے امید نہیں کہ یہ لوگ کسی مسئلے میں پایہ تحقیق کو پہونچ جائیں اُنکے واسطے جب خود خدا ہی تکلیف تحقیق کو معاف کر دے تو پھر دوسرے کو کب پہونچ سکتا ہے کہ اُن کو تکلیف مالایطاق میں ڈالے اور جو تکلیف دیگا وہ صریح ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾(۱) کی مخالفت کریگا۔

مجتہدین کو رہبان اور احبار کہنا گستاخی ہے

قال: تفسیر نیشاپوری میں ضمن آیت ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾(۲) مذکور ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے الخ۔

اقول: اس آیت کا مصداق ائمہ مجتہدین کو ٹھہرانا غایت درجے کی گستاخی اور بیباکی اور سوء ادبی ہے۔ رہبان اپنی طرف سے حلال اور حرام ایجاد کرتے تھے اُن کا ماخذ انجیل اور توراۃ نہ تھا یہ محض شرک ہے! اُنکے مصداق مجتہدین جو قرآن اور حدیث سے احکام استنباط کرتے ہیں کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی عقد الجید میں لکھتے ہیں: "اِعْلَمْ اَنَّ فِي الْاَخْذِ بِهٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ مَصْلَحَةً عَظِيْمَةً وَفِي الْاِعْرَاضِ عَنْهَا مَفْسَدَةً كَبِيْرَةً وَنَحْنُ نُبَيِّنُ ذٰلِكَ بِوُجُوْهٍ اَحَدُهَا اَنَّ الْاُمَّةَ اَجْمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَعْتَمِدُوْا عَلَى السَّلَفِ فِي مَعْرِفَةِ الشَّرِيْعَةِ فَالتَّابِعُوْنَ اِعْتَمَدُوْا فِي ذٰلِكَ عَلَى الصَّحَابَةِ وَتَبَعُ التَّابِعِيْنَ اِعْتَمَدُوْا عَلَى التَّابِعِيْنَ وَهٰكَذَا فِي كُلِّ طَبَقَةٍ اِعْتَمَدَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى مَنْ قَبْلَهُمْ وَالْعَقْلُ يَدُلُّ عَلٰى حُسْنِ ذٰلِكَ لِاَنَّ الشَّرِيْعَةَ لَا تُعْرَفُ اِلَّا بِالنَّقْلِ وَالْاِسْتِنْبَاطِ وَالنَّقْلُ لَا يَسْتَقِيْمُ اِلَّا بِاَنْ تَاْخُذَ كُلُّ طَبَقَةٍ عَمَّنْ قَبْلَهَا بِالْاِتِّصَالِ وَلَا بُدَّ فِي الْاِسْتِنْبَاطِ مِنْ اَنْ تُعْرَفَ مَذَاهِبُ الْمُتَقَدِّمِيْنَ لِئَلَّا يَخْرُجَ مِنْ اَقْوَالِهِمْ فَيَخْرِقَ الْاِجْمَاعَ وَيَبْنِيَ عَلَيْهَا وَيَسْتَعِيْنَ فِي ذٰلِكَ بِمَنْ سَبَقَهُ لِاَنَّ جَمِيْعَ الصِّنَاعَاتِ كَالصَّرْفِ وَالطِّبِّ وَالشِّعْرِ وَالْحِدَادَةِ وَالتِّجَارَةِ وَالصِّيَاغَةِ لَمْ تَتَيَسَّرْ لِاَحَدٍ اِلَّا بِمُلَازَمَةِ اَهْلِهَا وَغَيْرُ ذٰلِكَ نَادِرٌ بَعِيْدٌ لَمْ يَقَعْ وَاِنْ كَانَ جَائِزًا فِي الْعَقْلِ وَاِذَا تَعَيَّنَ الْاِعْتِمَادُ عَلٰى اَقَاوِيْلِ السَّلَفِ فَلَا بُدَّ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ اَقْوَالُهُمُ الَّتِي يُعْتَمَدُ عَلَيْهَا مَرْوِيَّةً بِالْاِسْنَادِ الصَّحِيْحِ اَوْ مُدَوَّنَةً فِي كُتُبٍ مَشْهُوْرَةٍ وَاَنْ يَكُوْنَ مَخْدُوْمَةً بِاَنْ يُبَيَّنَ الرَّاجِحُ مِنْ مُحْتَمَلَاتِهَا وَيُخَصَّصَ عُمُوْمُهَا فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ وَيُقَيَّدَ مُطْلَقُهَا فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ وَيُجْمَعَ الْمُخْتَلَفُ فِيْهَا وَيُبَيَّنَ عِلَلُ اَحْكَامِهَا وَاِلَّا

۱.....الانعام: آیت: ۵۷، یوسف: آیت: ۴۰، ۶۷۔ ۲.....التوبۃ: آیت: ۳۱۔

لَمْ يَجْمَعِ الْاِعْتِمَادُ عَلَيْهَا وَلَيْسَ مَذْهَبٌ فِيْ هٰذِهِ الْاَزْمِنَةِ الْمُتَاخِّرَةِ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ اِلَّا هٰذِهِ الْمَذَاهِبُ الْاَرْبَعَةُ "

(1) یعنی جان تو کہ ان چاروں مذہبوں کے اخذ کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور اُن سے اعراض کرنے میں بڑا فساد ہے اور ہم اسکو کئی وجہوں سے بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ امت نے اجماع کیا ہے اس پر کہ شریعت کے معلوم کرنے میں سلف پر اعتماد کریں، پس تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اسی طرح ہر طبقے میں علمانے اپنے اگلوں پر اعتماد کیا اور عقل اسکے حسن پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ شریعت نہیں پہچانی جاتی مگر نقل اور استنباط سے اور نقل نہیں درست ہوتی مگر اس طور سے کہ ہر طبقہ پہلوں سے بالاتصال اخذ کرے اور استنباط میں ضرور ہے کہ متقدمین کا مسلک جانے تاکہ اُن کے اقوال سے خارج ہو کر خارق اجماع نہ ہو جائے اور اس پر بنا کرے اور پہلوں سے استعانت کرے، اس لیے کہ تمام صناعتیں جیسے صرف اور نحو اور طب اور شعر اور لوہاری اور بڑھئی گری اور سناری نہیں حاصل ہوتی ہیں مگر اُن صناعت والوں کی صحبت سے اور سوا اس کے کم اور مستبعد ہے واقع نہیں ہوا، اگرچہ عقل جائز رکھتی ہے اور جبکہ سلف کے اقوال پر اعتماد متعین ہو گیا تو اب ضرور ہے کہ اُن کے اقوال جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اسناد صحیح سے مروی ہوں یا کتب مشہورہ میں جمع ہوں اور راجح محتملات سے بیان کر دیا جاوے، اور عام بعض مواضع میں خاص کیا جاوے اور بعض مواقع میں مطلق مقید کیا جاوے اور مختلف فیہ جمع ہوں اور احکام کی علتیں بیان ہوں ورنہ اعتماد اُس پر صحیح نہ ہوگا اور کوئی مذہب ان اخیر زمانوں میں اس صفت کا نہیں ہے، مگر یہی چار مذہب انتہی۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ ان مذاہب اربعہ کا بہت بڑا اعتبار ہے اور مثل ائمہ مجتہدین اب ہونا دشوار اور جو کچھ آپ از راہ نفسانیت و تعصب کے ان کی منقصت اور عیب جوئی میں تقریر کریں، سب مہمل اور محض بیکار۔

احناف کا کوئی بھی مسئلہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں

قولہ امام فخر الدین رازی کا کہ میں نے کئی آیتیں مخالف اُن کے مذہب کے پڑھیں، انہوں نے قبول نہ کیں مقلداجانے کون ہے مقلد کے حق میں وارد ہے اپنی طرف سے اُن کو مقلدین حنفیہ پر محمول کرنا محض ناانصافی ہے کوئی حجت اس پر نہیں وجہ اُس کی یہ ہے کہ حنفیہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو قرآن کے مخالف ہو اگر کسی صاحب کو دعویٰ ہو پیش کرے اور فقط قصے کہانیوں سے تو کام نہیں چلتا ہاں! مقلدین ظاہر یہ سے عجب نہیں جو ایسی گفتگو آئی ہو کیوں کہ یہ استاد کے مقابلے میں قرآن کو بھی نہیں مانتے ہیں فقط یہی جواب کافی سمجھتے ہیں کہ کیا پیغمبر ﷺ اس آیت کے معنی نہیں سمجھتے تھے؟

اور نیز اس قول کو امام رازی کی طرف منسوب کرنا صریح غلطی ہے، کیونکہ یہ قول اُن کے استاد کا ہے نہ اُن کا وہ تو ناقل ہیں جیسا کہ اوپر کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔

1.....عقد الجید۔

قاضی ثناء اللہ کے انکارِ تقلید کا جواب

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا قول بھی انکارِ تقلید پر دلالت نہیں کرتا اس واسطے کہ انہوں نے حدیث صحیح میں یہ شرط لگائی ہے کہ دوسری حدیث اُسکے معارض نہ ہو اور ناسخ بھی اُس کا معلوم نہ ہو تب اُس حدیث صحیح پر عمل کرنا ضرور ہے اور مذہب کی پابندی اُس مسئلے میں نہیں چاہیے، ہم بے شک اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر مسلمان کو یوں ہی اعتقاد رکھنا چاہیے، مگر آج تک کوئی ایسی حدیث پائی نہیں گئی کہ کوئی مسئلہ حنفیہ کا مخالف اُس کے نکلے، اگر ایک حدیث کے بظاہر مخالف ہے تو دوسری کے موافق ہے۔

خود احناف بھی بعض مسائل میں امام اعظم کی تقلید نہیں کرتے

علاوہ اسکے بعض مسائل میں حنفیہ کے یہاں امام صاحب کے قول پر عمل نہیں بلکہ امام ابی یوسف اور امام محمد و امام زفر رحمہم اللہ کے موافق عمل ہوتا ہے تمام کتب فقہ حنفیہ سے یہ بات ظاہر ہے، اگر ہر مسئلے میں امام صاحب کے قول پر تقلید واجب جانتے تو کوئی مسئلہ امام صاحب کا غیر مفتیٰ بہ نہ ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں، اور یہی مراد علامہ شامی کی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے اقوال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہ اُس تقلید کو بُرا کہتے ہیں جس میں مقلد یوں سمجھے کہ اس امام سے خطا محال ہے، جو کہتا ہے وہ صواب ہی کہتا ہے اور یہ بات دل میں رکھے کہ تقلید اس کی نہ چھوڑوں گا اگرچہ خلاف پر دلیل قائم ہو جاوے، پس انصاف کرنا چاہیے کہ کونسا مقلد یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امام سے خطا محال ہے، اور کسی طور کو خلاف پر دلیل قائم ہو تقلید نہ چھوڑے؟ اگر یہ عقیدہ مقلدین کا ہوتا تو کوئی مسئلہ امام صاحب کا نہ چھوڑتے۔

کسی امام کا اجتہاد من وجہ مخالفت سے خالی نہیں

من وجہ مخالفت تو اضطراری ہے جو کوئی مسئلہ کسی مذہب کا لیجیے کسی نہ کسی ماخذ سے مخالف ضرور ہوگا، یہی مشرکین کی آیتوں کے خود ظاہر یہی مصداق ہیں کیاں کہ اپنی رائے کے آگے اہل ذکر سے دریافت کرنا جائز نہیں رکھتے اور اگر جائز رکھتے ہیں تو تکلیف مالایطاق جس کی خدا نے ممانعت کی ہے اُس پر لازم جانتے ہیں ﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (۱) اور حلال وحرام میں مطلق تمیز نہیں کرتے، اپنی رائے سے جس کو چاہتے ہیں ترجیح دیتے ہیں اور اپنی عقل کے مقابلے میں ائمہ کی رائے کو کافی نہیں جانتے اور صحابہ کی خدمت میں گستاخیاں کرتے ہیں، تعجب ہے کہ ایسے لوگ آپ کو تو موحد اور محمدی تھلیا مشہور کریں اور مسلمانوں کو مشرک قرار دیں، سبحان اللہ! کیا انصاف ہے؟ خدا اُن کو اس ورطہ ضلالت سے نکال کر صحابہ اور ائمہ مجتہدین کی طرف سے حسن ظن عنایت کرے۔ جائے حیرت ہے کہ کجا شرک اور کجا تقلید ائمہ یہ لوگ کس خواب خرگوش میں ہیں، اور امام طحاوی کا قول خاص اپنے واسطے ہے کہ اُن کو درجہ اجتہاد حاصل تھا مگر باایں ہمہ امام صاحب کے مقلد رہے اور معانی الآثار میں امام صاحب کے مذہب کی تمام حدیثیں لکھتے چلے جاتے ہیں اور برابر اُن کو ترجیح دیتے ہیں، اگر یہ قول امام طحاوی کا ٹھیک منقول ہوا ہے تو پھر انہوں نے باوجود علامہ دہر ہونے

۱…. یوسف: آیت: ۴۰ و النجم: آیت: ۲۳.

کے تقلید کیوں نہ ترک کی اور گفتگو ہماری فقط نسبت امام طحاوی وغیرہ کے نہیں، گفتگو فقط عام اشخاص میں ہے جن کو قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط کی قوت نہیں، امام طحاوی پر ہم بھی تقلید واجب نہیں جانتے بحث کچھ ہے معترض صاحب کا کلام کچھ ہے اور نیز اس قسم کے قصے ہم پر ہرگز حجت نہیں ہو سکتے جب تک سند ذکی امام طحاوی تک نہ پہو نچا دو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ تقلید شخصی کو علی الاطلاق واجب نہیں جانتے ہیں، محققین حنفیہ نے ان مسائل کو جن میں ان کو خلاف حدیث معلوم ہوا ترک کر دیا مگر وہ مسائل شاذ و نادر ہیں، اور تعجب یہ ہے کہ معترض صاحب تو خود صحابہ کے قول کو جو قرن اول میں ہے نہیں مانتے اور ہم پر اقوال بعد قرون ثلثہ کے حجت لاتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ (۱)

اگر زیادہ تحقیق اس مسئلہ تقلید کی منظور ہو تو کتاب "انتصار الحق" (۲) تصنیف جناب مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری کی ملاحظہ فرماویں اُس میں یہ بحث مفصل لکھی ہے۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ چاروں اماموں میں سے ایک کی تقلید اگر واجب نہ ہوتی تو بڑے بڑے عالم فاضل محدث اور مفسر اور فقیہ ان میں سے کسی کے بھی مقلد نہ ہوتے، جواب اس کا دو طرح پر ہے اول یہ کہ بجز بعض متعصب علما کے ایک امام کی تقلید کو واجب تو کیا مباح تک بھی کوئی نہیں کہتا الخ۔

کشف کید پنجم

ائمہ کی تقلید در حقیقت خدا اور رسول کی تقلید ہے

اقول: معترض صاحب نے چند اشخاص کو کہ جن میں بعض ظاہریہ بھی داخل ہیں بدون تحقیق لکھ دیا یہ جتنے نام لکھے ہیں سب مقلد تھے الا ماشاء اللہ اور بعضی مسائل میں خلاف تقلید کر لینے سے تقلید فوت نہیں ہوتی بغرض تقلید اس کا نام نہیں کہ خاص امام کا قول مستقل معمول بہ ہے، بلکہ وہ قول خدا اور رسول کا ہے چونکہ وہ مخفی تھا ائمہ نے اس کو ظاہر کر دیا اس نسبت سے حنفی شافعی کے الفاظ مقلدین پر صادق آتے ہیں مگر در حقیقت تقلید خدا اور رسول کی ہے ائمہ کی طرف نسبت مجازی ہے۔

قال: التزام مذہب معین میں حکم اور خطاب شارع کا صادر نہیں ہوا۔

معین مذہب کو لازم پکڑنے کی وجہ

اقول: مذہب معین کا التزام بوجہ عوارض مجبوراً کرنا پڑا کیونکہ ایک ایک مسئلے میں اختلافات کثیر تھے کسی کے نزدیک حرام اور کسی کے نزدیک حلال تھا اس لیے بغیر تقلید واحد کے چارہ نہ تھا کیونکہ اس صورت میں تو ارتکاب حرام میں بوجہ دوسرے

---

۱ ..... دیکھیے کہاں ہے کہاں تک راستے الگ ہیں۔ ت۔

۲ ..... یہ کتاب جدید تخریج و تسہیل کے ساتھ طلبہ جماعت ساجد البانیہ الاشرفیہ مبارکپور ۱۴۲۰ھ کی کوشش سے منظر عام پر آ چکی ہے۔

قول کے شبہ تھا مگر جب دونوں قولوں پر عمل کرے گا تو اب یقیناً مرتکب حرام کا ہو جائے گا، اور اسی قسم کے مسائل میں تقلید ضروری ہے جو مسائل صریح قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں اُن میں تقلید محض بے اصل اور لغو ہے، علاوہ اسکے معترض صاحب خود التزام اسناد کو تو ایسا واجب اور فرض سمجھ گئے ہیں کہ اس کے رو برو قرآن کو بھی نہیں مانتے، حالانکہ کہیں قرآن اور حدیث سے ایسا التزام مفہوم نہیں ہوتا اور حنفیہ پر باوجود عدم التزام مذہب معین حقیق کے الزام دیتے ہیں، یہ حدیث تو ہم پہلے ہی اُن کی رد میں لکھ چکے ہیں اور حجۃ اللہ البالغۃ سے بعد مائۃ رابعہ کے تقلید کی رو نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ پہلے ان ابواب اور فصول کے ساتھ امور دینی مرتب نہ تھے، جب متعصبین نے ان ائمہ کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دیکھی لاچار تقلید شروع کی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص واقف سنت ہو اُس کو حنفی یا شافعی بننا کچھ ضرور نہیں، اور واقف ہونے کی کئی صورتیں ہیں، اگر ایسے امور ہیں کہ جن میں عام لوگ بھی شریک ہیں اور خاص بھی اُن کو جانتے ہیں جیسے نماز، حج، زکوۃ، روزہ اور وضو کی فرضیت اجمالی علی ہذا القیاس زنا، لواطت اور قتل وغیرہ کی حرمت کہ ہونا ان کا ضروریات دین سے تمام عام و خاص کو معلوم ہے، تو یہ کسی مذہب معین یا کسی مجتہد کے اتباع پر موقوف نہیں، ہر مسلمان اس کا معتقد ہے البتہ جو امور کہ بغیر فکر اور اجتہاد کے معلوم نہیں ہوتے تو جو شخص اُن کے استنباط پر قادر ہو جیسے ائمہ مجتہدین اُس کو اُن میں کسی کی تقلید کرنی نہ چاہیے اور جس کو قدرت اجتہاد نہ ہو اُسکو ایسے شخص کا اتباع کرنا چاہیے کہ جس کو وہ سب سے زیادہ عالم اور متقی جانتا ہے اور اُس وقت اُس سے تکلیف بحث اور نظر کی بوجہ عجز کے بحکم ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۱) ساقط ہوگی، اور ﴿فَاسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۲) سے اس پر تقلید واجب ہوگی، اس تقریر کے مخالف کسی کا بھی قول نہیں، معترض صاحب نے جہاں تقلید کی عبارتیں نقل کی ہیں سب جگہ اپنے مطلب کے موافق تصرف کیا ہے اور موافق مقصود قائل کے پوری عبارت نہیں لکھی، یہاں معترض صاحب ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ (۳) کی چال چلے ہیں کوئی اُنکی بات مغالطے سے خالی نہیں ہوتی ناحق حنفیہ بیچاروں کی طرف فرضی مغالطے منسوب کرتے ہیں اور خود دھوکے کی ٹٹی میں شکار کھیل رہے ہیں۔ ع

بہر رنگے کہ آئی می شناسم۔(۴)

کشف کید ششم

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ معنی قرآن شریف کے بدون مجتہد کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات غلط اور واہی ہے جو شخص کہ عربی زبان سمجھتا ہے وہ معنی قرآن کے بھی بے شک سمجھ سکتا ہے۔

۱.....البقرۃ، آیت: ۲۸۶۔ ۲.....النحل: آیۃ: ۴۳ و الانبیاء: آیۃ: ۷۔ ۳.....النساء: آیت: ۴۳۔

۴.....آپ کو میں ہر لباس میں پہچان سکتا ہوں۔ت

اقول: اللہ رے بیانی حنفیہ کے قول کو کس قدر تحریف کر دیا ہے، حنفیہ تو یہ کہتے ہیں کہ بدون مجتہد کے دوسرا شخص قرآن اور حدیث سے مسائل استنباط نہیں کر سکتا، معنی قرآن کے سمجھنے اور چیز ہیں، اور مسائل فقہیہ کا قرآن سے اخذ کرنا اور شی ہے، ہر شخص کا کام نہیں یہ کام اُس شخص کا ہے کہ اُس کو قرآن کے احکام تمام یاد ہوں، اور احادیث جو متعلق احکام کے وارد ہیں سب یاد رکھتا ہو اور خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مبین اور ناسخ و منسوخ وغیرہ احکام خوب جانتا ہو اور حدیث متواتر، آحاد، مرسل، متصل اور منقطع کو پہچانتا ہو اور راویوں کا حال کہ فلاں راوی ثقہ ہے اور فلاں ضعیف ہے سب اُس کو معلوم ہو، اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال سے خواہ اجماعی ہوں خواہ اختلافی، آگاہی رکھتا ہو، اور علم قیاس جلی و خفی اور تمیز قیاس صحیح و فاسد کی اُس کو ہو، اور پھر زبان عرب بھی باعتبار لغت و اعراب اور اصطلاح کے خوب جانتا ہو ایسے شخص کو مجتہد کہتے ہیں، اور معترض صاحب جو اجتہاد کا دم بھرتے ہیں ہمارے سامنے آئیں تو اُن کے اجتہاد کی حقیقت معلوم ہو، خیر وہ تو کس شمار میں ہیں اور جن جن کو اس میں دعویٰ ہو ان تمام شروط مذکورہ کو بیان کریں، جب خود مولانا عبدالحئی بحر العلوم باوجود اسکے کہ انقطاع اجتہاد کی رد کرتے ہیں اور اُن کی جامعیت شہرہ آفاق تھی مجتہد نہ ہو سکے تو اوروں کو بجز اپنے منہ آپ میاں مٹھو بننے کے اور کیا آتا ہے، غرض قرآن کے معنی سمجھنے کا کوئی حنفی منکر نہیں، مجتہد اور غیر مجتہد دونوں سمجھتے ہیں، البتہ اجتہاد اور استنباط مسائل فرعیہ کا فقط معنی سمجھنے والوں سے ممکن نہیں، جس میں اتنے شروط پائے جائیں اُس کا اجتہاد محققین کے نزدیک معتبر ہے وَدُونَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ (اور یہ بہت مشکل ہے)۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنے والا حال حدیث کے صحیح اور ضعیف اور موضوع ہونے کا اور تحقیق رواۃ کی کس طرح بجا ہو تجا لائے گا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ پہچاننا حدیث تینوں قسم یعنی صحیح، ضعیف اور موضوع کا اٹھارہ قسموں سمیت موقوف ہے تحقیق رواۃ اور حال سند پر الخ۔

کشف کید ہفتم

اقول: کیا معترض صاحب اس کے خواستگار ہیں کہ نقل کی روایت لفظاً حدیثاً سے امام صاحب تک ہوتی یا اور کوئی صورت ہوتی جس سے سلسلہ اسناد وہاں تک پہونچتا؟ اول تو یہ فرمائیے کہ اسناد کا برابر پہونچنا حدیث سے کہاں ثابت ہے؟ جس امر کی خدا اور رسول نے تکلیف نہیں دی آپ اُس سے کسی کو مکلف کریں تو پہلے دعویٰ پیغمبری یا خدائی کا کر لیجئے پھر اسناد کا التزام کیجئے، ظاہر ہے کہ جب کسی کا قول ثابت کیا جائے تو کچھ اسناد پر موقوف نہیں، بلکہ شہرت یا کتب مشہورہ سے بھی اُس کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

چنانچہ عقد الجید میں لکھا ہے کہ "ثبوت مسئلہ کے دو طریق ہیں یا تو اُس کے واسطے سند پائی جائے یا اُس کتاب مشہور سے اخذ کیا ہو جو برابر ہاتھوں ہاتھ چلی آئی ہے، جیسے کتابیں امام محمد کی اور مثل اُن کے تصانیف اور مسانید مشہورہ مجتہدین کے اس لیے

کہ وہ بمنزلہ خبر متواتر یا مشہور کے ہیں، اسی طرح ذکر کیا اس کو امام رازی نے، اور فتاویٰ قنیہ میں ہے کہ جو کسی کا کلام پایا جاوے اور کسی کتاب مشہور میں مذہب اُس کا مدون ہوا ور ہاتھوں ہاتھ وہ کتابیں ایک دوسرے سے نقل ہوتی چلی آئی ہوں، پس اُس کے ناقل کو یہ کہنا جائز ہے کہ فلاں شخص نے یہ کہا ہے اگرچہ اُس کو کسی نے سنا نہ ہو جیسے کتابیں امام محمد کی اور موطا امام مالک کی اور سوا ان کے اُن کتابوں سے جو اقسام علوم میں تصنیف کی گئی ہیں، اس لیے کہ ان کا اس طور سے پایا جانا بمنزلہ تواتر و خبر مشہور کے ہے کہ مثل اُس کے نہیں محتاج ہوتی ہے طرف اسناد کے''(۱) انتہی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کتب حنفیہ میں اسناد کی کچھ ضرورت نہیں، فقط ظاہریہ کے مغالطے ہیں اور معترض صاحب کے چوتھے مغالطے کے جواب میں جو ہم نے دوسری عبارت عقد الجید کی نقل کی ہے اُس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے واسطے اسناد کی ضرورت نہیں، بلکہ کتب مشہورہ میں مدون ہونا کافی ہے۔ اسی طرح فقہ کو سمجھنا چاہیے۔ پس معترض صاحب نے کہاں سے اسناد کی ضرورت کا حکم لگا دیا اور پھر حدیث پر فقہ کو قیاس کیا، کلام مجید کی اسناد کیوں نہ طلب کی؟ شاید اسی وجہ سے معترض صاحب حدیث آحاد کے مقابلے میں آیت نہیں مانتے، اور بوجہ نہ ہونے اسناد کے انکار قرآن کا کر دیتے ہیں، خدا ایسی اسناد سے محفوظ رکھے، جس پر یہ دیوانے اور فریفتہ ہیں اور محض بنا بر اسناد کے لعن و طعن اور خلاف قرآن سبھی کچھ کرتے ہیں، مجھ کو خوف ہے کہ رفتہ رفتہ کہیں اسناد کی پرستش نہ کرنے لگیں۔

احادیث کی صحت وضعف میں اختلاف کا بیان

کلام حنفیہ کا اس میں نہیں ہے کہ حدیث کی صحت اور ضعف معلوم نہیں ہو سکتا، بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ مسائل فروعی جن کے استنباط کی حاجت پڑتی ہے اُن میں صحت اور ضعف کے جاننے سے کام نہیں چلتا، علاوہ اسکے حدیث کی صحت اور ضعف اور وضع میں اس قدر اختلاف ہے کہ اب تک کوئی بات طے نہیں ہوئی جس نے جس مسئلے کو اختیار کیا ہے اُس کے موافق جو حدیث ہے وہ اُس کے نزدیک مرجح ہے۔ اسی طرح ایک راوی کو ایک شخص نے ضعیف کہا ہے تو دوسرے نے لا بأس به کہہ دیا ہے، غرض اگر صحت اور ضعف حدیث ہی میں فیصلہ ہو گیا ہوتا تو بھی آنسو پنچھ جاتے، دشواری تو یہ ہے کہ اختلاف باہمی نے ساری خرابی ڈال رکھی ہے کس کا اعتبار کریں؟

اگر ایک قول کو درست کہتے ہیں تو دوسرے کا قول غلط ہوا جاتا ہے، پھر فہم کا اختلاف اُس سے بڑھ کر ہے، ایک شخص کی رائے میں مسائل مستنبط میں سے ایک مسئلے کا یقین ہے اور دوسرے کی رائے میں دوسرا مسئلہ مناقض اُس کے جما ہوا ہے، ابن جوزی صلوۃ التسبیح کی صحیح حدیث کو موضوع اور بخاری کی حدیث تحریم معازف کو باوجود صحیح ہونے کے مردود جانتے ہیں، اور دار قطنی اور علامہ ابن ہمام وغیرہم نے بخاری کی بعض احادیث میں کلام کیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی کو بخاری

۱... عقد الجید۔

اور مسلم دونوں کے بعض رجال میں کلام ہے، گو مسلم میں بہ نسبت بخاری کے زیادہ متکلم فیہ بتلاتے ہیں۔

اور امام سخاوی شاگرد ابن حجر نے بخاری میں قریب اسی آدمیوں کے اور مسلم میں مضاعف اس کے ضعیف کہا ہے، پھر تقریب میں علقمہ کے سماع کا اپنے والد سے انکار کیا ہے، اور ترمذی میں اُن کا سماع اپنے والد سے ثابت کیا ہے، غرض اس قسم کے اختلافات بہت ہیں، پس ظاہر ہوا کہ اس تحقیق کے واسطے بہت بڑا ماہر درکار ہے۔ معترض صاحب کو سوا اوہام بتلانے کے اور زبانی جمع تجریح کرنے کے اور کچھ نہیں آتا ہے ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (۱)۔ ذرا دو چار ہی مسئلے معترض صاحب اپنے اجتہاد کے پیش کریں ورنہ فقہائے مجتہدین کے شکر گزار ہوں اور طعن و تشنیع سے باز آئیں، دیکھو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "کتاب الانصاف" میں لکھتے ہیں "أَمَّا هٰذِهِ الطَّبَقَةُ الَّذِيْنَ هُمْ أَهْلُ الْحَدِيْثِ وَالْأَثَرِ فَإِنَّ الْأَكْثَرِيْنَ مِنْهُمْ اِنْهِمَاكُهُمْ فِي الرِّوَايَاتِ وَجَمْعِهِمُ الطُّرُقَ وَطَلَبِ الْغَرِيْبِ وَالشَّاذِّ مِنَ الْحَدِيْثِ الَّذِيْ أَكْثَرُهُ مَوْضُوْعٌ أَوْ مَقْلُوْبٌ وَلَا يُرَاعُوْنَ الْمُتُوْنَ وَلَا يَفْهَمُوْنَ الْمَعَانِيَ وَلَا يَسْتَنْبِطُوْنَ سِرَّهَا وَلَا يَسْتَخْرِجُوْنَ رِكَازَهَا وَفِقْهَهَا وَرُبَّمَا عَابُوا الْفُقَهَاءَ وَتَنَاوَلُوْهُمْ بِالطَّعْنِ وَادَّعَوْا عَلَيْهِمْ مُخَالَفَةَ السُّنَنِ وَلَا يَعْلَمُوْنَ أَنَّهُمْ عَنْ مَبْلَغِ مَا أُوْتُوْهُ مِنَ الْعِلْمِ قَاصِرُوْنَ وَبِسُوْءِ الْقَوْلِ فِيْهِمْ آثِمُوْنَ" (۲)۔ یعنی لیکن یہ طبقہ جو اہل حدیث کا ہے سو بے شک اکثر اُن کے سعی کرتے ہیں صرف روایات میں اور طرق حدیث کے جمع کرنے میں اور طلب کرنے میں غریب اور شاذ کے اُس حدیث سے کہ جس کا اکثر موضوع یا مقلوب ہے اور نہیں رعایت کرتے وہ لوگ متن کی اور نہیں سمجھتے معنوں کو اور نہیں استنباط کرتے ان کے اسرار کا اور نہیں نکالتے اُن کے خزانے اور فقاہت، اور بسا اوقات فقہا پر عیب کرتے ہیں اور طعن مارتے ہیں، اور اُن پر مخالفت حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ نہیں جانتے کہ وہ خود ان کے مبلغ علم سے قاصر ہیں اور اُن کے حق میں بُرے الفاظ کہنے سے گنہگار، انتہی۔

معترض کا فقہ میں اسناد کو ضروری خیال کرنا غلط ہے

فقہ کا ایک ایک جزئیہ موجود ہے، اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہے تو مسئلہ متفق بہ میں تمام حنفی شریک ہیں، مگر معترض صاحب تو روایت اور اسناد کو جب تک فقہ میں نہیں دیکھ لیں گے ہرگز اُن کو اعتبار نہ آئے گا، ورنہ اُن کے مسلک کے خلاف ہو جائے گا، معترض صاحب کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنے اقوال انہوں نے بزرگوں کے نقل کیے ہیں کوئی قابل اعتبار نہیں کیوں کہ کسی کتاب میں اسناد ان کی نہیں ہے، اسی طرح اسماء الرجال اور موضوعات حدیث اور صحت اور ضعف کی کتابیں سب کی سند لا دیجیے کہ یہ کتابیں انہیں شخصوں کی ہیں جن کی طرف منسوب ہیں، ان سب کتابوں کے راویوں کا کہیں بھی پتا نہیں، پس معترض صاحب کے قول سے کتابیں اسماء الرجال وغیرہ کی سب بے سند ٹھہریں، کیونکہ سند کو وہ ضروری جانتے ہیں، پس اُن کے نزدیک کوئی کتاب قابل اعتبار نہ رہے گی۔

۱۔۔۔ سورۃ الصف: آیت: ۳۔

۲۔۔۔ کتاب الانصاف۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوں معنوں اور حکم میں تو اب عمل کرنے والے حدیث رسول اللہ ﷺ پر کیونکر عمل کریں گے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جن حدیثوں کو مقلدین ائمہ آپس میں مختلف سمجھتے ہیں اور ظاہر میں ایک دوسرے کی ضد ان کو معلوم ہوتی ہیں یہ سبب ان کے قصور فہم اور قلت تدبر کا ہے الخ۔

کشف کید ہشتم

ائمہ مجتہدین حدیث کی تطبیق اور فہم میں خوب ماہر تھے

اقول: حنفیہ کی غرض یہ ہے کہ احادیث مختلفہ میں ائمہ نے جو تطبیق دی ہے وہ سب سے بہتر ہے اور معترض صاحب نے ابن خزیمہ کا فقط قول نقل کیا ہے حالانکہ اس قول سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں، قول شئی دیگر ہے عمل شئی دیگر، دعویٰ سب کرتے ہیں مگر کوئی اُس کا مصداق دکھلانے والا سوائے ائمہ اربعہ کے موجود نہیں، معترض صاحب فقط اقوال ہی کو کافی اور وافی سمجھتے ہیں، ہم پوچھتے ہیں کہ ابن خزیمہ کا یہ قول ہمارے کس مصرف کا ہے اگر وہ کوئی کتاب تطبیق کی لکھ جاتے تو بیشک ہمارے کام آتی جس میں تطبیق ان دونوں صحیح حدیثوں کی بھی (کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بلا خوف مطر وغیرہ شہر میں دو نمازوں کو جمع کیا ہے، اور ابن مسعود فرماتے ہیں ہم نے سوائے مزدلفہ اور عرفہ کے اور کہیں جمع کرتے نہیں دیکھا) ہو جاتی۔

اسی طرح ایک صحیح حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے قبل نماز مغرب نفل پڑھنے کی روایت ہے اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ ہم نے کبھی کسی صحابی کو قبل مغرب نماز پڑھتے نہیں دیکھا ان دونوں میں بھی تطبیق دیتے باوجودیکہ دونوں صحیح ہیں، علیٰ ہذا القیاس، بہت ایسی احادیث ہیں جن میں اختلاف ہے، مگر ائمہ اربعہ نے بالکل خلاف اُٹھا دیا ہے خصوصاً مذہب حنفی میں تو حدیث کو مثل آئینہ کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقلدین اُن کے حدیث کو خوب سمجھتے ہیں۔

اور ظاہر یہ نے حدیث کا اصل مطلب نہیں پایا دوسری حدیث کیسی ہی صحیح ہو بخاری کی حدیث کے رو برو باوجود امکان اتفاق کے اُس حدیث سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور پیغمبر خدا ﷺ کی صحیح حدیث کا انکار کر بیٹھتے ہیں، اسی طرح بہت قواعد ان کے جمہور کے خلاف ہیں، جس کو ائمہ اربعہ سے خارج ہونا ہو وہ اُن کا مذہب اختیار کرے۔

پھر ہم حیران ہیں کہ اس میں معترض صاحب کو کون سی وجہ ترجیح کی نظر آئی کہ اپنے ہم عصر حصصیوں کی کتابیں دیکھنے کو ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اماموں کے اقوال سے فرار کرتے ہیں، کیا ائمہ کی تطبیق ابن خزیمہ کی تطبیق سے بھی کم تھی، جو حدیث مختلف کا مطلب ائمہ نے بتلایا ہے وہ کسی کو بھی نہیں سوجھا؟ اور قاعدے تو سب کتابوں میں لکھے ہوتے ہیں، چنانچہ طب کے قاعدے تمام کتابوں میں موجود ہیں ہندی کی چندی ہوگئی ہے ہر دوا کی خاصیت اور ماہیت اور افعال اور خواص بالتصریح موجود ہیں، اب یوں کہ دینا کہ فلاں فلاں کتاب دیکھ کر مطب کرنا مشکل نہیں بہت آسان ہے، مگر معترض صاحب اگر ان کتابوں کو دیکھ کر کوئی نسخہ کسی مریض کے واسطے لکھ دیں تو ہم سلام کریں، اور اگر بالفرض لکھ بھی دیں گے تو اُس نسخے کی اور سنکھیا (زہر قاتل) کی ایک خاصیت ہوگی۔

نیم حکیم خطرۂ جان اور لا مذہب خطرۂ ایمان

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کو علم شے کا ہوتا ہے جیسے علم طب تمام پڑھ جاوے مگر نسخہ بغیر مطلب دشوار ہے، پھر طبیبوں میں بھی فرق ہوتا ہے جتنا زیادہ ذکی اور قوی الحافظہ ہوگا اتنا ہی علم طب اور مطلب اُس کا عمدہ ہوگا اگر سب برابر ہوا کریں تو پھر بڑے طبیبوں کو کون پوچھے، خود کتابیں دیکھ کر دوائی لیا کریں جیسے آج کل کے نیم حکیم خطرہ جان ہیں ویسے ہی حضرات ظاہریہ خطرہ ایمان ہیں، دعویٰ یہ کچھ کہ جس سے بوئے اجتہاد پائی جائے اور علم ایسا کہ جس سے فاحش غلطی واقع ہو، غرض جتنا کسی شخص کا علم وسیع ہوگا اتنا ہی قول اُس کا بہ نسبت دوسرے کے زیادہ قوی ہوگا، ورنہ امام صاحب کی درایت اور امام بخاری کی روایت کو کوئی نہ دریافت کرتا اور علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "خیرات الحسان" کی فصل بست و ششم میں لکھتے ہیں "مَنْ يَطْلُبُ الْحَدِيْثَ وَلَا يَتَفَقَّهُ كَمَنْ يَجْمَعُ الْأَدْوِيَةَ وَلَا يَدْرِيْ مَنَافِعَهَا حَتّٰى يَجِيْءَ الطَّبِيْبُ كَمَا أَنَّ الْمُحَدِّثَ لَا يَعْرِفُ وَجْهَ حَدِيْثِهِ حَتّٰى يَجِيْءَ الْفَقِيْهُ" (۱) یعنی جو شخص حدیث طلب کرتا ہے اور فقیہ نہیں ہوتا مثل اُس شخص کے ہے کہ جمع کرے دواؤں کو اور نہ جانے منافع اُن کے یہاں تک کہ آوے طبیب کے یہاں جیسا کہ محدث نہیں پہچانتا معنی حدیث کی یہاں تک کہ فقیہ کے یہاں آوے انتہی۔

فقہاء کا اختلاف تو محدثین کے اختلاف سے کم ہے

فقہ کا اختلاف کچھ مضر نہیں اس لیے کہ اُس میں کتنا ہی اختلاف ہو مگر مسئلہ مفتٰی بہ سب حنفیہ کے نزدیک ایک ہی ہے الا ماشاء اللہ اور حدیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ جس قدر چاروں مذاہب میں بلکہ ائمہ ہر ایک کا ماخذ ایک حدیث ہے ورنہ اتنے مذاہب مختلف کیوں ہو جاتے؟ پس فقہ کا اختلاف حدیث کے اختلاف سے چوتھائی بلکہ اس سے بھی کم سمجھنا چاہیے، چنانچہ شرح مسلم میں موجود ہے اُس کو ملاحظہ کیجیے کوئی باب ایسا نہیں کہ جس میں کسی کا خلاف نہ ہو مگر یہ اختلاف کچھ معیوب نہیں، فقہ معترض صاحب کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وہ فقہ کا اختلاف حدیث کے اختلاف سے زیادہ بتلاتے ہیں اور یہ محض غلط ہے، البتہ چاروں مذہب کے فقہ کا اختلاف عجب نہیں کہ حدیث سے زیادہ ہو اور فقط ایک امام کے اختلاف فقہ کو زیادہ کہنا لغو بات ہے اور محض واہیات ہے۔

قال: بتلایے کہ متبع رائے ابوحنیفہ کا کس پر عمل کرے؟

اقول: مسئلہ مفتٰی بہ پر۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ بہ نسبت حدیث کی کتابوں کے فقہ کی کتابیں بڑی آسان ہیں اور بہت تحقیق اور کوشش سے بنائی گئی ہیں، سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات محض کذب اور دروغ ہے، اگر کوئی منصف بہ نظر تحقیق دیکھے تو عبارات حدیث کی متون فقہ مثل شرح وقایہ اور کنز اور ہدایہ وغیرہ سے لاکھ درجے آسان ہے الخ۔

۱۔۔۔۔۔۔خیرات الحسان لابن حجر۔

کشف کید نہم

اقول: جناب معترض صاحب تم نے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا ایسی رکیک اور ضعیف باتیں بیچارے حنفی کی طرف کیوں منسوب کردیں؟ اور جواب دینا اُن کو کیا ضرور تھا؟ شاید یہ فرضی صورتیں ہوں، فقہا نے فرضی مسائل نکالے ہیں تو معترض صاحب بھی تو تصدیق اجتہاد کے واسطے کوئی بات نکالیں، اور غرض اس اختراع سے یہ ہے کہ کوئی مقلد نہ پڑھے اور نہ اس پر عمل کرے، اگر ضرورت پڑے تو "مسک الختام" وغیرہ کتابیں امیر بھوپال کی اور "نیل الاوطار" وغیرہ تصانیف قاضی شوکانی زیدی کے جو مخالف مسلک جمہور علمائے اہل سنت کے ہے دیکھ لے اور جب کسی خاص مسئلے کی ضرورت پڑے تو انہیں کتابوں سے اجتہاد بھی کرلے۔

احادیث ہدایہ ہرگز موضوع نہیں

ہدایہ کی حدیث موضوع پر کسی مقلد کا عمل نہیں اور نہ اُس میں موضوع حدیثیں ہیں، چنانچہ فتح القدیر میں تو صحیح صحیح حدیثوں سے مسائل ہدایہ کو خوب قوت دیکر جبر نقصان کردیا ہے، مطلب ثبوت سے ہے کہیں ہو، البتہ ضعف اور صحت میں اختلاف ہوا کرتا ہے اس کا خود محدثین نے بھی اعتبار کیا ہے اور حدیث ضعیف پر باوجود پائے جانے صحیح کے عمل کرلیا ہے۔

ترمذی میں لکھا ہے "فَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَادًا وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ" (۱) یعنی کہا یزید بن ہارون نے کہ حدیث ابن عباس کی اسناد میں بڑی کھری ہے اور عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے انتہیٰ۔

پس تعجب ہے کہ خود تو صحیح کو محدثین چھوڑ کر ضعیف پر عمل کرلیں اور فقہا اگر ضعیف پر کسی وجہ سے عمل کرلیں تو قصوروار ٹھہریں ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں　　　ناصح خود یافتم کم در جہاں۔ (۲)

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ترک حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ ہمارے امام نے تمام مسائل حدیث ہی سے نکالے ہیں اور اُن کو سب حدیثیں پہونچ گئی تھیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا شخص بڑا کذاب اور بہت برے اعتقاد والا بیوقوف ہے، اس لیے کہ بڑے بڑے اصحاب رسول خدا ﷺ کے جو کہ اکثر اوقات حضرت ﷺ ہی کی صحبت میں رہتے تھے، اُن کو تو تمام حدیثیں ایک مدت تک پہنچی ہی نہیں تھیں، ان اماموں کو کیا پہونچی ہوں گی الخ۔

۱..... سنن الترمذی، کتاب النکاح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی الزوجین المشرکین

یسلم احدھما، ج: ۲، ۱۱۴۲، ص: ۳۵۵۔

۲..... دوسروں کو تو ہر کوئی نصیحت کرتا ہے مگر خود کو نصیحت کرنے والے دنیا میں بہت کم ہیں۔

کشفِ کید دہم

امام اعظم کا امام بخاری سے کم حدیث دانی کا الزام غلط ہے

اقول: حنفیہ کسی کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اس کو کل حدیثیں بالیقین پہونچی تھیں، خواہ امام صاحب ہوں یا امام مالک یا امام شافعی یا امام احمد یا امام بخاری یا امام مسلم کسی کی نسبت کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ اس کو سب حدیثیں پہونچ گئی تھیں، پس جس طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام صاحب کو کل حدیثیں پہونچ گئی تھیں، اسی طرح کوئی اس دعوے کو بھی نہیں ثابت کر سکتا کہ امام صاحب کو اس قدر حدیثیں نہیں پہونچی جس قدر امام بخاری وغیرہ کو پہونچی تھیں، پس معترض صاحب نے یہاں دو مغالطے دیئے ایک تو حنفیہ کی طرف سے کل حدیثوں کا دعویٰ کر دیا اور دوسرے اس کے جواب میں صحابہ کی حدیثیں بیان کر دیں، اور حجت اس پر یہ لائے کہ صحابہ اکثر اوقات رہتے تھے، جو بات معترض صاحب نے بیان کی من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد ہے ("فاسد کی بنیاد فاسد پر" کی قبیل سے ہے، ت) اکثر اوقات خود اس امر کا مقتضی ہے کہ کل حدیثیں صحابہ کو معلوم نہ ہوں، پھر یہ کہنا کہ مدت تک ان کو حدیثیں نہیں پہونچی تھیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ بعد مدت کے وہ حدیثیں پہونچ گئیں، چنانچہ خود اس کی تصریح کر دی ہے، پس امام صاحب کا زمانہ تو بہت بعد ہوا ہے اور کوفے میں بہت سے صحابہ آکر مقیم ہوئے تھے ان کا علم حدیث کہاں گیا؟ کیا ظاہر یہ نے سیکھا اور کسی کو میسر نہ ہوا؟! لہٰذا امام صاحب کو کہ تمام کوفے سے اعلم تھے بہت احادیث پہونچی ہوں گی، چنانچہ مسائل کی تحقیق میں امام صاحب کے مسانید میں اس قدر احادیث موجود ہیں کہ دوسرے کی کتاب میں اتنے نہیں ہیں، اور ہر حدیث جو ذرا بھی ایک گونہ مخالف ہو اس کو کہہ دینا کہ امام صاحب کو نہیں پہونچی محض بے دلیل بات اور رجم بالغیب ہے خدا ایسی سوء ظنی سے بچاوے ورنہ ہر امام کی حدیث دوسرے امام کی صحیح حدیث اور اجتہاد کے مخالف ہوں گے، حالانکہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس کے مخالف کسی کا قول موجود نہ ہو مگر یوں دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس کو صحیح حدیث نہیں پہونچی تھی، ہم بہت صحیح حدیثیں دیکھتے ہیں کہ ائمہ نے ان کو باوجود صحت کے ترک کر دیا ہے، کچھ محض صحت پر دار و مدار عمل کا نہیں ورنہ جمہور صحابہ سے خلاف حدیث صحیح کے کوئی امر مروی نہ ہوتا، پس اگر سب صحیح حدیثوں کو واجب العمل جانیں تو صحابہ کا عمل ان کے ضرور برخلاف موجود ہے جب صحابہ ہی خلاف کرنے لگے تو نعوذ باللہ موافق حدیث فقط ظاہر یہ اپنے خیال میں ہوں گے، اسی وجہ سے احادیث مرفوعہ میں صحابہ کے اعمال بھی ملحوظ خاطر ضرور ہیں، خصوصاً جو راوی اس حدیث کے ہوں اگر اس کے خلاف عمل کرتے ہوں گے تو وہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی، پھر اس میں ائمہ کے اقوال بھی ضرور دیکھنا چاہیے، کیونکہ اکثر احادیث کی ائمہ نے وہ توجیہ بیان کی ہے کہ گو ظاہر کے خلاف ہے، مگر غرض نبوی ﷺ بالیقین وہی معلوم ہوتی ہے، پس بے تحقیق صحیح حدیث پر عمل کر لینا حسن ظن تو ہے مگر حماقت اور تکبر سے خالی نہیں۔

در میر وزیر و سلطاں را بے وسیلت مگرد پیر امن

سگ و دربان چوں یافتند غریب این گریبانش گیرد آں دامن (١)

صحیح حدیث پر عمل نہ کرنا بھی بہ تقاضائے احتیاط ہے

حاصل یہ ہے کہ معترض صاحب دوسروں کے فرضی مغالطے نقل کرتے ہیں اور جواب کے ضمن میں خود مغالطے دیتے ہیں، بلکہ اُن کے جواب کا نام مغالطہ ہی سمجھنا چاہیے، عوام کو تو معلوم نہیں کہ حنفیہ کی حقیقت کار کیا ہے؟ اُن کی نظر مغالطوں پر ڈال کر ٹٹی کی آڑ میں اُن بیچاروں کو پھانس لیتے ہیں، اس کے بعد معترض صاحب نے سو مسئلے مخالف احادیث نقل کیے ہیں اور عقل کو بالائے طاق رکھ دیا ہے، چنانچہ ناظرین کو جواب سے معلوم ہوگا کہ یہ طعن ائمہ حدیث پر نہیں بلکہ اِس پردے میں معترض صاحب نے نبی پر طعن کیا ہے امام صاحب وغیرہم اس سے بالکل بری ہیں۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلد امام اعظم کے حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ بموجب حدیث "اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" (٢) یعنی پانی پاک ہے نہیں ناپاک کرتی اُس کو کوئی چیز۔ پانی کے لوٹے کے اندر اگر کوئی پیشاب ملاوے تو حدیث پر چلنے والے اُس کو ناپاک نہیں سمجھتے اور اُس سے وضو کرنا اور اُس کو پینا جائز جانتے ہیں، سو جواب اس کا دو طرح پر ہے اول یہ کہ یہ سراسر بہتان ہے حدیث پر چلنے والوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے، بلکہ اُن کا عقیدہ تو یہ ہے کہ پانی

١..... کسی امیر، وزیر اور بادشاہ کے دروازہ پر بغیر کسی ذریعہ اور وسیلہ کے مت چکر لگاؤ کیونکہ دربان اور کتا جب کسی اجنبی آدمی کو پاتے ہیں تو دربان گریبان پکڑتا ہے اور کتا دامن پکڑتا ہے۔

٢.....سنن ابو داؤد، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی بئر بضاعۃ، ح: ٦٦، ج: ١، ص: ٨٠ / سنن الترمذی: کتاب الطھارۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء ان الماء لا ینجسہ شیء، ح: ٦٦، ص: ٣١ / مسند الامام احمد:

حدیث	جزء	صفحة	حدیث	جزء	صفحة
٢١٠٠١	١	٢٣٥	٢١٠٠٢	١	٢٣٥
٢٥٦٦٦	١	٢٨٢	٢٨٠٦	١	٣٠٨
٢٨٠٧	١	٣٠٨	١١١٣٤	٣	١٥
١١٢٧٥	٣	٣١	١١٨٣٣	٣	٨٦
١١٨٣٦	٣	٦٨	٢٥٤٦٨	٦	١٧٢
٢٦٨٤٥	٦	٣٣٠			

......سنن النسائی، کتاب الطھارۃ، باب ذکر ما ینجس الماء و ما لا ینجسہ، ح: ٣٢٦، ج: ١، ص: ٧٤ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اگر قلتین کی مقدار یعنی سوا چھ من تول سے کم ہو تو پیشاب وغیرہ نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے اور اگر پانی قلتین کی مقدار یعنی تول میں سوا چھ من ہو تو جب تک کہ نجاست کے پڑنے سے اُس کا رنگ نہ متغیر ہو جاوے یا مزا نہ بگڑ جاوے یا بونہ آنے لگے تب تک پاک ہے اور دلیل اس کی یہ حدیث ہے الخ۔

کشف کید یازدہم

اقول: مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ مَخْرَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زِنْجِيًّا وَقَعَ فِيْ زَمْزَمَ فَمَاتَ فَأَنْزَلَ إِلَيْهِ رَجُلًا ثُمَّ قَالَ انْزِحُوْا مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ "(١) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک زنگی چاہ زمزم میں گر پڑا، پس مر گیا، پس اُتارا طرف اُس کے ایک شخص کو، پھر فرمایا سب پانی اس کا نکلوا دو انتہی۔

اور عبدالرزاق اور دار قطنی اور بیہقی اور طحاوی نے بھی اس حدیث کو ابن عباس اور ابن زبیر سے روایت کیا ہے اور چاہ زمزم قلتین سے بہت بڑا ہے، پس اگر مقدار قلتین نجس نہیں ہوتا تو دونوں صحابی جلیل القدر چاہ زمزم کا پانی نہ نکلواتے اور اس زمانے میں اور صحابی بھی موجود تھے سب نے سکوت کیا اور حدیث قلتین کی کسی نے پیش نہیں کی، پس سب کا اس پر اجماع ہوگیا۔ اور حدیث قلتین کی ضعیف ہے چنانچہ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے "قَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيْ وَهُوَ إِمَامُ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ وَشَيْخُ الْبُخَارِيْ إِنَّهُ مُخَالِفٌ لِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ فَإِنَّ الزِّنْجِيَّ وَقَعَ فِيْ بِئْرِ زَمْزَمَ فَأَمَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ الزُّبَيْرِ بِنَزْحِ الْمَاءِ كُلِّهِ بِحُضُوْرِ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُنْكِرْ مِنْهُمْ أَحَدٌ فَيَكُوْنُ حَدِيْثُ الْقُلَّتَيْنِ مُخَالِفًا لِلْإِجْمَاعِ "(٢) یعنی کہا ابن مدینی نے جو ائمہ حدیث کے امام اور بخاری کے استاذ ہیں کہ حدیث قلتین کی مخالف اجماع صحابہ کے ہے اس لیے کہ زنگی چاہ زمزم میں گر پڑا تھا تو ابن عباس اور ابن زبیر نے کل پانی نکالنے کا حکم صحابہ کی حضوری میں دیا تھا اور کسی نے اُس کا انکار نہیں کیا، پس حدیث قلتین کی مخالف اجماع ہوئی انتہی۔

اور امام شافعی نے جو کہا ہے کہ حدیث زنگی کی ابن عباس سے معلوم نہیں ہوتی اور اگر ثابت بھی ہو تو نجاست کچھ پانی میں آ گئی ہوگی یا بسبب احتیاط و نظافت کے کل پانی نکلوایا ہوگا، اور اسی طرح امام نووی شافعی نے جو کہا ہے کہ یہ خبر اہل کوفہ کو کیسے ہوگئی اور اہل

١..... مصنف ابن ابی شیبة: کتاب الطهارت، باب فی الفارة والدجاجة واشباههما تقع فی البئر، م ۱۷۲۲، ج: ۱، ص: ۱۶۰۔

...... مصنف میں الفاظ حدیث یوں مذکور ہیں: حدثنا عباد بن العوام عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن بن عباس ان زنجیا وقع فی زمزم فمات قال فانزل الیه رجلا فاخرجه ثم قال انزفوا ما فیها من ماء ثم قال للذی فی البئر ضع دلوك من قبل العین التی تلی البیت او الركن فانها من عیون الجنة (مكتبة الرشد - الریاض)۔

٢..... شرح مشكوة۔

کہ اُس سے خبردار ہوئے، اُس کا جواب امام ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ"یہ قول بایں طور مدفوع ہے کہ اُن کا نہ جاننا دین خدا میں دخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور ظاہر سوق عبارت اور لفظ راوی سے کہ" زنگی مرگیا، پس حکم دیا پانی نکالنے کا" یہ ہے کہ موت کی وجہ سے یہ حکم تھا نہ اور کسی نجاست سے، علاوہ اس کے اُن کے نزدیک تو نجاست کی وجہ سے بھی کنوئیں کا پانی نکالنا نہیں چاہیے، پھر اُن کے اور اِس حدیث کے درمیان میں قریب ڈیڑھ سو برس کا فاصلہ تھا، پس اُس شخص کا خبر دینا جس نے اِس واقعہ کو معلوم کیا اور ثابت کیا غیر کے نہ جاننے سے بہتر ہوگا، اور نووی کا یہ کہنا کہ یہ خبر اہلِ کوفہ کو کیونکر پہونچی اور اہلِ مکہ اُس سے جاہل رہے نہایت مستبعد ہے، بعد ظاہر ہوجانے طریق حدیث کے اور معارض ہے اُس قول کے جو امام شافعی نے امام احمد سے کہا تھا کہ تم اخبار صحیحہ ہم سے زیادہ جانتے ہو جب کوئی خبر صحیح ہو تو مجھ کو بتا دینا تا کہ میں کسی کوفی یا بصری یا شامی سے جا کر تحقیق کرلوں، پس امام شافعی نے کیوں نہیں کہا کہ اُن لوگوں کو کیسے وہ خبر پہونچ سکتی ہے کہ اہل حرمین اُس سے ناواقف ہوں؟ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ اور شہروں میں خصوصاً عراق میں چلے گئے تھے، کہا علامہ عجلی نے اپنی تاریخ میں کہ کوفے میں ڈیڑھ ہزار صحابہ اور قرقیسا میں چھ سو صحابہ جا بسے تھے" (۱) انتہی۔

اور علامہ عینی کا معترض صاحب نے جو قول نقل کیا ہے کہ مرسل حدیث ہمارے یہاں حجت ہے اس سے حنفیہ پر حصر نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اکثر کا یہی مذہب ہے کہ مرسل حدیث حجت ہوتی ہے، چنانچہ شرح مسلم میں ہے" وَذَهَبَ مَالِكٌ وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ وَأَحْمَدُ وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ إِلَى جَوَازِ الْاِحْتِجَاجِ بِالْمُرْسَلِ "(۲) یعنی امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور اکثر فقہا اس طرف گئے ہیں کہ مرسل حدیث سے حجت پکڑنی جائز ہے انتہی۔

اور حدیث قلتین کو بعض نے اگر باعتبار بعض اسناد کے صحیح کہہ دیا تو اس سے مطلقاً صحت کہاں سے لازم آئی؟ ضعف کے بہت وجوہ ہیں، متن اور اسناد کے اضطراب سے بھی ضعف ہوجاتا ہے علی ہذا القیاس راویوں کے مطعون ہونے سے اور اعتدال و تخریب اور تدلیس وشذوذ اور تصحیف و ابہام فی المتن اور علت وغیرہ سے بھی ضعف سمجھا جاتا ہے، فقط اسناد کے جید ہونے سے کیا کام چلتا ہے جب تک کہ یہ تمام وجوہ ضعف معدوم نہ ہوں، باقی رہا عمل کرلینا سو ضعیف حدیثوں پر برابر محدثین عمل کرتے آئے ہیں، اُن کے عمل سے صحت پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہے، دیکھو ترمذی میں لکھا ہے کہ رد نکاح ابو العاص بن ربیع کی حدیث جو عمرو بن شعیب سے روایت ہے اُس کو محدثین ضعیف کہتے ہیں، اور ابن عباس سے جو روایت ہے اُس کو قوی اسناداً کہا ہے اور پھر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے، پس عجب تماشے کی بات ہے کہ خود تو جس حدیث پر چاہیں عمل کرلیں اور صحیح حدیث کو چھوڑ دیں اور دوسروں پر اعتراض ہو۔

---

۱ ...فتح القدير، فصل في البئر، ج: ۱، ص: ۱۰۴ (دار الفكر، بيروت)۔

۲ ...شرح النووي على مسلم: مقدمة، باب صحة الاحتجاج بالحديث المعنعن اذا امكن لقاء المعنعنين ولم يكن فيهم مدلس، ج: ۱، ص: ۱۳۲ (دار احياء التراث العربي، بيروت)

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد (۱)

محمد بن اسحٰق وغیرہ کی روایت کو مقبول نہیں جانتے مگر جب اُن سے موافق اپنے مذہب کے روایت آتی ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہیں اور دوسرے جب اُسی راوی کی روایت بیان کرتے ہیں تو اپنے مذہب کی مخالفت کی وجہ سے اُس میں ضعف بتلا دیتے ہیں، اپنے آپ کتابیں اسماء الرجال کی تصنیف کی ہیں، جیسا مناسب سمجھا لکھ دیا اُس سے سند پیش کر دیتے ہیں کہ دیکھو! فلاں شخص نے اس راوی کو ضعیف لکھا ہے، گویا تمام دار و مدار دین کا صحت اور ضعف رواۃ پر قرار دیا ہے اور ائمہ کی تحقیق اور تلاش سب طاق پر رکھ دی وہ جس حدیث سے اخذ کریں اُس کو اپنی اصطلاح سے باطل کر دیتے ہیں، اور خود خواہ مفید کریں یا بیا سب کالوحي من السماء ہے کوئی حق و باطل کا بتانے والا نہیں، خصوصاً جہاں کہیں مثل نواب بھوپال کے کسی امیر کو لامذہب دیکھا تو وہاں روٹیوں کا مذہب اختیار کیا اور ہاں میں ہاں ملانے لگے، اور اُن کے ساتھ آپ بھی ائمہ مجتہدین پر تبرّے کا راگ گانے لگے۔ ؎

جو جفا کرتے ہو کہتے ہیں بجا کرتے ہو کوئی اتنا نہیں کہتا کہ یہ کیا کرتے ہو

تعجب ہے کہ حضرات ظاہریہ محض بوجہ تقلید صاحب معیار کے ضعیف حدیث پر عمل کر لیں اور مقلدین اگر اپنے امام کی صحیح حدیث پر عمل کریں تو وہ خلاف خدا و رسول ہو جائیں۔

حدیث قلتین کی تحقیق

قلتین کی حدیث کو حافظ ابن عبد البر اور قاضی اسمٰعیل اور ابوبکر بن عربی اور ابن مدینی شیخ بخاری اور ابوداؤد اور امام غزالی اور امام رویانی نے ضعیف کہا ہے، اور بنایہ میں لکھا ہے "قَالَ اِبْنُ حَزْمٍ لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيْ حَدِيْثِ الْقُلَّتَيْنِ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَحُدَّ مِقْدَارَ الْقُلَّتَيْنِ " (۲) یعنی کہا ابن حزم ظاہری نے کہ حجت اُن کی حدیث قلتین میں نہیں ہو سکتی اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے مقدار قلتین کی حد نہیں بیان کی تھی۔

پھر اس کی اسناد میں علیحدہ اضطراب اور متن میں الگ، کوئی دو قلہ اور کوئی تین قلہ اور کوئی چالیس قلہ اور کوئی چالیس غرب (۳) روایت کرتا ہے۔ پھر معنی بھی قلہ کے مختلف کوئی معنی خاص رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں، پھر بھی اس کو حجت کرنا اور فقط تابعی کے قول سے ایک معنی متعین کر لینا محض خانہ ساز باتیں ہیں، اور مقلدین کو بہکانے کی حکایتیں ہیں۔ ﴿وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾۔

قلال ہجر (۴) کی حدیث منقطع اور راوی مجہول ہیں

اور قلال ہجر کی حدیث جو امام شافعی سے منقول ہے اُس کی اسناد منقطع ہے اور راوی اُس کے مجہول ہیں اس لیے کہ

۱...... چور کتنا بہادر ہے جو ہاتھ میں چراغ بھی رکھتا ہے۔

۲...... البناية شرح هداية :فصل في الغسل باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به ، ج : ۱ ، ص : ۳۲۸ (دار الفكر، بيروت).

۳...... غرب: بڑا ڈول۔

۴...... ہجر: ایک گاؤں کا نام جہاں مٹکے بنائے جاتے تھے اور "قلال" "قلہ" کی جمع ہے۔ ڈول۔

امام شافعی یوں لکھتے ہیں "اَخْبَرَنِیْ مُسْلِمُ ابْنُ خَالِدٍ الزَّنْجِیْ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ بِاِسْنَادٍ لَا یَحْضُرُنِیْ "(۱) یعنی مجھ کو مسلم بن خالد نے ابن جریج کی روایت سے خبر دی ایسی اسناد سے جو مجھ کو یاد نہیں، انتہی۔

اور علامہ عینی لکھتے ہیں کہ ان کے اصحاب نے کہا کہ یہ حدیث نہ ان کو یاد ہوئی اور نہ کبھی یاد ہوگی اور شیخ تقی الدین کتاب امام میں لکھتے ہیں کہ اس میں دو امر ہیں، ایک یہ کہ جو اسناد ان کو یاد نہ تھی اُس کے رجال مجہول ہیں، پس وہ منقطع ہوئی پس اُس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی اور دوسرے یہ کہ قول اُن کا جو حدیث میں قلال ہجر کہا ہے اُس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ لفظ رسول اللہ ﷺ کا ہے، حالانکہ ابن جریج کی روایت میں قول غیر آنحضرت ﷺ کا ہے اور میں کہتا ہوں کہ ان کے شیخ مسلم بن خالد کو ایک جماعت نے کہ اُن میں سے بیہقی بھی ہیں ضعیف کہا ہے انتہی۔

اب غور کیجیے کہ جس حدیث میں اتنی علتیں پائی جائیں اُس کو حجت گردانا کسی طرح ممکن نہیں، خصوصاً حضرات ظاہریہ سے بہت بعید ہے ہاں! اگر تقلید کا اقرار کریں تو یہ بات اور ہے ظاہر یہ کیسا ہی تقلید کا انکار کریں مگر بغیر تقلید ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بات نہیں کہہ سکتے، اور تعجب ہے کہ اُنہوں نے صحیح حدیث کو جس میں پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت ہے اور ہاتھ ڈالنے سے نہی فرمائی ہے ضعیف حدیث سے خاص کر لیا، حالانکہ ہر ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا اور ہاتھ ڈالنا منع ہے جب تک کہ اُس کو ماء جاری کا حکم حاصل نہ ہو پس یہاں تو صریح حدیثیں بخاری اور مسلم کی موجود تھیں اور خود امام بخاری اور ابوداؤد کے استاذ ابن مدینی جو علل حدیث کی مہارت تام رکھتے ہیں، اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں پھر بھی حضرات ظاہریہ نے فقط بوجہ اصرار صاحب معیار ایسی تقلید جامد کو کام فرمایا ہے کہ صحیحین کی حدیثوں کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔

دہ دردہ کی کوئی مقدار متعین نہیں

دہ دردہ جو حضرت صاحب نے بیان کیا وہ مذہب امام محمد کا تھا پھر اُس سے انہوں نے رجوع کر لیا، چنانچہ فتح القدیر میں لکھا ہے "قَالَ الْحَاکِمُ قَالَ اَبُوْ عِصْمَةَ کَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ یُوَقِّتُ فِیْ ذٰلِکَ عَشْرَةً فِیْ عَشْرَةٍ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ لَا اُوَقِّتُ شَیْئًا "(۲) یعنی کہا حاکم نے کہا ابوعصمہ نے کہ امام محمد اس میں دہ دردہ کی مقدار متعین کرتے تھے، پھر انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع کیا اور کہا میں کوئی مقدار معین نہیں کرتا انتہی۔

پس امام صاحب تو اسی وجہ سے مقدار معین نہیں کرتے اور رائے مبتلی پر چھوڑتے ہیں کہ شرع میں کوئی مقدار معین نہیں آئی اور یہی حنفیہ کے نزدیک مذہب صحیح اور قوی ہے، چنانچہ ابن ہمام اور شمس الائمہ وغیرہ نے تصریح کر دی ہے اور کرخی اور صاحب غایہ و ینابیع وغیرہم کا یہی مسلک مختار ہے، پس حنفیہ سے دہ دردہ کی حدیث طلب کرنی غایت درجہ کی حماقت اور جہالت ہے، البتہ

---

۱ ... مسند الشافعی، ح: ۷۹۹، ج: ۱، ص: ۱۶۵ (دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

۲ ..... فتح القدیر، فصل فی الغسل، ج: ۱، ص: ۷۸۔ فتح القدیر میں: لا اوقت فیہ شیئا (لفظ فیہ) اکثر ہے۔

اگر حنفیہ اس امر کا اشتہار دیں کہ ظاہر یہ قلتین کی حدیث کی سوائے اسناد کے اور سب وجوہ سے صحت ثابت کر دیں یا ڈھائی مشکیں کسی حدیث صحیح یا ضعیف سے ثابت کر دیں تو دس ہزار روپیہ انعام حق سعی کے مستحق ہونگے، تو بیشک ان کو زیبا ہے اور دس ہزار کیا اگر بیشمار روپیہ صرف کریں گے تو بھی ممکن نہیں کہ حضرات ظاہریہ قلتین کی حدیث کی صحت جمیع الوجوہ ثابت کر دیں، اور وہ بیچارے کس شمار میں ہیں کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا اگر مشرق اور مغرب کے تمام علماء جمع ہو جائیں تو بھی صحت ثابت نہیں کر سکتے اور حدیث "اَلْمَآءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" کو اگر خاص بیر بضاعہ میں لیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ پانی باغوں میں جاری تھا اور جاری پانی ناپاک نہیں ہوتا اور اگر اعتبار عموم الفاظ کا کیا جائے تو یہ حدیث اس صحیحین کی حدیث سے جس میں پیشاب کی ممانعت اور ہاتھ ڈالنے کی نہی وارد ہے منسوخ ہو جائیگی، غرض حنفیہ پر اس میں کوئی اعتراض نہیں، البتہ اعتراض اُن پر ہے جو خلاف حکم خدا اور رسول اپنی طرف سے قلہ کے معنے متعین کر لیتے ہیں اور اُس کو حدیث ٹھہراتے ہیں۔

پھر مزید کی براں مذہب حق پر اعتراض بھی کرنے کو موجود ہو جاتے ہیں، یا اللہ میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا یہ ہرگز عقیدہ نہیں کہ کسی امام نے حدیث اور قرآن کا خلاف کیا اور تیں کسی کو سلف اور خلف میں سے بُرا جانتا ہوں، حضرات ظاہریہ کے توہمات فاسدہ سے سب بری تھے ان کے بُرا کہنے سے وہ ہرگز بُرے نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ خود آپ بُرے ہیں۔ ؎

دشنام اگر یونہی مجھے دے گا تو رات دن بگڑے گا کیا مرا تری ہوگی زباں خراب

قال: علاوہ اس کے حنفیہ کس منہ سے قلتین کی حدیث کو مضطرب کہتے ہیں، ان کے امام کے نزدیک تو جس قدر ضعیف اور مرسل حدیثیں ہیں سب عمل کے لائق ہیں، چنانچہ "عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ" میں لکھا ہے "وَمِمَّا يُرْوٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ آرَاءِ الرِّجَالِ الخ (۱)۔

کشف کید دوازدہم

مؤلف ظفر تو عقود الجواہر کی عبارت بھی نہیں سمجھ سکے

اقــــول: سبحان اللہ! واہ! مؤلف صاحب کی عبارت دانی اور معنی فہمی کا حال اور استعداد علمی کا کمال معلوم ہو گیا سچ ہے۔ ؎

اگر ہوتا زمانے میں حصول علم بے محنت تو بس ساری کتابیں ایک جاہل دھو کے پی جاتا

اس "عقود الجواہر" کی عبارت سے استدلال حنفیہ کے عمل کرنے پر ساتھ حدیث ضعیف کے مطلقاً ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا، بلکہ اس عبارت سے تو فرقہ ظواہریہ اور گروہ وہابیہ کے قول کی رد نکلتی ہے کہ وہ بمقابلہ اپنے عامل بالحدیث ہونے کے تعصباً اور طنزاً امام صاحب اور مقلدین حنفیہ کو عاملین بالرائے اور اہل الرائے سے شمار کرتے ہیں سو اس عبارت میں امام صاحب کی طرف سے ذکر

---

(۱)..... عقود الجواہر المنفیہ: ج: ۱، ص: ۸ (المطبعۃ الوطنیۃ بثغر سکندریۃ)۔

کا جواب یہ کہ ہم ایسے عامل بالحدیث اور کلام رسول اللہ ﷺ کو دوست رکھنے والے ہیں کہ اگر حدیث ضعیف بھی ہو تو بھی ہم اُس کو بمقابلہ آراء رجال کے بہتر جانتے ہیں اور مانتے ہیں نہ یہ کہ صحیح اور قوی احادیث کو چھوڑ کر محض رائے پر چلیں۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مولوی بدیع الزماں لامذہب مگر کالی مذہب وغیر مقلد مگر مقلد نواب صاحب امیر بھوپال نے اپنی کتاب "فتح المبین علی رد مذاھب المقلدین" مطبوع لاہور میں از راہ تعصب اور نفسانیت کے جا بجا لکھا ہے کہ مقلدین نے سنن صحیحہ صریحہ اور نصوص قطعیہ محکم کو ردکر دیا اور چھوڑ دیا ہے، حالانکہ اس کے مصداق پورے پورے لامذہب ہیں نہ مقلدین، انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کا جواب بھی بعد اس تحکمن عنقریب ہم لکھیں گے اور ساری قلعی ان لامذہبوں کے مکائد کی کھول دیں گے۔

مثل رقیب جھوٹ کے ہم آشنا نہیں جو راست راست بات ہو کہہ دیں ہزار میں

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جو کہ مجتہدوں کو نہ ملا ہو، یا انہوں نے کسی مسئلے پر قرآن وحدیث کے خلاف عمل کیا ہو، سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے اگر کوئی شخص تامل کرے تو اکثر پاوے گا کہ ایک طرف تو حدیث صحیح ہے اور ایک طرف رائے امام کی ہے اُس حدیث صحیح کے مخالف اور فتویٰ امام کی رائے پر ہے، چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے چند قول اُن کے یہاں نقل کرتا ہوں دیکھ لیجئے، مسئلہ اول اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف قرآن اور حدیث کے یہ ہے جو کہ فقہ اکبر اور شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے "اَلْاِیْمَانُ ھُوَ الْاِقْرَارُ وَالتَّصْدِیْقُ وَاِیْمَانُ اَھْلِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ " (۱) یعنی ایمان اقرار ہے اور تصدیق ہے اور ایمان اہل آسمان وزمین کا نہ کبھی زیادہ ہوتا اور نہ کبھی کم ہوتا انتہی۔

امام اعظم نے خلاف کیا ہے اس مسئلے میں کلام اللہ کی صریح کئی آیتوں کا بھی اور حدیثوں کا بھی اس لیے کہ ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا﴾ (۲) یعنی جب پڑھی جاتی ہیں اوپر ان کے نشانیاں اُس کی زیادہ کرتی ہیں اُن کو ایمان۔

کشف کید سیزدہم

ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے

اقول: یہاں نزاع لفظی ہے اس میں مخالفت قرآن اور حدیث کی مطلق نہیں پائی جاتی، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایمان کے معنی جیسا کہ متاخرین حنفیہ کے کتب میں ہیں فقط تصدیق قلبی کے ہیں اور اقرار کو احکام معاملات دنیوی میں ضروری اور داخل

---

۱ ...الفقہ الاکبر: ص: ۵۵ (مکتبۃ الایمان، القاھرۃ)۔ ، شرح عقائد نسفی: جزء۱ ص: ۷۱۔

۲ ..... الانفال: آیت: ۲۔

ایمان جانتے ہیں، چنانچہ آیاتِ قرآنی اس پر شاہد ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ﴾ (۱) یعنی یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثابت کر دیا ہے ﴿وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ﴾ (۲) یعنی دل اُس کا مطمئن ہے ساتھ ایمان کے ﴿وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (۳) یعنی نہیں داخل ہوا ایمان تمہارے دلوں میں ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا﴾ (۴) یعنی کہا بدوی نے جو منافق تھا ایمان لائے ہم تو کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے دل سے لیکن کہو کہ اسلام لائے ہم یعنی ظاہر میں منقاد و مطیع ہو گئے، اور احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اسامہ سے جس وقت انہوں نے قتل کیا ایک شخص کو کہ اُس نے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا تھا "هَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ فَنَظَرْتَ أَصَادِقٌ هُوَ أَمْ كَاذِبٌ؟" (۵) یعنی کیوں نہ چیر کر دیکھ لیا تو نے دل اُس کا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟ "وَالْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ" (۶) یعنی ایمان یہ ہے کہ تصدیق کرے تو اللہ کی اور اُس کے فرشتوں کی اور اُس کی کتابوں کی اور اُس کے رسولوں کی۔

یہ چند آیتیں اور حدیثیں ہم نے لکھ دی ہیں ورنہ اور بہت سی سندیں قرآن اور حدیث میں اُس کی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا تعلق قلب ہی سے ہے اور امامِ اعظم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک ایمان عبارت ہے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ زبانی سے، اور محدثین کے نزدیک ایمان کے معنی تصدیق اور اقرار اور عمل کے ہیں اور قرآن اور حدیث میں بھی ایمان بایں معنی آیا ہے، اسی وجہ سے حنفیہ اور شافعیہ میں اختلاف ہوا کہ آیا ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے یا نہیں؟ پس محدثین چونکہ عمل کو بھی داخلِ ایمان کر چکے تھے اس لیے وہ زیادتی اور کمی ایمان کے قائل ہوئے، چنانچہ اس آیت کو وہ اپنے قول کی سند لاتے ہیں امام رازی شافعی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں "فَقَدِ احْتَجُّوْا بِهٰذِهِ الْآيَةِ مِنْ وَجْهَيْنِ الْأَوَّلُ أَنَّ قَوْلَهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْإِيْمَانَ يَقْبَلُ الزِّيَادَةَ وَلَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِبَارَةً عَنِ الْمَعْرِفَةِ وَالْإِقْرَارِ لَمَا قَبِلَ الزِّيَادَةَ" (۷) یعنی حجت پکڑی ہے انہوں نے

۱..... المجادلة: آیت: ۲۲۔ ۲..... النحل: آیت: ۱۰۶۔ ۳..... الحجرات: آیت: ۱۴۔

۴..... الحجرات: آیت: ۱۴۔ ۵..... المعجم الکبیر للطبرانی: باب الجیم، جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی، حدیث: ۱۶۷۲۳، ج: ۲، ص: ۱۷۶ (مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل)۔

۶..... صحیح البخاری: کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان و علم الساعۃ وبیان النبی ﷺ لہ ثم قال جاء جبرئیل علیہ السلام یعلمکم دینکم فجعل ذالک کلہ دینا وما بین النبی ﷺ لوفد عبد القیس من الایمان وقولہ تعالی و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ، ج: ۱، ص: ۱۵۔ (الایمان ان تؤمن باللہ و ملٰئکتہ وبلقائہ ورسلہ) ان الفاظ کے ساتھ صحیح البخاری میں مذکور ہیں۔

..... صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان ووجوب الایمان باثبات قدر اللہ سبحانہ وتعالی وبیان الدلیل علی التبری ممن لا یؤمن بالقدر واغلاظ القول فی حقہ، ج: ۱، ص: ۲۵۔ صحیح مسلم میں (ان تؤمن باللہ وملٰئکتہ وکتابہ ولقائہ ورسلہ وتؤمن بالبعث الآخر) یہ الفاظ مذکور ہیں۔

۷..... تفسیر الرازی المسمی بہ مفاتیح الغیب: سورۃ الانفال، ج: ۱۵، ص: ۹۷۔

اس آیت کو دو وجہوں سے، اول یہ کہ قول اللہ تعالیٰ کا ﴿وَّزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا﴾ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان زیادتی قبول کرتا ہے اور اگر ایمان عبارت ہوتا تصدیق اور اقرار سے، تو البتہ زیادتی نہ قبول کرتا تھی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو معنی ایمان کے امام صاحب لیتے ہیں وہ ہرگز زیادتی اور کمی قبول نہیں کر سکتے جتنی آیتیں آپ نے بیان کیں سب میں ایمان سے ارکان ثلاثہ مذکورہ مراد ہیں، اگر یہ معنی ایمان کے آپ مراد لیتے ہیں تو بجا ہے، سوان معنوں سے امام صاحب ایمان کی کمی اور بیشی کا انکار نہیں کرتے اور اگر صرف تصدیق یا مجموع اقرار و تصدیق کے معنی لیے جائیں جیسا کہ مذہب امام صاحب کا ہے تو معنی آیت کے یہ ہوں گے جو تفسیر کبیر میں لکھے ہیں اور امام صاحب سے بھی یہی معنی منقول ہیں "وَالْوَجْهُ الثَّانِيْ مِنْ زِيَادَةِ التَّصْدِيْقِ اَنَّهُمْ يُصَدِّقُوْنَ بِكُلِّ مَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَلَمَّا كَانَتِ التَّكَالِيْفُ مُتَوَالِيَةً فِيْ زَمَنِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُتَعَاقِبَةً فَعِنْدَ حُدُوْثِ كُلِّ تَكْلِيْفٍ كَانُوْا يَزِيْدُوْنَ تَصْدِيْقًا وَاِقْرَارًا وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ مَنْ صَدَّقَ اِنْسَانًا فِيْ شَيْئَيْنِ كَانَ تَصْدِيْقًا لَهُ اَكْثَرَ مِنْ تَصْدِيْقِ مَنْ صَدَّقَهُ فِيْ شَيْءٍ وَّاحِدٍ وَقَوْلُهُ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا مَعْنَاهُ اَنَّهُمْ كُلَّمَا سَمِعُوْا اٰيَةً جَدِيْدَةً اَتَوْا بِاِقْرَارٍ جَدِيْدٍ فَكَانَ ذٰلِكَ زِيَادَةً فِي الْاِيْمَانِ وَالتَّصْدِيْقِ"(۱) یعنی دوسری وجہ زیادتی تصدیق کی یہ ہے کہ وہ تصدیق کرتے ہیں کل اس شے کی جو پڑھی جاتی ہے ان پر اللہ کی طرف سے اور جبکہ تھیں تکلیفیں زمانہ رسالت پناہ میں پے در پے اور یکے بعد دیگرے، پس وقت حدوث ہر تکلیف کے زیادہ کرتے تھے وہ تصدیق اور اقرار اور ظاہر ہے کہ جو شخص تصدیق کرے کسی انسان کی دو امر میں زیادہ ہے یہ تصدیق اس شخص کی تصدیق سے کہ ایک امر میں تصدیق کرے اور قول جناب باری ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ﴾ الآیۃ معنی اسکے یہ ہیں کہ جب وہ سنتے ہیں کوئی آیت جدید کرتے ہیں اقرار جدید، پس ہوگی یہ زیادتی ایمان میں اور تصدیق میں۔

دوسری جگہ کہتے ہیں "وَالْمَعْرِفَةُ وَالْاِقْرَارُ لَا يَقْبَلَانِ التَّفَاوُتَ"(۲) یعنی تصدیق اور اقرار کمی بیشی قبول نہیں کرتے اور جس صفحے کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں تو انہوں نے بلکہ اور کسی جگہ کہیں ان معنوں سے جو امام صاحب کہتے ہیں ہرگز کمی اور بیشی کو نہیں لکھا بلکہ منع کیا ہے، چنانچہ عبارت انکی نقل کی گئی، اور جس جگہ تفسیر کبیر میں ہم نے دیکھا نزاع لفظی پائی، ہاں! اب گفتگو اتنی باقی ہے کہ امام صاحب ان معنوں کے کیوں قائل ہوئے جو ان کو معنی مجازی لینا پڑا؟ سو جواب اس کا یہ ہے کہ امام صاحب کے معنی اکثر آیات اور احادیث سے مطابق ہیں اگر یہاں یہ معنی لیتے تو دوسری جگہ مجاز لینا پڑتا، جیسا کہ شافعیہ لیتے ہیں، بلکہ میری رائے میں امام صاحب کا مذہب اس باب میں بہت درست معلوم ہوتا ہے اگر منظور اختصار نہ ہوتا تو دونوں طرف کے دلائل

۱..... تفسیر الرازی المسمی ب مفاتیح الغیب: سورۃ الانفال، ج:۱۵، ص:۹۶۔

۲..... تفسیر الرازی المسمی ب مفاتیح الغیب: سورۃ الانفال، ج:۱۵، ص:۹۷۔

لکھتا، پھر معلوم ہو جاتا کہ کس کی رائے قرآن وحدیث سے زیادہ موافق ہے مگر دو چار سندیں اس لیے لکھ دیں کہ کوئی صاحب اس کو عجز پر محمول نہ کریں، اب رہی حدیث سو اس میں کہیں تصریح نہیں کہ ایمان بمعنی تصدیق کے زیادہ اور کم ہوتا ہے بلکہ خود آپ کی سند میں جو بخاری سے لائے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بمعنی قول اور فعل کے زیادہ ہوتا ہے، علاوہ اس کے اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں، چنانچہ فتح الباری شرح بخاری میں اسی مقام پر لکھا ہے کہ یہ لفظ سلف سے وارد ہے قول نبی ﷺ سے کہنا وہم ہے اور مراد بخاری کی بھی یہ نہیں ہے بلکہ عطف اس کا بخاری کی عبارت میں قول نبی پر ہے نہ پر نہیں گو یہ حدیث اسناد ضعیف سے وارد ہوئی ہے انتہی۔

اور شیخ الاسلام علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں" قَالَ الْاِمَامُ هٰذَا الْبَحْثُ لَفْظِيٌّ لِاَنَّ الْمُرَادَ بِالْاِيْمَانِ اِنْ كَانَ هُوَ التَّصْدِيْقُ فَلَا يَقْبَلُهُمَا وَاِنْ كَانَ الطَّاعَاتِ فَيَقْبَلُهُمَا فَكُلُّ مَاقَامَ مِنَ الدَّلِيْلِ عَلٰى اَنَّ الْاِيْمَانَ لَا يَقْبَلُهُمَا فَهُوَ مَصْرُوْفٌ اِلٰى اَصْلِ الْاِيْمَانِ وَكُلُّ مَادَلَّ عَلٰى اَنَّ الْاِيْمَانَ يَقْبَلُهُمَا فَهُوَ مَصْرُوْفٌ اِلَى الْكَامِلِ وَهُوَ مَقْرُوْنٌ بِالْعَمَلِ "(۱) یعنی کہا امام صاحب نے یہ بحث لفظی ہے اس لیے کہ مراد ایمان سے اگر فقط تصدیق ہے تو یہ زیادتی اور کمی نہیں قبول کرتی، اور اگر طاعت ہے تو یہ کمی اور بیشی قبول کرتی ہے، پس جو دلیل قائم ہو اس پر کہ ایمان کمی اور بیشی قبول نہیں کرتا مراد اس سے اصل ایمان ہے اور جو دلیل ایمان کی کمی اور بیشی پر دلالت کرتی ہو اس سے مراد ایمان کامل ہے جس میں عمل داخل ہے انتہی۔

اور مجد الدین فیروز آبادی شافعی مذہب لکھتے ہیں وانچہ مشہور ست کہ" اَلْاِيْمَانُ قَوْلٌ وَّعَمَلٌ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ وَالْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ "(۲) از آنحضرت ﷺ دریں معنی چیزے صحیح نشدہ و آں از اقوال صحابہ و تابعین ست" یعنی جو کہ مشہور ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے زیادہ اور کم ہوتا ہے اور ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم آنحضرت ﷺ سے اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں آئی بلکہ اقوال صحابہ اور تابعین سے ہے انتہی۔

اور شیخ الصمد شارح سفر السعادۃ بھی جن کی آپ سند لائے ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ" حاصل کلام تحقیق یہی ہے کہ دونوں طرف کوئی حدیث صحیح نہیں آئی اور جتنے اقوال آپ نے نقل کیے ہیں ذرا غور سے اس میں ملاحظہ فرمائیے کہیں یہ لکھا ہے کہ ایمان بمعنی تصدیق یا تصدیق مع الاقرار زیادہ اور کم ہوتا ہے؟ بلکہ اس کی تصریح کردی ہے کہ قول اور عمل ہی زیادہ اور کم ہوتا ہے، چنانچہ غنیۃ الطالبین کی عبارت جو آپ لکھتے ہیں اس میں بھی تصریح کردی ہے کہ ایمان اقرار لسانی اور تصدیق جنانی اور عمل ارکانی ہے

۱.....عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الایمان و قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس، ج ۱، ص ۲۸۸۔ عمدۃ القاری کے الفاظ یہ ہیں: (قال الامام هذا البحث لفظی لان المراد بالایمان ان کان هو التصدیق فلا یقبلهما وان کان الطاعات فیقبلهما ثم قال الطاعات مکملة للتصدیق فکل ما قام من الدلیل علی ان الایمان لا یقبل الزیادۃ والنقصان کان مصروفا الی اصل الایمان الذی هو التصدیق و کل ما دل علی کون الایمان یقبل الزیادۃ والنقصان فهو مصروف الی الکامل و هو مقرون بالعمل)۔

۲.....شرح سفر السعادۃ۔

زیادہ ہوتا ہے بندگی سے اور ناقص ہوتا ہے گناہ سے اور قوی ہوتا ہے علم سے اور ضعیف ہوتا ہے جہل سے انتہی"۔

اور سلف کی عبارت میں جو قول وعمل فقط آیا ہے تصدیق کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل سے مراد عام ہے خواہ جوارح سے ہو خواہ قلب سے، چنانچہ تصریح اس کی شرح سفر السعادۃ میں کر دی گئی ہے۔

مؤلف صاحب کا مجمع البحار کی عبارت میں تصرف

مجمع البحار کی عبارت جو آپ نے نقل کی ہے اس عبارت کے آگے وجہ موافقت بھی موجود ہے اس کو آپ نے کیوں قلم انداز فرمایا؟ چنانچہ وہ عبارت یہ ہے "إلَّا المُحَقِّقِينَ مِنْهُمْ فَإِنَّهُمْ قَالُوا نَفْسُ التَّصْدِيقِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ وَالْإِيمَانُ الشَّرْعِيُّ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ بِزِيَادَةِ ثَمَرَاتِهِ وَبِهِ التَّوْفِيقُ بَيْنَ ظَوَاهِرِ النُّصُوصِ وَأَقَاوِيلِ السَّلَفِ" (۱) یعنی مگر محققین ان میں سے پس تحقیق کہا انہوں نے صداق تصدیق کا نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم اور ایمان شرعی زیادہ اور کم ہوتا ہے اپنے ثمرات کی زیادتی کے سبب سے اور اس سے موافقت درمیان ظاہر نص اور اقوال سلف کے ہو گئی انتہی۔

باقی رہا قول صاحب تفسیر فتح البیان کا جو ہم عصر اور مربی آپ کے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خود اسی صفحے میں لکھتے ہیں "وَالْمُرَادُ بِزِيَادَةِ الْإِيمَانِ هُوَ زِيَادَةُ انْشِرَاحِ الصَّدْرِ وَطُمَانِينَةِ الْقَلْبِ وَانْثِلَاجِ الْخَاطِرِ" (۲) یعنی مراد زیادتی ایمان سے زیادتی کشادگی سینہ کی ہے اور اطمینان قلب کا اور شگفتہ ہونا خاطر کا ہے انتہی۔ سو اس زیادتی کے حنفیہ بھی قائل ہیں، چنانچہ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں لکھا ہے "فَالتَّحْقِيقُ أَنَّ الْإِيمَانَ كَمَا قَالَ الْإِمَامُ الرَّازِيُّ لَا يَقْبَلُ الزِّيَادَةَ وَالنُّقْصَانَ مِنْ حَيْثِيَّةِ أَصْلِ التَّصْدِيقِ لَا مِنْ جِهَةِ الْيَقِينِ فَإِنَّ مَرَاتِبَ أَهْلِهَا مُخْتَلِفَةٌ فِي كَمَالِ الدِّينِ" (۳) یعنی تحقیق یہ ہے کہ ایمان جیسا کہ امام رازی نے کہا ہے زیادتی اور نقصان کو باعتبار اصل تصدیق کے قبول نہیں کرتا، البتہ باعتبار یقین کے کمی بیشی ہوتی ہے اس لیے کہ مراتب اہل یقین کے مختلف ہیں کمال دین میں انتہی۔

اس عبارت کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں، چنانچہ اس پر کلام الٰہی بھی دلالت کرتا ہے ﴿قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ (۴) اس لیے کہ مراتب عین الیقین کے رتبہ علم الیقین سے فوق ہیں، اسی واسطے آیا ہے کہ سنا مثل دیکھنے کے نہیں ہوتا، اگرچہ بعضوں کا قول ہے کہ اگر حجاب بھی اٹھا دیا جاوے تو بھی یقین زیادہ نہ ہو، یعنی اصل یقین زیادہ نہ ہو بوجہ مطابقت علم الیقین کے اور یہ منافی نہیں زیادتی یقین کو وقت دیکھنے کے، چنانچہ مشاہدہ کیا گیا ہے واسطے اس شخص کے کہ علم ہو اس کو خانہ کعبہ کا غیب میں، پھر اس کو مشاہدہ اس کا ہو حضوری میں، پس اس بنا پر مراد زیادتی نقصان سے قوت اور ضعف ہے اس لیے کہ تصدیق ساتھ طلوع آفتاب کے قوی تر ہے تصدیق سے ساتھ حدوث عالم کے اگرچہ دونوں مساوی

۱..... مجمع البحار۔

۲..... تفسیر فتح البیان۔

۳..... شرح الفقہ الاکبر، ص: ۱۶۶۔

۴..... البقرۃ، آیۃ: ۲۶۰۔

ہیں اصل تصدیق مُؤمَنٌ بِہٖ میں یعنی جس کے ساتھ تصدیق کی گئی ہے انتہی۔

اسکے آگے لکھتے ہیں" فَالْخِلَافُ لَفْظِیٌّ "(۱) یعنی اختلاف اس میں لفظی ہے حقیقی اختلاف نہیں انتہی۔

ایمان کے کم وبیش نہ ہونے کا واضح ثبوت قرآن وحدیث سے

"الرد المعقول علی المنہج المقبول" میں لکھا ہے کہ تحقیق نفس ایمان کم وبیش نہیں ہوتا نزدیک عام حنفیہ کے، لیکن فرق اس میں باعتبار قوت اور ضعف کے ہے، اس لیے کہا ایمان عبارت ہے تصدیق قلبی سے کہ حد اذعان کو پہونچ جاوے اور اس میں زیادتی اور کمی متصور نہیں، حتیٰ کہ جس کو حقیقت تصدیق کی حاصل ہو جائے خواہ وہ عبادت کرے خواہ گناہ، تصدیق اس کی برحال خود باقی رہے گی اس میں کچھ تغیر نہیں آتا ہے اور دلیل ہماری قول جناب باری ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ﴾(۲) یعنی جس وقت کہا ابراہیم نے اے رب میرے دکھا مجھ کو تو مردے کو کیسے زندہ کر دیتا ہے؟ کہا کیا تو ایمان نہیں لایا؟ کہا ابراہیم نے ایمان تو لایا ہوں مگر دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔

پس اگر ایمان زیادتی اور نقصان قبول کرتا تو جواب ابراہیم کا "وَلٰكِنْ لِیَزِیْدَ اِیْمَانِیْ" ہوتا یعنی مگر اس لیے کہ زیادہ ہو جائے ایمان میرا، پس قول ابراہیم کا ﴿لِیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ﴾ دلیل بیّنی ہے اس پر کہ نفس ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم البتہ اطمینان سے تصدیق اصلی کو تقویت ہوتی ہے، اسی طرح قول اللہ تعالیٰ کا ﴿اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ﴾(۳) یعنی یہی ہیں جن کے دلوں میں حق تعالیٰ نے ایمان ثابت کر دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ثبت زیادہ اور کم نہیں ہوتا علیٰ ہذا القیاس قول رسالت مآب کا حدیث ابو سعید میں جو نہی عن المنکر میں وارد ہے "وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ" دلالت کرتا ہے اس پر کہ ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم، لیکن قوی اور ضعیف ہوتا ہے جیسا کہ مذہب حنفیہ کا ہے انتہی۔

اور جوامع قادریہ میں لکھا ہے ﴿وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ﴾ دلیل بیّنی ہے کہ ایمان کم وبیش نہیں ہوتا لیکن بسبب اطمینان کے قوی ہو جاتا ہے، چنانچہ یہی مذہب ہمارا ہے انتہی۔

اور "الدر الازہر شرح الفقہ الاکبر" میں ہے "اِنَّ الْاِیْمَانَ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ حَیْثُ اَصْلِ التَّصْدِیْقِ وَالْاِذْعَانِ اِلَّا اَنَّهٗ یَقْوٰی وَیَضْعُفُ مِنْ جِهَةِ الْیَقِیْنِ "(۴)۔ یعنی تحقیق ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے باعتبار اصل تصدیق اور اذعان کے، مگر تحقیق قوی اور ضعیف ہوتا ہے باعتبار یقین کے انتہی۔

البتہ محدثین کے قول پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ جب عمل بھی داخل ایمان ہوا تو چاہیے کہ بدون عمل ایمان محقق نہ ہو، سوال

۱.....الرد المعقول علی المنہج المقبول۔
۲.....البقرۃ، آیت: ۲٦۰۔
۳.....المجادلۃ، آیت: ۲۲۔
۴.....الدر الازہر شرح الفقہ الاکبر۔

کا جواب کشاف اصطلاحات الفنون میں موجود ہے" قَالَ الْاِمَامُ هٰذِهٖ فِيْ غَايَةِ الصُّعُوْبَةِ لِاَنَّ الْعَمَلَ اِذَا كَانَ رُكْنًا لَا يَتَحَقَّقُ الْاِيْمَانُ بِدُوْنِهٖ فَغَيْرُ الْمُؤْمِنِ كَيْفَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قُلْتُ الْاِيْمَانُ فِيْ كَلَامِ الشَّارِعِ قَدْ جَآءَ بِمَعْنٰى اَصْلِ الْاِيْمَانِ وَهُوَ الَّذِيْ لَا يُعْتَبَرُ فِيْهِ كَوْنُهٗ مَقْرُوْنًا بِالْعَمَلِ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْاِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ وَالْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ اَلْحَدِيْثَ وَقَدْ جَآءَ بِمَعْنَى الْاِيْمَانِ الْكَامِلِ وَهُوَ الْمَقْرُوْنُ بِالْعَمَلِ وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْاِيْمَانِ الْمَنْفِيِّ فِيْ قَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اَلْحَدِيْثَ وَكَذَا كُلُّ مَوْضِعٍ جَآءَ بِمِثْلِهٖ فَالْخِلَافُ فِي الْمَسْاَلَةِ لَفْظِيٌّ لِاَنَّهٗ رَاجِعٌ اِلٰى تَفْسِيْرِ الْاِيْمَانِ وَاَنَّهٗ فِيْ اَيِّ الْمَعْنَيَيْنِ مَنْقُوْلٌ شَرْعِيٌّ وَفِيْ اَيِّهِمَا مَجَازٌ "(۱) یعنی کہا امام نے یہ کلام نہایت مشکل ہے اس لیے کہ عمل جبکہ رکن ہوا تو ایمان بغیر اس کے پایا نہ جائے گا پس غیر مومن دوزخ سے کیوں کر نکلے گا اور جنت میں کیونکر داخل ہوگا؟ جواب دیتا ہوں میں کہ ایمان کلام شارع میں کبھی بمعنی نفس ایمان کے آیا ہے اور نفس ایمان وہ ہے کہ جس میں عمل کے ساتھ ہونا اعتبار نہ کیا جائے، چنانچہ قول رسالت مآب ﷺ میں وارد ہے ایمان یہ ہے کہ تصدیق کرے تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کی، اور اسلام یہ ہے کہ عبادت کرے تو اللہ کی اور نہ شریک کرے تو ساتھ اس کے اور قائم کرے تو نماز اور کبھی بمعنی ایمان کامل کے آیا ہے اور ایمان کامل وہ ہے جو عمل کے ساتھ ہو اور یہی مراد ہے اس ایمان سے جو نفی کیا گیا ہے قول نبی علیہ السلام میں نہیں زنا کرتا ہے زنا کرنے والا جس وقت وہ زنا کرتا ہے اس حال میں کہ وہ ایمان رکھتا ہے، اور اسی طرح جس جگہ کہ مثل اس کے آیا ہے سمجھنا چاہیے، پس خلاف اس مسئلے میں لفظی ہے اس لیے کہ وہ رجوع کرتا ہے طرف تفسیر ایمان کے اور طرف اس کے کہ وہ ان دو معنوں میں سے کس معنے میں منقول شرعی ہے اور کس معنے میں مجاز ہے انتہی۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ایمان کے دو معنی آئے ہیں نفس تصدیق اور ارکان ثلثہ اور ایمان کامل سے یہ معنی اس لیے بیان ہوئے تا کہ مذہب معتزلہ سے احتراز ہو جائے کیونکہ معتزلہ نفس ایمان میں عمل داخل کہتے ہیں، پس اس سے لازم آتا ہے کہ جو عمل ترک کرے اس کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے، حالانکہ یہ مذہب خلاف اہل سنت و جماعت کے ہے، پس ان تقریرات سے واضح ہوا کہ فقط نزاع لفظی ہے معنی میں نزاع نہیں۔

معنی ایمان کی لغوی تحقیق

جہاں قرآن اور حدیث میں عمل پر اطلاق آیا ہے وہاں ایمان کامل مراد ہے اور جس جگہ نفس تصدیق پر بولا گیا ہے وہاں فقط اصل ایمان مراد ہے لغت بھی ان معنوں کے مطابق ہے قاموس میں ہے" آمَنَ بِهٖ اِيْمَانًا صَدَّقَهٗ " یعنی ایمان لایا وہ ساتھ اس کے یعنی تصدیق کی اس نے اس کی، اور لمعات شرح مشکوۃ کی کتاب الایمان میں ہے" ثُمَّ نُقِلَ فِي الشَّرْعِ

۱..... كشف اصطلاحات الفنون.

إِلَى تَصْدِيقِ الشَّارِعِ فِيمَا أَخْبَرَ إِمَّا وَحْدَهُ وَهُوَ مَذْهَبُ الْمُحَقِّقِينَ أَوْ مَعَ الْإِقْرَارِ إِنْ لَمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ وَهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُورِ أَوْ مَعَ الْإِقْرَارِ وَالْعَمَلِ عِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ وَأَمَّا مَا يُحْكَى مِنَ الْمُحَدِّثِينَ مِنْ أَنَّ الْإِيمَانَ اعْتِقَادٌ بِالْجَنَانِ وَإِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ فَالْمُرَادُ الْإِيمَانُ الْكَامِلُ لَا أَصْلُهُ كَمَا اشْتَبَهَ عَلَى أَقْوَامٍ مِنَ النَّظَرِ فِي ظَوَاهِرِ عِبَارَاتِهِمْ وَقَدْ صَرَّحُوا بِمَا ذَكَرْنَا "(1) یعنی پھر نقل کیا گیا شرع میں طرف تصدیق شارع کے اُس چیز میں کہ خبر دی شارع نے یا فقط تصدیق اور یہ مذہب محققین کا ہے یا مع اقرار کے اگر کوئی مانع نہ ہو اور یہ قول جمہور کا ہے یا مع اقرار اور عمل کے نزدیک معتزلہ کے لیکن جو کہ محدثین سے منقول ہے کہ ایمان اعتقاد قلبی اور اقرار زبانی اور عمل ارکانی ہے، پس مراد اس سے ایمان کامل ہے نہ نفس ایمان، جیسا کہ شبہ ہو گیا ہے بعضوں کو اُن کی ظاہر عبارت سے اور تحقیق تصریح کر دی ہے انھوں نے اُس چیز کی جو ذکر کی ہم نے انتہیٰ۔

اور "مرقات شرح مشکوٰۃ" کی کتاب الایمان میں ہے "وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيهِ عَلَى أَقْوَالٍ أَوَّلُهَا وَعَلَيْهِ الْأَكْثَرُونَ وَالْأَشْعَرِيُّ وَالْمُحَقِّقُونَ أَنَّهُ مُجَرَّدُ تَصْدِيقِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا عُلِمَ مَجِيئُهُ بِهِ بِالضَّرُورَةِ "(2) یعنی اختلاف کیا ہے علمائے ایمان میں کئی قول پر، اول اُن کا کہ اُس پر اکثر لوگ اور اشعری اور محققین ہیں یہ ہے کہ ایمان مجرد تصدیق نبی ﷺ کی ہے اُس میں کہ جانا گیا ہے لانا اُن کا اس کو بالضرورۃ انتہیٰ۔

اور اس کے بعد لکھا ہے "اور نہیں ظاہر ہوتی ہے مخالفت درمیان قول اصحاب حدیث اور درمیان تمام اہل سنت کے، اس لیے کہ بجالانا اوامر اور نواہی کا کمال ایمان سے ہے، اتفاقاً نہ ماہیت ایمان سے، پس نزاع لفظی ہے نہ حقیقی ایسے ہی اختلاف کمی اور بیشی ایمان میں لفظی ہے" انتہیٰ۔

ہم حیران ہیں کہ آپ کو ایسا لغت صریحہ کا حکم کرنے پر کون سی شی باعث ہوئی، اول آپ کو مناسب تھا کہ ایمان کے معنی متعین کرتے، پھر اُس میں گفتگو کرتے کہ ان معنوں سے کمی اور بیشی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے یا نہیں آپ نے بلا تحقیق حکم دے دیا کہ امام صاحب نے صریح مخالفت کی ادنیٰ استعداد والا بھی جان سکتا ہے کہ فرق بین ہے اور یہ آیت سلف سے آج تک کسی کو نہ سوجھی تھی فقط آپ کو معلوم ہوئی حیف صد حیف یہ انصاف رہ گیا! آپ کو لکھتے وقت یہ بھی خیال نہ آیا کہ ذرا حنفیہ اور شافعیہ کی کتابیں تو دیکھ لوں پھر اس اعتراض کو قلم بند کروں خیر قطع نظر ان کتابوں کے جن کتابوں کو آپ نے لکھا ہے انھیں میں غور کرتے تو جواب موجود تھا، اگر امام صاحب ایسی مخالفتیں کیا کرتے تو شرق سے غرب تک کوئی اُن کی تقلید نہ کرتا مگر آپ نے باوجود دعویٰ اسلام کے ایسی جرات کی ہے کہ آج تک کسی نے نہیں کی تھی آپ کو گفتگو کے تہذیبی مناسب تھی مگر کیا کریں

1..... لمعات التنقيح.

2..... مرقاة المصابيح شرح مشكوة المصابيح: كتاب الايمان، ج:1، ص:116.

ہمارا یہ شیوہ نہیں ورنہ بکلم۔ ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ ست(۱)

جواب دنداں شکن دیا جاتا فی الواقع بڑوں کو برا کہنا باعث نحوست خاتمہ کا ہوتا ہے اللہ محفوظ رکھے۔

قصہ خضر وموسیٰ علیہما السلام کی حکمت

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ قرآن شریف میں کس غرض سے لایا گیا ہے اُس میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ ظاہری مخالفت دیکھ کر بغیر غور کے یوں نہ کہنا چاہیے کہ فلاں بزرگ نے مخالفت صریح کی غرض تمہاری ان گستاخیوں سے ہمارا کچھ نہ گیا تمہیں پر چاروں طرف سے نفریں اور ملامت ہونے لگی ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　　میلش اندر طعنۂ پاکاں نہد۔(۲)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ پیشاب اگر کپڑے پر لگ جاوے تو بدون دھوئے پاک نہیں ہوتا، فائدہ: عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ جو لڑکا کہ ہنوز طعام نہیں کھاتا پیشاب اُس کا پلید ہے کپڑے وغیرہ پر اگر لگ جاوے تو بدون دھوئے پاک نہیں ہوتا اور یہ مذہب امام اعظم اور تمام اہل علم کا ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے، اور اوزاعی کے نزدیک جب تک لڑکا دودھ پیتا ہے تب تک اُس کا پیشاب اگر کپڑے وغیرہ پر لگ جاوے تو کپڑا پلید نہیں ہوتا، اور داؤد ظاہری جو لڑکا کہ ہنوز کھانا نہیں کھاتا اُس کے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں، سو امام اعظم وغیرہ نے اس مسئلے میں خلاف کیا ان تین حدیثوں کا الخ۔

کشف کید چہاردہم
شیر خوار بچے کے پیشاب کا شرعی حکم

اقول: حنفیہ کے نزدیک اس حدیث میں نضح کے معنی پانی ڈالنے کے ہیں چھڑکنے کے نہیں، چنانچہ دوسری حدیثوں میں اس کی تفسیر موجود ہے، مسلم میں ہے "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِصَبِيٍّ يَرْضَعُ فَبَالَ فِي حَجْرِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ"(۳) یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک لڑکا دودھ پیتا لایا گیا اُس نے آپ کی گود میں پیشاب کردیا، پس آپ نے پانی منگوایا، پس ڈال دیا اُس پر انتہی۔ اور دوسری حدیث مسلم کی روایت میں ہے "فَنَضَحَهُ عَلَى ثَوْبِهِ وَلَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلاً"(۴) یعنی پس ڈالا اُس پانی کو اُس پر اور نہ دھویا اُس کو دھونا انتہی۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دھونے میں مبالغہ جیسے اور نجاستوں میں کیا جاتا ہے نہیں کیا، کیونکہ مفعول مطلق

۱.....ڈھیلا پھینکنے والے کو پتھر سے جواب دیا جاتا ہے۔ت۔

۲.....جب اللہ تعالیٰ کسی کا عیب ظاہر کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے نیکوں کی برائی کرنے میں مبتلا کردیتا ہے۔ت۔

۳.....صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ، باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ، ح: ۲۷۶، ص: ۱۳۰۔

۴.....صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ، باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ، ح: ۲۷۷، ص: ۱۳۰۔

واسطے تاکید فعل کے واقع ہوا ہے، اس کی نفی سے فقط خفیف دھونا باقی رہتا ہے، اور بخاری میں ہے "عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ "(۱) یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک لڑکا لایا گیا اس نے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگوایا، پس بہایا اس کو کپڑے پر اس کے۔

اور "شرح معانی الآثار" میں ہے "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيَدْعُوْ لَهُمْ فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ مَرَّةً فَبَالَ فَقَالَ صُبُّوْا عَلَيْهِ الْمَاءَ صَبًّا "(۲) یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لڑکے لائے جاتے تھے، پس آپ ان کے واسطے دعا فرماتے تھے، پس ایک بار ایک لڑکا لایا گیا اس نے پیشاب کر دیا، پس فرمایا آپ نے اس پر خوب پانی ڈال دو۔ اور دوسری روایت میں ہے "وَأَتْبَعَهُ الْمَاءَ " یعنی اس پر پانی بہا دیا۔

پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نضح کے معنی پانی ڈالنے کے ہیں، چنانچہ "شرح معانی الآثار" میں لکھا ہے "وَاتِّبَاعُ الْمَاءِ حُكْمُهُ حُكْمُ الْغَسْلِ أَلَا تَرٰى أَنَّ رَجُلًا لَوْ أَصَابَ ثَوْبَهُ عَذِرَةٌ فَأَتْبَعَهَا الْمَاءَ حَتّٰى ذَهَبَ بِهَا فَإِنَّ ثَوْبَهُ قَدْ طَهُرَ وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَعْطِنِيْ إِزَارَكَ أَغْسِلْهُ قَالَ إِنَّمَا يُصَبُّ عَلٰى بَوْلِ الْغُلَامِ وَيُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ فَهٰذِهِ أُمُّ الْفَضْلِ فِيْ حَدِيْثِهَا هٰذَا إِنَّمَا يُصَبُّ عَلٰى بَوْلِ الْغُلَامِ وَفِيْ حَدِيْثِهَا الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ إِنَّمَا يُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ فَثَبَتَ أَنَّ النَّضْحَ الَّذِيْ أَرَادَ بِهٖ فِي الْحَدِيْثِ الْأَوَّلِ هُوَ الصَّبُّ الْمَذْكُوْرُ حَتّٰى لَا يَتَضَادَّ الْأَثَرَانِ فَثَبَتَ بِهٰذِهِ الْآثَارِ أَنَّ حُكْمَ بَوْلِ الْغُلَامِ هُوَ الْغَسْلُ إِلَّا أَنَّ ذٰلِكَ الْغَسْلَ يُجْزِئُ مِنْهُ الصَّبُّ فَدَلَّ ذٰلِكَ أَنَّ النَّضْحَ عِنْدَهُمْ هُوَ الصَّبُّ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ "(۳) یعنی بہانا پانی کا حکم اس کا حکم دھونے کا ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر کسی شخص کے کپڑے پر نجاست لگ جائے، پس وہ شخص پانی اس پر ڈال دے یہاں تک کہ نجاست زائل ہو جاوے، پس تحقیق کپڑا اس کا پاک ہو جائے گا۔ اور ام فضل سے روایت ہے، پس کہا میں نے یا رسول اللہ ﷺ اپنا تہبند مجھ کو دیجیے اسے دھو دوں، فرمایا پانی ڈالا جاتا ہے لڑکے کے پیشاب پر اور دھویا جاتا ہے پیشاب لڑکی کا، پس یہ ام الفضل ہیں جن سے یہ روایت ہے اور انہیں کی حدیث میں جو پہلی فصل میں مذکور ہوئی نضح کا لفظ ہے، پس ثابت ہوا کہ اول حدیث میں نضح سے مراد پانی ڈالنا ہے تاکہ دونوں حدیثیں متضاد نہ ہو جائیں، پس ان تمام حدیثوں سے ثابت ہوا کہ لڑکے کے پیشاب

۱..... صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبیان، ح: ۲۲۲، ص: ۳۶۔

......صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ و مسح رؤوسھم، ح: ۶۳۵۵، ص: ۷۶۲۔

۲.....شرح معانی الآثار، کتاب الطہارۃ، باب بول الغلام والجاریۃ قبل أن یأکلا الطعام، ح: ۵۶۳، ج: ۱، ص: ۹۳(دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

کا حکم بھی دھونے کا ہے مگر اس دھونے کو فقط پانی ڈال دینا کافی ہو جاتا ہے، پس دلالت کی اس نے کہ نضح نزدیک اُن کے بمعنی صب یعنی پانی ڈالنے کے ہے اور یہی مذہب امام صاحب اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے (۱) انتہی ملخصاً

پس یہ مضمون مخالف حدیث شریف کے کہاں ہوا؟ بے سمجھے بوجھے اعتراض کر دیا معترض کو سمجھنا کام ہے عاقلوں کا نہ کہ نادانوں کا۔

خامہ ہر چند تو خواند لیک بمعنی نرسد ~~~ سعی سود ے ند ہد چوں نبود استعداد۔ (۲)

قــال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اونٹ کا پیشاب پینا دوا کے لیے بھی حلال نہیں اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اُس حدیث کا جو کہ بخاری اور ترمذی میں روایت ہے انس سے کہ آئے لوگ عرینہ میں سے مدینہ میں نزدیک پیغمبر خدا ﷺ کے، پس ناموافق ہوئی اُن کو ہوا مدینہ کی، پس اس لیے بھیجا اُن کو پیغمبر خدا ﷺ نے بیچ صدقات کے اونٹوں کے اور فرمایا اُن کو پیو دودھ اُن کا اور پیشاب اُن کا۔

کشف کید پانزدہم

اونٹ کا پیشاب بلاضرورت شرعیہ پینا جائز نہیں

اقــول: اس حدیث سے خود معلوم ہوتا ہے کہ ضرورۃً اُن کو اجازت دی تھی اس کا امام صاحب بھی انکار نہیں کرتے بلکہ ضرورت میں تو امام صاحب کے نزدیک قطعی حرام بھی مباح ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص حالت اضطرار میں مردار کا گوشت کھالے یا نہایت تشنگی میں یا حلق میں لقمہ پھنس جائے جبرطیکہ حلال شئی میسر نہ ہو تو شراب کے گھونٹ سے رفع تشنگی کر لے یا لقمہ اُتار لے مباح ہے، اور بلا ضرورت بطور دوا کے پیشاب پینا جائز نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرورت معلوم ہوئی تھی اگر کسی شخص کو معلوم ہو جائے تو کیا مضایقہ ہے البتہ اگر کسی حدیث سے یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ نے بلاضرورت

۱.....شرح معانی الآثار، کتاب الطہارۃ، باب بول الغلام والجاریۃ قبل أن یاکلا الطعام، ح: ۵۷۰، ج: ۱، ص: ۹۴۔

.......شرح معانی الآثار میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور ہیں: (حدثنا فهد قال ثنا ابو غسان قال ثنا شريك عن سماك عن قابوس عن ام الفضل قالت لما ولد الحسين قلت يا رسول الله اعطنيه او ادفعه الى فلاكفله او ارضعه بلبني ففعل فاتيته به فوضعه على صدره فبال عليه فاصاب ازاره فقلت له يا رسول الله اعطني ازارك اغسله قال انما يصب على بول الغلام و يغسل بول الجارية قال ابو جعفر فهذه ام الفضل في حديثها هذا انما يصب على بول الغلام وفي حديثها الذي ذكرناه في الفصل الاول انما ينضح من بول الغلام فلما كان من ذكرنا ه كذالك ثبت ان النضح الذي اراد به في الحديث الاول والصب المذكور ههنا حتى لا يتضاد الاثران وهذا ابو ليلى علم يختلف عنه انه راى النبي صلى الله عليه وسلم صب على البول الماء فثبت بهذه الآثار ان حكم بول الغلام هو الغسل الا ان ذالك الغسل يجزئ منه الصب و ان حكم بول الجارية هو الغسل ايضا و فرق في اللفظ بينهما وان كانا مستويين في المعنى للعلة التي ذكرنا من ضيق المخرج وسعته فهذا حكم هذا الباب من طريق الآثار واما وجهه من طريق النظر فلن رايتا الغلام والجارية حكم ابو الهما سواء بعد ما ياكلان الطعام فالنظر على ذالك ان يكون ايضا سواء قبل ان ياكلا الطعام فلما كان بول الجارية نجسا فبول الغلام ايضا نجس وهذا قول ابي حنيفة وابي يوسف و محمد رحمهم الله تعالى (دار الكتب العلمية بيروت)

۲.....قلم قرأ و کتابی ہے لیکن معنی حقیقی تک نہیں پہنچ سکا کیوں کہ صلاحیت اگر نہ ہو تو کوشش کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

بھی پیشاب پلوایا ہے تو اُس وقت امام ابوحنیفہ کا مسئلہ مخالف ہوجائے گا اور یہ امر حدیث سے ثابت ہونا محال ہے، پس مخالفت حدیث بھی محال ہوگی۔ ”شرح معانی الآثار“ میں ہے ”قَالُوْا اَبْوَالُ الْاِبِلِ نَجِسَةٌ وَحُكْمُهَا حُكْمُ دِمَائِهَا لَا حُكْمُ اَلْبَانِهَا وَلُحُوْمِهَا وَقَالُوْا اَمَّا مَا رَوَيْتُمُوْهُ فِيْ حَدِيْثِ الْعُرَنِيِّيْنَ فَذٰلِكَ اِنَّمَا كَانَ لِلضَّرُوْرَةِ فَلَيْسَ فِيْ ذٰلِكَ دَلِيْلٌ اَنَّهُ مُبَاحٌ فِيْ غَيْرِ الضَّرُوْرَةِ لِاَنَّا قَدْ رَاَيْنَا اَشْيَاءَ اُبِيْحَتْ فِي الضَّرُوْرَاتِ وَلَمْ تُبَحْ فِيْ غَيْرِ الضَّرُوْرَاتِ وَرُوِيَتْ فِيْهَا الْاٰثَارُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ الزُّبَيْرَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ شَكَوَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قَمِيْصِ الْحَرِيْرِ فِيْ غَزَاةٍ لَهُمَا قَالَ اَنَسٌ فَرَاَيْتُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَمِيْصاً فَهٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَبَاحَ الْحَرِيْرَ لِمَنْ اَبَاحَ لَهُ اللُّبْسَ مِنَ الرِّجَالِ لِلْحِكَّةِ الَّتِيْ كَانَتْ لِمَنْ اَبَاحَ ذٰلِكَ فَكَانَ ذٰلِكَ مِنْ عِلَاجِهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْ اِبَاحَتِهِ ذٰلِكَ لَهُمْ لِلْعِلَّةِ الَّتِيْ كَانَتْ بِهِمْ مَا يَدُلُّ اَنَّ تِلْكَ كَانَ مُبَاحاً فِيْ غَيْرِ تِلْكَ الْعِلَّةِ فَكَذٰلِكَ اَيْضاً مَا اَبَاحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْعُرَنِيِّيْنَ لِلْعِلَلِ الَّتِيْ كَانَتْ بِهِمْ فَلَيْسَ فِيْ اِبَاحَتِهِ ذٰلِكَ لَهُمْ دَلِيْلٌ اَنَّ تِلْكَ كَانَ مُبَاحاً فِيْ غَيْرِ تِلْكَ الْعِلَلِ “(۱) یعنی کہا انہوں نے کہ اونٹ کا پیشاب ناپاک ہے اور یہ حکم اس کے خون کا ہے نہ کہ دودھ اور گوشت کا اور کہا انہوں نے کہ وہ حدیث عرنیین کی جو تم نے بیان کی، پس یہ تو بوجہ ضرورت کے تھا اس میں اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ بلاضرورت بھی مباح ہے، کیونکہ بہت اشیاء دیکھتے ہیں کہ بوجہ ضرورت مباح کردیے گئے ہیں اور بلاضرورت مباح نہیں ہیں، اور اس میں احادیث مروی ہیں، چنانچہ انس سے روایت ہے کہ زبیر اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے جوؤں کی شکایت کی آپ نے ریشم کا کرتا پہننے کی ان کے غزوہ میں اجازت فرمائی، اور انس کہتے ہیں کہ میں نے دونوں کو کرتا حریر کا پہنے دیکھا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے جن شخصوں کو حریر پہننا مباح کیا تھا سو سبب ان کی خارش کے تھا پس یہ علاج اُس کا ہوا اور اس کی اُس علت سے جو ان کو لاحق تھی مباح کرنے میں دلیل نہیں ہوسکتی، کہ سوا اس بیماری کے بھی مباح ہے ایسا ہی وہ چیز کہ عرنیین کے واسطے آپ نے مباح کی تھی بوجہ بیماریوں ان کی کے تھی، پس ان کے واسطے مباح ہونے میں یہ دلیل نہیں ہوسکتی کہ سوا ان بیماریوں کے اور میں بھی جائز تھا انتہی۔

اور پیشاب کی حرمت میں حدیث وارد ہے ”اِسْتَنْزِهُوْا عَنِ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ “(۲) یعنی بچا کرو پیشاب سے اس واسطے کہ تحقیق عام عذاب قبر کا اُسی سے ہوتا ہے انتہی۔ اور علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو حاکم نے ابوہریرہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اوپر شرط شیخین کے ہے انتہی۔ اور علامہ عینی نے لکھا ہے ” لِاَنَّ الْبَـــوْلَ

۱.....شرح معانی الآثار، کتاب الطھارۃ، باب حکم بول ما یو کل لحمہ، ح: ۶۶۵، ج۱، ص:۱۰۸۔

۲.....فتح القدیر: فصل فی البئر، ج۱، ص:۱۰۱ (دار الفکر، بیروت) فتح القدیر میں ”استنزھوا من البول“ مکتوب ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ”اکثر عذاب القبر من البول“ کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (المستدرک للحاکم، ح: ۶۵۳)۔ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

مُحَلّیً بِالْاَلِفِ وَاللَّامِ فَیَعُمُّ جَمِیْعَ الْبَوْلِ "(۱) یعنی اس لیے کہ لفظ بول پر الف لام داخل ہے، پس تمام پیشابوں کو شامل ہوگا انتہی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث عرنیین سے حلت اور طہارت اُس کی ثابت نہ ہوئی، پس اس حدیث سے کہ تمام ابوال کو شامل ہے حرمت اُس کی ثابت ہے، پس دونوں حدیثوں میں تعارض بھی نہ ہوا کیونکہ بوجہ ضرورت اباحت اُس کی مقتضی نہیں کہ بلا ضرورت بھی جائز ہو جاوے، ورنہ دونوں حدیثوں میں تعارض صریح ہو جاوے گا۔ اور علامہ اکمل نے لکھا ہے کہ بعضوں نے کہا ہے یہ حدیث ماتقدم "مثلہ" کے منسوخ ہے تصریح اس کی علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں کی ہے۔ پس امام صاحب نے اگر بلا ضرورت حرمت بیان کی تو کیا خلاف ہوا؟ معترض صاحب صرف اعتراض کر دیا جانتے ہیں اور کج فہمی سے سیدھا سا مطلب بھی اُن کی سمجھ میں نہیں آتا۔

کج را بتکلف نتواں راست نمودن | کہ تیر تواں ساختن از چوب کمانہا۔(۲)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین بار دھونا چاہیے، اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اُس حدیث کا جو کہ بخاری اور مسلم میں روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے جبکہ پیے کتا بیچ باسن ایک تمہارے کے، پس چاہیے کہ دھووے اُس کو سات بار اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ کہا پاکی باسن ایک تمہارے کی جس وقت کہ پی جاوے اُس میں کتا یہ ہے کہ دھووے اُس کو سات بار پہلا اُن کا ساتھ مٹی کے۔

کشف کید شانزدہم

کتے کا جھوٹا برتن تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے

اقول: بنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ دار قطنی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دھویا جاوے برتن کتے کے منہ ڈالنے سے تین بار یا پانچ بار یا سات بار اور ابن عدی نے کامل میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جس وقت کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے، پس چاہیے کہ اُس کو خالی کرے اور تین بار دھو ڈالے اور دار قطنی نے اسی حدیث کو سند صحیح سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے، پس خالی کر دو اُس کو اور برتن کو تین بار دھو ڈالو، اور طحاوی نے بھی اسی کو اسناد صحیح سے روایت کیا ہے اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں معمر سے روایت کی ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ کتا برتن میں منہ ڈال دیتا ہے فرمایا تین بار دھو ڈالا جاوے، پس زہری کے نزدیک اگر سات بار کا منسوخ ہونا نہ ثابت ہوتا تو وہ فتویٰ نہ دیتے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے، اسی وجہ سے امام صاحب کہتے ہیں کہ تین بار دھویا جاوے

۱.....البنایۃ، فصل فی البئر، حکم بول ما یؤکل لحمہ، ج:۱، ص:۴۹۸۔

۲..... ٹیڑھے کو بتکلف سیدھا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ کمان کی لکڑی سے تیر نہیں بنایا جا سکتا۔

پس ابن حزم کس طرح کہتے ہیں کہ تین بار دھونا کسی صحابی سے مروی نہیں" انتہی۔

اور فتح القدیر میں ہے "مذہب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تین بار ثابت ہونا قرینہ اس امر کا ہے کہ مرفوع حدیث یعنی تین بار دھونے کی راوی ضعیف نے تحکیک بیان کی ہے اور اس وقت سات بار کی حدیث کے معارض ہو جاوے گی اور اس پر ترجیح دیجاوے گی، کیونکہ سات بار کی حدیث مقدم معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ جس وقت کتوں کے احکام میں شدت کی جاتی تھی یہاں تک کہ حکم ان کے قتل کا دے دیا تھا یہ سات بار دھونے کی تشدید اس وقت کے مناسب تھی اور اس کا منسوخ ہونا ثابت ہے، پس یہ احادیث مرفوع جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تائید یافتہ ہیں سات بار کی حدیث پر عمل میں مقدم ہوں گے، پس سات بار کی حدیث ابتداء پر عمل کی جاوے گی اور اگر اس مرفوع حدیث کو بالکل ترک بھی کر دیا جاوے تو بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مخالف سات بار کی حدیث کے (حالانکہ وہی راوی اس کے بھی ہیں) عمل کرنا کفایت کرتا ہے، کیونکہ محال ہے کہ وہ قطعی حدیث کو اپنی رائے سے چھوڑ دیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خبر واحد کی ظنیت باعتبار غیر راوی کے ہوتی ہے، لیکن باعتبار اس کے کہ جس نے اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنا ہے قطعی ہے، یہاں تک کہ اس سے اگر قطعی الدلالت ہونا اس کا اپنے معنی میں پایا جائے گا تو آیت قرآن بھی منسوخ ہو جائے گی، پس اس سے لازم آیا کہ انہوں نے نہیں ترک کیا اس کو مگر بوجہ یقین کرنے ان کے نسخ کا کیونکہ نہیں متروک ہوتی قطعی مگر قطعی سے، پس جب قول ان کا باطل ہوا جو کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ ان کے اجتہاد میں جو محتمل خطا کو ہے ثبوت نسخ ہو گیا ہو، پس جب پہچانا تو نے اس کو تو ہو گیا ترک کرنا ان کا بمنزلہ روایت کرنے ان کے کے ناسخ کو بلاشبہ، پس دوسری حدیث بالضرورت منسوخ ہوگی"(۱) انتہی۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا حلال ہے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے، سوامام اعظم رحمہ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ مسلم میں روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوچھے گئے شراب سے کہ بنائی جاوے سرکہ فرمایا کہ حلال نہیں انتہی الخ۔

کشف کید بعنوانہم

شراب کا سرکہ بنانا حلال ہے

اقول: کہا علامہ عینی نے شرح کنز الدقائق میں "ہماری دلیل قول اللہ تعالیٰ کا ہے حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاک چیزیں اور تحقیق عین شراب کا متغیر ہو گیا ہے اور سرکہ بالطبع پاک ہوتا ہے، پس حلال ہوگا اور دوسری دلیل قول علیہ السلام کا "اچھا نان خورش سرکہ ہے" روایت کیا اس کو مسلم نے اور یہ مطلق ہے، پس شامل ہوگا اس کی تمام صورتوں کو اور مراد نہی سے جو کہ حدیث میں وارد ہے، یہ ہے کہ شراب کا استعمال سرکے کا سا ہو بایں طور کہ اس سے نفع مثل سرکہ کے لیا جائے مثل نان

۱......فتح القدير، فصل في الأسآر وغيرها، ج: ۱، ص: ۱۰۹.

خورش بنانے وغیرہ کے، پس اگر کہے تو کہ روایت کی ابوداؤد اور امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا نبی ﷺ سے کہ یتیم شراب کے وارث ہوگئے ہیں فرمایا بہادو اس کو عرض کیا گیا سرکہ اس کا نہ بنالیں؟ فرمایا نہیں، میں کہتا ہوں روایتیں اس میں مختلف آئی ہیں، ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ فرمایا آپ نے سرکہ بنالو اس کا، پس حجت نہیں ہو سکتی اور اگر ثابت ہو جیسا کہ کہا انہوں نے، پس حمل کیا جائیگا اس پر کہ یہ ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی جس وقت کہ آنحضرت ﷺ بابت خمر کے مبالغہ فرماتے تھے واسطے زجر ان کے کے اور واسطے چھوڑا دینے عادت مالوفہ کے کیا نہیں جانتا تو کہ آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا مٹکے توڑنے کا اگرچہ اب جائز نہیں اسی طرح سرکہ بنانے کو سمجھنا چاہیے"(۱) انتہیٰ۔

اور شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ مذہب اوزاعی اور لیث کا ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت میں یہ آیا ہے انتہیٰ۔

قال: شرح وقایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب تو منہ کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے الخ۔

کشف کید بعید بہم
تیمم میں دو ضربیں

اقول: حاکم اور دارقطنی نے روایت کی ہے"اِنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ "(۲) یعنی تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تیمم ایک ضرب واسطے منہ کے ہے اور ایک ضرب واسطے ہاتھوں کے کہنیوں تک انتہیٰ۔

کہا حاکم نے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور کہا دارقطنی نے اس حدیث کے سب رجال ثقہ ہیں۔

اور طبرانی میں روایت ہے اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ

۱۔ شرح کنز الدقائق۔

۲۔ المستدرک للحاکم، کتاب الطہارۃ، ح: ۶۳۴،۶۳۳،۶۳۸، ج: ۱، ص: ۲۸۷، ۲۸۸۔ (حاکم نے "للیدین الی المرفقین" کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

۔۔۔ سنن الدارقطنی، کتاب الطہارۃ، باب التیمم۔ (دار المعرفۃ بیروت)۔

حدیث	جزء	الفاظ	صفحہ
۲۶	۱	(للجبین کے لفظ کے ساتھ)	۱۸۰
۲۷	۱	(للکفین کے لفظ کے ساتھ)	۱۸۰
۲۰	۱	(للذراعین کے لفظ کے ساتھ)	۱۸۱
۲۱	۱	(للیدین کے لفظ کے ساتھ)	۱۸۱
۲۲	۱	(للذراعین کے لفظ کے ساتھ)	۱۸۱

لِلْیَدَیْنِ إِلَی الْمِرْفَقَیْنِ "(۱) یعنی تحقیق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیمم دو ضرب ہیں ایک بار منہ کے لیے اور ایک بار ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک ہے انتہیٰ۔

اور مسند بزار میں روایت ہے" إِنَّهُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ فِي التَّیَمُّمِ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْیَدَیْنِ إِلَی الْمِرْفَقَیْنِ "(۲) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیمم دو ضرب ہیں ایک بار منہ کے واسطے اور ایک بار ہاتھوں کے واسطے کہنیوں تک ہے انتہیٰ۔

اور ابوداؤد میں ہے"عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ أَنَّهُ کَانَ یُحَدِّثُ أَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالصَّعِیْدِ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِأَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا وُجُوْهَهُمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِأَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ مَرَّةً أُخْرٰی فَمَسَحُوْا بِأَیْدِیْهِمْ "(۳) یعنی عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسح کیا اور تھا ایک وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے مٹی سے نماز صبح کے واسطے پس ہاتھوں کو مٹی پر مارا پھر مسح کیا منہ کا ایک بار پھر دوبارہ ہاتھوں کو مٹی پر مارا، پس ہاتھوں پر مسح کیا انتہیٰ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا طریقہ تیمم کا کہ دو ضربیں ہیں اصحاب کو معلوم تھا فقط عمار بن یاسر کو معلوم نہ تھا کہ جنابت میں بھی دو ضربیں ہوتی ہیں یا کل بدن پر مٹی ملتے ہیں، اس لیے فقط واسطے تعلیم کے رسول اللہ ﷺ نے ان کو طریقہ اس کا بتلایا تا کہ ان کے فعل سے امتیاز ہو جاوے، کل باتیں تیمم کی نہیں بتلائیں، چنانچہ امام نووی نے اس کی تصریح شرح مسلم کی کتاب التیمم میں کر دی ہے، پس چونکہ اس میں یہ احتمال ہے اس لیے صریح حدیثیں صحیح جس میں دو ضربیں مذکور ہیں، کیونکر متروک ہو سکتی ہیں طحاوی میں ہے" عَنْ أَبِي الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَإِنِّيْ تَمَعَّکْتُ فِي التُّرَابِ فَقَالَ أَصِرْتَ حِمَارًا فَضَرَبَ بِیَدَیْهِ إِلَی الْأَرْضِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ بِیَدَیْهِ إِلَی الْأَرْضِ فَمَسَحَ بِیَدَیْهِ إِلَی الْمِرْفَقَیْنِ وَقَالَ هٰکَذَا التَّیَمُّمُ "(۴) یعنی ابو الزبیر جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا، پس کہا اس نے مجھ کو جنابت پہونچی اور میں خاک میں لوٹا، پس کہا انھوں نے کیا تو گدھا ہو گیا جس طرح وہ

۱.....المعجم الكبير للطبراني، باب العين: عبدالله ابن عمر رضي الله عنهما، ح: ١٣٣٦٦، ج: ١٢، ص: ٣٦٧، (مكتبة العلوم والحكم الموصل)۔

۲.....مسند البزار، ح: ٦٠٨٨، ج: ١٠، ص: ٢٦٠۔ (مصنف نے حدیث مذکورہ بنایة سے بحوالہ بزار نقل کیا ہے یہ الفاظ بزار کے نہیں البتہ مسند البزار میں نافع سے یہ حدیث مروی ہے)۔

۳.....سنن ابي داؤد، كتاب الطهارة، باب صفة التيمم، ح: ٣١٨، ص: ٥٨ (دار ابن حزم القاهرة)۔

٤.....شرح معاني الآثار، كتاب الطهارة، باب صفة التيمم كيف هي، ح: ٦٤٩، ج: ١، ص: ١٤٤۔

لوٹتا ہے اُسی طرح تو لوٹا، پس دونوں ہاتھ اپنے جابر رضی اللہ عنہ نے زمین پر مارے، پھر منہ پر ملے، پھر دونوں ہاتھ زمین پر مارے، پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملا اور فرمایا تیمم ایسے کرتے ہیں انتہی۔

اور عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں "وَرُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَقَدْ رُوِيَ عَمَلُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالصَّحَابَةِ عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَوَجْهُ الْجَمْعِ ظَاهِرٌ يُرْشِدُ اِلَيْهِ لَفْظُ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ فَالْاَوَّلُ اَدْنَى التَّيَمُّمِ وَالثَّانِي هُوَ السُّنَّةُ انتهى "(۱) یعنی اور مروی ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں، ایک ضرب منہ کے لیے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک اور تحقیق مروی ہے عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دونوں طرح پر اور وجہ توفیق کی ظاہر ہے رہنمائی کرتا ہے طرف اُس کے لفظ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ (تیرے لیے اتنا کافی ہے۔ت۔) کا کہ اول یعنی ایک ضرب ادنیٰ تیمم کا ہے اور ثانی یعنی دو ضربیں ہی سنت ہیں انتہی۔

اور طبرانی کے معجم اوسط میں ہے کہ جنگل کے رہنے والے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا انہوں نے کہ ہم لوگ ریت میں تین تین چار چار مہینے قیام کرتے ہیں اور ہم لوگوں میں جنب اور حائض اور نفسا ہو جاتے ہیں اور ہم کو پانی نہیں ملتا ہے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے تیمم کرو پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارا ایک ضرب منہ کے واسطے، پھر دوسری ضرب زمین پر لگائی، پس ہاتھوں کو کہنیوں تک ملا(۲) انتہی۔

ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ تیمم کی دو ضربیں ہیں، اور یہی کمال سنت کا ہے اور اس پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل رہا ہے، چنانچہ یہی مذہب حنفیہ کا ہے مطابق حدیث کے نہ مخالف۔

قال: یعنی شرح ہدایہ میں اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ پگڑی پر مسح کرنا درست نہیں اور یہ مذہب ہے امام اعظم اور امام شافعی اور امام مالک کا سوا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان دو حدیثوں کا، پہلی حدیث مسلم میں روایت ہے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر اپنی پیشانی کے بالوں پر مسح کیا اور پگڑی پر اور موزوں پر الخ(۳)۔

۱..... حجة الله البالغة ، ج: ۱، ص: ۳۰۶ (دار الجيل، بيروت)۔

۲..... المعجم الاوسط للطبراني ، ج: ۲، ص: ۲۹۱۔

..... طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: عن ابي هريرة ان اقواما سئلوا النبي صلی اللہ علیہ وسلم قالوا انا نعزب عن الماء الثلثة الاشهر والخمسة فلا تجد الماء وفينا الحائض والجنب والنفساء قال عليكم بالارض

(دار الحرمين، القاهرة)

۳..... البناية شرح الهداية ، ج: ۱، ص: ۱۰۶۔

..... ترجمة مشكوة۔

کشف کید نوزدہم
پگڑی وعمامہ پر مسح جائز نہیں

اقول: شرح سفر السعادۃ میں لکھا ہے کہ امام محمد رضی اللہ عنہ نے اپنی مؤطا میں تحریر کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم کو جابر رضی اللہ عنہ کی خبر پہونچی کہ اُن سے لوگوں نے عمامہ پر مسح کرنے کو دریافت کیا، کہا انہوں نے نہیں جائز ہے جب تک پیشانی وسر پر مسح نہ کرے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور نافع کہتے ہیں کہ میں نے صفیہ ابوعبیدہ کی دختر یعنی زوجہ عبداللہ بن عبداللہ بن عمر کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور مسح کرتے ہوئے سر کا خمار علیحدہ کر کے اور خبر پہونچی ہم کو کہ اول عمامے کا مسح مقرر تھا اُس کے بعد ترک کر دیا گیا اور منسوخ ہو گیا اور یہی ابوحنیفہ اور ہمارے تمام فقہا کا قول ہے۔ اور ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے اپنے باپ عروہ بن زبیر کو دیکھا کہ عمامے کو علیحدہ کیا، پھر مسح کیا(۱) انتہی۔

اور امام نووی محدث شرح مسلم میں لکھتے ہیں" وَلَوِ اقْتَصَرَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَلَمْ يَمْسَحْ شَيْئًا مِنَ الرَّأْسِ لَمْ يُجْزِهِ ذٰلِكَ عِنْدَنَا بِلَا خِلَافٍ وَهُوَ مَذْهَبُ مَالِكٍ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَأَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ "(۲) یعنی اور اگر فقط عمامے کا مسح کیا اور سر کو مطلق نہ چھوا تو نہیں کافی ہوگا نزدیک ہمارے بلا خلاف، اور یہی مذہب ہے امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور اکثر علما کا انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ جمہور اسی طرف گئے ہیں اور بعض نے ظاہر لفظ سے اخذ کیا ہے مگر اور حدیثوں سے برابر سر کا مسح ثابت ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ قرآن شریف میں صریح مسح سر کا حکم موجود ہے اور حدیث مسلم میں بھی جو کہ معترض نے نقل کی ہے پیشانی اور پگڑی پر مسح ثابت ہے، چونکہ بقدر فرض جو مقدار پیشانی ہے مسح کرنا ضروری ہے اس لیے فقط بیان کرنا پگڑی کے مسح کا ضرور تھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ کل سر کا مسح پہلے اکثر آپ کیا کرتے تھے اب اگر بقدر فرض سر کا مسح ہو جاوے اور باقی کو پگڑی پر ہو تو بھی جائز ہے، اسی وجہ سے راوی نے ذکر کیا فقط پگڑی کو بیان جواز کے لیے کچھ حصر کے واسطے نہیں، بلکہ مقدار پیشانی ہر حالت میں ضروری ہے، یا یوں کہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پیشانی کا مسح کر کے پگڑی کو سر مبارک پر جمایا ہوگا راوی نے دیکھ کر یوں جانا کہ مسح کرتے ہیں۔ غرض کہ بوجہ مخالف ہونے ظاہر حدیث کے آیت قرآنی اور دوسری احادیث مفسرہ اور جمہور محققین کی نقل سے ظاہر حدیث پر عمل نہ کیا گیا اور اس کو ان معنوں سے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت

۱.....صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین وباب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ، ج: ۲۷۴، ص: ۲۲۵، ۲۲۶۔

..... المؤطا بروایۃ محمد، باب المسح علی العمامۃ والخمار، ح: ۴۲، ج: ۱، ص: ۱۰۷۔ (دار القلم، دمشق)

.....المؤطا بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی، باب المسح علی العمامۃ والخمار، ح: ۴۳، ج: ۱، ص: ۱۰۹۔

..... المؤطا بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی، باب المسح علی العمامۃ والخمار، ح: ۴۱، ج: ۱، ص: ۱۰۶۔

۲.....شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، ج: ۳، ص: ۱۷۲۔

نہ کیا بلکہ راوی کی طرف سے شبہ یا مجاز قرار دیا گیا، پس اس قدر عقل سے کام لینا حنفیہ کے یہاں نہایت ضرور ہے اگر عقل اس کام نہ آئے تو پھر کس کام آئے گی؟! اسی کو "توسط بین الافراط والتفریط" کہتے ہیں۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف پیغمبر ﷺ کی حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور ردالمحتار شرح درمختار اور فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے "وَلَا صَلٰوۃُ جِنَازَۃٍ لِطُلُوْعِنَا وَلَا سَجْدَۃُ تِلَاوَۃٍ لِأَنَّھَا فِي مَعْنَی الصَّلٰوۃِ اِلَّا عَصْرَ یَوْمِہٖ عِنْدَ الْغُرُوْبِ "(۱) یعنی آفتاب کے طلوع کے وقت اور غروب کے وقت اور جس وقت عین دوپہر ہو نماز اور سجدہ تلاوت کا اور نماز جنازے کی جائز نہیں ہے، مگر آفتاب کے غروب کے وقت فقط اُس دن کی نماز عصر کی تو البتہ جائز ہے انتہیٰ۔

کشف کید بستم
حدیث "مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً" کی تحقیق

اقول: معنی اس حدیث کے امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں "اِذَا اَدْرَکَ مَنْ لَا یَجِبُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ رَکْعَۃً مِنْ وَقْتِہَا لَزِمَتْہُ تِلْکَ الصَّلٰوۃُ وَذٰلِکَ فِي الصَّبِيِّ یَبْلُغُ وَالْمَجْنُوْنِ وَالْمُغْمٰی عَلَیْہِ یُفِیْقَانِ وَالْحَائِضِ وَالنُّفَسَاءِ تَطْھُرَانِ وَالْکَافِرِ یُسْلِمُ فَمَنْ اَدْرَکَ مِنْ ھٰؤُلَاءِ رَکْعَۃً قَبْلَ خُرُوْجِ الْوَقْتِ لَزِمَتْہُ تِلْکَ الصَّلٰوۃُ "(۱) یعنی جس وقت پاوے وہ شخص کہ واجب نہیں نماز اس پر مقدار ایک رکعت کے اس کے وقت سے تو لازم ہے اس کو یہ نماز، اور یہ صورت لڑکے میں ہے کہ بالغ ہوجاوے اور مجنون اور بیہوش میں کہ افاقہ پاجائیں اور حائض اور نفساء میں کہ پاک ہوجائیں اور کافر میں کہ مسلمان ہوجاوے۔ پس جو شخص ان میں سے ایک رکعت، پہلے خارج ہونے وقت کے پائے گا تو نماز اس پر واجب ہوجاوے گی انتہیٰ۔

یعنی یہ حکم کافر وغیرہ میں ہے کہ ایسے وقت میں مسلمان ہو یا بالغ ہو کہ ایک رکعت کے مقدار وقت باقی ہو تو اس صورت میں نماز اس پر واجب ہوجاوے گی، اور پوری نماز پڑھنی لازم ہوگی۔ یا یہ معنی حدیث کے ہیں جیسا کہ شرح مسلم میں لکھے ہیں "اِذَا اَدْرَکَ الْمَسْبُوْقُ مَعَ الْاِمَامِ رَکْعَۃً کَانَ مُدْرِکًا لِفَضِیْلَۃِ الْجَمَاعَۃِ بِلَا خِلَافٍ "(۲) یعنی جو شخص کہ بعد آکر ملے اور ایک رکعت امام کے ساتھ پائے تو وہ شخص جماعت کی فضیلت بلا خلاف پائے گا انتہیٰ۔

۱..... الهداية، فصل في الاوقات التي تكره فيها الصلوة، ج: ۱، ص: ۴۰۔

...... ردالمحتار شرح درالمختار، كتاب الصلاة، ج: ۲، ص: ۴۴۔

...... فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، فصل في بيان الاوقات التي لا تجوز فيها الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۲ (دار الفكر)۔

...... شرح الوقاية، فتاوى قاضي خان، النخ ... یعنی "ولا صلاة جنازة الخ" ہدایہ کے تیار ہ، باقی کتابوں میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔

۲..... شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، ج: ۵، ص: ۱۰۵۔

۳..... شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، ج: ۵، ص: ۱۰۶۔

یعنی یا اس حدیث کو باعتبار فضیلت جماعت کے لیا جائے کہ جس کو ایک رکعت بھی جماعت کے ساتھ مل جائے گویا نماز پوری مل گئی، اگر اس حدیث کے یہی معنی لیے جائیں گے کہ وقت طلوع آفتاب کے بھی نماز پڑھنی چاہیے تو یہ معنی دوسری حدیث کے جو مسلم میں آئی ہے مخالف ہو جائے گا۔ وہ حدیث یہ ہے "وَوَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطٰنِ "(۱)۔ یعنی اور وقت نماز صبح کا طلوع فجر سے اس وقت تک ہے کہ جب تک آفتاب نے طلوع نہ کیا ہو۔ پس طلوع آفتاب کے وقت نماز سے تو ٹھیر جا اس واسطے کہ تحقیق یہ آفتاب شیطان کے دو قرنوں کے درمیان طلوع کرتا ہے انتہی۔

دوسری حدیث مسلم وغیرہ کی جو عقبہ بن عامر سے فتح القدیر میں لکھی ہے یہ ہے "ثَلٰثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَهَانَا اَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْنَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضِيْفُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ وَهُوَ اِنَّمَا يُفِيْدُ عَدَمَ الْحِلِّ فِيْ جِنْسِ الصَّلٰوةِ دُوْنَ عَدَمِ الصِّحَّةِ فِيْ بَعْضِهَا بِخُصُوْصِهٖ وَالْمُفِيْدُ لَهَا اِنَّمَا هُوَ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا وَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا وَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰى عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا وَالنَّسَائِيُّ "(۲)۔ یعنی تین وقت رسول اللہ ﷺ ہم کو منع کرتے تھے نماز پڑھنے کو یا مردہ دفن کرنے کو ایک تو وقت طلوع آفتاب کے یہاں تک کہ اونچا ہو اور دوسرے وقت ٹھیک دوپہر کے یہاں تک کہ آفتاب ڈھلے اور تیسرے غروب ہونے کو جس وقت مائل ہو یہاں تک کہ غروب ہو جاوے اور یہ حدیث فائدہ دیتی ہے اس کا کہ جنس نماز کسی قسم کی ہو حلال نہیں نہ یہ کہ خاص بعض نماز درست نہ ہو اور اس کا فائدہ دیتی ہے کہ نماز کسی قسم کی ہو حلال نہیں قول آنحضرت ﷺ کا کہ تحقیق آفتاب شیطان کے دو قرنوں کے درمیان طلوع کرتا ہے، پس جس وقت خوب بلند ہو جاتا ہے تو الگ ہو جاتا ہے اس سے شیطان، پھر جس وقت برابر سر کے آجاتا ہے تو نزدیک ہو جاتا ہے اس کے، پھر جس وقت ڈھل جاتا ہے الگ ہو جاتا ہے اور جس وقت قریب غروب کے ہوتا ہے، پھر شیطان اس کے پاس آجاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے جدا ہو جاتا ہے، اور منع کیا ہے نماز سے ان وقتوں میں۔ روایت کیا اس کو مالک نے مؤطا میں اور روایت کیا نسائی نے انتہی۔

۱..... صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب اوقات الصلوات الخمس، ح: ۶۱۲، ص: ۲۴۹۔

۲..... فتح القدیر، فصل فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۲۳۱۔

..... صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرہا، باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا

ح: ۸۳۱، ص: ۳۳۱۔

..... (مسلم میں "ینہانا" کے لفظ کے ساتھ حدیث مذکور ہے)۔

اور یہ حدیثیں اُس حدیث کے بعد وارد ہوئی ہیں، چنانچہ کہا علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں "وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ وُرُوْدُ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَيْ حَدِيْثِ مَنْ اَدْرَكَ كَانَ قَبْلَ نَهْيِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْأَوْقَاتِ الْمَكْرُوْهَةِ (۱)" یعنی کہا امام طحاوی نے وارد ہونا اس حدیث کا یعنی حدیث " مَنْ اَدْرَكَ " کا تھا پہلے ممانعت فرمانے آنحضرت ﷺ کی نماز سے اوقات مکروہہ میں انتہی۔

اس لیے امام طحاوی اس حدیث کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ رد المحتار میں لکھا ہے "عَلٰى اَنَّ الْإِمَامَ الطَّحَاوِيَّ قَالَ إِنَّ الْحَدِيْثَ مَنْسُوْخٌ بِالنُّصُوْصِ النَّاهِيَةِ وَادَّعٰى اَنَّ الْعَصْرَ يَبْطُلُ اَيْضًا كَالْفَجْرِ" (۲) یعنی علاوہ اس کے یہ بات ہے کہ امام طحاوی نے کہا ہے کہ تحقیق یہ حدیث منسوخ ہے ساتھ احادیث ممانعت کرنے والی کے۔ اور دعویٰ کیا اس کا کہ عصر بھی باطل ہو جاوے گا مثل فجر کے انتہی۔

اور "برہان شرح مواہب الرحمن" میں لکھا ہے "وَزَادَ الطَّحَاوِيُّ مُخَالِفًا لِلْإِمَامِ وَصَاحِبَيْهِ عَدَمَ جَوَازِ عَصْرِ يَوْمِهِ كَالْفَجْرِ وَسَائِرِ الْوَاجِبَاتِ مُدَّعِيًا اِنْتِسَاخَ كُلِّهَا بِالنُّصُوْصِ النَّاهِيَةِ وَإِلَّا يَلْزَمُ الْعَمَلُ بِبَعْضِ الْحَدِيْثِ وَتَرْكُ بَعْضِهِ " (۳) یعنی اور زیادہ کیا امام طحاوی نے در انحالیکہ وہ خلاف کرنے والے تھے امام صاحب وصاحبین کے نہ جائز ہونا اس روز کی عصر کا مثل فجر کے اور باقی واجبات کے اس حال میں کہ دعویٰ کرتے ہیں وہ کل ان احادیث کے منسوخ ہونے کا بسبب احادیث نہی کے ورنہ لازم آئے گا عمل ساتھ بعض حدیث کے اور ترک بعض حدیث کا انتہی۔

اگر بالفرض منسوخ ہونے کو تسلیم نہ کیا جائے تو تعارض سے خالی نہیں اس لیے کہ بعض حدیث میں نماز پڑھ لینا آیا ہے اور بعض میں ممانعت آئی ہے، پس وقت تعارض کے دونوں حدیثوں پر عمل کرنا محال ہے اس لیے قیاس جس حدیث کو ترجیح دیگا اس حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ "لمعات التنقیح" میں ہے "وَالْجَوَابُ أَنَّهُ قَدْ وَقَعَ التَّعَارُضُ بَيْنَ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَبَيْنَ الْأَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ فِي النَّهْيِ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الْأَوْقَاتِ الثَّلٰثَةِ فَإِنَّهَا تَعُمُّ الْفَرْضَ وَالنَّفْلَ وَلَيْسَتْ مَخْصُوْصَةً بِالنَّفْلِ كَمَا زَعَمَتِ الشَّافِعِيَّةُ وَحُكْمُ التَّعَارُضِ بَيْنَ الْحَدِيْثَيْنِ اَلرُّجُوْعُ إِلَى الْقِيَاسِ وَالْقِيَاسُ رَجَّحَ حُكْمَ هٰذَا الْحَدِيْثِ فِي صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَحُكْمَ النَّهْيِ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ كَمَا ذَكَرْنَا وَلَيْسَتِ الْأَحَادِيْثُ فِي النَّهْيِ عَنِ الثَّلٰثَةِ مَخْصُوْصَةً بِالنَّفْلِ كَالنَّهْيِ عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَجْرِ وَالْعَصْرِ كَمَا زَعَمَتِ الشَّافِعِيَّةُ بِقَوْلِهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ صَلٰوةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ ذٰلِكَ وَقْتُهَا أَيْ أَوَّلُهُ وَبِهِ

۱..... شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل في صلاة الغداة فيصلي منها ركعة ثم تطلع الشمس، ج: ۲۳۶۳، ج: ۱، ص: ۲۹۹۔ ۲..... رد المحتار، كتاب الصلاة۔

۳..... البرهان شرح مواهب الرحمن۔

يُوَفِّقُوْنَ بَيْنَ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَتِلْكَ الْاَحَادِيْثِ لِاَنَّ التَّخْصِيْصَ خِلَافُ الظَّاهِرِ وَظَاهِرُ الْاَحَادِيْثِ النَّهْيُ عَنِ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ" (۱) یعنی اور جواب یہ ہے کہ تحقیق تعارض واقع ہوا اس حدیث میں اور اُن احادیث میں جن میں تین وقتوں میں نماز کی ممانعت وارد ہے، کیونکہ وہ شامل ہیں فرض اور نفل کو اور نہیں خاص ہیں نفل کے ساتھ، جیسا کہ گمان کیا ہے شافعیہ نے۔ اور حکم تعارض کا درمیان دو حدیثوں کے رجوع کرنا ہے طرف قیاس کے، اور قیاس نے اس حدیث کے حکم کو صلوٰۃ عصر کے جواز میں ترجیح دی اور حکم نہی کو نماز فجر کے عدم جواز میں ترجیح دی، جیسا کہ ذکر کیا ہم نے، اور تین وقتوں میں نماز کی ممانعت کی حدیثیں نفل کے ساتھ خاص نہیں مثل حدیث ممانعت نماز کے بعد فجر اور عصر کے، جیسا کہ گمان کیا اس کا شافعیہ نے، بعد ارشاد آنحضرت ﷺ کے کہ جو شخص سو جائے نماز سے یا بھول جاوے اُس کو، پس چاہیے کہ پڑھے اُس کو جب یاد آوے اس واسطے کہ تحقیق یہی وقت اُس کا ہے، یعنی اول وقت ہے اور اسی سے توفیق دیتے ہیں فقہائے محدثین درمیان اس حدیث کے اور اُن احادیث کے اس وجہ سے کہ تخصیص کرنا ساتھ نفل کے خلاف ظاہر کے ہے، اور ظاہر احادیث کا نہی ہے فرائض اور نوافل سے انتہی۔

اسی طرح کہا علامہ عینی اور علامہ ابن ہمام نے اور حدیث میں بھی جو علت ممانعت کی بیان کی ہے عام معلوم ہوتی ہے، چنانچہ "فتح القدیر" کی عبارت میں ذکر اس کا ہو چکا ہے اس کے بعد "لمعات" میں لکھا ہے "وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا اَحَادِيْثُ النَّهْيِ نَاسِخَةٌ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَكَانَ وُرُوْدُهُ قَبْلَ النَّهْيِ وَمُقْتَضَاهُ اَنْ يَبْطُلَ الْعَصْرُ اَيْضًا لٰكِنَّا عَلَّلْنَاهُ بِمَا ذَكَرْنَا فَجَوَّزْنَا فِي الْعَصْرِ هٰذَا وَقَدْ رُوِيَ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الْفَجْرَ لَا يَفْسُدُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ" (۲) یعنی کہا ہمارے بعض اصحاب نے حدیثیں نہی کی ناسخ ہیں اس حدیث کی اور تھا ورود اس حدیث کا قبل وارد ہونے نہی کے اور مقتضی اس قول کا یہ ہے کہ نماز عصر بھی باطل ہو جائے، لیکن ہم نے اس کی علت بیان کر دی، پس جائز رکھا ہم نے عصر میں اس کو اور تحقیق روایت کی گئی ہے امام ابو یوسف سے یہ کہ بیشک نماز فجر نہیں فاسد ہوتی طلوع آفتاب سے انتہی۔

اور "فتح المنان" میں لکھا ہے کہ فجر کا کل وقت کامل ہے، پس جب نماز اس وقت میں شروع کرے گا کامل ہی واجب ہوگی، پس جبکہ طلوع سے نقصان عارض ہوا تو جیسی نماز واجب ہوئی تھی ویسی ادا نہیں ہوئی بخلاف عصر کے، اس لیے کہ آخر وقت اُس کا ناقص ہے کیونکہ وقت مکروہ ہے، پس جبکہ شروع کرے گا اُس وقت میں تو ناقص واجب ہوگی پھر جب کہ غروب سے نقصان عارض ہوگا تو وہ جیسے واجب ہوئی تھی ادا ہو جاوے گی (۳) انتہی۔

اس کے بعد چند دلائل اور بیان کیے ہیں، پھر آخر بحث میں لکھا ہے "وَبِمَا ذَكَرْنَا عُلِمَ اَنَّ مَذْهَبَ الْحَنَفِيَّةِ مَبْنِيٌّ عَلَى التَّحْقِيْقِ وَالتَّدْقِيْقِ وَاَنَّ قِيَاسَاتِهِمْ وَدَلَائِلَهُمُ الْعَقْلِيَّةَ لَيْسَتْ فِيْ مُقَابَلَةِ النُّصُوْصِ بَلْ

۱.....لمعات التنقیح۔
۲.....لمعات التنقیح۔
۳..... فتح المنان۔

لِتَرْجِيْحِ بَعْضِ الْأَحَادِيْثِ عَلٰى بَعْضٍ كَمَا أَشَرْنَا إِلَيْهِ فِيْ مَوَاضِعَ "(۱) یعنی وجہ مذکورسے جانا گیا کہ بیشک مذہب حنفیہ کا تحقیق اور تدقیق پر بنا کیا گیا ہے اور یہ کہ قیاسات اُن کے اور دلائل عقلیہ اُن کے احادیث کے مقابل نہیں، بلکہ واسطے ترجیح دینے بعض احادیث کے ہیں اوپر بعض کے، چنانچہ اس کا اشارہ ہم بہت جگہ کر چکے ہیں انتہی۔

اور "شرح وقایہ" میں ہے" فَالْقِيَاسُ رَجَّحَ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِيْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَحَدِيْثَ النَّهْيِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَأَمَّا سَائِرُ الصَّلٰوةِ فَلَا يَجُوْزُ فِي الْأَوْقَاتِ الثَّلٰثِ لِحَدِيْثِ النَّهْيِ إِذْ لَا مُعَارِضَ لِحَدِيْثِ النَّهْيِ فِيْهَا"(۲) یعنی پس قیاس نے ترجیح دی اس حدیث کو نماز عصر میں اور حدیث نہی کو نماز فجر میں اور لیکن تمام نمازیں، پس نہیں جائز ہیں اوقات ثلثہ میں بوجہ حدیث نہی کے اس واسطے کہ حدیث نہی کا ان وقتوں میں کوئی معارض نہیں انتہی۔

اور مرقات شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ جزو مقارن ادا کا سبب ہے وجوب نماز کا اور آخر وقت عصر کا ناقص ہے اس لیے کہ وہ وقت ہے پرستش آفتاب کا، پس واجب ہوگی نماز ناقص جب ادا کرے گا تو جیسا کہ نماز واجب ہوئی ہے ویسے ادا کرے گا، پس جب فساد بسبب غروب کے ہوگا تو فاسد نہ ہوگی، اور فجر کا کل وقت کامل ہے اس لیے کہ آفتاب قبل طلوع کے پرستش نہیں کیا جاتا، پس کامل واجب ہوگی، پس جب طلوع سے فساد طاری ہوگا تو فاسد ہو جاوے گی، اس لیے کہ جیسے واجب ہوئی تھی ادا نہیں ہوئی، پس اگر کہا جائے کہ یہ علت مقابل حدیث کے ہے تو کہوں گا میں جب احادیث میں تعارض واقع ہوا، پس قیاس نے اس حدیث کو نماز عصر میں ترجیح دی اور حدیث نہی کو نماز فجر میں ترجیح دی لیکن اور نمازیں، پس جائز نہیں ہیں اوقات ثلثہ میں بسبب حدیث ممانعت کے اس واسطے کہ حدیث نہی کا اور نمازوں میں کوئی معارض نہیں(۳) انتہی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یا تو ان احادیث سے وہ معنی لیے جائیں جو شرح مسلم سے نقل ہوئے ان کو منسوخ کہا جاوے، چنانچہ یہی مذہب امام طحاوی کا ہے یا بسبب تعارض کے بعض کو بعض پر ترجیح دی جاے، چنانچہ یہی مذہب امام صاحب کا ہے، غرض مخالفت حدیث کی کسی صورت سے لازم نہیں آتی۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر امام نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے، سو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری میں ہے کہ امامت کرواتا تھا حضرت عائشہ کو ذکوان غلام اُن کا قرآن سے، یعنی نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتا تھا۔

---

۱ ..... لمعات التنقیح۔

۲ ..... شرح وقایۃ۔

۳ ..... المرقات شرح مشکوۃ، کتاب الصلاۃ، باب تعجیل الصلوات۔

کشف کید بست وکیم

حالت نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا درست نہیں

اقول: چونکہ قرآن سے دیکھ کر پڑھنے میں بعض صورتوں میں عمل کثیر لازم آتا ہے اور عمل کثیر سے بالاتفاق نماز فاسد ہو جاتی ہے، گوکہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہو، اس لیے اس سے بھی نماز فاسد ہو جائیگی، امام ہو یا اکیلا پڑھے، قید امام اتفاقی ہے۔ اور جس صورت میں عمل کثیر نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک بوجہ تعلم من الخارج یعنی نمازی کے بیرون نماز سے سیکھنے کے سبب نماز فاسد ہوتی ہے، اور ابن حزم نے "محلی" میں لکھا ہے "وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُسَيِّبِ وَالْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَالشَّعْبِيِّ قُلْتُ وَهُوَ مَذْهَبُ الظَّاهِرِيَّةِ أَيْضاً" (۱) یعنی یہی قول ہے ابن مسیب اور حسن بصری اور شعبی کا میں کہتا ہوں کہ یہی مذہب ظاہریہ کا بھی ہے انتہی۔

اور عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے، پس اگر کہے تو کہ ذکوان مولی عائشہ کا امامت اُن کی رمضان میں کیا کرتا تھا اور قرآن سے دیکھ کر پڑھتا تھا ذکر کیا اس کو بخاری نے "بَابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى" میں، کہوں گا میں فعل ذکوان اگر صحیح ہو تو محمول اس پر ہے کہ قبل شروع نماز کے قرآن شریف سے دیکھ کر یاد کر لیتا تھا، پھر کھڑے ہو کر نماز میں پڑھ دیتا تھا، اور بعضوں نے کہا کہ ہر دو شفعوں کے درمیان دو رکعتوں کے مقدار حفظ کر لیا کرتا تھا، پس دیکھنے والے نے یہ گمان کیا کہ قرآن دیکھ کر پڑھتا ہے پس اپنے ظن کے موافق روایت کی اور اس مذکور کی تائید یہ امر کرتا ہے کہ آخر قراءت قرآن شریف سے دیکھ کر نماز میں مکروہ تو ضرور ہے، اور ہم کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ گمان نہیں کہ مکروہ پر راضی ہوئی ہوں اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی ہوں جو مکروہ نماز پڑھائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا انہوں نے منع کیا ہم کو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہ امامت کریں لوگ قرآن شریف دیکھ کے، ذکر کیا اس حدیث کو ابوبکر بن داؤد نے مع اسناد کے (۲) انتہی۔

قال: ہدایہ وغیرہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ تکبیر اولی دو رکعتوں میں برابر کی سورتیں پڑھے کم زیادہ نہ پڑھے اور یہ مذہب امام اعظم اور اُن کے شاگرد ابو یوسف کا ہے سو امام اعظم اور اُن کے شاگرد ابو یوسف نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری اور مسلم میں روایت ہے ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے الخ۔

۱...... المحلی لابن حزم، ج: ٤، ص: ٤٥، المسألة: ٤٠٦۔ (مطبعة النهضة بشارع عبد العزيز بمصر)۔

...... (محلی کی عبارت اس طرح ہے: وقد روينا هذا عن جماعة من السلف: منهم سعيد بن المسيب، والحسن البصري، ابو عبد الرحمن السلمي)

اور مصنف کی ذکر کردہ عبارت " البناية شرح الهداية، ج: ٢، ص: ٤٠٢ " سے نقل کی ہوئی ہے۔

اور " قلت وهو مذهب الظاهرية ايضا " یہ الفاظ عینی کے ہیں محلی کے نہیں ہیں۔

۲...... البناية شرح الهداية، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج: ٢، ص: ٥٠٢ (دار الفكر، بيروت)۔

کشف کید بست و دوم

ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قرات کی مقدار برابر ہونی چاہیے

اقول: مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الظُّهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلٰثِيْنَ اٰيَةً الْحَدِيْث "(۱) یعنی تحقیق رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے پہلی دو رکعتوں میں نماز ظہر کی مقدار تیس آیت کے ہر رکعت میں انتہی۔

پس امام صاحب نے اگر اس حدیث کے موافق کہہ دیا تو کیا گناہ ہوا؟ پھر باایں ہمہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ امام محمد کا قول بہتر ہے افسوس! کہ اس کو نہ دیکھنا اور اندھوں کی طرح بے دھڑک اعتراض کر بیٹھنا کیسی عداوت اور نفسانیت ہے کیا یہی آدمیت ہے۔

نباشد تحمہ گیری آدمیت | کہ کار سگ بود آہو گرفتن (۲)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ فرض نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں آدمی کو اختیار ہے خواہ چپکا رہے (یعنی کچھ نہ پڑھے) خواہ پڑھے خواہ سبحان اللہ پڑھے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں بھی خلاف کیا ہے بخاری اور مسلم کی اس حدیث کا جو کہ ابی قتادہ کی روایت سے مسئلہ نود و ہشتم میں اوپر مذکور ہوئی۔

کشف کید بست و سوم

ظہر کی پچھلی دو رکعتوں میں قرات ضروری نہیں

اقول: امام محمد کے موطا میں روایت ہے کہ "عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے صلوۃ جہریہ اور سریہ میں پہلی اور پچھلی دو رکعتوں میں قرات نہیں کرتے تھے اور جب اکیلے نماز پڑتے تھے تو اول کی دو رکعتوں میں الحمد اور سورت پڑھتے اور اخیر کی دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے" (۳) انتہی۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ "علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلی دو رکعت میں قرآن پڑھ اور اخیرین میں سبحان اللہ پڑھ" (۴) انتہی۔

پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت بطریق وجوب نہ تھی، بلکہ بطور استحباب کے تھی اور یہی

۱..... صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الظہر و العصر، ج: ۲، ۴۵۲، ص: ۱۸۵، ۴۵۲۔

۲..... کتہ چینی کرنا انسان کا کام نہیں کہ کتے کا کام ہرن کا شکار کرنا ہے۔ت

۳.....الموطا بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی: ابواب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصلاۃ

خلف الامام، ج: ۱۲۱، ج: ۱، ص: ۱۶۸۔

۴.....فتح القدیر، فصل القراءۃ فی الفرض فی رکعتین وجعلھا فی الاولین واجبا، ج: ۱، ص: ۴۵۲۔
(یہ حدیث مجھے مصنف میں نہیں ملی البتہ فتح القدیر میں بحوالہ مصنف کے ملی جس کو ذکر کر دیا)

امام صاحب کا مسئلہ ہدایہ میں لکھا ہے "اِلَّا اَنَّ الْاَفْضَلَ اَنْ یَقْرَأَ " (۱) یعنی مگر بہتر یہ ہے کہ قرأت کرے انتہی۔

گو حدیث مذکور عائشہ رضی اللہ عنہا سے غریب ہے مگر دوسری روایت اُن سے غریب نہیں، بنایہ میں لکھا ہے" رُوِیَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قِرَاءَةٍ فِی الْاُخْرَیَیْنِ قَالَتْ اِقْرَأْهَا عَلٰی جِهَةِ الثَّنَاءِ "(۲) یعنی روایت ہے کہ ایک شخص نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا اخیر کی دو رکعتوں میں قرأت کا فرمایا پڑھ بطریق دعا کے انتہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ الحمد بطریق دعا کے پڑھ لے۔

پس امام صاحب کی طرف سے نسبت مخالفت کی کیونکر درست ہو سکتی ہے ہاں! اگر کوئی وجوب ثابت کر دے تو ہو جائے گی مگر امام صاحب کی پھر کیا تخصیص ہے؟ خود صحابہ بھی کا مذہب موجود ہے، ایسے جلیل القدر صحابہ خلاف حدیث نہیں کہہ سکتے، بلکہ درایتی صحابی کا قول بھی حجت ہوتا ہے، اسی وجہ سے کسی حدیث سے اخیرین میں وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان حدیثوں سے خود واضح ہو گیا کہ استحبابا آنحضرت ﷺ پڑھتے تھے، اور بعض مرجوح روایتوں میں جس نے امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ قرأت فاتحہ افضل تسبیح کہنے سے ہے، اور اگر تسبیح نہ کہی اور قراءت نہ کی تو گنہگار ہوگا اگر بھول کر ترک کریگا تو سجدہ سہو لازم آ جائے گا، اور شیخ الاسلام علامہ ابن ہمام نے اس روایت کو احوط کہا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

آمین و بسم اللہ کا بیان

قال: " فتاویٰ عالمگیری " میں لکھا ہے کہ بسم اللہ اور آمین نماز میں پکار کر کہنی مکروہ ہے (۳) اور " جامع الرموز " میں محیط سے نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں آمین آہستہ کہنی سنت ہے اور پکار کر کہنی مکروہ ہے (۴) اور ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام اور مقتدی نماز میں آمین آہستہ کہیں۔ (۵) اور یہ مذہب امام اعظم اور امام مالک اور اہل کوفہ کا ہے سو امام اعظم اور امام مالک اور اہل کوفہ نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان اکیس حدیثوں کا الخ۔

۱.....الهداية، فصل في القراءة، ج: ۱، ص: ۶۷۔

۲.....البناية، باب النوافل، فصل في القراءة، ج: ۲، ص: ۶۳۰۔

۳..... فتاوی عالم گیری، فصل في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ج: ۱، ص: ۷۴۔

۴..... المحيط البرهاني للامام برهان الدين بن مازة: كتاب الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۶

(دار احیاء التراث العربي، بیروت)۔

۵.....الهداية: باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۴۸۔

کشف کید بست وچہارم
نماز میں بسم اللہ اور آمین بالجہر درست نہیں
اکیس حدیثوں کا احادیث کثیرہ سے جواب

اقول:

قولہ پہلی حدیث ابوداؤد آہ!

اقول: پہلی حدیث "مسند امام احمد" کی "عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ "(۱) یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے نماز پڑھی ساتھ رسول اللہ ﷺ کے، پس جب کہ پہونچے ولا الضالین پر آمین کہی اور پوشیدہ کیا اپنی آواز کو اس کی۔

بشر بن رافع ضعیف راوی ہیں

قولہ دوسری حدیث آہ!

اقول: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کا راوی بشر بن رافع ہے، "تقریب التهذيب لابن الحجر العسقلاني" میں لکھا ہے کہ بشر بن رافع ضعیف الحدیث ہے، اور ابن القطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بشر بن رافع ابو الاسباط نجرانی ضعیف ہے، اور عمدۃ المحدثین شیخ الاسلام علامہ عینی نے "بنایہ" میں لکھا ہے" وَهُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَفِيْ إِسْنَادِهِ بِشْرُ بْنُ رَافِعٍ ضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ وَابْنُ مَعِيْنٍ "(۲) یعنی یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد میں بشر بن رافع ہے ضعیف کہا اس کو بخاری اور ترمذی اور نسائی اور امام احمد اور یحیی بن معین نے اسکی۔

قولہ تیسری حدیث آہ!

اقول: اس حدیث میں بھی وہی بشر بن رافع راوی ضعیف ہے، پس حدیث قابل حجت نہیں، اور اگر بالفرض تسلیم کیا جائے تو اس کے دو جواب ہیں۔

اول یہ کہ "انجاح الحاجة" میں لکھا ہے کہ "انکار کرنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ترک جہر پر اس وجہ سے ہے کہ شاید ان کو حدیث اخفا کی

۱..... مسند الامام احمد، ح: ۱۸۸۷٤، ج: ٤، ص: ۳۱٦۔ مسند میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ (حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر ابي العنبس قال سمعت علقمة يحدث عن وائل او سمعه حجر من وائل قال صلى بنا رسول الله ﷺ فلما قرا (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) قال آمين واخفى بها صوته ووضع يده اليمنى على يده اليسرى وسلم عن يمينه وعن يساره. (مؤسسة قرطبة، القاهرة)

۲..... البناية شرح الهداية، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۲٤۹.

نہیں پہونچی"(۱) انتہی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث سے اخفا بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ آدمیوں کا چھوڑ دینا بجز اس کے کہ ان کو اخفا ثابت ہوگیا ہو ممکن نہیں، اس لیے کہ آدمی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے وقت میں صحابہ اور تابعین تھے، پس اکثر کا چھوڑ دینا گو بعض صحابہ نے مثل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ترک نہ کیا ہو اس پر دال ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے، پس اس حدیث سے بھی ترجیح اخفا کو ثابت ہے اور کیوں نہ ہو جواب تک احادیث اخفا کے برابر محدثین اپنی کتابوں میں روایت کرتے چلے آئے ہیں، چنانچہ دوسری حدیث مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے "عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ "(۲) یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پس جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہونچے آمین کہی اور آہستہ کیا آواز کو انتہی۔

پس جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ نے جہراً آمین چھوڑ دیا تو پھر امام صاحب کا کیا قصور ہے جو انہوں نے واسطے اخفا کے ارشاد فرمایا؟ حالانکہ مرفوع صحیح حدیثیں اخفا کی موجود ہیں۔

قولہ: چوتھی حدیث آؤ!

اقول: تیسری حدیث مسند ابویعلی میں ہے کہ "جب آنحضرت ﷺ ولا الضالین پر پہونچے آمین آہستہ کہی"(۳) انتہی۔

قولہ: پانچویں حدیث آؤ!

اقول: چوتھی حدیث طبرانی نے معجم میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین پر پہونچے تو آمین کہی اور آہستہ کہی(۴) انتہی۔

۱.....انجاح الحاجة۔

۲.....مسند ابي داؤد الطيالسي، حديث وائل بن حجر عن النبي ﷺ، حديث: ١٠٢٤، ج: ١، ص: ١٣٨۔

.....مسند ابی داؤد طیالسی میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے (حدثنا ابو داؤد قال حدثنا شعبة قال اخبرني سلمة بن كهيل قال سمعت حجرا ابا العنبس قال سمعت علقمة بن وائل يحدث عن وائل و قد سمعت من وائل انه: صلي مع رسول الله ﷺ فلما قرا (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) قال (آمين) خفض بها صوته و وضع يده اليمنى على يده اليسرى وسلم عن يمينه وعن يساره (دار المعرفة، بيروت)

۳.....مسند ابي يعلى: ح: ٦٢٢٠، ج: ١٠، ص: ٨٩۔ مسند ابی یعلی میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے
(عن ابي هريرة قال: ترك الناس (آمين) ان كان رسول الله ﷺ اذا قرا (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) قال (آمين) حتى يسمع الصف الاول (دار المامون، دمشق)۔

۴.....المعجم الكبير للطبراني، باب الواو، وائل بن حجر الحضرمي، ح: ٢٢، ج: ٢٣، ص: ٩، ايضا ح: ١٠٩، ص: ٤٣، ايضا ح: ١١٠، ص: ٤٤، ايضا ح: ١١٢، ص: ٤٥۔

ہم نے دونوں موقوف حدیثوں کے جواب میں مرفوع حدیثیں لکھی ہیں، علاوہ اسکے پانچویں حدیث بخاری نے بلا سند بیان کی ہے، اور معترض صاحب کہتے ہیں کہ روایت کیا بخاری نے اس کو حالانکہ بخاری نے کہیں روایت اس کی نہیں لکھی لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد (۱)

پھر دوسری غلطی معترض صاحب نے یہ کی کہ ضمیر کا مرجع جہراً آمین ٹھہرایا، حالانکہ مطلق آمین کی طرف ضمیر پھرتی ہے، اور معنی یہ ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ آمین کو ترک نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو آمین کہنے پر برانگیختہ کرتے تھے، اور نافع کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے آمین کی حدیث مرفوع سنی ہے۔ پس اس قول سے آمین کہنے کی فضیلت ثابت ہوئی اس کے ہم بھی قائل ہیں مگر جہر اس سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں! ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہوتا ہے، اسی لیے ہم نے اخفاء کی مرفوع حدیث لکھدی ہے۔

قولہ: چھٹی حدیث آہ!

اقول: پانچویں حدیث "محلی" میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ غير المغضوب عليهم ولا الضالين پڑھ چکے آمین آہستہ کہی (۲) انتہی۔

قولہ: ساتویں حدیث آہ!

اقول: چھٹی حدیث ترمذی میں ہے " عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ " (۳) یعنی علقمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے پڑھا ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ پس آمین کہی اور پست کیا آواز کو انتہی۔

قولہ: آٹھویں حدیث آہ!

اقول: ساتویں حدیث "تہذیب الآثار" میں ہے " حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رضی اللہ عنہما يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِاٰمِيْنَ " (۴) یعنی

۱..... کتنا دلیر ہے وہ چور جو ہاتھ میں چراغ رکھتا ہے۔ت

۲..... المحلی لابن حزم: یہ حدیث محلی میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں ملی البتہ ان الفاظ کے ساتھ ملی "عن ابی هريرة رضي الله عنه قال كان رسول الله ﷺ اذا تلى "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" قال آمين حتى يسمع من يليه من الصف الاول"۔

..... المحلی لابن حزم، المسئلة في صفة الصلاة، ج: ٣، ص: ٢٦٣۔

۳..... سنن الترمذي: كتاب الصلاة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في التامين، ج: ١، ٢٤٨، ص: ١٠٠۔

۴..... تهذيب الآثار.

ابووائل سے روایت ہے کہ عمر اور علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھتے تھے اور نہ آمین میں جہر کرتے تھے انتہی۔

قولہ: نویں حدیث آوا!

اقول: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ حجیہ بن عدی کندی جو اسکے راوی ہیں اُن کو تقریب میں لکھا ہے کہ خطا کرتے تھے، پس جس سے حدیث میں خطا واقع ہو اس کی حدیث قابل حجت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا فعل عدم جہر ہے، چنانچہ ابھی ہم نے حدیث صحیح "تہذیب الآثار" سے نقل کی ہے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو علی رضی اللہ عنہ ترک جہر نہ کرتے اور ابن ابی حاتم نے بھی "کتاب العلل" میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے انہوں نے کہا ھٰذَا عِنْدِیْ خَطأٌ یعنی یہ حدیث میرے نزدیک خطا ہے اور یہ ابن ابی لیلیٰ سے ہے اور اُن کا حافظہ خراب تھا انتہی۔

لہٰذا وہ حدیث جس میں یہ مذکور ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ آمین پکار کر نہیں کہتے تھے زیادہ معتبر ہوئی اور یہ حدیث جو معترض صاحب نے نقل کی ہے اس کے مقابل میں صحیح نہ ٹھہری۔

قولہ: دسویں حدیث آوا۔

اقول: آٹھویں حدیث سنن دارقطنی میں ہے" عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ "(۱) یعنی علقمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی، پس جب ولا الضالین پر پہونچے آمین کہی اور خفی کیا اپنی آواز کو انتہی۔

اور وہ حدیث جس کو معترض صاحب نے عبدالجبار کی روایت سے بیان کیا ہے منقطع ہے، کیونکہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا ہے چنانچہ ترمذی میں لکھا ہے "سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُوْلُ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْهِ وَلَا أَدْرَكَهُ يُقَالُ إِنَّهُ وُلِدَ بَعْدَ مَوْتِ أَبِيْهِ بِأَشْهُرٍ "(۲) یعنی میں نے امام بخاری سے سنا ہے وہ کہتے تھے

۱.....سنن الدار قطنی : کتاب الصلاۃ ، باب التامین فی الصلاۃ بعد فاتحۃ الکتاب والجهر بها ، ح : ۱ ، ج : ۱ ، ص : ۳۳۴

.....سنن دار قطنی میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے (حدثنا یحیی بن محمد بن صاعد ثنا ابو الاشعث ثنا یزید بن زریع ثنا شعبة عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس عن علقمة ثنا وائل او عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول الله ﷺ فسمعته حین قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین و اخفی بها صوته ووضع یده الیمنی علی الیسری و سلم عن یمینه و عن شماله کذا قال شعبة واخفی بها صوته

اور مصنف کے ذکر کردہ الفاظ مرقات کے ہیں جس کو حوالہ دارقطنی اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

۲.....سنن الترمذی : کتاب الحدود عن رسول الله ﷺ ، باب ما جاء فی المرأة اذا استکرهت علی الزنا ، ح : ۱۴۵۴ ، ص : ۳۴۸ .

عبدالجبار نے اپنے باپ سے سنا نہیں اور نہ اُن کا زمانہ پایا بلکہ وہ اپنے باپ کے انتقال کے کئی مہینے بعد پیدا ہوئے ہیں انتہیٰ۔

علاوہ اس کے دو چار دس پانچ بار آنحضرت ﷺ سے کسی نے سنا ہو تو اس کا ہم کو انکار نہیں اس لیے کہ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ بغرض تعلیم امت کے آیت اور دعا کو پکار پڑھ دیا کرتے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی یہی عادت تھی کہ واسطے تعلیم مقتدین کے کبھی کبھی پکار کر قرأت فرماتے جیسا کہ حافظ ابن قیم جوزی زاد المعاد میں بسند صحیح نقل فرماتے ہیں "فَإِذَا جَهَرَ بِهِ الْإِمَامُ أَحْيَانًا لِيُعَلِّمَ الْمَأْمُومِينَ فَلَا بَأْسَ بِذٰلِكَ فَقَدْ جَهَرَ عُمَرُ بِالْاِفْتِتَاحِ لِيُعَلِّمَ الْمَأْمُومِينَ وَجَهَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِيُعَلِّمَهُمْ أَنَّهَا سُنَّةٌ وَمِنْ هٰذَا أَيْضًا جَهْرُ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ وَهٰذَا مِنَ الْاِخْتِلَافِ الْمُبَاحِ الَّذِي لَا يُعَنَّفُ فِيهِ مَنْ فَعَلَهُ وَلَا مَنْ تَرَكَهُ وَهٰذَا كَرَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ وَتَرْكِهِ"(۱) یعنی امام واسطے تعلیم مقتدین کے دعائے قنوت کو وقت نزول نازلہ کے کبھی پکار کر کہے تو کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ تحقیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شروع کیا فاتحہ کو پکار کر، تا کہ تعلیم ہو مقتدیوں کو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پکار کر پڑھی تا کہ مقتدیوں کو تعلیم ہو کہ اس محل پر پڑھنا اس کا سنت ہے اور اسی قبیل سے ہے پکار کر کہنا امام کا آمین کو اور یہ اختلاف مباح ہے کہ اُس کے عامل اور تارک کو برا نہ کہا جاوے اور یہ مثل رفع یدین کے ہے نماز میں کہ کرنا اور نہ کرنا اُس کا جائز ہے انتہیٰ۔

پس اس سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے بعد قرأت فاتحہ کے آمین بنظر تعلیم پکار کر فرمائی تھی تا کہ سمجھ جاویں کہ اس محل پر آمین کہی جاتی ہے ورنہ جتنے احادیث دعا اور قرأت اور تسبیح کی سماعت میں آئے ہیں سب سے جہر ثابت ہو جائے گا، حالانکہ کوئی بھی جہر کا قائل نہیں۔

قولہ: گیارہویں حدیث آہ!

اقول: یہ حدیث مستدرک میں حاکم نے اخفائے آمین کی روایت کی ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے اور جہر کی روایت میں حاکم اور بیہقی کی بشر بن رافع ہے اور وہ راوی ضعیف ہے۔(۲)

پس حدیث جہر کو علی شرط الشیخین کہنا حاکم کا اور حسن کہنا بیہقی کا مخالف شرط بخاری وغیرہ کے ہوگا۔

۱..... زاد المعاد في هدي خير العباد: فصل في صلاته صلى الله عليه وسلم وخشوعه، ج: ۱، ص: ۲۵۶۔

(المؤسسة الرسالة، بيروت)

۲..... المستدرك للحاكم: كتاب التفسير، قراءة النبي صلى الله عليه وسلم مالم يخرجاه و قد صح سنده، ح: ۲۹۱۳، ج: ۲، ص: ۲۵۳

..... مسند ابي يعلي میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے (عن علقمة بن وائل عن ابيه: انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم قال "غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين يخفض بها صوته" قال القاضي: غير بخفض الراء فإن في قراءة اهل مكة "غير المغضوب" (هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه)

قولہ : بارہویں حدیث سے اکیسویں حدیث تک۔

اقول: دسویں حدیث" رَوَى اَبُوْدَاوٗدُ وَغَيْرُه أَنَّهٗ ﷺ قَالَ اٰمِيْنَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ "(۱) یعنی روایت کیا ابوداؤد طیالسی وغیرہ نے کہ رسول اللہ ﷺ نے آمین کہی اور پست کی ساتھ آمین کے آواز اپنی(۲)۔

اس بارہویں حدیث سے اکیسویں حدیث تک کسی سے جہر ثابت نہیں کیونکہ بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی اور امام کی آمین ایک وقت میں ہو اس میں جہر کا نشان بھی نہیں اسی طرح اور حدیثوں میں فقط آمین کہنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جہر کی ان سے بو بھی نہیں آتی اسی لیے تمام فقہا اور محدثین ان احادیث کو فضائل آمین میں بیان کرتے ہیں۔ اور اگر کسی نے جہر کے باب میں بیان کر دیا تو یہ فقط اس کا اجتہاد ہے ہم پر حجت نہیں، کیونکہ لفظاً قول سے جیسا کہ بخاری میں ہے یہ استنباط کرنا کہ جہر مراد ہے فقط اپنے مذہب کی تائید ہے، حدیث کے الفاظ اس معنی سے ہزاروں کوس دور ہیں ورنہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ سے جہر ثابت ہو جائے گا، اسی طرح احادیث میں وارد ہے کہ جب صبح کو اٹھو تو یوں کہو اور جب سونے کو لیٹو تو یہ کہو اور جب کھانا کھاؤ تو یہ کہو اور جب قرآن ختم کرو تو یہ کہو اور جب پاخانے سے نکلو تو یہ کہو سب سے ان دعاؤں کا جہر سے پڑھنا ثابت ہوگا اسی طرح جب امام" سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ "کہے تو حدیث میں آیا ہے تم" رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ "کہو، ایسے ہی التحیات پڑھنے کے واسطے بھی لفظ" قُوْلُوْا "آیا ہے یعنی قعدہ میں التحیات پڑھا کرو ان تمام کو جہر سے پڑھنا کیوں نہیں مسنون کہتے۔ اور ان سب کو آہستہ کہنے کو کیوں مسنون کہتے ہو حالانکہ" قُوْلُوْا "اور" قُلْ "ان میں بھی موجود ہے، پس معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے معترض صاحب کا استدلال کرنا محض مغالطہ اور فریب دہی عوام ہے۔ ایسے ہی یہود کا حسد کرنا اس پر موقوف نہیں کہ آنحضرت ﷺ جہر کرتے ہوں، بلکہ بعض اوقات واسطے تعلیم کے جہر فرماتے تھے، کیا یہ امر یہود پر ظاہر نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ سے ان کا حسد کرنا مقصود ہے؟ یہود کو جتنے اقوال اور افعال جو نماز میں صادر ہوتے تھے کیا ان کا علم نہ تھا؟ اور آمین کو تو ہم خود تسلیم کرتے ہیں کہ بعض اوقات جہر کرتے تھے، کیا بعض اوقات کا جہر ان کے علم کے واسطے کافی نہ ہوگا، اسی وجہ سے ان کو حسد تھا کہ یہ لوگ نماز میں آمین ضرور کہتے ہیں اور ہم لوگ آمین کی فضیلت سے محروم رہتے ہیں، جہر پر کچھ حسد موقوف نہیں اور احادیث اخفاء کے اس کے مؤید ہیں اور خود معترض صاحب نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت کیا ہے کہ لوگوں نے آمین چھوڑ دی، پس صحابہ اور تابعین کا چھوڑنا بھی اخفا پر دال ہے کیونکہ مطلقاً چھوڑ دینا خواہ سراً ہو خواہ جہراً اگر لیا جائے گا تو یہ امر صحابہ سے نہایت بعید ہے، اس لیے کہ

۱……البحر الرائق : باب صفة الصلاة، ج ۲، ص ۳۳۱۔

۲……مسند ابی داؤد الطیالسی: حدیث وائل بن حجر عن النبی ﷺ ح: ۱۰۲۴، ج ۱، ص ۱۳۸۔ مسند ابی داؤد کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے (حدثنا ابو داؤد حدثنا شعبة قال اخبرنی سلمة بن كهيل قال سمعت من وائل انه صلى مع رسول الله ﷺ فلما قرا" غير المغضوب عليهم ولا الضالين " قال آمين خفض بها صوته ووضع يده اليمنى على يده اليسرى وسلم عن يمينه وعن يساره.

مطلق آمین میں سب کا اتفاق ہے اور احادیث میں بھی فضائل اُس کے موجود ہیں گو سر اور جہر میں اختلاف ہو، پس معلوم ہوا کہ صحابہ آمین میں جہر نہیں کرتے تھے، اور جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جہر نہ کرنے کو معیوب سمجھا تو اس کا کچھ تعجب نہیں، صحابہ میں اس قسم کا اختلاف رہا ہے، پس جب آنحضرت ﷺ سے آمین کا آہستہ کہنا اور اسی طرح صحابہ سے ثابت ہوا، پس جو شخص آہستہ کہنے کو برا سمجھے گا اُس میں اور یہود میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ گیارہویں حدیث طحاوی کی " عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ لَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِآمِيْنَ "(۱) یعنی ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے عمر اور علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ اور اعوذ باللہ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے انتہیٰ۔

بارہویں حدیث بخاری اور مسلم کی " عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "(۲) یعنی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے نماز پڑھی میں نے پیچھے رسول اللہ ﷺ کے اور پیچھے ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے، پس نہیں سنا میں نے کسی کو اُن میں سے کہ پڑھتا ہو بسم اللہ الرحمن الرحیم انتہیٰ۔

تیرہویں حدیث مسلم میں ہے " قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا يَذْكُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْ أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِيْ آخِرِهَا "(۳) یعنی فرمایا انس رضی اللہ عنہ نے کہ نماز پڑھی میں نے ہمراہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے، پس تھے وہ شروع کیا کرتے ساتھ الحمد کے اور نہیں ذکر کرتے بسم اللہ کو اول قرأت میں اور نہ اُس کے آخر میں انتہیٰ۔

چودھویں حدیث ابن ماجہ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی سب اخفا کرتے تھے بسم اللہ کا انتہیٰ۔

پندرہویں حدیث نسائی کی کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما جہر نہیں کرتے تھے بسم اللہ میں انتہیٰ۔

سولہویں حدیث دار قطنی کی کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ کا جہر نہیں کرتے تھے انتہیٰ۔

سترہویں حدیث مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ کا جہر نہیں کرتے تھے انتہیٰ۔

۱..... شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم في الصلاة، ج:۱، ص: ۲۰۲۔

۲..... صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة، ح:۳۹۹۔(دار الآفاق العربية، القاهرة مصر ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵م) و صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب ما يقول بعد التكبير، ح:۷۴۳۔ (مكتبة عباد الرحمن، مصر، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱م، ايداع: ۵۴۴۴/۲۰۰۶)۔

۳..... مسلم: كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة، ح:۳۹۹۔

اٹھارہویں حدیث صحیح ابن حبان کی کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین کو جہر سے کہتے تھے انتہی۔

انیسویں حدیث مسند ابویعلی موصلی کی کہ رسول اللہ ﷺ اور شیخین اور عثمان رضی اللہ عنہم نماز جہریہ میں قرات کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے انتہی۔

بیسویں حدیث طحاوی اور معجم طبرانی اور حلیہ ابونعیم اور مختصر ابن خزیمہ کی کہ رسول اللہ ﷺ اور شیخین اور عثمان رضی اللہ عنہم بسم اللہ کو آہستہ کہتے تھے انتہی۔

اور ان کتابوں میں اس حدیث کے کل راوی ثقہ ہیں، بخاری اور مسلم میں ان سے روایات موجود ہیں، اور "فتح القدیر" میں ہے "قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ وَرُوِيْنَا عَنِ الدَّارَقُطْنِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَمْ يَصِحَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْجَهْرِ حَدِيْثٌ "(1) یعنی کہا شیخ ابن تیمیہ نے ہم کو دارقطنی سے روایت پہونچی ہے کہ کہا انہوں نے کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے جہر بسم اللہ میں صحیح نہیں آئی انتہی۔

اور "برہان شرح مواہب الرحمٰن" میں ہے کہ جب دارقطنی مصر میں آئے تو ان سے بعض مصریوں نے سوال کیا کہ بسم اللہ کے جہر میں کوئی کتاب تصنیف کر دیجیے، پس ایک جزء انہوں نے تصنیف کیا، پس بعض مالکیوں نے ان کو قسم دلائی کہ ہم کو اس میں سے صحیح حدیث بتلا دیجیے، کہا جہر کی حدیث کوئی صحیح نہیں ہے انتہی۔

اور عمدۃ المحدثین شیخ الاسلام علامہ عینی نے بنایہ میں لکھا ہے کہ نعیم مجمر کی روایت معلول ہے اس واسطے کہ جہر بسم اللہ میں آٹھ سو صحابہ اور تابعین سے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں فقط یہی اکیلے راوی ہیں اور کسی ثقہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے یہ امر نہیں ثابت ہوتا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا جہر بسم اللہ کرنا معلوم ہوتا ہو، پس بخاری اور مسلم نے اعراض کیا ہے ذکر بسم اللہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس کو روایت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کیا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تکبیر کہتے ہر نماز فرض اور نفل میں، پس تکبیر کہتے وقت قیام کے، پھر تکبیر کہتے وقت رکوع کے الحدیث، پھر فرماتے جب فارغ ہو جاتے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں زیادہ مشابہ ہوں تم سے ساتھ نماز رسول اللہ ﷺ کے ایسی نماز آپ کی تادم حیات رہی ہے، اور نہ اس حدیث میں اور نہ اور احادیث صحیحہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسم اللہ کا ذکر ہے اور اس سے گمان غالب ہوتا ہے کہ راوی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر وہم کر لیا ہے انتہی۔

اور "برہان شرح مواہب الرحمٰن" میں لکھا ہے "وَعَنْ حَدِيْثِ نُعَيْمِ الْمُجْمِرِ أَنَّهُ مَعْلُوْلٌ فَإِنَّ ذِكْرَ الْبَسْمَلَةِ فِيْهِ مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ نُعَيْمٌ مِنْ بَيْنِ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَّهُ حَدَّثَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ ﷺ

(1)......شرح فتح القدیر: لکمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المتوفی ٦٨١، باب: ليس لنا ان نفعله بل انما لنا ان نقول، ج:١، ص:٢٩٠. (دار الفکر، بیروت)

فَكَانَ يَجْهَرُ بِالْبَسْمَلَةِ فِي الصَّلٰوةِ وَقَدْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِهِ فِي حَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ صَاحِبَا الصَّحِيْحِ وَلَمْ يَذْكُرْهَا وَاحِدٌ مِّنْهُمَا مَعَ شِدَّةِ حِرْصِ الْبُخَارِيِّ عَلٰى مُعَارَضَةِ الْإِمَامِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ بِالْأَحَادِيْثِ مَهْمَا أَمْكَنَهُ بِدَلِيْلِ مَا اَشْحَنَ بِهِ صَحِيْحَهُ "(۱) یعنی اور جواب حدیث نعیم مجمر کا یہ ہے کہ یہ حدیث معلول ہے کیونکہ بسم اللہ کے ذکر کرنے میں اصحاب ابو ہریرہ سے نعیم مجمر ہی متفرد ہوئے ہیں، اور یہ کہ وہ حدیث ابو ہریرہ سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جہر بسم اللہ کا کرتے تھے اور تحقیق اعراض کیا ہے اس ذکر سے حدیث ابو ہریرہ میں بخاری اور مسلم نے اور کسی نے دونوں میں سے اس کو ذکر نہیں کیا ہے، باوجود شدید ہونے حرص امام بخاری کے اوپر مقابلہ کرنے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ احادیث کے جس قدر ان کے امکان میں ہے، اس دلیل سے کہ جس سے اپنی صحیح کو انہوں نے بھرا ہے انتہی۔

پس احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ جہر بسم اللہ میں نہیں کرنا چاہیے، اور بعض روایات میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ واسطے تعلیم کے کبھی جہر کر دیتے ہونگے جیسے کبھی ظہر کی نماز میں کوئی آیت آواز سے پڑھ دیتے تھے، یا بوجہ قرب کے کسی نے بسم اللہ سن لی ہو کیونکہ آہستہ پڑھنے میں بھی بعض اوقات قریب کے لوگوں کو مسموع ہو جاتا ہے۔

اکیسویں حدیث امام ابو جعفر طحاوی اور ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی میں عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے کہا انہوں نے میرے والد نے مجھ کو نماز میں بسم اللہ کہتے ہوئے سنا، پس کہا مجھ سے اے بیٹا یہ بدعت ہے بچ تو بدعت سے اور کہا صحابہ سے زیادہ برا جاننے والا بدعت کا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ساتھ ابوبکر کے اور ساتھ عمر کے اور ساتھ عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے، پس کسی کو میں نے بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا، پس نہ کہنا جہر سے بسم اللہ کو جس وقت تو نماز پڑھے، پس کہہ الحمد للہ رب العالمین انتہی۔

بحث اخفائے آمین اور حضرت حجر کی کنیت کی تحقیق

عدم جہر آمین و بسم اللہ کی ہم کہاں تک حدیثیں لکھتے جائیں؟ اب کچھ بحث اخفائے آمین کی لکھ کر اس جواب کو ختم کریں ورنہ بہت طول ہو جائے گا، معترض صاحب نے علقمہ کی حدیث میں حجر کی کنیت ابو العنبس ہونے کا انکار کیا ہے، حالانکہ ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں لکھا ہے "حُجْرُ بْنُ عَنْبَسٍ أَبُو السَّكَنِ الْكُوْفِيُّ وَهُوَ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ حُجْرٌ أَبُو الْعَنْبَسِ يَرْوِيْ عَنْ عَلِيٍّ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَوٰى عَنْهُ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ "(۲) یعنی حجر ابن عنبس ابو السکن کوفی ہے اور وہ وہ شخص ہے جس کو حجر ابو العنبس کہا جاتا ہے وہ روایت کرتے ہیں علی سے اور وائل بن حجر سے اور ان سے سلمہ بن کہیل روایت کرتے ہیں انتہی۔

---

۱ ۔ برہان شرح مواہب الرحمن۔

۲ ۔ الثقات: لمحمد ابن حبان بن احمد حاتم التمیمی البستی، تحقیق: للسید شرف الدین احمد (دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء)

پس اگر شعبہ نے ابوالعنبس اُن کو کہہ دیا تو کیونکر اُن کی خطا ہوئی؟ اور شیخ الاسلام علامہ عینی نے بنایہ میں لکھا ہے کہ حجر کی کنیت ابوالعنبس ہونے پر ابن حبان نے کتاب الثقات میں جزم کیا ہے اور کہا ہے کہ کنیت اُن کی مثل نام اپنے باپ کے ہے اور قول بخاری کا کہ کنیت اُن کی ابوالسکن ہے اس کے منافی نہیں کہ کنیت اُن کی ابوالعنبس بھی ہو، کیونکہ ایک شخص کی دو کنیتیں ہونے کو کوئی چیز مانع نہیں انتہٰی۔

ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے

اور دوسری علت اس حدیث علقمہ میں معترض صاحب نے یہ لکھی ہے کہ شعبہ نے علقمہ کا لفظ زیادہ کیا ہے اور حدیث میں نہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ زیادتی ثقہ کی مقبول ہے چنانچہ شیخ الاسلام علامہ عینی نے بنایہ میں لکھا ہے "قَوْلُهٗ وَزَادَ فِيْهِ عَلْقَمَةَ لَايَضُرُّ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ مِنَ الثِّقَةِ مَقْبُوْلَةٌ وَلَاسِيَّمَا مِنْ مِثْلِ شُعْبَةَ" (۱) یعنی یہ کہنا بخاری کا کہ شعبہ نے علقمہ کو زیادہ کیا ہے کچھ مضر نہیں اس لیے کہ زیادتی ثقہ کی مقبول ہے، خصوصاً شعبہ جیسے راوی سے انتہٰی۔

پس شعبہ جو امیر المومنین حدیث میں مشہور ہیں اگر انہوں نے زیادتی علقمہ کی کی تو کیا خطا ہوئی؟

اور تیسری علت اس میں یہ بیان کرتے ہیں کہ شعبہ کی خطا اخفائے آمین کی روایت کرنے میں ہے کیونکہ صحیح جہر کی روایت ہے اس کا جواب بھی علامہ عینی نے بنایہ میں لکھا ہے "قُلْتُ تَخْطِيَتُهٗ مِثْلَ شُعْبَةَ خَطَأٌ كَيْفَ وَهُوَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَدِيْثِ" (۲) یعنی کہتا ہوں میں شعبہ کی طرف خطا کی نسبت کرنی خطا ہے کیونکر نہ ہو حالانکہ وہ حدیث میں امیر المومنین ہیں انتہٰی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے شخصوں کی طرف خطا کی نسبت کرنی روایات احادیث کو درہم برہم کر دیتا ہے جب ایسے لوگ خطا کرنے لگے تو پھر کس کی حدیث کا اعتبار رہا بلکہ ان کی روایت کی مؤید اور روایتیں مرفوع اور موقوف موجود ہیں سب کو فقط اپنے مذہب کی مخالفت کی وجہ سے تسلیم نہ کرنا انصاف سے بعید ہے ورنہ ہر طرح سے ان روایات کو قوت ہے۔

حضرت شعبہ کی خوبیاں

اگر فقط شعبہ میں کچھ شبہ ہے تو اُن کے محامد سنیے۔ ترمذی کی "کتاب العلل" میں ہے "حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرٍ عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِيْ أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ سَمِعْتُ حَمَّادَ بْنَ زَيْدٍ يَقُوْلُ مَاخَالَفَنِيْ شُعْبَةُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا تَرَكْتُهٗ قَالَ قَالَ

۱۔۔۔۔۔بنایۃ: باب في صفة الصلاة، التامين بعد الفاتحة، ص: ۲۰۰۔(وجدت فيه لاسيما من قبل شعبة بدلا من مثل شعبة)

..۔۔۔البناية في شرح الهداية: لابي محمد محمود بن احمد العيني (دار الفكر، بيروت، الطبعة الاولى ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰م
الطبعة الثانية: منقحة وبها زيادات، ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۰م. تعليق: المولوي محمد عمر الشهير بناصر الاسلام الرامفوري)۔

۲۔۔۔۔البناية: ص: ۲۰۰۔

أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ لِي حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ إِنْ أَرَدْتَ الْحَدِيثَ فَعَلَيْكَ بِشُعْبَةَ "(۱) یعنی ابوالولید نے بیان کیا کہ میں نے حماد بن زید سے سنا کہتے تھے کہ نہیں مخالفت کی میری شعبہ نے کسی شی میں مگر میں نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا انھوں نے کہ ابوالولید نے کہا کہ مجھ سے حماد بن سلمہ نے کہا اگر حدیث کا ارادہ ہو تو شعبہ کو لازم پکڑ انتہی۔

اور یہ بھی ترمذی میں ہے "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ ثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ سُفْيَانَ يَقُولُ شُعْبَةُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْحَدِيثِ "(۲) یعنی امام بخاری کی روایت سے ہم کو معلوم ہوا کہ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ علیہ سے سُنا کہتے تھے کہ شعبہ حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں انتہی۔

اور یہ بھی اسی ترمذی میں آیا ہے کہ ہم سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ علی بن عبداللہ نے کہا اُن سے میں نے یحیی بن سعید سے دریافت کیا کہ بڑی بڑی حدیثوں کو زیادہ یاد رکھنے والے سفیان ہیں یا شعبہ؟ کہا شعبہ زیادہ قوی ہیں ان حدیثوں میں۔ اور کہا یحیی نے شعبہ کو رجال کا علم فلاں عن فلاں زیادہ تھا اور سفیان صاحب الابواب تھے انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ شعبہ سفیان سے علم رجال میں زیادہ تھے اور بڑی حدیثوں کو اُن سے زیادہ یاد رکھتے تھے پس سفیان کی حدیث جو جہر میں واقع ہے شعبہ کی حدیث پر جو اخفا میں وارد ہوئی ہے ترجیح نہیں رکھتی اور امام نووی نے تہذیب الاسما میں لکھا ہے کہ شعبہ بڑے محدثین اور کبار محققین سے ہیں اُنھوں نے حسن بصری اور محمد بن سیرین کو دیکھا ہے اور انس بن سیرین اور عمرو بن دینار اور شعبی اور خلائق بیشمار سے روایت کی ہے اور اُن سے اعمش اور ایوب سختیانی اور محمد بن اسحق تابعین نے روایت کی ہے اور سفیان ثوری اور ابن مہدی اور وکیع اور عبداللہ بن المبارک اور یحیی القطان اور خلائق بیشمار نے کبار ائمہ میں سے اُن سے روایت کی ہے اور اجماع کیا ہے اُنھوں نے اوپر امام ہونے اُن کے کے علم حدیث اور احتیاط اور اتقان اور جلالت قدر میں کہا امام احمد بن حنبل نے شعبہ کے زمانے میں ان کے مثل حدیث میں اور عمدہ اُن سے کوئی نہ تھا اور کہا امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے اگر شعبہ نہ ہوتے تو حدیث عراق میں پہچانی نہ جاتی۔ اور کہا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ امت واحدہ ہیں علم حدیث اور احوال رواۃ میں انتہی مختصراً۔

پھر جائے تعجب ہے کہ شعبہ اخفائے آمین کی حدیث بیان کرنے سے مخطی ہو گئے حالانکہ اس میں اُن کی کوئی خطا نہیں البتہ ظاہر یہ کے مخالفانہ بیان کر دیتے میں جو چاہے کہیے ورنہ حدیث میں کوئی نقص نہیں راویوں کا علم اُن کو اور حافظہ اُن کا بہت قوی ہے پس اُن کی طرف ایسا گمان کرنا سراسر اعتساف اور بالکل خلاف انصاف ہے۔

۱......العلل: باب تفاضل اهل العلم في الحفظ، ص: ۷، ۱۰۶.

......الجامع الكبير، سنن الترمذي للإمام الحافظ ابي عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي . التحقيق و التعليق و الحكم على احاديثه : عصام موسى هادي

(دار التصديق، المملكة العربية السعودية، الطبعة الاولى، ۱۴۳۳ھ ۲۰۱۲م)

۲......الترمذي : كتاب العلل، باب تفاضل اهل العلم في الحفظ، ص: ۷، ۱۰۶.

حضرت علقمہ کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے

چوتھی وجہ ضعف کی معترض صاحب نے یہ بیان کی کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سُنا ہے اگر معترض صاحب ترمذی کی کتاب الحدود دیکھتے تو ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالتے چنانچہ اُس میں لکھا ہے "وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ سَمِعَ مِنْ أَبِيهِ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ "(۱) یعنی علقمہ نے اپنے والد سے سنا ہے اور وہ عبدالجبار سے بڑے ہیں اور عبدالجبار نے اپنے والد سے نہیں سنا ہے انتھی۔

پس معترض صاحب نے عبدالجبار کی روایت اپنے والد سے جو ابن ماجہ میں جہر آمین کی نسبت آئی ہے (حالانکہ عبدالجبار کی عدم سماع میں اتفاق ہے) حجت گردانی اور علقمہ کی روایت جو متصل ہے اُس کو بعض اشخاص کے مرجوع اقوال سے ضعیف قرار دیا سبحان اللہ! کیا انصاف اسی کا نام ہے؟ کہ حق کو ناحق کردینے کا التزام ہے لیکن معترض صاحب دل میں کہتے ہوں گے۔ ع

ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اور خود نواب صاحب امیر بھوپال جو معترض صاحب کے بڑے معتمد اور مستند ہیں اپنی کتاب "مسک الختام شرح بلوغ المرام" میں لکھتے ہیں "سماع علقمہ از اپیہ ثابت ہست پس حدیث سالم باشد از انقطاع" یعنی سماع علقمہ کا اپنے باپ سے ثابت ہے پس حدیث اخفائے آمین کی انقطاع سے سالم ہے انتھی۔

باقی رہا یہ امر کہ شعبہ سے جہر کی بھی روایت ہے اس کا ہم کب انکار کرتے ہیں ہم تو خود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی جہر بھی کیا ہے اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا بعضوں نے اُس کو بطور مسنون سمجھا اور اکثر نے اُس کو بوجہ تعلیم جانا چنانچہ اکثر آدمیوں کا قرآن اول میں ترک کر دینا خود اس پر دال ہے کہ انہوں نے اخفا کو ترجیح دی ہے بلکہ دارقطنی کی جہر کو ترجیح دینی ہم کو کچھ مضر نہیں "وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبُ" (لوگوں کے مذاہب عشق تو بیشمار ہیں۔ت)۔

اور بعض صحابہ کے اہتمام سے خود ہویدا ہے کہ اُن کی رائے میں جہر کو ترجیح تھی اور اکثر نے ترک بھی کر دیا تھا اور جہر نہیں کرتے تھے بلکہ آمین میں اخفا کرتے تھے ورنہ بعض صحابہ اس قدر اہتمام نہ فرماتے۔ ؎

بے خودی بے سبب نہیں غالب　　　کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اسی واسطے علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے کہ مصنف نے حدیث اخفا کو ترجیح دی، اور دارقطنی نے حدیث جہر کو، اگر میرے نزدیک جہر کو قوت ہوتی تو تخفیف میں یوں تاویل کر دیتا کہ مراد اس سے عدم قرع عنیف ہے۔

---

(۱)... الترمذي: كتاب الحدود، ص: ٤٥٩، باب: ٢٢ ماجاء في المرأة إذا استكرهت على الزنا، ص: ٤٧٠، ج: ١٤٥٣

پس علامہ ابن ہمام کے قول سے معلوم ہوا کہ وہ خود اس میں متردد ہیں چونکہ انہوں نے اس تاویل کو معلق بالشرط کیا ہے پس جب شرط کا وجود نہ پایا گیا مشروط بھی معدوم ہوگیا، اور اگر اس قول سے یہ مراد لی جائے گی کہ اگر میرے پاس دلیل اخفا ہوتی تو دونوں میں یہ توفیق دیتا تو خلاف مقصود ہو جائے گا کیونکہ کہیں ان کے کلام سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود بھی جہر کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ ترجیح ہی اخفا کو معلوم ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر یہ امر تمام ہو جائے تو حدیث میں انقطاع ہوگا علاوہ اس کے انقطاع کو انہوں نے اپنی کتاب میں حجت کرواتا ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک منقطع حدیث حجت ہے پھر اس کو معلق بھی کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک انقطاع اس کا ثابت نہیں پھر ان کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط اخفا کے لفظ میں انہوں نے تاویل کرنے کو معلق کیا ہے اور جہر میں جو معنی بیان کیے ہیں وہ خلاف جہر نہیں برخلاف معنی اخفا اور خفض کے کہ ان میں محض تاویل ہے کیونکہ عدم قرع ضعیف جہر کو جو ضد اخفا کی ہے شامل ہے پس معنی اخفا اور خفض کے عدم قرع کیونکر ہو سکتے ہیں جب تک جہر کو خوب قوت نہ ہو البتہ اس وقت ایسے تاویلات بعیدہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں ورنہ ایسی تاویل بعید اور خلاف متبادر اور خلاف لغت کے ہونے میں کیا کلام ہے پس اشارہ ہذا کا طرف دلیل جہر کے ہوگا ورنہ اگر دلیل اخفا کی طرف ہوگا تو پھر اس میں تاویل کے کیا معنی ہوں گے پھر تو جہر میں یوں تاویل کی جائے گی کہ مراد اس سے اس اخفا کا عدم ہے جس کو خود بھی نہ سنے پس یہ معنی اخفا کو شامل ہو جائیں گے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی، بلکہ ترجیح مرجوح ہو جائیگی۔

حاصل یہ ہوا کہ معترض صاحب اخفا میں تاویل کرتے ہیں جہر میں کیوں نہیں کرتے کہ مراد اس سے عدم اخفائے شدید ہے اور یہ تاویل بعض شافعیہ سے منقول ہے علامہ ابن ہمام اس کے ہرگز قائل نہیں اسی واسطے انہوں نے معلق کر دیا ہے پس معلوم ہوا کہ غرض علامہ ابن ہمام کی یہی ہے کہ جہر کو ترجیح نہیں پائی جاتی ورنہ موافق بعض شافعیہ کے ہم یوں تاویل کر دیتے پس معترض صاحب کو یہ عبارت مفید نہ پڑی اور ان کا حدیث میں تاویل کرنا محض لغو ہوا کسی لغت میں اخفا اور خفض کے معنی جہر کو شامل نہیں۔

قاموس میں دیکھ لیجیے اخفا کے معنی میں کیا لکھا ہے "أخفاه ستره وكتمه" جب لغت سے اخفا کے معنی سر اور کتم کے ہوئے اس کو اپنے قول کی پاسداری سے بدل دینا اور خلاف متبادر لے لینا آپ ہی کا کام ہے کیا فقط راوی کے خبر دینے سے جہر ثابت ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ خود کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اخفا کیا خواہ مخواہ اس میں تاویلات رکیکہ کرنے کی کونسی ضرورت ہے؟ ان کو اس امر کا علم تھا کہ آپ آمین کہتے ہیں ورنہ اخفا کہنے کی کیا ضرورت تھی کیا اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ظہر میں آنحضرت ﷺ نے الحمد پڑھی کیا اس کو جہر لازم ہوگا اور خصوصا اس وقت جب تصریح بھی کر دی کہ اخفا کیا پھر اس کو نہ ماننا کسی عقل کے دشمن کا شیوہ ہے جو اپنی فقط رائے سے حدیث کو خراب کرتا ہے اور دوسروں کو رائے کا الزام دیتا ہے ایسے بین الفاظ کو کوئی بے وقوف بھی بدل کر ان کے برعکس معنی نہ لے گا ہاں البتہ جس کو جہل مرکب ہو اس کا کیا علاج کہ وہ معذور ہے۔

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ ـ باب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد (۱)

---

(۱) ..... اگر کسی شخص کی قسمت ہی سیاہ ہو تو کوثر و زمزم کے پانی سے بھی سفید نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد معترض صاحب نے کچھ آثار میں کلام کیا ہے کہ اثر صحابہ رضی اللہ عنہ کا حجت نہیں یہ عجیب بات ہے، خود تو اثر صحابہ رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہیں کہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے سند ہے اور کہیں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے اور پھر دوسروں کو اُس کی استدلال سے منع کرتے ہیں، حالانکہ حنفیہ کے یہاں موقوف حدیث حجت ہے چنانچہ چوتھے مسئلے کے جواب میں تحقیق اس کی بیان ہو چکی ہے علاوہ اس کے مرفوع حدیثیں جو اس جواب کے شروع میں ہم نے لکھی ہیں موقوف کی مؤید ہیں اور موقوف مرفوع کی مؤید ہے، پس باوجود مرفوع حدیث کے جو موقوف کی تائید کرتی ہے پھر بھی موقوف کو نہ ماننا اپنے مسلک سے بھی انکار کرنا ہے۔

پھر دوسرا جواب یہ لکھتے ہیں کہ یہ روایتیں طبقۂ رابعہ کی ہیں یہ قول اُن کا متناقض اُس قول کے ہے جو مسئلہ ہفتم میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ طحاوی طبقۂ ثالثہ کی کتاب ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی طبقۂ ثالثہ میں طحاوی کو داخل کیا ہے پس یہاں اُس کو طبقۂ رابعہ کہتے ہیں حالانکہ یہ قول اُن کا مخالف ''حجۃ اللہ البالغہ'' اور خود اُن کی تصریح کے ہے سچ کہا ہے۔ ع

دروغ گو را حافظہ نباشد (۱)

اور تیسرا جواب معترض صاحب لکھتے ہیں کہ روایت ابن مسعود کی بلا اسناد ہے ہم نے مانا کہ یہ روایت غریب ہے مگر اور روایتیں کثرت سے موجود ہیں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اسی واسطے ''برہان شرح مواہب الرحمٰن'' میں لکھا ہے کہ امام طحاوی نے ابووائل سے روایت کی ہے کہ فرمایا اُنھوں نے علی اور عمر رضی اللہ عنہما آمین میں جہر نہیں کرتے تھے اور امام محمد نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ فرمایا اُنھوں نے آمین کو اخفا کرنا چاہیے اسی طرح عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں روایت کی ہے۔
پس یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جہر بعض اوقات میں واسطے تعلیم کے تھا جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کسی وقت آیت سنا دیتے تھے حالانکہ اس کے واسطے جہر تھا کہ شعور دہانی ہو جاوے سو عمر اور علی رضی اللہ عنہما حرف مذکر ہے اور ابراہیم نخعی ایسے شخص اپنی طرف سے برخلاف اُس کے حکم نہ دیتے انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بے اصل نہیں عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے اور یہ روایت صحیح ہے اس کے رجال ثقہ ہیں برخلاف ابن ماجہ کی حدیث کے جو علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ ضعیف ہے چنانچہ تحقیق اس کی شروع میں بیان ہو چکی، پس معلوم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ سے جہر کی روایت محض بے سند ہے ہرگز لائق ماننے کے نہیں بلکہ صحیح اُن سے عدم جہر ہے اور صحیح مسلم کی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کو جہر سے پڑھتے تھے مرسل ہے چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے ''وَھُوَ مُرْسَلٌ یَعْنِیْ أَنَّ عَبْدَۃَ وَھُوَ ابْنُ أَبِیْ لُبَابَۃَ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ'' یعنی یہ روایت مرسل ہے اس لیے کہ عبدہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی ہے انتہی۔

---

۱. ... جھوٹے کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ ت

پس عدم جہر کی روایت جس طرف جمہور ہیں بہت صحیح ہے اور اس حدیث مرسل سے معترض صاحب کا حجت پکڑنا لغو ہے مگر معترض صاحب کیا کریں؟

"اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِكُلِّ حَشِيْشٍ" ڈوبتا آدمی کیا نہیں کرتا؟

جب قوی حدیث ہاتھ نہیں آئی تو قوی کا ضعیف ہی سے مقابلہ کر بیٹھتے ہیں اور تقلید نواب صاحب امیر بھوپال سے باز نہیں آتے اُن کی تقلید کو ایسا واجب جانتے ہیں کہ صحیح صحیح حدیثوں کو اُن کے مقابل میں باطل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، خود ضعیف اور منقطع اور مرسل حدیث کو حجت نہیں جانتے مگر جب قول نواب صاحب کے کوئی حدیث مخالف دیکھتے ہیں تو پھر ضعیف ہی کی طرف دوڑتے ہیں ورنہ اُنہیں کے قول کو قابل حجت اور "کالوحی من السماء" سمجھ کر پیش کر دیتے ہیں، پھر اپنے قواعد ممہدہ سے بھی قطع نظر کر لیتے ہیں، غرض کسی جگہ اُن کے برخلاف نہیں کہتے حدیث کا انکار اور حدیث کی تاویل اُن کے نزدیک نہایت سہل بات ہے زبان سے کہنے کی دیر ہے مگر مخالفت نواب صاحب کی اپنے حق میں سم قاتل تصور کرتے ہیں، مبادا اُن کی مخالفت سے وبال میں کالا ہو تو سفر آمدنی پالا تو رہے کا تہ و بالا ہو

مقلد ہو تو ایسا ہو موحد ہو تو ایسا ہو ۔۔۔ بے تقلید اس کی فرض عین جس کے پاس پیسا ہو

آیت قرآنی میں معترض کے شبہ کا جواب

اس کے بعد معترض صاحب نے آیت قرآنی میں کلام شروع کیا ہے کہ اُدْعُوا رَبَّكُمْ سے استدلال درست نہیں، کیونکہ دعا ہونا آمین کا تابعی کے قول سے ثابت ہوتا ہے اور حدیث اور قرآن سے ثابت نہیں جواب: اس کا یہ ہے کہ الفاظ دعا توقیفی نہیں ہیں، اگر کوئی شخص دعا مانگے اور وہ دعا قرآن اور حدیث میں نہ آئی ہو تو کیا وہ دعا نہ ہوگی، علاوہ اس کے حدیث میں آمین کہنا آیا ہے اگر اس کے معنی دعا کے نہیں یا یہ لفظ اسمائے الٰہی سے نہیں تو کیا نعوذ باللہ مہمل لفظ کا شارع نے حکم دیا ہے؟ بلکہ آمین کے معنی قاموس وغیرہ میں "اِسْتَجِبْ اور كَذٰلِكَ فَلْيَكُنْ اور كَذٰلِكَ فَافْعَلْ" کے ہیں اور آمین کا اسمائے الٰہی میں سے بھی لکھا ہے، پس دو حال سے خالی نہیں دعا ہوگی یا اسمائے الٰہی سے ہے ہر صورت سے اخفا چاہیے، چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اخفائے آمین میں دو وجہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ آمین دعا ہے اور دوسرے یہ کہ آمین اسمائے الٰہی سے ہے، پس اگر دعا ہے تو اخفا اس کا واجب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دعا کرو پروردگار اپنے سے زاری اور آہستگی سے، اور اگر اسمائے الٰہی سے ہے تو بھی اخفا واجب ہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اپنے پروردگار کو دل میں یاد کرو، پس اگر وجوب ثابت نہ ہوگا تو کم سے کم استحباب ہوگا اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں انتہی۔

پس تابعی کا قول خلاف قرآن اور حدیث نہ ہوا بلکہ حدیث اور لغت اُن کے قول کی تائید کرتے ہیں۔

آمین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونی چاہیے

دوسرا جواب معترض صاحب کا کہ کسی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں اخفائے آمین نہیں لکھا عجب مہمل اور بے معنی قول

ہے تفسیر والوں نے جب دعا کا اخفا کرنا اس آیت سے ثابت کر دیا تو اب کیا ضرور ہے کہ مسائل مختلف فیہ کو ہر مفسر لکھے، البتہ امام فخر الدین رازی نے اخفائے دعا میں اسی آیت کی تفسیر میں بہت دلائل بیان کیے ہیں، اُس کے بعد امام صاحب کی بھی حجت بیان کر دی ہے، چنانچہ ابھی اُن کی عبارت ہم نے نقل کی ہے۔

اب اخفائے دعا کے دلائل بھی سنیے تفسیر کبیر میں ہے جان تو کہ اخفا دعا میں معتبر ہے اور اس پر کئی دلیلیں ہیں اول تو یہی آیت ہے کیونکہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جناب باری نے دعا کا حکم دیا ہے اُس حال میں کہ وہ دعا خفی ہو اور ظاہر امر کا وجوب ہے پس اگر وجوب حاصل نہ ہو تو اقل درجہ استحباب ہوگا پھر خدائے تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور ظاہر تر یہ ہے کہ مراد اُس سے یہ ہے کہ خدا دوست نہیں رکھتا اُن لوگوں کو جو حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اُن دو امروں کے ترک کرنے میں (کہ وہ دونوں تضرع اور اخفا ہے) پس اللہ اُن کو دوست نہیں رکھتا اور محبت اللہ کی ثواب سے عبارت ہے پس معنی یہ ہوئے کہ جو شخص دعا میں تضرع اور اخفا کو ترک کر دے پس اللہ اُس کو ثواب نہیں دے گا اور نہ اُس کی طرف احسان کرے گا اور جو شخص ایسا ہوگا وہ لا محالہ اہل عقاب سے ہوگا پس ظاہر ہوا کہ قول اللہ تعالیٰ کا ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ بطور تہدید شدید کے ہے اوپر ترک کرنے تضرع اور اخفا کے دعا میں۔

اور دوسری حجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی تعریف کی، فرمایا جبکہ ندا کی زکریا علیہ السلام نے پروردگار اپنے سے ندائے خفی یعنی چھپایا اُس کو بندوں سے اور خالص کیا اُس دعا کو واسطے اللہ کے اور اُس ندا کی وجہ سے خدا کی طرف منقطع ہوا۔

اور حجت تیسری وہ حدیث ہے جس کو ابو موسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک غزوہ میں تھے، پس ایک وادی میں آئے پس کہنے لگے تکبیر اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" آواز سے پس فرمایا آنحضرت ﷺ نے نرمی کرو تم اپنی جانوں پر کسی بہرے کو تم نہیں پکارتے اور نہ کسی غائب کو، تم تو سمیع اور قریب کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اور چوتھی حجت قول آنحضرت ﷺ کا ہے کہ ایک خفی دعا برابر ہے ستر دعائے جلی کے اور دوسرا قول آنحضرت ﷺ کا بہتر ذکر کا خفی ہے اور بہتر رزق کا وہ ہے جو کافی ہو جائے انتہیٰ۔

پس برابر احادیث اور قرآن سے ثابت ہو گیا کہ دعا میں اخفا مستحب ہے اور بعض اوقات میں جو آنحضرت ﷺ سے دعا مسموع ہوئی ہے وہ بوجہ تعلیم کے وارد ہے ورنہ احادیث میں تناقض ہو جائے گا۔ اس کے بعد معترض صاحب نے آیت میں بھی تاویل شروع کی ہے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اخفا سے مراد بہت چلانا ہے اور نہ بہت آہستہ کہنا ہے اور آیہ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ اُس کی سند میں بخاری کی روایت سے لاتے ہیں کہ یہ آیت دعا میں نازل ہوئی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے حق میں وارد ہوئی ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قَالَ نَزَلَتْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ كَانَ إِذَا صَلّٰى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا سَمِعَ الْمُشْرِكُوْنَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ

أنزلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ أي بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُوْنَ فَيَسُبُّوْا الْقُرْآنَ ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (١) یعنی فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکے میں چھپے رہتے تھے جب آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو قرآن کو آواز سے پڑھتے، پس جب مشرکین سنتے تو برا کہتے قرآن کو اور اس کے بھیجنے والے اور لانے والے کو، پس فرمایا اللہ تعالیٰ نے واسطے اپنے نبی ﷺ کے کہ نماز میں جہر نہ کرو یعنی نماز میں قرأت اس طرح پکار کر نہ کرو کہ مشرکین سنیں اور قرآن کو برا کہیں اور اپنے اصحاب سے قراءت کو پوشیدہ مت کرو یعنی اس قدر اخفاء مت کرو کہ وہ نہ سنیں بلکہ طریقہ اوسط اختیار کرو انتہیٰ۔ اور لفظ بخاری کے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ یہ آیت نماز میں نازل ہوئی ہے اور مذہب مختار یہی ہے چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے "لٰكِنَّ الْمُخْتَارَ الْأَظْهَرَ مَا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ" یعنی لیکن مذہب مختار اور ظاہر تر وہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے انتہیٰ۔

اس کے بعد معترض صاحب نے پھر وہی تاویل کی ہے فرماتے ہیں اگر آمین کا دعا ہونا تسلیم کیا جائے تو بھی اس حکم سے اسی قدر مستفاد ہوتا ہے کہ آمین کو زور سے چلا کر نہ کہیں بلکہ میانہ آواز سے کہیں جو کہ نہ بہت بلند ہو اور نہ بہت پست۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ کسی لغت یا تفسیر میں خفیہ کے یہ معنی نہیں آئے اگر تم سچے تھے تو کسی معتبر کا قول کیوں نہیں نقل کرتے ہو فقط اپنی رائے سے قرآن کے الفاظ کو بدلنا شروع کر دیا حالانکہ قرآن میں رائے سے معنی کہنے پر نہایت وعید آئی ہے۔ علاوہ اس کے تفسیر ابو سعود میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے "فَإِنَّ الْإِخْفَاءَ دَلِيْلُ الْإِخْلَاصِ" (٢) یعنی اس لیے کہ اخفا کرنا دلیل اخلاص کی ہے انتہیٰ۔

اور تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے "وَالْخُفْيَةُ الْإِسْرَارُ بِهِ فَإِنَّ ذٰلِكَ أَقْطَعُ لِعِرْقِ الرِّيَاءِ" (٣) یعنی معنی خفیہ کے پوشیدہ کہنا اس دعا کے ہیں اس لیے کہ آہستہ کہنا زیادہ قطع کرنے والا رگ ریا کا ہے انتہیٰ۔

١......بخاری کتاب التوحید، باب قول الله تعالى "وأسروا قولكم أو اجهروا به انه عليم بذات الصدور" "الا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير" الملك: ١٣، ١٤۔

......مسلم كتاب الصلاة، باب التوسط في القراءة في الصلاة الجهرية بين الجهر والاسرار اذا خاف من الجهر مفسدة، حديث: ٤٤٦/١٤٥۔

٢......ارشاد العقل السليم الى مزايا القرآن الكريم. لمحمد بن محمد العمادي ابي السعود. سورة: الاعراف، آیت: ٥٥، ٥٦، الجزء الثالث، ص: ٢٣٤. (دار احياء التراث، بيروت)

٣......تفسير فتح البيان۔

اور "تفسیر معالم التنزیل" میں لکھا ہے "وَخُفْيَةً اَیْ سِرًّا قَالَ الْحَسَنُ بَيْنَ دَعْوَةِ السِّرِّ وَدَعْوَةِ الْعَلَانِيَةِ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا وَلَقَدْ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ يَجْتَهِدُوْنَ فِي الدُّعَاءِ وَمَا يُسْمَعُ لَهُمْ صَوْتٌ اِنْ كَانَ اِلَّا هَمْسًا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَبِّهِمْ وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ يَقُوْلُ ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ذَكَرَ عَبْدًا صَالِحًا وَرَضِيَ بِفِعْلِهٖ فَقَالَ ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾ (۱) یعنی خفیہ کے معنی سر کے ہیں کہا حسن بصری نے درمیان پوشیدہ اور ظاہر دعا کے ستر (۷۰) درجے ہیں اور تحقیق تھے جمیع مسلمان کوشش کرتے دعا میں اور نہیں سُنی جاتی تھی آواز اُن کی آواز نہیں تھی مگر آہستہ درمیان اُن کے اور پروردگار اُن کے اور یہ اس لیے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے دعا کرو پروردگار اپنے سے خشوع کرتے ہوئے اور آہستہ، اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے بندۂ صالح کا ذکر کیا اور اُس کے فعل سے راضی ہوا، پس فرمایا جس وقت دعا کی اُس نے پروردگار اپنے سے دعائے مخفی انتہی۔ اسی طرح تفسیر کشاف وغیرہ میں لکھا ہے پس باوجود اجماع لغت وتفسیر کے معترض صاحب وہی تاویل کیے جاتے ہیں جو جہر کو شامل ہو اور اپنی رائے کے مقابل سب کو بالائے طاق رکھ دیا، اگر ذرا انصافی کی کسی کو تلاش ہو تو معترض صاحب کے یہاں سے لوٹ باندھ لے ہزاروں چالیں چلتے ہیں مگر کوئی چال اُن کی قرآن اور تفسیر کے مقابلے میں نہیں چلتی، اس آیت میں گفتگو کر کے نہایت مضطرب ہوگئے ہیں، برابر تاویلوں پر کمربستہ ہیں حیلے پر حیلہ کرتے ہیں مگر حق بات مخفی نہیں رہتی کوئی عاقل ان تاویلات رکیکہ کو پسند نہیں کرتا مگر وہ مجبور ہیں کیا کریں حالت مخمصہ واضطرار میں آدمی معذور ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر فرض بھی کیا جائے کہ اس آیت سے مراد ایسی آہستگی ہے جس میں آواز نہ نکلے تو بھی حکم آمین کا اس سے مستثنیٰ اور مخصوص رہے گا۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ جب تک معترض صاحب کسی حدیث سے یہ امر ثابت نہ کر دیں گے کہ جہر آمین اور بعض دعا کا جو بعض وقت آنحضرت ﷺ نے کیا ہے بطور تعلیم نہ تھا ہرگز آیت مخصوص نہیں ہو سکتی ہم بعض اوقات جہر دعا کے خود قائل ہیں جو بوجہ تعلیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تھا، اور دلیل اس پر یہ ہے کہ اکثر جہر سے دعا کا پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ بعض خاص وقائع میں ثابت ہے اس سے قرآن کی کیونکر تخصیص ہو کر جہر مسنون ہو سکتا ہے بلکہ اکثر دعائیں آنحضرت ﷺ نے آہستہ ہی فرمائی ہیں بعض اوقات جہر کسی غرض سے خلاف قرآن نہیں ہو سکتا، بلکہ خود احادیث اور آثار بھی ہم نے بیان کر دیے جس سے ثابت ہو گیا کہ دعا کا اخفا کرنا بہتر ہے، پس متنازع فیہ فقط یہ امر ہے کہ آمین کا جہر اکثری ثابت نہیں اور بغیر اس کے کوئی وجہ مسنون ہونے آمین کی نہیں ہوتی، اگر بعض اوقات صادر ہوا تو ہم اس کا برابر اقرار کرتے ہیں، چنانچہ بعض دعاؤں میں بھی

۱......تفسیر البغوی معالم التنزیل للامام محی السنة ابی محمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ۔
تحقیق وتخریج: محمد عبد اللہ النمر، عثمان جمعة ضميرية، سليمان مسلم الحرش، السورة: الاعراف، آیت: ۵۵، المجلد الثالث، دار الطیبة الریاض الطبعة الاولی ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء۔

بعض اوقات جہر ثابت ہے گفتگو اکثر اوقات میں ہے اس کے حنفیہ منکر ہیں اور حدیث میں کہیں اس کا پتا نہیں، اگر قیامت تک تلاش کیجیے گا تو کوئی حدیث ایسی نہیں ملے گی جس سے اکثری فعل جہر دعا کا ثابت ہو، بلکہ دونوں قسم کے احادیث موجود ہیں اور ہر طرح سے ترجیح اخفا کو ثابت ہے، کیونکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے اخفا معلوم ہوتا ہے اور قرآن سے تو صریح قطعی اخفا ہے کیونکہ قرآن میں دعا کے اخفا کا ارشاد ہے اور آمین کے دعا ہونے میں یا اسمائے الٰہی میں سے ہونے میں کسی کو کلام نہیں اور عجب یہ ہے کہ معترض صاحب نے حدیث اور قرآن کی سند پیش کی ہے کہ اس میں دعا کے معنی نہیں آتے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست (۱)

معترض صاحب نے شارع کے ذمے اظہار معنی لغوی بھی تصور فرمایا ہے اس کے معنی لغت میں دیکھے ہوتے کہ دعا کے ہیں یا نہیں؟ خدا اور رسول احکام بتلاتے ہیں یا آپ کو لغت کی تعلیم کرتے ہیں پھر اگر عطاء تابعی نے اس کو کہہ دیا تو کونسی وجہ سے قابل حجت نہ ہوگا دعا کا اقرار معترض صاحب کو ہر طور سے کرنا پڑے گا یا اسمائے الٰہی میں سے ماننا پڑے گا۔ ؎

یا راست بیان بگو مختصر باید بود	یا معترف فتنہ و شر باید بود
ورنہ بکنیں حیلہ دکیا دی خویش	دو چشم پر از خون جگر باید بود (۲)

اور ان دونوں کے واسطے اخفا کا حکم ہم آیت سے بیان کر چکے ہیں، لہٰذا خالی از استحباب نہ ہوگا مزید براں رسول اللہ ﷺ سے اخفا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ شروع جواب میں احادیث ہم نے نقل کر دیے ہیں اور جہر کے احادیث سے بجز بعض اوقات کے ثابت نہیں ہوتا اول تو وہ حدیثیں خود ضعیف ہیں، چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ کسی میں انقطاع اور کسی میں ضعف ہے اور اگر مانا جائے تو بیش بریں نیست کہ گاہے ماہے (کبھی کبھی، مہینے میں ایک دفعہ) ایسا اتفاق ہوا ہو ورنہ درمیان احادیث اور قرآن کے تطبیق دشوار ہوگی۔ اور بجز تاویلات واہیہ اور کچھ نہ ہو سکے گا معترض صاحب کا ایک تکیہ کلام ہے کہ آپ کو آنحضرت ﷺ سے تعبیر کرتے ہیں اپنے کلام اور استدلال کو بعینہٖ منطوق حدیث تصور کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر یوں نہیں تو کیا آنحضرت ﷺ کی سمجھ میں نہیں آیا یا دیدہ و دانستہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کا خلاف کیا؟ نعوذ باللہ ایسے سخت الفاظ کہے جاتے ہیں اور کچھ باک نہیں کرتے! خود تو آنحضرت ﷺ کے فعل کو سمجھتے نہیں جب حدیث اور قرآن کی کوئی آیت ان کے خود ساختہ مذہب کے خلاف ہوتی ہے تو پھر دعویٰ پیغمبری در پردہ کرتے ہیں۔ جناب من! آپ کی سمجھ میں معنی آیت کے نہیں آئے یا آپ دیدہ و دانستہ اس کے برخلاف کرتے ہیں، کیونکہ آپ کے نزدیک حدیث کتاب اللہ سے مقدم شمار کی جاتی ہے کتاب اللہ

۱........ اس عقل و فہم پر رونے کا مقام ہے۔ ت۔

۲........ یا تو سیدھا صحیح اور مختصر بات واضح ہو جانی چاہیے یا فتنہ و شر انگیزی کا اعتراف کر لینا چاہیے ورنہ آپ کی اس مکاری اور بہانہ بازی سے خون کے آنسو رونے چاہییں۔ ت۔

کہ تو آپ صاحبوں نے بالکل بالائے طاق رکھ دیا ہے اگر کوئی بخاری کی حدیث کی سند بیان ہو تو جتنا اُس کا آپ کے نزدیک اعتبار ہوگا ہرگز آیت قرآن کا کوکیسی ہی قطعی الدلالت ہو ایسا اعتبار نہ ہوگا خود تو ضعیف حدیثوں سے استدلال کرتے ہو اور دوسرا جو صریح قرآن کی آیت پیش کرے تو اُس کو قابل استدلال نہ سمجھو کیا قرآن محض تلاوت ہی کے واسطے نازل ہوا ہے؟ احکام کا استدلال اُس سے صحیح نہیں باوجودیکہ الفاظ کلام اللہ بعینہٖ آنحضرت ﷺ کے زمانے سے آج تک بتواتر منقول ہوتے چلے آئے ہیں اور احادیث میں یہ بات میسر نہیں بلکہ اُس میں اس درجے کا اختلاف ہے کہ بیان سے باہر ہے احادیث ضعیف تو در کنار احادیث صحیحہ کہ جن کے تمام راوی ثقہ ہیں اُن میں اس درجے کا اختلاف ہے کہ جب تک کوئی بڑا ماہر نہ ہو ہرگز غرض نبوی ﷺ معلوم نہیں کر سکتا پس حیف ہے کہ احادیث ضعیفہ تو ایک دوسرے کی مؤید ہو جائیں اور قرآن کی آیت کو تائید میں کچھ دخل نہ ہو۔

بخاری کو بعد کتاب اللہ علما نے لکھا ہے مگر یہ حضرات تو مثل کتاب اللہ سمجھتے ہیں چنانچہ کتابیں اُن کی موجود ہیں اور مشتے نمونہ از خروارے معترض صاحب کی اسی کتاب کو ملاحظہ کر لیجئے کہ آیت کو حدیث کے مقابلے میں نہیں مانتے آیت میں تو اپنی تاویلیں کریں گے جو کوئی اہل بھی اس کو پسند نہیں کرے گا اور احادیث کے الفاظ کو یوں جانتے ہیں کہ بلا واسطہ ہم کو آنحضرت ﷺ سے پہونچے ہیں اور یہی الفاظ بعینہٖ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں خدا جانے اُن کے امام پر وحی آئی ہے کہ پیغمبر ﷺ کے یہی الفاظ اور اُن سے یہی غرض ہے یا انہوں نے کوئی خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے اپنے خیال خام میں خوش ہیں، پھر آمین کے بارے میں اکیس حدیثوں پر بڑا ناز ہے اگر مطلق آمین کی اکیس حدیثیں مراد ہیں تو اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آمین کی فضیلت اور اخفا اور جہر میں اس سے زیادہ حدیثیں آئی ہیں۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ جہر آمین میں اکیس حدیثیں ہیں چنانچہ معترض صاحب کے قول سے یہی دعویٰ معلوم ہوتا ہے تو یہ قول محض لغو اور بالکل بے اصل ہے چنانچہ پہلے ہم اس کو بیان کر چکے ہیں ان میں بجز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کسی اور حدیث سے جہر ثابت نہیں ہوتا اور علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو برعکس اُس کے ثابت ہوتی ہے چنانچہ کئی کتابوں سے سنداً اس کی لکھ دی ہے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعل سے اگر جہر آمین ثابت ہوتا ہے تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخفائے آمین سمجھا جاتا ہے فقط ان دو تین حدیثوں کو کئی کتابوں میں آنے سے معترض صاحب نے بہت سا شمار کر لیا ہے اور اس قدر حرص کو ترقی دی کہ غیر جہری حدیثیں بھی اُن میں شامل کر کے اکیس حدیثیں کر دیں پھر اُس پر ناز کرتے ہیں حالانکہ اصل اور حقیقت اُن کی دو تین حدیثیں ہیں کہ اُن میں بھی کلام ہے اسی وجہ سے ہم نے جواب ترکی بہ ترکی دیا ہے کہ گیارہ حدیثیں متعدد کتابوں کی جن میں صریح اخفائے آمین مذکور ہے لکھ دیں اور دس حدیثیں اخفائے بسم اللہ کی کہ اس پر بھی معترض کا اعتراض تھا بیان کر دیں، اس قدر بچوں کے بہلانے کو کافی ہے کیونکہ معترض صاحب اس چیز سے جو گنتی میں زیادہ ہو بہت خوش ہوتے ہیں جیسے، اطفال خوردسال عمدہ غیر عمدہ کا مطلق خیال نہیں کرتے جو چیز شمار میں زیادہ ہو اُس کو لے کر خوش ہو جاتے ہیں ۔

قبول ناقصاں را شاہدی بیچ ہری باید کہ جز طفلاں خریدارے نہ بیچ جوبیں را (۱)

ان اکیس حدیثوں پر غور کرنے میں بھی معترض صاحب نے بچپنا لڑکپن کو کام فرمایا ہے اگر ہم کو اختصار منظور نہ ہوتا تو ان کے واسطے اس قسم کی سو حدیثیں بلکہ زیادہ لکھ دیتے۔

احناف کے نزدیک دعا میں اخفا لازم نہیں بلکہ مستحب ہے

اس کے بعد معترض صاحب نے الزامی جواب دیا ہے کہ حنفیہ اس آیت کے بموجب ہر دعا کا خفیہ ہی کہنا لازم جانتے ہیں تو الحمد وغیرہ دعائیں قرآن کی عشاء وغیرہ میں کیوں پکار کر پڑھتے ہیں؟

جواب: اس کا کئی طرح پر ہے، اول تو حنفیہ دعا کو خفیہ کہنا لازم نہیں جانتے بلکہ مستحب کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ "الحمد" کو یا اور کسی آیت کو جو دعا کے معنوں میں ہو نماز میں بطور دعا کے نہیں پڑھتے بلکہ آیت قرآن سمجھ کر پڑھتے ہیں اس لیے اور سورت جو دعا پر دلالت نہیں کرتی ہے اس سے بھی نماز جائز رکھتے ہیں حنفیہ کو فقط قرآن پڑھنا مقصود ہے دعا وغیرہ سے نماز میں بحث نہیں البتہ التحیات اور درود اور قنوت کو بطور دعا کے پڑھتے ہیں اسی وجہ سے جہر نہیں کرتے اور خارج نماز اگر قرآن کی آیت سے دعا مانگتے ہیں تو اس کو بھی آہستہ کہنا بہتر جانتے ہیں تیسرے یہ کہ "الحمد" وغیرہ کا تینوں نمازوں میں جہر سے پڑھنا احادیث مشہورہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور حنفیہ کے نزدیک حدیث مشہور سے زیادتی کتاب اللہ پر ہو جاتی ہے البتہ حدیث آحاد سے نہیں ہوتی اور جہر "الحمد" میں تو اجماع امت بھی موجود ہے لہٰذا الحمد وغیرہ کا جہر سے پڑھنا خلاف قرآن مجید نہ ہوا پس معترض صاحب کا الزام محض لغو اور مانند تار عنکبوت ہو گیا ؎

جو بات اول ہی تم سے بن نہ آئی تو آخر آپ تم نے منہ کی کھائی

اس کے بعد معترض صاحب نے کچھ اصول حنفیہ میں بحث کی ہے حالانکہ حنفیہ کے اس مسلک سے (کہ آیت مفید یقین ہوتی ہے اور حدیث آحاد مفید ظن ہے قطعی کو چھوڑ کر فقط ایک شخص کی خبر کو کہ اس میں بہت سے احتمالات ہیں تسلیم کر لینا نہ چاہیے، یعنی اگر صریح آیت کے ایک شخص کی خبر برعکس ہو تو اس وقت آیت قرآنی پر عمل کرنا چاہیے) مطلق خبر نہیں ورنہ اعتراض نہ کرتے مگر ان کے شیوۂ قدیم اور عادت ذمیم سے کچھ بعید بھی نہیں، کیونکہ جس شخص نے باوجود ہونے احادیث مرفوعہ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے سو مسئلوں کو مخالف قرآن و حدیث بنا کر بے دھڑک قلمبند کر دیا اور کچھ خدا کا خوف نہ کیا، پھر مزید براں ان مسائل کی وجہ سے اس قدر طعن اور تشنیع ائمہ مجتہدین پر کی ایسا شخص جو کچھ لکھے تھوڑا ہے، اسی وجہ سے ہم کو تو ان کے ایمان میں شک معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس "**ظفر مبین**" میں انہوں نے در پردہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین بلکہ پیغمبر ﷺ کی شان میں سوئے ادبی کی ہے، حالانکہ اس مسئلے کو آمین میں کچھ تعلق نہ تھا خواہ مخواہ حنفیہ کی طرف سے ضعیف

۱۔ …… ناقص محض چیزوں کو بغیر جوہری کے دکھانا چاہیے کیوں کہ کنکری کی بچوں کے سوا خریدنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

جواب گزرا کہ اس کا جواب الجواب معترض صاحب دینے لگتے ہیں پھر تعجب یہ ہے کہ حنفیہ کے مسلک شرعی سے بالکل آگاہی نہیں، بجز نواب صاحب امیر بھوپالی کے رسالوں کے کسی محقق کی کتاب ملاحظہ سامی سے جو نہیں گزری بھر دخل در معقول دینے کو آندھی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم امام اعظم کے مقلد اگر نماز میں آمین پکار کر اس لیے نہیں کہتے کہ الخ۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پکار کر آمین بعض اوقات میں ثابت ہوتی ہے اس کے سوا اگر آپ کے پاس کوئی سند اس کے خلاف پر ہو تو لائیے ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اگر جہرا کثری اور بوجہ مسنون ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل ہرگز اخفا نہ ہوتا، اور گفتگو استحباب اور عدم استحباب میں ہے حنفیہ جہرا آمین کو جائز جانتے ہیں مگر مستحب نہیں جانتے، البتہ اگر کوئی بطور تعلیم جیسے رسول اللہ ﷺ نے جہر کیا ہے کرے گا تو کوئی قباحت نہیں مگر آج کل ظاہر ہے کہ تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے سب کو یہ احکام معلوم ہیں، پس جس قدر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا ہے وہ بیشک موافق مرضی خدائے تعالیٰ کے ہے اور اس میں جو غلو اور ترقی ہوگئی ہے وہ ہرگز رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں پس حنفیہ کے نزدیک گو جہر کی حدیث میں کلام ہے اور اخفا کی حدیث صحیح الاسناد بقول حاکم ہے لیکن بایں ہمہ اس کا اقرار ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی کبھی جہر بھی صادر ہوا ہے تاکہ اخفا اور جہر کی حدیثوں میں تطبیق ہو جائے اور فعل صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بجائے خود رہے، پس جس کا حنفیہ انکار کرتے ہیں وہ امر حدیث سے ثابت نہیں اور جس کا اقرار کرتے ہیں وہ حدیث سے تو ثابت ہوتا ہے مگر معترض صاحب کے کہ اپنے دعوے کو پیغمبر ﷺ کا دعوی تصور کرتے ہیں مخالف ہوا جاتا ہے اس لیے معترض صاحب بہت بگڑے دل نظر آتے ہیں خدا خیر کرے۔

آج وہ شوخ غضب پر ہے خدا خیر کرے غصے میں جامے سے باہر ہے خدا خیر کرے

عرفات ومزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین باجماع صحابہ جائز ہے

قولہ پہلا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ الخ(۱)

اقول: عرفات ومزدلفہ میں جمع کی حدیثیں اس کثرت سے موجود ہیں کہ آحاد سے گزر کر مشہور تک بلکہ فی المعنی متواتر ہیں اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی موجود ہے پس حنفیہ کے نزدیک اس قسم کی حدیث سے یقین ہو جاتا ہے اور زیادتی اس کی کتاب اللہ پر کہ من وجہ نسخ ہے درست ہے، کوئی حدیث آحاد پیش کیجیے اور ایک آیت قطعی الدلالۃ ان دونوں میں اگر مخالفت ہوگی تو بیشک حنفیہ کے نزدیک آیت پر عمل ہوگا، آپ کو حنفیہ کے مسلک سے مطلق خبر نہیں، یا خبر ہے مگر عوام الناس کو اشتباہ میں ڈالنے کے واسطے اس قسم کے مغالطے شروع کیے ہیں۔

مؤلف ظفر کا آیت سے فریب دینا

قولہ دوسرا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ﴾ الخ(۲)

۱..... النساء: آیت: ۱۰۳۔ ۲..... النساء: آیت: ۲۳۔

اقول: اس آیت میں کہیں نہیں سمجھا جاتا کہ سوائے ان عورتوں کے دوسری عورتیں حرام نہیں فقط اس آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتیں جو آیت میں مذکور ہیں قطعی حرام ہیں اور دوسری عورتوں سے آیت ساکت ہے، جیسے حمار اہلی کا قرآن میں ذکر نہیں اور حدیث میں اُس کی حرمت وارد ہے پس حدیث مخالف قرآن کے نہ ہوئی، البتہ جو عورتیں قرآن میں مذکور ہیں ان میں سے اگر بالفرض کسی عورت کی حلت حدیث میں وارد ہوتی تو اُس وقت حنفیہ جبرًا حادے قرآن کو ترک نہ کرتے اور اپنی عورت کی پھوپھی اور خالہ کا قرآن میں کہیں پتا بھی نہیں پس اس حدیث کو قرآن کے مخالف سمجھنا سراسر جہالت ہے جس میں فرق تقن ہو معترض صاحب اُس کو بھی بے باکانہ لکھ دیتے ہیں تاکہ عوام تصور کریں کہ مسائل حنفیہ بھی اُن کو خوب یاد ہیں، حالانکہ حنفیہ کچھ کہتے ہیں اور معترض صاحب اُن کی طرف سے اور کچھ اختراع کرتے ہیں اور ناحق مسائل فقہیہ کے مطلب سمجھنے کا دم بھرتے ہیں۔

کے پسندد خرد خردہ بیں؟	مدعیت سست وتوئی چست وچاق
تو بروے دروے تصدیق او	واں پے تغلیط فَاَیْنَ الْوِفَاقُ(۱)

قولہ: تیسرا مسئلہ آیت ﴿وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ﴾ الخ(۲)

اقول: اس آیت سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سوائے ان دو قسم کے اور حلال ہیں، ایک شئی کی حرمت بیان کرنے سے دوسری شئی کی حلت کیونکر اُس قول سے معلوم ہو سکتی ہے دوسری شئی کے حکم سے وہ قول ساکت ہوتا ہے جب تک دوسرا حکم اُس دوسری شئی کے واسطے نہ ہو اول حکم اس کے واسطے کافی نہ ہوگا جس میں وہ حکم وارد ہے اُس میں رہے گا پس جو احکام قرآن میں مذکور نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصریح کر دی ہے اُن کو تسلیم کر لینا عین ایمان ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم جو قرآن میں جابجا موجود ہے بیکار ہوگا۔

حدیث متواتر و مشہور ناسخ قرآن ہو سکتی ہے

جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول بیشک فرمایا ہے اُس وقت موافق آیت کے اطاعت واجب ہے اور اگر ہم کو اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہونے میں یقین نہ ہو اور پھر آیت کے وہ قول مخالف بھی ہو تو اُس وقت ہم اُس کو اس حیثیت سے ترک نہیں کرتے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، بلکہ بوجہ عدم تیقن ارشاد ہونے کے آیت پر ترجیح نہیں دیتے، ورنہ جس شخص نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی ایسا ارشاد سنا کہ وہ اپنے معنی میں قطعی الدلالۃ ہے تو اُس شخص کو اُس پر عمل کرنا واجب ہے، گو کتاب اللہ کے مخالف ہو اس لیے کہ اُس وقت اُس سے نسخ کتاب سمجھا جائے گا، پس

۱...... عقل باریک بیں کیسے پسند کرے؟ کہ تمہارا مدعی سست اور تم چاق وچوبند ہو
تم اس کی تصدیق کے درپے ہو اور وہ غلط بتا رہا ہے تو پھر موافقت کیسے ہو سکتی ہے۔ت۔

۲......النساء: آیت ۲۳۔

جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں اسی وجہ سے اُن میں تفصیل کی جاتی ہے کہ ایک حدیث متواتر کہلاتی ہے جس کے اس قدر راوی ہر زمانے میں چلے آئے ہوں کہ ان کا کذب پر مجتمع ہونا عقل محال تصور کرتی ہو اور دوسری حدیث مشہور ہے کہ ابتدا میں تو اس کو ایک دو نے بیان کیا پھر وہ حدیث اس قدر پھیلی کہ اتنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین وغیرہ اس کو برابر روایت کرتے چلے آئے کہ اُن کا کذب پر مجتمع ہونا محال ہے، پس ان دو قسموں سے قرآن کی آیت منسوخ ہو جاتی ہے، اور تیسری قسم حدیث آحاد ہے جس کے ایک دو راوی ہوں یہ قسم مفید ظن ہوتی ہے اگر مخالف قرآن پڑے گی تو آیت اُس کی وجہ سے منسوخ نہیں ہوگی، بلکہ عمل آیت پر کہ یقینی ہے کیا جائے گا اور حدیث ظنی میں تاویل معقول کر دی جائے گی، پس حدیث آحاد بوجہ ہونے بہت سے واسطوں کے ترک کی جائے گی، کیونکہ بلا واسطہ علم میں اور علم بوسائط میں فرق ظاہر ہے اور اگر مخالف قرآن وہ حدیث نہ ہوگی تو اُس پر گو وہ ظنی ہے عمل کرنا واجب ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ بلا واسطہ علم اور بواسطۂ تواتر موجب یقین ہوتا ہے اور اگر ایک دو شخص کسی بات کو بیان کریں تو اُن کے بیان میں ضرور کوئی وجہ ہوگی ورنہ خلاف تواتر واقع نہ ہوتا، پس رسول اللہ ﷺ کی حدیث بسر و چشم ہے اگر ثابت ہو جائے راویوں کی وجہ سے احادیث میں بہت فرق ہو گیا ہے لہٰذا ایسے موقع پر کہ قرآن کے حدیث آحاد برخلاف ہو یہ کہنا ہم کو سہل ہے کہ راوی سے کوئی غلطی سہواً ہو گئی ہوگی مگر خدا کی طرف ایسی نسبت کرنی حضرات ظاہریہ ہی کا کام ہے یا پیغمبر ﷺ کی طرف خبر آحاد سے مخالفت قرآن کی نسبت کرنی انہیں حضرات کا شیوہ ہے جنہوں نے احادیث میں اس درجے کا غلو کیا ہے کہ اُس کے مقابلے میں قرآن کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے، اور ایک دو شخص کے قول کو خدا کے قول پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خدا کا کذب محال ہے اور راوی کا محال نہیں۔

قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کا قول ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' آیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ تحقیق میں بیمار ہوں اور حدیث میں وارد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تین بار جھوٹ بولے ہیں ایک اُن میں کا یہی ہے کہ آپ کو بیمار بتلایا، اور امام فخر الدین رازی باوجود صحیح حدیث ہونے کے اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے مجھ کو یہ امر سہل معلوم ہوتا ہے کہ راوی کی طرف نسبت کروں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں ''قَالَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ الْقَوْلُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ كِذْبَةٌ وَرَوَوْا فِيْهِ حَدِيْثًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ مَا كَذَبَ اِبْرَاهِيْمُ اِلَّا ثَلٰثَ كِذْبَاتٍ قُلْتُ لِبَعْضِهِمْ هٰذَا الْحَدِيْثُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُقْبَلَ لِاَنَّ نِسْبَةَ الْكِذْبِ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ لَا تَجُوْزُ فَقَالَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ فَكَيْفَ يُحْكَمُ بِكِذْبِ الرُّوَاةِ الْعُدُوْلِ فَقُلْتُ لَمَّا وَقَعَ التَّعَارُضُ بَيْنَ نِسْبَةِ الْكِذْبِ اِلَى الرَّاوِيْ وَبَيْنَ نِسْبَتِهٖ اِلَى الْخَلِيْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ الْمَعْلُوْمُ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّ نِسْبَةَ الْكِذْبِ اِلَى الرَّاوِيْ اَوْلٰى'' (۱) یعنی بعضوں نے کہا کہ یہ کہنا ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ ہے اور بیان کی انہوں نے اس میں ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے کہ فرمایا آپ نے نہیں جھوٹ کہا ابراہیم نے

۱..... تفسیر کبیر۔

مگر تین بار میں نے ان سے کہا یہ حدیث قبول کرنے کے لائق نہیں اس لیے کہ جھوٹ کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جائز نہیں پس کہا اس شخص نے کیونکر حکم کیا جائے ساتھ جھوٹ بولنے ثقہ راویوں کے میں نے کہا جبکہ درمیان نسبت کذب راوی کے اور درمیان نسبت کذب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تعارض واقع ہوا تو بالضرور جانا جائے گا کہ نسبت جھوٹ کی طرف راوی کے بہتر ہے انتہیٰ۔

حاصل یہ ہے کہ حدیث میں سوائے ان دو قسموں کے (جو قرآن شریف میں مذکور ہیں) آنے سے مخالفت قرآن نہیں ہو سکتی یہ حکم اور ہے اور وہ اور ہے سیکڑوں احکام احادیث میں مذکور ہیں اور قرآن میں نہیں کیا ان میں مخالفت ہے جو حدیث مشہور یا متواتر کی ضرورت پڑی؟ ایسے مسائل کو قطعی اور ظنی کی بحث میں لکھنا نشانہ مضحکۂ عام وخاص کا بننا ہے معترض صاحب کو مطلق خیال نہیں رطب ویابس کو مثل حاطب اللیل کے اخذ کرتے ہیں اور پھر طرہ اس پر یہ ہے کہ ندامت تو در کنار ان کو تقریر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں خیر خدائے تعالیٰ ان کو اس تدلیس سے بچاوے اور ان افعال اور اقوال سے توبہ نصیب فرماوے آمین۔

مسافر، عورت اور مریض پر جمعہ واجب نہیں

قولہ: چوتھا مسئلہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ السعی۔ (۱) **اقول:** یہ آیت مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اور مقید ظنی ہوتی ہے پس ظنیات سے اس کو خاص کر لینا جائز ہوا چنانچہ فتح القدیر میں لکھا ہے "وَلَا شَكَّ اَنَّ اِطْلَاقَ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَاسْعَوْا مُقَيَّدٌ بِخُصُوْصِ مَكَانٍ وَمَخْصُوْصٌ مِنْهُ كَثِيْرٌ كَالْعَبِيْدِ وَالْمُسَافِرِيْنَ فَجَازَ تَخْصِيْصُهٗ بِظَنِّيٍّ اٰخَرَ فَيُخَصُّ بِمَنْ اَمَرَهُ السُّلْطَانُ اَيْضاً" (۲) یعنی نہیں شک ہے اس میں کہ مطلق ہونا آیت "فاسعوا الخ" کا ساتھ خاص مکان کے مقید ہے اور بہت اشیا اس سے خاص کیے گئے ہیں مثل غلاموں اور مسافروں کے پس جائز ہوا خاص کرنا اس کا ساتھ دوسرے ظنی کے پس خاص کیا جائے گا وہ اس شخص سے بھی جس کو بادشاہ امر کرے انتہیٰ۔ اور برہان شرح مواہب الرحمن میں لکھا ہے "اِنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰی ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ لَيْسَ عَلٰی اِطْلَاقِهٖ اِتِّفَاقًا بَيْنَ الْاَئِمَّةِ اِذْ لَا يَجُوْزُ اِقَامَتُهَا فِي الْبَرَارِيْ اِجْمَاعاً" (۳) یعنی تحقیق فرمانا اللہ تعالیٰ کا کہ چلو تم طرف ذکر اللہ کے مطلق نہیں ہے بوجہ اتفاق کل ائمہ کے اس لیے کہ قائم کرنا جمعہ کا جنگلوں میں بالاجماع جائز نہیں انتہیٰ۔

پس جب یہ حدیث مطلق نہ ہوئی بلکہ مقید بالاجماع ہوئی تو مسافر اور عورت اور مریض پر بموجب حدیث جمعہ واجب نہ ہوگا کیونکہ آیت میں بعضے چیزوں کے بالاجماع خاص ہونے سے احتمال اس امر کا پیدا ہو گیا کہ شاید دوسرے اشیا بھی اس سے خاص ہوں، پس اس وقت ظنی حدیث بھی کافی ہو جائے گی اور آیت میں دوسری تخصیص پیدا کر دے گی البتہ جو آیت مطلق ہے

۱..... الجمعة : آیة : ۹۔

۲..... شرح فتح القدیر، الجزء الثانی، ص : ۲۹۔

۳..... برهان شرح مواهب الرحمن۔

اُس میں حدیث ظنی سے تخصیص نہیں ہوتی پس اس مقیدآیت کواس بحث میں پیش کرنا اور حنفیہ کے مذہب کو خلاف اصول مقررہ واسطے مغالطہ دہی عوام کے بیان کرنا غایت درجہ کی فریب دہی ہے۔

وای بر فرقہ کہ ہمت شان جملہ کیاد دہی و دغا باشد (۱)

حنفیہ نے موافق قرآن اور حدیث کے وہ اصول مقرر کیے ہیں کہ کسی مذہب میں ایسے پکے نہیں حتی کہ منطق کے بکے ٹوٹ جاتے ہیں، مگر حنفیہ کے قواعد اور کلیات برابر نقض سے پاک ہیں البتہ جو شخص حنفیہ کے مذہب سے آگاہی نہیں رکھتا وہ اپنی لاعلمی سے جو چاہتا ہے کہتا ہے مگر اس کا کچھ تعجب نہیں اس واسطے کہ جب قرآن اور حدیث پر لوگوں نے اعتراض کیے ہیں تو چہ جائے مقلدین وائمہ مجتہدین۔

مَا نَجَا اللهُ وَالرَّسُوْلُ مَعاً مِنْ لِّسَانِ الْوَرٰی فَکَیْفَ اَنَا (۲)

اور اندھے کا خارج ہونا خود آیت ہی سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ لفظ سعی اس میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ سعی سے نابینا معذور ہے، مگر باایں ہمہ حنفیہ کے نزدیک اگر یہ لوگ جمعہ میں شامل ہو جائیں گے تو پھر ظہر کی نماز ان سے ساقط ہو جائے گی، اور لڑکا تو بالاجماع مرفوع القلم ہے اور حدیث میں بھی تین شخصوں کے لیے وارد ہے کہ ان سے قلم تکلیف کا اٹھالیا گیا ہے ایک نابالغ، دوسرا سویا ہوا، تیسرا مجنون، اسی وجہ سے حنفیہ اور شروط جمعہ کے موافق اور احادیث کے بڑھ جاتے ہیں۔

جمعہ کے شرائط اور احکام کا بیان

حاکم کی شرط ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جانو! تم کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے میرے اس مقام میں اور میرے اس دن میں اور میرے اس مہینے میں اور میرے اس سال میں قیامت تک، پس جو شخص اس کو ترک کرے گا میری زندگی میں یا بعد میرے اور حال یہ ہے کہ واسطے اس کے امام عادل یا جائر (ظالم) ہوگا واسطے آسان سمجھنے اس کو ہلکا سمجھنے کی اور اسکا انکار کرنے کی وجہ سے کہ، پس نہ جمع کرے پریشانی اُس کی اور نہ برکت دے اللہ اس کے کام میں خبردار ہو نہیں نماز اُس کی اور نہ زکوٰۃ اُس کی اور نہ حج اُس کا اور نہ روزہ اُس کا انتہی مختصراً اور کہا شیخ الاسلام عمدۃ المحدثین علامہ عینی نے یہ حدیث ساتھ طرق کثیرہ اور وجوہ متعددہ کے روایت کی گئی ہے اسی وجہ سے اس میں قوت آگئی ہے پس حجت ہونے سے منع نہیں کرتی انتہی۔

اس حدیث سے شرط ہونا حاکم کا واسطے جمعہ کے ثابت ہوا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اُس حال میں کہ امام عادل یا جائر ہو ترک جمعہ پر وعید فرمائی پس معلوم ہوا کہ امام یعنی حاکم کا ہونا جمعہ کے واسطے شرط ہے، پھر حنفیہ نے تو ہندوستان میں بھی

۱..... اس فرقہ (وہابیہ) پر افسوس ہے کہ جن کی پوری توجہ مکر و دغابازی پر ہوتی ہے۔ ت

۲..... زبان خلق سے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ذات نشانہ بننے سے محفوظ نہیں تو ہم کیسے بچ سکتے ہیں۔ ت

باوجود مسلمان حاکم نہ ہونے کے جمعہ کا فتویٰ دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اہل اسلام جمع ہو کر جس کے پیچھے جمعہ پڑھیں گے وہی امام ہے۔ مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے معنی حاکم کے ہیں، کیونکہ صفت اُس کی عادل یا جائر مذکور ہے یہ صفت حکام میں ہوتی ہے مسجد کے امام کے واسطے کہنا بے محل ہے مگر احتیاطاً متاخرین حنفیہ نے حاکم کی قید کو بھی اُڑا دیا ہے گو اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے جو امام صاحب کی غرض ہے اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کہ چار چیزیں بادشاہ کی تفویض میں ہیں کہ ان میں سے جمعہ اور عیدین بھی ہے پھر اگر امام صاحب نے امام کی شرط فرمادی باوجودیکہ کسی حدیث میں اُس کی نفی نہیں پائی جاتی بلکہ ان دونوں حدیثوں سے شرط امام جمعہ کے واسطے معلوم ہوتی ہے تو خلاف حدیث ہوا یا موافق حدیث کے ہوا۔ ع

تمہیں کہو تو کہ ہے اس میں کس کی رائے صواب

اور آیت کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ بوجہ تخصیص اجماع کے ظنی ہوگئی ہے، پس خلاف قاعدۂ اصول اور خلاف قرآن بھی نہ ہوا البتہ امام کا شرط نہ ہونا خلاف حدیث ہوگا اور علی رضی اللہ عنہ کی امامت بروقت محصور ہونے عثمان رضی اللہ عنہ کے (گو اس کی تصریح نہیں آئی کہ انہوں نے اجازت لی تھی یا نہیں مگر موافق اس حدیث کے) محمول بر اذن کی جائے گی ورنہ عدم اذن کہیں ثابت نہیں ہوتا ہے، پس خلاف حدیث محمول کرنا بعید ہے اور اگر اس وقت اذن سے مجبوری ہوگی تو بھی اس حالت میں حنفیہ کے نزدیک نماز جائز ہے چنانچہ امام المحدثین علامہ عینی نے لکھدیا ہے کہ ہمارے نزدیک ایسی صورت میں کہ حاکم کا اذن لینا ممکن نہ ہو جمعہ ایک شخص کے پیچھے جس سے لوگ راضی ہو جائیں جائز ہے۔

باقی رہی شرط شہر ہونے کی اُس کے واسطے بھی حدیث موجود ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے "لَاجُمُعَةَ وَلَاتَشْرِيْقَ وَلَاصَلٰوةَ فِطْرٍ وَلَااَضْحٰى اِلَّافِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْمَدِيْنَةٍ عَظِيْمَةٍ"(۱) یعنی نہیں جمعہ اور نہ تشریق اور نہ عیدین مگر مصر جامع میں یا بڑے شہر میں انتہی۔ اور فتح القدیر میں ہے "وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَكَفٰى بِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُدْوَةً"(۲) یعنی صحیح کہا اس حدیث کو ابن حزم ظاہری نے اور کفایت کرتا ہے اتباع علی رضی اللہ عنہ کا انتہی۔ اور مسند عبدالرزاق میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیث حکماً مرفوع ہوتی ہے کیونکہ ایسی امر کا عقل سے ثابت ہونا بعید ہے، پس اگر دوسرے صحابی کے قول سے معارضہ ہوگا تو علی رضی اللہ عنہ کا قول مقدم شمار کیا جائے گا حالانکہ اب تک کوئی

۱..... المصنف فی الاحادیث و الآثار: لابی بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبة الکوفی، التحقیق کمال یوسف الحوت، باب: من قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، الجزء الاول، ص: ٤٣٩ (مکتبة الرشد الریاض)

۲..... فتح القدیر، باب صلوة الجمعة. وانما رواه ابن ابی شیبة موقوفا علی علی رضی اللہ تعالی عنه لا جمعة الخ. صححه ابن حزم. ورواه عبد الرزاق من حدیث عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنه قال لا تشریق ولا جمعة الخ وکفی بقول علی رضی اللہ عنه قدوة.

حدیث معارض اس حدیث کے مذکور نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ امر منقول نہیں کہ جب انہوں نے شہروں کو فتح کیا ہو تو منبر اور جمعہ کا گاؤں میں بھی حکم دیا ہو بلکہ شہروں میں جمعہ کے واسطے حکم دیتے اور منبر رکھوا دیتے اور اگر کہیں گاؤں میں بھی حکم دیا ہوتا تو کوئی روایت گو آحادی سہی ضرور مروی ہوتی۔

مصر جامع کی تفسیر

مصر جامع کی تفسیر میں اختلاف ہے امام صاحب سے اس میں مختلف روایتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ مصر جامع وہ جگہ ہے جہاں حوائج ضروری متعلق عیال و اطفال کے مہیا ہوں۔

اور دوسری یہ ہے کہ جہاں امیر اور قاضی احکام اور حدود جاری کرتے ہوں اور یہ معنی مصر جامع کے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہیں۔

اور تیسری یہ ہے کہ مصر جامع وہ ہے جہاں کوچہ و بازار اور متعلق اس کے گاؤں ہوں کہ آدمی بروقت حوادث اس میں رجوع کر جائیں۔

اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مصر جامع وہ ہے کہ آدمی جس کو شہر جانتے ہوں اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زمخشری کے نزدیک جس میں حدود اور احکام جاری ہوں۔

اور ابو عبداللہ بلخی کے نزدیک مصر جامع وہ ہے جس کی بڑی سے بڑی مسجد میں آدمی اس کے نہ آسکیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ نے یہ شرط مخالف حدیث نہیں لگائی بلکہ جب تمام صحابہ مصروں میں جمعہ کا حکم دیتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ سے بھی شرط مصر کی منقول ہے اور ابن حزم جن کو تمام فرقہ ظاہریہ اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں تو پھر امام صاحب نے اس شرط کے لگانے میں مخالفت کیسے کی بلکہ انہوں نے تو عین موافقت کی البتہ گاؤں میں جمعہ کے وجوب کی کوئی حجت نہیں پائی جاتی ورنہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ضرور منقول ہوتا اور جواثی کا گاؤں ہونا ثابت نہیں کیونکہ شہر کو قریہ بھی بولتے ہیں اور لغت میں بھی اس کو قلعہ کے معنی میں لکھا ہے اور قلعہ پر مصر جامع کی تعریف صادق آتی ہے چنانچہ تحقیق اس کی مفصلاً صفحہ ۱۳۸ میں بیان ہوگی۔

غرض کہ امام صاحب تو موافق حدیث اور قرآن کے کہتے ہیں مگر فرقہ ظاہریہ باایں ہمہ دعویٰ عمل بالحدیث سراسر خلاف حدیث و قرآن کرتے ہیں اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر نہیں دیکھتے دوسروں پر طعن کرتے ہیں۔

اپنی غفلت پر انہیں کچھ نہیں نظر | اندھے ہیں خود پر اوروں کو جانتے ہیں بے بصر (۱)

قولہ: پانچواں مسئلہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ الخ (۲)۔

۱...... اپنی شرم ساری پر تو خود کی نگاہ نہیں اور دوسروں پر عیب جوئی کی نگاہ ڈال رہے ہیں

۲...... المائدۃ: ٦۔

آیت ”اِذاقمتم الی الصلوٰۃ“ بے وضولوگوں کے متعلق ہے

اقول: جواب اس کا یہ ہے کہ یہ آیت خاص محدثین کے حق میں وارد ہے متوضی اس میں داخل نہیں اور تقدیر اس کی یوں ہے ”اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ“ یعنی جس وقت تم نماز کے لیے کھڑے ہواور وضو سے نہ ہو پس وضو کرو چنانچہ تفسیر احمدی میں لکھا ہے ”وَتَقْدِیْرُہٗ وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ مَشْھُوْرٌ عِنْدَالْبَعْضِ وَقِیْلَ مَعْنَاہُ اِذَاقُمْتُمْ مِنَ النَّوْمِ لِاَنَّہٗ دَلِیْلُ الْحَدَثِ عَلٰی مَارُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا کَمَانُصَّ بِہٖ فِیْ الْمَدَارِکِ“ (۱) یعنی تقدیر آیت کی وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ مشہور ہے نزدیک بعض کے اور بعضوں نے کہا معنی اس کے جس وقت اٹھو تم خواب سے کیونکہ سونا دلیل حدث کی ہے چنانچہ یہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی گئی ہے جیسا کہ تصریح اسکی تفسیر مدارک میں موجود ہے انتہیٰ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جو بڑے جلیل القدر صحابی اور بڑے مفسر ہیں اس کی تقدیر میں مِنَ النَّوْمِ متعلق کو محذوف مانتے ہیں پس معلوم ہوا کہ حدث کی قید اس میں ضرور ہے مطلق نہیں اور تفسیر کشاف میں لکھا ہے ”قُلْتُ یَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ الْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ فَیَکُوْنَ الْخِطَابُ لِلْمُحْدِثِیْنَ خَاصَّۃً وَاَنْ یَّکُوْنَ لِلنَّدْبِ فَاِنْ قُلْتَ ھَلْ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ الْاَمْرُ شَامِلًا لِلْمُحْدِثِیْنَ وَغَیْرِھِمْ لِھٰؤُلَاءِ عَلٰی وَجْہِ الْاِیْجَابِ وَلِھٰؤُلَاءِ عَلٰی وَجْہِ النَّدْبِ قُلْتُ لَا“ (۲) یعنی میں جواب دوں گا احتمال ہے کہ امر واسطے وجوب کے ہو پس ہوگا خطاب خاص واسطے بے وضولوگوں کے اور یہ بھی احتمال ہے کہ امر واسطے استحباب کے ہو پس اگر کہے تو کیا جائز ہے کہ امر باوضو اور بے وضو دونوں کو شامل ہو ان کو بطور ایجاب کے

اور ان کو بطور استحباب کے میں کہوں گا نہیں جائز ہے انتہیٰ۔

حاصل یہ ہے کہ اگر امر واسطے وجوب کے لیا جاتا ہے تو بالاتفاق بے وضولوگ مراد ہیں اور اگر امر ندبی ہے تو اس وقت باوضولوگ ہی ہوں گے مگر بے وضو کے واسطے آیت ساکت ہوگی باوجودیکہ ضرورت بیان کی اس میں زیادہ ہے اور اس میں تحصیل حاصل ہے کو مستحب سہی۔

اور تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے ”وَالتَّقْدِیْرُ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَاَنْتُمْ عَلٰی غَیْرِ طُھْرٍ وَھٰذَا اَحَدُ اِخْتِصَارَاتِ الْقُرْآنِ وَھُوَ کَثِیْرٌ جِدًّا“ (۳) یعنی اور تقدیر آیت کی جس وقت کھڑے ہو تم طرف نماز کے اور حال یہ ہے کہ تم بے

۱.....التفسیرات الاحمدیۃ : للشیخ احمد المعروف بملا جیون الصدیقی الامیٹوی الھندی المتوفی ۱۱۳۰ھ۔

.....الوضوء : فاما مسئلۃ الوضوء ففی قولہ تعالٰی ﴿یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلاۃ فاغسلوا﴾ الخ۔

المائدۃ : ۶ ، ص : ۳۳۷ ، مکتبۃ الشرکۃ (القرآن)

۲.....تفسیر کشاف : الجزء الاول ۔ سورۃ المائدۃ ، ص ۶۱۱

۳.....تفسیر فتح المبین ۔

وضو ہو اور یہ تقدیر مجملہ اور اختصارات قرآن کے ہے اور یہ بکثرت ہے انتہی۔

پس اس تفسیر سے بھی جس کی معترض صاحب بہت سند لائے ہیں معلوم ہوا کہ یہاں یہ لفظ مقدر ہے اور اس قسم کا اختصار بہت آیا ہے اور قرینہ اس پر اس آیت سے آگے ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ (۱) کا موجود ہے یعنی اگر بے وضو ہو تو وضو کرلو اور اگر جنابت سے ہو تو غسل کرلو پس یہ آیت عام نہ ہوئی بلکہ خاص انہیں کے حق میں وارد ہوئی جو طہارت سے نہ ہوں، اور مقدر الفاظ مثل مذکور کے ہوتے ہیں پس اس کو عام سمجھکر حنفیہ پر اعتراض کرنا محض مغالطہ ہے پھر کثرت سے احادیث بھی اس میں موجود ہیں، چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے "وَدَلِيلُ الْجُمْهُورِ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ مِنْهَا هٰذَا الْحَدِيثُ وَحَدِيثُ أَنَسٍ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَكَانَ أَحَدُنَا يَكْفِيهِ الْوُضُوءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ وَحَدِيثُ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ أَيْضًا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ أَكَلَ سَوِيقًا ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَفِي مَعْنَاهُ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ كَحَدِيثِ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ وَسَائِرِ الْأَسْفَارِ وَالْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَوَاتِ الْفَائِتَاتِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ" (۲) یعنی دلیل جمہور کی احادیث صحیحہ ہیں کہ انہیں سے ایک تو یہی حدیث مسلم کی ہے اور دوسری حدیث انس رضی اللہ عنہ کی صحیح بخاری میں کہ رسول اللہ ﷺ وضو کرتے تھے واسطے ہر نماز کے اور ہم لوگوں کو ایک ہی وضو جب تک حدث نہ کرتے کافی ہوجاتا تھا اور تیسری حدیث سوید بن نعمان کی صحیح بخاری میں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی پھر ستو کھائے پھر مغرب کی نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا اور اسی معنی کی بہت حدیثیں وارد ہیں جیسے حدیث جمع بین الصلاتین عرفہ اور مزدلفہ میں اور تمام سفروں میں اور حدیث جمع کی درمیان قضا نمازوں کے خندق کے دن اور سوا اس کے انتہی۔

اسی طرح کی حدیثیں ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ تمام کتب حدیث میں موجود ہیں۔

داؤد ظاہری کی فریب کاری

داؤد ظاہری جو فرقۂ ظاہریہ کے مقتدا اور پیشوا ہیں وہ ہرگز جائز نہیں رکھتے کہ ایک وضو کئی نمازوں کو کافی ہوجائے بلکہ ہر نماز کے واسطے تازہ وضو واجب جانتے ہیں، پس فرقۂ ظاہریہ کو مناسب تھا کہ یہ تمام حدیثیں اور اجماع امت اس میں نقل کرتے اور کہتے کہ یہ مسئلہ اُن کا صریح احادیث اور اجماع صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے برخلاف ہے امام صاحب

۱..... المائدۃ: آیت: ۶۔

۲..... المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: لابی زكريا يحیی بن شرف بن مری النووی

باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد ج: ۲، ص: ۱۷۷

(دار احياء التراث العربی، بيروت، الطبعة الثانية: ۱۳۹۲ھ)

کا کچھ قصور نہیں بلکہ ہر ایک کا ماخذ موجود ہے ورنہ کوئی مخالفت حدیث سے پاکدامن نہیں اگر ایک حدیث کے موافق ہے تو دوسرے کے مخالف ہم تو اس میں کسی کا حال ظاہر کرنا اچھا نہیں سمجھتے اور نہ اس قسم کی مخالفت کو قابل جہنم نعوذ باللہ جانتے ہیں اگر ہمارا خدانخواستہ معترض صاحب کا سا عقیدہ ہوتا تو پھر ہم تو ایسی قلعی اُس طرف کی کھول دیتے کہ بایدو شاید اسی لیے فقط ہم اشارے پر اکتفا کر جاتے ہیں اگر معترض صاحب زیادہ چون وچرا کریں گے تو پھر اُن کو مشکل پڑ جائیں گی اور انشاء اللہ جس وادی میں وہ چلیں گے ہم اُن کا پیچھا نہ چھوڑیں گے اور جواب باصواب سے منہ نہ موڑیں گے۔

میدان ہے کاغذ تو قلم اپنا ہے چوگان — ہاں مرد جو ہو آئے مقابل میں مرے یاں۔

اگر اُن کو ان مسائل میں شبہ ہوتا تو مناسب تھا کہ الفاظ مہذبانہ لکھ کر رفع اشتباہ کر لیتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ داؤد ظاہری باوجود کثرت احادیث کے اس آیت کو باوجود خاص ہونے کے عام لیتے ہیں اور منسوخ ہونا قرآن کا حدیث سے جائز نہیں رکھتے چنانچہ تفسیر کبیر میں اُن کا مذہب مع جواب مفصل موجود ہے مگر تعجب یہ ہے کہ خاص کو عام کر لیا حالانکہ کوئی قرینہ اُس پر موجود نہیں بلکہ خصوصیت کا قرینہ خود عبارت میں موجود ہے پھر احادیث صحیحہ بخاری ومسلم کو انہوں نے اس کے مقابلے میں ایک نہ مانا۔

پس معلوم ہوا کہ ظاہریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جیسا قرآن کو داؤد ظاہری سمجھتے تھے ویسا پیغمبر ﷺ بھی نہیں سمجھتے ورنہ ایک وضو سے کئی نمازیں نہ پڑھتے کیا یہ آیت آنحضرت ﷺ سے پیچھے ظاہریوں کے امام پر اُتری ہے یا دیدہ ودانستہ حضرت ﷺ نے اس کا خلاف کیا ہے؟ مسلمان کی تو یہ شان نہیں کہ اُن میں سے کوئی بات آنحضرت ﷺ کے لیے تجویز کرے لیکن یہ حوصلہ امام داؤد کے مقلدوں کا ہے اور کسی کا نہیں، حالانکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (١) یعنی جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی انتہی۔

اور دوسری آیت ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (٢) یعنی تمہارے واسطے رسول اللہ ﷺ میں طریقہ عمدہ موجود ہے انتہی۔

اور تیسری آیت ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (٣) یعنی کہہ دے پیغمبر اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو دوست رکھے گا انتہی۔

پس مولوی محمد حسین لاہوری کا قول ظاہریوں کے حق میں بہت ٹھیک صادق آتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی حدیث کو صحیح مان کر قدح اور جرح سے سالم جان کر اُس کے مقابلے میں قرآن کی آیت پڑھتے ہیں بیشک یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس آیت کے معنے نہیں سمجھے ورنہ حدیث کے مقابلے میں کبھی قرآن سے انتقاد نہ کریں بلکہ دونوں کو باہم موافق

١.....النساء: آیت: ٨٠۔ ٢.....الاحزاب: آیت: ٢١۔ ٣.....آل عمران: آیت: ٣١۔

کریں جیسے حنفیہ کرتے ہیں لیکن چونکہ یہ بات ظاہر یہ صاف صاف عوام میں نہیں کہہ سکتے ہیں اس لیے وہ ایک ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں کہ آیت قطعی ہوتی ہے اور حدیث ظنی اور قطعی کے مقابلے میں ظنی پر عمل جائز نہیں ہے پس وضو کی آیت اُن کے نزدیک عام اور قطعی ہے اور احادیث ظنی ہیں اس لیے اُن کے امام داؤد ظاہری نے آیت پر عمل کیا اور صحیح صحیح حدیثیں بخاری اور مسلم کی آیت کے مقابلے میں ترک کردیں پس ظاہریوں کو اول اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے کہ اُن کے امام کیا کہتے ہیں اُس کے بعد دوسروں پر اعتراض کریں اب انصاف سے کہنا چاہیے کہ یہاں فرقۂ ظاہریہ کا حدیث پر سے عمل کہاں چلا گیا اور اس قاعدے کو کہ حدیث کے مقابلے میں قرآن کی آیت نہیں پڑھنی چاہیے کون اٹھا کر لے گیا؟

پس ان تمام تقریرات سے قرار واقعی واضح ہو گیا کہ آیت ﴿اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (۱) پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا عمل تھا مگر حضرات ظاہریہ ضعیف حدیثوں سے صریح آیت اور حدیث کو باطل کرتے ہیں اور آیت اور حدیث میں تناقض پیدا کرتے ہیں خود تو دعویٰ کرتے ہیں کہ آیت اور حدیث کو مطابق کرنا چاہیے مگر خود کاربند اس کے نہیں۔

آمین بالسر کے بیان کا تتمہ

ذرا انصاف کرنا چاہیے کہ آیت میں صریح لفظ خفیہ موجود ہے اور آمین کا دعا ہونا لغات اور کلام عرب پر موقوف ہے کچھ حدیث و قرآن الفاظ کے معنی بتلانے کو کہ (اس لفظ کے دعا کے معنی ہیں یا نہیں) موضوع نہیں بلکہ واسطے تعلیم احکام کے ہیں قرآن اور حدیث کچھ لغت نہیں کہ معترض صاحب اُس میں آمین کے معنی تلاش کریں آمین کے معنی لغت میں دیکھے ہوتے کہ دعا کے ہیں یا نہیں؟ تمام لغت کی کتابوں میں آمین کے معنی دعا کے اور اسم باری تعالیٰ کے موجود ہیں اسی لیے عطاء تابعی نے بیان کردیا کہ یہاں آمین کے معنی دعا کے ہیں فقط ایک معنی کے حصر کرنے میں اُن کی رائے ہے اس کو کوئی اگر تسلیم نہ کرے اور کہے کہ دوسرے معنی بھی آئے ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر ٹس ان معنوں کا انکار کرنا اور حدیث اور قرآن سے اُس کی مطلب کرنی۔ ع

چہ خوش گفت سعدی در زلیخا (۲)

کے قبیل سے ہوگا جیسے قرآن میں ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۳) آیا ہے اور اسی طرح جناب باری نے ﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (۴) فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن میں رطب و یابس ہر شے کا بیان ہے اور مراد اُس سے احکام اجمالی اور تفصیلی ہیں یہ معنی نہیں کہ آمین اور دیگر الفاظ لغت کے معنی بھی ہیں پس جب آمین کے معنی دعا کے لیے جائیں گے تو یہ آیت صریح اخفا پر دلالت کرے گی، اور اگر نام خدا کے معنی خدا کے ناموں سے مراد ہے تو دوسری آیت ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ (۵) سے اخفا اس کا لازم ہوگا اگر اس امر کو واسطے وجوب کے نہ لیا جائے گا، چنانچہ مذہب جمہور ہے تو امر استحبابی

۱.....سعدی نے حضرت زلیخا کے متعلق کتنی خوب بات کہی ہے۔ت۔

۲.....الاعراف: آیت: ۵۵۔ ۳.....النحل: آیت: ۸۹

۴.....الانعام: آیت: ۵۹۔ ۵.....الاعراف: ۲۰۵

لینا ضرور ہے ورنہ آیت بے کار ہو جائے گی اور دوسری صورت یہ کہ حدیث اور فعل صحابہ بھی اخفائے آمین میں موجود ہے تو اس صورت میں آیت اور حدیث میں زیادہ موافقت ہوگی ورنہ آیت میں اخفا کے معنی کو خلاف لغت لینا اور حدیث اور فعل صحابہ کو بھی ترک کر دینا لازم آئے گا، ہماری رائے میں حدیث اور قرآن میں پوری پوری تطبیق جبھی ہوگی کہ آیت بوجہ قطعی الدلالۃ ہونے کے مؤول نہ ہو اور جہر کی حدیث بعض اوقات پر محمول کی جائے ورنہ جہراً آمین لینے میں آیت اور حدیث اور افعال صحابہ کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی بجز اس کے کہ تاویل در تاویل کرتے چلے جاؤ جیسے کہ معترض صاحب کو مشکل پڑ گئی ہے کہ آیت اور حدیث کو تخیلات لاطائلہ اور اوہام رکیکہ سے فاسد کرتے چلے جاتے ہیں ان کے ذہن میں شاید یہ امر مرکوز ہے کہ صحابہ اور پیغمبر آیت کو نہیں سمجھے جو انہوں نے اخفا کیا یا اخفا کے معنی جہر کے کسی لغت میں انہوں نے دیکھ لیے ہیں۔

پس امام صاحب پر اعتراض کرنا شارع پر اعتراض ہے کہ خدا نے اخفائے دعا کا کیوں حکم دیا؟! اسی طرح پیغمبر ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراض ہے کہ انہوں نے خلاف معترض کیوں کیا؟ نعوذ باللہ منہا۔

پس ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت وارد ہوئی ہے ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (۱) یعنی نہیں پہونچتا کسی مسلمان مرد اور عورت کو کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی امر کا حکم کر دے یہ کہ پھر ان کو کچھ اختیار رہا اپنے کام میں اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی پس وہ شخص گمراہ ظاہر ہو گیا انتہیٰ۔

پس ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم اخفا کا کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے بھی یہی منقول ہے باوجود اس کے ظاہریہ اپنی رائے کے مقابلے میں تمسک نہیں کرتے ہیں تو بموجب اس آیت کے عاصی ٹھہرے خدا کی بھی نافرمانی کی اور رسول اللہ ﷺ کی بھی نافرمانی ہوئی اور پھر پیغمبر ﷺ کی طرف جہر کے معنی کی اسی آیت سے نسبت کرتے ہیں باوجودیکہ اس میں لفظ خُفْيَةً موجود ہے اور جہراً کی آیت سے پیغمبر ﷺ نے سمجھا تو ایسے معنی کی نسبت انہوں نے پیغمبر ﷺ کی طرف کی خدا سے بھی خوف نہ کیا کہ اس میں تو موافقت نہیں بلکہ برعکس ہوا جاتا ہے فقط ہر قسم کے راویوں کی روایت سے خواہ ضعیف ہوں یا قوی ایسے معنی کی پیغمبر ﷺ کی طرف نسبت کرنے میں وہی قول امام فخر الدین رازی کا صادق آتا ہے کہ راوی کی طرف نسبت سہو کی کرنی آسان ہے اور پیغمبر ﷺ کی طرف خلاف شان ان کے نسبت کرنی بہت بعید ہے اور آمین میں تو صریح آیت موجود ہے فقط ضعیف راویوں کی روایت سے آیت کو درہم برہم کر دینا بے جا ہے حالانکہ ہم تو آیت اور حدیث میں برابر تطبیق دیتے ہیں آیت کے انکار سے یہ تطبیق بدرجہا بہتر ہے۔

اور دوسری آیت ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (۲) یعنی کیا ان کے لیے شریک ہیں کہ ان کے واسطے دین کی وہ راہ نکالی ہے جس کا اللہ

۱......الاحزاب: آیت: ۳۶۔ ۲......الشوری: آیت: ۲۱۔

نے حکم نہیں کیا اور اگر بات فیصلے کی نہ ہوتی تو فیصلہ کیا جاتا اُن میں بیشک ظلم کرنے والوں پر عذاب دردناک ہے انتہیٰ۔

یہ آیت صریح دلیل ہے اس پر کہ جو لوگ خلاف حکم خدا کے کرتے ہیں کہ اللہ نے اُس شی کا حکم نہیں دیا بلکہ انہوں نے راویوں کو اپنا امام اور پیغمبر سمجھ لیا ہے وہ لوگ مسلمان نہیں مشرک ہیں اور ظالم اور بڑے بے انصاف ہیں اگر خدا نے فیصلہ قیامت کے دن مقرر نہ کیا ہوتا تو ابھی ان لوگوں کا فیصلہ ہو جاتا اور عذاب دردناک اُن پر آ جاتا مگر قیامت کو ہوگا لیکن داؤد ظاہری اور مولوی نذیر حسین صاحب نے تو ائمہ کی نسبت ایسا نہیں کیا جیسا کہ حضرات الا رفض اُن کی اتباع کرنے والوں نے ائمہ دین پر تبرا کرنے کو موجب ثواب سمجھا ہے ایسے لوگوں کو بہشت تبرا تو پہ نصیب ہوئی بھی مشکل ہے اماموں پر طعن کرنا خالی نہ جائے گا دنیا یا دین میں انشاء اللہ اُس کا مزہ چکھیں گے غرض کہ دلیل حنفیہ ہر طور سے قوی معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ تبیین الحقائق میں لکھا ہے "وَلَنَا حَدِيثُ وَآئِلٍ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالدَّارُقُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ ﷺ يُخْفِي الْإِمَامُ أَرْبَعًا التَّعَوُّذَ وَالْبَسْمَلَةَ وَآمِينَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَيُرْوَى مِثْلُ قَوْلِهِ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ بَعْضُهُمْ يَقُولُ أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ خَمْسَةٌ وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ ثَلَثَةٌ وَكُلُّهُمْ يَعُدُّونَ التَّأْمِينَ مِنْهَا وَلِأَنَّهُ دُعَآءٌ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِخْفَآءِ."(۱) یعنی ہماری حجت حدیث وائل بن حجر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آمین کہی اور اخفا کیا اُس کو روایت کیا اس کو امام احمد اور ابوداؤد اور دارقطنی نے اور فرمایا عمر رضی اللہ عنہ نے چار چیزوں کو امام اخفا کرے اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور آمین اور "ربنا لك الحمد" اور مثل اسی قول عمر رضی اللہ عنہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے بعضے کہتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام اخفا کرے اور بعضے کہتے ہیں پانچ چیزوں کو مخفی کرے اور بعضے تین کہتے ہیں اور سب آمین کو اُن میں سے شمار کرتے ہیں اور اس لئے کہ آمین دعا ہے پس بنا اُس کی اخفا پر ہوگی انتہیٰ۔

اور حاکم نے اخفائے آمین کی حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے پس حنفیہ کا قول موافق آیت تو ظاہر ہے اب حدیث صحیح اور فعل صحابہ کے بھی موافق ہوا پس جہر کی کوئی صورت باقی نہ رہی مگر واسطے تعلیم کے احیاناً صادر ہوا ہو لہٰذا جس نے حنفیوں پر اعتراض کیا اُس نے سوائے اپنے امام کے (شاید داؤد ظاہری یا راوی یہاں سمجھا ہے) سب کا خلاف کیا خدا کے مخالف تو صاف صاف وہ شخص ہو گیا اور پیغمبر کی بھی مخالفت ظاہر ہے پس اعتراض کس پر ہوا تھا پڑا کس پر۔

نے فروعت محکم آمد نے اصول بایدت شرم از خدا واز رسول (۲)

قــــــال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق

۱..... تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق لفخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي :باب صفة الصلاة ،ج۱، ص۱۱۳، ۱۱۴ (دار الكتب الاسلامي ، القاهرة)

۲..... آپ کا فروع محکم ہے اور نہ اصول لہٰذا آپ کو خدا اور رسول سے شرم کرنی چاہیے)۔ت۔

اور درالمختار اور فتاوی عالمگیری وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے "وَاِنْ كَانَتِ الْعَصْرُ اَوِ الْمَغْرِبُ اَوِ الْفَجْرُ خَرَجَ وَاِنْ اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِيهَا لِكَرَاهِيَةِ النَّفْلِ بَعْدَهَا" (۱) یعنی اور اگر ہو نماز عصر یا مغرب یا فجر نکلے یعنی مسجد سے اگرچہ شروع ہو مؤذن تکبیر میں واسطے مکروہ ہونے نفلوں کے پیچھے ان کے یعنی ان نمازوں کے۔

کشف کید بست و پنجم

جماعت کا بیان

نماز فجر و مغرب میں دوبارہ شریک نہیں ہونا چاہیے

اقول: حدیث ابن عمر کی دار قطنی میں مرفوع بھی آئی ہے چنانچہ "مرقات شرح مشکوۃ" میں ہے "وَفِيهِ حَدِيثٌ صَرِيحٌ اَخْرَجَهُ الدَّارُقُطْنِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ اِذَا صَلَّيْتَ فِي اَهْلِكَ ثُمَّ اَدْرَكْتَ فَصَلِّهَا اِلَّا الْفَجْرَ وَالْمَغْرِبَ قَالَ عَبْدُ الْحَقِّ تَفَرَّدَ بِرَفْعِهِ سَهْلُ ابْنُ صَالِحِ نِ الْاِنْطَاكِيُّ وَكَانَ ثِقَةً وَاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَلَا يَضُرُّ وَقْفُ مَنْ وَقَفَهُ لِاَنَّ زِيَادَةَ الثِّقَةِ مَقْبُولَةٌ" (۲) یعنی اس میں حدیث صریح آئی ہے روایت کیا ہے اس کو دار قطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت نماز پڑھے تو اپنے مکان میں پھر پاوے تو اس کو سو پڑھ لے مگر صبح اور مغرب کہا شیخ عبدالحق نے اس حدیث کو فقط سہل بن صالح انطاکی نے مرفوع روایت کیا ہے اور وہ ثقہ تھے اور جب کہ ایسا ہوا پس نہیں ضرر کرتا موقوف بیان کرنا اس شخص کا کہ جس نے اس کو موقوف روایت کیا ہے اس لیے کہ زیادتی ثقہ کی مقبول ہے انتہی۔

فجر اور عصر کے بعد نفل نماز درست نہیں

نفل کی ممانعت بعد فجر اور عصر کے صحاح ستہ سے ثابت ہے بخاری اور مسلم میں آیا ہے "قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيبَ الشَّمْسُ" (۳) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں جائز ہے کوئی نماز بعد نماز صبح کے یہاں تک کہ بلند ہو جائے آفتاب اور نہیں جائز ہے کوئی نماز بعد نماز عصر کے یہاں تک کہ غروب ہو جاوے آفتاب انتہی۔

اب فرمایئے کہ ان حدیثوں کو ترجیح دی جائے گی یا اس حدیث کو جس میں لفظ صبح موجود ہے حالانکہ اور حدیثوں میں مطلق آیا ہے سو ان سے کچھ بحث نہیں فقط اس صبح کے لفظ سے معترض صاحب کو شبہ پڑ گیا اس لیے اس کے جواب میں زیادہ قوی

۱...... ہدایۃ، شرح وقایۃ، کنز الدقائق، در المختار، الفتاوی الهندیۃ۔

۲...... مشکوۃ: باب من صلی صلاۃ مرتین، ج:۱، ص:۲۶۸۔

۳...... بخاری: کتاب مواقیت الصلوۃ، باب لا تتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس، ج:۲۸۷۔

...... مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها، باب الاوقات التی نهی عن الصلاۃ فیها، ج:۸۲۶،۸۲۴۔

حدیثیں لائی گئیں، پس ظاہر ہے کہ اس صورت میں احادیث صحاح ستہ کو اور دار قطنی کی حدیث کو جو کہ مرفوع آئی ہے اور صریح صبح کی نماز میں نفل سے ممانعت کرتی ہے ترجیح دیجائے گی۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر اندھا جماعت کراوے تو نماز مکروہ ہوتی ہے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ ابوداؤد میں روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے الخ۔

کشف کید بست و ششم

نابینا اگر عالم محتاط ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے ورنہ مکروہ ہے

اقول: حنفیہ کے نزدیک اُس اندھے کی امامت مکروہ ہے جو احتیاط نہ کرتا ہو اور کوچہ گرد ہو اور اگر عالم اور محتاط ہو یا سب میں افضل ہو اس وقت حنفیہ ہرگز مکروہ نہیں کہتے بلکہ بحث میں یہی حدیث عبداللہ بن ام مکتوم کی لکھتے ہیں کتاب "الاشباہ والنظائر" میں ہے "وَتُكْرَهُ إِمَامَتُهُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ أَعْلَمَ الْقَوْمِ" (۱) یعنی اور مکروہ ہے امامت اندھے کی مگر جب کہ مقتدیوں سے زیادہ جاننے والا ہو انتہی۔

اور "بحر الرائق" میں ہے "فَإِنْ كَانَ أَفْضَلَهُمْ فَأَوْلَى وَعَلَى هٰذَا حُمِلَ تَقْدِيْمُ ابْنِ أُمِّ مَكْتُوْمٍ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الرِّجَالِ الصَّالِحِيْنَ لِلْإِمَامَةِ فِي الْمَدِيْنَةِ أَحَدٌ أَفْضَلُ مِنْهُ حِيْنَئِذٍ" (۲) یعنی اگر نابینا افضل قوم ہو تو واسطے امامت کے وہی بہتر ہے اور اسی پر محمول ہے امام کرنا ابن ام مکتوم کا اس لیے کہ مدینے میں کوئی شخص قابل امامت کے ان سے بہتر نہیں رہا تھا انتہی۔

اور "فتح المنان" میں ہے "إِنْ كَانَ مُقْتَدِي الْقَوْمِ وَعَالِمًا أَوْ قَارِيًا لَا يُكْرَهُ وَقَدْ كَانَ شَيْخُنَا الْأَجَلُّ الْأَكْرَمُ عَبْدُ الْوَهَّابِ الْمُتَّقِي يَؤُمُّ أَصْحَابَهُ مَعَ عَمَاهُ" (۳) یعنی اگر ہو اندھا مقتدا قوم کا اور عالم اور قاری تو نہیں مکروہ ہے اور تحقیق استاد ہمارے عبدالوہاب متقی امام ہوتے تھے یاروں کے باوجود نابینائی کے انتہی۔

اور "محیط" میں ہے "إِذَا لَمْ يَكُنْ غَيْرُهُ مِنَ الْبَصِيْرِ أَفْضَلَ فَهُوَ أَوْلَى" (٤) یعنی جب کہ نابینا سے بصیر افضل نہ ہو تو نابینا بہتر ہے انتہی۔

۱......الاشباہ والنظائر حنفی، احکام الاعمی، ج ۲، ص: ۳٤۷۔

۲......البحر الرائق شرح کنز الدقائق، لزین الدین ابن نجیم الحنفی، باب الامامۃ، ج: ۱، ص: ۳٦۸،
(دار المعرفۃ، بیروت)

۳......فتح المنان:۔

٤......المحیط: باب صفۃ الصلوۃ، ج: ۱، ص: ۲۳۷۔

......الجوہر النیرۃ وفی المحیط اذا لم یکن غیرہ من البصراء افضل منہ فہو اولی الخ، باب صفۃ الصلوۃ، الجزء الاول، ص: ۲۳۷۔

اور" بدائع" میں ہے" اِذَاکَانَ لَایُوَازِیْهِ غَیْرُهٗ فِیْ الْفَضْلِ فِیْ مَسْجِدِهٖ فَهُوَ اَوْلٰی "(۱)۔یعنی جس وقت فضیلت میں اور کوئی نابینا کے برابر نہ ہو تو وہی بہتر ہے انتہیٰ۔

معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک نابینا کی امامت مکروہ نہیں مگر اس وقت مکروہ ہے جب احتیاط نہ کرتا ہو یا علم نہ رکھتا ہو عبداللہ بن ام مکتوم ان باتوں سے بری تھے بلکہ اُس وقت تو جب آنحضرت ﷺ تبوک کی لڑائی میں تشریف لے گئے ہیں اُن سے بہتر کوئی نہ تھا علی ؓ کو مکان کے اہتمام میں چھوڑ گئے تھے اگر اس کا بھی اہتمام اُن کے سپرد ہوتا تو اُس اہتمام میں کوتاہی ہو جاتی بلکہ صاحب ہدایہ کی توجیہ کراہیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً نابینا کی امامت مکروہ نہیں بلکہ بوجہ عدم احتیاط کے مکروہ ہے پس اس مسئلے کو ابن ام مکتوم کی حدیث کے مخالف کہنا کمال درجے کی نادانی ہے قیاس مع الفارق اسی کو کہتے ہیں ہاں خوب یاد آیا اگر رطب و یابس نہ بھرتے تو سو مسئلوں کا التزام کیونکر ہو سکتا تھا کچھ معترض صاحب کو خیال نہیں کہ کیا لکھتا ہوں بے دیکھے اٹکل سے کام لیتے ہیں۔ ؂

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز میں امام" سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ "کے ساتھ" رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ "نہ کہے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان دو حدیثوں کا الخ۔

کشف کید بست و نہم

امام تسمیع اور تحمید کو جمع نہ کرے

اقول: تبیین الحقائق میں لکھا ہے" وَلَنَا مَا رَوٰی اَبُوْ هُرَیْرَةَ وَاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ ﷺ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ قَسَمَ بَیْنَهُمَا وَالْقِسْمَةُ تُنَافِی الشَّرِكَةَ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلٰی حَالَةِ الْاِنْفِرَادِ وَكَانَ الطَّحَاوِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَخْتَارُ قَوْلَهُمَا وَهُوَ رِوَایَةٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی "(۲)۔یعنی ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو ہریرہ اور انس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت کہ امام" سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ "کہے پس تم" رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ "کہو روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے پس آنحضرت ﷺ نے درمیان امام اور مقتدی کے تقسیم کر دی ہے

۱.....بدائع و الصنائع فی ترتیب الشرائع للامام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی الملقب بملک العلماء المتوفی ۵۸۷ھ: فصل واما بیان من یصلح للامامۃ فی الجملۃ الخ، ص: ۱۵۷
(اذاکان فی الفضل لایوازیہ فی مسجدہ غیرہ فحینئذیکون اولی۔ الجزء الاول
(دار الکتب العلمیۃ ،بیروت ،لبنان۔الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م)

۲.....تبیین الحقائق :ولنا ما روی ابو ہریرۃ وانس ابن مالک الخ ، باب صفۃ الصلوۃ ، ج: ۱، ص: ۱۱۵۔

اور قسمت منافی اشتراک کے ہے (یعنی اگر امام دونوں کہے گا تو تقسیم نہ رہے گی) اور وہ حدیث جو صاحبین نے روایت کی ہے حالت انفراد پر محمول ہے اور امام طحاوی اختیار کرتے تھے مذہب صاحبین کا اور اسی کی امام صاحب سے بھی ایک روایت ہے انتہیٰ۔

پس جس روایت میں امام صاحب سے امام کو تحمید کہنا نہیں آیا اس کی بنا اس حدیث مذکور پر ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے امام کے واسطے تسمیع اور مقتدی کے لیے تحمید مقرر کردی ہے اور قول پر فعل مقدم ہوتا ہے پھر فعل میں یہ بھی احتمال ہے کہ حالت انفراد میں ہو اور جس روایت میں امام کو دونوں چاہیے اُس کی بنا فعل آنحضرت ﷺ پر ہے کہ ظاہراً عام نہیں معلوم ہوتا ہے غرض امام صاحب سے دونوں روایتیں موجود ہیں اور دونوں کے ماخذ صحیح احادیث ہیں پھر مخالفت کا الزام لگانا گویا جان بوجھ کے اندھا بن جانا اور اپنا جہل مرکب جتانا ہے۔

ربائیز عامثال غش گردم   کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عورت کو امامت عورتوں کی کرنی مکروہ ہے الخ۔

کشف کید بست و ششم

عورت، عورت کی بھی امامت نہیں کرسکتی

اقول: "برہان شرح مواہب الرحمٰن" میں ہے "لِقَوْلِهٖ ﷺ بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ لَوْ كُنَّ يَعْلَمْنَ وَلِاَنَّ اِجْتِمَاعَهُنَّ قَلَّمَا يَخْلُوْ عَنْ فِتْنَةٍ" (۱) یعنی بسبب ارشاد رسول اللہ ﷺ کے کہ گھر ان عورتوں کے بہتر ہیں واسطے ان کے اگر جانیں وہ اور اس لیے کہ جمع ہونا اُن کا کم خالی ہوتا ہے فتنے سے انتہیٰ۔

اسی قسم کی اور بہت حدیثیں ابوداؤد وغیرہ میں آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت جس قدر گوشے میں اور چھپ کر نماز پڑھے بہتر ہے مگر کسی حدیث سے کراہت معلوم نہیں ہوتی گو بعضوں نے ان احادیث کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح عورتوں کا مساجد میں آکر جماعت میں شریک ہونا موقوف ہو گیا اسی طرح جماعت بھی اُن کی موقوف ہوگئی مگر اس میں کچھ کلام نہیں کہ یہ طریقہ مسنون نہیں بلکہ خلاف اولیٰ ہے گو کراہت نہ سہی، اور اسی طرف علامہ ابن ہمام بھی گئے ہیں اور راقم حروف کا بھی یہی مسلک ہے فتح القدیر میں ہے "وَلَا عَلَيْنَا اَنْ نَذْهَبَ اِلٰى ذٰلِكَ فَاِنَّ الْمَقْصُوْدَ اِتِّبَاعُ الْحَقِّ حَيْثُ كَانَ" (۲) یعنی اور نہیں واجب ہے ہم پر کہ جاویں طرف کراہت جماعت کے اس لیے کہ مقصود اتباع حق ہے کہیں ہو انتہیٰ۔

اور اگر زیادہ تفصیل و تحقیق منظور ہو تو "تحفة الجلسلہ فیمایتعلق بجماعة النساء" تصنیف جناب مولوی ابوالحسنات محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی مطالعہ کی جاوے تا رفع اشتباہ ہو جاوے۔

۱..... برهان شرح مواهب الرحمن۔

۲..... فتح القدير: باب قوله: تتوجه النفس الى طلب علة، ج ۱، ص ۳۶۵۔

قال: مونڈھوں تک اٹھاوے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلہ میں خلاف کیا ہے ان تین حدیثوں کا الخ۔

کشف کید بست ونہم
عورت تکبیر کہتے وقت مونڈھے تک ہی ہاتھ اٹھائے

اقول: حافظ ابن حجر "تلخیص الحبیر" میں لکھتے ہیں "اَخرَجَ اَبُوْدَاؤدَ فِی الْمَرَاسِیْلِ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ عَلٰی امْرَأتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ فِیْ ذٰلِکَ لَیْسَتْ کَالرَّجُلِ وَرَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ بِطَرِیْقَیْنِ مَوْصُوْلَیْنِ لٰکِنْ فِیْ کُلٍّ مِّنْھُمَا مَتْرُوْکٌ" (۱) انتہی۔ اور مسند حصکفی میں ہے "اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ سُئِلَ کَیْفَ کَانَ النِّسَاءُ یُصَلِّیْنَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ کُنَّ یَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ اُمِرْنَ اَنْ یَّحْتَفِزْنَ" (۲)۔

ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں "ھُوَ بِالْحَاءِ الْمُھْمَلَۃِ وَالْفَاءِ وَالزَّاءِ الْمُعْجَمَۃِ اَیْ یَضْمُمْنَ اَعْضَاءَ ھُنَّ بِاَنْ یَتَوَرَّکْنَ" (۳) ان دو حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود شارع علیہ السلام کو عورتوں کے باب میں ستر ملحوظ ہے پس نظر براں اگر ہمارے علماء احناف رحمۃ اللہ علیہم نے عورتوں کو مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کیلئے کہا تو کیا برا کیا؟ انہیں کہاں حدیث نبوی کی مخالفت ہوئی؟ یہ تو عین موافق مرضی جناب رسالت مآب ہوا اس کو مخالفت کہنا آپ جیسے متعصب کا کام ہے۔

ملا محمد قائم سندی رسالہ **فوز الکرام بما ثبت فی وضع الیدین تحت السرۃ او فوقھا عن الشفیع المظلل بالغمام** میں لکھتے ہیں "وَالْاَصْلُ فِیْ اَعْمَالِ النَّبِیِّ ﷺ التَّعَبُّدُ وَالتَّعْلِیْمُ وَالْمُوَافَقَۃُ بَیْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِلَّا اِنَّھُمَا اسْتُثْنِیَتْ وَرَوٰی اَبُوْ دَاؤدَ فِیْ مَرَاسِیْلِہٖ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ عَلٰی امْرَأتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلٰی بَعْضٍ فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ لَیْسَتْ فِیْ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ قَالَ الْبَیْھَقِیُّ ھُوَ اَحْسَنُ مِنْ مَوْصُوْلَیْنِ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ وَاسْتَنْبَطَ الْمُجْتَھِدُوْنَ مِنْہُ اَنَّ اَمْرَۃَ بِضَمِّ اللَّحْمِ لِکَوْنِہٖ اَسْتَرَ لَھُنَّ مَعَ اِخْتِیَارِ عُلَمَائِنَا فِیْ حَقِّ الرَّجُلِ الْوَضْعَ تَحْتَ السُّرَّۃِ وَحَقِّ الْمَرْأَۃِ الْوَضْعَ عَلَی الصَّدْرِ لِاَنَّہٗ اَسْتَرُ لَھَا" (۴) انتہی۔

۱۔ تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، لابی الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ، باب صفۃ الصلوۃ، ج: ۱، ص: ۵۹۶ (دار الکتب العلمیۃ)

۲۔۔۔۔ مسند حصفکی۔ ۳۔۔۔۔ شرح مسند لملا علی قاری۔

۴۔۔۔۔ الشفیع المظلل بالغمام۔

یعنی اصل اعمال میں نبی ﷺ کے تعبد اور تعلیم اور موافقت ہے درمیان مردوں اور عورتوں کے مگر جن باتوں میں کہ وہ مستثنیٰ کی گئیں اور روایت کی ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں یزید بن ابی حبیب سے کہ رسول اللہ ﷺ گزرے دو عورتوں پر کہ وہ نماز پڑھتی تھیں پس فرمایا آپ نے کہ جب سجدہ کرو تم دونوں تو ملاؤ بعض جز اپنا طرف بعض کے اس لیے کہ عورت نہیں ہے اس باب میں مثل مرد کے کہا بیہقی نے یہ احسن ہے دو موصولوں سے اس باب میں اور استنباط کیا مجتہدین نے اس سے یہ کہ آپ کا حکم فرمانا ساتھ ضم کے اس وجہ سے تھا کہ اس میں ستر زیادہ ہے اُن کے لیے ساتھ اختیار کرنے ہمارے علما کے حق مرد میں وضع تحت السرہ کو اور حق عورت میں وضع علی الصدر کو کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے اُن کے لیے انتہی۔

اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں: ''وَكَانَتْ صَفِيَّةُ وَنِسَاءُ ابْنِ عُمَرَ تَجْلِسُ مُتَرَبِّعَاتٍ لِأَنَّ ذٰلِكَ أَسْتَرُ لَهُنَّ ''(1) یعنی حضرت صفیہ اور بیبیاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی جلوس میں تربع کرتی تھیں کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے۔ ان عبارتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے حق میں ستر ملحوظ اور صحابیات میں سے بعض نے مردوں کے خلاف اعمال نماز میں وہ صورت اختیار کی ہے جس میں ستر زیادہ ہے اور اس کا اُن کو حکم کیا گیا تھا پس بایں ہمہ دلائل و شواہد مخالفت حدیث کا اعتراض کرنا حنفیوں پر بالکل بے جا ہے ذرا تو انصاف کیجیے اور دل سے تعصب کو نکالیے راہ راست کو چھوڑ کر کجی کی طرف کیوں جاتے ہیں۔ ؎

بسوئے راستی دل را ہدایت کُن کہ کجی باشد　　　عصائے آبنوسی بہ زسیل سرمائی را (2)

قــــال: فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ امام کے پیچھے صف میں اگر جگہ موجود ہے تو نماز اکیلے کی مکروہ ہے اور اگر جگہ نہیں ہے تو نہیں ہے مکروہ الخ۔

کشف کید سیم
تنہا صف میں کھڑا ہونا

اقول: بخاری اور ابوداؤد میں ہے: ''أَنَّ أَبَا بَكْرَةَ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ ''(3) یعنی تحقیق ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پہونچے طرف نبی ﷺ کے درانحالیکہ آپ رکوع میں تھے پس رکوع کیا ابوبکرہ نے پہلے اس کے کہ مل جائیں صف

1..... البنایة فی شرح هدایة: باب: کیفیة سجود المرأة، ج ۲۔

2..... جناب! سچائی کی جانب اپنے دل کی رہنمائی کریں کیونکہ اندھے شخص کے لیے سرمے کی کانچ سے بہتر آبنوس کی لکڑی کا عصا ہے۔

..... آبنوس ایک مشہور درخت جس کی لکڑی سخت اور سیاہ ہوتی ہے۔ ت

3..... بخاری، کتاب الاذان، باب اذا رکع دون الصف، ح: ۷۸۳۔

..... ابو داؤد، کتاب الصلاة، باب الرجل یرکع دون الصف، ح: ۶۸۳، ۶۸۴۔ (دار ابن الحزم)

میں پھر چلے طرف صف کے پس ذکر کیا گیا یہ آنحضرت ﷺ سے پس فرمایا آپ نے زیادہ کرے اللہ حرص تیری پھر ایسا نہ کر یا نماز کا اعادہ مت کر یا جلدی نہ کر انتہی۔

غرض لاتعد کے کوئی معنی لیجیے کسی میں نماز کے اعادے کا حکم نہیں بلکہ نہی تنزیہی پائی جاتی ہے اسی وجہ سے امام صاحب فرماتے ہیں کہ نماز مکروہ ہوتی ہے اور "مرقات شرح مشکوٰۃ" میں ہے "قَالَ الْقَاضِي ذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى أَنَّ الِانْفِرَادَ خَلْفَ الصَّفِّ مَكْرُوهٌ غَيْرُ مُبْطِلٍ وَقَالَ النَّخَعِيُّ وَحَمَّادٌ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى وَوَكِيعٌ وَأَحْمَدُ مُبْطِلٌ وَالْحَدِيثُ حُجَّةٌ عَلَيْهِمْ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ "(۱) یعنی کہا قاضی نے جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اکیلا کھڑا ہونا پیچھے صف کے مکروہ ہے باطل نہیں کرتا نماز کو اور کہا نخعی اور حماد اور ابن ابی لیلیٰ اور وکیع اور امام احمد نے نماز کو باطل کر دیتا ہے اور یہ حدیث اُن پر حجت ہے اس لیے کہ تحقیق نبی ﷺ نے نہیں حکم کیا اُس شخص کو نماز لوٹانے کا انتہی۔

نیز مرقاۃ میں یہ بھی ہے کہ تورپشتی اور محی السنہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس پر دلالت ہے کہ اکیلے پیچھے صف کے کھڑے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی انتہی۔

اور یہ بھی کہ حدیث ترمذی کی گو اُن شخصوں نے جنہوں نے اُس کو ذکر کیا ہے اسکی تصحیح کی ہے لیکن ابن عبدالبر نے اسکو مضطرب کہا ہے اور بیہقی نے اسکو ضعیف کہا ہے انتہی۔

حاصل کلام یہ کہ امام صاحب کا قول مخالف حدیث نہیں بلکہ موافق ہے اور جمہور بھی اسی طرف گئے ہیں چنانچہ کلام قاضی سے معلوم ہوا مگر آپ تو خلاف جمہور کے گئے ہیں بیشک آپ نے حدیث اتباع سواد اعظم کے خلاف کیا ہے۔ ع

زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رکوع اور سجود میں طمانینت فرض نہیں ہے الخ، اور ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قومہ میں یعنی رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد کھڑا ہونا فرض نہیں ہے الخ اور ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض نہیں الخ۔

کشف کیدی وکیم
طمانینت رکوع وغیرہ کا بیان

اقول: فتح القدیر میں ہے "إِنَّ الْخَبَرَ يُفِيدُ عَدَمَ تَوَقُّفِ الصِّحَّةِ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَا انْتَقَصْتَ مِنْ هٰذَا شَيْئًا فَقَدِ انْتَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ أَخْرَجَ هٰذِهِ الزِّيَادَةَ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ فَأَبُوْدَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ فَعُلِمَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّمَا أَمَرَهُ

۱..... مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح : باب الموقف، ج: ۴، ص: ۲۱۶۔

بإعادتها المتوقفة على غير كراهة لا للفساد وبما يدل عليه لو لم تكن هذه الزيادة تركه صلى الله عليه وسلم إياه بعد أول ركعة حتى أتم ولو كان عدمها مفسدا لفسدت بأول ركعة وبعد الفساد لا يحل المضي في الصلوة وتقريره صلى الله عليه وسلم من الأدلة الشرعية وعن السرخسي من ترك الاعتدال تلزمه الإعادة ولا إشكال في وجوب الإعادة إذ هو الحكم في كل صلوة أديت مع كراهة التحريم وأنت علمت حال الطمأنينة وينبغي أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة ولما روى أصحاب السنن الأربعة والدارقطني والبيهقي من حديث أبي مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم لا تجزئ صلوة لا يقيم الرجل فيها ظهره في الركوع والسجود وقال الترمذي حديث حسن صحيح ولعله كذلك عندهما ويدل عليه إيجاب سجود السهو فيه بما ذكر في فتاوى قاضي خان في فصل ما يوجب السهو قال المصلي إذا ركع ولم يرفع رأسه من الركوع حتى خر ساجدا ساهيا تجوز صلوته في قول أبي حنيفة رضي الله عنه ومحمد رحمه الله وعليه السهو ويحمل قول أبي يوسف إنها فرائض على الفرائض العملية وهي الواجبة فيرتفع الخلاف وأنت علمت أن مقتضى الدليل في كل من الطمأنينة والقومة والجلسة الوجوب"(١)۔

یعنی تحقیق حدیث فائدہ دیتی ہے صحت نماز کے موقوف نہ ہونے کا اوپر طمانیت کے اور وہ قول آنحضرت ﷺ کا ہے کہ جو شخص اس میں سے ناقص کرے گا پس نماز تیری ناقص ہو جائے گی، ان الفاظ کو ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے ابوداؤد نے تو ابوہریرہ کی روایت سے اور ترمذی نے رفاعہ بن رافع کی روایت سے پس معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حکم اعادہ نماز کا اس واسطے کیا تھا کہ نماز مکروہ تحریمی نہ ہو نہ یہ کہ بعد فساد کے حکم دیا اور منجملہ ان چیزوں کے جو اس پر دلالت کرتی ہیں اگر زیادتی ان الفاظ حدیث کی نہ بھی ہوتی چھوڑنا آنحضرت ﷺ کا اس شخص کو تا اختتام نماز ہے اور اگر عدم طمانیت مفسد صلوۃ ہوتی تو پہلی ہی رکعت میں نماز فاسد ہو چکی تھی اور بعد فاسد ہونے کے نماز پڑھنا حلال نہ تھا اور ثابت رکھنا آنحضرت ﷺ کا ادلہ شرعیہ میں سے ہے اور امام سرخسی سے منقول ہے کہ اعتدال کے ترک کرنے سے لوٹانا نماز کا لازم ہے اور اس کے وجوب اعادہ میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ جو نماز مکروہ تحریمی ادا ہوگی اس میں یہی حکم لوٹانے کا ہے حال طمانیت کا تو پہچان لیا تو نے اور حال قومے اور جلسے کا بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ یہ دونوں بھی واجب ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے واسطے دوام کیا اور فرمایا ہے کہ نہیں کافی ہوتی نماز اس شخص کی جو رکوع اور سجود میں پیٹھ اپنی سیدھی نہ رکھے اور کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن صحیح ہے

١......فتح القدير لكمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي : باب ليس لنا ان نفعله بل انما لنا ان نقول ، ج : ١ ، ص : ٣٠١ (دار الفكر)

اور شاید نزدیک صاحبین کی بھی واجب ہے اور اس کے وجوب پر سجدہ سہو کا واجب کرنا دلالت کرتا ہے، چنانچہ فتاویٰ قاضیخان میں مذکور ہے کہ اگر نماز پڑھنے والا رکوع کرے اور رکوع سے سر اپنا نہ اُٹھاوے اور سجدے میں بھول کر چلا جاوے تو نماز اس کی ہو جائے گی لیکن اس پر سجدہ سہو کا صاحبین کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف کا قول کہ یہ فرض ہے اس پر محمول ہوگا کہ فرائض عملیہ سے ہے اور فرائض عملیہ واجب ہوتے ہیں، پس تینوں کا اتفاق ہو جائے گا، اس حدیث اور تقریر سے معلوم کر لیا تو نے کہ ہر ایک قومہ، جلسہ اور طمانیت واجب ہے انتہیٰ۔

مختصراً اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقصان ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نقصان فساد کو نہیں کہتے بلکہ فساد کی صورت میں تو صلوٰۃ صادق ہی نہیں آتی یہاں حدیث میں اس کو ناقص نماز ارشاد فرمایا ہے، پس معلوم ہوا کہ رکوع میں اس قدر ٹھہرنا فرض ہے کہ جس میں لفظ رکوع موافق آیت کے صادق آ جائے اور زیادہ ٹھہرنا جس کا نام اطمینان ہے وہ فقط واجب ہے فرض نہیں، اگر کوئی شخص زیادہ نہ ٹھہرے گا یا دونوں سجدوں کے درمیان میں خوب نہ بیٹھے گا یا رکوع سے کھڑا نہ ہوگا تو نماز اس کی باطل نہ ہوگی بلکہ لوٹانا نماز کا اس پر واجب ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نماز اس کی لوٹائی تھی اور اگر نماز باطل ہو جاتی تو پھر باقی رکعتوں کے پڑھنے سے آپ ممانعت فرما دیتے حالانکہ باوجود اعتدال نہ ہونے کے اس کو باقی نماز ختم کرنے دی اور بعد میں طریقہ اس کا بتلایا پھر یہ بھی فرمایا کہ ان چیزوں کے نقصان سے نماز میں نقصان آتا ہے راساً باطل نہیں ہوتی ورنہ یوں فرماتے کہ نماز باطل ہو جاتی ہے، علاوہ اس کے جیسے ان چیزوں کا حکم فرمایا ہے اسی طرح گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا اور "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" اور "سَمِعَ اللّٰهُ" کہنے کا بھی تو حکم ہے حالانکہ یہ اگر کوئی شخص نہ کرے تو نماز بالاجماع فاسد نہیں ہوتی حکم دونوں کے برابر ہیں پھر اس کے کیا معنی کہ ایک کو فرض کہو اور دوسرے کو سنت لہٰذا حنفیہ کا مسئلہ موافق قرآن اور حدیث کے ہو گیا اور ان چیزوں کی فرضیت پر کوئی دلیل نہیں وَمَنِ ادَّعٰى فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ (دلیل مدعی کے ذمہ ہے) پس معترض صاحب کو سوائے اعتراض لایعنی اور طعن بے معنی کرنے کے اور کچھ نہیں آتا کتاب سے تو بالکل لگاؤ نہیں مطلب کا سمجھنا کجا اس بے استعدادی پر دعوائے اجتہادی استغفر اللہ کبھی تو کتاب کا مطلب ان کی سمجھ میں نہ آوے گا۔

بے فہم اگر چشم بدوزد بکتاب	خواند و بیند معنی در خواب
کے غور کند در سخن بے مغزاں	غواصی بحر نیست مقدور حباب (۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں بعد دونوں سجدوں کے جلسہ استراحت کا کرنا یعنی بیٹھ کر اٹھنا درست نہیں الخ۔

۱......اگر پوری کتاب بغیر سمجھے پڑھ ڈالی جائے تو خواب میں بھی اصل مفہوم تک رسائی نہیں ہو سکتی کہ بے عقل لوگ علمی گفتگو میں کیسے غور کر سکتے ہیں؟ حباب پرندے کی طاقت نہیں کہ وہ سمندر میں غوطہ زنی کر سکے۔

کشف کید بست و دوم

پہلی اور تیسری رکعت کے درمیان جلسۂ استراحت مستحب نہیں

اقول: کہا امام نووی نے کہا اکثروں نے کہ یہ جلسہ مستحب نہیں حکایت کیا اس عدم استحباب کو ابن منذر نے علی اور ابن مسعود اور ابن عمر اور ابن عباس اور ابوالزناد اور ثوری اور نخعی اور مالک اور احمد اور اسحق رضی اللہ عنہم سے انتہی۔

اور علامہ امام ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ حدیث ترمذی کی ابوہریرہ سے مروی ہے کہ تھے رسول اللہ ﷺ اٹھا کرتے نماز میں اپنے قدموں کی انگلیوں پر اور یہ کہا ترمذی کا کہ عمل اس حدیث پر نزدیک اہل علم کے ہے اصل حدیث کی قوت کو مقتضی ہے اگرچہ خاص اس طریق ترمذی میں ضعف واقع ہو گیا ہے اور یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ وہ اٹھا کرتے تھے نماز میں اپنے صدور قدمین پر اور نہیں بیٹھتے تھے اور مثل اسی کے علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن عمر اور ابن زبیر سے بھی روایت کی ہے اور ایسی ہی عمر سے روایت کی ہے اور شعبی سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے تھے عمر اور علی اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کے کہ اٹھ کھڑے ہوتے تھے نماز میں انگلیوں ہی پر قدموں کی۔

اور نعمان ابن ابی عیاش سے روایت ہے کہ پایا میں نے اکثر صحابہ کو کہ جب اٹھاتے سر کو دوسرے سجدے سے پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے اور نہیں بیٹھتے تھے اور یہی روایت عبدالرزاق نے ابن مسعود اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے کی ہے اور بیہقی نے عبدالرحمن بن یزید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی دیکھا ہے پس اتفاق بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو مقرب رسول اللہ ﷺ کے تھے اور آپ کے افعال کی زیادہ اتباع کرنے والے تھے اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے کہ جن سے بخاری نے روایت کی ہے زیادہ لازم پکڑنے والے صحبت آنحضرت ﷺ کے تھے خلاف اس کے جو مالک بن حویرث نے روایت کی ہے ثابت ہو گیا۔

پس تقدیم اس کی واجب ہوئی اور اسی وجہ سے اس پر عمل نزدیک اہل علم کے ہو گیا جیسا کہ معلوم کیا تو نے قول ترمذی سے اور توفیق درمیان ان احادیث کے بہتر ہے پس حمل کی جائے گی وہ حدیث جو مالک بن حویرث نے روایت کی ہے اوپر حالت کبر سنی کے اور اسی لیے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا رکوع اور سجود میں مجھ سے سبقت مت کر جایا کرو اس لیے کہ جس قدر میں تم سے وقت رکوع کے سبقت کر جاؤں گا اسی قدر تم پاؤ گے جب میں رکوع سے سر اٹھاؤں گا تحقیق میں بھاری بدن والا ہو گیا ہوں روایت کیا اس کو ابوداؤد نے انتہی۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قعدہ دوسرے میں اسی طرح بیٹھے جس طرح سے کہ پہلے قعدے میں بیٹھتا ہے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں بھی خلاف کیا ہے ابوحمید ساعدی کی ان دو حدیثوں کا جو کہ مسئلہ نود و پنجم میں قریب گذریں

کشف کیدی وسوم

نماز کے تمام جلسوں میں پیر بچھا کر بیٹھنا حدیث کے موافق ہے

اقول: مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ''وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى ''(۱) یعنی رسول اللہ ﷺ بچھایا کرتے تھے اپنا بایاں قدم اور کھڑا رکھتے تھے اپنا داہنا قدم انتہی

اور شرح مسلم میں ہے'' فِيهِ حُجَّةٌ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَمَنْ وَافَقَهُ أَنَّ الْجُلُوسَ فِي الصَّلٰوةِ يَكُونُ مُفْتَرِشًا سَوَاءٌ فِيهِ جَمِيعُ الْجَلَسَاتِ ''(۲) یعنی اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کے واسطے اور اس کے واسطے جو موافق ان کے ہے حجت ہے کہ تحقیق بیٹھنا نماز میں پیر بچھا کر ہے تمام جلسے اس میں برابر ہیں انتہی۔

اور ابوداؤد اور نسائی اور امام احمد نے وائل بن حجر سے روایت کی ہے'' أَنَّهُ نَظَرَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي فَسَجَدَ ثُمَّ قَعَدَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى ''(۳) یعنی انہوں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے پس سجدہ کیا آپ نے پھر بیٹھے پھر بچھایا بایاں پیر اور کھڑا کیا داہنا انتہی۔

اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے'' أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ فَإِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلَى رِجْلِكَ الْيُسْرَى ''(۴) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا واسطے اعرابی کے پس جب بیٹھے تو پس بیٹھ اپنے بائیں پیر پر انتہی۔

اور نسائی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے'' أَنَّهُ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ أَنْ يَنْصِبَ الْقَدَمَ الْيُمْنَى وَاسْتِقْبَالُهُ بِأَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوسُ عَلَى الْيُسْرَى ''(۵) یعنی تحقیق انہوں نے فرمایا نماز کی سنت سے ہے یہ امر کہ کھڑا کیا

۱......مسلم: کتاب الصلاۃ، باب مایجمع صفة الصلوة وما یفتتح به و یختم به وصفة الرکوع و الاعتدال منه و السجود والاعتدال منه و التشهد بعد کل رکعتین من الرباعیة و صفة الجلوس بین السجدتین وفی التشهد الاول، ص: ۴۹۸۔

۲......المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج: باب ما یجمع صفة الصلوة و ما یفتتح به و یختم، ج: ۴، ص: ۲۱۴۔

۳......ابو داؤد والنسائی و امام احمد، کتاب الصلاۃ، باب کیف الجلوس فی التشهد، ج: ۹۵۷ (عن وائل بن حجر قال قلت لانظرن الی صلوة رسول اللہ ﷺ کیف یصلی فقام رسول اللہ و فاستقبل القبلة فکبر فرفع یدہ حتی حاذتا باذنیه ثم اخذ شماله بیمینه فلما اراد ان یرکع رفعهما الی مثل ذالک، قال ثم جلس فافترش رجله الیسری الخ۔

۴...... مسند الامام احمد رفاعة بن رافع سے روایت ہے انه علیه الصلوة والسلام قال للاعرابی الخ۔

......مسند الامام احمد: ج: ۱۹۲۰۰۔

۵......النسائی: کتاب التطبیق، باب الاستقبال باطراف اصابع القدم القبلة عند القعود للتشهد۔

جائے داہنا قدم اور انگلیاں اس کی طرف قبلے کے ہوں اور بائیں پیر پر بیٹھنا چاہیے انتہی۔

پس ان احادیث سے امام صاحب کا مذہب ثابت ہو گیا کہ دونوں قعدے برابر ہیں اور بخاری وغیرہ کی حدیث میں محمد بن عمرو بن عطا ہیں ان کو ابو حمید ساعدی سے اس حدیث کا سماع ثابت نہیں درمیان میں کوئی رجل مجہول ہے اور عبد الحمید بن جعفر ضعیف ہے چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' کے ''باب صفة الجلوس فی الصلوة کیف هو '' میں اس کو مفصل لکھا ہے غرض یہ حدیث خالی از اختلاف نہیں علاوہ اس کے اس طرف بکثرت روایات صحیحہ موجود ہیں لہذا ان احادیث کو ترجیح ہے اور ترمذی نے بھی ''باب کیف الجلوس فی التشهد '' میں کہا ہے کہ اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور تورک کو کہا ہے کہ اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور در المختار اور فتاوی قاضی خان اور فتاوی عالمگیری وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے'' وَلَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَ الْغُرُوبِ قَبْلَ الْفَرْضِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَاخِيرِ الْمَغْرِبِ ''(۱) یعنی اور نفل پڑھے بعد غروب ہونے آفتاب کے پہلے نماز فرض کے اس لیے کہ اس میں مغرب کی نماز کو دیر ہو جاتی ہے

کشف کید بست و چہارم
غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے قبل نفل نماز پڑھنا درست نہیں

اقول: حدیث میں لفظ '' لِمَنْ شَاءَ '' آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ جس کا جی چاہے پڑھے کسی قسم کی تاکید نہیں پائی جاتی بلکہ مثل اور نفل کے ہے پھر امام نووی کا یہ قول ہے'' وَلَمْ يَسْتَحِبَّهُمَا أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَآخَرُونَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَمَالِكٌ وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَقَالَ النَّخَعِيُّ هِيَ بِدْعَةٌ وَحُجَّةُ هٰؤُلَاءِ أَنَّ اسْتِحْبَابَهَا يُؤَدِّي إِلَى تَاخِيرِ الْمَغْرِبِ عَنْ أَوَّلِ وَقْتِهَا ''(۲) یعنی اور نہیں مستحب جانا ان دونوں رکعتوں کو ابو بکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہا نے اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ بدعت ہے اور حجت ان سب کی یہ ہے کہ استحباب اس کا پہونچا دیتا ہے طرف تاخیر مغرب کے اس کے اول وقت سے انتہی پھر ابو داؤد کی طاؤس سے یہ

۱......العناية شرح الهداية : فصل : في الاوقات التي تكره فيها الصلاة ۔

... الهداية شرح بداية المبتدي ، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ، كتاب الصلوة ، شرح وقاية ، در المختار ، فتاوى قاضي خان ، الفتاوى الهندية ، ان کے علاوہ بعض دوسری کتابوں میں جیسے المبسوط : باب : في الجمع بين السنة والكتاب : كتاب الصلوة

۲......شرح مسلم للنووي : باب استحباب ركعتين قبل صلوة المغرب ۔

روایت ہے کہ کہا انہوں نے سوال کیے گئے ابن عمر دو رکعتوں سے قبل مغرب کے پس فرمایا نہیں دیکھا میں نے کسی کو زمانہ رسول اللہ ﷺ میں کہ پڑھتا ہو ان کو پھر یہ بھی آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ ہر دو اذان میں نماز ہے اگر چاہے مگر مغرب، پھر عیسیٰ رو کا یہ کہنا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا تا کہ آدمی وقت ممنوع کو یعنی جس میں نماز پڑھنی منع ہے پہچان لیں بعد اس کے جلد مغرب پڑھنے کا حکم کردیے گئے انتہی۔ (عبارۃ العینی شرح الہدایہ ملخصا)

حدیث مرفوع کے باوجود بھی اجماع صحابہ پر عمل کیا جائے گا

یہ اقوال امام صاحب کے قول کی نہایت درجے کی تائید کرتے ہیں اب ہم آپ سے کہتے ہیں کہ ہر بات پر صحیحین کی مت اڑ جایا کرو جب تک صحابہ اور ائمہ کے اقوال پر مطلع نہ ہو جاؤ اسی وجہ سے امام زیلعی ''تبیین الحقائق'' میں اسی مقام کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ''وَاِذَا اتَّفَقَ النَّاسُ عَلٰى تَرْكِ الْعَمَلِ بِالْحَدِيْثِ الْمَرْفُوْعِ لَا يَجُوْزُ الْعَمَلُ بِهٖ لِاَنَّهٗ دَلِيْلُ ضُعْفِهٖ عَلٰى مَا عُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهٖ فَمَا ظَنُّكَ بِفِعْلِ بَعْضِ الصَّحَابَةِ ''(۱) یعنی اور جس وقت اتفاق کرلیں آدمی اوپر ترک عمل کے ساتھ حدیث مرفوع کے نہیں جائز ہے عمل اس حدیث پر اس لیے کہ یہ امر دلیل ہے اوپر ضعف حدیث کے جیسا کہ اس کے موقع میں معلوم ہوا پس کیا گمان تیرا ہے ساتھ فعل بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے انتہی۔

یعنی اگر ہے تو فقط بعض صحابہ کا فعل ہے آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں۔

ابن حبان کی حدیث کا جواب

حدیث ابن حبان کا جواب فتح القدیر میں یہ ہے کہ یہ حدیث معارض ہے اس حدیث کے جو ابوداؤد میں طاؤس سے مروی ہے کہا انہوں نے سوال کیے گئے ابن عمر رضی اللہ عنہ دو رکعتوں سے قبل مغرب کے فرمایا نہیں دیکھا میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کہ ان دو رکعتوں کو پڑھتا ہو اور رخصت بھی دو رکعتوں کی بعد عصر کے سکوت کیا اس سے ابوداؤد نے اور بعد ان کے منذری نے اپنی مختصر میں اور یہ سکوت صحت حدیث کا قائل ہوتا ہے اور اس حدیث کا معارض بخاری میں ہونا بعد شریک ہونے دونوں حدیثوں کے صحت میں اس کا مستلزم نہیں کہ بخاری کی حدیث کو مقدم کیا جائے بلکہ اس صورت میں ترجیح خارج سے تلاش کریں گے اور قول اس شخص کا کہ جس نے کہا سب احادیث سے صحیح زیادہ وہ حدیث ہے جو صحیحین میں ہے بعد اس کے جو بخاری میں ہے بعد اس کے جو مسلم میں اس کے بعد جو حدیث ان دونوں کی شرط پر ہو دوسرے محدث سے اس کے بعد وہ حدیث جو ایک کی شرط پر ہو قابل اعتبار نہیں محض زبردستی ہے اس ترتیب کی تقلید کرنی جائز نہیں اس لیے کہ اصح ہونے کی سوا اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ راوی ان دونوں کے موافق دونوں کے شروط کے ہیں پس جب کہ تسلیم کیا جائے کہ غیر صحیحین سے کسی حدیث کے راوی ان شرطوں کو شامل ہیں پھر حکم کرنا کہ ان کتابوں کی حدیث اس حدیث سے اصح ہے کیا عین بے انصافی نہ ہوگی پھر

۱.....تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب الصلاۃ

بخاری اور مسلم کا یہ حکم کرنا یا فقط ایک کا کہ فلانے شخص میں یہ شرطیں پائی جاتی ہیں اس قبیل سے نہیں کہ مطابق واقع ہونے کا یقین کرلیا جاوے جائز ہے کہ واقع میں خلاف اس کے ہو حالانکہ مسلم اپنی کتاب میں بہت ایسے راوی لائے ہیں جو عیب جرح سے سلامت نہیں ایسی ہی بخاری میں ایک جماعت ہے کہ ان میں طعن کیا گیا ہے پس مدار کار راویوں کا علما کے اجتہاد و رائے پر ہے ایسا ہی شروط میں سمجھنا چاہیے حتی کہ جس شخص نے ایک شرط کا اعتبار کیا اور دوسرے نے اس کو لغو سمجھا اس دوسرے کی روایت اس کے نزدیک واسطے اس حدیث کے معارضے کے جو اس شرط کو شامل ہے کفایت کرے گی ایسا ہی جس شخص نے ایک راوی کو ضعیف کہا اور دوسرے نے اس کی توثیق بیان کی قیاس کرنا چاہیے ہاں قلب غیر مجتہد کا اور اس شخص کا جس نے حال راوی کا خود امتحان نہیں کیا اس چیز سے جس پر اکثر کا اجتماع ہو تسکین پاجاتا ہے لیکن مجتہد شرط کے اعتبار اور عدم اعتبار میں اور جو شخص کہ حال راوی سے خود آگاہ ہے رجوع اپنی عقل کی طرف کرتا ہے اور جب کہ ہمارے نزدیک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح ہوئی تو یہ حدیث معارض ہوئی اس حدیث کی جو صحیح بخاری میں ہے پھر یہ حدیث ابن عمر کی راجح ہوجاوے گی اس وجہ سے کہ عمل اکابر صحابہ کا مثل ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے موافق اسی کے تھا حتی کہ ابراہیم نخعی نے ممانعت کی ہے ان دو رکعتوں سے اس حدیث میں جس کو روایت کیا ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد بن ابی سلیمان سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے کہ تحقیق منع کیا انہوں نے ان سے اور فرمایا کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نہیں پڑھتے تھے بلکہ اگر یہ حدیث حسن بھی ہوتی جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے تو بھی البتہ ترجیح دی جاتی اس صحیح پر اسی بیان سے اس لیے کہ حدیث حسن اور صحیح اور ضعیف باعتبار سند کے ظنی ہوتی ہے لیکن واقع میں جائز ہے کہ صحیح حدیث غلط ہو اور ضعیف صحیح ہو اور اسی وجہ سے حسن میں جائز ہے کہ صحت کو بوجہ کثرت طرق کے پہونچ جائے اور ضعیف حدیث اسی وجہ سے حجت ہوجائے اس لیے کہ تعدد اس کا قرینہ ثبوت نفس الامری کا ہے۔

حدیث صحیح کبھی غیر صحیح اور حدیث ضعیف صحیح ہوجاتی ہے

کیوں نہیں جائز ہے کہ صحیح السند بعجہ اس قرینے کے جو دلالت اوپر ضعف نفس الامری کے کرتا ہو ضعیف ہوجائے اور حسن حدیث بوجہ دوسرے قرینے کے مرتبہ صحت تک پہونچ جائے چنانچہ ہم نے اکابر صحابہ سے موافق اس قول کے بیان کیا اور ترک کرنا ان کا اس حدیث کے مقتضیٰ کو اور ایسا ہی اکثر سلف کا اور امام مالک کا جو ستارہ حدیث ہیں واقع میں اس حدیث کے ضعف پر دلالت کرتا ہے اور وہ الفاظ جو ابن حبان نے صحیحین سے علاوہ بیان کیے ہیں کہ نبی ﷺ نے دو رکعتیں قبل مغرب کے پڑھیں یہ معارض اس مرسل حدیث ابراہیم نخعی کے نہیں ہوسکتا کہ نبی ﷺ نے ان دو رکعتوں کو نہیں پڑھا اس لیے کہ یہ دو رکعتیں جو آپ نے پڑھیں جائز ہے کہ قضا اس نماز کی ہوں جو آپ سے فوت ہوگئی ہوں اور یہ امر ثابت ہے روایت کی طبرانی نے مسند شامی میں جابر رضی اللہ عنہ سے کہ کہا انہوں نے سوال کیا ہم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آنحضرت ﷺ سے کیا دیکھا تم نے آنحضرت ﷺ کو دو رکعتیں قبل مغرب پڑھتے ہوئے کہا انہوں نے نہیں مگر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ان دو رکعتوں کو ایک بار

میرے پاس آنحضرت ﷺ نے پڑھا پس سوال کیا میں نے کہ یہ نماز کیسی ہے؟ فرمایا قبل عصر کے دو رکعتیں پڑھنی بھول گیا تھا اب دونوں کو پڑھ لیا پس ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے سوال کرنا اور صحابہ کا آپ کے ازواج مطہرات سے دریافت کرنا چنانچہ لفظ "سـألـنـا" جابر رضی اللہ عنہ کا فرمانا اور لفظ "سـألـتُ" نہیں کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ فقط جابر رضی اللہ عنہ نے نہیں دریافت کیا بلکہ اور صحابہ بھی اس میں شریک تھے اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ دونوں رکعتیں معہود نہ تھیں اسی طرح صحابہ کا ابن عمر سے سوال کرنا کیوں کہ خود ابن عمر نے حدیث اول نہیں بیان کی تھی بلکہ جب سوال کیے گئے تو بیان کی اور ظاہر یہ ہے کہ سوال ان کا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ روایت ان رکعتوں کی ظاہر ہوگئی تھی گو اس قرن میں معہود نہ تھیں پس جواب اس کا آپ کی ازواج مطہرات نے جو آپ کے اعمال سے اس قدر واقف تھیں کہ دوسرا اتنا نہیں جانتا تھا یہ دیا کہ آپ نے نہیں پڑھیں اور ابن عمر نے یہ جواب دیا کہ صحابہ میں سے کسی نے نہیں پڑھیں انتہی۔

ظاہریہ بخاری و مسلم کو قرآن کی آیت پر ترجیح دیتے ہیں

حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین اور اکابر سلف کی تحقیق اور جانچ پر اعتماد کرنا چاہیے جس حدیث کو ان بزرگوں نے قبول کیا ہے اور عمل اس پر کرلیا ہے علمائے محدثین کی تقلید کر کے ان پر اعتراض اور انکار نہ چاہیے پس بعض ظاہریہ نے جو اس تقریر منصفانہ کو متعصبانہ قرار دیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے قول کی سند لائے ہیں کہ انہوں نے اس قول کو بدعت لکھا ہے محض خطا ہے یا تو وہ صاحب اس تقریر کا مطلب خود نہیں سمجھے یا شاہ صاحب کی عبارت میں قیاس مع الفارق کیا اور یہ کہنا ان کا کہ دوسرے نے ایسی جرأت نہیں کی تھی جمہور کے خلاف ہے "مضحکۂ صبیان ابجد خوان" ہے ماشاء اللہ ایسا محقق ایک امر مدلل بیان کردے کہ جس کا آج تک کسی سے جواب نہ ہو وہ تو خلاف جمہور کہلائے اور خود حضرات ظاہریہ جن کے اصول خلاف جمہور ہیں موافق بن جائیں خود تعصب کے پتلے ہیں دوسروں پر طعن کرتے ہیں، ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ کون سی بدعت ہے کوئی امر حدیث کے خلاف ہوا یا قرآن کے؟ ہاں! یوں کہیے کہ یہ ترتیب صحیحین کے تقلیداً ہے ظاہریہ نے اس میں ایسا غلو کیا کہ اس کو کالوحی من السماء تصور کرلیا اور اس بحث میں اگرچہ "شفاء العی" میں جس کو بعض حضرات ساکنین بھوپال نے تصنیف کیا اور مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی نے اس کی رد میں "ابراز الغی" لکھ کے اس کو مردود کردیا بہت کچھ دور مارا ہے لیکن بجز نقل عبارات محققہ امام ابن ہمام کے اور کچھ ان سے نہ ہوسکا، یہ تو معلوم ہے اگرچہ بعض علماء اس مقام میں ابن ہمام کے مخالف ہیں مگر ان کی تقریر مجتہدانہ اور دلیل محققانہ کا جواب شافی کسی نے نہیں دیا حضرات ظاہریہ غیر مقلدین کا دستور یہ ہے کہ اگر جمہور صحابہ ایک طرف ہوں اور بخاری کی حدیث ایک طرف تو ممکن نہیں کہ اس میں فکر کریں اور سوچیں اور اقوال سلف دیکھیں اور تطبیق دیں بلکہ امام صاحب کے پیرائے میں در پردہ صحابہ کو سب کچھ کہہ دیتے ہیں چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے (کثیر میں سے چند بطور مثال۔ت) اسی سوال مذکور کو ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ باوجودیکہ جمہور صحابہ اور خلفائے راشدین ایک طرف ہیں مگر یہ بخاری

اور مسلم پر بے سمجھے کیسا اڑے ہیں اگر چہ اصلی ایمان سے جو تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہے بوقت اکراہ اقرار ساقط بھی ہو جاتا ہے مگر یہ لوگ ان کتابوں کے مقابلے میں قرآن کی بھی نہیں سنتے حنفیہ کے مذہب کی حقیقت دیکھیے کہ باوجودیکہ صحیحین کو اصح الکتب جانتے ہیں پھر بھی وہ کچھ تحقیقات کی ہے کہ اگر آدمی کو انصاف اور عقل ہو تو ہٹ دھرمی کو چھوڑ دے اور سچے دل سے مان لے، ہم کو فقط اس وجہ سے ایسی گفتگو کرنی پڑی کہ یہ لوگ صحابہ پر کیوں طعن کرتے ہیں اپنے گریبان میں ذرا منہ ڈال کر دیکھیں کہ اس صورت میں ایمان ان کا کہاں جائے گا یہ امام پر طعن نہیں اکابر صحابہ پر ہوگا نعوذ باللہ من ھذا المذھب!

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ درمختار اور فتاویٰ عالمگیری اور ذخیرۃ العقبیٰ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے "وَلَوْ تَكَلَّمَ بَيْنَ السُّنَّةِ وَالْفَرْضِ لَا يُسْقِطُهَا وَلٰكِنْ يَنْقُصُ ثَوَابُهَا وَقِيلَ تَسْقُطُ" (۱) یعنی اور اگر کلام کرے درمیان سنت اور فرض کے نہیں توڑتی سنتوں کو اور لیکن کم ہو جاتا ہے ثواب ان کا اور کہا بعضوں نے ٹوٹ جاتی ہیں الخ۔

سنتوں کا بیان

کشف کیدی و پنجم

سنت اور فرض نماز کے درمیان ضروری گفتگو کی حقیقت

اقول: یہ قول حدیث کے مخالف نہیں اس لیے کہ جو کلام فضول ہو اور ضروری نہ ہو اگر واقع ہو تو ثواب کم ہوتا ہے چنانچہ دارمی کی حدیث میں ہے "فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ كَلَّمَنِي بِهَا" (۲) یعنی پس اگر کوئی حاجت ہوتی تو مجھ سے کلام کرتے انتہی۔

یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ضروری بات کہنے میں مضائقہ نہیں اس کا انکار کہیں فقہ میں موجود نہیں بلکہ جہاں کلام کرنا مکروہ آیا ہے اس سے مراد وہی کلام ہے جو ضروری نہ ہو جیسے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کلام غیر ضروری اکثر کیا کرتے ہیں اس سے کلام دینی اور ضروری مستثنیٰ ہے۔

کم گوئی و بجز مصلحت خویش مگو ‌ ‌ ‌ ‌ چیزے کہ نپرسند تو از پیش مگو۔ (۳)

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ ردالمحتار شرح درالمختار میں لکھا ہے "وَحَاصِلُهُ أَنَّ

۱.....الدر المختار، ج:۲، ص:[illegible] رد المحتار، باب الوتر والنوافل، در مختار، الفتاوی الهندیة،

......ذخیرۃ العقبیٰ ان کے علاوہ بعض دوسری کتابوں میں جیسے الاشباہ والنظائر علی مذهب ابی حنیفة

النعمان للشیخ زین العابدین بن ابراهیم بن نجیم کتاب الصلوة (دار الکتب العلمیة بیروت)

......غمز عیون البصائر فی شرح الاشباه والنظائر: کتاب الصلوة۔ میں اس عبارت کو پایا۔

۲.....سنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب الکلام بعد رکعتی الفجر، ح: ۱۴۵۴ (مکتبة الطبری القاهرة، مصر)

۳.....کم بول مگر اپنی مصلحت کے مطابق بول جس چیز کے متعلق لوگ سوال نہ کریں پہلے سے نہ بتایا کرے۔

اضطِجَاعَهُ عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ إِنَّمَا كَانَ فِي بَيْتِهِ لِلْاِسْتِرَاحَةِ لَا لِلتَّشْرِيعِ "(۱)۔یعنی حاصل اس کا یہ ہے کہ تحقیق لیٹنا حضرت ﷺ کا سوائے اس کے نہیں کہ تھا بیچ گھر اپنے کے واسطے آرام کے نہ واسطے شرع بنانے کے الخ۔

کشف کیدی و ششم

فجر کی سنت وفرض کے درمیان ضروری کلام جائز ہے

اقول: یہاں بھی مخالفت حدیث کی نہیں مخالف تو جب ہوتی کہ کسی حدیث میں یہ تصریح ہوتی کہ یہ ارشاد تشریعی ہے بلکہ بسا اوقات آنحضرت ﷺ نے واسطے شفقت امت کے حکم فرمایا ہے لباس اور طعام وغیرہ کے احادیث اس پر شاہد ہیں ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان احکام کو بھی شرع میں دخل ہے بلکہ امور دنیاوی کی تفہیم ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور "شرح سفر السعادۃ" میں لکھا ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر واسطے استراحت اور رفع ثقالت وماندگی کے کہ شب کو نماز میں کھڑے ہونے اور بیداری شب کی وجہ سے آگئی ہے لیٹے تو لیٹ جانا بہتر ہے اور موجب نشاط اور تازگی طبیعت کا ہے اور قول امام صاحب کا بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ فعل آنحضرت ﷺ بقصد آرام کے تھا نہ عبادت کے انتہی۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث "ازالۃ الخفا" میں جہاں مذاہب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں افادہ فرماتے ہیں "اَبُوبَكْرٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ رَاٰى عُمَرُ رَجُلًا اِضْطَجَعَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ فَقَالَ اَحْصِبُوْهُ قُلْتُ يَعْنِي مَاكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ عَلٰى وَجْهِ الْعِبَادَةِ بَلْ عَلٰى وَجْهِ الْعَادَةِ وَدَفْعِ الْمَلَالِ اِنْتَهٰى۔ "(۲) اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضطجاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی اضطجاع علی وجہ العبادۃ والتشریع نہ تھا بلکہ علی وجہ الاستراحت تھا ورنہ کیوں اس شخص کو سنگریزوں سے مارنے کا حکم دیتے پس جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ ہر فعل اور قول آپ کا تعبدی تھا مخالفت کیوں کر ثابت ہو سکتی ہے بلکہ ابن مسیب میں حدیث ابو داؤد اور ابن ابی شیبہ میں بھی مطابق ہو جائے گی۔

کما قاضی عیاض نے: "ذَهَبَ مَالِكٌ وَجُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ وَجَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ اِلٰى اَنَّهُ بِدْعَةٌ وَرِوَايَةُ الْاِضْطِجَاعِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ مَرْجُوْحَةٌ فَيُقَدَّمُ رِوَايَةُ الْاِضْطِجَاعِ قَبْلَهُمَا وَلَمْ يَقُلْ اَحَدٌ فِي الْاِضْطِجَاعِ قَبْلَهُمَا اِنَّهُ سُنَّةٌ فَكَذَا بَعْدَهُمَا وَقَدْ ذَكَرَ مُسْلِمٌ عَنْ عَائِشَةَ فَاِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ وَاِلَّا اِضْطَجَعَ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ لَيْسَ بِسُنَّةٍ وَاَنَّهُ تَارَةً كَانَ يَضْطَجِعُ قَبْلُ وَتَارَةً بَعْدُ وَتَارَةً لَا يَضْطَجِعُ "(۳)۔یعنی گئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علما

۱......رد المحتار شرح در المختار ، باب الوتر والنفل۔

۲...... ازالۃ الخفاء للشیخ قاضی شاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی۔

۳......شرح مسلم للنووی، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی (الدفاع عن کتاب ریاض الصالحین لباحث فی القرآن والسنۃ ، باب المضطجع علی الشق الایمن)

اور ایک جماعت صحابہ کی اس طرف کہ وہ بدعت ہے اور روایت اضطجاع کی بعد رکعتین فجر کے مرجوح ہے پس مقدم ہوگی روایت اضطجاع کی قبل فجر کے اور نہیں کہا کسی نے کہ اضطجاع قبل فجر کے سنت ہے پس بعد کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے اور تحقیق روایت کی مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پس اگر میں جاگتی ہوتی تو باتیں کرتے مجھ سے نہیں تو لیٹ جاتے اور یہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ وہ سنت نہیں اور کبھی آپ لیٹتے تھے پہلے اور کبھی بعد کو اور کبھی نہیں لیٹتے تھے انتہی۔

غرض کہ اس کو فرض کہنا اور بغیر اس کے نماز میں فساد کا قائل ہونا جیسا کہ بعض ظاہریہ نے کہا ہے ہرگز کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا ہے البتہ صحابہ میں بھی اختلاف ہوا ہے اس لیے تطبیق اس کی وہی بہت درست ہے جو پہلے ہم نے بیان کی پس مخالفت بالکل جاتی رہی اور موافقت بخوبی ہوگئی۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور در المختار اور فتاوی عالمگیری وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے" وَمَنِ انْتَهٰى اِلَى الْاِمَامِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اِنْ خَشِيَ اَنْ تَفُوْتَهٗ رَكْعَةٌ وَيُدْرِكُ الْاُخْرٰى يُصَلِّيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ"(۱) یعنی فجر کی نماز کے وقت اگر کوئی شخص مسجد میں آوے اور دیکھے کہ فرضوں کی جماعت ہو رہی ہے لیکن اس شخص نے دو رکعت سنت نہیں پڑھی تھی تو اس صورت میں اگر وہ ڈرتا ہے کہ میرے سنتیں پڑھنے سے ایک رکعت جماعت کی جاتی رہے گی اور ایک رکعت مل جاوے گی تو چاہیے کہ دو رکعت سنت مسجد کے دروازے پر پہلے پڑھ لے پھر جماعت میں داخل ہو جاوے الخ

کشف کیدی و مقتم

سنتِ فجر کی تاکید و اہمیت

اقول: جاننا چاہیے کہ فجر کی سنتوں میں سب سنتوں سے زیادہ تاکید آئی ہے بخاری اور مسلم میں ہے" لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِّنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ"(۲) یعنی نہیں

۱......الهداية في شرح البداية : فصل في قيام شهر رمضان۔

......الفتاوى الهندية للشيخ نظام وجماعة من علماء الهند : باب ۱۰ في ادراك الفريضة ، ج:۱ ، ص : ۱۲۰ (دار الفكر)

......شرح وقاية ، كنز الدقائق ، در المختار ، العناية شرح الهداية ، عمدة القاري شرح صحيح البخاري :

باب اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوب ۔ وباب المداومة في ركعتي الفجر۔

۲......بخاري : كتاب التهجد ، باب ، تعاهد ركعتي الفجر ومن سماها تطوعا ، ح : ۱۱۶۹ ۔ مشكوة :

......مسلم : كتاب صلوة المسافرين وقصرها ، باب استحباب ركعتي سنة الفجر الخ ، ح ۷۲٤ ۔

......مسند الامام احمد ، حديث عائشة رضي الله عنها ، ۲٦٨٦ ۔

تھے رسول اللہ ﷺ زیادہ محافظت کرنے والے فجر کی سنتوں سے اور کسی سنتوں پر انتہی اور مسلم میں ہے " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا " (۱) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دو رکعتیں سنت فجر کی بہتر ہیں دنیا و مافیہا سے انتہی۔

اور ابوداؤد میں ہے " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَدَعُوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ " (۲) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ ترک کرو فجر کی دو رکعتوں کو اگرچہ نکال دے تم کو لشکر دشمن کا انتہی۔

طبرانی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے " لَمْ أَرَهُ تَرَكَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فِيْ سَفَرٍ وَلَا حَضَرٍ وَلَا صِحَّةٍ وَلَا سَقَمٍ " (۳) یعنی نہیں دیکھا میں نے آنحضرت ﷺ کو کہ ترک کیا ہو دو رکعتوں کو قبل نماز فجر کے سفر میں نہ حضر میں نہ صحت میں نہ مرض میں انتہی۔

اور مسند ابویعلی موصلی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت " سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَتْرُكُوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَإِنَّ فِيْهِمَا الرَّغَائِبَ " (۴) یعنی کہا انہوں نے سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے نہ چھوڑو فجر کی دو رکعتوں کو اس لیے کہ ان میں مرغوب چیزیں ہیں انتہی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حتی المقدور اس کو نہ چھوڑے اسی لیے واسطے کمال اہتمام ان دو رکعتوں کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک میں واجب اور دوسری میں سنت۔

علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا ہے " ذَكَرَ الْمَرْغِيْنَانِيُّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ أَنَّهَا وَاجِبَةٌ " (۵) یعنی روایت کی مرغینانی نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کہ وہ واجب ہے۔

۱۔۔۔۔۔مسلم ،کتاب صلوۃ المسافرین و قصرها ، باب استحباب ركعتي سنة الفجر الخ ،ح : ۷۲۵۔

۲۔۔۔۔۔عینی شرح هدایة ، مسند الامام احمد ابی هريرة ، ۹۲۷۳ ، ۹۳۸۱۔

۳۔۔۔۔۔المعجم الاوسط لابی القاسم سليمان بن احمد الطبراني ۔ التحقيق : للطارق بن عوض الله بن محمد عبد المحسن بن ابراهيم الحسيني ، ج : ۷ ، ص : ۱٦٤ (دار الحرمين ،القاهرة)

۔۔۔۔۔شرح فتح القدير: فصل، في قيام رمضان۔

٤۔۔۔۔۔مسند ابو يعلى ،عن عائشة قالت مارايت النبي ﷺ يسرع الى شيئ من النوافل اسراعه الى ركعتي الفجر ولا الى غنيمة

۔۔۔۔۔الدراية في تخريج احاديث الهداية ، باب قضاء الفوائت ثم بعد ولابي يعلي عن ابن عمر لا تتركوا ركعتي الفجر فان فيها الرغائب

۵۔۔۔۔۔البناية شرح هداية،باب النوافل السنة ركعتان قبل الفجر

اور جامع محبوبی میں لکھا ہے" رَوَی الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ قَالَ لَوْ صَلّٰی سُنَّةَ الْفَجْرِ قَاعِدًا بِلَا عُذْرٍ لَا تَجُوْزُ "(۱) یعنی روایت کی حسن نے امام صاحب سے کہ فرمایا انہوں نے اگر سنتیں فجر کی بلا عذر بیٹھ کر پڑھے تو نہیں جائز ہے۔

اور شرح موطا میں ملا علی قاری لکھتے ہیں" فَقَدْ رَوَی الطَّحَاوِیُّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوْفٌ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلٰوةِ وَرَوٰى أَيْضًا عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ نَحْوَهٗ "(۲) یعنی پس تحقیق روایت کی امام طحاوی نے ابو درداء سے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے تھے اور آدمی صف باندھے ہوئے نماز فجر میں کھڑے ہوتے تھے پس دو رکعتیں گوشۂ مسجد میں پڑھ لیتے تھے پھر آدمیوں کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی امام طحاوی نے روایت کی ہے انتہی۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ کس قدر تاکید ان دو رکعتوں کی نسبت احادیث میں وارد ہے اور مزید برآں عمل صحابہ کا بھی موجود ہے پھر امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک جگہ اگر پڑھے گا تو نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں ممانعت ہے کہ جب اقامت ہو تو فرض کے سوا اور نماز پڑھنی نہ چاہیے اگر مسجد سے علیحدہ دروازے وغیرہ پر پڑھ لے گا تو دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں گی اور دونوں سنتیں بھی ہو جائیں گی اور نماز جماعت بھی فوت نہ ہوگی بلکہ پوری نماز مل جائے گی کیونکہ مسلم میں آیا ہے" عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ "(۳) یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایک رکعت نماز کی پائی پس تحقیق اس نے پوری نماز پائی انتہی۔

۱..... جامع محبوبی۔

..... البنایۃ شرح ھدایۃ: باب النوافل السنۃ رکعتان قبل الفجر، ج: ۲، ص: ۵۰۴۔ میں ہے وفی جوامع المحبوبی روی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ قال الخ۔ اور عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، باب المداومۃ فی رکعتی الفجر میں ہے "وفی جوامع المحبوبی روی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ قال الخ۔

۲..... شرح الموطا لملا علی قاری میں کے علاوہ بعض دوسری کتابوں میں دیکھیے: موطا امام مالک روایۃ محمد بن حسن مع التعلیق الممجد لموطا الامام محمد وھو شرح لعبد الحی لکنوی، باب الرجل یصلی۔

..... اور شرح معانی الآثار لاحمد بن محمد بن سلامۃ بن عبد الملک بن سلمۃ ابی جعفر الطحاوی، باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوتہ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

..... شرح معانی الآثار: باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاتہ (دار الکتب العلمیۃ بیروت)

۳..... مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرک تلک الصلوۃ، ج: ۶۰۷

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایک رکعت بھی آدمی کو مل جاوے گی تو بیشک کل نماز اس کو مل گئی اور تبدیل مکان سے احکام بدل جاتے ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے" اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یُصَلِّیْ عِنْدَ الْاِقَامَۃِ فِیْ بَیْتِ مَیْمُوْنَۃَ "یعنی نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے وقت تکبیر کے گھر میں میمونہ رضی اللہ عنہا کے انتہی۔ پس اگر ایک مکان ہوتا تو عین وقت تکبیر کے نماز کیوں پڑھتے اس سے معلوم ہوا کہ دوسری جگہ حکم اور ہو جاتا ہے پھر اگر کوئی شخص دروازہ مسجد پر جو کہ مسجد اور جماعت سے علیحدہ ہے دو رکعتیں پڑھ لے تو مخالفت کیا کی بلکہ مطابقت تو سب احادیثوں میں اسی سے ہوتی ہے اور جماعت تو فقط کھانے کے خاطر بھی آدمی چھوڑ دیتا ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں آیا ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ" اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِکُمْ وَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ وَلَا یَعْجَلْ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْہُ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یُوْضَعُ لَہُ الطَّعَامُ وَیُقَامُ الصَّلٰوۃُ فَلَا یَاتِیْھَا حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْہُ وَاِنَّہُ لَیَسْمَعُ قِرَاءَۃَ الْاِمَامِ "(۱) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت رکھا جائے کھانا کسی کا تم میں سے اور تکبیر نماز کی ہو پس شروع کرو تم کھانا اور نہ جلدی کرے یہاں تک کہ فارغ ہو جائے اور تھا ابن عمر کہ رکھا جاتا تھا واسطے ان کے کھانا اور تکبیر کہی جاتی تھی نماز کی پس نہیں آتے تھے نماز کو یہاں تک کہ فارغ اس سے ہو جاتے اور تحقیق سنتے تھے وہ قرا ءت امام کی انتہی۔

پھر سنتیں باوجود اتنی تاکید کے اور عمل صحابہ کے اور نہ ترک ہونے جماعت کے اگر نہ خاص کی جائیں گی تو اور کون سی صورت اس سے عمدہ ہوگی علاوہ اس کے خود حدیث میں کو ضعیف ہے فجر کی سنتوں کا استثنا بھی موجود ہے ان احادیث اور عمل صحابہ سے اس کی تقویت بھی ہوگئی اگر بالفرض اتنی تاکید جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید واجب ہوں چنانچہ امام کی ایک روایت میں وجوب ہے نہ ہوتی تو بھی عمل صحابہ اس تخصیص کے واسطے کافی تھا علی ہذا القیاس اگر عمل صحابہ بالفرض نہ ہوتا تو بھی یہ تاکید کافی تھی پس جب کہ اسے دلائل اور براہین احادیث اور آثار سے مجتمع ہوں اور استثنا کو ان سے تقویت بھی ہو جاوے پھر کوئی آدمی انکار کرے تو گویا حدیث مرفوع کا انکار کیا اور ہم کلام ابن ہمام سے اچھی طرح مدلل کر چکے ہیں کہ ضعیف حدیث بوجہ قرائن خارجہ کے قوی اور صحیح ہو جاتی ہے پس مخالفت ہرگز نہ ہوگی بلکہ عین موافق حدیث ہوگا۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی سے فجر کی سنتیں نہ پڑھی گئی ہوں تو پڑھنا ان کا اس کو نہ تو بعد فرض صبح قبل نکلنے آفتاب کے جائز ہے اور نہ بعد نکلنے آفتاب کے جائز ہے انتہی۔

۱…… بخاری: کتاب الاذان، باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلوۃ، ح:۶۷۳۔

……مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، باب کراھۃ الصلوۃ بحضرۃ الطعام الذی یرید اکلہ فی الحال وکراھۃ الصلوۃ مع مدافعۃ الأخبثین، ح:۵۵۹۔

کشف کیدی وتفہم

بعض جگہ حدیث ضعیف قرائن سے قوی ہو جاتی ہے

اقول: مسلم میں عمر بن عبسہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے کہ وقت جائز نماز کا آپ بتا دیجیے فرمایا صبح کی نماز پڑھ کر پھر ٹھہر جا نماز سے یہاں تک کہ آفتاب طلوع کرے انتہی۔

اور فتح القدیر میں ہے: کیونکہ سنتیں بعد نماز فجر محض نفل ہو گئی ہیں بنابر اس کے کہ حدیث اس کے واسطے وارد نہیں ہوئی ہے یا وارد ہے تو وہ معارض ہے بخاری اور مسلم کی حدیث کے کہ آنحضرت ﷺ نے بعد صبح کے نماز کی ممانعت فرمائی ہے جب تک کہ آفتاب نہ نکل آوے پس حدیث صحیحین کی اس حدیث پر مقدم ہوگی جیسا کہ ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں انتہی۔ علاوہ اس کے ان دونوں حدیثوں میں جو معترض صاحب نے لکھی ہیں محدثین کو کلام ہے چنانچہ ترمذی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قابل حجت نہیں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں قطع نظر اس کے حدیث نہی کی مقدم ہوتی ہے خصوصاً اس وقت کہ دوسری حدیث جس سے جواز ثابت ہوتا ہے ایسی قوت نہیں رکھتی جیسی کہ حدیث نہی کی قوت رکھتی ہے پس بعد نماز صبح کے سنتوں کا پڑھنا خلاف احتیاط ہے۔

قال: کنز الدقائق میں لکھا ہے کہ ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا بسبب عذر کے یعنی سفر اور بارش اور مرض میں جائز نہیں الخ۔

جمع بین الصلاتین

کشف کیدی وتفہم

اقول: اس میں طعن مذہب حنفیہ پر کسی طرح سے درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے بے دلیل حکم ممانعت کا نہیں دیا بلکہ ان کے پاس اس کے دلائل موجود ہیں اور جو ادلہ شافعیہ کے ہیں ان کے جوابات بھی کتب حنفیہ میں مرقوم ہیں ذرا آنکھیں کھول کے دیکھیے اور اندھوں کی طرح بدزبانی نہ کیجیے چنانچہ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ تبیین الحقائق میں لکھتے ہیں کہ ہماری حجت وہ نصوص ہیں جو اوقات کی تعیین کرتے ہیں مثل قول اللہ تعالیٰ کے ”اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ“ (۱) اور سوا اس کے آیتیں اور حدیثیں ہیں پس ترک کرنا ان کا جائز نہیں جب تک کہ دوسری دلیل مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہ پائی جائے۔

اور کہا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قسم ہے اس ذات کی کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا رسول اللہ ﷺ نے ہرگز کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اپنے وقت پر لیکن دو نمازیں کہ جمع کیں آنحضرت ﷺ نے درمیان ظہر اور عصر کے عرفہ میں اور درمیان مغرب اور

۱.....الاسراء: آیت: ۷۸۔

عشا کے مزدلفہ میں روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے۔
اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہا انہوں نے نہیں جمع کیا رسول اللہ ﷺ نے درمیان مغرب اور عشا کے سفر میں کبھی مگر ایک بار اور اس قدر تاخیر کرنے میں کہ پہلی نماز کا وقت نکل جاوے اور دوسری نماز کا وقت داخل ہو جاوے بیشک تفریط ہے اور تحقیق فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے کہ سونے میں تفریط نہیں ہے بلکہ تفریط (یعنی قصور کرنا) جاگنے میں ہے بایں طور کہ تاخیر کی جاوے نماز دوسرے وقت تک روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے کہا ابو جعفر نے کہ فرمانا آنحضرت ﷺ کا اس حدیث کو اس حال میں کہ آپ سفر میں تھے دلالت کرتا ہے کہ ارادہ کیا آپ نے اس سے مسافر اور مقیم کا پس جانا گیا اس سے کہ آنحضرت ﷺ نے واسطے احتراز تفریط کے جمع نہیں کیا اور مطلب اُس روایت کا جس میں جمع کرنا آیا ہے اگر صحیح ہو جائے تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کے آخر وقت میں نماز پڑھی اور عصر کے اول وقت میں ایسا ہی مغرب اور عشا میں کیا پس جمع کرنا فعل میں ہوا ایک وقت میں نہ ہوا اور راوی نے جو تصریح کی ہے کہ پہلی نماز کا وقت خارج ہو گیا تھا اس کو مجازاً کہا شمار کیا جائے گا یعنی باعتبار قریب ہونے خروج کے بولا گیا ہے جیسے قول اللہ تعالیٰ کا " فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ "(۱) یعنی" جب قریب اختتام عدت کے پہونچیں تو روکو ان کو" اس لیے کہ بعد عدت کے روکنے پر قادر نہیں ہوتے یا اس قول راوی کو اس پر حمل کریں گے کہ اُن کو اس کا گمان ہو گیا اور اس کی نظیر وہ حدیث ہے جو جبرئیل علیہ السلام کی امامت میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ظہر کی نماز دوسرے دن اس وقت پڑھائی کہ جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی تھی یعنی قریب عصر کے وقت آ گیا تھا، یا یوں کہیں کہ راوی نے یہ گمان کر لیا کہ دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں واقع ہوئیں اور اس تاویل کے صحیح ہونے پر وہ حدیث دلیل ہے جو نافع سے مروی ہے کہا انہوں نے نکلا میں ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سفر میں اور آفتاب غروب ہو گیا تھا پس جب دیر ہوئی تو میں نے کہا نماز رحم کرے اللہ تم پر پس دیکھا میری طرف اور چلے یہاں تک کہ جب آخر شفق کا وقت آیا تو اترے پس نماز مغرب کی پڑھی پھر تکبیر عشا کی کہی اور تحقیق شفق جاتی رہی تھی پھر نماز پڑھائی ہم کو پھر متوجہ ہوئے طرف ہمارے اور فرمایا تحقیق رسول اللہ ﷺ کو جب سفر میں عجلت ہوتی یوں ہی کرتے اور کہا راوی نے یہ حدیث صحیح ہے کہا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اور یہ حدیث اس پر نص ہے کہ ہر ایک کو دونوں نمازوں میں سے آنحضرت ﷺ نے وقت پر اس کے پڑھا ہے۔
اور کہا نافع اور عبداللہ بن واقد نے کہ موذن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کو کہا فرمایا چل یہاں تک کہ جب قریب غیبوبت شفق کے وقت پہونچا اترے پس مغرب کی نماز پڑھی پھر انتظار کیا یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی پھر عشا کی نماز پڑھ لی پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو جب جلدی سفر کی ہوتی تو ایسا ہی کرتے تھے جیسا کہ میں نے کیا اور یہ حدیث پہلی حدیث سے بھی صریح زیادہ ہے اور ابن عمر سے وقت میں الفاظ مختلف روایت کیے گئے ہیں اور عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے احکام میں ذکر کیا ہے کہ جو حدیث ابن عمر سے

۱......الطلاق: آیت: ۲۔

ان دونوں نمازوں کے جمع کرنے میں مروی ہے اسناد اس کی صحیح ہے اور راوی اس کے کل ثقہ ہیں لیکن بعض میں وہم ہے اور صحیح ان سے روایت جابر کی ہے اور جو اس کے معنوں میں ہے اور تحقیق کیا انہوں نے کہ ہر نماز دو نمازوں میں سے آنحضرت ﷺ نے اپنے وقت پر پڑھی ہے اور وہ حدیث جس کو روایت کیا شافعی نے حدیث ابوالطفیل سے کہا ترمذی نے کہ یہ حدیث غریب ہے اور کہا ابوداؤد نے نہیں قائم ہے کوئی حدیث تقدیم وقت میں اور کہا حاکم نے حدیث ابوالطفیل کی موضوع ہے لیکن حدیث انس کی پس احتمال ہے کہ جمع کلام زہری سے ہو کیونکہ زہری حدیث کو اکثر اپنے کلام کے ساتھ ملا دیا کرتے تھے حتی کہ وہم ہوتا تھا کہ یہ لفظ حدیث ہی میں ہے، اور تحقیق انکار کیا ہے عائشہ صدیقہ نے اس شخص پر جو ایک وقت میں جمع کرنے کو کہتا ہے اور ان کی پہلی حدیث ہمارے واسطے بھی حجت ہے اس لیے کہ اس میں سوائے ذکر تاخیر اور تقدیم کے اور کچھ نہیں اور یہ منافی اس کے نہیں جو ہم نے کہا ہے انتہی۔

کلام الرملی اور شرح سفر السعادۃ میں ہے کہ امام محمد نے اپنی موطا میں لکھا ہے کہ ہم کو عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہونچی ہے کہ انہوں نے اپنے عاملوں کو اطراف میں لکھ بھیجا اور ممانعت کی ان کو اس بات سے کہ جمع کریں وہ دو نمازوں کو ایک وقت میں اور خبر کر دی ان کو کہ ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنی گناہ کبیرہ ہے اور بیان کیا ہے اس خبر کو ہم سے ثقات نے علاء بن الحارث سے انہوں نے مکحول سے روایت کی ہے اور چونکہ تعیین اوقات قطعی اور متواتر ہے پس خبر آحاد اس کے معارض نہیں ہو سکتی بخلاف افطار اور قصر صلوۃ کے سفر میں کہ دونوں نص قرآنی سے ثابت ہیں۔

اور روایت کی ہے بخاری اور مسلم نے عبداللہ بن مسعود سے کہ کہا انہوں نے نہیں دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ کسی نماز کو اس کے غیر وقت میں پڑھا ہو مگر دو نمازیں مغرب اور عشا کی کہ جمع کیا ہے ان کو مزدلفے میں اور احادیث میں جمع کرنا ظہر اور عصر کو عرفات میں بھی آیا ہے اور یہ جمع کرنا بسبب ارکان حج کے تھا نہ بسبب سفر کے کہ ترمذی نے روایت کی ہے کہ لوگوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ آیا عبداللہ نے کسی شب جمع کیا ہے سفر میں کہا نہیں مگر مزدلفے میں اور احادیث جمع تقدیم کے صحاح میں بہت کم ہیں اور روایت میں بخاری کی اختلاف ہے اسی واسطے بہت ائمہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

پس نہ رہی مگر جمع تاخیر بعض وقت میں اور تاویل اس کی یہ ہے کہ مراد جمع بین الصلوتین سے تاخیر کرنا اول نماز کا اور ادا کرنا اس کے آخر وقت میں اور جلدی کرنا دوسری نماز کا اور ادا کرنا اس کے اول وقت میں اور بعضوں نے اس کا جمع صوری نام رکھا ہے اس لیے کہ صورۃ جمع ہے حقیقۃ نہیں، اور جمع کا اطلاق ایسی صورت پر جو کہ حنفیہ نے سفر میں ذکر کیا ہے باب استحاضہ میں حمنہ بنت جحش کی حدیث میں بھی آیا ہے اگرچہ لفظ حدیث بعض روایات میں یہ ہے کہ وقت عصر میں پڑھتے تھے مگر یہ محمول اسی صورت پر ہے بوجہ ان دلائل کے جو مذکور ہوئے اور بعض روایات میں تخفیف اور دفع حرج جو آیا ہے کہ جمع کرتے تھے تاکہ اپنی امت کو حرج میں نہ ڈالیں اس وجہ سے ہے کہ اس میں وسعت ہے کہ اگر کسی کو فراغت اور رفاہیت اول وقت میں ہو تو اول وقت پڑھے

لے ورنہ تاخیر کرے اور اخیر وقت میں ادا کرے تاکہ اول وقت دوسری نماز کا متصل ہو جائے اور تخفیف اور وسعت اس طریقے کی جاری کرنے میں ظاہر ہے۔

اور امام محمد اپنی موطا میں کہتے ہیں کہ ہم کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پہونچا ہے کہ انہوں نے مغرب کی نماز قبل غروب شفق ادا کی برخلاف روایت امام مالک کے کہ کہا انہوں نے یہاں تک کہ غائب ہوئی شفق اور جامع الاصول میں ابوداؤد کی روایت نافع اور عبداللہ بن واقد سے آئی ہے کہ کہا موذن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کو فرمایا چل ما قبل غروب شفق تک پس اترے اور نماز مغرب پڑھی پھر انتظار کیا یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی پھر عشا پڑھی پھر کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کسی کام کی جلدی ہوتی تو کرتے جیسا کہ میں نے کیا ہے یہ جو مذکور ہوا جمع بین الصلوتین مسافر کے واسطے تھا لیکن مقیم کے واسطے پس ترمذی کہتے ہیں کہ بعض تابعین جمع بین الصلوتین مریض کے واسطے بھی کہتے ہیں اور بعض بارش میں جمع کرنے کی طرف گئے ہیں اور ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ کہا ابن عباس نے " مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ أَتَى بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ "(۱) یعنی جس شخص نے جمع کیا درمیان دو نمازوں کے بغیر عذر کے پس تحقیق آیا وہ دروازے پر گناہ کبیرہ کے دروازوں میں سے اور عمل اسی پر ہے نزدیک جمہور امت کے کہ جمع نہ کیا جائے درمیان دو نمازوں کے مگر سفر میں یا عرفہ میں انتہی کلام الترمذی

اور مسلم طرق متعددہ سے ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جمع کیا درمیان ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا کے مدینہ شریف میں بلا خوف کے اور بغیر بارش کے اور ایک روایت میں ہے بے خوف کے سفر میں دریافت کیا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ کیوں ایسا کیا؟ کہا تاکہ مشقت اور تنگی میں امت آپ کی نہ ہو اور ترمذی بھی ابن عباس سے جامع ترمذی میں اس حدیث کو لائے ہیں۔

اور امام نووی نے ترمذی سے نقل کیا ہے کہ کہا انہوں نے کہ میری کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں کہ تمام امت نے اس کے ترک پر اجماع کر لیا ہو مگر حدیث جمع کی بلا خوف اور بارش کے اور حدیث شراب پینے والے کے قتل کی چوتھی مرتبہ اور نووی کہتے ہیں کہ یہ بات ترمذی کی حدیث قتل میں مسلم ہے اس واسطے کہ وہ منسوخ بالاجماع ہے اور عمل اس پر کل امت کا متروک ہے لیکن حدیث جمع بے خوف مطر کی سوا اس کے بعضے بوجہ عذر مرض کے قائل ہیں اور بعضے مثل ابن سیرین اور اشہب کے بجہت ضرورت کے بھی جمع کرنے کے قائل ہیں اس شخص کے واسطے کہ عادت نہ کر لے اسی واسطے عدم حرج کی علت مرض وغیرہ بیان کرتے ہیں انتہی۔

کلام النووی اور یہ حدیث بھی نزدیک حنفیہ کے اسی پر محمول ہے جو باب سفر میں بیان ہوئی باوجودیکہ انہوں نے کہا ہے کہ بعض ناقدین حدیث کو بعض احادیث مسلم میں کلام ہے اور شاید یہ حدیث اسی قبیل سے ہو واللہ تعالیٰ اعلم انتہی عبارۃ "شرح سفر السعادۃ"۔

۱..... ترمذي: ابواب الصلاة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين في الحضر، ح: ۱۸۸.

پس اس سے واضح ہوا کہ حنفیہ کا مسلک بہت باحتیاط ہے۔ حدیث بخاری اور مسلم ہی کی کافی تھی مگر بنظر احتیاط اور حدیثیں بھی لکھ دیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی رائے موافق قرآن اور حدیث کے ہے اگر اسی کا نام مخالفت ہے تو پھر موافقت مثل عنقا ہو جائے گی اور کہیں احادیث متعارض میں وجہ توفیق کی آپ سے بن نہ آئے گی جس طرح تطبیق احادیث میں حنفیہ دیتے ہیں دوسرے مذہب میں یہ بات نہیں بلکہ بعض احادیث کا ترک ضرور لازم آتا ہے اس تطبیق میں آدمی کی تسکین ہو جاتی ہے کہ عجب نہیں جو راوی سے تخمیناً یا مجازاً یہ صادر ہوا ہو ایسا اکثر جگہ ثابت ہے۔

قال: عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ ایک رکعت نماز وتر پڑھنی درست نہیں الخ اور ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز وتر کی تین ہی رکعت ہیں الخ اور بھی ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تین رکعت وتر پڑھے تو دو رکعت پڑھ کر سلام نہ پھیرے الخ اور عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ تین رکعت وتر میں دو رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھے اور سلام نہ پھیرے تیسری رکعت پڑھ کر سلام پھیرے الخ۔

کشف کید چہلم

نماز وتر کا بیان

اقول: وتر کی نسبت احادیث مختلف وارد ہوئے ہیں اور صحابہ اگرچہ اس میں مختلف رہے مگر تین رکعت وتر ایک سلام سے بہت سے احادیث اور آثار سے ثابت ہے۔

حاکم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے" قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ "(۱) یعنی کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے مگر ان کے آخر میں انتہی۔

اور نسائی میں ہے" قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسَلِّمُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْوِتْرِ "(۲) یعنی کہا عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سلام نہیں پھیرتے تھے وتر کی دو رکعتوں میں انتہی۔

اور حاکم نے روایت کی ہے" قِيْلَ لِلْحَسَنِ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْوِتْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ اَفْقَهَ مِنْهُ وَكَانَ يَنْهَضُ فِي الثَّانِيَةِ بِالتَّكْبِيْرِ "(۳) یعنی کہا گیا حسن بصری سے کہ ابن عمر دو رکعتوں میں وتر کی سلام

۱......المستدرك لمحمد بن عبد الله ابى عبد الله الحاكم النيسابوري، كتاب الوتر۔

......التحقيق : مصطفى عبد القادر عطا(دار الكتب العلمية، بيروت)

۲......نسائي: كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف الوتر بثلاث، ج: ۹، ۱۷۰۹۔

۳......المستدرك، كتاب الوتر۔

پھیرتے تھے فرمایا انہوں نے عمر بچشان سے زیادہ حدیث کہنے والے تھے وہ دوسری رکعت میں تکبیر کہہ کر کھڑے ہو جاتے تھے (یعنی سلام نہیں پھیرتے تھے) انتہی۔

وتر کی تین رکعتوں پر اجماع ہے

طحاوی اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان اور مستدرک میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھتے تھے اول رکعت میں ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾(۱) اور دوسری میں ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور تیسری میں ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ اور معوذتین پڑھتے تھے پس اول رکعت کو بتر سے کہنا ایسا ہی تیسری رکعت کو اس کا مقتضی ہے کہ تین رکعت وتر ہیں ورنہ یوں آتا کہ وتر کی رکعت میں قل ہو اللہ پڑھتے تھے۔

اور علامہ ابن حجر نے "بلوغ المرام" میں یہی صورت ابی بن کعب سے مرفوعاً روایت کر کے لکھا ہے" رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ وَلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ وَلِاَبِيْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهٗ عَنْ عَائِشَةَ "(۲) یعنی روایت کیا اس کو امام احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے اور زیادہ کیا کہ نہیں سلام پھیرتے مگر ان کے آخر میں اور ابی داؤد اور ترمذی کی روایت میں مانند اس کے ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے انتہی۔

۱......طحاوی، باب الوتر۔

......ابوداؤد کتاب الصلاۃ، باب ما یقرأ فی الوتر، ح: ۱۴۲۳، ۱۴۲۴۔

......ترمذی: ابواب الوتر، باب ما جاء ما یقرأ فی الوتر، ح: ۴۶۲۔

......نسائی کتاب قیام اللیل وتطوع النهار۔

......و باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر ابی بن کعب فی الوتر، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲۔

......وباب ذکر الاختلاف علی شعبة فیه ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷۔

......وباب ذکر الاختلاف علی مالك بن مغول فیه ۱۷۴۸، ۱۷۵۰۔

......وباب ذکر الاختلاف علی شعبة عن قتادة فی هذا الحدیث: ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵۔

......وباب التسبیح بعد الفراغ من الوتر وذکر الاختلاف علی سفیان فیه: ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵۔

......ابن ماجه: کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها، باب ما جاء فیما یقرأ فی الوتر، ح: ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳۔

......صحیح ابن حبان: باب الوتر۔

......المستدرك: تفسیر سورة سبح اسم ربك الاعلی۔

۲......بلوغ المرام من ادلة الاحکام لابن حجر، کتاب الصلاة، باب صلاة التطوع التصحیح

......والتعلیق: محمد حامد الفقی من علماء الازهر، القاهرة۔

اور موطا میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی آیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو مرہ نے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کس طور سے پڑھتے تھے کہا راوی نے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ جواب نہ دیا پھر اس نے سوال کیا پھر خاموش رہے پھر اس نے دریافت کیا فرمایا اگر کہے تو اپنا فعل بتادوں میں کیسے پڑھتا ہوں جب میں عشا کی نماز پڑھ لیتا ہوں اس کے بعد پانچ رکعتیں پڑھتا ہوں پھر سو جاتا ہوں پس اگر رات کو اٹھا تو دو رکعت پڑھ لیتا ہوں اور اگر صبح ہو گئی تو وتر میرے ہو گئے انتہی۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر کی پڑھتے تھے اور دوسری موطا میں ہے "عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ قَالَ مَا اُحِبُّ اَنِّیْ تَرَکْتُ الْوِتْرَ بِثَلٰثٍ وَاِنَّ لِیْ حُمْرَ النَّعَمِ "(۱) یعنی عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے نہیں پسند کرتا ہوں میں کہ تین رکعت وتر کی چھوڑ دوں اور میرے لیے سرخ اونٹ بعوض اس کے ہوں انتہی۔

اور تیسری حدیث موطا میں ہے "عَنْ عُبَیْدَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اَلْوِتْرُ ثَلٰثٌ کَثَلَاثِ الْمَغْرِبِ "(۲) یعنی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود نے وتر تین رکعت ہیں مثل تین رکعت مغرب کے انتہی۔

اور چوتھی حدیث موطا میں یہ ہے "عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْوِتْرُ كَصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ "(۳) یعنی عطا بن یسار سے روایت ہے کہ فرمایا ابن عباس نے کہ وتر مثل نماز مغرب کے ہے انتہی۔

اور پانچویں حدیث موطا میں یہ ہے "عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا اَجْزَأَتْ رَكْعَةٌ وَاحِدَةٌ قَطُّ "(۴) یعنی ابن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے نہیں کفایت کرے گی ایک رکعت ہرگز انتہی۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "حَدَّثَنَا حَفْصٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَنَّ الْوِتْرَ ثَلٰثٌ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ "(۵) یعنی حسن بصری سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے اجماع کیا ہے تمام مسلمانوں نے اس امر پر کہ وتر تین رکعتیں ہیں اور سلام پھیرا جاوے مگر ان کے آخر میں۔

اور طحاوی میں ہے کہ ساتوں فقیہ یعنی سعید بن المسیب اور عروہ بن الزبیر اور قاسم بن محمد اور ابو بکر بن عبد الرحمن اور خارجہ بن زید اور عبید اللہ بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار اور سوا ان کے بڑے بڑے فقیہ اور صالح سب کا یہی مذہب ہے کہ وتر کی تین رکعت ہیں اور سلام فقط ان کی اخیر رکعت میں ہے انتہی ملخصاً۔

۱......مؤطا :باب السلام في الوتر۔

۲......مؤطا : باب السلام في الوتر۔

۳......مؤطا : باب السلام في الوتر۔

۴......مؤطا : باب السلام في الوتر۔

۵......مصنف ابن ابي شيبة لابي بكر بن محمد بن ابي شيبة الكوفي : باب من كان يوتر بثلاث او اكثر۔

......التحقيق كمال يوسف الحوت : (مكتبة الرشد - الرياض)۔

اور فتح القدیر میں ہے کہ قول آنحضرت ﷺ کا نماز شب کی دو دو رکعت ہیں پس اگر ڈر ہو صبح کا تو ایک رکعت نماز پڑھے وہ رکعت وتر کردے گی اس نماز کو کہ پہلے پڑھ چکا ہے اس قول میں یہ دلالت نہیں کہ وتر ایک رکعت علیحدہ تکبیر سے چاہیے تاکہ اس کے جواب دینے کی ضرورت ہو کیونکہ اس میں ان امور میں سے ہر امر کا احتمال ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ وقت خوف صبح کے ایک رکعت متصل پڑھ لے لیکن یہ حدیثیں ان صریح حدیثوں کے کہاں مقابل ہیں جو ہم بیان کر چکے اور سوا ان کے اور بہت حدیثیں ہیں کہ بوجہ طول کے ہم نے ترک کردیں حالانکہ اکثر صحابہ تین ہی رکعت کے قائل ہیں امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابو خالد سے ہم کو حدیث پہونچی کہ کہا انہوں نے میں نے ابوالعالیہ سے وتر کو دریافت کیا انہوں نے کہا ہم کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے تعلیم کی ہے کہ وتر مثل نماز مغرب کے ہے یہ وتر شب کے اور وہ دن کے۔ اور دوسری حدیث ثابت سے ہم کو پہونچی کہ انس بن نے ہم کو نماز پڑھائی تین رکعت کہ میں داہنی جانب تھا اور ام ولد ان کی پیچھے ہمارے تھی کہ نہ سلام پھیرا مگر آخر رکعت میں انتہی۔

مختصراً ان احادیث و آثار سے معلوم ہو گیا کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں زیادہ اور کم نہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دو رکعتوں میں وتر کی سلام پھیرنا نہیں چاہیے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دو رکعتوں میں فقط تشہد کے واسطے بیٹھنا چاہیے غرض کہ تین رکعت وتر کے اس قدر کثرت سے روایات ہیں کہ اگر اختصار منظور نہ ہوتا تو اس کی تفصیل میں ایک دفتر ہو جاتا۔

در بند آں مباش کہ مضمون نماندہ است | صد سال می تواں سخن زلف یار گفت۔(۱)

قال: عینی شرح ہدایہ میں محیط سے نقل کر کے لکھا ہے کہ وتر بیٹھ کر پڑھنے بھی اور سواری پر پڑھنے بھی جائز نہیں ہے الخ۔

کشف کید جہل وکیم

سواری پر یا بیٹھ کے وتر کی نماز پڑھنا جائز نہیں

اقول: طحاوی میں اسناد صحیح سے روایت ہے " عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَيُوتِرُ بِالْاَرْضِ وَيَزْعَمُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَفْعَلُ كَذٰلِكَ "(۲) یعنی نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نماز سواری پر پڑھتے تھے اور وتر زمین پر اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے انتہی۔

اور عقود الجواہر میں ہے " اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهُ صَحِبَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ؓ مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يُوْمِيْ اِيْمَاءً اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ وَالْوِتْرَ فَاِنَّهُ كَانَ يَنْزِلُ لَهُمَا "(۳) یعنی مجاہد سے روایت

۱..... اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اب کوئی موضوع سخن باقی نہیں کیونکہ محبوب کی زلف کے بیان کے لیے ہی سو سال لگ جائیں گے۔ت

۲..... طحاوی: باب الوتر هل يصلي في السفر على راحلة ام لا۔

۳..... عقود الجواهر: كتاب الصلوة، بيان خبر الدال على ان الوتر لايصلي على الراحلة، ص: ۸۷۔

ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکے سے مدینے تک رہے نماز پڑھتے تھے اپنی سواری پر اشارے سے مگر فرض اور وتر پس تحقیق ان دونوں کے واسطے نیچے اترتے تھے انتہی۔

پس تطبیق دونوں حدیثوں میں یوں کی جائے گی کہ آنحضرت ﷺ نے کسی عذر کی وجہ سے مثل کیچڑ پانی وغیرہ کے سواری پر وتر پڑھی ہو کیونکہ واقعہ حال ہے عام نہیں پانی کیچڑ کے عذر میں تو فرض نماز بھی سواری پر جائز ہے یا قبل ورود تاکید کے پڑھی ہو اس لیے کہ وتر بعد نماز تہجد کے واجب ہوئی ہے پس دونوں حدیثوں میں تناقض نہ ہوگا۔

اور علامہ طحاوی نے بعد تفصیل احادیث کے ''شرح معانی الآثار'' میں لکھا ہے'' فَمِنْ هٰذِهِ الْجِهَةِ عِنْدِيْ ثَبَتَ نَسْخُ الْوِتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ '' یعنی اسی وجہ سے میرے نزدیک سواری پر وتر کا پڑھنا منسوخ ہو گیا انتہی۔

قال : ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آٹھ رکعت نماز نفل اگر ایک سلام سے کوئی پڑھے تو جائز ہے لیکن اگر آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھے تو جائز نہیں اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ مسلم میں روایت ہے سعد بن ہشام سے الخ۔

کشف کید چہل و دوم

ایک سلام سے آٹھ رکعت یا زیادہ پڑھنے کی تحقیق

اقول: امام صاحب کے نزدیک تو آٹھ تک بھی مکروہ نہیں مگر امام شافعی کے نزدیک اس قدر بھی مکروہ ہیں اور حدیث میں مسلم کی جو آیا ہے وہاں اور صورت ہے یہ صورت نہیں کیوں کہ امام صاحب کے نزدیک ہر دو رکعت میں واسطے تشہد کے بیٹھنا بھی ضرور ہے اور حدیث میں وہ صورت ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ مطلقاً نہیں بیٹھے آٹھویں رکعت میں بیٹھے تھے پس اس مسئلے کو مخالف کہنا حالانکہ اس میں دوسری صورت ہے محض بیجا ہے علاوہ اس کے ''برہان شرح مواہب الرحمٰن'' میں لکھا ہے'' إِنَّ اِتِّفَاقَ الْاَئِمَّةِ عَلَى الْقُعُوْدِ عَلٰى كُلِّ شَفْعٍ لِمَا رَوَيْنَا دَلِيْلٌ عَلٰى اِنْتِسَاخِهٖ اَوْ اَنَّهٗ مِنْ خَصَائِصِهٖ '' یعنی تحقیق اتفاق کرنا سب اماموں کا اوپر بیٹھنے کے ہر دو رکعتوں میں بسبب اس کے جس کو روایت کیا ہم نے دلیل ہے منسوخ ہونے اس کے کی یا یہ کہ وہ خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کی ہے انتہی۔

چونکہ اعداد رکعات میں اختلاف کثیر ہے اور ہر ایک نے جو اس کے نزدیک قوی ہے اس پر عمل کیا اس لیے امام اعظم کے نزدیک افضل چار رکعت موافق حدیث صحیحین کے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو رکعت ہیں اور صاحبین کے نزدیک رات میں دو اور دن میں چار ہیں اور سب کے استدلالات احادیث سے موجود ہیں خود احادیث اس میں مختلف آئے ہیں اور وجہ اختلاف امام نووی نے شرح مسلم میں یہ لکھی ہے کہ بعضے کہتے ہیں کہ یہ اختلاف خود عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا ہے اور بعضوں نے کہا ہے راویوں سے یہ اختلاف ہو گیا ہے پس احتمال ہے کہ گیارہ رکعت تو اغلب ہوں اور باقی روایات عائشہ رضی

اللہ عنہا کے نادرا بھی واقع ہوئے ہوں انتہی۔

اسی اختلاف کی وجہ سے ائمہ کو ترجیح دینے کی ضرورت پڑی اور مسلم کی روایت کو کہ اس میں آٹھ رکعت بلا قعدہ کے ہیں منسوخ یا خاصہ ہونے پر محمول کرنا پڑا اور محیط میں لکھا ہے" وَالْاَصَحُّ اَنَّ الزِّیَادَةَ لَا تُکْرَهُ لِمَا فِیْهَا مِنْ وَصْلِ الْعِبَادَةِ وَهُوَ اَفْضَلُ "یعنی صحیح تر یہ ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ مکروہ نہیں اس لیے کہ اس میں اتصال عبادت ہے اور وہ بہتر ہے انتہی۔

قال: شرح وقایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سوائے نماز وتر کے اور نمازوں میں دعائے قنوت پڑھنی جائز نہیں۔ الخ۔

کشف کید چہل وسوم
نماز فجر میں قنوت پڑھنے کا بیان

اقول: احادیث میں دونوں صورتیں وارد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھا ہے اور نہیں بھی پڑھا ہے پس جو حدیثیں اس قسم کی ہیں کہ جن میں تصریح اس امر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت پڑھا تھا یا وقت صدور حادثہ کے پڑھتے تھے وہ ان احادیث کی مفسر ہو جائیں گی پس معلوم ہوا کہ جن احادیث سے قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ وقت حدوث حوادث کے پڑھتے تھے اور جن میں قنوت کی نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بلا حدوث کسی امر کے نہیں پڑھتے تھے اور یہی مذہب حنفیہ کا ہے" عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ یَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْفَجْرِ قَطُّ اِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لِاَنَّهٗ حَارَبَ حَیًّا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَقَنَتَ یَدْعُوْ عَلَیْهِمْ "یعنی نہیں قنوت پڑھا رسول اللہ ﷺ نے فجر میں ہرگز مگر ایک ماہ اس لیے کہ آپ ایک قبیلہ مشرکین سے محارب تھے قنوت پڑھتے تھے ان پر بددعا کرتے تھے انتہی۔

کہا علامہ ابن ہمام نے ھٰذَا الْحَدِیْثُ لَا غُبَارَ عَلَیْهِ اس حدیث میں کچھ غبار نہیں (یعنی صحیح الاسناد ہے)۔

اور مسلم میں ہے" عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَاَلْتُهٗ عَنِ الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ اَوْ بَعْدَ الرُّکُوْعِ فَقَالَ قَبْلَ الرُّکُوْعِ قَالَ قُلْتُ فَاِنَّ نَاسًا یَزْعُمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَنَتَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ فَقَالَ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَهْرًا یَدْعُوْ عَلٰی اُنَاسٍ قَتَلُوْا اُنَاسًا مِنْ اَصْحَابِهٖ یُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ "یعنی انس رضی اللہ عنہ سے میں نے دریافت کیا کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد رکوع کے؟ فرمایا کہ پہلے رکوع کے میں نے کہا آدمی گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد رکوع کے قنوت پڑھا ہے فرمایا نہیں قنوت پڑھا ہے رسول اللہ ﷺ نے مگر ایک مہینہ (یعنی رکوع کے بعد) بددعا کرتے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کے صحابہ میں سے ان لوگوں کو قتل کیا تھا جن کو قاری کہتے تھے انتہی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قنوت قبل رکوع کے تھا اور عاصم بن سلیمان سے روایت ہے کہ ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک قوم

کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے فرمایا جھوٹ کہتے ہیں نہیں قنوت پڑھا رسول اللہ ﷺ نے مگر ایک ماہ بددعا کرتے تھے قبیلوں پر مشرکین کے انتہی۔

اور کتاب القنوت میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہیں قنوت پڑھتے تھے مگر جس وقت کسی کے واسطے دعا کرتے یا کسی پر بددعا فرماتے انتہی۔

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ سند اس حدیث کی صحیح ہے اسی وجہ سے انس رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے چنانچہ طبرانی نے غالب بن فرقد سے روایت کی ہے کہ میں انس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دو مہینے تک رہا پس صبح کی نماز میں انہوں نے قنوت نہ پڑھا اور ابن حبان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہیں قنوت پڑھتے تھے فجر میں مگر جب کہ دعا کریں یا بددعا انتہی۔

اور اس حدیث کی بھی سند صحیح ہے اور امام احمد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور طحاوی نے ابو مالک سعد بن طارق سے روایت کی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا انہوں نے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھا اور عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھا اور علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھا پھر فرمایا بیٹا تحقیق یہ بدعت ہے انتہی۔

اور صحیح کہا اس حدیث کو ابن حبان نے اور کہا حافظ نے سند اس حدیث کی اوپر شرط مسلم کے ہے انتہی۔

اور ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود اور ابن عمر اور ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ وہ صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے انتہی۔

اور امام محمد نے "کتاب الآثار" میں اسود بن یزید سے روایت کی ہے کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر اور حضر میں دو برس تک رہا پس نہ دیکھا میں نے ان کو قنوت پڑھتے فجر میں انتہی۔

اور ابن ابی شیبہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب انہوں نے فجر میں قنوت پڑھا تو لوگوں نے ان پر انکار کیا پس فرمایا کہ ہم نے اپنے عدو پر مدد چاہی تھی انتہی۔

اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ امر آدمیوں کو منکر معلوم ہوا اور آدمی یا تو صحابہ تھے یا تابعین پس معلوم ہوا کہ ابوداؤد اور ترمذی اور مسلم میں جو روایت ہے وہ اس وقت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کسی کے واسطے دعا یا بددعا کرتے تھے کیونکہ ایسی صریح حدیثیں نہایت صحیح اس کی تفسیر واقع ہوئی ہیں علی ہذا القیاس ابوداؤد میں جو انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قنوت پڑھا ہے اور بعد رکوع کے پڑھا ہے وہ اسی پر محمول ہے کہ ایک مہینہ یا بوقت ضرورت ایسا واقع ہوا کیونکہ انس رضی اللہ عنہ سے خود مسلم کی حدیث میں ثابت ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد رکوع قنوت فقط ایک مہینا پڑھا تھا اور یہ بھی ان سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ قنوت نہیں پڑھتے تھے اور خود انس رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں پڑھا پس امام صاحب تو حدیث کے موافق رہے مگر معترض صاحب

مخالف ہوگئے۔ ع

تم ہم کو ہی کہتے ہو کچھ اپنی بھی خبر ہے؟

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری اور ابوداؤد میں روایت ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے الخ۔

کشف کید چہل و چہارم

نماز جمعہ کا بیان

نماز جمعہ گاؤں میں واجب نہیں

اقول: ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا انہوں نے نہیں جمعہ ہے اور نہ تکبیر تشریق اور نہ نماز عید الفطر کی اور نہ نماز عید الاضحیٰ کی مگر شہر جامع میں یا بڑے شہر میں انتہی۔

اور ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور دوسری حدیث عبد الرزاق نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا انہوں نے نہیں تشریق ہے اور نہ جمعہ ہے مگر شہر جامع میں اور امام ابو یوسف نے اس حدیث کو املا میں مسند اور مرفوع ذکر کیا ہے اگر یہ حدیث ان کے نزدیک مرفوع ثابت نہ ہوتی تو اس کو مسند اور مرفوع نہ کہتے اور بھی اس کو علامہ عینی نے شرح ہدایہ کی کتاب الجمعہ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام حدیث ہیں حجۃ ہیں اگر ثبوت اس کے رفع کا نہ ہوتا تو مرفوع ذکر نہ کرتے اور علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ اقتدا علی رضی اللہ عنہ کی کفایت کرتی ہے اور علامہ زیلعی نے تبیین الحقائق میں ذکر کیا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ نہیں بلکہ شہر والوں پر ہے مثل مدائن کے اور اس وجہ سے کہ مدینہ شریف کے بہت گاؤں تھے اور کوئی روایت نہیں آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جمعہ کا حکم دیا ہو اگر واجب ہوتا تو ان کو حکم فرماتے، اور ہم کو شہرت اس کی معلوم ہو جاتی۔

جواثی گاؤں نہ تھا بلکہ بحرین کا ایک قلعہ تھا

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حجت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ "جواثی" بحرین کے قلعے کا نام ہے چنانچہ اس کو جوہری اور ابن اثیر نے ذکر کیا ہے اور صاحب مبسوط نے کہا ہے کہ "جواثی" شہر ہے اور شہر کو قریہ بولتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿لَوْلَا أُنزِلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ (یعنی کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن اوپر ایک بڑے شخص کے دونوں قریوں میں سے ایک بڑے شخص پر؟) اور دو مکہ اور طائف ہے انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ جواثی شہر کا نام ہے لفظ قریہ کا اس پر اطلاق کیا ہے چنانچہ قرآن شریف میں مکہ کو قریہ فرمایا ہے ایسا اطلاق بیشتر بہت تھا اور ابو عبید بکری نے بھی کہا ہے کہ جواثی بحرین کے شہر کا نام ہے اور زمخشری نے نام قلعہ کا کہا ہے اور ظاہر ہے کہ قلعہ حاکم

اور عالم سے خالی نہیں ہوتا ہے علاوہ اس کے ابن عباس رضی اللہ عنہما فقط یہی فرماتے ہیں کہ جواثی میں جمعہ ہوا اس میں یہ مذکور نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس پر اطلاع ہوگئی تھی اور ان کو جمعہ پر قائم رکھا تھا علاوہ اس کے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے علی رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح ہے پھر یہ حدیث مرفوع بھی آئی ہے اور موقوف کو بھی حکم مرفوع کا حکم ہے کیونکہ یہ قیاس سے نہیں معلوم ہوتا یہی وجہ ہے کہ صحابہ سے اس امر کی کوئی روایت نہیں کہ انہوں نے شہروں کے فتح کرنے کے وقت گاؤں میں منبر رکھوائے ہوں اور جمعہ کا حکم دیا ہو بلکہ شہر کے جمعہ کا فقط انتظام کرتے تھے۔

پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کا ارشاد بہت ٹھیک اور موافق حدیث کے ہے کسی طرح خلاف نہیں اگر ہے تو معترض صاحب کی طبیعت میں ان کی طرف سے خلاف ہے ہوا کرے ہم کو اس سے کیا مطلب؟ ہمارا مسلک تو امام صاحب کی نسبت کیا بلکہ جمیع ائمہ مجتہدین ومحدثین محققین کے ساتھ حسن ظن ہے کہ بیشک کسی نے مخالفت حکم شرعی کی نہیں کی اور یہ جو اختلاف فروع احکام شرعی میں ہوگیا سو اس امت مرحومہ کے واسطے وسعت رحمت ہے اور شارع کی طرف سے اس میں بہت بڑی مصلحت ہے سب کا ماخذ قرآن وحدیث سے نکلتا ہے ولکل وجهة لیکن ظاہر یہ اس سے بے بہرہ ہیں بے سمجھے بوجھے ہر کسی کو مخالف حدیث کہہ دینا ان کی خو ہے اور بزرگان دین کو برا کہنا ان کی گفتگو ہے یہ نہیں سمجھتے کہ۔

بر بلنداں سخن بسوی خودست   تف بسوی فلک بردے خودست (۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی سنت نہیں ہے۔ الخ اور بھی ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز استسقاء میں چادر پلٹ کر اوڑھنی امام کو بھی اور قوم کو بھی سنت نہیں الخ اور بھی ہدایہ وغیرہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ استسقاء میں خطبہ نہیں الخ۔

کشف کید چہل و پنجم

نماز استسقاء کا بیان

استسقاء دعاء واستغفار ہے

اقول: فتح المنان میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک استسقاء دعا اور استغفار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ یعنی طلب مغفرت کرو اپنے پروردگار سے وہ بخشنے والا ہے بھیجتا ہے ابر کو تم پر برسنے والا''۔

علاوہ اس کے اکثر حدیثوں میں طریقے استسقاء کے مرقوم ہیں ان میں نماز نہیں ہے مگر ایک صورت میں فقط نماز ثابت ہے اور وہ

۱......بزرگوں کی برائی خود اپنی برائی ہے آسمان کا تھوکا خود اپنے ہی چہرے پر آتا ہے۔ت۔

حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے اور نماز پڑھی اور خطبہ پڑھا اور یہ حدیث مع اپنے تمام خصوصیات کے حد صحت کو نہیں پہونچی یا خاص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے اور سنت وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیشگی کی ہو مگر کبھی ترک بھی کردیا ہو اور یہاں نماز کا نہ پڑھنا زیادہ ہے فقط نماز تو ایک دفعہ پڑھی ہے اور یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ عمر نے استسقاء کیا اور فقط دعا مانگی اور استغفار کیا اور نماز نہیں پڑھی اگر نماز مسنون ہوتی تو عمر رضی اللہ عنہ ترک نہ کرتے حالانکہ یہ امر صحابہ کے روبرو کیا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کا نہ جاننا باوجود عموم بلوی کے اور قرب زمانہ رسالت پناہ ﷺ کے بعید ہے اور پھر صحابہ کا تنبیہ نہ کرنا نہایت مستبعد ہے اور امام صاحب کی مراد اس قول سے کہ استسقاء میں جماعت نہیں یہ ہے کہ جماعت مع دوسری خصوصیات کے مسنون نہیں ورنہ اگر ہر شخص نماز پڑھے گا بطور نفل کے اور دعا اور استغفار کرے گا تو جائز ہے بلکہ مستحسن ہے اور احادیث جو استسقاء میں مروی ہیں اضطراب سے خالی نہیں اور اکثر طرق جن میں خصوصیات اور کیفیات مذکور ہیں خالی از ضعف نہیں پس امام صاحب نے اس کا خلاصہ اور مقصود اصلی جو دعا اور استغفار ہے اخذ کرلیا ہے اور نماز کو سوائے جماعت و خطبہ جائز رکھا ہے بوجہ اخذ ان کے امر متیقن کو اور فتوی نزدیک حنفیہ کے صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ حضور ﷺ کے فعل سے خطبہ اور جماعت ثابت ہے اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی انتہی۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ چادر پلٹنا آنحضرت ﷺ کا بطور نیک فال کے تھا چنانچہ اس کی تصریح مستدرک میں جابر کی روایت سے آئی ہے اور وہ صحیح حدیث ہے فرمایا انہوں نے کہ رسول اللہ ﷺ نے چادر اس لیے قلب کی تاکہ قحط سالی منقلب ہوجائے اور "مطولات طبرانی" میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے چادر کو پلٹا تاکہ قحط سالی بدل کر ارزانی ہو جائے اور مسند اسحق میں ہے کہ چادر کا قلب اس وجہ سے تھا کہ سختی آسانی کی طرف منقلب ہوجائے اور کتب اربعہ سے جو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے وارد ہے اگر وہ خطبے پر دلالت نہ کرے تو کوئی اشکال نہیں ورنہ ترمذی نے تو صحیح کہا ہے مگر حاکم نے اس پر سکوت کیا ہے اور سکوت ان کا ضعف پر اس حدیث کے دلالت کرتا ہے اور حافظ منذری نے اس کو مرسل کہا ہے اور مسند امام احمد نے جو روایت آنحضرت ﷺ سے آئی کہ استسقا کے واسطے تشریف لائے پس نماز قبل خطبے کے شروع کی اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے خطبے کو استسقا میں مسنون نہیں کہا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک ضعیف ہے اور تو نے معلوم کرلیا ہے کہ حدیث کا ضعیف ہونا اس پر موقوف نہیں کہ بعض راوی اس کے ضعیف ہوا کریں بلکہ علتیں ضعف حدیث کی اور بہت ہیں انتہی۔

مختصر اخلاصہ تحریرات یہ ہے کہ امام صاحب طریقہ مسنون ہونے کا انکار کرتے ہیں اور فی الواقع جب طریقہ مسنون کے یہ معنی ہوں گے کہ اکثری ہو تو بیشک استسقا میں اکثر تو دعا اور استغفار فقط احادیث میں وارد ہے ورنہ عمر رضی اللہ عنہ اگر یہ طریقہ اکثری ہوتا تو ہرگز ترک نہ کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور متنبہ کردیتے پس ترجیح دینا دعا اور استغفار کا اور نماز نہ پڑھنا عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کا سکوت کرنا اس پر دال ہے کہ طریقہ مسنون یہی ہے وہ نہیں گو فقط جواز اس کا رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہوگیا ہے وضو میں بھی تو آخر ایک ایک بار اور دو دو بار دھونا فعل آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے مگر مسنون وہی ہے جو اکثر تین تین بار اعضا کو

دعویٰ ہے پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کی جو غرض ہے وہ حدیث کے مطلق مخالف نہیں حاشا وکلا! پھر بایں ہمہ چونکہ حنفیہ کو ثابت ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ اور جماعت کے ساتھ پڑھی کو ایک بار سہی اس لیے صاحبین کے مذہب پر فتویٰ ہے اور جب حنفیہ نماز استسقاء پڑھتے ہیں تو جماعت اور خطبہ اور قلب رداء کرتے ہیں مگر یوں کہنا کہ خلاف نے مجتہد نے خلاف کیا محض خطا ہے اگر اختلاف ماخذ نہ ہوتا تو بیشک اختلاف ائمہ نہ ہوتا اور اختلاف ماخذ بوجہ وسعت شفقت کے رکھا گیا ہے ورنہ شارع سے رفع اختلاف کی تدبیر ممکن تھی اور اس اختلاف میں بندوں کے واسطے بڑی بڑی مصلحتیں ہیں۔

دم مزن در احکام شریعت حرفی از راہ خطا   ہر چہ در داد شارع ہمہ خیر است وصواب (۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سورج گہن کی نماز میں ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے الخ اور بھی ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز گہن میں خطبہ نہیں ہے الخ اور شرح وقایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ گہن کی نماز میں قرأت آہستہ پڑھنی چاہیے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے بخاری اور مسلم کے الخ

کشف کید چہل وششم

گہن کی نماز کا بیان

تحقیق حدیث نماز کسوف

اقول: فتح المنان میں لکھا ہے "وَالشَّيْخُ ابْنُ الْهُمَامِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَوْرَدَ اَحَادِيْثَ بِرِوَايَاتٍ مُتَعَدِّدَةٍ صَحِيْحَةٍ وَحَسَنَةٍ وَمُثْبِتَةٍ لِمَذْهَبِ الْحَنَفِيَّةِ وَتَكَلَّمَ عَلٰى اَحَادِيْثِ تَعَدُّدِ رُكُوْعٍ بِاَنَّهَا اضْطَرَبَ فِيْهَا الرُّوَاةُ فَاِنَّ مِنْهُمْ مَنْ رَوٰى رُكُوْعَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَوٰى ثَلٰثَةَ رُكُوْعَاتٍ فَوَجَبَ اَنْ يُصَلّٰى عَلَى الْمَعْهُوْدِ وَهُوَ الْمُوَافِقُ لِرِوَايَاتِ الْاِطْلَاقِ نَحْوَ قَوْلِهٖ صلى الله عليه وسلم فَاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَصَلُّوْا" (۲) یعنی شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ احادیث روایات متعددہ سے لائے ہیں جو صحیح اور حسن اور ثابت کرنے والے مذہب حنفیہ کے ہیں اور کلام کیا ہے انہوں نے تعدد رکوع کی حدیثوں میں بایں طور کہ ان میں راوی مضطرب ہیں کیونکہ بعضے دو رکوع کی روایت کرتے ہیں اور بعضے تین رکوع کی پس واجب ہوا کہ نماز بطور معمول پڑھی جائے اور وہ روایات مطلقہ کے موافق ہے مثل قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پس جب کہ ایسا ہو پس نماز پڑھو انتہی۔

اور تبیین الحقائق میں ہے کہ ہماری حجت وہ حدیث ہے جو ابوداؤد میں قبیصہ رضی اللہ عنہ سے ساتھ اسناد صحیح کے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی دو رکعتیں سورج گہن کی الحدیث۔

۱۔۔۔۔ غلطی سے بھی احکام شرعیہ میں دخل نہ دیں کیونکہ شارع علیہ السلام کی جانب سے جو کچھ بھی ہے درست ہے اور اچھا ہے۔

۲۔۔۔۔ فتح المنان۔

اور روایت کیا ہے دو رکعتوں کو ایک جماعت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان میں سے عبداللہ بن عمر اور سمرہ بن جندب اور ابو بکرہ اور نعمان بن بشیر ہیں اور اس حدیث کو اخذ کرنا اولی ہے کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا ہے اور امر فعل پر مقدم ہوتا ہے اور بوجہ کثرت رواۃ کے اور صحت احادیث کے اور موافق ہونے اس کے طریقہ معہودہ کو اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس ؓ سے ان لوگوں کی حجت قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ مذہب ان دونوں کا بر خلاف اس کے ہے اور جب مذہب راوی کا خلاف اس کے ہو جس کو روایت کرتا ہے تو وہ روایت حجت نہیں ہوسکتی، علاوہ اس کے یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین رکوع کیے ایک رکعت میں اور چار رکوع کیے ایک رکعت میں اور پانچ رکوع کیے ایک رکعت میں اور چھ رکوع کیے ایک رکعت میں اور آٹھ رکوع کیے ایک رکعت میں اور اس روایت کو اخذ نہیں کرتے پس جو جواب دو رکوع سے زیادتی پر ہوگا، وہی جواب ایک رکوع کی زیادتی پر ہوگا اور ایک رکوع سے زیادہ روایت کی یہ وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طول رکوع بہت کیا تھا کیونکہ جنت اور نار پیش کی گئی تھی پس بوجہ دیر کے بعض شخص ملول ہوئے اور انہوں نے اپنے سر کو اٹھایا یا یہ گمان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا ہے پس انہوں نے بھی سر اٹھایا یا اپنے سر کو موافق عادت روزمرہ رکوع کے اٹھایا پس رسول اللہ ﷺ کو رکوع میں پایا پس رکوع کیا پس ایسا ہی دوسری بار اور تیسری بار کیا پس جو لوگ ان کے پیچھے تھے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اس گمان سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے پھر ہر ایک نے موافق اپنے گمان کے روایت کردی اور ایسا اشتباہ جو لوگ آخر صف میں ہوتے ہیں ان کو بھی ہو جاتا ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی صف میں تھیں اور ابن عباس لڑکوں کی صف میں تھے اور جو امر کہ اس تاویل پر دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ شریف میں سورج گہن کی ایک ہی مرتبہ نماز پڑھی ہے پس کل امور کا ایک مرتبہ میں ثابت ہونا محال ہے پس معلوم ہوا کہ راویوں سے بوجہ اشتباہ کے اختلاف ہوگیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سر اٹھاتے تھے تا کہ آفتاب کو دیکھیں کہ منجلی ہوا ہے یا نہیں پس بعضوں نے رکوع گمان کرلیا پس اس پر لفظ رکوع اطلاق کردیا پس ان احادیث کے جو ہم نے روایت کیے ہیں یہ حدیثیں باوجود ان احتمالات کے معارض نہ ہوں گی انتہی۔

اب وہ حدیث سنئے جس میں صریح فقط ایک رکوع کا ایک رکعت میں کرنا ثابت ہے ابوداؤد اور نسائی اور شمائل ترمذی میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گہن ہوا پس قیام کیا آپ نے بہت دیر تک پھر رکوع کیا بہت دیر تک پھر سر اٹھایا پھر کھڑے رہے بہت دیر تک پھر سجدہ کیا بہت دیر تک پھر سر اٹھایا اور بیٹھے رہے بہت دیر تک پھر سجدہ کیا بہت دیر تک پھر اٹھے پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا اور حاکم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر رکعت میں فقط ایک رکوع کیا۔

اور ابوداؤد اور نسائی میں سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی پس قیام کیا اور نمازوں سے بہت زیادہ کہ ہم آپ کی آواز نہیں سنتے تھے پھر رکوع کیا اطول رکوع کہ ہم کو کچھ آواز آپ کی نہیں آتی تھی پھر سجدہ کیا اور

سجدوں سے زیادہ کہ ہم آواز آپ کی نہیں سنتے تھے پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا انتھی۔

مختصراً اور بخاری میں ابوبکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گہن ہوا پس آنحضرت ﷺ چادر کھینچتے ہوئے نکلے یہاں تک کہ مسجد میں تشریف لائے اور آدمی بھی مسجد میں جمع ہوئے پس دو رکعتیں ان کو پڑھائیں پس آفتاب روشن ہو گیا پس فرمایا آفتاب اور چاند دو نشانی ہیں اللہ کی نشانیوں سے ڈراتا ہے اللہ ان سے اپنے بندوں کو پس جب ایسا ہو پس نماز پڑھو تم یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو جائے انتھی۔

پس یہ احادیث بعضے ان میں سے صحیح ہیں اور بعضے حسن ہیں بعضے میں دو رکعتوں کی تصریح ہے اور بعضے میں یہ حکم ہے کہ اس نماز کو مثل نماز صبح کے جواب تم پڑھ چکے ہو پڑھو پس اس حدیث سے بھی دو رکعتیں معلوم ہوئیں اور بعضے حدیث میں تفصیل ایک رکوع کی ہے چنانچہ حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مذکور ہوئی اور دو رکعتوں کی حدیث کو ایک رکوع سے زیادہ پر محمول کرنا خلاف ظاہر ہے، اگر ایک رکوع سے زیادہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ نے جس وقت فرمایا تھا کہ مثل صبح کی نماز کے پڑھو اس وقت اس کی ضرور تصریح کر دیتے کہ اس میں رکوع دو ہیں یا زیادہ ہیں بلکہ جہاں احادیث صحاح میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے وہاں مطلق نماز کو فرمایا ہے ورنہ اگر خلاف دستور ہوتا تو اس کے بیان کی ضرور احتیاج تھی پس معلوم ہوا کہ شارع کو فقط ایک رکوع مقصود ہے پھر آپ کے فعل کی وجہ اختلاف بھی معلوم ہوئی اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایک رکوع آپ نے کیا اور خود عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی ثابت ہو چکا کہ خلاف روایت ہے پس اتنے وجوہ سے معلوم ہوا کہ سورج گہن میں ایک ہی رکوع کرنا چاہیے لہٰذا اگر امام صاحب نے ایک رکوع کہہ دیا تو کون سا خلاف ہوا؟ اور حنفیہ بیچارے کیوں اس سے مخالف حدیث ہو گئے؟ یہ الزام آپ کا محض ناروا ہے وہ تو خاصے عامل قول نبوی ﷺ ہیں خصوصاً اس مسئلے میں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: "وَمَنْ صَلّٰی صَلٰوةً مُعْتَدًا بِهَا فِي الشَّرْعِ فَقَدْ عَمِلَ بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا انتھی"(۱) یعنی جس نے صلوۃ معہودہ فی الشرع کے طور پر پڑھا وہ ہر آئینہ عامل ہوا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر انتھی۔

نماز کسوف میں خطبہ مسنون نہیں

پس باقی رہا خطبہ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعد ادائے نماز ان لوگوں کا رد کیا تھا جو کہتے تھے کہ بعد وفات ابراہیم کے کسوف واقع ہوا ہے اس کا نام خطبہ نہیں چنانچہ علامہ زیلعی "تبیین الحقائق" میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ

۱.....النوافل: صلاۃ الآیات، ص: ۳۲.

.....حجة الله البالغة للامام الكبير الشيخ احمد المعروف بشاه ولى الله ابن عبد الرحيم الدهلوى

:جزء:۲ (دار الجيل بيروت)

نے نماز کا حکم کیا ہے اور خطبے کا حکم نہیں فرمایا اور اگر خطبہ مشروع ہوتا تو آپ ضرور بیان فرما دیتے اور حدیث میں جو آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واسطے بیان کیا تھا تا کہ ان کے قول کو رد کریں کہ وہ کہتے تھے کسوف شمس بوجہ موت ابراہیم کے جو آنحضرت ﷺ کے بیٹے تھے ہوا ہے پس فرمایا آپ نے کہ شمس اور قمر دو نشانی ہیں اللہ کی نشانیوں سے کسی کی موت اور حیات سے منکسف نہیں ہوتے اور جو امر کہ اس کی عدم مشروعیت پر دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ بعد روشن ہونے آفتاب کے پڑھا تھا اگر سنت ہوتا تو پہلے ہی روشنی کے مثل نماز اور دعا کے خطبہ بھی پڑھتے انتہی۔

اور فتح القدیر میں ہے کہ خطبہ بقصد مشروع ہونے کے نہ تھا بلکہ واسطے دفع وہم ان لوگوں کے جنہوں نے گمان کیا تھا کہ کسوف بوجہ موت ابراہیم کے ہوا ہے پس یہ خطبہ عارضی تھا انتہی۔

اور قراءت کی نسبت صاف طور پر مسند امام احمد اور مسند ابو یعلی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی پس نہ سنا میں نے آپ سے ایک حرف انتہی۔

اور حلیہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ کے قریب نماز پڑھی اور قراءت نہ سنی انتہی۔

اور شرح معانی الآثار میں سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور ہم نے آپ کی آواز نہیں سنی انتہی۔

اور شرح مسلم میں امام نووی نے لکھا ہے کہ مذہب ہمارا (یعنی امام شافعی کا) اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور لیث بن سعد اور جمہور فقہا کا یہ ہے کہ کسوف شمس میں آہستہ قراءت کی جائے اور حجت ان کی یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کی قراءت تخمیناً بقدر سورہ بقرہ وغیرہ کے کی تھی اگر آنحضرت ﷺ جہر کرتے تو اس کی مقدار بالتعیین معلوم ہو جاتی انتہی۔

ان آثار و اقوال سے معلوم ہوا کہ نماز کسوف میں قراءت آہستہ چاہیے فتفکر!

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم اور ان کے شاگرد ابو یوسف و محمد کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور در المختار اور فتاوی عالمگیری وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے" فَاِنْ قَیَّدَ الْخَامِسَۃَ بِسَجْدَۃٍ بَطَلَ فَرْضُہٗ عِنْدَنَا" (۱) یعنی اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو باطل ہوئے فرض اس کے ہمارے نزدیک انتہی۔

۱..... الهداية شرح البداية: فصل في قيام شهر رمضان ، ج: ۱ ، ص: ۷۰۱۔

..... العناية شرح الهداية ، باب سجود السهو ، ج: ۲ ، ص: ۲۹۷۔

..... رد المحتار: فروع مشي المصلي مستقبل القبلة۔

..... شرح وقاية ، كنز الدقائق ، در المختار ، الفتاوى الهندية۔

..... شرح فتح القدير: فصل في قيام رمضان۔

کشف کید چہل و ہفتم

سجدۂ سہو کا بیان

اقول: اگر لفظ مخالفت بطور تکیہ کلام کے حسب عادت صادر ہوا ہے تو خیر ورنہ مخالفت اگر اسی کا نام ہے کہ جس میں منافات نہ ہو تو البتہ ایسی مخالفتیں ہر جگہ موجود ہیں اگر یہی محل ہے تو آئندہ قرآن کی آیتوں میں بھی دعویٰ مخالفت کا کرتے ہوئے کون مانع ہے ابھی تو آپ کے قول سے امام صاحب اور صحابہ کی مخالفت حدیث سے معلوم ہوتی ہے آخر دیا یہ درست آیا اس مخالفت کا صلہ بھی کچھ ملے گا سو وہ بجز ترقی مخالفت اور کیا ہو سکتا ہے اس سوء ادبی کا نتیجہ یہی ہوا کہ دنیا اور دین میں رسوائی اپنے سر لے بیٹھے کچھ خوف خدا نہ آیا بھلا اتنا تو سوچا ہوتا کہ جو صورت امام صاحب نے بطلان فرض کی بیان کی ہے وہی صورت بعینہ حدیث میں جواز فرض کی ہے یا دوسری صورت ہے امام صاحب کے نزدیک اگر قعدہ اخیر نہیں کیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے نماز باطل ہوگی کیونکہ قعدہ اخیر فرض ہے اور ظاہر ہے کہ ترک فرض سے نماز باطل ہو جاتی ہے پس قعدۂ اخیر میں نہ بیٹھنا اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک شرط تھا اس کو آپ چھوڑ گئے تا کہ ظاہرا مخالفت ہو جائے ''إِنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ'' جو اس جملے کی شرط ہے اس کو بھی اگر ذکر کرتے پھر وہ حدیث بیان کرتے جس میں آنحضرت ﷺ نے قعدۂ اخیر نہ کیا ہوتا البتہ اس وقت مخالفت ہو جاتی سو ایسی حدیث جس میں یہ ذکر ہو کہ قعدۂ اخیر میں آنحضرت ﷺ نہیں بیٹھے اگر تا قیام قیامت تلاش کیجیے گا تو بھی نہیں ملے گی پس اس حدیث کو ایسی صورت پر محمول کرنا جس میں ترک فرض لازم آئے کون سی حجت سے ثابت ہو سکتا ہے؟ بلکہ اس حدیث کا محمل صحیح ٹھہرانا مناسب ہے مگر آپ کا مطلب جو مخالفت امام صاحب ہے البتہ حاصل نہ ہوگا گو معنی حدیث کے اس سے عمدہ ہو جائیں گے پھر آپ کو تو اس کی کچھ پروا نہیں فقط امام صاحب کی مخالفت کے واسطے آپ نے بہت حدیثوں کے عمدہ معنی چھوڑ کر مرجوح معنوں کی طرف میلان کیا ہے یہ وہ بات ہے کہ گو حدیث اور قرآن چھوٹ گئے مگر یاروں کا رشتۂ مخالفت مضبوط ہو گئے ۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی — گو مشتِ خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد (۱)

اور دوسری صورت جس میں نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ پوری ہو جاتی ہے وہ یہ ہے جو کہ ہدایہ وغیرہ میں آپ کی عبارت منقولہ کے بعد لکھی ہے ''وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ عَادَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِالسَّجْدَةِ تَمَّ فَرْضُهُ ''(۲) یعنی اور اگر بیٹھا چوتھی رکعت میں پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا لوٹے طرف قعدے کے بشرطیکہ نہیں سجدہ کیا ہے پانچویں رکعت کا اور سلام پھیر دے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا فرض اس کا پورا ہو گیا انتہی۔

پس اس صورت میں اور پہلی صورت میں جس کو آپ نے نقل کیا ہے فقط قعدۂ اخیر کا فرق ہے یعنی اس میں بیٹھا ہے اور پہلی

۱.....میں خوش ہوں کہ تو رقیبوں سے دامن بچا کر نکل گیا اگرچہ ہمارا مشتِ خاک (ہمارا وجود) برباد ہو گیا ہے۔

۲.....العناية شرح الهداية، باب سجود السهو، ج: ۲، ۲۹۹۔

صورت میں میفات تھا اس لیے نماز باطل ہوگئی تھی پس اس صورت بہتر کو چھوڑ کر فقط مخالفت کے واسطے دوسری صورت کمتر کو اختیار کرنا اور حدیث کے معنوں کو واسطے مغالطہ دہی عوام کے اپنی طرف سے متعین کردینا آپ ہی کا کام ہے۔ ع

آفرین باد بریں ہمت مردانہ تو (۱)

اسی وجہ سے "لمعات شرح مشکوۃ" میں لکھا ہے "إِنَّ لَفْظَ الْحَدِيْثِ يَصْدُقُ مَعَ تَرْكِ الْقَاعِدَةِ وَمَعَ فِعْلِهَا وَالثَّانِيْ أَرْجَحُ وَأَقْرَبُ لِأَنَّهُ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ الْقَعْدَةَ الْأَخِيْرَةَ لِكَوْنِهَا رُكْنًا فَجَوَازُ الصَّلٰوةِ عَلٰى تَقْدِيْرِ تَرْكِهٖ بَعِيْدٌ فَهٰذَا الْحَدِيْثُ مَخْصُوْصٌ بِصُوْرَةِ فِعْلِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيْرَةِ" (۲) یعنی تحقیق الفاظ اس حدیث کے صادق آتے ہیں ترک قعدہ کے ساتھ اور ساتھ کرنے اسی قعدہ کے اور دوسری صورت راجح زیادہ اور قریب تر ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ قعدۂ اخیرہ کو بوجہ رکن ہونے کے ترک نہیں کرتے تھے پس جائز ہونا نماز کا بر تقدیر ترک قعدۂ اخیرہ کے بعید ہے پس یہ حدیث خاص ہے ساتھ وقوع قعدۂ اخیرہ کے انتہی۔

اور "ارکان اربعہ" میں لکھا ہے "وَلَا حُجَّةَ فِيْهِ لِلْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ حِكَايَةُ حَالٍ وَلَا عُمُوْمَ لَهُ فَيَجُوْزُ أَنْ كَانَ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ" (۳) یعنی یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حجت نہیں ہوسکتی اس لیے کہ یہ حدیث حکایت ایک حال کی ہے اور اس میں عموم نہیں ہوتا پس جائز ہے یہ کہ بیٹھ گئے ہوں آنحضرت ﷺ چوتھی رکعت میں انتہی۔

پس باوجود جائز ہونے دونوں صورتوں کے اور ترجیح صورت ثانی کے پھر بھی پہلی صورت مرجوح لینی تا کہ کسی طرح مخالفت ثابت ہوجائے نہایت درجے کی بے انصافی ہے انصاف کہاں سے آوے کہ آنکھوں پر تعصب کا پردہ پڑا ہوا ہے خداوند تعالی توفیق حق بینی کی عطا فرماوے اور راہ راست پر لاوے۔

قال: ہدایہ وغیرہ حنفی کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز جنازے کی مسجد میں پڑھنی درست نہیں الخ۔

کشف کید چہل و ہشتم

نماز جنازہ کا بیان

نماز جنازہ مسجد میں درست نہیں

اقول: اگر اسی حدیث مسلم کو معترض صاحب غور فرماتے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ امام صاحب کا قول خلاف نہیں بلکہ حدیث مسلم سے خود سمجھا جاتا ہے کہ صحابہ نے انکار کیا اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "فَبَلَغَهُنَّ أَنَّ النَّاسَ عَابُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا مَا كَانَتِ الْجَنَائِزُ يُدْخَلُ بِهَا الْمَسْجِدَ" (۴) یعنی پس خبر پہنچی ازواج مطہرات کو کہ

۱..... آپ کی اس ہمت و جرأت مردانہ پر داد دینی چاہیے۔ ۲..... لمعات شرح مشکوۃ۔ ۳..... ارکان اربعہ۔

۴..... مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد، ح: ۹۷۳۔

صحابہ نے عیب جانا اس کو اور کہا نہیں تھے جنازے کہ داخل کیے جاتے ہوں مسجد میں انتہی۔

اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ آنحضرت ﷺ میں یہ دستور نہ تھا اور فقط دو کی نماز پڑھنے سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیشہ یوں ہی ہوتا تھا اگر یہ امر مسنون ہوتا تو ایک مخلوق مسلمانوں کی جنہوں نے مدینہ شریف میں وفات پائی سب کے جنازے نماز کے لیے مسجد میں ضرور داخل کیے جاتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا یوں فرماتیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں نماز پڑھتے تھے تمام عمر میں کل دو شخصوں کی نظیر بتلائی۔

پھر صحابہ کا انکار کرنا اور معیوب سمجھنا اس امر کو مقتضی ہے کہ مسجد سے باہر پڑھنے پر امر قرار پایا تھا۔ فتح القدیر میں ہے کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث آئی ہے ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مَيِّتٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَهٗ''(۱) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص نماز پڑھے جنازے کی مسجد میں پس واسطے اس کے کوئی اجر نہیں انتہی۔

اور یہ حدیث معتمد ہے حجت لائے اس کی صحت پر علامہ عینی اور شیخ الاسلام ابن ہمام شرح ہدایہ میں اور برہان شرح مواہب الرحمن میں ہے ''وَصَلٰوةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى سُهَيْلٍ وَاقِعَةُ حَالٍ لَا عُمُوْمَ لَهٗ فَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ بِضَرُوْرَةِ كَوْنِهٖ مُعْتَكِفًا وَلَوْ سُلِّمَ عَدَمُهَا فَاِنْكَارُ الصَّحَابَةِ عَلَيْهَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهُ اسْتَقَرَّ الْحُكْمُ بَعْدَ ذٰلِكَ عَلَى التَّرْكِ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا اَنْكَرُوْهُ عَلَيْهَا وَصَلٰوةُ الصَّحَابَةِ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي الْمَسْجِدِ كَانَتْ لِعَارِضٍ دَفْنِهِمَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ''(۲) یعنی اور نماز رسول اللہ ﷺ کی سہیل پر واقعہ حال کا ہے جس میں عموم نہیں پس جائز ہے یہ کہ ہووے بسبب

۱...... فتح القدير : فصل في الصلاة على الميت، ج: ۲، ص: ۲۹٦.

......ابو داؤد: كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الجنائز في المسجد، ح: ۳۱۹۳.
(عن ابی هريرة من صلى على جنازة في المسجد فلا شئ له)

......ابن ماجة: كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الجنائز في المسجد، ح: ۱۵۱۷.
(عن ابی هريرة من صلى على جنازة في المسجد فليس له شئ)

۲......البناية شرح الهداية، فصل في الصلوة على الميت (ولا يصلى على ميت في المسجد) ص: ۲٦۷، کی
برہان شرح مواہب الرحمن کے مضمون کی طرح عبارت موجود ہے اور وہ یہ ہے: وقال الشافعي واحمد واسحق وابو ثور: ولا بأس بها اذا لم يخف تلويثه واحتجوا بما روى ان سعد ابن ابي وقاص لما توفي امرت عائشة رضي الله عنها بادخال جنازته المسجد حتى صلى عليها ازواج النبي ﷺ ثم قالت لبعض من حوله هل عاب الناس علينا ما فعلنا فقال لها نعم! فقالت ما اسرع ما صلى رسول الله ﷺ على جنازة سهل بن البيضاء الا في المسجد رواه مسلم عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلى على ميت في المسجد فلا شئ له، ص: ۲٦۸.

......فحديث عائشة رضي الله عنها اخبارا عن فعل رسول الله ﷺ في حال الاباحة التي لم ينفذ منها شيئ وحديث ابي هريرة اخبارا عن نهي رسول الله ﷺ الذي تقدمه الاباحة فصار ناسخا لحديث عائشة رضي الله عنها وانكار الصحابة عليها مما يؤيد ذالك النسخ بدلالة التاريخ وهو ان يكون احد النصين موجبا للحظر والاخر موجبا للاباحة والحظر صار علينا فيكون متاخرا، ص: ۲٦۹.

ضرورت اعتکاف کے اور اگر تسلیم کیا جاوے عدم ضرورت کو تو انکار کرتا صحابہ رضی اللہ عنہم کا عائشہ رضی اللہ عنہا پر دلیل اس کی ہے کہ بعد اس کے ترک پر حکم قرار پایا تھا اور اگر یہ نہ ہوتا تو انکار صحابہ رضی اللہ عنہم نہ کرتے اور نماز صحابہ کی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پر مسجد میں بسبب عادۃ دفن ہونے ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے تھی انتہی۔

اور علامہ "عینی شرح ہدایہ" کے اسی مقام پر لکھتے ہیں" وَعَلٰی کُلِّ تَقْدِیْرِ الصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَۃِ خَارِجَ الْمَسْجِدِ اَوْلٰی وَاَفْضَلُ بِلَا وُجُوْبٍ لِلْخُرُوْجِ عَنِ الْخِلَافِ لَا سِیَّمَا فِیْ بَابِ الْعِبَادَاتِ "(۱) یعنی اوپر ہر تقدیر کے نماز جنازے کی خارج مسجد کے بہتر اور افضل ہے بغیر وجوب کے بسبب خارج ہونے کے خلاف سے خصوصا باب عبادات میں انتہی۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ چاہیے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازے کی نماز میں پانچ تکبیریں کہنی جائز نہیں اگر امام پانچ تکبیریں کہے تو مقتدی متابعت اس کی نہ کرے اور یہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ مسلم میں روایت ہے عبدالرحمن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ سے کہ کہا زید بن ارقم تکبیریں کہا کرتے تھے ہمارے جنازوں پر چار اور تحقیق انہوں نے تکبیریں کہیں ایک جنازے پر پانچ پس پوچھا میں نے ان سے (کہ ہمیشہ چار تکبیریں کہتے تھے اور آج پانچ کیوں کہیں) پس کہا انہوں نے کہ تھے پیغمبر خدا ﷺ پانچ تکبیریں کہتے الخ

کشف کید جہل و نہم

نماز جنازہ کی چار تکبیروں پر اجماع صحابہ ہے اور پانچ تکبیروں والی حدیث منسوخ ہے

اقول: امام نووی محدث شرح مسلم میں لکھتے ہیں" وَهٰذَا الْحَدِیْثُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ مَنْسُوْخٌ دَلَّ الْاِجْمَاعُ عَلٰی نَسْخِهٖ وَقَدْ سَبَقَ اَنَّ ابْنَ عَبْدِالْبَرِّ وَغَیْرَهٗ نَقَلُوا الْاِجْمَاعَ عَلٰی اَنَّهٗ لَا یُکَبِّرُ الْیَوْمَ اِلَّا اَرْبَعًا وَهٰذَا دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّهُمْ اَجْمَعُوْا بَعْدَ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ وَالْاَصَحُّ اَنَّ الْاِجْمَاعَ بَعْدَ الْخِلَافِ یَصِحُّ "(۲) یعنی یہ حدیث نزدیک علما کے منسوخ ہے دلالت کرتا ہے اجماع اس کے نسخ پر اور تحقیق پہلے گذر چکا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے اجماع کو اس امر پر کہ آج کے دن تک کہی جائیں تکبیریں مگر چار اور یہ دلیل ہے اس پر کہ انہوں نے بعد زید بن ارقم کے اجماع کر لیا ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ اجماع بعد خلاف کے درست ہے انتہی۔

۱..... البنایۃ شرح الھدایۃ، فصل فی الصلاۃ علی المیت، ج: ۳، ص: ۱۲۰۔

۲..... شرح مسلم للنووی: ص: ۶۲، ج: ۷۔

..... مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: باب المشی بالجنازۃ۔

اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ صحت کو پہونچا ہے نبی ﷺ سے کہ آخر نماز جو نجاشی پر آنحضرت ﷺ نے پڑھی ہے چار تکبیریں اس میں کہی ہیں اور وقت وفات تک اسی پر ثابت رہے۔

اور ابن بطال نے ہمام بن حارث سے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جمع کیا آدمیوں کو چار پر مگر اہل بدر کہ ان پر پانچ اور چھ اور سات تکبیریں کہی جاتی تھیں اور کہا ابن حزم نے محلی میں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے چار تکبیریں کہیں اور علی رضی اللہ عنہ نے چار تکبیریں کہیں اور زید بن ثابت نے اپنی والدہ پر چار تکبیریں کہیں اور عبداللہ بن ابی اوفی نے اپنے بیٹے پر چار تکبیریں کہیں اور زید بن ارقم نے چار تکبیریں کہیں اور ایسا ہی براء بن عازب اور ابن عمر اور ابو ہریرہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور صحیح ہوا ہے کہ تحقیق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی آنحضرت ﷺ پر اور چار تکبیریں کہیں پس اگر زیادہ کی جاتیں واسطے کسی کے بسبب اس کی شرافت کے تو رسول اللہ ﷺ زیادہ اولی تھے اور نماز پڑھی عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پس چار تکبیریں کہیں اور نماز پڑھی صہیب رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ پر پس چار تکبیریں کہیں اور نماز پڑھی امام حسن رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ پر پس چار تکبیریں کہیں اور نماز پڑھی عثمان رضی اللہ عنہ نے خباب رضی اللہ عنہ پر پس چار تکبیریں کہیں انتہی۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ روایت کی امام محمد رضی اللہ عنہ نے بواسطہ امام صاحب کے حماد رضی اللہ عنہ سے کہ ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ آدمی جنازے پر پانچ اور چھ اور چار تکبیریں کہا کرتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی پھر اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کیا پھر عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے پس لوگوں نے ایسا ہی کیا پس فرمایا ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے کہ تم لوگ گروہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے ہو جب تم مختلف ہو جاؤ گے تو تمہارے بعد آدمی بھی اختلاف کریں گے اور لوگ زمانہ جاہلیت سے قریب ہیں پس اجماع کرو تم ایسی شی پر کہ تمہارے بعد جو آویں وہ بھی اس پر اجماع کرلیں پس اجماع کیا رائے اصحاب نبی ﷺ نے اس پر کہ معلوم کریں آخر جنازہ کو کہ جس پر آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے تکبیر کہی ہو پس اسی کو اخذ کرلیں اور اس کے ماسوا کو ترک کردیں سو غور کیا انہوں نے پس پایا آخر جنازہ کو کہ اس پر رسول اللہ ﷺ نے چار تکبیریں کہی تھیں اور اس حدیث میں انقطاع ہے درمیان ابراہیم رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے اور انقطاع ہم کو کچھ مضر نہیں علاوہ اس کے امام احمد نے اس حدیث کو دوسری سند سے موصول بھی روایت کیا ہے۔

اسی طرح چار تکبیریں مستدرک حاکم میں اور سنن بیہقی میں اور طبرانی اور مسند بزار وغیرہ میں آئی ہیں اور بعضوں نے حدیث نجاشی کو جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے ناسخ کہا ہے اس لیے کہ راوی اس کے ابو ہریرہ ہیں اور اسلام ان کا اخیر میں ہے اور حق یہ ہے کیونکہ اسناد کا ضعف ضرر نہیں کرتا ہے جب کہ تائید اس کی ہو جائے تو وہ صحیح ہو جائے گی اور یہاں تائید ہوگئی ہے اور وہ کثرت سے روایتوں کا وارد ہونا اور تمام جہان میں منتشر ہو جانا ہے خصوصاً کثرت روایت صحابہ رضی اللہ عنہم سے پس تحقیق وہ دلالت کرتا ہے کہ آخر میں آنحضرت ﷺ سے چار کا تقرر ہو گیا تھا علاوہ اس کے حدیث ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح ہے اگرچہ مرسل ہے بسبب صحیح ہونے مرسل کے بعد ثقہ ہونے راویوں کے نزدیک ہمارے اور نزدیک انکار کرنے والوں مرسل کے جس وقت وہ

قوت پا جائے تو صحیح ہے اور یہ ایسا ہی ہے کیونکہ اس کو قوت بوجہ کثرت طرق اور راویوں کے حاصل ہوگئی اور اس سے غالب ظن حقیقت کا ہے انتہی "ملتقطا"۔

گو اس میں عبارت امام نووی کی کافی تھی مگر سند اعبارت حنفیہ کی بھی لکھ دی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ حنفیہ کے یہاں بھی خوب تحقیق کی گئی ہے۔

قال: شرح وقایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازے کی نماز میں سورہ فاتحہ اور سورت پڑھنی درست نہیں الخ

کشف کید پنجا ہم

نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ عمل وقول صحابہ سے ثابت نہیں

اقول: ارکان اربعہ میں لکھا ہے" وَلَا يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ الْقُرْاٰنَ لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ رَوَاهُ الْإِمَامُ مَالِكٌ"(۱)۔

یعنی او رنہ پڑھا جاوے جنازے کی نماز میں قرآن بسبب اس حدیث کے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے سنا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ فرماتے تھے جس وقت نماز پڑھو تم جنازے پر پس خالص کرو واسطے اس کے دعا کو روایت کیا اس کو ابو داؤد نے اور بسبب اس حدیث کے جو نافع سے مروی ہے کہا انہوں نے تحقیق عبد اللہ بن عمر قرآن نہیں پڑھتے تھے جنازے کی نماز میں روایت کیا اس کو امام مالک نے انتہی۔

اور فتح القدیر میں ہے" لَا يَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ إِلَّا أَنْ يَقْرَأَهَا بِنِيَّةِ الثَّنَاءِ "(۲) یعنی نہ پڑھے سورہ فاتحہ مگر یہ کہ پڑھے اس کو نیت ثنا سے انتہی۔

اور بھی شرح ہدایہ میں ہے" وَإِنْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ عَلَى نِيَّةِ الدُّعَاءِ جَازَ وَلَيْسَ فِي صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَنَا قَالَ ابْنُ بَطَّالٍ وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَيُنْكِرُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَأَبُوْهُرَيْرَةَ وَمِنَ التَّابِعِيْنَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَابْنُ جُبَيْرٍ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَكَمُ وَقَالَ مَالِكٌ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ لَيْسَتْ مَعْمُوْلًا بِهَا فِي بَلَدِنَا فِي صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ "(۳)۔

یعنی اگر پڑھی الحمد نیت دعا سے جائز ہے اور نہیں ہے نماز جنازہ میں پڑھنا قرآن کا نزدیک ہمارے کہا ابن بطال نے اور ان

۱.......ارکان اربعة۔

۲.......شرح فتح القدير، فصل في الصلوة على الميت، ج: ۲، ص: ۱۲۲۔

۳.......البناية شرح الهداية: فصل في الصلوة على الميت، ص: ۲۵۱، ج: ۳۔

شخصوں میں سے جو جنازے کی نماز میں نہیں پڑھتے تھے اور انکار کرتے تھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابن عمر اور ابو ہریرہ ہیں اور تابعین میں سے عطا اور طاؤس اور سعید بن المسیب اور ابن سیرین اور ابن جبیر اور شعبی اور حکم ہیں اور کہا امام مالک نے سورت فاتحہ کے پڑھنے پر جنازے کی نماز میں ہمارے شہر میں (یعنی مدینہ شریف میں) عمل نہیں ہے انتہی۔

اور کہا امام طحاوی نے" وَلَعَلَّ قِرَاءَةَ بَعْضِ الصَّحَابَةِ فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ كَانَ بِطَرِيْقِ الثَّنَاءِ وَالدُّعَاءِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْقِرَاءَةِ "(۱) یعنی اور شاید پڑھنا بعض صحابہ کا سورت فاتحہ کو نماز جنازہ میں بطریق ثنا اور دعا کے تھا نہ بطریق قراءت کے انتہی۔

حاصل یہ ہے کہ حنفیہ سورت فاتحہ کو مطلق نہیں منع کرتے ہیں بلکہ بہ نیت دعا و ثنا کے درست رکھتے ہیں اور جن روایات میں پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کا ثابت ہوا اس کو اسی پر محمول کرتے ہیں پس مخالفت حدیث کی ان پر نہیں لازم ہوئی یہی صورت تطبیق کی ہے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص مالک نصاب نہ ہو یعنی جس کے پاس ساڑھے باون روپے چہرہ شاہی یا اس قدر چاندی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینی درست ہے اگرچہ تندرست ہو اور کسب کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو الخ۔

کشف کید پنجاہ و یکم

زکوٰۃ کا بیان

تندرست اگر مالک نصاب نہ ہو تو مالِ زکوٰۃ لے سکتا ہے

اقول: جائے غور و مقام افسوس ہے کہ معترض صاحب نے حدیث کے معنی محض اسی وجہ سے کہ امام صاحب کی مخالفت ہو جائے بدل دیے واورے جرأت! ع

ما را ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نبود (۲)

۱.....الموطا : رواية محمد بن الحسن ، باب الصلوة على الميت ، ج : ۲ ، ص : ۹۸۔

.....وقال الطحاوی : ولعل من قرأ من الصحابة كان على وجه الدعاء لا على وجه القراءة.

.....شرح سنن ابن ماجة : للسيوطي وعبد الغني وفخر الحسن الدهلوي ، باب ما جاء في التقليس

التقليس ، ج : ۱ ، ص : ۱۰۷ (قديمي كتب خانه كراتشي)

.....وقال الطحاوی لعل قراءة بعض الصحابة الفاتحة في صلاة الجنازة كان بطريق الثناء والدعاء لا على وجه القراءة.

.....عمدة القاری شرح صحيح البخاری : باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة ، ج : ۱۲ ، ص : ۴۵۳۔

.....وقال الطحاوی لعل من قرأ الفاتحة من الصحابة كان على وجه الدعاء لا على وجه التلاوة۔

۲.....ہمیں اس کمزور گھاس سے اتنی جرأت کی امید نہ تھی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ان دو شخصوں نے سوال کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو تندرست پایا اس لیے سوال کرنا ان کا ناگوار گزرا کیونکہ قوی آدمی کو سوال درست نہیں اور یہی معنی اس ارشاد کے ہیں کہ غنی کو اور قوی کو صدقہ حلال نہیں یعنی سوال کر کے صدقہ لینا درست نہیں ورنہ اگر قوی کو زکوۃ دینا حرام اور ناجائز ہوتا اور زکوۃ اس سے ادا نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ یوں نہ فرماتے کہ اگر چاہو تو زکوۃ دے دوں اس کی تفسیر معترض صاحب نے بوجہ تعصب مذکور یوں کی کہ اگر حرام کھانا چاہو تو دے دوں کیا خوب امام صاحب کے اثبات مخالفت میں ایسے محو ہوئے کہ یہ بھی خیال نہ رہا کہ انبیا کی طرف فعل حرام کی نسبت ہو جائے گی خیر کچھ ہو مگر مخالفت تو یاروں کے ہاتھ سے نہ جائے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی   گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد۔(۱)

حدیث میں زکوۃ دینے کا جواز برابر معلوم ہوتا ہے حرام فقط آپ نے نکالا ہے یہ حدیث کے بالکل مخالف ہے بلکہ ایسے معنی کہنے کمال سوء ادبی ہے علاوہ اس کے کسی لفظ سے ان معنوں کا استنباط نہیں ہو سکتا بلکہ فقط سوال کی حرمت نکلتی ہے اور زکوۃ دینا اسی حدیث سے قوی شخص کو جائز معلوم ہوتا ہے مذہب حنفیہ کی تائید کی حدیث آپ نے تصرف کر کے اور لفظ حرام اپنی طرف سے زیادہ کر کے کیوں لکھ دی؟ شاید یہ بھی کسی حدیث میں آیا ہوگا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ إِنَّ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (۲) آپ کو یہ حدیث نہیں پہونچی؟ کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص جھوٹ بات مجھ پر لگا دے تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں کر لے (۳) چنانچہ کذابوں اور مفتریوں کی وعید میں بہت سی حدیثیں اول کتاب میں ہم نے لکھ دیں کچھ تو لکھتے وقت آپ نے خدا کا خوف کیا ہوتا اگر سو مسئلوں میں سے ایک کم ہو جاتا تو کونسا عتاب الٰہی نازل ہوتا اور اس جھوٹ کے نہ کہنے سے کون سا الزام آتا بلکہ اب تم اس دروغ گوئی کی بلا میں مبتلا ہو گئے۔

خرد چو تحریر لفظ دروغ دید یقین   بداند کہ درو عاقبت ہزار بلاست (۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے اور جس قدر حدیثیں اس میں وارد ہوئی ہیں سب میں کلام اور ضعف ہے چنانچہ علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں اسی مقام پر مفصل بیان کیا ہے ترمذی میں ہے" وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ قَوِيًّا مُحْتَاجًا وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَتَصَدَّقَ عَلَيْهِ أَجْزَأَ عَنِ الْمُتَصَدِّقِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَوَجْهُ هٰذَا الْحَدِيْثِ

۱..... میں خوش ہوں کہ تو رقیبوں سے دامن بچا کر نکل گیا   اگرچہ ہماری مشت خاک (ہمارا جسم) برباد ہو گیا ہے۔

۲..... اس غلط بیانی سے اللہ کی پناہ یقیناً یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

۳..... صحیح البخاری ۱/۲۱، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ

..... صحیح مسلم ۱/۷، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ ﷺ

۴..... عقل جب تیرا لفظ جھوٹ دیکھتی ہے تو جان لیتی ہے کہ اس میں ہزار بلاؤں کا انجام ہے۔

عِنْدَ بَعْضِ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى الْمَسْئَلَةِ"۔(۱)

یعنی جب آدمی قوی اور محتاج ہو اور کوئی شئی اس کے پاس نہ ہو پس زکوۃ دی جائے اس کو کافی ہو جائے گی زکوۃ دینے والے سے نزدیک اہل علم کے اور وجہ اس حدیث کی نزدیک بعض اہل علم کے اوپر سوال کے ہے انتہی یعنی صدقے سے مراد یہ ہے کہ سوال کر کے صدقہ لینا درست نہیں۔

اور فتح القدیر میں ہے"وَالْجَوَابُ اَنَّ الْحَدِيثَ الثَّانِيَ دَلَّ عَلَى اَنَّ الْمُرَادَ حُرْمَةُ سُؤَالِهِمَا لِقَوْلِهِ وَاِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا فَلَوْ كَانَ الْاَخْذُ مُحَرَّمًا غَيْرَ مُسْقِطٍ عَنْ صَاحِبِ الْمَالِ لَمْ يَفْعَلْهُ"(۲)۔

یعنی اور جواب یہ ہے کہ دوسری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مراد ان دونوں کے سوال کی حرمت ہے بسبب فرمانے آپ کے اگر چاہو تم دونوں میں پس اگر لینا حرام ہوتا اور اس سے زکوۃ ادا نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کو نہ کرتے انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ موافق آیت ﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ اور مطابق اس حدیث کے تندرست محتاج کو زکوۃ دینا درست ہے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر صاحب نصاب کو برس کے اندر اور مال اسی جنس کا اور مل جاوے تو اس مال کو پہلے مال میں شامل کر دے اور زکوۃ کل کی ادا کرے اگر چہ اس مال پر جو کہ پیچھے حاصل ہوا ہے برس نہ گزرا ہو اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ ابوداؤد میں روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے الخ۔

کشف کید پنجاہ و دوم

مالِ مستفاد پر زکوۃ واجب ہے

اقول: "برہان شرح مواہب الرحمن" میں لکھا ہے" وَلَنَا فِي الْمُسْتَفَادِ مِنَ الْجِنْسِ قَوْلُهُ ﷺ اِنَّ مِنَ السَّنَةِ شَهْرًا تُؤَدُّوْنَ فِيْهِ زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ فَمَا حَدَثَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَجِيْءَ رَأْسُ الشَّهْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فَهٰذَا يَقْتَضِي اَنْ يَجِبَ الزَّكٰوةُ فِي الْحَادِثِ عِنْدَ مَجِيْءِ رَأْسِ السَّنَةِ وَمَا رَوَاهُ لَيْسَ بِثَابِتٍ وَلَئِنْ ثَبَتَ فَلَيْسَ فِيْهِ مَا يُنَافِيْ مَذْهَبَنَا لِاَنَّا نَقُوْلُ لَا يَجِبُ الزَّكٰوةُ فِيْ مَالٍ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ اِمَّا اَصَالَةً اَوْ تَبَعًا كَمَا فِي الْاَوْلَادِ وَالْاَرْبَاحِ"(۳)۔

یعنی ہماری دلیل ایک جنس کے مستفاد میں قول آنحضرت ﷺ کا ہے کہ تحقیق سال میں ایک مہینہ ہے کہ ادا کیا کرتے ہو تم اپنے مالوں کی زکوۃ اس میں پس جو چیز بعد اس کے حادث ہو جائے پس اس میں زکوۃ نہیں یہاں تک کہ آ جائے دوسرا مہینہ روایت کیا

۱..... جامع الترمذی: ۱/۸۳، باب ما جاء من لا تحل له الصدقة۔

۲..... فتح القدیر: ۲/۲۸۲، باب من يجوز دفع الصدقة اليه من لا يجوز۔

۳..... برهان شرح مواهب الرحمن۔

اس کو ترمذی نے پس یہ حدیث اس امر کو مقتضی ہے کہ حادث میں زکوۃ وقت شروع اس سال کے ہو جاتی ہے اور وہ حدیث جو انہوں نے روایت کی ہے ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو اس میں دو امر نہیں جس کے ہمارا مذہب مخالف ہو کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نہیں واجب ہے زکوۃ مال میں جب تک اس پر ایک سال نہ گزرے یا تو اصالۃ یا بالتبع جیسے درمیان سال کے جانوروں کے بچے پیدا ہونے سے اور زیادتی منافع سے زکوۃ پورے سال کی آجاتی ہے انتہی۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ زمین میں سے خواہ تھوڑی چیز نکلے خواہ بہت زکوۃ اس میں سے دسواں حصہ ہے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری و مسلم میں روایت ہے الخ۔

کشف کید پنجاہ و سوم

عشر کا بیان

جو کچھ زمین سے نکلے دسواں حصہ اس میں زکوۃ کا ہے

اقول: بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ میں ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ" (۱) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس چیز میں کہ سیراب کیا اس کو آسمان اور چشموں نے یا عثری ہو دسواں حصہ ہے اور عثری وہ زمین ہے جس میں پانی دینے کی حاجت نہ ہو اور اس چیز میں جو سیراب کی جائے آب پاشی سے بیسواں حصہ ہے انتہی۔

اور مسلم میں ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا سَقَتِ الْاَنْهَارُ وَالْغَيْمُ الْعُشُوْرُ وَفِيْمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ" (۲)۔ یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس زمین میں کہ سیراب کریں اس کو نہریں اور بارش دسواں حصہ ہے اور اس زمین میں کہ سیراب کی جائے سانیہ سے بیسواں حصہ ہے اور سانیہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر پانی رکھ کر زمین کے اسطے لاتے ہیں انتہی۔

اور عبدالرزاق نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور نخعی سے روایت کی ہے کہ فرمایا انہوں نے اس چیز میں جو زمین اگاوے تھوڑی ہو یا بہت دسواں حصہ ہے انتہی۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے عمر بن عبدالعزیز اور مجاہد اور ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ پس ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے قلیل اور کثیر میں عشر دینا آتا ہے کیونکہ ان احادیث میں مطلق مقدار کا بیان نہیں بلکہ عام ہے۔ قلیل اور کثیر سب کو شامل ہے پس جن حدیثوں میں پانچ وسق کا بیان ہے وہ زکوۃ تجارت میں وارد ہیں کیونکہ قیمت وسق اس وقت چالیس درہم تھے چنانچہ علامہ زیلعی وغیرہ نے اس کی تصریح کر دی ہے (۳) بلکہ لفظ صدقہ کا

۱...... صحیح البخاری، سنن ابی داؤد: باب العشر فيما سقي من ماء السماء و الماء الجاری، ج: ۱، ص: ۲۰۱۔

۲...... جامع الترمذی، نسائی: باب ما جاء في الصدقة فيما سقي بانهار وغيرها، ج: ۱، ص: ۸۱۔

۳...... تبیین الحقائق: كتاب الزكوة، باب العشر: ج: ۲، ص: ۱۰۲ (مطبوعة بركات رضا، پور بندر گجرات ۲۰۰۰م)

اس میں موجود ہے اور صدقہ زکوٰۃ میں بولتے ہیں اور خارج زمین پر عشر کا اطلاق آتا ہے علاوہ اس کے عام کو خاص پر ترجیح ہے۔
اور بنایہ میں لکھا ہے کہ علامہ ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ قوی تر مذہبوں کا اس مسئلے میں مذہب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے باعتبار دلیل اور احتیاط کے انتہی۔
پھر باین ہمہ احتیاط وقوت دلیل کے جیسا کہ علامہ ابوبکر بن العربی نے فرمایا مسئلہ محقق کو نہ ماننا حق کو نہ پہچاننا ہے جس نے امر حق کو نہ مانا اس کی بات کا کون ٹھکانا حسد کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہے اور مخالفت امام صاحب کی دل میں ٹھنی ہے ہر بات میں بوئے نفسانیت آتی ہے ہر سخن میں اکابر دین کے ساتھ بدظنی پائی جاتی ہے۔

گیرم کہ تمام مصحف از برداری با آں چہ کنی کہ نفس کافرداری
سر را بزمیں ہمی نہی بہر نماز آنرا بزمیں بنہ کہ در سرداری(۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ میت کی طرف سے ولی نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے اور یہ مذہب امام اعظم اور امام مالک کا ہے سو اس مسئلے میں امام اعظم اور امام مالک نے خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری اور مسلم میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ کہا فرمایا رسول خدا ﷺ نے جو شخص کہ مرے اور اس پر ہو روزہ روزہ رکھے اس کی طرف سے وارث اس کا۔

کشف کید پنجاہ و چہارم
روزے کا بیان
مذہب جمہور ہے کہ میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جاسکتا

اقول: "لمعات شرح مشکوٰۃ" میں ہے "وَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ إِلَى أَنَّهُ لَا يُصَامُ عَنْهُ وَبِهِ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ فِيْ أَصَحِّ قَوْلَيْهِ عِنْدَ أَصْحَابِهِ"۔
یعنی اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ میت کی طرف سے روزہ نہ رکھا جاوے اور اسی کے قائل ہیں امام صاحب اور امام مالک اور امام شافعی اپنے صحیح تر دونوں قولوں میں جو نزدیک ان کے اصحاب کے ہے انتہی۔
البتہ مسکین کو کھانا عوض ہر روزہ کے دینا چاہیے چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے "عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ"(۲)۔

۱..... مجھے تسلیم ہے کہ آپ کو پورا مصحف زبانی یاد ہے مگر اس کا کیا اثر کہ آپ کا نفس کافر ہے سر کو سجدہ میں جھکاتے ہیں مگر فکر و نظر کو کبھی سجدے میں رکھیں ست۔

۲..... مشکوۃ المصابیح: باب القضاء، الفصل الثانی: ج ۱، ص: ۱۷۸ (مجلس برکات مبارک پور)

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص مرا اور اس پر روزے ماہ رمضان کے ہیں پس چاہیے کہ کھانا دیا جاوے اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے اور کہا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے انتہی۔

اور دوسری حدیث جس سے صوم کی نفی پائی جاتی ہے مشکوٰۃ شریف میں اس طور سے آئی ہے" اِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُسْأَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ يُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ فَيَقُوْلُ لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا "(۱) یعنی تحقیق ابن عمر سوال کیے جاتے تھے کیا روزہ رکھے کوئی کسی کی طرف سے یا نماز پڑھے پس فرماتے نہ روزہ رکھے کوئی کسی کی طرف سے اور نہ نماز پڑھے روایت کیا اس کو امام مالک نے موطا میں انتہی پس اس حدیث سے روزے کی ممانعت پائی جاتی ہے اور پہلی حدیث اس حدیث صحیحین کی تفسیر ہے جس میں لفظ صوم آیا ہے یعنی اس کی طرف سے روزہ رکھنا کھانے سے اس کا تدارک کر دینا ہے پس جب مساکین کو کھانا دینے سے وہ میت روزے سے بری ہو گئی تو گویا اس شخص نے اس کی طرف سے روزے ادا کیے اور ایک حدیث عبداللہ بن عباس سے بھی صحیحین میں روزے کی قضا میں وارد ہے مگر وہاں لفظ صوم نہیں بلکہ قضا ہے سو وہ کھانا دینے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے علاوہ اس کے عبداللہ بن عباس جو راوی اس حدیث کے ہیں مثل ابن عمر کے فرماتے ہیں چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

" وَقَدْ اَخْرَجَ النَّسَائِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ رَاوِي الْحَدِيْثِ فِي سُنَنِهِ الْكُبْرٰى اَنَّهُ قَالَ لَا يُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَفَتْوَى الرَّاوِي عَلٰى خِلَافِ مَرْوِيِّهِ بِمَنْزِلَةِ رِوَايَتِهِ لِلنَّاسِخِ "(۲)۔

یعنی تحقیق روایت کی ہے نسائی نے ابن عباس سے اور وہی راوی اس حدیث کے ہیں اپنی سنن کبریٰ میں کہ کہا انھوں نے نماز نہ پڑھے کوئی کسی کی طرف سے اور نہ روزہ رکھے کوئی کسی کی طرف سے اور فتویٰ دینا راوی کا خلاف اپنے مروی کے بمنزلہ روایت کرنے اس کی کے ہے ناسخ کے لیے انتہی۔

پھر اس کے نسخ کی تائید میں علامہ ابن ہمام نے امام مالک کا قول بھی نقل کیا ہے" قَالَ مَالِكٌ لَمْ اَسْمَعْ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَا مِنَ التَّابِعِيْنَ بِالْمَدِيْنَةِ اَنَّ اَحَدًا مِنْهُمْ اَمَرَ اَحَدًا يَصُوْمُ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُصَلِّي عَنْ اَحَدٍ اِنْتَهٰى وَهٰذَا مِمَّا يُؤَيِّدُ النَّسْخَ وَاَنَّهُ الْاَمْرُ الَّذِي اِسْتَقَرَّ الشَّرْعُ عَلَيْهِ اٰخِرًا "(۳)۔

یعنی کہا امام مالک نے نہیں سنا میں نے کسی سے صحابہ اور تابعین میں سے مدینہ شریف میں کہ کسی نے ان میں سے حکم کیا ہو کسی کو

۱..... مشكوة المصابيح : كتاب الصوم ، باب القضاء ، الفصل الثالث ، ج : ۱ ، ص : ۱۷۸ ۔

۲..... فتح القدير : كتاب الصوم ، فصل في العوارض ، ج : ۲ ، ص : ۳۶۴ ۔

۳..... فتح القدير : كتاب الصوم ، فصل في العوارض ، ج : ۲ ، ص : ۳۶۴ ۔

کہ کسی کی طرف سے روزہ رکھے یا نماز پڑھے اور یہ قول امام مالک کا اس قسم سے ہے کہ نسخ کی تائید کرتا ہے اور وہ ایسا امر ہے کہ آخر میں شرع اسی پر قرار پائی ہے انتہی۔

پس ان تقریرات سے واضح ہوا کہ دلائل حنفیہ کے بہت قوی ہیں چہ جائے کہ مخالفت ہو استغفر اللہ غیر مقلد صاحب جائیں اور ان کا کام جانے۔ ع

بر رسولاں بلاغ باشد و بس (۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص رات کو فرض روزے کی نیت نہ کرے تو دن کو زوال کے وقت تک اس کو نیت کر لی جائز ہے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ مسند امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ میں روایت ہے الخ۔

کشف کید پنجاہ و پنجم

روزۂ رمضان کی نیت قبل زوال درست ہے

اقول: اس حدیث سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ رمضان کے روزے کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے بلکہ جائز ہے کہ روزہ قضا وکفارہ ونذر غیر معین مراد ہوں ان میں حنفیہ کے نزدیک بھی رات سے نیت روزے کی ضرور ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رات سے پہلے قبل غروب کے نیت کرنے سے منع فرمایا ہو پس یہ تخصیص کہاں سے نکلی کہ رات کے بعد نیت درست نہیں یہ صورت کیوں نہیں لیتے ہو رات سے پہلے دن میں نیت نہیں چاہیے اور یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ جو شخص رات سے روزے کی نیت نہ کرے یعنی دن میں اگر نیت ہو تو رات سے روزے کی ہو، اس وقت سے اگر روزہ رکھے گا اور یہ نیت نہ کرے گا کہ میرا روزہ شب سے ہے تو روزہ اس کا نہیں ہوگا اس صورت میں لفظ "من" لفظ "صام" کے متعلق ہوگا لفظ "ینو" کے متعلق نہ ہوگا اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی بلکہ معنی بہت ٹھیک ہو گئے اور کوئی دلیل اس پر نہیں کہ "من اللیل" کو "لم ینو" کے متعلق کیا جائے بلکہ صیام جو قریب اس کے ہے زیادہ استحقاق بوجہ قرب کے رکھتا ہے یا اس حدیث میں کمال صوم کی نفی مراد ہو یعنی کامل روزہ اس کا نہیں ہوگا اور فضیلت روزے کی حاصل نہ ہوگی جب تک کہ رات سے نیت نہ کرے گا جیسے وضو میں وارد ہوا کہ جو شخص بسم اللہ نہیں کہے گا اس کا وضو نہیں ہوگا اس سے نفی کمال کی ہے اور جیسے جار مسجد کی نسبت وارد ہے کہ جو شخص مسجد کے متصل رہتا ہو اس کی نماز سوائے اس مسجد کے نہ ہوگی پس یہاں بھی نفی فضیلت کی ہے اس قسم کے بہت احادیث وارد ہیں۔

پس چاروں احتمال نہایت قوی ہیں علاوہ اس کے اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کلام ہے ترمذی کے نزدیک تو موقوف ہے اور اکثر اس کے موقوف ہونے کے قائل ہیں بعض نے مرفوع کہا ہے پس جس حدیث میں اس قدر اضطراب ہو اور

---

۱ ..... قاصدوں کی ذمہ داری محض پیغام پہنچا دینا ہے اور بس۔

دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہوں تو اس کو شیخین کی حدیث اور قرآن پر ترجیح دینی نہیں چاہیے امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں لکھا ہے۔

"وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰی ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ اَبَاحَ الْاَكْلَ وَالشُّرْبَ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ ثُمَّ اَمَرَ بِالصِّيَامِ بَعْدَهُ بِكَلِمَةِ ثُمَّ وَهِيَ لِلتَّرَاخِيْ فَتَصِيْرُ الْعَزِيْمَةُ بَعْدَ الْفَجْرِ وَرُوِيَ اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ اَذِّنْ فِي النَّاسِ اَنَّ مَنْ اَكَلَ فَلْيُمْسِكْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ اَكَلَ فَلْيَصُمْ"(۱)۔

یعنی ہماری دلیل قول اللہ تعالیٰ کا ہے کھاؤ تم اور پیو تم یہاں تک کہ صبح صادق صبح کاذب سے نمودار ہو جائے پھر تمام کرو روزے کو رات تک خدائے تعالیٰ نے کھانے اور پینے کو طلوع صبح صادق تک مباح کیا ہے پھر حکم کیا ہے روزے کا بعد اس کے ساتھ لفظ "ثم" کے اور لفظ ثم واسطے تراخی اور مہلت کے آتا ہے پس عزم روزے کا لامحالہ بعد صبح صادق ہوگا اور روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں میں پکار دو کہ جس شخص نے کچھ کھا لیا ہو پس چاہیے کہ باقی دن رکا رہے اور جس نے کچھ نہ کھایا ہو پس چاہیے کہ روزہ رکھ لے انتہی۔

اور شیخ الاسلام علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ بخاری اور مسلم میں سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص اسلمی کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں کہہ دو کہ جس نے کھایا ہے پس چاہیے کہ باقی دن ٹھہرا رہے اور جس نے نہیں کھایا ہے پس چاہیے کہ روزہ رکھ لے اس لیے کہ آج کا دن عاشورے کا ہے، اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ محرم کا روزہ قبل منسوخ ہونے اس کے کے روزہ رمضان سے واجب تھا اس واسطے کہ باقی دن نہ کھانے کا اسی روزے میں حکم ہوتا ہے جو مفروض متعین ہو برخلاف قضائے رمضان کے اگر اس میں افطار کر لے تو یہ حکم نہیں، پس معلوم ہوا کہ جس پر روزہ کسی دن کا متعین ہو اور رات سے اس نے نیت اس کی نہ کی ہو تو دن کو نیت اس کی کافی ہو جائے گی اور یہ بنا اس کے ہے کہ روزہ عاشورے کا واجب تھا اور ابن جوزی نے اس کو منع کیا ہے اس حدیث سے جو بخاری اور مسلم میں معاویہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے تھے یہ دن عاشورے کا ہے تمہیں فرض کیا گیا ہم پر روزہ اس کا پس جو چاہے تم میں سے روزہ رکھنا رکھ لے میں تو روزہ دار ہوں پس روزہ رکھا آدمیوں نے اور اس دلیل سے بھی منع کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کھا لیا تھا حکم قضا کا نہیں دیا تھا اور یہ قول ابن جوزی کا بایں طور مردود ہے کہ معاویہ بعد فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے ہیں پس اگر انہوں نے اس حدیث کو بعد اسلام اپنے کے سنا ہے تو ظاہر ہے کہ سن نو یا دس ہجری میں سنا ہوگا پس یہ سننا بعد منسوخ ہونے روزہ عاشورا کے روزہ رمضان سے تھا تو معنی اس حدیث کے یہ ہوئے کہ بعد واجب ہونے رمضان کے روزہ عاشورا فرض نہیں تا کہ اس حدیث میں اور ان حدیثوں میں جو صریح روزہ عاشورا کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں تطبیق ہو جائے۔

۱.....تبیین الحقائق: کتاب الصوم، ج: ۲، ص: ۱۴۹، ۱۵۰۔

اور اگر قبل اسلام اپنے کے خاہے تو جائز ہے کہ پہلے فرض ہونے روزہ عاشورا کے سنا ہو اور عاشورے کا روزہ رمضان کے روزے سے منسوخ ہو گیا ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے عاشورے کا روزہ قریش زمانہ جاہلیت میں رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی رکھتے تھے پس جب آپ مدینے میں تشریف لائے عاشورے کا روزہ رکھا اور حکم کیا اس روزے کا پس جب رمضان کا روزہ فرض ہوا فرمایا جو چاہے رکھے اور جو چاہے ترک کرے۔

اور ہونا لفظ امر کا مشترک درمیان استحباب اور وجوب کے ممنوع ہے اور اگر تسلیم کیا جائے پس یہ قول عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہ جب رمضان فرض ہوا فرمایا جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے دلیل اس پر ہے کہ یہاں لفظ امر واسطے وجوب کے ہے کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ اختیار دینا اس اعتبار سے نہیں کہ پہلے مستحب تھا اس لیے کہ اب بھی مستحب بلکہ مسنون ہے پس یہ اختیار دینا اس اعتبار سے ہے کہ پہلے واجب تھا اسی طرح اس حدیث صحیحین سے بھی جو مذکور ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے حکم کرنے سے کہ باقی دن نہ کھایا جائے فرضیت معلوم ہوتی ہے پس ثابت ہو گیا کہ فرضیت روزہ کی نیت کے اعتبار سے بعض دن میں منع نہیں کرتی پس مقدم کرنا اس حدیث کا جو ہم نے روایت کی ہے مخالفین کی روایت کی ہوئی حدیث پر واجب ہے اس واسطے کہ صحیحین کی حدیث ان کی حدیث کے نسبت قوی ہے پھر ہم اس میں اختلاف صحت رفع بھی نقل کر چکے ہیں پس لازم آیا اس سے کہ مراد اس سے نفی کمال کی ہے جیسے " لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ " وغیرہ میں نفی فضیلت مراد ہے یا مراد یہ ہے کہ اس نے رات سے روزہ ہونے کی نیت نہ کی پس جار مجرور کہ وہ "من اللیل" ہے متعلق لفظ صیام دوسری کے ہوگا متعلق لفظ "ینو" کے نہیں پس دن میں یہ نیت نہ کرنے سے کہ میرا روزہ رات سے ہے روزہ نہ ہوگا انتہی (۱)۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ مشکوۃ میں اور علامہ محمد نے زرقانی شرح موطا امام مالک میں لکھا ہے کہ اعتکاف میں بیٹھنے والا داخل ہو بیچ جگہ اعتکاف کے پہلے غروب ہونے کے آفتاب سے الخ۔

کشف کید پنجاہ ششم

اعتکاف کا بیان

اقول: جو معنی ظاہر تھے اور تاویل اس میں نہ تھی ان کو آپ نے غیر ظاہر بتلایا اور جو معنی خلاف ظاہر تھے وہ موافق ظاہر ہو گئے خدا جانے ظاہر آپ کی اصطلاح میں کیا شئی ہے؟ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر آپ نے اس کو قرار دیا ہے جس کو الفاظ اور قرینہ مقتضی نہ ہو" وَلَا مُنَاقَشَةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ "(اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں) بلکہ ظاہر معنی تو یہی ہیں کہ معتکف میں جو جائے اعتکاف کی نماز صبح پڑھ کر داخل ہوتے تھے اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ اعتکاف بھی اسی وقت سے شروع ہوتا تھا۔

۱۔۔۔۔فتح القدیر: کتاب الصوم، ج: ۲، ص: ۳۱۹۔

محض آپ کی رائے ناقص ہے کوئی قرینہ اس پر دال نہیں۔ کیا جب آدمی اعتکاف کی نیت کرے اسی وقت گوشے میں بھی اس پر بیٹھنا ضرور ہے کیا شب کو اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہنا اور صبح کو خلوت نشین ہونا خلاف سنت ہے؟ فقط معتکف میں داخل ہوتے سے ابتدائے اعتکاف اپنی طرف سے کہنا محض اتہام ہے کہیں ذکر اس کا صراحتاً یا ضمناً نہیں جس کے الفاظ مقتضی نہ ہوں یا کوئی قرینہ اس پر دال نہ ہو اس کو مثل نص جاننا اور دوسروں پر طعن کرنا غایت درجہ کی سفاہت ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا　　　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اس حدیث سے فقط اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو گوشہ نشینی منظور ہوتی صبح کی نماز پڑھ کے خلوت خانے میں تشریف لے جاتے تھے شب کو اس میں داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ اشارۃً اس سے سمجھا جاتا ہے کہ جب معتکف میں جانے کو بعد صبح کے ذکر کیا ہے تو نیت پہلے تھی اور اعتکاف پیشتر کر چکے تھے معتکف میں اب داخل ہوئے شاید آپ کو اعتکاف کے لفظ سے دھوکا ہو گیا یہاں اعتکاف کے معنی گوشہ نشینی کے ہیں اصطلاحی اعتکاف مراد نہیں اور معتکف کا لفظ واسطے ان معنوں کے قرینہ ظاہر ہے علاوہ اس کے جب تمام احادیث میں دس دن کا اعتکاف مذکور ہے تو اس میں شب یا تبع ضرور آ جائے گی چنانچہ محاورات عرب و کلام مجید اس پر شاہد عادل ہے کہ جب ایام بولتے ہیں تو راتیں بھی مراد ہوتی ہیں اور جب لیالی بولتے ہیں تو دن اس میں ضرور ارادہ کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں " اَلَا تَرٰی اِلٰی قِصَّةِ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَيْثُ قَالَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَقَالَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا وَالْقِصَّةُ كَانَتْ وَاحِدَةً " یعنی کیا نہیں دیکھتا تو طرف قصہ زکریا علیہ السلام کے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ کہ نہ کلام کرے تو آدمیوں سے تین دن مگر اشاروں سے اور فرمایا یہ کہ نہ کلام کرے تو آدمیوں سے تین شب برابر اور قصہ ایک ہی تھا انتہی۔

" يُقَالُ مَا رَاَيْتُكَ مُنْذُ اَيَّامٍ " یعنی کہا جاتا ہے نہیں دیکھا میں نے تجھ کو کئی دن سے۔ ع

يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِيْ

یعنی خوش ہوتا ہے آدمی راتوں کے گزرنے سے انتہی۔ پس جہاں دنوں کو ذکر کیا ہے وہاں راتیں بھی مراد ہیں اور جس جگہ راتیں ذکر کی ہیں وہاں دن بھی مقصود ہیں پھر کون سی وجہ ہے کہ اول شب ایک دن کی چھوڑ دی جاوے؟ جب دس دن ذکر کیے اس کی راتیں بھی کل مراد ہوں گی پھر اول شب نہ لینا محض دھینگا دھینگی ہے حدیث سے ہرگز ثابت نہیں اور ان معنوں کی طرف تو سوائے دو تین شخصوں کے جمہور امت گئے ہیں۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ محرم تہ پہنے کرتہ اور نہ پائجامہ اور نہ عمامہ قائدہ ملا علی قاری حنفی نے "مرقات شرح مشکوٰۃ" میں لکھا ہے کہ جس محرم کے پاس تہبند نہ ہو پائجامہ ہی ہو تو وہ پائجامہ کو پھاڑ کر اس کا تہبند بنا لیوے اور

اگر پائجامہ ہی پہنے گا تو اس پر دم آوے گا یعنی جانور ذبح کرے گا۔

کشف کید پنجاہ و ہفتم

حج کا بیان

امام اعظم کے نزدیک محرم کو سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں

اقول: امام صاحب کے نزدیک احرام باندھتے ہوئے کو سلی ہوئی شی مثل پائجامہ وغیرہ کے پہننا جائز نہیں اور یہی مذہب امام مالک اور صاحبین کا ہے اور ماخذ ان کا وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ اور طحاوی میں مذکور ہے "سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ الحديث"(۱)۔

یعنی سوال کیے گئے رسول اللہ ﷺ کہ کون سے کپڑے محرم پہنے؟ پس فرمایا آپ نے نہ پہنے کرتا اور نہ پگڑی اور نہ پائجامہ الخ پس امام مالک تو اس حدیث کا جس میں پائجامہ پہننے کو بوقت ضرورت اجازت ہے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور امام صاحب اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت پڑے پائجامہ پہنے مگر کفارہ اس کا آجائے گا گو یہ حدیث کفارے سے ساکت ہے مگر اور دلائل و احادیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ جو چیزیں قبل از احرام حلال تھیں اور محرم کو ان کی ممانعت کردی گئی اگر ضرورت ان کی پڑے تو مباح ہیں مگر کفارہ ضرور آئے گا۔

چنانچہ "شرح معانی الآثار" میں ہے "فَنَحْنُ نَقُوْلُ بِذٰلِكَ وَنُبِيْحُ لَهٗ لُبْسَهٗ لِلضَّرُوْرَةِ وَلٰكِنَّا نُوْجِبُ عَلَيْهِ مَعَ ذٰلِكَ الْكَفَّارَةَ وَلَيْسَ فِيْمَا رَوَيْتُمُوْهُ نَفْيٌ لِوُجُوْبِ الْكَفَّارَةِ وَإِنَّا لَمْ نَقُلْ لَا يَلْبَسُ الْخُفَّيْنِ إِذَا لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ وَلَا السَّرَاوِيْلَ إِذَا لَمْ يَجِدْ إِزَارًا وَلَوْ قُلْنَا ذٰلِكَ كُنَّا مُخَالِفِيْنَ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ نَعَمْ أَوْجَبْنَا عَلَيْهِ مَعَ ذٰلِكَ الْكَفَّارَةَ بِالدَّلَائِلِ الْقَائِمَةِ الْمُوْجِبَةِ لِذٰلِكَ وَإِنَّمَا الْخِلَافُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ فِي التَّأْوِيْلِ لَا فِيْ نَفْسِ الْحَدِيْثِ لِأَنَّا قَدْ صَرَفْنَا الْحَدِيْثَ عَلٰى وَجْهٍ يَحْتَمِلُهٗ وَلَا تُوْجِبُوْا عَلٰى مَنْ خَالَفَ تَاوِيْلَكُمْ خِلَافًا لِذٰلِكَ الْحَدِيْثِ"(۲) یعنی پس ہم کہتے ہیں یہی اور مباح جانتے ہیں واسطے اُس کے پہننا بوجہ ضرورت کے ولیکن واجب جانتے ہیں ہم اس پر باوجود اس کے کفارے کو اور نہیں ہے اُس حدیث میں جو بیان کی ہے تم نے نفی وجوب کفارہ کی اور ہم نہیں کہتے کہ نہ پہنے موزوں کو جب کہ جوتیاں نہ ملیں اور نہ پائجامہ جب کہ تہبند نہ ہو اور اگر ہم یہ کہیں تو اس حدیث کے مخالف ہو جائیں گے ہاں

۱......صحیح البخاری: باب ما یلبس المحرم من الثیاب، ج: ۱، ص: ۲۰۹ (مجلس برکات مبارک پور)

......صحیح مسلم: باب ما یباح للمحرم بحج او عمرۃ لبسہ وما لایباح، ج: ۱، ص: ۳۷۲۔

(مجلس برکات مبارک پور)

۲......شرح معانی الآثار: باب ما یلبس المحرم من الثیاب، ج: ۱، ص: ۳۹۵۔

واجب کرتے ہیں ہم اس پر باوجود اس کے کفارے کو بوجہ دلائل موجودہ کے جو واجب کرنے والے کفارے کے ہیں اور جزا ایں نیست کہ خلاف درمیان ہمارے اور تمہارے تاویل میں ہے نفس حدیث میں خلاف نہیں کیونکہ ہم نے حدیث کو ان معنوں میں بیان کیا ہے جن کی حدیث محتمل ہے اور جو شخص تمہاری تاویل کے خلاف کہے اس کو خلاف حدیث مت کہو انتہی۔

مختصراً اور امام صاحب سے بھی یہ دونوں حدیثیں "عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ الامام ابی حنیفہ" میں مروی ہیں اور دونوں حدیثوں میں یہی تطبیق دی گئی ہے ورنہ ہر محتی عنہ کے ارتکاب میں بوجہ ضرورت کے کفارہ لازم نہ آوے پس ضرورت کا ہونا اس امر کو مقتضی نہیں کہ کفارہ بھی ساقط ہو جائے چنانچہ امام طحاوی نے اس کو خوب دھوم دھام سے شرح معانی الآثار میں ثابت کیا ہے اور ہر ایک کا جواب باصواب دیا ہے" مَنِ اسْتَطَاعَ عَلَيْهِ فَلْيَرْجِعْ إِلَيْهِ "(۱) (جو حاشی ہو وہ طحاوی شریف کی جانب مراجعت کرے۔ ت)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قبل ذبح سر مونڈانے سے دم یعنی جانور ذبح کرنا آتا ہے اور یہ مذہب امام اعظم اور امام ملک رحمۃ اللہ علیہما کا ہے الخ۔

کشف کید پنجاہ و ششم

اقول: امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں لکھا ہے" حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ ثَنَا الْخَصِيبُ ثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ مَنْ قَدَّمَ شَيْئًا مِنْ حَجِّهِ أَوْ أَخَّرَهُ فَلْيُهْرِقْ دَمًا فَهٰذَا ابْنُ عَبَّاسٍ رضي الله عنه يُوجِبُ عَلَى مَنْ قَدَّمَ نُسُكًا مِنْ نُسُكِهِ أَوْ أَخَّرَهُ دَمًا وَهُوَ أَحَدُ مَنْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ مَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ مِنْ أَمْرِ الْحَجِّ إِلَّا قَالَ لَا حَرَجَ فَلَمْ يَكُنْ مَعْنَى ذٰلِكَ عِنْدَهُ عَلَى الْإِبَاحَةِ فِي تَقْدِيمِ مَا قَدَّمُوا وَتَأْخِيرِ مَا أَخَّرُوا مِمَّا ذَكَرْنَا أَنَّ فِيهِ الدَّمَ وَلٰكِنْ مَعْنَى ذٰلِكَ عِنْدَهُ أَنَّ الَّذِي فَعَلُوهُ فِي حَجَّةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَانَ عَلَى الْجَهْلِ بِالْحُكْمِ فِيهِ كَيْفَ هُوَ فَعَذَرَهُمْ لِجَهْلِهِمْ وَأَمَرَهُمْ فِي الْمُسْتَأْنَفِ أَنْ يَتَعَلَّمُوا مَنَاسِكَهُمْ "(۲) یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے جو شخص مقدم کرے حج میں سے کسی شی کو یا مؤخر کرے پس جانور ذبح کرے پس یہ ابن عباس ہیں کہ واجب کرتے ہیں دم اس شخص پر جو کسی رکن کو مقدم کرے یا مؤخر کرے حالانکہ ابن عباس اُن میں سے ہیں جنہوں نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہیں سوال کیے گئے کسی شے سے جو مقدم کی گئی ہو یا مؤخر امر حج میں سے مگر فرمایا آپ نے کوئی گناہ نہیں پس نہ ہوئے نزدیک اُن کے معنی اس حدیث کے یہ کہ تقدیم اور تاخیر جس سے دم آ جاتا ہم نے ذکر کیا ہے ان لوگوں کو مباح تھی بلکہ معنی اس حدیث کے نزدیک ابن عباس کے یہ ہیں کہ جس فعل کو لوگوں نے حجۃ الوداع میں کیا ہے وہ بسبب نہ جاننے حکم اس کے تھا کہ یہ معلوم نہ تھا کہ حکم اس کا کیونکر ہے پس

(۱)......شرح معانی الآثار: باب مایلبس المحرم من الثیاب، ج: ۱ ص: ۳۹۶۔

(۲)......شرح معانی الآثار: باب من قدم من حجۃ نسکا قبل نسک، ج: ۱ ص: ۴۴۸، ۴۴۷۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو معذور رکھا اور حکم فرمایا کہ مناسک حج سیکھیں انتہی۔

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "لا حرج" کے معنی یہ ہیں کہ کچھ گناہ نہیں یہ معنی نہیں کہ اس میں دم دینا بھی نہیں آتا علاوہ اس کے یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا وہ قارن یا متمتع تھا مفرد نہ تھا اگر مفرد ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی اس پر تقدیم اور تاخیر میں دم لازم نہیں آتا اور "لمعات شرح مشکوۃ" میں ہے معلوم کرو کہ تحقیق افعال حج کے قربانی کے دن چار ہوتے ہیں کنکریاں مارنا اور ذبح کرنا اور سر مونڈانا اور طواف کرنا اور اختلاف کیا انہوں نے اس امر میں کہ یہ ترتیب سنت ہے یا واجب ہے پس ایک جماعت جن میں سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں طرف وجوب کے گئی ہے اور کہا انہوں نے کہ مراد نفی حرج سے گناہ ہوتا ہے بسبب عدم علم ونسیان کے لیکن دم واجب ہے اور کہا علامہ عینی نے کہ ابن عباس ؓ نے مثل اسی کے حدیث روایت کی ہے اور دم واجب کیا ہے پس اگر نہ ہوتی یہ بات کہ انہوں نے اس حدیث کے یہی معنی سمجھے اور جانا کہ یہی معنی مراد ہیں البتہ نہ حکم کرتے برخلاف اس کے انتہی۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور در المختار وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے "وَلَا يُشْعِرُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ" یعنی نہ زخم کیا جاوے اونٹ کو نزدیک ابی حنیفہ کے اس لئے کہ ان کے نزدیک اشعار مثلہ ہے یعنی تکلیف دینا ہے الخ۔

کشف کید پنجاہ و نہم

امام اعظم کے نزدیک صرف وہ اشعار مکروہ ہے جو حد سنت سے متجاوز ہو

اقول: اشعار کی دو قسمیں ہیں ایک اشعار مسنون جس میں فقط کھال کاٹ دی جاتی ہے اور گوشت محفوظ رہتا ہے اس کو امام صاحب نے ہرگز مثلہ نہیں فرمایا ورنہ امام صاحب کے نزدیک فصد اور پچھنے اور داغ بھی ناجائز ہوتا البتہ جو حد مسنون سے تجاوز کرنا دستور ہو جائے گا تو اس کو کون مسنون بتلائے گا؟ مثلاً ختنے میں بالفرض اگر کھال کے سوا ایک ذرا سا گوشت کاٹنے کا دستور ہو جائے گا تو ہرگز سنت ادا نہ ہوگی بلکہ یہ فعل بدعت قرار دیا جائے گا سنت تو وہی ہے کہ فقط کھال کاٹی جائے ورنہ خلاف مسنون کو مسنون کہنا لازم آئے گا۔

پس امام صاحب ایسے اشعار کو جس میں گوشت نہ کٹے فقط کھال کاٹ دی جاوے جائز اور مستحب کہتے ہیں چنانچہ در مختار میں لکھا ہے "فَاَمَّا مَنْ اَحْسَنَهٗ بِاَنْ قَطَعَ الْجِلْدَ فَقَطْ فَلَا بَاسَ بِهٖ" یعنی جو شخص اشعار عمدہ طور پر اس طرح کرے کہ فقط کھال کاٹ دے سو کچھ مضائقہ اس کا نہیں ہے انتہی اور طحطاوی شرح در مختار میں ہے "قَوْلُهٗ فَلَا بَاسَ بِهٖ اَرَادَ اَنَّهٗ مُسْتَحَبٌّ لِمَا قَدَّمْنَا" یعنی قول شارح "کا فلا باس بہ" ارادہ کیا اس سے کہ وہ یعنی اشعار مستحب ہے اس وجہ سے جو پہلے ہم نے بیان کی انتہی۔

علی ہذا القیاس مبسوط وغیرہ سب فقہ کی کتابوں میں اس اشعار کو کہ بطریق مسنون ہے ہرگز مثلہ نہیں لکھا البتہ امام صاحب کے

زمانے میں جو اشعار شائع ہو گیا تھا کہ گوشت بھی کاٹ ڈالتے تھے اور جانور گوشت کٹنے کی وجہ سے قریب بہلاکت پہونچتا تھا یہ اشعار بیشک خلاف مسنون ہے اسی اشعار کو امام صاحب نے مثلہ کہا ہے اور مثلہ کی ممانعت احادیث صحاح مثل بخاری وابوداؤد ومسند امام احمد ومستدرک حاکم وغیرہ میں موجود ہے (۱) ہاں اشعار مسنون مثلہ نہیں ورنہ ختنہ وغیرہ سب مثلہ ہو جائیں گے حالانکہ یہ بالاتفاق جائز ہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے" لِاَنَّ مُرَادَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ لَیْسَ مُطْلَقَ الْمُثْلَةِ وَاِنَّمَا مُرَادُهُ الْمُثْلَةُ الَّتِیْ لَا یُبَاحُ فِعْلُهَا وَاَبُوْحَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَاكَرِهَ اَصْلَ الْاِشْعَارِ وَكَیْفَ یَكْرَهُ ذٰلِكَ مَعَ مَا اشْتَهَرَ فِیْهِ مِنَ الْاٰثَارِ وَقَالَ الطَّحَاوِیُّ وَاِنَّمَا كَرِهَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِشْعَارَ اَهْلِ زَمَانِهٖ لِاَنَّهٗ رَاٰهُمْ یَسْتَقْصُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ عَلٰی وَجْهٍ یُخَافُ مِنْهُ هَلَاكُ الْبَدَنَةِ لِسِرَایَتِهٖ خُصُوْصًا فِیْ حَرِّ الْحِجَازِ" یعنی اس لیے کہ مراد امام صاحب کی مثلہ سے مطلق مثلہ نہیں بلکہ مراد ان کی وہ مثلہ ہے جس کا کرنا جائز نہیں اور ابوحنیفہ نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں جانا اور کیونکر مکروہ جانیں گے باوجودیکہ آثار مشہورہ اس میں وارد ہیں اور کہا امام طحاوی نے کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے لوگوں کا اشعار مکروہ جانا اس لیے کہ ان کو اس طور سے زیادہ اشعار کرتے ہوئے دیکھا جس سے خوف ہلاکت جانور کا تھا خصوصاً گرمی میں ملک حجاز اس کے سرایت کر جانے کی وجہ سے انتہی۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ مثلہ غیر مباح امام صاحب نے اشعار کو قرار دیا ہے اور امام طحاوی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں لوگ اشعار میں زیادتی خلاف مسنون کرتے تھے اس لیے امام صاحب نے مکروہ سمجھا اور اصل اشعار جو مسنون ہے امام صاحب کے نزدیک بھی مکروہ نہیں اس میں فقط نزاع لفظی ہے جو اشعار کو مسنون کہتے ہیں ان کے نزدیک وہی اشعار ہے جس میں گوشت کاٹنے تک نوبت نہ آئے اور جو مکروہ کہتے ہیں وہ باعتبار اپنے زمانے کے کہ خلاف مسنون حد اعتدال سے تجاوز کر گیا تھا اصل اشعار مسنون کو مکروہ نہیں کہتے پس مخالفت مطلق نہ ہوئی اور اشعار ایسا مسنون نہیں کہ اس کی تاکید ہوئی ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فقط ایک بار کیا ہے اسی لیے ابن عباس ؓ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے ترک کرنے کی اجازت دے دی تھی چنانچہ یہ تقریر عینی میں بعد عبارت مذکورہ کے لکھی ہے بہر حال فعل رسول اللہ ﷺ بدعت نہیں ہو سکتا ہاں افراط تفریط بدعت ہو جاتی ہے۔

قـــال: راقم کہتا ہے کہ مسائل امام اعظم کے جو فقہ حنفیہ کی کتابوں میں درج ہیں صحیح صحیح حدیثوں کے اس قدر مخالف ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا انتہی۔

اقـــول: کیوں افترا پر کمر باندھی ہے خدا کا بھی خوف جاتا رہا اگر مخالفت واقعی مراد ہے جیسا کہ آپ کی موافقت ہے تو اس کا ثبوت آج تک کسی متعصب سے نہیں ہو سکا بعض بعض حاسدین نے بہت زور لگائے مگر اپنا سا منہ لیکر رہ گئے مخالفت جس کا

۱.....صحیح مسلم: باب تأمیر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہم ایاہم بآداب الغزو وغیرہا، ج: ۲، ص: ۸۲۔

نام ہے اس سے تو عنایت الٰہی چاروں مسلک محفوظ ہیں ورنہ ان چاروں مذہب کی حقیت پر اجماع نہ ہوتا، ہاں! جس حدیث سے استنباط کیا ہے اس کو چھوڑ دیجئے پھر تو ہر جگہ مخالفت پیدا ہے اس کو مخالفت نہیں کہتے اور اگر مخالفت سے یہ مراد ہے کہ جہاں تک آپ کے ذہن رسا کی طاقت ہے پھر تو اس میں امام صاحب نے کسی کا کیا چھین لیا ہے جو ایسی عنایات سے پیش آتے ہیں ایسا ذہن والا ہر جگہ مخالفت سمجھے گا مگر وہ مخالفت فی الحقیقت اس کے ذہن کی مخالفت ہے حدیث اور قرآن میں مطلق مخالفت نہیں حالانکہ ایسی موٹی عقل والے تو اس کو مخالفت ہی سمجھیں گے جیسے ان لوگوں نے مخالفتیں شمار کی ہیں فقط بیچارے عوام کے واسطے دام تزویر ہے اور جو لوگ عاقل ہیں وہ کیونکر مخالفت جانیں گے بلکہ اگر کہیں اپنی عقل میں ظاہرا مخالفت بھی پائیں گے تو اس کو مخالفت نہ کہیں گے بلکہ کسی عالم سے اس شبہ کو رفع کرلیں گے ایسے شبہات اکثر ہو جاتے ہیں کیا قرآن اور حدیث میں نہیں بہت آیتیں اور حدیثیں ایسی عقل والوں کے نزدیک مخالف ہو جائیں گی کوئی محدثین میں سے ایسا نہیں جس کا قول کسی نہ کسی حدیث کے مخالف واقع نہ ہوا ہو، داؤد ظاہری اور ابن حزم اور قاضی شوکانی اور ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ تلامذہ ابن تیمیہ کے بہت اقوال قرآن وحدیث کے مخالف ہیں اگر زیادہ چوں وچرا آپ کریں گے اور پھر متوجہ طعن ایمہ کے ہوں گے تو ہم ان حضرات کی قلعی کھول دیں گے۔

افسوس باوجودیکہ محققین حنفیہ نے امام صاحب کے کل روایات کا ماخذ حدیث وقرآن سے بدلائل واضحہ ایسا مفصل بیان کردیا ہے کہ جس کو تھوڑی سی عقل ہو وہ بھی سمجھ لے گا اور ہرگز الزام مخالفت کا نہ دے گا لیکن آپ کی عقل پر تو پردہ تعصب کا پڑا ہوا ہے اقوال امام صاحب کی حقیقت کیونکر معلوم ہوگی۔ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد   عیب نماید ہنرش درنظر (۱)

قال: شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ مشکوۃ میں لکھا ہے کہ مدینہ حرم نہیں ہے اور یہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان چار حدیثوں کا الخ۔

کشف کید شصتم

مدینہ کے حرم ہونے کا بیان

مدینہ منورہ مثل مکہ معظمہ کے حرم نہیں

اقول: علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ مدینے کو میں نے حرام کیا اس سے مراد آپ کی حرمت تعظیمی ہے جو احکام کہ متعلق حرام کے ہوتے ہیں وہ مراد نہیں اور دلیل اس کی حدیث مسلم کی ہے کہ فرمایا آپ نے درخت مدینہ کے پتے نہ جھاڑے جائیں مگر چوپایوں کے کھلانے کے واسطے کیونکہ حرم مکہ کے پتے جھاڑنے کسی حال میں درست نہیں

۱.....وہ نگاہ کہ جو عیب کی متلاشی ہوتی ہے اسے ہنر بھی عیب ہی نظر آتا ہے۔ت۔

ہیں، رہا شکار مدینے کا اگرچہ چند صحابہ نے اس کو حرام کہا ہے مگر جمہور صحابہ نے مدینہ شریف کے جانوروں کے شکار کا انکار نہیں کیا ہے اور ہم کو رسول اللہ ﷺ سے شکار مدینہ میں کوئی حدیث ایسے طریق سے نہیں پہونچی جس پر اعتماد کیا جائے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ابو عمیر سے فرمایا کہ تمہارا لال کیا ہوا؟! اگر حرام ہوتا تو آپ وقت ضرورت بیان کے سکوت نہ فرماتے انتہی۔

اور جمہور کے نزدیک شکار میں جزا نہ ہونے سے بھی حرم مکہ سے فرق ہے یہ فقط بعض کی رائے ہے کہ حرم مکہ و مدینہ احکام میں ایک ہے مگر جمہور صحابہ ایسے دونوں میں فرق کرتے ہیں اور ان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوا کہ دونوں کا ایک حکم نہیں چونکہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت مدینے کو فرمائی تھی اور مسلمان آباد ہوتے جاتے تھے اس لیے اس کی زیب و زینت کے واسطے ممانعت فرمادی تاکہ لوگ اگر درخت وغیرہ توڑ کرلے جائیں گے تو زینت اس کی جاتی رہے گی اور اجاڑ سا معلوم ہوگا ورنہ اگر دونوں کا ایک حکم ہوتا تو پتے توڑنے کو نہ فرماتے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ شہر والے اگر گاؤں میں اپنی قربانی بھیج دیں تو ان کو بعد صبح قبل نماز عید قربانی کرنی جائز ہے۔

کشف کید شصت و یکم

قربانی کا بیان

شہر میں نماز عید سے قبل قربانی جائز نہیں

اقول: حدیث سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والوں کو شہر میں قبل نماز قربانی نہیں کرنی چاہیے اگر اس میں حنفیہ مخالف ہوتے تو بیشک خلاف حدیث تھا حنفیہ تو خود اس کے قائل ہیں کہ شہر میں قربانی قبل نماز درست نہیں چنانچہ بخاری اور مسلم (۱) کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہنوز نماز تمام نہیں کی تھی کہ راستے میں دیکھا کہ قربانی ہوگئی اس کو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہنوز نماز ہوئی نہیں یہاں قربانی پہلے سے کرلی اس سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے وہ شہر کی قربانی سے قبل نماز ہے اور اگر کوئی شخص شہر سے باہر تیس چالیس کوس بھیج کر قربانی کراوے تو اس کو حدیث کی نہی ہرگز شامل نہ ہوگی حدیث کا مورد خاص شہر ہے اس کو عام کرلینا فقط اپنی طرف سے مضمون خانہ ساز ہے حدیث سے بالکل یہ بات نہیں پائی جاتی، اسی وجہ سے حنفیہ کے یہاں دو چار دس پانچ کوس کا بھی احتیاطاً حکم شہری کا ہے تاکہ حدیث کی مخالفت کا وہم بھی نہ باقی رہے ہاں اگر اتنی دور بھجوا دے جس میں قصر صلوۃ ہے تو جائز ہے چنانچہ فتاویٰ قاضی خان (۲) میں یہ شرط لکھی ہے کہ اس مقدار دور ہو جاوے جس میں نماز کا قصر

۱.....صحیح البخاری: باب من ذبح قبل الصلاۃ اعادہ، ج: ۲، ص: ۸۳۴۔

۰.....صحیح مسلم: کتاب الاضاحی، باب وقتها، ج: ۲، ص: ۱۵۲۔

۲.....فتاوی قاضی خان (علی هامش فتاوی هندیة) ج: ۳، ص: ۳۴۴ (مطبوعه دار الکتاب دیوبند)

ہوتا ہے اگر پہلے نماز کے اتنی دور پر قربانی کرا دے گا تو ہرگز خلاف حدیث نہ ہوگا پس حدیث کو باوجود خاص ہونے کے عام لینا اور مخالف کہہ دینا کمال بے انصافی ہے اور نہایت بے بصیرتی۔

بے بصیرت را نباشد درحق و باطل تمیز کور یکسان داند عصائے سحر و اعجاز کلیم (۱)

قـــــال: فتاویٰ عالمگیری میں جامع صغیر سے نقل کرکے لکھا ہے کہ عقیقہ کرنا لڑکے اور لڑکی دونوں کا مکروہ ہے نہ کیا جاوے الخ۔

عقیقے کا بیان

کشف کید شصت و دوم

عقیقہ جائز ہے واجب نہیں

اقـــول: ظاہر یہ ہے کہ کراہت سے مراد طریقہ جاہلیت کی کراہت ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ نے موطا میں لکھا ہے "أَمَّا الْعَقِيْقَةُ فَبَلَغَنَا أَنَّهَا كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَقَدْ فُعِلَتْ فِيْ أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نَسَخَ الْأَضْحٰى كُلَّ ذَبْحٍ كَانَ قَبْلَهُ وَنَسَخَ شَهْرُ رَمَضَانَ كُلَّ صَوْمٍ كَانَ قَبْلَهُ وَنَسَخَ غُسْلُ الْجَنَابَةِ كُلَّ غُسْلٍ كَانَ قَبْلَهُ وَنَسَخَتِ الزَّكٰوةُ كُلَّ صَدَقَةٍ كَانَتْ قَبْلَهَا كَذٰلِكَ بَلَغَنَا"۔(۲)

یعنی لیکن عقیقہ پس پہونچا ہم کو کہ وہ ایام جاہلیت میں تھا اور اول اسلام میں بھی کیا گیا پھر منسوخ کر دیا قربانی نے ہر ذبح کو کہ پہلے اس کے تھا اور منسوخ کر دیا رمضان نے ہر روزے کو کہ پہلے اس کے تھا اور منسوخ کیا غسل جنابت نے ہر غسل کو کہ پہلے اس کے تھا اور منسوخ کیا زکوۃ نے ہر صدقے کو کہ پہلے اس کے تھا اسی طرح ہم کو پہونچا ہے انتہی۔

اور شرح موطا میں لکھا ہے "وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ أَنَّهَا مُبَاحَةٌ"(۳) یعنی فرمایا امام صاحب نے کہ عقیقہ کرنا جائز ہے انتہی۔ پس جب سب حدیثوں میں تطبیق دی جائے گی تو بجز جواز کے اور کوئی صورت متعین نہ ہوگی بلکہ امام محمد تو کہتے ہیں کہ ہم کو عقیقے کا منسوخ ہونا پہونچا ہے سو منسوخ ہونا اس کے وجوب کا ہوگا ورنہ احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وجوب کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

پس امام صاحب نے باوجود اس حدیث سے منسوخ ہونے کے اگر مباح کہہ دیا تو کون سا امر خلاف حدیث ہو گیا معترض صاحب کو ایسے طعن بیجا اور الزام ناروا سے کوئی نہ مانے گا بلکہ ہر شخص جاہل متعصب جانے گا گو بجائے خود جہلا میں وہ فاضل ہے

۱..... بے بصیرت شخص کو حق و باطل کے درمیان تمیز نہیں ہوتی ہے کیونکہ اندھے کی نگاہ میں جادو کا عصا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزاتی عصا برابر ہے۔ت۔

۲..... مؤطا امام محمد : باب العقیقة ، ص : ۲۹۱ ، ۲۹۲ (مطبوعہ اشرفی بک ڈپو دیوبند)

۳..... التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد : باب العقیقة ، ص : ۲۸۹۔

بدل بن جنیس اس سے کیا ہوتا ہے۔

لاف دانش گر زند بیوست نادان دور نیست　　　　خفتہ دائم خویش را بیدار بیند بخواب (۱)

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مخالف پیغمبر ﷺ کی تین حدیثوں کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور ردالمحتار اور فتاوی عالمگیری اور فتاوی قاضی خان وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے وَيَجُوزُ بَيْعُ الْكَلْبِ وَالْفَهْدِ وَالسِّبَاعِ الْمُعَلَّمِ وَغَيْرُ الْمُعَلَّمِ فِي ذٰلِكَ سَوَاءٌ یعنی جائز ہے بیع کتے کی اور چیتے کی اور درندوں کی برابر ہے کہ سکھائے ہوئے ہوں یا بے سکھائے ہوئے الخ۔

بیع کا بیان

کشف کید شصت وسوم

ثمن کلب میں علماء کا اختلاف

اقول: کہا علامہ عینی نے شرح بخاری میں " فِيهِ اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ فَقَالَ الْحَسَنُ وَرَبِيعَةُ وَحَمَّادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَدَاوُدُ وَمَالِكٌ فِي رِوَايَةٍ ثَمَنُ الْكَلْبِ حَرَامٌ وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَابْنُ كِنَانَةَ وَسُحْنُونُ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ الْكِلَابُ الَّتِي يُنْتَفَعُ بِهَا يَجُوزُ بَيْعُهَا وَيُبَاحُ أَثْمَانُهَا وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْكَلْبَ الْعَقُورَ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَلَا يُبَاحُ ثَمَنُهُ وَأَجَابَ الطَّحَاوِيُّ عَنِ النَّهْيِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَغَيْرِهِ أَنَّهُ كَانَ حِينَ كَانَ حُكْمُ الْكِلَابِ أَنْ تُقْتَلَ وَكَانَ لَا يَحِلُّ إِمْسَاكُهَا وَقَدْ وَرَدَتْ فِيهِ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ فَمَا كَانَ عَلَى هٰذَا الْحُكْمِ فَثَمَنُهُ حَرَامٌ ثُمَّ لَمَّا أُبِيحَ الْاِنْتِفَاعُ بِالْكِلَابِ لِلْاِصْطِيَادِ وَنَحْوِهِ وَنُهِيَ عَنْ قَتْلِهَا نُسِخَ مَا كَانَ مِنَ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِهَا وَتَنَاوُلِ ثَمَنِهَا "(۲) یعنی ثمن کلب میں اختلاف ہے علماء کا پس کہا حسن اور ربیعہ اور حماد بن ابی سلیمان اور اوزاعی اور شافعی اور احمد اور داؤد اور مالک نے ایک روایت میں کہ قیمت کتے کی حرام ہے اور کہا عطاء بن رباح اور ابراہیم نخعی اور ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد اور ابن کنانہ اور سحنون نے مالکیہ میں سے کہ جن کتوں سے نفع لیا جاتا ہے ان کی بیع درست ہے اور قیمت ان کی مباح ہے اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ دیوانے کتے کی بیع جائز نہیں اور نہ دام اس کے مباح ہیں اور جواب دیا ہے علامہ طحاوی نے ممانعت کا جو اس حدیث میں اور اس کے غیر میں وارد ہے بایں طور کہ یہ ممانعت اس وقت تھی کہ جب حکم کتوں کے مارنے کا

۱........ اگر عقلمندی کی شیخی مارنے لگے تو پھر نادان سے کچھ دور نہیں کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ خواب دیکھنے والا شخص حالت نیند میں بھی خود کو بیدار دیکھتا ہے۔

۲........ عمدة القاري: باب ثمن الكلب ، ج: ۱۰ ، ص: ۴۶،۴۷

(مطبوعه شركة مطبعة مصطفى البابي الحلبي مصر ۱۹۷۲م)

دیا جاتا تھا اور حلال نہ تھا رکھنا ان کا اور تحقیق وارد ہیں اس میں بہت حدیثیں پس جو اس حکم پر تھا اس کے دام حرام تھے پھر جب مباح ہوا نفع لینا کتوں سے شکار وغیرہ کا اور نہی کی گئی ان کے قتل سے تو منسوخ ہو گیا حکم نہی بیع کا اور ان کے دام لینے کا بھی مطلقاً۔

اور نہایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے " فَبِذِكْرِ الرُّخْصَةِ تَبَيَّنَ اِنْتِسَاخُ مَارُوِيَ مِنَ النَّهْيِ وَهٰذَا لِأَنَّهُمْ كَانُوا أَلِفُوا اِقْتِنَاءَ الْكِلَابِ وَكَانَتِ الْكِلَابُ فِيهِمْ تُؤْذِي الصِّبْيَانَ وَالْغُرَبَاءَ فَنُهُوا عَنْ اِقْتِنَائِهَا فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَأُمِرُوا بِقَتْلِ الْكِلَابِ وَنُهُوا عَنْ بَيْعِهَا تَحْقِيقًا لِلزَّجْرِ عَنِ الْعَادَةِ الْمَأْلُوفَةِ ثُمَّ رُخِّصَ لَهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ ثَمَنُ مَا يَكُونُ مُنْتَفَعًا بِهِ وَهُوَ كَلْبُ الصَّيْدِ وَالْحَرْثِ وَالْمَاشِيَةِ " یعنی پس بسبب بیان کرنے رخصت کے ظاہر ہوا منسوخ ہونا نہی کا اور یہ اس لیے کہ انہوں نے الفت پکڑی تھی کتوں کے پالنے کی اور تھے کتے ان میں کہ تکلیف دیا کرتے تھے لڑکوں کو اور مسافروں کو پس ممانعت کی گئی ان کے پالنے سے پس شاق گزرا یہ امر ان پر پس حکم کیے گئے واسطے مار ڈالنے کتوں کے اور ممانعت کی گئی ان کے بیچنے سے تا کہ باز رہیں عادت مالوفہ سے پھر بعد اس کے رخصت دی گئی ان کو اس کتے کی قیمت کی جس سے منتفع ہوں اور وہ شکاری کتا اور کھیتی کا اور گلہ کا ہے انتہی۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ یہ حکم پیشتر تھا بعد میں موقوف ہو گیا اس صورت میں ممانعت اور اجازت کی حدیثوں میں خوب مطابقت ہو جاوے گی اور اگر یہ صورت نہ ہو تو ایک جانب کی صحیح حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے کیوں کہ دونوں طرف کی صحیح حدیثیں موجود ہیں اور یہ فیصلہ قرین قیاس اور ظاہر تر معلوم ہوتا ہے آخر اس میں تو سب متفق ہیں کہ ایک وقت میں آپ نے ان کے مار ڈالنے کا حکم دیا تھا علی ہذا اس میں بھی اتفاق ہے کہ پھر قتل کی ممانعت کر دی اور شکاری کتے وغیرہ کے پالنے کی اجازت دے دی۔

چنانچہ مسلم شریف میں لکھا ہے " أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِقَتْلِ الْكِلَابِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلَابِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ "(۱) یعنی ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کتوں کے مار ڈالنے کا پھر فرمایا ان سے اور کتوں سے کیا واسطہ پھر رخصت دی شکاری کتے اور بکریوں کے گلہ کے کتے کی انتہی۔

البتہ حدیث نہی کی نسخ میں اتفاق نہیں بعض کے نزدیک منسوخ ہے جن میں شیخ ابن ہمام بھی داخل ہیں اور بعض کے نزدیک منسوخ نہیں سو اس اختلاف سے ہمارا مطلب نہیں جاتا ایسے بہت اختلاف ہیں اور ہر ایک کے دلائل موجود اب عقلا خود غور کر لیں گے کہ کون عقل اور نقل کے زیادہ موافق ہے ہاں جو صاحب اس کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں تو جب تک اس بات کو ثابت نہ کر دیں گے حدیث نہی کی پہلے حکم قتل کے آپ نے فرمائی ہے یا بعد ممانعت قتل کے ارشاد ہوئی ہے ہرگز مدعا ان کا جو عدم نسخ ہے ثابت نہ ہو گا کیوں کہ جب پہلے یا بعد ارشاد ہوئی تو اس سے معلوم ہو گا کہ بیع کی ممانعت مطلق ہے وقت قتل کے نہیں تھی اور یہ بات ثابت ہونا محال ہے ورنہ اختلاف درمیان ائمہ کے ممکن نہ تھا۔

---

۱ ۔۔صحیح مسلم : باب حکم ولوغ الکلب ، ج : ۱ ، ص : ۱۳۷ ۔

حدیث سے مطلق کتے کی بیع ثابت ہے

یہ لکھنا آپ کا کہ اس باب میں حنفیہ جتنی حدیثیں لائے ہیں ان سب حدیثوں سے شکاری کتے کی بیع کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے نہ یہ کہ ہر قسم کے کتے کی بیع جائز ہو یہ بات محض غلط ہے اگر آپ تلاش کرتے اور کتابیں حنفیہ کی ملاحظہ فرماتے تو ضرور پتا لگتا اس لیے کہ حنفیہ کا ماخذ قرآن اور حدیث ہے جب کہیں ان دونوں میں نہیں ملتا تو اس وقت قیاس صحیح کر لیتے ہیں کہ جس پر اتفاق ہے اور سب ایمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسا ہی کیا ہے بلکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجتہاد کیا کرتے تھے حضرت رسالت مآب ﷺ کے اجتہاد کے اکثر قائل ہیں غرض حنفیہ کے یہاں اس کا بڑا التزام ہے کہ حتی المقدور جب تک حدیث ملے قیاس کو ترجیح نہیں دیتے اسی واسطے کتب حنفیہ احادیث سے مالا مال ہیں فتح القدیر میں ہے ” وَقَدِ اسْتَدَلَّ فِي الْأَسْرَارِ وَغَيْرِهِ مِنَ الشُّرُوحِ عَلَى عُمُومِ بَيْعِ الْكَلْبِ بِأَنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَوَى عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَضَى فِيْ كَلْبٍ بِأَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا وَلَمْ يُخَصِّصْ نَوْعًا مِنْ أَنْوَاعِ الْكِلَابِ “(۱) یعنی تحقیق استدلال کیا ہے کتاب اسرار وغیرہ میں شرح سے اوپر عمومیت بیع کلب کے بایں طور کہ عبداللہ بن عمرو ﷺ نے روایت کی رسول اللہ ﷺ سے کہ تحقیق آپ نے حکم دیا ایک کتے میں چالیس درہم کا اور نہیں خاص کیا کسی قسم کو کتوں کے اقسام سے انتہی۔

اور عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے:” قَالَ قَضَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ كَلْبٍ بِأَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا فَذَكَرَهُ مُطْلَقًا مِنْ غَيْرِ تَخْصِيْصٍ فِيْ أَنْوَاعِ الْكَلْبِ بِالتَّضْمِيْنِ وَتَضْمِيْنُ الْمُتْلَفِ دَلِيْلٌ عَلَى تَقَوُّمِهِ وَمَالِيَّتِهِ أَوْ نَقُوْلُ ثَبَتَ جَوَازُ بَيْعِ الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ بِقَوْلِهِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ وَجَوَازُ بَيْعِ الْكَلْبِ الْغَيْرِ الْمُعَلَّمِ سِوَى الْعَقُوْرِ بِقَوْلِهِ أَوْمَا شِيَةٍ فَإِنَّ كُلَّ كَلْبٍ تَصْلُحُ لِحِرَاسَةِ الْمَاشِيَةِ إِذْ مِنْ عَادَتِهِ النُّبَاحُ عِنْدَ حِسِّ الذِّئْبِ أَوِ السَّارِقِ “ یعنی کہا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہ حکم دیا رسول اللہ ﷺ نے ایک کتے میں چالیس درہم کا پس ذکر کیا اس کو انہوں نے مطلق بغیر تخصیص کے اقسام کلب میں ساتھ ضمان دلانے کے اور ضمان دلانا تلف کی ہوئی چیز کا دلیل ہے اس کی قیمتی اور مالی ہونے پر یا کہیں گے ہم کہ ثابت ہوا جواز تعلیم یافتہ کتے کی بیع کا قول آنحضرت ” إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ “ سے اور جواز غیر معلم کتے کی بیع کا سوا دیوانے کتے کے قول آنحضرت ” وما شية “ سے اس لیے کہ تحقیق ہر کتا صلاحیت رکھتا ہے بکریوں کی نگہبانی کی کیوں کہ اس کی عادت سے بھونکنا ہے بھیڑیے کے دریافت کرنے کے وقت یا چور کے انتہی۔

اور کہا علامہ عینی نے کہ اس حدیث کو امام طحاوی ساتھ اسناد صحیح کے مرسل لائے ہیں اور کہا انہوں نے کہ اس میں روایت صحابہ اور تابعین سے کی گئی ہے انتہی۔

قال: اس مسئلہ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جمع کی ہوئی کہنا محض کذب ہے۔

۱.....فتح القدیر: کتاب البیوع، مسائل منثورہ، ج: ۷، ص: ۱۹۳ (مجلس برکات رضا پور بندر، گجرات ۲۰۰۴ء)

امام اعظم کے مسانید وروایات

اقول: اس قدر درست ہے کہ بیشک امام صاحب نے اپنے ہاتھ سے جمع نہیں کیا بلکہ ان کے تلامذہ وغیرہم نے لکھا ہے جیسے مسند امام شافعی کی ابوالعباس محمد بن یعقوب نے جمع کی ہے لیکن یہ کہنا کہ اس کی حدیثیں غیر معتبر ہیں صریح غلط ہے اس لیے کہ اس کتاب کو ابوالمؤید خوارزمی قاضی القضاۃ نے پندرہ مسندوں سے جن میں مسند امام ابویوسف اور مسند امام محمد اور مسند امام صاحب کے بیٹے حماد کی بھی داخل ہے جمع کیا ہے چنانچہ سب کے نام انہوں نے مقدمۂ کتاب میں لکھے ہیں اور یہ بھی مقدمے میں لکھا کہ جب میں نے بعض جاہلوں سے ملک شام میں سنا کہ وہ امام صاحب کو طرف قلت روایت حدیث کی نسبت کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ امام صاحب کی کوئی مسند نہیں اور امام صاحب چند حدیثوں کے سوا نہیں روایت کرتے تھے تو مجھ کو حمیت دینی آئی پس ارادہ کیا میں نے کہ جمع کروں میں ایک مسند پندرہ مسندوں سے جن کو بڑے بڑے علمائے حدیث نے جمع کیا ہے انتہی۔ پس یہ کہنا آپ کا کہ قاضی القضاۃ اور امام صاحب میں سلسلہ ندارد ہے محض بے اصل ہے آپ نے اُن کی کتاب نہیں دیکھی فقط تاریخ سے جواب دیا اگر اُن کی کتاب بھی ملاحظہ فرما لیتے کہ اُن کتابوں سے لکھا ہے جن میں واسطے کی ضرورت نہیں تو ایسا ہرگز نہ فرماتے پس یہ حدیثیں طبقۂ رابعہ کی باعتبار جمع کے ہیں اور در حقیقت پہلی کتابوں سے جمع کی گئی ہیں چنانچہ اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے ایسا ہی شاہ صاحب کی تحریر کو سمجھنا چاہیے کیوں کہ وہ فقط اتنا لکھتے ہیں کہ بالفعل جو مسند امام مشہور ہے اس کو قاضی القضاۃ ابوالمؤید خوارزمی نے جمع کیا ہے امام صاحب کی لکھی ہوئی نہیں نہ یہ کہ اس کی حدیثیں عیاذاً باللہ موضوع ہیں۔

کیا امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں پہونچی تھیں؟

دعوا تو آپ کا یہ کہ امام صاحب کو سترہ حدیثوں کے سوا نہیں پہونچیں اور دلیل اُس پر یہ عبارت لائے "یُقَالُ بَلَغَتْ رِوَايَتُهُ إِلَى سَبْعَةَ عَشَرَ حَدِيثًا أَوْ نَحْوِهِ" یعنی کہا جاتا ہے کہ پہونچی روایت امام صاحب کی سترہ حدیث تک یا قریب اُس کے اور ظاہر ہے کہ لفظ "یقال" واسطے ضعف اور قول بعض غیر معتبر کے لاتے ہیں علاوہ اس کے روایت کرنا سترہ حدیثوں کا اس کو مقتضی نہیں کہ ان کو اور حدیث نہیں ملی جو کہ دعوا آپ کا ہے پس اس عبارت کو اپنے دعوے کی حجت لانا عین مغالطہ ہے پھر صاحب حطہ نے جس کی یہ عبارت آپ نے نقل کی ہے گو وہ بھی فرقۂ ظاہریہ میں سے ہیں مگر اس کے بعد قلت روایت کی وجہ بھی بیان کردی اور کہا ہے کہ احتیاطاً یہ امر ہوا تھا یہ کہ عمداً کیا گیا حاشا وکلا بعض صحابہ بھی مثل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بوجہ احتیاط کے روایت کم کرتے تھے حالانکہ حدیث اوروں سے زیادہ جانتے تھے روایت کرنا شئی دیگر ہے جاننا شئی دیگر ہے جاننا امر آخر بقول آپ کے اگر کمال فقاہت اور کمال دینداری کا کثرت روایت اور احادیث کے جمع کرنے پر موقوف ہوتا تو امام بخاری ومسلم وغیرہ محدثین کو صحابہ پر تفضل اور ترجیح ہو جاتی کہ ان سے کثرت روایت وتدوین احادیث ثابت نہیں ہوتی حالانکہ صحابہ کو باوجود نہ جمع کرنے احادیث کے ساری امت پر مطلقاً فضل وبزرگی ہے۔

اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت وبزرگی کہ باتفاق ثقات محدثین کے تابعی ہیں دیگر محدثین متاخرین پر سمجھنا چاہیے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پہلے ہی کتابیں حدیث کی مدوّن ہو چکی تھیں اور فقہ کا استنباط قرآن اور حدیث سے شہرہ آفاق ہو چکا تھا بڑے بڑے محدثین مان گئے تھے امام صاحب کی حدیث کا انکار کرنا جیسے دن میں طلوع آفتاب کا انکار کرنا ہے چنانچہ بحث اس کی تیرہویں مغالطے کے جواب میں مفصل آئے گی آخر یہ تمام مسائل کہاں سے استنباط ہوئے اور علم اصول اور فقہ کہاں سے اخذ کیا؟ سب کا ماخذ قرآن اور حدیث ہے اب یہ کہنا کہ اصول کے خلاف ہو تو حنفیہ حدیث نہیں مانتے محض مہمل بات ہے جناب من! اصول کیا ہے؟ اصول بھی تو حدیث ہی سے ماخوذ ہے غرض جو بات تحقیق اور تدقیق کی حنفیہ کے یہاں موجود ہے کہیں نہیں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے یہاں تو یہ بات میسر ہی نہیں پھر فرقہ ظاہریہ کس شمار میں ہیں جو خلاف جمہور اپنا مذہب جانتے ہیں جس وقت روز ازل میں خدا کی طرف سے مطالب قرآن واحادیث وغرض ومقصود کلام تقسیم ہوتا تھا خدا جانے یہ لوگ کہاں تھے جو ایسی نعمت عظمیٰ سے محروم رہ گئے پھر طرہ یہ کہ خیر جو کچھ عنایت ہوا تھا صبر کرتے اہل تحقیق کے پیچھے نہ پڑتے مگر حسد کا کیا علاج قاعدہ ہے جو بزرگی میں بڑا ہوتا ہے اس پر لوگوں کو حسد بھی زیادہ ہوتا ہے لقب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تو من جانب اللہ تمام عالم میں مشہور ہو گیا ہے ظاہریہ کے مٹانے سے ہرگز نہ مٹے گا۔ ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد (۱)

ان کو رشک آیا کہ حنفی مذہب کے اس قدر مقلد کیوں ہیں؟ ہزاروں تدبیریں کیں کہ کسی طرح ان میں تفریق پڑے کہیں کہا کہ ان کی حدیثیں ضعیف ہیں کبھی کہا کہ اپنی عقل سے یہ لوگ کہتے ہیں کیوں نہ کہیں آخر اولوالالباب یہی لوگ ہیں غیر ذوی العقول تو نہیں جو اپنی عقل کو بالائے طاق رکھ دیں خدا نے عقل اسی واسطے دی ہے کہ غرض کلام کی سمجھا کریں اسی لیے اہل روایت محدثین ہوئے اور اہل درایت محققین محدثین کے اجتہاد لے معتبر نہیں ہاں روایت ان کی معتبر ہے اس کے پرکھنے والے اور لوگ ہیں یہ لوگ فرقہ ظاہریہ مطلق نہیں سمجھتے کہ یہ امر واسطے وجوب کے ہے یا واسطے استحباب کے یا بیان جواز کے واسطے ہے علیٰ ہذا القیاس نہی تحریمی ہے یا تنزیہی اس سے کچھ بحث نہیں اعتراض کرنے سے کام ہے اور مخالف کہہ دینا تو ان کا تکیہ کلام ہے پھر عبارتیں کتابوں کی جو نقل کرتے ہیں ان میں ایسا غلط ملط کرتے ہیں کہ عامی اس کو دیکھ کر دھوکا کھا جاوے۔

مہر البغی بالاتفاق حرام ہے لیکن بیع کلب میں ہرگز اجماع نہیں

مہر البغی میں تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حرام ہے چنانچہ فقہ کی کتابیں اس سے پر ہیں اور امام نووی (۲) نے بھی

۱۔۔۔۔ وہ چراغ پرنور جس کو خدائے تعالیٰ روشن رکھتا ہے ہر وہ شخص جو اس کو بجھانے کی کوشش لا حاصل کرتا ہے وہ خود جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

۲۔۔۔۔ المنهاج شرح صحیح مسلم، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن ومهر البغی، ج ۲، ص ۱۹۔

اجماع مسلمانوں کا اس میں بیان کیا ہے اور بیع کلب میں انہوں نے ہرگز اجماع تمام اہل اسلام کا نہیں کہا یہ فقط آپ کا حاشیہ ہے ہاں بیع خمر اور خنزیر میں اجماع تمام مسلمانوں کا لکھا ہے(۱) اس میں تو انہوں نے خود اختلاف لکھا ہے اور امام مالک کی تین روایتیں لکھی ہیں ایک میں بیع جائز نہیں لیکن جو شخص تلف کردے اُس پر قیمت واجب ہے اور دوسری میں بیع درست ہے اور قیمت واجب ہے اور تیسری میں نہ بیع درست ہے نہ قیمت واجب(۲)۔

ہاں! جس جگہ اکثر علما ایک طرف ہوتے ہیں وہ اپنی عادت کے موافق جمہور علما تعبیر کرتے ہیں گو علما شافعی ہوں مگر اجماع مسلمین وہاں کہتے ہیں جہاں چاروں مذہب کے علما متفق ہوں پس نہی کلب کو تحریمی کہنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ نہی تنزیہی کہنا اس حدیث کے مناسب معلوم ہوتا ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے شیخین نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اجرت اس کی دی اور اگر اجرت حجام کی حرام ہوتی تو آنحضرت ﷺ اجرت نہ دیتے انتہی روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے(۳)۔

حالانکہ جس طرح آپ نے ثمن کلب سے ممانعت فرمائی اور اس کو خبیث کہا ہے اسی طرح اجرت حجام کو بھی خبیث کہا ہے حالانکہ صحیح حدیثوں سے اجرت دینا ثابت ہے پس محدثین یہاں نہی تنزیہی لیتے ہیں کیونکہ دونوں حدیثیں صحیح موجود ہیں ایک میں ممانعت ہے اور دوسری میں جائز ہونا معلوم ہوتا ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس شی کی ممانعت ہو اس کو خود کرلیں پس معلوم ہوا کہ جہاں منع کیا ہے اُس سے نہی تنزیہی مراد ہے چنانچہ امام نووی شرح صحیح مسلم(۴) میں لکھتے ہیں کہ جمہور نے حجت پکڑی حدیث عبداللہ بن عباس سے اور حمل کیا انہوں نے احادیث نہی کو تنزیہ پر اور مستحق ہونے پر کمینے کسب سے اور براغیختہ کرنے پر عمدہ کاموں کے اور شریف پیشوں کے انتہی۔

اسی قسم کی توجیہ بلی کی قیمت میں بھی کی ہے چنانچہ سوال آئندہ کے جواب میں ہم لکھیں گے پس کون سی وجہ ہم کو مانع ہے کہ کتے کی بیع میں یہ تقریر نہ کریں کہ یہاں بھی نہی تنزیہی ہے اور اس وجہ سے ممانعت فرمائی ہے کہ آدمی کو خصوصاً شرفاء کو یہ بات ہرگز زیبا نہیں کہ کتے اور بلی کو بیچتے پھرا کریں بلکہ عالی ہمت ہوں اور رذیل پیشہ اختیار نہ کریں اگر بالفرض آنحضرت ﷺ کو پچھنے لگانے کی ضرورت نہ پڑتی تو حضرات علما ہرگز یہ توجیہ نہ سنتے گو کیسی ہی موافق عقل کے تھی پس مقلدین تو جو نص مخالف قیاس

۱۔۔۔۔۔المنہاج شرح صحیح مسلم : باب تحریم بیع المیتۃ والخمر والخنزیر والاصنام ، ج : ۲ ، ص : ۲۳ ۔

۲۔۔۔۔۔المنہاج شرح صحیح مسلم : باب تحریم ثمن الکلب و حلوان الکاھن ومھر البغی ، ج : ۲ ، ص : ۱۹ ، ۲۰

(مجلس برکات مبارک پور)

۳۔۔۔۔۔صحیح البخاری : باب ذکر الحجام ، ج : ۱ ، ص : ۲۸۳ ۔

۔۔۔۔۔صحیح مسلم : باب حل اجرۃ الحجام ، ج : ۲ ، ص : ۲۲ ۔

۴۔۔۔۔۔المنہاج شرح صحیح مسلم : باب تحریم ثمن الکلب و حلوان الکاھن ومھر البغی ، ج : ۲ ، ص : ۲۰ ۔

کے آوے اس کو اس کے مورد پر رکھتے ہیں اور اگر موافق قیاس ہو تو اس میں قیاس کرکے علت اس کی نکالتے ہیں اور فرق ظاہر ہے خواہ موافق قیاس ہو یا نہ ہو اس کو اس کے مورد ہی پر رکھتے ہیں اسی لیے ربا میں جو حدیث وارد ہوئی ہے جس میں فقط سونا، چاندی، گیہوں، جو، چھوارے، نمک کا ذکر ہے قیاس نہیں کرتے چنانچہ شرح مسلم میں امام نووی لکھتے ہیں:

"فَقَالَ أَهْلُ الظَّاهِرِ لَا رِبَوا فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السِّتَّةِ بِنَاءً عَلٰى أَصْلِهِمْ فِيْ نَفْيِ الْقِيَاسِ قَالَ جَمِيْعُ الْعُلَمَاءِ سِوَاهُمْ لَا يَخْتَصُّ بِالسِّتَّةِ بَلْ يَتَعَدّٰى إِلٰى مَا فِيْ مَعْنَاهَا وَهُوَ مَا يُشَارِكُهَا فِي الْعِلَّةِ وَاخْتَلَفُوْا فِي الْعِلَّةِ الَّتِيْ هِيَ سَبَبُ تَحْرِيْمِ الرِّبَوا فِي السِّتَّةِ "(1) یعنی کہا اہل ظاہر نے نہیں سود ہوتا غیر میں ان چھ چیزوں کے بنا پر اپنے قاعدے کے کہ جو نفی قیاس میں ہے کہا تمام علما نے جو سوا ان کے ہیں کہ نہیں خاص ہے ساتھ چھ چیزوں کے بلکہ تجاوز کرتا ہے طرف اس کے جو ان کے معنوں میں ہے اور وہ وہ ہے جو شریک ہو ان کی علت میں اور اختلاف کیا انہوں نے اس علت میں جو کہ سبب ہے سود کے حرام کرنے کا ان چھ چیزوں میں انتہی۔

اور ابن جریج راوی کو آپ نے ضعیف کہا ہے اور اس پر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے قول کی سند لائے ہیں جن کے یہاں مرسل میں دوسری وجہ سے اگر قوت ہو جاوے تو اس کو مانتے ہیں ورنہ حجت نہیں کرواتے افسوس تقریب میں تو ابن جریج کو ثقہ فقیہ فاضل لکھا ہے اور آپ اس کو خلاف دیانت قصداً چھوڑ گئے بیشک یہ تدلیس آپ کی مذموم ہے نہ تدلیس ایسے ثقہ اور فقیہ فاضل کی بلکہ وہ مقبول ہے چنانچہ سنداً آگے آتی ہے علاوہ اس کے اس کی تو قوت کثرت طرق سے ایسی ہے کہ کوئی نادان بھی انکار نہیں کرسکتا گو مرسل ہے تو کیا ہوا حنفیہ کے نزدیک مرسل بھی حجت ہے چنانچہ ملا علی قاری نے "شرح شرح نخبۃ الفکر" میں لکھا ہے" وَلِهٰذَا قَالَ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ إِنَّ الْمَرَاسِيْلَ حُجَّةٌ مُطْلَقًا "یعنی اور اسی واسطے کہا جمہور علما نے کہ تحقیق مرسل حدیثیں حجت ہیں مطلقاً انتہی۔

اور مقدمۂ مشکوۃ شریف میں ہے" وَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ الْمُرْسَلُ مَقْبُوْلٌ مُطْلَقًا "(2) یعنی اور نزدیک ابو حنیفہ اور مالک کے مرسل مقبول ہے مطلقاً انتہی۔ اس کے بعد لکھا ہے وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ إِنِ اعْتُضِدَ بِوَجْهٍ آخَرَ مُرْسَلٍ أَوْ مُسْنَدٍ وَإِنْ كَانَ ضَعِيْفًا قُبِلَ یعنی اور نزدیک امام شافعی کے اگر قوت پائے دوسری حدیث سے مرسل ہو یا مسند اگرچہ ضعیف ہو مقبول ہے انتہی۔

اور مقدمہ ترمذی میں لکھا ہے" وَالْأَصَحُّ التَّفْصِيْلُ فَمَا رَوَاهُ بِلَفْظٍ مُحْتَمَلٍ لَمْ يُبَيِّنْ فِيْهِ السَّمَاعَ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمُرْسَلِ وَأَنْوَاعِهِ وَمَا رَوَاهُ بِلَفْظٍ مُبَيِّنٍ لِلْاِتِّصَالِ كَسَمِعْتُ وَأَخْبَرَنَا وَحَدَّثَنَا وَأَشْبَاهِهَا فَهُوَ مُحْتَجٌّ بِهٖ "(3) یعنی صحیح تر تدلیس میں تفصیل ہے پس جو کہ روایت کیا اس نے اس کو ساتھ لفظ محتمل کے کہ نہ بیان کیا گیا اس میں سنا

1......المنهاج شرح صحیح مسلم: باب الربوا، ج: ۲، ص: ۲۳۔

2......مقدمہ مشکوۃ المصابیح از شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص: ۵، (مجلس برکات مبارکپور)

3......مقدمہ مشکوۃ المصابیح از شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص: ۵، (مجلس برکات مبارکپور)

پس حکم اس کا حکم مرسل کا ہے اور اس کے انواع کا اور جو کہ روایت کیا اس نے اس کو ساتھ ایسے لفظ کے کہ بیان کیا گیا ہے واسطے اتصال کے جیسے سنا میں نے اور خبر دی ہم کو اور حدیث بیان کی ہم سے اور مثل اس کے پس یہ حجت ہے انتہی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں دونوں قسمیں معتبر ہیں اور مقدمۂ بخاری شریف میں ہے" وَاَمَّا الْمُرْسَلُ فَهُوَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ وَاَصْحَابِ الْاُصُوْلِ وَالْخَطِيْبِ الْحَافِظِ اَبِيْ بَكْرِ نِ الْبَغْدَادِيِّ وَجَمَاعَةٍ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ مَا انْقَطَعَ اِسْنَادُهٗ عَلٰى اَيِّ وَجْهٍ كَانَ انْقِطَاعُهٗ فَهُوَ عِنْدَهُمْ بِمَعْنَى الْمُنْقَطِعِ "(1) یعنی لیکن مرسل پس وہ نزدیک فقہا اور اصولیوں اور خطیب حافظ ابوبکر بغدادی اور ایک جماعت محدثین کے وہ ہے کہ منقطع ہوا سناد اس کی کسی وجہ پر ہو انقطاع اس کا پس مرسل نزدیک ان کے بمعنی منقطع کے ہے انتہی۔

اس کے بعد لکھا ہے" وَمَذْهَبُ مَالِكٍ وَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَحْمَدَ وَاَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ اَنَّهٗ يُحْتَجُّ بِهٖ وَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ اَنَّهٗ اِذَا انْضَمَّ اِلَى الْمُرْسَلِ مَا يَعْضُدُهٗ اُحْتُجَّ بِهٖ "(2) یعنی اور مذہب مالک اور ابوحنیفہ اور احمد رحمہم اللہ علیہم تینوں اماموں کا اور اکثر فقہا کا یہ ہے کہ مرسل کے ساتھ حجت پکڑی جاوے ہے اور مذہب امام شافعی کا یہ ہے کہ جس وقت ملے طرف مرسل کے ایسی شئی جو قوت دے اس کو حجت گردانی جائے انتہی۔

پس اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مرسل اور منقطع ایک شئی ہے اور مرسل حجت ہے پھر آپ کا لکھنا کہ مرسل اور منقطع حجت نہیں محض بے اصل ہے اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ بمقابلہ صحیح کے حجت نہیں سو یہ مقابلہ محض آپ کے خیال میں ہے ورنہ دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ پر درست اور بجا ہیں مطلق ایک دوسرے کے خلاف نہیں چنانچہ تحقیق اس کی گزر چکی اور کتاب طحاوی حنفیہ کی نہایت معتبر کتاب ہے اس کو ہم یہ نہیں کہتے کہ مثل بخاری اور مسلم کے ہے البتہ جن احادیث سے ایمہ نے استخراج مسائل کیا ہے وہ احادیث بیشک صحیح ہیں گو بعد کے لوگ اس کو ضعیف کہیں ان کے وقت میں ہرگز ضعیف نہ تھا۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف پیغمبر خدا ﷺ کی حدیث کے یہ ہے جو کہ فتاوی قاضی خان اور فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے بَيْعُ السِّنَّوْرِ وَالسِّبَاعِ الْوَحْشِ وَالطَّيْرِ جَائِزٌ عِنْدَنَا مُعَلَّمًا كَانَ اَوْلَمْ يَكُنْ یعنی بیچنا بلی اور درندے وحشی اور جانور کا جائز ہے نزدیک ہمارے سکھایا ہوا ہو یا بے سکھایا ہوا الخ۔

کشف کید شصت و چہارم

بلی کی بیع جائز ہے اور حدیث نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے

اقول: اس میں مخالفت حدیث کی نہیں آپ نے کتابیں نہیں ملاحظہ فرمائیں ورنہ موافق حدیث کے جانتے اس کی

1......مقدمہ صحیح البخاری از علامہ احمد علی محدث دہلوی سہارنپوری، ص: ۱۰، (مجلس برکات مبارکپور)

2......مقدمہ صحیح البخاری از علامہ احمد علی محدث دہلوی سہارنپوری، ص: ۱۰، (مجلس برکات مبارکپور)

جو امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں ''أَمَّا النَّهْيُ عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يَنْفَعُ أَوْ عَلَى أَنَّهُ نَهْيُ تَنْزِيْهٍ حَتَّى يَعْتَادَ النَّاسُ هِبَتَهُ وَإِعَارَتَهُ وَالسَّمَاحَةَ بِهِ كَمَا هُوَ الْغَالِبُ فَإِنْ كَانَ مِمَّا يَنْفَعُ وَبَاعَهُ صَحَّ الْبَيْعُ وَكَانَ ثَمَنُهُ حَلَالًا هٰذَا مَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً إِلَّا مَا حَكَى ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَطَاؤُسٍ وَمُجَاهِدٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ لَا يَجُوْزُ بَيْعُهُ وَاحْتَجُّوْا بِالْحَدِيْثِ وَأَجَابَ الْجُمْهُوْرُ عَنْهُ بِأَنَّهُ مَحْمُوْلٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَهٰذَا هُوَ الْجَوَابُ الْمُعْتَمَدُ''۔(۱)

یعنی لیکن ممانعت بلی کی قیمت سے پس وہ محمول ہے اس پر کہ نفع نہیں دیتی یا اس پر کہ یہ نہی تنزیہی ہے تا کہ آدمی عادت پکڑیں اس کے مفت دے ڈالنے کی اور مستعار دینے کی اور جوان مردی کرنے کی اس کے دینے کے ساتھ جیسا کہ یہی اکثر ہے پس اگر ہو اس میں سے جو کہ نفع دیتی ہے اور بیچے اس کو صحیح ہے بیع اور ہوگی قیمت اس کی حلال یہ مذہب ہمارا ہے اور مذہب کل علما کا مگر وہ کہ روایت کی ابن منذر نے ابوہریرہ اور طاؤس اور مجاہد اور جابر بن زید سے یہ کہ نہیں جائز ہے بیع اس کی اور حجت لائے وہ ساتھ حدیث کے اور جواب دیا جمہور نے اس سے بایں طور کہ تحقیق یہ حدیث محمول ہے اس پر جو ذکر کیا ہم نے پس یہی جواب عمدہ ہے انتہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور اسی کے قائل ہیں کہ یہاں نہی تنزیہی ہے اور بیع بلی کی جائز ہے مگر آپ حضرات تو باوجود قول جمہور کے اس کو مخالف ہی جانتے ہیں اس لیے ہم کہتے ہیں کہ آپ معنی اور مطلب اور غرض حدیث حنفیہ سے دریافت کرلیا کیجیے جس کا کام ہوتا ہے وہی اس کی تہہ کو پہونچتا ہے آپ کا شیوہ یہ نہیں۔ ع

کار بوزینہ نیست بخاری(۱)

ہاں گھر کے اندر بیٹھ کے جس پر چاہے لعن طعن کیجیے گالیاں دیجیے۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند(۲)

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف پیغمبر علیہ السلام کی حدیث کے یہ ہے کہ جو در المختار میں لکھا ہے بِخِلَافِ الشَّاةِ الْمُصَرَّاةِ فَلَا يَرُدُّهَا مَعَ لَبَنِهَا أَوْ صَاعِ تَمْرٍ بَلْ يَرْجِعُ بِالنُّقْصَانِ یعنی بخلاف بکری بندکی گئی کے پس نہ واپس کرے خریدار اس کو ساتھ دودھ اس کے یا ساتھ ایک صاع کھجوروں کے بلکہ لیوے اس کو کم قیمت کر کے الخ۔

۱……المنهاج شرح صحيح مسلم : باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن ومهر البغي والنهي عن بيع السنور ، ج : ۲ ، ص : ۱۹ ، ۲۰ ۔

۲……بخاری بھنا بندروں کا کام نہیں۔

۳……لعن طعن کرنا آپ کا مقدر ہے بیچاروں کا کام نہیں۔

کشف کید شصت وپنجم

شاۃ مُصَرّاۃ مع لبن کے واپس نہ کی جائے

اقول: معترض صاحب نے شاید گمان کیا ہے کہ حنفیہ نے حدیث مصرات کو محض بوجہ مخالفت قیاس معمول بہ نہ ٹھیرایا حاشا وکلا امام صاحب تو حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ اس مقام پر تو اس حدیث کے مخالف دوسری حدیث نہایت صحیح جس پر تمام امت کا عمل درآمد ہے موجود ہے اور قاعدہ ہے کہ جو حکم شارع کی طرف سے عام ہو اس کے مقابلے میں حکم خاص کو ترجیح نہ ہوگی بلکہ اس کو مورد خاص پر جس کی وجہ ہماری عقل میں نہیں آتی محمول کیا جائے گا یا یوں کہا جاوے گا کہ حکم عام اس حکم خاص کا ناسخ ہے بہر حال امام صاحب نے ایک حدیث کو جس میں حکم عام تھا دوسری حدیث خاص پر ترجیح دی ہے محض قیاس کو دخل نہیں دیا جیسا کہ ظاہر یہ کا قیاس اور گمان ہے البتہ امام شافعی حکم خاص کو حکم عام پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ علم اصول میں بحث اس کی مفصل مندرج ہے اور حق یہی ہے کہ حکم کلی حکم جزئی پر ترجیح رکھتا ہے اس لیے کہ جزئی میں احتمالات بہت ہیں لہذا امام صاحب حتی الامکان حکم عام کو معمول بہ گردانتے ہیں خصوصا اس وقت جب کہ حکم خاص میں چند روایتیں مختلف وارد ہوں اور جمیع قیاسات کے مخالف ہو پس اس صورت میں بدرجۂ اولیٰ حکم عام قابل عمل ہوگا اور خاص بوجہ تعارض عام کے صورت خاص پر محمول کیا جائے گا۔

ترمذی شریف میں ہے۔" عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قضى اَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ وَهٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ " یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ خراج کا استحقاق بوجہ ضمان ہوتا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے انتہی۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ مثلا کوئی شخص کسی غلام کو خریدے اور اجرت اس کی جو بعد خریدنے کی آئی ہے خود رکھ لے تو وہ اس کا مستحق ہے کیوں کہ وہ شئ جو اس نے خریدی ہے اگر ہلاک ہو جاتی تو اسی کا مال ہلاک ہوتا جب وہ شئ اس کی ضمانت میں ہے تو جو منافع اس کے ہوں گے ان کا وہی خریدنے والا مالک ہوگا اور بائع کو وہ منافع واپس نہ دیے جائیں گے بلکہ مشتری بوجہ ضمان کے ان کا مستحق ہے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شاۃ مصرات جو اس کی ضمان میں آگئی ہے اس کا دودھ مشتری کو مباح ہے اور وہ اس کا بوجہ ضمان مستحق ہے پس اگر دوسری حدیث سے یہ بات ثابت ہو کہ دودھ کا عوض دینا چاہیے تو ظاہر ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہوگا حالانکہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں پس حدیث " اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ " کو کہ جس پر جمہور امت کا عمل درآمد ہے، چنانچہ قول امام ترمذی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے حدیث مصرات پر ترجیح دی جائے گی اس لیے کہ اس کے الفاظ میں نہایت اختلاف ہے کیونکہ مسلم کی روایت میں " صَاعًا مِنْ تَمْرٍ " (۱) ہے یعنی ایک صاع کھجور دے اور دوسرا لفظ " صَاعًا مِنْ

---

(۱)......صحیح مسلم: باب حکم بیع المصراۃ، ج: ۲، ص: ۴.

طَعَامٍ غَيْرَ سَمْرَاءَ "(۱) مرقوم ہے یعنی ایک صاع طعام سوا گندم کے دے اور ابوداؤد کی روایت میں "مِثْلَ أَوْ مِثْلَيْ لَبَنِهَا قَمْحًا" (۲) یعنی برابر دودھ کے یا دونے اس کے گیہوں دے۔

پس اس معاملے میں چار امر ارشاد ہیں یا تو ان پر عمل نہ کیا جاوے گا اور رجوع دوسری نص کی طرف ہوگا یا ان کو خاص محل پر حمل کیا جاوے گا لہٰذا امام صاحب نے تو اس واقعہ کو قضیہ شخصیہ پر حمل کیا کہ شارع نے خلاف قیاس کے مورد خاص شخصی میں جو ہماری عقل میں نہیں آتا حکم فرمایا تھا اور عمل ورآمد دین کا خلاف قیاس پر نہیں ہوتا بلکہ امت کے واسطے حدیث "اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ" خود ارشاد ہو چکی ہے غرض امام صاحب نے اس باب میں حدیث صحیح پر جو معمول بہ تمام امت کی ہے عمل کیا اور امام شافعی نے اس کو خاص کر لیا ہے اور امام صاحب نے اس سے قضیہ شخصیہ کو مخصوص کیا ہے ان کی نظر میں اس کو ترجیح ہے ان کی نظر میں اس کو طرفین سے صحیح حدیث موجود ہے اور "عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ" میں ہے کہ عیسیٰ بن ابان محدث نے "کتاب الحجج" میں لکھا ہے کہ حکم مصرات کا اس وقت تھا کہ جب معصیت کی عقوبت اخذ اموال تھی چنانچہ اسی قسم سے وہ حدیث ہے جو زکوٰۃ میں روایت ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کو بخوشی ادا کرے گا اس کا اجر پاوے گا ورنہ ہم اس سے زکوٰۃ اور نصف مال اس کا لیں گے اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جو عمرو بن شعیب سے سارق ثمر غیر محرز کے بارے میں روایت ہے کہ اس سارق کے چند درے عقوبۃً مارے جاویں اور دو مثل اس ثمر کا اس سے لیا جاوے پس جبکہ شروع اسلام میں ایسا حکم تھا یہاں تک کہ ربا کو بھی اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیا تو اشیائے ماخوذہ جن کے امثال ہیں اپنے امثال کی طرف عود کر آئے اور جن کے امثال نہیں وہ اپنی قیمت کی طرف پھر گئے اور رسول اللہ ﷺ نے تصریہ سے منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ بیع مصرات کی فریب اور دغا بازی ہے اور مسلمانوں کو فریب دینا حلال نہیں۔

پس جس شخص نے ایسا کیا اور ایسی بھی کو بیع کیا جس کی بیع مخالف حکم رسول اللہ ﷺ کے ہو گیا اس کے واسطے یہ سزا مقرر تھی کہ تین دن کا دودھ مشتری بعوض ایک صاع کے لیوے اور شاید وہ دودھ چند صاع کے مساوی ہو پھر یہ سزائے مالی منسوخ ہو گئی اور اشیاء نے اپنے امثال یا قیمت کی طرف عود کیا اور کہا امام طحاوی نے کہ جس دودھ کو مشتری نے تین روز تک لیا ہے بعض اس کا ملک بائع میں قبل شرا تھا اور بعض ملک مشتری میں بعد شرا پیدا ہوا ہے کیونکہ اس نے کئی بار اس کو دوہا ہے پس وہ دودھ جو ملک بائع میں تھا بیع ہو گیا جب بکری کی بیع فسخ ہو گئی تو اس دودھ کی بھی بیع فسخ کی جائے گی اور رسول اللہ ﷺ نے مشتری مصرات کے واسطے بعد رد اس کے سب دودھ بعوض ایک صاع تمر کے جس کو مع بکری کے رد کرے واجب گردانا ہے اور یہ دودھ اس وقت میں کل صرف ہو گیا ہے یا بعض پس مشتری لبن دین کا بعوض تمر دین کے مالک ہوگا پس یہ صورت "بَيْعُ الدَّيْنِ بِالدَّيْنِ" میں داخل

۱.....صحيح مسلم: باب حكم بيع المصراة، ج: ۲، ص: ۱.

۲.....سنن ابي داؤد: باب من اشترى مصراة فكرهها، مطبع اصح المطابع ج: ۲، ص: ۴۸۸.

ہو جائے گی پھر رسول اللہ ﷺ نے بعد اس کے "بَيْعُ الدَّيْنِ بِالدَّيْنِ" سے منع فرمایا چنانچہ ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا "بَيْعُ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ" سے یعنی بیع دین سے بعوض دین کے پس اس قول آنحضرت ﷺ نے اس قول کو جو مصرات میں مروی ہے منسوخ کر دیا علاوہ اس کے رسول اللہ ﷺ سے بروایت ابو ہریرہ ؓ وغیرہ کے ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ" یعنی منافع بیع کا بوجہ ضمان کے مشتری مستحق ہے اور علمائے امت نے اس حدیث کو تسلیم کیا ہے اور قبول فرمایا ہے اور تم جانتے ہو کہ اگر کوئی شخص بکری خریدے پس اس کو دودھ لے پھر اس کے عیب پر سوائے تصریہ کے مطلع ہو جاوے تو وہ شخص اس بکری کو پھیر دے اور وہ دودھ اس کا ہے اسی طرح اگر وہ بکری کوئی بچہ دیوے تو بکری کو بوجہ عیب پھیر دے اور بچہ ملک اس کی ہے اور تمہارے نزدیک یہ اس خراج سے ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے بوجہ ضمان واسطے مشتری کے مقرر فرمایا ہے پس وہ صاع جس کو تم مشتری مصرات پر بکری کے واپس کرنے کے وقت بوجہ تصریہ واجب کرتے ہو دو حال سے خالی نہیں یا تو بعوض کل دودھ کے کرتے ہو جو وقت خرید موجود تھا اور بعد خرید حادث ہوا ہے یا بعوض اس دودھ کے کہتے ہو جو اس کے تھن میں وقت وقوع بیع موجود تھا پس اگر وہ صاع بعوض دونوں کے ہے تو تم نے اس حدیث کو ترک کر دیا جس کی وجہ سے مشتری کو دودھ اور بچے کا استحقاق بعد روشاۃ ثابت کرتے تھے کیونکہ ان دونوں کا حکم خراج کا حکم ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے واسطے مشتری کے بوجہ ضمان مبیع کے مباح کیا ہے اور اگر یہ صاع بعوض اس دودھ کے ہے جو اس کے تھن میں وقت بیع تھا اور باقی دودھ ملک مشتری کا من قبیل خراج کہا جاوے تو اس صورت میں ایک صاع دین بعوض لبن دین کے ہو جاوے گا حالانکہ بیع دین بعوض دین موافق حدیث مذکور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں پس جو صورت لیجیے اس میں کوئی نہ کوئی حدیث ترک کرنی پڑتی ہے اور تم تسخ حکم مصرات کے قائل ہونے میں غیر سے اولیٰ ہو کیونکہ تم لبن کو حکم خراج میں گردانتے ہو اور غیر ایسا نہیں کرتا انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ طرفین کا ماخذ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے کوئی قیاس نہیں کرتا بلکہ ہر طرف حدیث صحیح موجود ہے پس معترض صاحب کا طعن بے سود ہے ان کو ایمہ کا ماخذ تو معلوم ہی نہیں مگر دخل در معقولات ضرور دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ فیما بین حنفیہ وشافعیہ متنازع فیہ کون سا امر ہے جس سے اختلاف مسائل استنباطیہ واقع ہوا ہے البتہ اس میں گفتگو کرتے تو ایک موقع تھا حنفیہ کے ماخذ کو بالکل یک قلم اڑا کے شافعیہ کا ماخذ لکھ دیا اس سے بڑھ کر اور کیا دھوکا اور فریب ہوگا اللہ تعالیٰ ایسی فریب دہی سے عوام کو بچاوے وہ بیچارے تو سنی مسلمان ہوتے ہیں وہ کیا جانیں کہ حنفیہ کس پایہ کا مسلک رکھتے ہیں ظاہرا تو ان کو معترض صاحب کے اقوال دیکھ کر یوں ہی معلوم ہوگا کہ حنفیہ نے محض قیاس کو دخل دیا ہے حاشا وکلا کوئی شخص امور دنیاوی میں جو ناپائیدار ہیں دیدہ ودانستہ بے احتیاطی نہیں کرتا امور دینی میں باوجود احادیث اور قرآن کے اپنے قیاس سے مسائل کا اختراع کیونکر کرے گا عامی کی بھی یہ جرأت نہیں نہ کہ ایمہ کرام خصوصا امام اعظم جن کا علم وفضل اظہر من الشمس ہے اور جن کے مقلدین لاکھوں اولیائے کاملین بدولت اسی تقلید کے ہو گئے کیونکر محض قیاس سے مسائل استنباط کر سکتے ہیں جب تک کوئی ماخذ اس کا نہ پایا جاوے، غرض معترض

صاحب اور تمام متعصبین کو ایسے مطاعن سے رہائی بخشے اور ان کی تقصیر عفو کرے خدا جانے کہ ان لوگوں سے کون سا ایسا شدید گناہ سرزد ہوا ہے جس کی سزا کے واسطے مطاعن ایمہ کرام ان کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد (۱)

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا (آمین)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نہیں جائز بیع مدبر کی اور یہ مذہب امام اعظم کا بے فائدہ مدبر اس کو کہتے ہیں کہ جس کو کہے مولا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے جائے۔

کشف کید شصت و ششم

غلام مدبر کی بیع جائز نہیں

اقول: تبیین الحقائق میں لکھا ہے " وَلَنَا رِوَايَةُ ابْنِ عُمَرَ ؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْمُدَبَّرَ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَهُوَ حُرٌّ مِنَ الثُّلُثِ اِحْتَجَّ بِهِ الطَّحَاوِيُّ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْاَئِمَّةِ وَرَوٰى اَبُوالْوَلِيْدِ اَنَّ عُمَرَ رَدَّ بَيْعَ الْمُدَبَّرِ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرِ الْقُرُوْنِ وَهُمْ حُضُوْرٌ مُتَوَافِرُوْنَ وَهُوَ اِجْمَاعٌ مِنْهُمْ اَنَّ بَيْعَ الْمُدَبَّرِ لَا يَجُوْزُ وَمَا رَوَاهُ حِكَايَةُ حَالٍ فَلَا يُمْكِنُ الْاِحْتِجَاجُ بِهٖ لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُ اَنَّهٗ كَانَ مُدَبَّرًا مُقَيَّدًا وَيَحْتَمِلُ اَنَّهٗ بَاعَ مَنْفَعَتَهٗ بِاَنْ اٰجَرَهٗ وَالْاِجَارَةُ تُسَمّٰى بَيْعًا بِلُغَةِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لِاَنَّهٗ فِيْهَا بَيْعُ الْمَنْفَعَةِ يُؤَيِّدُهٗ مَا رَوَاهُ جَابِرٌ ؓ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَاعَ خِدْمَةَ الْمُدَبَّرِ ذَكَرَهٗ اَبُوالْوَلِيْدِ وَيَحْتَمِلُ اَنَّهٗ بَاعَهٗ فِيْ وَقْتٍ كَانَ يُبَاعُ الْحُرُّ بِالدَّيْنِ كَمَا رُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَاعَ حُرًّا بِدَيْنِهٖ ثُمَّ نُسِخَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ ذُكِرَ فِي النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ " یعنی ہماری حجت حدیث ابن عمر کی ہے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدبر بیع نہ کیا جاوے اور نہ ہبہ کیا جاوے اور نہ موروث ہو اور وہ آزاد ہے ثلث مال سے حجت کر واتا اس حدیث کو امام طحاوی اور سوائے ان کے اور اماموں نے اور ابوالولید نے روایت کی ہے کہ عمر ؓ نے مدبر کی بیع رد کردی سامنے جماعت صحابہ خیر القرون کے اور وہ لوگ کثرت سے تھے اور موجود تھے پس یہ صحابہ کا اجماع ہو گیا کہ بیع مدبر کی جائز نہیں اور وہ حدیث جس کو روایت کیا ہے حکایت حال کی ہے سو حجت پکڑنا اس سے ممکن نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ مدبر مقید ہو اور احتمال ہے کہ خدمت اس کی فروخت کی ہو اس طور سے کہ اس کو اجرت پر دے دیا ہو اور اجارے کو مدینہ شریف والوں کے لغت میں بیع کہتے ہیں کیونکہ فائدے کی بیع اس میں ہوتی ہے تائید کرتا ہے اس کے وہ قول کہ جس کو روایت کیا جابر ؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ نے خدمت مدبر کی بیع کی تھی ذکر کیا اس کو ابوالولید نے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو ایسے وقت میں بیع کیا ہو کہ جس وقت آزاد بھی بعوض دین کے بیع کیا جاتا تھا چنانچہ

۱.....جب خدا کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کو بزرگوں پر طعن کرنے میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آنحضرت ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے ایک آزاد شخص کو بوجہ قرض کے بیع کر دیا پھر یہ بیع اس قول اللہ تعالیٰ سے یعنی پس اگر مدیون مفلس ہو تو تونگری کا انتظار کرنا چاہیے منسوخ ہو گئی ذکر اس کا ناسخ و منسوخ میں ہے انتہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی عام ہے کہ مدبر کی بیع نہ ہو اور یہ واقعہ خاص ہے علاوہ اس کے ہو سکتا ہے کہ مدبر مقید ہو یعنی جس سے مثلاً یوں قید لگائی جاوے کہ اگر اس مرض سے یا اس سفر یا فلاں مرض سے انتقال ہو تو آزاد ہے اس کو مدبر مقید کہتے ہیں اس کی بیع بالاتفاق درست ہے اور مدبر مطلق کی بیع میں اختلاف ہے یعنی وہ شخص جس سے بلا قید یوں کہا جائے کہ مرنے کے بعد تو آزاد ہے اور حدیث میں کہیں تصریح اس کی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مدبر مطلق کی بیع کی ہو بلکہ مطلق مدبر ہے خواہ مدبر مقید ہو خواہ مطلق ہو لہٰذا حدیث کو بوجہ اجماع صحابہ و حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مدبر مقید پر محمول کریں گے پھر اجماع صحابہ کا موجود اور ادھر جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کہ بیع قطع کی ہوئی اور لغت اہل مدینہ بھی اس کے مؤید ہے اور ادھر قرآن کی آیت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رد کرنا ہر طرح سے عدم جواز بیع مدبر کی تائید کر رہا ہے اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اس کا کچھ علاج نہیں خدا ان پر رحم کرے جو عین موافقت کو مخالفت بتلاتے ہیں۔ افسوس کہ ان لوگوں سے انصاف اٹھ گیا ائمہ مجتہدین کو مخالفت حدیث کا الزام دینا تو ان کا تکیہ کلام ہے کیا اسلام اسی کا نام ہے؟! اگر اس جرح و طعن بزرگان دین سے یہ سمجھے ہوں کہ ہمارا نام بھی پانچویں سواروں میں لکھا جاوے سو یہ خیریت ہے بلکہ انتہی بدنامی ہوگی۔

بزور کوہ کندن بمسر فرہاد نتواں شد — زار باب ہنر از صد یکے مشہور میگردد(۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے بیع میں جب ایجاب و قبول ہو جائے تو بیع ہو چکی بائع اور مشتری کو بیع کے توڑ ڈالنے کا اختیار نہیں لیکن اگر کچھ عیب نکل آوے یا جس چیز کو مشتری نے خرید کیا ہے اس کو اس نے دیکھا نہ ہو تو بیع ٹوٹ سکتی ہے انتہی۔

کشف کید شصت و ہفتم

تفرق بالابدان و تفرق بالاقوال کی تحقیق

اقول: تفرق کی دو قسمیں ہیں تفرق بالابدان و تفرق بالاقوال پھر تفرق بالابدان بھی دو طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ بعد ایجاب و قبول کے ہو، دوسرے یہ کہ بعد ایجاب قبل قبول ہو اور حدیث میں کسی قسم کی تصریح نہیں پس تفرق کو جو حدیث میں واقع ہے ایک قسم ابدان کے ساتھ خاص کر لینا اور پھر تفرق بالابدان کو بعد ایجاب و قبول ہی کی لینا اور پھر طرفہ یہ کہ دوسرے معنی کو مخالف حدیث کے کہنا غایت درجے کی بلاہت اور سفاہت ہے اس پر کوئی دلیل برہانی تو درکنار اقناعی حجت بھی آج تک میسر نہیں ہوئی کیا تفرق بالاقوال عرب کے محاورے میں نہیں آتا قرآن شریف میں تفرق اس کی موجود ہے ﴿ وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ﴾ (۲) یعنی اگر زوج اور زوجہ جدا ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے پروا کر دے گا انتہی۔

۱...... طاقت کے بل پر پہاڑ توڑنے سے کوئی ہمسر فرہاد نہیں ہو سکتا کیونکہ سینکڑوں ارباب ہنر میں سے کوئی ایک ہی مشہور ہوتا ہے۔

۲...... سورۃ النساء، آیت: ۱۳۰۔

اور ظاہر ہے کہ یہاں تفرق سے مراد ابدانی تفرق نہیں بلکہ تفرق طلاقی ہے جو بالاقوال ہوتا ہے اور دوسری نظیر آیت کی یہ ہے ﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾(۱) یعنی نہیں متفرق ہوئے وہ لوگ جو کتاب دیے گئے ہیں مگر بعد اس کے کہ آئی ان کے پاس حجت واضح انتہی۔

اسی طرح یہاں بھی تفرق بالاقوال مراد ہے جس تفسیر میں چاہیے ملاحظہ فرمایئے چونکہ بعضوں نے تفرق بالاقول کا انکار کیا تھا کہ محاورۂ عرب میں نہیں آتا اس لیے ہم نے قرآن شریف سے کہ ابلغ الکلام ہے دو نظیریں بیان کردیں پس اسی وجہ سے کہ تفرق میں کئی معنوں کا احتمال تھا ہر فرقے نے حسب ترجیح قیاس وتظافر شرعی ایک معنی ان میں سے اختیار کیے یہی وجہ اختلاف کی واقع ہوئی پس امام صاحب اور امام مالک اور ثوری اور نخعی اور ربیعہ اور اہل کوفہ اور ایک جماعت اہل مدینہ کی اور امام احمد ایک روایت میں اس طرف گئے کہ حدیث میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال ہے۔

امام محمد مؤطا میں اسی حدیث کے بعد لکھتے ہیں" وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَتَفْسِيْرُهٗ عِنْدَنَا عَلٰى مَا بَلَغَنَا عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ اَنَّهٗ قَالَ الْمُتَبَايِعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا عَنْ مَنْطِقِ الْبَيْعِ اِذَا قَالَ الْبَائِعُ قَدْ بِعْتُكَ فَلَهٗ اَنْ يَرْجِعَ مَالَمْ يَقُلِ الْاٰخَرُ قَدِ اشْتَرَيْتُ فَاِذَا قَالَ الْمُشْتَرِيْ قَدِ اشْتَرَيْتُ بِكَذَا وَكَذَا فَلَهٗ اَنْ يَرْجِعَ مَالَمْ يَقُلِ الْبَائِعُ قَدْ بِعْتُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا "(۲) یعنی اور اسی حدیث کا ہم اختیار کرتے ہیں اور تفسیر اس کی نزدیک ہمارے جیسا کہ پہونچا ہم کو ابراہیم نخعی سے یہ ہے کہ کہا انہوں نے بیع کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں گفتگوئے بیع سے علیحدہ نہ ہوجائیں جب کہ بائع کہے کہ بیچا میں نے پس اس کو اختیار ہے کہ رجوع کرے جب تک کہ دوسرا یوں نہ کہے کہ خریدا میں نے اور جب خریدنے والا کہے کہ خریدا میں نے بعوض اس کے اور اس کے پس اس کو اختیار ہے کہ اس قول سے رجوع کرے جب تک کہ بائع نے یوں نہیں کہا کہ بیچا میں نے اور یہی قول حنیفہ اور اکثر ہمارے فقہا کا ہے انتہی۔

اور تفرق بالابدان جو بعد ایجاب قبل قبول ہو اس میں بھی اختیار ساقط ہوجاتا ہے اور اس مسئلے کا ماخذ سوا اس حدیث کے اور کوئی حدیث نہیں چنانچہ عیسیٰ بن ابان نے کتاب الحجہ میں اس حدیث کے یہی معنی لکھے ہیں اور امام ابویوسف بھی یہی معنی مروی ہیں" اَلْفُرْقَةُ الَّتِيْ تَقْطَعُ الْخِيَارَ الْمَذْكُوْرَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰثَارِ هِيَ الْفُرْقَةُ بِالْاَبْدَانِ وَذٰلِكَ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ لِلرَّجُلِ قَدْ بِعْتُكَ عَبْدِيْ هٰذَا بِاَلْفِ دِرْهَمٍ فَلِلْمُخَاطَبِ بِذٰلِكَ الْقَوْلِ اَنْ يَقْبَلَ مَالَمْ يُفَارِقْ صَاحِبَهٗ فَاِذَا افْتَرَقَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يَقْبَلَ وَهٰذَا اَوْلٰى مِمَّا حُمِلَ عَلَيْهِ هٰذَا الْحَدِيْثُ یعنی وہ فرقت جو ساقط کردیتی ہے اس اختیار کو جو احادیث میں مذکور ہے وہ فرقت بالابدان ہے اور یہ اس طور ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے کہا میں نے اپنے اس غلام کو

۱…… سورة البينه، آيت: ۴۔

۲…… مؤطا امام محمد: باب مايوجب البيع بين البائع والمشتري، ص: ۳۴۱، ۳۴۲۔

بعوض ایک ہزار درہم کے فروخت کیا پس اس قول کے مخاطب کو اختیار ہے قبول کر لینے کا جب تک کہ اپنے ساتھی سے جدا نہیں ہوا پس جب دونوں جدا ہو جائیں گے تو پھر اس کو قبول کرنا نہیں پہونچتا اور یہ معنی اولی ہیں ان معنوں سے جن پر یہ حدیث حمل کی گئی انتہی۔

غرض کہ حنفیہ کے نزدیک تفرق بالا بدان اور تفرق بالاقوال دونوں ہیں پس حدیث کے مخالف نہ ہوا بلکہ موافق ہو گیا۔

دعویٰ جو آپ کا تھا وہ بالعکس ہو گیا　　　　اب پھر نہ اس طرح سے کوئی بات کیجیے

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ درخت پر میوہ بیچنا خواہ پک گیا ہو خواہ خام ہو جائز ہے اور مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان تین حدیثوں کا الخ۔

کشف کید شصت و ہشتم

بیع درخت میں ثمر بلا شرط داخل نہیں

اقول: بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے ”إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ “۔(۱)

یعنی تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کھجور کا درخت بعد جوڑا لگانے کے جیسا کہ کھجور میں نر مادگی کا دستور ہے فروخت کرے پس پھل اس کے واسطے بائع کے ہیں مگر اس وقت کہ شرط کرے خریدنے والا انتہی۔ اس حدیث سے ثمر کی بیع مطلقاً جائز معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں قید ثمر کے پکنے کی نہیں ہے اور حدیث نہی کا مطلب آگے آتا ہے البتہ یہ شبہہ ہوتا ہے کہ یہاں ثمر بالتبع درخت میں داخل ہو جائیں گے جیسے قنائے دار مکان کے خریدنے میں داخل ہو جاتا ہے علیحدہ ثمر کی بیع کا جائز ہونا کہاں سے معلوم ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قنائے دار تو بلا شرط بھی داخل ہو جاتا ہے اور ثمر بغیر شرط کے بیع درخت میں داخل نہیں ہوتا پس ہر گاہ جو شئی بلا شرط بالتبع داخل ہو جاتی ہے اور اس کی علیحدہ بیع درست ہے تو جو شئی بلا شرط نہیں داخل ہوگی اس کو تو بہ نسبت پہلی شئی کے زیادہ استقلال ہوگا پس دوسری شئی کے ساتھ جب ہی جائز ہوگی کہ علیحدہ بھی بیع اس کی درست ہو مثلاً اگر غلام بیع کیا جائے تو اس کا مال اس میں داخل نہ ہوگا جب تک شرط نہ ہو تو بیع مال کی علیحدہ بھی جائز ہے اس لیے شرط میں داخل ہو جائے گا ورنہ اگر شراب اور سور وغیرہ حرام چیزوں کی شرط کرے گا تو بیع فاسد ہو جاوے گی بوجہ اس کے کہ علیحدہ بیع اس کی حرام ہے پس بیع دار میں اسی شئی کی شرط کی جائے گی جس کی بیع علیحدہ بھی جائز ہو ایسا ہی درخت میں ثمر کا شرط سے داخل ہونا اسی وجہ سے ہے کہ علیحدہ بھی بیع اس کی جائز ہے۔

---

(۱)......صحیح البخاری: باب فیمن باع نخلا قد ابرت، ج: ۱، ص: ۲۹۳۔

......صحیح مسلم: باب من باع نخلا علیها تمر، ج: ۲، ص: ۱۰۔

چنانچہ مسلم اور ترمذی (۱) وغیرہ میں حدیث آئی ہے" وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ "یعنی جو شخص کسی غلام کو خریدے پس مال اس کا اس شخص کا ہے جس نے غلام کو بیچ کیا ہے مگر یہ کہ شرط کر لے خریدار اس کی۔

اور الفاظ مسلم کے ہیں اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مال کی علیحدہ بیع بھی درست ہے کیوں کہ اگر مال شراب یا سور ہوگا تو بیع شرط سے فاسد ہو جائے گی پس شرط اسی مال کی ہوگی جس کی بیع علیحدہ بھی درست ہو اور جس کی بیع علیحدہ درست نہ ہو گی اس کی شرط بھی جائز نہ ہوگی پس معلوم ہوا کہ ثمر کا بیع میں شرط کرنا اسی وقت ہے جب اس کی بیع علیحدہ بھی جائز ہو اور دوسری حدیث امام مالک کی مؤطا میں (۲) عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے ایک شخص نے ایک باغ کے پھل رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خریدے پس اس کی درستی اور اصلاح کی پھر اس میں نقصان آ گیا اس نے باغ والے سے کہا یا تو دام کم کر دو یا دام پھیر دو اس نے قسم کھائی کہ ایسا نہ کروں گا پس مشتری کے باپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ کیفیت عرض کی آپ نے فرمایا عمدہ بات سے انکار کرتا ہے پس باغ والے نے سنا پس آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا دام دوں گا پس اگر بیع درست نہ ہوئی تھی تو پھر اقالہ کیونکر صحیح ہوا اگر کوئی کہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ بیع اس کی پکنے سے پہلے تھی، جواب اس کا یہ ہے کہ نقصان اور آفت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل پختگی فروخت کیا ہے کیوں کہ حدیث میں ممانعت قبل آفت کے ہے پس آفت اور نقصان کا اعتبار اسی وقت ہے جب تک پکا نہیں کچا ہے اور جب پک گیا پھر نقصان ہونے سے بائع کو کیا علاقہ باقی رہا یہ امر کہ جب حدیث میں ممانعت آئی ہے تو پھر حنفیہ اس کو کیوں جائز رکھتے ہیں؟! اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس شرط پر فروخت کرے کہ درخت پر پھل چھوڑ دے تو ایسی بیع ناجائز ہے اور اس کے سوا سب صورتیں اس حدیث میں داخل نہیں البتہ یہ صورت حنفیہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔

پس مسئلہ اس حدیث کے مخالف نہ ہوا بلکہ صحاح ستہ کی حدیث سے جو شروع جواب میں مذکور ہے موافق ہو گیا اول ہم چند مسئلے بیان کر دیں جس میں سب کا اتفاق ہے اور جمہور امت ان کے قائل ہیں پھر علامہ ابن ہمام کے کلام سے ثابت کر دیں گے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں جو معترض صاحب نے ظاہر الفاظ دیکھ کر مخالفت کا حکم لگا دیا ہے۔

وہ مسائل متفق علیہ یہ ہیں اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ نمودار ہونے کے قبل بیع ثمر ناجائز ہے اور اس میں بھی کسی کا خلاف نہیں کہ

۱........ صحیح مسلم: باب من باع نخلا علیها ثمر، ج: ۲، ص: ۱۰۔

.... جامع الترمذی: باب ما جاء فی ابتیاع النخل بعد التأبیر العبد وله مال، ج: ۱، ص: ۱۴۹

(مجلس برکات مبارکپور)

۲........ مؤطا امام مالک: باب الجائحة فی بیع الثمار والزروع، ص: ۲۵۵

(مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

بعد نمودار ہونے پھل کے اور پہلے پکنے کے اس شرط پر کہ درخت پر چھوڑ دیں گے بیع ناجائز ہے اور قبل شروع پختگی کے اس شرط پر کہ پھل توڑ لیں گے اور پھل بھی ایسے ہو گئے ہوں کہ ان سے آدمی یا چوپائے منتفع ہو سکتے ہوں اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ایسا ہی اس میں بھی کسی کو کلام نہیں کہ جب بدون صلاح ہو جائے اس کے بعد بیع جائز ہے گو اس کی تفسیر میں خلاف ہو کہ ہمارے نزدیک تو جب آفت اور فساد سے محفوظ ہو جاتا ہے تو بیع جائز ہوتی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب اس میں حلاوت شروع ہو جائے تو بیع جائز ہے مگر بدون صلاح میں سب کا اتفاق ہے۔ اب رہا مسئلہ مختلف فیہ وہ یہ ہے کہ قبل پکنے کی صلاحیت کے اس کو بلا شرط قطع بیع کیا جائے یہ صورت حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور حدیث کے مخالف نہیں۔

فتح القدیر (۱) میں ہے کہ ہماری حجت قول علیہ السلام کا ہے جو شخص درخت خریدے پس ثمر اس کا بائع کا ہے مگر جب مشتری شرط کر لے پس مشتری کے واسطے آنحضرت ﷺ نے شرط سے مباح کر دیا پس دلالت کی اس حدیث نے کہ مطلقاً بیع ثمر کی جائز ہے کیونکہ اس کے داخل ہونے کو وقت شرط بیع کے بدون صلاح سے مقید نہیں کیا لیکن حدیث نہی کی (کہ اس میں یہ قول آنحضرت ﷺ کا جو عدم جواز کی علت واقع ہوا ہے بھلا اگر خدا پھل نہ آنے دے تو کس وجہ سے بائع مشتری کا مال حلال جانے گا) اس امر کو مستلزم ہے کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبل پکنے کے پکوں کے دام دینے اور ان کے بیع کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ عادت لوگوں کی یہ ہے کہ پھلوں کو پہلے پکنے کے بیع کر دیتے ہیں پس اس بیع سے منع کیا جب تک کہ ان میں سرخی اور زردی نہ ہو یا آفت سے امن نہ ہو جائے۔

اور وہ جو حدیث ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ کی ہم نے بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے انگور کی بیع سے منع فرمایا جب تک سیاہ نہ ہو جاوے حالانکہ وہ قبل سیاہی کے عنب نہیں کہلاتا بلکہ حصرم اس کو بولتے ہیں سو اس حدیث سے قطعاً معلوم ہوتا ہے کہ نہی اس سے ہے کہ بیع عنب کی واقع ہو قبل عنب ہونے کے اور یہ نہیں ہو سکتا ہے مگر اس شرط پر کہ انگور کے ہونے تک اس کو چھوڑ دیا جاوے پس نہی کا مصداق یہ ہوا کہ پختہ کی بیع قبل پختگی ہو جاوے اور اس پر دلالت کرتا ہے آنحضرت ﷺ کا علت بیان کرنا کہ اگر اس میں پھل نہ آوے تو کیوں کر اپنے بھائی کے مال کو بائع حلال سمجھتا ہے پس معنی اس حدیث کے یہ ہووے کہ جب تم عنب کو قبل عنب ہونے کے اس شرط پر فروخت کرتے ہو کہ اس کو عنب ہونے تک چھوڑ دیا جاوے پس اگر خدا پھلوں کو منع کر دے اور وہ عنب نہ ہوں تو کس کے عوض میں بائع مشتری کے مال کو حلال سمجھتا ہے اور اگر بیع میں کاٹ لینا شرط کر لیا جاوے تو اس میں یہ بات متصور نہیں پس نہی اس کو شامل نہ ہو گی اور جب نہی کا محل وہ بیع ہوئی کہ جس میں یہ شرط ہو کہ شروع پختگی ثمر درخت پر چھوڑ دیے جاویں پس ہم نے موافق اس نہی کے اس بیع کو فاسد کر دیا اور مطلق بیع جو اس نہی کو بوجہ من الوجوہ شامل نہ ہو باقی رہے گی اور اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ حدیث تابیر کی جس سے ہم استدلال لائے ہیں عام نہیں کہ اس کو خاص معارض ہو جو کہ حدیث

---

(۱)..... فتح القدیر: کتاب البیوع، ج: ۶، ص: ۲۵۶ تا ۲۶۹ (مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

بدو صلاح کی ہے تا کہ ترجیح خاص کو بوجہ مانع ہونے کے ہماری حدیث پر جو صحیح ہے دی جائے بلکہ ایک حدیث دوسری کو شامل نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جس شی میں ہنوز صلاحیت پختگی نہیں آئی اگر اس کو بشرط قطع بیع کیا جاوے تو بالاتفاق جائز ہے کیونکہ نہی اس کو شامل نہیں چنانچہ دلیل اس کی ہم بیان کر چکے اور اگر مطلقا فروخت کیا جاوے اگر حکم اس کا لزوم قطع ہے تو مثل بیع بشرط قطع کے ہو جائے گی پس محل نہی کا سوا بیع بشرط ترک کے کوئی صورت باقی نہ رہی اور ہم قائل ہیں کہ اس صورت سے بیشک بیع فاسد ہوگی انتہی ملخصا۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جائز ہے بیچنا تر کھجوروں کا عوض سوکھی کھجوروں کے برابر ایک۔

کشف کید شصت ونہم

نسیئۂ بیع احناف کے نزدیک بھی جائز نہیں

اقول: ابوداود میں ہے" نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ نَسِيْئَةً "(۱) یعنی ممانعت فرمائی رسول اللہ ﷺ نے بیع تر کھجور کی بدلے خشک کے بطور ادھار کے انتہی۔

اسی طرح اس حدیث کو حاکم نے اور طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اور دار قطنی نے روایت کی ہے(۲) اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہوتی ہے چنانچہ "برہان شرح مواہب الرحمٰن" میں لکھا ہے" وَاِذَا صَحَّتِ الزِّيَادَةُ يَجِبُ قُبُوْلُهَا عَلَى الْمُخْتَارِ عِنْدَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَاِنْ كَانَ الْاَكْثَرُ لَمْ يَرْوِهَا "یعنی جس وقت صحیح ہو جائے زیادتی کسی لفظ کی تو واجب ہے قبول کرنا اس کا موافق مذہب مختار کے نزدیک محدثین کے اگرچہ اکثر نے اس کو روایت نہ کیا ہو انتہی۔

اور نسیئۂ بیع کرنا حنفیہ بھی ناجائز کہتے ہیں پس یہ حدیث ان کے موافق ہے مخالف نہیں مخالفت تو معترض صاحب کی ہے کہ ہر جگہ بطور تکیہ کلام اس کی ایک رٹ چلی جاتی ہے اس سے کیا حاصل۔

حرا ئیکہ طعنہ زند تیغ وخندہ باطفال (۳)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر شہر والوں کو تکلیف نہ پہونچے تو شہر سے باہر جا کر غلہ لانے والے قافلے کو آگے مل کر ان سے غلہ خرید کرنے میں قباحت نہیں۔

کشف کید ہفتادم

شہر سے باہر غلہ خریدنا جائز ہے جبکہ شہر والوں کو تکلیف نہ ہو

اقول: امام صاحب کے نزدیک بھی یہ بیع ممنوع ہے مگر اس صورت میں ممنوع نہیں جب شہر والوں کو نقصان نہ ہو اور

۱.....سنن ابی داؤد: باب فی التمر بالتمر، ج: ۲، ص: ۱۷۷ (مطبوعہ اصح المطابع)

۲.....المستدرك على الصحيحين: كتاب البيوع، ج: ۲، ص: ۴۵ (دار الكتب العلمية بيروت لبنان: ۱۹۹۰م)

۳.....طعنہ، طوق اور بچوں کی ہنسی کے سوا کیا حاصل ہے۔

بھاؤ سے زیادہ نہ لے یا ان کا دلال نہ بنے اگر اس میں سے کوئی صورت ہوگی تو موافق ارشاد آنحضرت ﷺ کے امام صاحب بھی جائز نہیں رکھتے اور مکروہ تحریمی کہتے ہیں چنانچہ احادیث کے مضامین سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ ضرر کے ممانعت فرمائی ہے بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے جو کہ فرماتے ہیں کہ اس کا دلال نہ ہو (۱) یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس میں مضرت اس کی ہو وہ فعل جائز نہیں اور بطور "الدین النصیحة" (۲) کے اگر بلا ضرر وہ شی بکوا دے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں پس یہ صورت نہی میں داخل نہ ہوگی چنانچہ بخاری نے اسی کا باب باندھا ہے "بَابُ هَلْ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِغَيْرِ أَجْرٍ وَهَلْ يُعِينُهُ أَوْ يَنْصَحُهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ وَرَخَّصَ فِيهِ عَطَاءٌ" (۳) یعنی کیا بیع کرے شہر والا واسطے گاؤں والے کے بغیر اجر کے اور کیا اعانت کرے اس کی یا بھلائی چاہے اس کی اور فرمایا نبی ﷺ نے جب کوئی نصیحت چاہے تو نصیحت کرے اس کو اور رخصت دی اس بیع میں عطاء نے انتہی۔

اس کے متعلق بخاری نے دو حدیثیں بیان کی ہیں ایک میں "النصح لكل مسلم" (۴) اور دوسری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دلال ہونے سے منع فرمایا ہے (۵) پس معلوم ہوا کہ بغیر اجرت کے اگر بکوا دے گا تو مضائقہ نہیں ایسے ہی دوسرے باب میں بخاری نے کہا ہے "بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِأَجْرٍ" (۶) یعنی جس شخص نے کہ مکروہ جانا کہ شہری قصباتی کی چیز کو بعوض اجر کے بیع کرائے انتہی۔

پھر اس باب کے متعلق وہی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع کو منع فرمایا لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے "وبه قال ابن عباس رضی اللہ عنہ" یعنی اسی کے قائل ہوئے ابن عباس پس معلوم ہوا کہ حدیث میں مراد اجرت لے کر بیع کرانا جس میں ضرر بائع کا ہو ناجائز ہے اور بدون اجرت بیع جائز ہوگی علیٰ ہذا القیاس تلقی جلب میں بھی بخاری نے بھی یہی علت بیان کی ہے کہ یہ بیع فریب اور دھوکا ہے اور فریب دینا جائز نہیں۔ (۷)

۱........صحیح البخاری : باب هل یبیع حاضر لباد بغیر اجر وهل یعینه او ینصحه.. الخ ، ص ۲۸۹۲۱۔

۲........صحیح مسلم : باب بیان ان الدین النصیحة ، ج : ۱ ، ص : ۵۴۔

۳........صحیح البخاری : ج : ۱ ، ص : ۲۸۹۔

۴........صحیح البخاری : باب هل یبیع حاضر لباد بغیر اجر.. الخ ، ج : ۱ ، ص : ۲۸۹۔

۵........صحیح مسلم : باب بیان ان الدین النصیحة ، ج : ۱ ، ص : ۵۴۔

۶........صحیح البخاری : ج : ۱ ، ص : ۲۸۹۔

۷........صحیح البخاری : باب النهی عن تلقی الرکبان وانه بیعه مردود لان صاحبه عاص آثم اذا کان به عالما وهو خداع فی البیع والخداع لا یجوز ، ج : ۱ ، ص : ۲۸۹۔

پس معلوم ہوا کہ وہی بیع منع ہے جیسا دستور ہے کہ بھاؤ سے زیادہ لے لیتے ہیں یا دلالی کر کے اس کا نقصان کرا دیتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں بائع کو خیار دینا کہ جب وہ شہر میں آوے گا تو اختیار اس کا ہے خواہ بیع جائز رکھے خواہ رد رکھے خود اس پر دال ہے کہ اس کا نقصان نہ ہو اور اگر مطلق بیع نادرست ہوتی اور ضرر کا خیال نہ ہوتا تو پھر بازار میں آ کر اس کو اختیار دینے کے کیا معنی ہوں گے پس جو صورت حنفیہ نے بیان کی ہے اس کی حدیث سے ہرگز نفی نہیں پائی جاتی بلکہ " حدیث النصح لکل مسلم " کے موافق ہے اگر معترض صاحب اپنے زعم باطل میں مخالف سمجھیں ان کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے بلکہ اہل علم کے نزدیک اس ہٹ دھرمی سے بے اعتباری ہے اور نقصان عقل قائل سمجھا جاتا ہے۔

زبان لاف رسوا میکند ناقص کمالاں را ۔۔۔ کہ رو برخاک مالد پر فشانی ہست بالاں را

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نکاح کرنا حرہ بالغہ کا بدون اجازت ولی کے بھی جائز ہے الخ۔

کشف کید ہفتاد و یکم

نکاح کا بیان

آزاد اور بالغہ عورت کا نکاح بغیر اجازت ولی کے جائز ہے

اقول: فتح القدیر(۱) میں اس مسئلے کے دلائل بہت ہیں مگر مختصراً کچھ بیان کیے جاتے ہیں لیکن یہ حدیث اور جو اس کے معنوں میں احادیث وارد ہیں معارض ہیں اس قول رسول اللہ ﷺ کے " **اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا** " یعنی ایم اپنے نفس کی زیادہ مختار ہے اپنے ولی سے روایت کیا اس حدیث کو مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے اور مالک نے موطا میں اور ایم وہ عورت ہے جس کا زوج نہ ہو خواہ ثیبہ یعنی رانڈ ہو یا باکرہ۔ اور وجہ استدلال کی یہ ہے کہ ہر ایک کے واسطے دونوں (یعنی ولی اور عورت) میں سے ضمن میں لفظ احق کے حق ثابت کیا ہے اور معلوم ہے یہ امر کہ ولی کو بعد اس کی رضا کے سوائے مباشرت عقد کے دوسرا شغل نہیں پہونچتا ہے اور تحقیق اس کو اس میں ولی سے زیادہ مستحق کہا ہے پس اس کے بعد یا تو کسی حدیث کو ترجیح ہو یا طریقہ جمع کا ہو اور اس حدیث مسلم کو بوجہ قوت اسناد کے اور نہ ہونے اختلاف کے اس کی صحت میں ترجیح ہوگی برخلاف ترمذی کی دونوں حدیثوں کے کہ وہ ضعیف ہیں اور طریقہ جمع کا یہ ہے کہ حدیث ابوموسیٰ کی خاص کی جاوے بایں طور کہ مراد ولی سے وہ ہو جس کے اذن پر نکاح موقوف ہو جیسے نکاح مجنون اور لونڈی کا اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص کی جاوے ساتھ اس عورت کے جو نکاح اپنا غیر کفو میں کر لے اور مراد باطل سے اس کے نزدیک جو غیر کفو میں نکاح بالکل صحیح نہیں کہتا باطل حقیقۃً ہوگا اور اس کے نزدیک جو نکاح صحیح کہتا ہے لیکن اس کے نزدیک ولی کو حق خصومت اور اختیار فسخ نکاح کا ہے باطل حکماً ہوگا اور یہ بہت شائع ہے نصوص کے اطلاقات میں اور اس صورت کا اختیار کرنا واسطے دفع معارضہ کے واجب ہے علاوہ اس کے مذہب محدثین کا اس

---

(۱)..... فتح القدیر: ج: ۳، ص: ۲۵۰، ۲۵۲ (مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

حدیث کے مخالف ہے اس واسطے کہ مفہوم اس حدیث کا یہ ہے کہ جب نکاح اذن ولی سے عورت کرے گی تو صحیح ہے حالانکہ یہ مذہب ان کا نہیں انتہی ملخصاً۔

اور "لمعات شرح مشکوٰۃ" میں ہے کہ حجت ہماری حدیث ابن عباس کی "الایم احق بنفسها من ولیها" ہے اور قول اللہ تعالیٰ کا کہ جس کے معنی یہ ہیں پس اگر طلاق دی اس کو پس نہیں حلال ہے واسطے اس کے یہاں تک کہ نکاح کرے اور شخص سے۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کے الفاظ سے نکاح جائز ہے اور دوسرا قول اللہ تعالیٰ کا جس کا ترجمہ یہ ہے اور نہ منع کرو ان کو اس سے کہ نکاح کریں وہ اپنی ازواج سے پس نسبت کیا نکاح کو طرف عورتوں کے اور منع کیا ان کے منع کرنے سے اور ظاہر اس کا یہ ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کرلے تو درست ہے ایسا ہی ہے یہ قول اللہ تعالیٰ کا یعنی پس جب پہنچ جائیں وہ اختتام عدت پر پس نہیں گناہ تم پر اس چیز میں کہ خود کریں وہ معروف کے ساتھ پس مباح کیا اللہ تعالیٰ نے فعل ان کا ان کے نفسوں میں بغیر شرط ولی سے اور تائید کرتی ہے وہ حدیث جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے جس وقت ام سلمہ سے نکاح کو فرمایا جواب دیا کہ میرے اولیا میں سے اس وقت کوئی موجود نہیں فرمایا آنحضرت ﷺ نے اولیاء تیرے سے کوئی ایسا نہیں جو مجھ سے راضی نہ ہو اور کہا واسطے پسر عمر بن ابی سلمہ کے اور تھے وہ صغیر کہ اٹھو تم پس نکاح کرو پس نکاح کیا آنحضرت ﷺ نے بغیر ولی کے اور حکم کرنا ان کے لڑکے کو بطریق مزاح کے تھا کیوں کہ تاریخ جاننے والوں نے لکھا ہے کہ وہ صغیر تھے بعضوں نے کہا ہے چھ برس کے تھے اور بالاجماع ولایت ایسے لڑکے کی صحیح نہیں ہے اسی واسطے انہوں نے کہا کہ اولیاء میں سے کوئی حاضر نہیں اور حدیث ابوموسیٰ میں کلام کیا گیا ہے بایں طور کہ محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے امام احمد سے کہ وہ سوال کیے گئے نکاح بغیر ولی سے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی شئی ثابت ہے یا نہیں کہا میرے نزدیک کوئی شئی اس میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی کلام ہے کیونکہ وہ روایت سلیمان بن موسیٰ کی ہے اور بخاری نے ان کو ضعیف کہا ہے اور نسائی نے کہا ہے ان کی حدیث میں ضعف ہے اور امام احمد نے ابوطالب کی روایت میں کہا ہے کہ حدیث "لا نکاح الا بولی" قوی نہیں اور روایت مروزی میں کہا ہے میں اس کو صحیح نہیں گمان کرتا ہوں کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے برخلاف اس کے عمل کیا ہے کہا گیا امام احمد سے کہ پھر آپ اس کے کیوں قائل ہیں؟ فرمایا اکثر آدمی اسی پر ہیں پھر ابن جریج نے زہری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا انتہی۔

اور علامہ زیلعی نے "تبیین الحقائق" میں کہا ہے "وَقَدْ وَرَدَ فِیْ کُتُبِهِمْ اَحَادِیْثُ کَثِیْرَةٌ وَلَیْسَ لَهَا صِحَّةٌ عِنْدَ اَهْلِ النَّقْلِ حَتّٰی قَالَ الْبُخَارِیُّ وَابْنُ مَعِیْنٍ لَمْ یَصِحَّ فِیْ هٰذَا الْبَابِ حَدِیْثٌ یَعْنِیْ عَلٰی اِشْتِرَاطِ الْوَلِیِّ" یعنی اور تحقیق محدثین کی کتابوں میں احادیث بہت وارد ہیں اور وہ اہل نقل کے نزدیک صحیح نہیں یہاں تک کہ بخاری اور یحییٰ بن معین نے کہہ دیا ہے کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں یعنی شرط ولی میں انتہی۔

غرض یہ ہے کہ آیات اور صحیح حدیث چھوڑ کر ضعیف پر عمل کرنا نہیں چاہیے بلکہ نفی کمال کی ان احادیث میں مراد لی جائے چنانچہ امام صاحب بھی اسی کے قائل ہیں کہ کامل نکاح ولی سے ہوتا ہے اور بالکل عدم جواز خلاف عقل و نقل کے ہے اور حدیثیں اس کی تائید کی بوجہ طول کے چھوڑ دیں عاقل کو اس قدر کافی ہے۔

یک حرف بس ست گر شعور ست — ورنہ چہ چراغ پیش کور ست (۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کافر مرد یا اس کی عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے دار الاسلام میں آ جاوے تو ان کا نکاح نہیں رہتا ٹوٹ جاتا ہے اور یہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ مسند امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ کہا پھیر دی نبی ﷺ نے اپنی بیٹی ابی العاص بن ربیع کو بعد چھ برس کے ساتھ پہلے نکاح کے اور نہ کیا نکاح اس کا نیا صحیح کہا اس حدیث کو احمد اور حاکم نے۔

کشف کید ہشتادودوم
دار الاسلام میں داخل ہونے سے کفار کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے

اقول: ابن ماجہ میں ہے "إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ" (۲) یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی لڑکی زینب کو ابو العاص پر ساتھ نکاح جدید کے لوٹا دیا تھی۔

اور اسی طرح ترمذی میں ہے إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بِمَهْرٍ جَدِيدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيدٍ(۳)۔

اور علامہ عینی اور قسطلانی نے "شرح بخاری" میں لکھا ہے "فَكَانَ الْمُثْبِتُ أَوْلَى مِنَ النَّافِي عَلَى أَنَّ مَا رَوَوْهُ غَيْرُ صَحِيحٍ عِنْدَ أَهْلِ النَّقْلِ فَلَا يُعَارِضُ مَا رَوَيْنَا بِالصِّحَّةِ" یعنی پس ثابت کرنے والی حدیث اولی ہے نفی کرنے والی سے علاوہ اس کے وہ حدیث جس کو انہوں نے روایت کیا ہے نزدیک اہل حدیث کے صحیح نہیں پس معارض نہ ہوگی اس حدیث کے جس کو ہم نے روایت کیا ہے بسبب صحت اس کی کے انتہی۔

البتہ حجاج راوی میں بعضوں نے کلام کیا ہے اس کا جواب بھی انہیں دونوں کتابوں میں بعد عبارت مذکورہ کے موجود ہے "وَقَدْ

۱...... اگر عقل و شعور ہو تو سمجھنے کے لیے ایک حرف کافی ہے ورنہ اندھے کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

۲...... سنن ابن ماجه: باب ما جاء في الزوجين المشركين يسلم احدهما، ص: ۱۴۶ (مجلس بركات مبارك پور)

۳...... جامع الترمذي: باب ما جاء في الزوجين المشركين يسلم احدهما، ج: ۱، ص: ۱۳۶۔

(مجلس بركات مبارك پور)

وَثَّقَهُ اَهْلُ النَّقْلِ حَتّٰی خَرَّجَ لَهٗ مُسْلِمٌ ” یعنی تحقیق توثیق کی ہے حجاج کی محدثین نے یہاں تک کہ مسلم نے ان سے روایت بیان کی ہے انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ نکاح جدید کی حدیث قوی ہے باوجود اس کے جمع کرنا دونوں حدیثوں میں حتی الامکان بہتر ہے لہٰذا ”بالنکاح الاول“ سے مراد یہ لی جائے کہ بسبب نکاح سابق کے رد کردیا یعنی پہلے نکاح کی رعایت کرکے نہ یہ کہ نکاح جدید نہ کیا اور ”لم یحدث شیئا“ کے یہ معنی ہوں کہ مہر جیسا تھا ویسا ہی رکھا اس میں کمی بیشی نہ کی ورنہ اگر تعارض ہوگا تو پھر حدیثیں اثبات کی ترجیح دی جائیں گی چنانچہ محققین کے کلام سے معلوم ہوا بلکہ محدثین کا مذہب اس حدیث کے مخالف ہے کیونکہ اس میں بعد چھ برس کے لوٹا دینا آیا ہے اور ان کے نزدیک عورت کی عدت میں اگر مرد مسلمان ہوجاوے تو لوٹا دینا پہلے نکاح سے جائز ہے ورنہ اگر عدت پوری ہوجائے اور اس کے بعد زوج اسلام لائے تو پھر لوٹا دینا پہلے نکاح سے جائز نہیں رکھتے اور یہاں تو چھ برس کے بعد پہلے نکاح سے لوٹا دینے کی حدیث نقل کرتے ہیں پس ظاہر ہے کہ عدت کے بعد لوٹایا گیا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ نکاح اول کی حدیث کو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”بلوغ المرام“ میں اجود اسناد لکھتے ہیں(۱) اور عمرو بن شعیب کی حدیث پر جس میں نکاح جدید ہے محدثین عمل کرتے ہیں حالانکہ اس میں اور نہ کسی اور حدیث میں کہیں ثابت ہوتا کہ عدت میں آنحضرت ﷺ نے رد کیا ہو یا وہ اسلام ایام عدت میں لائے ہوں اس تقریر سے غرض ہماری یہ ہے کہ یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو حدیث اسناد میں کسی کے نزدیک بہ نسبت اور حدیث کے عمدہ ہو وہ عمل بھی اسی پر کیا کرے عمل اور شئی ہے اور اسناد دوسری چیز ہے محض اسناد کا کھرا ہونا عمل کے لیے حجت نہیں ہوسکتا یہ امر رائے مجتہد پر موقوف ہے جس حدیث کو اس کا قیاس صحیح ترجیح دے اس پر عمل کرے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عورت خواہ ثیبہ ہو خواہ باکرہ نئی ہو خواہ پرانی باری میں برابر ہیں اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری اور مسلم میں روایت ہے الی قولہ بخمس ساعات انتھی۔

کشف کید ہفتاد وسوم
باری میں باکرہ ثیبہ، نئی، پرانی سب برابر ہیں

اقول مذہب امام صاحب کا اس مقام پر قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے اعتراض مخالفت کتاب وسنت کا ان پر نہیں ہوسکتا ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور امام احمد اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

---

(۱)......بلوغ المرام عن ادلۃ الاحکام، ص: ۲۰۸ (مطبوعہ دار الغد الجدید، المنصورۃ، مصر، ۲۰۰۳م)

......الحجاج یروی ھذا الحدیث عن عمرو بن شعیب وقال الترمذی حدیث ابن عباس اجود اسنادا والعمل علی حدیث عمرو بن شعیب وقد نقلہ عن ھرون بن یزید

جس شخص کی دو عورتیں ہوں پس مائل ہو طرف ایک کے تو قیامت کے دن وہ شخص آئے گا اس حال میں کہ منہ اس کا ٹیڑھا ہوگا انتہی۔

اور ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی اور ابن ماجہ(۱) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قسمت کرتے اور برابر کرتے اور فرماتے خدایا یہ تقسیم وہ ہے جو میرے اختیار میں ہے پس غیر اختیاری میں مجھ کو ملامت نہ کرنا یعنی بعض سے قلب بے اختیار مائل ہے انتہی(۲)۔

اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴾ (۳) یعنی پس اگر خوف کرو تم کہ عدل نہیں ہو سکے گا تو ایک ہی عورت کرو انتہی۔

باکرہ اور ثیبہ کی باری میں عموماً مساوات ہے

پس معلوم ہوا کہ ازواج میں خواہ باکرہ ہوں خواہ ثیبہ عموماً برابری چاہیے اور جس حدیث میں شروع نکاح میں باکرہ کے واسطے سات روز اور ثیبہ کے واسطے تین روز ہیں حنفیہ اس کا انکار نہیں کرتے مگر یہ کہتے ہیں کہ جتنے دن اس کے پاس رہے گا اتنے ہی روز پہلی کے پاس بھی رہنا پڑے گا ورنہ خلاف حدیث اور قرآن لازم آئے گا اور مسلم کی حدیث جو وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا اور تین روز تک رہے اور فرمایا اگر چاہو تو سات دن رہوں مگر سات سات دن اوروں کے پاس بھی رہوں گا انتہی (۴)۔

۱......سنن ابي داؤد : باب في القسم بين النساء ، ج : ۱ ، ص : ۲۹۰ .

......جامع الترمذي : باب ماجاء في التسوية بين الضرائر ، ج : ۲ ، ص : ۱۳۶ .

......سنن النسائي : باب ميل الرجل الى بعض نسائه دون البعض ، ج : ۲ ، ص : ۹۴ .

......سنن ابن ماجه ، باب القسمة بين النساء ، ص : ۱۴۳ .

......المستدرك على الصحيحين : كتاب النكاح ، ج : ۲ ، ص : ۳۳ .

۲......سنن ابي داؤد : باب في القسم بين النساء ، ج : ۱ ، ص : ۲۹۰ .

......جامع الترمذي : باب ماجاء في التسوية بين الضرائر ، ج : ۲ ، ص : ۱۳۶ .

......سنن النسائي : باب ميل الرجل الى بعض نسائه دون البعض ، ج : ۲ ، ص : ۹۴ .

......سنن ابن ماجه ، باب القسمة بين النساء ، ص : ۱۴۳ .

۳......سورة النساء ، آيت : ۳ .

۴......صحيح مسلم : باب قدر ما تستحقه البكر و الثيب من اقامة الزوج عندها عقب الزفاف ، ج : ۱ ، ص : ۴۷۲ .

اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اگر تین دن رہیں گے تو دوسری ازواج کے پاس بھی تین تین روز قیام نہ ہوگا بلکہ یہ فرمانا آپ کا کہ پھر اوروں کے پاس بھی اسی قدر رہوں گا صریح دلالت کرتا ہے کہ برابری چاہیے البتہ بوجہ ابتدائے نکاح کے باکرہ کے پاس سات روز کی اجازت اور ثیبہ کے پاس تین روز کی دی گئی ہے اس حدیث سے خواہ مخواہ زبردستی یہ اخذ کرنا کہ دوسری کو اس قدر استحقاق نہ ہوگا خالی تعصب اور سوء فہمی سے نہیں جائے انصاف ہے کہ خود تو عقل سے خالی ہوں اور اہل الرائے یعنی عقلاء پر اعتراض کریں اور مخالفت حدیث کا الزام حالانکہ جب ظواہر یہ کو سمجھی نہیں تو پھر مطلب حدیث کو موافق مقصود قائل کے کیوں کر سمجھیں گے۔

جای داوند غرور را بسرت نادانی — غرض قائل و قصد متکلم ایست (۱)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے کسی عورت سے اور مہر مقرر کرے اس کی برس دن کی خدمت کرنی یا پڑھانا قرآن کا تو یہ مہر باندھنا اس کو کافی نہ ہوگا اور مہر مثل دینا آوے گا الخ۔

کشف کید ہفتاد و چہارم

باب المہر

دس درہم سے کم مہر جائز نہیں

اقول: علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے ”لنا قوله صلى الله عليه وسلم من حديث جابر ولا مهر اقل من عشرة دراهم رواه الدار قطني والبيهقي وله شاهد يعضده وهو ما روي عن علي قال لا تقطع اليد في اقل من عشرة دراهم ولا يكون المهر اقل من عشرة دراهم رواه الدار قطني والبيهقي ايضا وقال محمد بلغنا ذلك عن علي وعبد الله بن عمر وعامر وابراهيم رضي الله عنهم فيحمل كل ما افاد ظاهره كونه اقل من عشرة على انه المعجل وذلك لان العادة عندهم كان تعجيل بعض المهر قبل الدخول واذا كان ذلك معهودا وجب حمل ما يخالف ما رويناه عليه جمعا بين الاحاديث وكذا يحمل امره صلى الله عليه وسلم بالتماس خاتم من حديد على انه تقديم شيء تالفا ولما عجز قال قم فعلمها عشرين اية وهي امراتك رواه ابو داود وهو محمل رواية الصحيح زوجتكها بما معك من القران فانه لا ينافيه وبه تجتمع الروايات“۔

یعنی ہماری دلیل قول رسول اللہ ﷺ کا ہے بروایت جابر نہیں مہر ہے کمتر دس درہم سے روایت کیا اس حدیث کو دار قطنی اور بیہقی نے اور واسطے اس حدیث کے تائید کرنے والی وہ حدیث ہے جو علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا نہ کاٹا جائے ہاتھ کمتر میں دس

---

(۱)..... تمہیں عقل و شعور عطا کیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ تم قائل کی غرض اور متکلم کا مقصد سمجھ سکو۔

درہموں سے اور نہیں ہوتا مہر کم دس درہم سے روایت کیا اس حدیث کو بھی دارقطنی اور بیہقی نے اور کہا امام محمد نے یہی ہم کو علی اور عبداللہ بن عمر اور عامر اور ابراہیم سے پہونچا ہے۔

پس وہ حدیث جس میں ظاہر اس درہموں سے کم مہر کا ذکر ہے حمل کی جاوے گی اوپر مہر معجل کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت اُن کی تھی کہ قبل جماع کے کچھ مہر دے دیا کرتے تھے اور جب یہ امر مقرر تھا تو ان احادیث کا جو ان احادیث کے مخالف وارد ہوئے ہیں مہر معجل پر حمل کرنا واجب ہوا تا کہ سب احادیث میں تطبیق ہو جاوے۔

اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کا لوہے کی انگوٹھی کے واسطے فرمانا اس پر محمول ہے کہ کوئی شی واسطے تالیف قلب کے پہلے دینی چاہیے اور جب کہ وہ شخص کچھ بھی نہ لا یا تو فرمایا آپ نے آ تھ اور اس عورت کو بیس آیتیں تعلیم کر دے یہ تیری زوجہ ہوگی روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور یہی محمل روایت صحیح کا ہے کہ آپ نے فرمایا ہم نے تیرا نکاح قرآن شریف کی وجہ سے کر دیا کیونکہ یہ اس کے منافی نہیں اور اس گفتگو سے سب روایتیں متفق ہو جائیں گی انتہی ملتقطاً۔

اور تبیین الحقائق میں ہے ”وَاَمَّا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَمَا فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ الْقُرْاٰنَ جَعَلَهٗ مَهْرًا وَلِهٰذَا لَمْ يَشْتَرِطْ اَنْ يُعَلِّمَهَا وَاِنَّمَا قَالَ بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَيْ بِسَبَبِ مَامَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ لِحَدِيْثِ اُمِّ سُلَيْمٍ وَفِيْهِ فَكَانَ صَدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا الْاِسْلَامُ وَهُوَ لَا يَصِحُّ صَدَاقًا بِالْاِجْمَاعِ“۔

یعنی لیکن ارشاد آنحضرت ﷺ کا کہ مالک کر دیا ہم نے تجھ کو اس کا بسبب اس کے جو تیرے پاس قرآن ہے پس نہیں دلالت ہے اس قول میں کہ قرآن کو مہر کیا ہے اور اسی وجہ سے یہ شرط نہ کی کہ اس کو تعلیم کر دے بلکہ ”بما معك من القرآن“ فرمایا یعنی بسبب اس کے جو تجھ کو قرآن آتا ہے کیونکہ حدیث ام سلیم میں آیا ہے کہ مہر درمیان دونوں کے اسلام تھا حالانکہ اسلام بالاتفاق مہر نہیں ہو سکتا انتہی۔

اس مسئلہ کا حاصل کلام

خلاصہ تقریر دونوں محققوں کا یہ ہے کہ قرآن شریف کو حسب دستور مہر معجل سمجھا ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں ارشاد تعلیم ہے تو کچھ مہر پہلے حق تعلیم میں ادا ہو جاوے گا چنانچہ علی بیٹھ سے آپ نے پہلے کچھ مہر دلوا دیا تھا حالانکہ مہر ان کا چار سو درہم بندھا تھا اسی طرح یہاں بھی آپ نے جب اور کچھ نہ ملا تو قرآن شریف ہی کی تعلیم کو فرمایا اور یہ معنی نہیں کہ اب مہر اور دینا نہیں آتا اسی قدر کافی ہے اس پر کوئی لفظ حدیث کا نہیں دلالت کرتا ابوداؤد کی روایت سے قطع نظر کی جاوے صحیحین کی روایت میں بھی تو یہ لفظ نہیں پس معنی یہ ہوئے کہ قرآن شریف کی وجہ سے یعنی کلام مجید کی برکت سے تمہارا نکاح کر دیا۔

جیسے ابو طلحہ کا نکاح بوجہ اسلام کے کر دیا تھا، پس مہر کیونکر ساقط ہو سکتا ہے، ہاں اس عورت نے جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے کر دیا ہو تو بیشک ساقط ہو جائے گا، ورنہ حدیث سے کہیں مستنبط نہیں ہوتا کہ مہر اس پر نہیں رہا اور ہماری روایتیں بسبب کثرت طرق کے مرتبۂ احتجاج اور استناد تک پہونچ گئی ہیں اور امام نووی نے شرح مہذب میں کہا ہے کہ بوجہ کثرت طرق کے حدیث قابل احتجاج ہو جاتی ہے مذکر کیا اس کو علامہ زیلعی نے شرح کنز میں اور احادیث میں تطبیق عمدہ ہے یا ترک، ہاں اگر تطبیق نہ ہو سکے اس وقت مجبوری ہے، علاوہ اس کے قرآن شریف میں بھی اسی کی تائید موجود ہے "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ "(۱) یعنی حلال کی گئیں تم پر عورتیں ماسوا ان عورتوں کے بایں طور کہ طلب کرو تم اپنے مالوں کے بدلے انتہی۔

پس مقید کیا حلت کو طلب مال سے تو معلوم ہوا کہ بغیر مال کے حلال نہیں اور بعض ظاہریہ کے نزدیک تو ایک جو بھی اگر مہر ہو تب بھی نکاح درست ہے اور وہ عورت حلال ہو جاتی ہے حالانکہ ایک جو مال نہیں ہے، چنانچہ تبیین الحقائق میں لکھا ہے کہ کہا بعض ظاہریہ نے کہ جس شی کا ہبہ یا میراث سے مالک ہو جاتا ہے وہ شی مہر ہو سکتی ہے اگر چہ بیع میں ثمن ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو جیسے گیہوں کا دانہ یا جو کا اور قول ظاہریہ کا مہر کے بارے میں زیادہ فاسد ہے اس لیے کہ ایک دانہ گیہوں کا یا جو کا اس کو کوئی مال شمار نہیں کرتا اسی وجہ سے اگر گر جاتا ہے تو اس کو اٹھاتے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے نکاح بعوض مال کے مشروع کیا ہے اس قول سے کہ فرمایا حلال کی گئیں تم پر ماسوا ان کے بایں طور کہ طلب کرو بدلے مال کے اور نہیں مشروع کیا بدون مال کے انتہی۔(۲)

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی یا اپنی بہن کا نکاح اس شرط پر کسی سے کر دے کہ وہ اپنی بیٹی یا اپنی بہن اس کو نکاح میں دے اور مہر کچھ نہ باندھیں تو اس صورت میں نکاح دونوں کا صحیح ہے لیکن دونوں کو مہر مثل دینا ہوگا۔

کشف کید ہفتاد و پنجم

نکاح شغار جائز نہیں، ہاں طرفین کے یہاں جائز ہے بشرطیکہ مہر مثل دیا جائے

اقول: حدیث میں شغار کی ممانعت ہے اس کا حنفیہ انکار نہیں کرتے بیشک شغار کی جو حقیقت اور ماہیت ہے وہ جائز نہیں شغار میں تو یہ شرط ہے کہ بالکل مہر نہ ہو جیسے اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ مطلق مہر نہیں دیتے تھے فقط بدلا نکاح کا نکاح سے ہو جاتا تھا، یہ صورت ہمارے نزدیک نہیں جائز ہے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو مہر مثل واجب ہوگا اگر فقہ میں یہ صورت بیان ہوتی کہ مہر مثل بھی دینا نہ آئے گا تو بیشک مخالف حدیث ہو جاتا اگر کہیں حدیث یا لغت میں شغار کی تعریف یہ آئی ہو جس میں مہر بھی کسی صورت سے داخل ہو تو مخالف ہوگی، یا شغار کی تعریف میں حدیث اور لغت سے مہر کا نہ ہونا ثابت ہو جب بھی مخالفت ہو جائے گی اس میں تو عاقل کیا ابلہ بھی فرق کر سکتا ہے کہ ایک صورت میں مہر ہے اور دوسری میں مہر کی نفی ہے دونوں میں فرق بین ہے ایسے

۱۔۔۔۔۔۔سورہ نساء، آیت ۲۴

۲۔۔۔۔۔۔تبیین الحقائق، ج۲، ص۱۳٦، دار الكتب الاسلامية قاهره

بدیہی فرق کو ایک سمجھنا اور مخالفت کا الزام دینا کمال سفاہت ہے۔

اب تک نہ ہوئے منفرخن سے آگاہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ

ہاں اس نکاح کی کراہیت میں ہم کو بھی کلام نہیں مگر اس کے فساد پر بھی کوئی دلیل نہیں اور فتح القدیر میں ہے" اِنَّ مُتَعَلِّقَ النَّهْيِ وَالنَّفْيِ مُسَمَّى الشِّغَارِ وَمَاخُوذٌ فِيْ مَفْهُوْمِهٖ خُلُوَّهٗ عَنِ الصِّدَاقِ وَكَوْنُ الْبُضْعِ صِدَاقًا وَنَحْنُ قَائِلُوْنَ بِنَفْيِ هٰذِهِ الْمَاهِيَّةِ وَمَا يَصْدُقُ عَلَيْهَا شَرْعًا فَلَا نُثْبِتُ النِّكَاحَ كَذٰلِكَ بَلْ نُبْطِلُهٗ "(۱) یعنی متعلق نہی اور نفی کا مصداق شغار ہے اور شغار کے مفہوم میں مہر سے خالی ہونا اور بضع کا مہر ہونا پایا جاتا ہے اور ہم تو قائل ہیں اس ماہیت کی نفی کے اور اس شی کے جو اس پر صادق آئے پس نہیں جائز رکھتے ہم ایسے نکاح کو بلکہ ہم اس کو باطل جانتے ہیں انتہی۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف قرآن اور حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور ردالمحتار اور فتاوی عالمگیری وغیرہ فقہ کی کتابوں میں ہے" مُدَّةُ الرَّضَاعِ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ "یعنی مدت دودھ چھڑانے کی تیس مہینے ہیں نزدیک ابی حنیفہ کے اور لفظ ہدایہ کے ہیں انتہی امام اعظم نے خلاف کیا ہے اس مسئلے میں کلام اللہ کی صریح تین آیتوں کا بھی اور حدیث کا بھی اس لیے کہ بچے کو دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ دو برس ہے الخ

کشف کید ہفتاد و ششم

آیت ثلثون سے مدت حمل دو برس اور مدت رضاعت ڈھائی برس ثابت ہوتی ہے

اقول: امام صاحب نے ہرگز صریح آیتوں اور حدیثوں کا خلاف نہیں کیا بلکہ امام صاحب نے اسی آیت حَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سے حمل کے دو برس اور رضاع کے ڈھائی برس لیے ہیں، چنانچہ تقریر اس کی جو کہ ہدایہ وغیرہ میں لکھی ہے یہ ہے"وَوَجْهُهٗ اَنَّهٗ تَعَالٰی ذَكَرَ شَيْئَيْنِ وَذَكَرَ لَهُمَا مُدَّةً فَكَانَتْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِكَمَالِهَا كَالْاَجَلِ الْمَضْرُوْبِ لِلدَّيْنَيْنِ اِلَّا اَنَّهٗ قَامَ الْمُنْقِصُ فِيْ اِحْدَاهُمَا فَبَقِيَ الثَّانِيْ عَلٰى ظَاهِرِهٖ "(۲) یعنی وجہ امام صاحب کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو ذکر کیا (یعنی حمل اور رضاع) اور دونوں کے لیے مدت بیان کی پس یہ مدت ہر ایک کے لیے کامل ہوگی جیسے وقت کہ دو قرض کے لیے مقرر کیا جائے مگر ایک میں ناقص کرنے والی شی موجود ہے پس باقی رہا دوسرا اپنے حال پر اور اجل مضروب کی مثال ردالمحتار اور بنایہ میں یہ لکھی ہے" اَجَّلْتُ الدَّيْنَ الَّذِيْ عَلٰى فُلَانٍ وَالدَّيْنَ الَّذِيْ عَلٰى فُلَانٍ سَنَةً "(۳) یعنی وقت معین کیا میں نے اس دین کا جو فلاں شخص پر ہے اور اس دین کا جو فلاں شخص پر ہے ایک برس انتہی۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ دونوں کے لیے ایک ایک برس ہے، چنانچہ تصریح اس کی کتب مذکورہ میں موجود ہے اور دوسری مثال اسی

۱......فتح القدیر، باب المهر، ج ۳، ص ۳۲۵، مکتبہ زکریا، دیو بند

۲......کتاب الرضاع، ص ۳۳۰، مجلس برکات، مبارک پور اعظم گڑھ

۳......بنایہ شرح ہدایہ، کتاب الرضاع، ج ٤، ص ۲۹٦، مکتبہ زکریا دیو بند

محاورے کی تائید میں طحطاوی اور عنایہ میں یہ ہے "یُقلان علی الف درھم و خمسۃ اقفزۃ حنطۃ الی شھرین یکون الشھران اجلا لکل واحد من الدینین بکمالہ "(۱) یعنی فلاں شخص کے میرے اوپر ہزار درہم ہیں اور پانچ گونہ گیہوں ہیں دو ماہ تک، اس عبارت میں دو ماہ ہر ایک دین کے بکمال اجل ہوں گے انتہی۔

اور منقص کی مثال حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ فرماتی ہیں اَلْوَلَدُ لَا یَبْقَی فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَکْثَرَ مِنْ سَنَتَیْنِ (۲) یعنی لڑکا نہیں باقی رہتا ماں کے پیٹ میں زیادہ دو برس سے انتہی چنانچہ یہ حدیث کتب مذکورہ میں موجود ہے وَمِثْلُہٗ لَا یُعْرَفُ اِلَّا سَمَاعًا یعنی اس قسم کی حدیث سنی ہوئی ہی ہوتی ہے اور ردالمحتار میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے اس لیے کہ مقدرات کی طرف عقل ہرگز راہ نہیں پا سکتی، پھر کہا اس میں پس اس میں ہوئی یہ حدیث حکم میں مرفوع حدیث کے جو آنحضرت ﷺ سے سنی گئی ہو اور فتح القدیر میں اس کو آنحضرت ﷺ سے بھی روایت کیا ہے۔(۳) اسی وجہ سے امام صاحب حمل کی مدت دو برس کہتے ہیں، کیوں کہ حدیث سے تخصیص آیت کی ہوگئی اور رضاع کی مدت وہی ڈھائی برس جس پر آیت دلالت کرتی ہے باقی رہی۔

حمل ورضاع سے متعلق دو اعتراضات اور ان کے جوابات

البتہ اس صورت میں دو اعتراض واقع ہوتے ہیں، ایک یہ کہ قرآن کو حدیث سے متغیر کر دینا لازم آتا ہے، دوسرے یہ کہ لفظ ثلثین کو حالت واحدہ میں تیس اور چوبیس کے معنوں میں استعمال کرنا پڑتا ہے اور یہ جمع ہے درمیان حقیقت اور مجاز کے جس سے منع کیا گیا ہے۔ تو اول اعتراض کا جواب درمختار میں یہ لکھا ہے "وَالْاٰیَۃُ مُؤَوَّلَۃٌ لِتَوْزِیْعِہِمُ الْاَجَلَ عَلَی الْاَقَلِّ وَالْاَکْثَرِ فَلَمْ تَکُنْ دَلَالَتُھَا قَطْعِیَّۃً "(۴) یعنی تاویل کی گئی ہے آیت ان کے تقسیم کرنے کے سبب سے اجل کو اوپر کم اور زیادہ کے پس نہ ہوئی دلالت اس کی قطعی انتہی اور کہا ردالمحتار شرح درمختار میں قولہ اَلْاٰیَۃُ مُؤَوَّلَۃٌ اَیْ قَابِلَۃٌ لِلتَّاوِیْلِ بِمَعْنًی اٰخَرَ فَلَمْ تَکُنْ قَطْعِیَّۃَ الدَّلَالَۃِ عَلَی الْمَعْنَی الْاَوَّلِ فَجَازَ تَخْصِیْصُھَا بِخَبَرِ الْوَاحِدِ (۵) یعنی قول اس کا "الآیۃ موولۃ" اس کے معنی یہ ہیں کہ آیت تاویل کو قبول کرنے والی ہے دوسرے معنی سے، پس یہ آیت اول معنی پر قطعی طور سے دلالت نہ کرے گی، پس جائز ہوا خاص کرنا آیت کا خبر واحد سے انتہی وَقَوْلُہٗ لِتَوْزِیْعِہِمْ اَیِ الْعُلَمَاءِ کَالصَّاحِبَیْنِ وَغَیْرِھِمَا الْاَجَلَ اَیْ ثَلٰثِیْنَ شَھْرًا عَلَی الْاَقَلِّ اَیْ اَقَلِّ مُدَّۃِ الْحَمْلِ وَھُوَ سِتَّۃُ اَشْھُرٍ وَالْاَکْثَرِ اَیْ اَکْثَرِ مُدَّۃِ الرَّضَاعِ وَھُوَ سَنَتَانِ فَالثَّلَاثُوْنَ بَیَانٌ لِمَجْمُوْعِ الْمُدَّتَیْنِ لَا لِکُلِّ وَاحِدَۃٍ یعنی اور قول اس کا ان کے تفریق کرنے

۱.......عنایہ شرح ھدایہ، ج ۶، ص ۱۲۱، مصدر الکتاب موقع الاسلام

۲.......در المختار، کتاب الرضاع، ج ۴، ص ۳۹۶، مکتبہ زکریا، دیوبند

۳.......در المختار، ج ۳، ص ۴۲۴، کتاب الرضاع، مطبع سابق

۴.......در المختار، ج ۴، ص ۳۹۶، مطبع سابق

۵.......رد المحتار، ج ۴، ص ۳۹۶، مطبع سابق

کے لیے بعض علماء کے مثل صاحبین وغیرہما کے اجل کو یعنی تیس ماہ کو اوپر اقل کے یعنی اقل مدت حمل کے اور وہ چھ ماہ ہیں اور اوپر اکثر کے یعنی اکثر مدت رضاع کے اور وہ دو برس ہیں، پس تیس بیان ہے دونوں مدتوں کا نہ ہر واحد کا الخ۔ اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ بعید ان کے تاویل کرنے کے ساتھ اقل اور اکثر کے ظاہر معنی کو حمل اور رضاع میں سے ہر ایک کے لیے پورے ڈھائی برس لیے گئے، چنانچہ محاورات سے یہ امر ثابت کر دیا گیا ہے، اور خاص کر لینا آیت کا حدیث سے جائز ہو گیا۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب بھی رد المحتار شرح در مختار میں لکھا ہے کہ " حَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ " دو مبتدا ہیں اور " ثَلٰثُوْنَ فِصَالُهٗ " کی خبر ہے اور حملہ کی خبر مقدر ہے پس فصالہ کی خبر اپنے معنی حقیقی میں اور حملہ کی خبر معنی مجازی میں ہے پس اجتماع درمیان حقیقت اور مجاز کے ایک لفظ میں واقع نہ ہوا۔ (۱)

اور اس پر ایک اعتراض اور ہوتا ہے کہ ایک عدد کو دوسرے میں مجاز اً داخل نہیں کرتے، سو جواب یہ ہے کہ " عَشَرَةٌ اِلَّا اِثْنَیْنِ " کہتے ہیں، اور " ثَمَانِیَة " مراد لیتے ہیں، ہاں، البتہ اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ استثنا میں ہے، اور گفتگو اس میں نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا تکلف ہے، بلکہ سوا استثنا کے بھی استعمال آیا ہے، چنانچہ تفسیر کبیر کی عبارت آتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر جس وقت آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے چالیس سے دو برس کم تھے حالانکہ قرآن شریف میں آیا ہے " بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً " (۲) یعنی جب چالیس برس کو پہونچے تو یہ کہا، اور تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ قریب چالیس کے تھے تو اس آیت میں چالیس کا اطلاق اڑتیس پر موجود ہے، ایسا بہت استعمال آتا ہے، اس کا انکار کرنا کلام عرب سے آگاہ نہ ہونا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اور ایک شبہ اس میں یہ وارد ہوتا ہے کہ حدیث عائشہ آیت " حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ " اور حدیث " لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَیْنِ " سے بظاہر تجی، اس کا جواب ہے کہ امام صاحب آیت اور حدیث کو استحقاق اجرت میں خاص کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ والدہ مطلقہ کو دو برس دودھ پلانا چاہیے، اور اجرت اس کے باپ پر ہے، اس لیے کہ زوجہ کو اجرت پر لینا امام صاحب کے نزدیک درست نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ درست کہتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس حدیث بھی اس پر محمول ہے کہ دو برس سے زیادہ رضاع کی اجرت کا استحقاق نہیں، پس ان معنوں سے حدیث اور آیت اور شان نزول اور سیاق اور سباق میں خوب مطابقت ہو جائے گی، اور یہ اختلاف آیت مذکورہ سے جب ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کو عام یعنی ہر شخص کے لیے لیا جائے اور اگر اس کو خاص ایک شخص کے واسطے مثل حضرت ابوبکر صدیق کے لیں جیسا کہ اکثر تفسیروں میں مذکور ہے۔

چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے " وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ وَاَبِیْهِ وَاُمِّهٖ " اور

۱۔۔۔۔۔۔رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۶، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۔۔۔۔۔۔سورہ احقاف، آیت ۱۵

دوسروں نے کہا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے والدین کے حق میں نازل ہوئی انتہی۔

اور تفسیر احمدی میں لکھا ہے" وَقِيْلَ فِيْ حَقِّ أَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ خَاصَّةً ، حَيْثُ كَانَ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ سِتَّةَ أَشْهُرٍ ، وَارْتَضَعَ بَعْدَهُ حَوْلَيْنِ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ سِيَاقُ الْأٰيَةِ وَتَمَامُهَا وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ الْأٰيَةَ"(۱) یعنی کہا بعضوں نے : نازل ہوئی یہ آیت خاص حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں اس لیے کہ وہ اپنی والدہ کے شکم میں چھ مہینے رہے ہیں اور دودھ پیا ہے انہوں نے بعد اس کے دو سال اور دلالت کرتا ہے اس پر سیاق آیت کا اور خاتمہ اس کا اور وہ قول اللہ تعالیٰ کا حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ آخر آیت تک ہے انتہی۔

آیت حولین کی شان نزول

اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حکایت کیا واحدی نے ابن عباس اور قوم کثیر متاخرین مفسرین سے اور متقدمین ان کے کہ تحقیق یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے، کہا انہوں نے دلیل اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معین کیا حمل اور فصال کو اس جگہ ساتھ ایسی مقدار کے کہ معلوم ہے کہ کبھی وہ ناقص ہوتی ہے اور کبھی زیادہ، بوجہ مختلف ہونے آدمیوں کے ان احوال میں، پس ضرور ہوا کہ مقصود اس سے کوئی ایک شخص ہوتا کہ کہا جائے کہ یہ مقدار اس کے حال کی خبر ہے، پس ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا بطن والدہ میں رہنا اور رضاع ان کا اسی مقدار تک ہو، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسی شخص کی تعریف میں یہاں تک کہ جس وقت پہونچا وہ اپنی جوانی کو اور پہونچا چالیس برس کو کہا اے رب میرے! الہام کر تو مجھ کو شکر کروں میں تیری نعمت کا جو مجھ پر تو نے کی ہے اور میرے والدین پر، اور معلوم ہے یہ بات کہ ہر شخص اس قول کو نہیں کہا کرتا، پس واجب ہوا کہ مراد اس آیت سے کوئی شخص معین ہو کہ کہا ہو اس نے اس قول کو، لیکن ابوبکر پس تحقیق کہا ہے انہوں نے اس قول کو قریب اس سن کے، اس لیے کہ وہ چھوٹے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس سے کچھ زیادہ، اور آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے چالیس برس میں، اور ابوبکر صدیق قریب چالیس برس کے تھے، اور انہوں نے تصدیق کی آپ کی اور ایمان لائے، پس ثابت ہوا اس تقریر سے کہ یہ آیتیں صلاحیت رکھتی ہیں کہ مراد ان سے حضرت ابوبکر صدیق ہوں اور جب صلاحیت رکھنا ثابت ہوا تو اب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ مراد اس آیت سے حضرت ابوبکر ہی ہیں انتہی۔(۲)

آیت مذکورہ سے مدت رضاع دو برس ثابت نہیں

تو اس صورت میں اس آیت سے ہر شخص کے واسطے دو یا ڈھائی برس لینے درست ہوں گے، بلکہ خاص ایک شخص کا حال ہوگا اور در صورتے کہ عام ہر شخص کے لئے لیا جائے تو بھی دلالت اس آیت کی اقل اور اکثر مدت پر قطعی نہ ہوگی بلکہ آیت مؤول

۱......تفسیر احمدی، ص ۶۴۰، مکتبہ اشرفیہ دیوبند

۲......تفسیر کبیر، الجزء ۲۸، ص ۱۹، دار الکتب العلمیۃ، طہران

ہو جائے گی، چنانچہ سند اس کی درمختار اور ردالمحتار سے بیان ہوئی، پس رضاع کے دو سال معین پر دلالت یقینی آیت سے ثابت نہ ہوئی، کیوں کہ ان معنوں سے تاویل کہلاتی ہے، ہاں امام صاحب کے معنی ظاہر آیت کے مطابق ہیں، اگر شبہ ہوتا ہے تو فقط یہی ہوتا ہے کہ آیت کو حدیث سے خاص کرتے ہیں، تو یہ امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، چنانچہ تقریر اس کی اوپر گذر چکی کہ مدت رضاع میں اختلاف ہے، امام صاحب ڈھائی برس اسی آیت سے لیتے ہیں، اور امام مالک دو برس سے دو ماہ زیادہ کرتے ہیں، اور ایک روایت میں ایک مہینہ اور ایک میں کچھ حد معین نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ جب تک بچے کو دودھ کی احتیاج ہو پلانا چاہیے، اور بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے انتہی۔

پس اس صورت میں البتہ اقل اور اکثر مدت حمل اور رضاع کی لینا درست ہو جائے گا، کیونکہ قرینہ قائم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا حال مذکور ہے اور جس صورت میں کہ عام لیا جائے اور پھر بھی معنی یہی مراد ہوں اور دوسرے معنی سے انکار کیا جائے تو بعید از انصاف ہے، البتہ ان معنوں سے بھی بیشک اس میں تاویل ہے، پس قطعی الدلالہ نہیں، چنانچہ صاحب عنایہ لکھتے ہیں: تائید کرتی ہے اس کی تاویل پر وہ روایت کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، پس چھ مہینے میں وہ عورت لڑکا جنی، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی، پس آپ نے مشورہ لیا اس کے رجم کرنے میں، اور کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ اگر میں کتاب اللہ سے اس میں مخاصمہ کروں تو کر سکتا ہوں، کہا صحابہ نے کیوں کر؟ کہا حضرت ابن عباس نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا اس کو انتہی۔

دو سال کے تعین میں کوئی حدیث مرفوع نہیں آئی ہے

پس معلوم ہوا کہ تاویل سے دونوں معنی خالی نہیں، امام صاحب کے معنی کو ظاہر ہیں لیکن ان میں بوجہ حدیث کے تغیر آ گیا اور محدثین کے معنوں میں بوجہ کمی بیشی لینے کے تاویل ہوگی، یہی وجہ ہے کہ دو سال کے تعین میں کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں آئی ہے، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس کے معنی استحقاق اجرت کے ہیں، جیسا کہ قرآن شریف سے دو برس دودھ پلانا والدہ کا سمجھا جاتا ہے، اس کا مطلق ذکر نہیں کہ حرمت رضاع دو برس میں ہوگی، فقط محدثین کا قول ہے، ایسا ہی امام صاحب کا قول ہے، تصریح آیت میں دونوں کے قول کی نہیں لیکن سیاق آیت مؤید مذہب امام صاحب کا ہے، البتہ بخاری اور مسلم کی روایت میں یہ آیا ہے "اِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ "(۱) یعنی رضاعت وقت طفلی ہی کے ہوتی ہے انتہی سوا اس عبارت سے دو برس کا تعین کیسے ہو سکتا ہے بلکہ آیت میں بھی جو خاص حرمت رضاع کے بارے میں آئی ہے مطلق ارضاع ہے، چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے " وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ " یعنی اور حرام کی گئیں مائیں تمہاری جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے انتہی۔

۱......صحیح بخاری حدیث رقم ۵۱۰۲، مسلم حدیث رقم ۱۴۵۵

باقی رہی آیت" وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ "(۱) اور دوسری آیت" حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ "(۲) تو اس کا جواب تفسیر احمدی میں مذکور ہے" وَبِالْحَقِيقَةِ لَيْسَ هُوَ حُجَّةً لَهُمْ فِيمَا ذَهَبُوا إِلَيْهِ مِنْ عَدَمِ زِيَادَةِ الرَّضَاعِ عَلَى حَوْلَيْنِ لِأَنَّهُ قَيْدٌ لِوُجُوبِ إِرْضَاعِ الْوَالِدَةِ وَلَدَهَا يَعْنِي أَنْ لَيْسَ الْوَاجِبُ عَلَى الْوَالِدَةِ إِرْضَاعُ وَلَدِهَا عِنْدَ الْعُذْرِ إِلَّا حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ وَالزِّيَادَةُ تَبَرُّعٌ مِنْهَا أَوْ قَيْدٌ لِوُجُوبِ أُجْرَةِ الرَّضَاعِ عَلَى الْأَبِ بِقَرِينَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ يَعْنِي لَيْسَ الْوَاجِبُ عَلَى الْأَبِ إِلَّا أُجْرَةَ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ وَلَا يُفْهَمُ مِنْهُ أَنْ لَا يَجُوزَ زِيَادَةُ الرَّضَاعِ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ "(۳) یعنی درحقیقت یہ دونوں آیتیں ان کے لیے حجت نہیں ہو سکتیں اس چیز میں کہ گئے ہیں وہ طرف اس کے یعنی رضاع کے نہ زیادہ ہونے میں دو برس سے، اس لیے کہ وہ قید ہیں واسطے وجوب ارضاع والدہ کے اپنے ولد کو، یعنی نہیں واجب ہے والدہ پر دودھ پلانا اب لڑکے کو وقت عذر کے مگر دو سال اور زیادتی اس کی طرف سے احسان ہے، یا دو سال قید واسطے واجب ہونے اجرت رضاع کے والد پر بسبب قرینہ قول اللہ تعالیٰ کے اور والد پر ہے کھانا کپڑا ان کا، یعنی نہیں واجب ہے باپ پر مگر اجرت دو سال کامل کی، اور نہیں سمجھا جاتا اس سے یہ کہ نہ جائز ہو زیادتی رضاع کی زیادہ دو برس سے انتہی۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ یہ آیتیں اس بارے میں ہیں کہ ماں کو دو برس دودھ پلانا یا والد کو اجرت دو سال دودھ پلانے کی دینا ضروری ہے، رضاع جس سے دو برس کے اندر دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ مضمون ہرگز اس عبارت سے نہیں نکلتا، بلکہ رضاع سے جو حرمت آئی ہے اس کی آیت پہلے ہم بیان کر چکے ہیں، اس میں مطلق رضاع سے حرمت ہے، البتہ احادیث نے ایام طفلی کو خاص کر لیا، اور اگر آیت کو بھی غور سے دیکھا جاوے تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکپن ہی میں پینا معتبر ہے، کیوں کہ رضاع کے واسطے شیر خوار چاہیے اور ظاہر ہے کہ جوان شیر خوار نہیں ہوتا۔

آیت سے رضاع دو برس کا یا استحقاق اجرت دو برس کا ثابت ہوتا ہے

اور شیخ امام ابو نصر نے شرح قدوری میں لکھا ہے" وَجْهُ قَوْلِهِمَا قَوْلُهُ تَعَالَى وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ، وَقَالَ: وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ، وَالْجَوَابُ أَنَّ رَضَاعَ الْأُمِّ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ تَحْرِيمٌ، فَعُلِمَ أَنَّ الْفَصْلَ الْمَذْكُورَ لَيْسَ هُوَ فِصَالٌ فِي التَّحْرِيمِ وَإِنَّمَا هُوَ فِي وُجُوبِ النَّفَقَةِ عَلَى الْأَبِ "یعنی وجہ قول صاحبین کی یہ دونوں آیتیں ہیں، اور جواب یہ ہے کہ رضاع والدہ کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوتی

۱......سورہ بقرہ، آیت ۲۳۳
۲......سورہ لقمان، آیت ۱۴
۳......تفسیر احمدی، ص ۱۰۱، مکتبہ اشرفیہ دیوبند

پس جانا گیا کہ اس فصل سے مراد وہ فصال نہیں جو حرام کرتا ہے، بلکہ یہ تو فقط نفقے کے واجب ہونے میں ہے والد پر انتہی۔

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ یہاں والدہ کا اور اس کے دو برس دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے، پس والدہ کو دودھ پلانے سے حرمت کے کیا معنی، بلکہ حرمت تو غیر عورت کے دودھ پلانے سے ہوتی ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ فصال وہ فصال نہیں ہے کہ جس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے، بلکہ یہاں اس کا بیان ہے کہ دو برس تک عذر میں دودھ پلانا ان کو ضرور ہے، اور والد کو اس کی اجرت دینی چاہیے، اس لیے کہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ استحقاق اجرت کے دو برس ہیں چنانچہ قاضی خان اور بحر رائق میں اس کی تصریح کر دی ہے، اور تبیین الحقائق میں لکھا ہے:

پس اس تقریر سے لیا گیا کہ فصال مذکور اس آیت میں فصال استحقاق اجرت کا والد پر ہے نہ فصال مدت رضاع اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ یہ فصال مدت رضاع کا ہے تو اس صورت میں یہ بیان جو کمتر مدت رضاع ہے کہ وہ واجب کرتا ہے حرمت کو بعد اس کے، کیا نہیں جانتا تو کہ رضاع اور حمل میں فرق ہے، اور ارادہ کیا ہے کہ کمتر مدت حمل کا ایسے ہی ارادہ کیا ہے کمتر مدت فصال کا، اور دلیل باقی رہی، مدت رضاع کے غیر معتبر ہے، دودھ چھڑایا ہو یا نہ انتہی۔ (۱)

اور شرح قدوری میں لکھا ہے " وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی حَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا لَيْسَ هٰذَا بَيَانًا لِغَايَةِ الْفِصَالِ وَاِنَّمَا هُوَ بَيَانٌ لِاَقَلِّ مُدَّةِ الْفِصَالِ ، اَلَا تَرٰی اَنَّهٗ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَمْلِ وَالْفِصَالِ، وَاَرَادَ اَقَلَّ مُدَّةِ الْحَمْلِ كَذٰلِكَ اَرَادَ اَقَلَّ مُدَّةِ الْفِصَالِ "یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا قول انتہی فصال کا بیان نہیں بلکہ یہ بیان ہے کمتر مدت فصال کا، کیا نہیں دیکھتا تو کہ درمیان حمل اور فصال کے فرق ہے اور ارادہ کیا ہے کمتر مدت حمل کا ایسا ہی ارادہ کیا ہے کمتر مدت فصال کا انتہی۔

اور تفسیر مدارک میں آیہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا کے تحت لکھا ہے " زَادَا عَلَی الْحَوْلَيْنِ اَوْ نَقَصَا، وَهٰذِهٖ تَوْسِعَةٌ بَعْدَ التَّحْدِيْدِ "یعنی زیادہ کریں والدین دو برس پر یا کم کریں اور یہ وسعت ہے بعد تعیین کے انتہی۔ (۲)

اور تفسیر کشاف میں لکھا ہے " فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا صَادِرًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْ ذٰلِكَ زَادَا عَلَی الْحَوْلَيْنِ اَوْ نَقَصَا وَهٰذِهٖ تَوْسِعَةٌ بَعْدَ التَّحْدِيْدِ "یعنی مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ پس اگر ارادہ کریں والدین فصال کا خوشی اور مشورے سے تو کوئی گناہ اس میں ان پر نہیں ہے، زیادہ کر دیں دو برس سے یا کم کر دیں، اور یہ وسعت ہے بعد معین کرنے کے انتہی۔ (۳)

۱......تبیین الحقائق، ج ۲، ص ۱۸۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۳۱۳ھ
۲......تفسیر مدارک التنزیل، پ ۲، آیت رقم ۱۵۰
۳......کشاف، ج ۱، ص ۳۷۰، دار الفکر للطباعۃ والنشر ۱۹۷۷م

مدت رضاع کو ڈھائی برس رکھنے کے فوائد

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ دو برس رضاع کے متعین نہیں، بلکہ اس میں وسعت کی گئی ہے، اس لیے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دو برس سے زیادہ بھی اگر ضرورت پڑے تو بھی رضاع ہے، اور امام زفر ایک سال زیادہ لیتے ہیں، کیونکہ اس میں خوب تغیر واقع ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر فصل کی عادت ہو جاتی ہے، تو پھر دودھ چھڑانے میں تکلیف کم ہوگی، اور امام صاحب نے ڈھائی برس لیے ہیں اس لیے کہ یکایک بعد دو برس کے انقطاع کرنا دودھ کا بچے کو دشوار اور باعث ہلاکت ہوگا، پس کچھ مدت زیادہ ہونا کہ اس میں اس کو اور شئی کھانے کی عادت ہو جائے، اور چھ ماہ میں صلاحیت ہے کہ دوسری غذا کی عادت ہو جائے، کیونکہ یہ چھ ماہ ادنیٰ مدت حمل کے ہیں، اس قدر میں غذا کا تغیر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ جنین کی غذا رضیع کے مغایر ہے، جنین کی اس کی ماں کی غذا ہے، پھر وہ دودھ ہو کر رضیع کے کام آتی ہے، ایسے ہی رضیع کی غذا مغایر ہوتی ہے فطیم کے غذا کے یعنی جس کا دودھ چھڑایا ہو کیونکہ اس کو کبھی دودھ بھی دیا جاتا ہے اور کھانا بھی دیا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ غذا کا متغیر کرنا چاہیے اور تغیر غذا کا چھ مہینے میں ہوتا ہے، چنانچہ جنین میں بیان ہوا، اس لیے یہاں بھی تغیر غذا کے واسطے چھ مہینے لیے گئے، یہ تقریر ہدایہ اور عنایہ وغیرہ میں لکھی ہے۔(۱)

علاوہ اس کے وہ آیت ثلاثون شہرا بھی ڈھائی برس کی تائید کرتی ہے، چنانچہ تقریر اس کی اوپر ہم نے بیان کی پس اسی احتیاط کی وجہ سے امام صاحب نے ڈھائی برس لیے، کیونکہ حدیث میں تو جس کی حرمت میں شبہ ہو جائے اس سے بھی بچنے کو فرمایا ہے، اور اس میں تو اس قدر دلائل موجود ہیں، اس لیے امام صاحب نے احتیاطاً فرمایا کہ ڈھائی برس میں اگر کوئی دودھ کسی عورت کا پیئے وہ مع اپنے اقربا کے اس پر حرام ہو جائے گا، چنانچہ تفسیر احمدی وغیرہ میں اس کی تصریح کر دی ہے۔(۲) ہاں البتہ اگر نص صریح دو برس کی پائی جاتی تو اس وقت میں حرمت رضاع میں احتیاط کرنی مناسب نہ تھی، بلکہ اگر آیات کے سباق اور سیاق کو دیکھا جائے تو خوب واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں والدین کے معاملات کا ذکر ہے، حرمت رضاعی کا پتہ بھی نہیں، آپ کو حولین کا لفظ دیکھ کر شبہ ہو گیا اور مخالفت کا حکم لگا دیا، اگر آپ سیاق وسباق آیت کا بھی ملاحظہ فرماتے تو ایسے شبے آپ کو ہرگز نہ ہوتے، اور اگر آپ کو حنفیہ کی کتابوں پر نظر ہوتی تو ان میں تو سب کچھ موجود ہے کوئی بات نہیں چھوڑی، جس قدر ہم نے لکھا ہے یہ ایک شمہ ہے اس کا۔

مسئلہ رضاع میں ایک روایت امام اعظم سے صاحبین کے موافق آئی ہے

پس حاصل کلام یہ ہوا کہ جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ اس آیت میں وہی دو برس مراد ہیں جس سے حرمت متعلق

۱......ہدایہ، کتاب الرضاع، ص ۳۲۰

۲......تفسیر احمدی، ص ۱۰۱، مکتبہ اشرفیہ دیوبند

ہوتی ہے اور والدہ کو دو برس دودھ پلانا جبکہ کوئی دائی نہ ملے یا والد غریب ہو کہ دائی کو نوکر نہ رکھ سکتا ہو یا وہ بچہ سوا اپنی والدہ کے کسی کا دودھ نہ پیتا ہو ضرور ہے ہرگز مخالفت نہیں ہو سکتی بلکہ اس قدر اختلاف جو ہم نے بیان کیا اسی وجہ سے واقع ہوا کہ ہر طرف کا احتمال ہے ورنہ کیا ایسے محققین اپنی طرف سے کوئی بات نعوذ باللہ منہا کہہ سکتے ہیں، جب تک اس کی کوئی سند قرآن اور حدیث سے نہ پائی جائے، یہ تمام تقریرات ہم نے واسطے رفع مخالفت کے بیان کئے ہیں، تا معلوم ہو جائے کہ امام صاحب نے مخالفت قرآن و حدیث کی ہرگز نہیں کی بلکہ اسی سے اخذ کیا ہے جیسا کہ خوب مدلل واضح ہوا، البتہ فتویٰ سودہ ودرمختار میں دونوں پر ہے اور دوسری کتابوں میں مذہب صاحبین پر ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے "اَلْاَصَحُّ قَوْلُهُمَا وَهُوَ مُخْتَارُ الطَّحَاوِيِّ "(۱) یعنی صحیح تر قول صاحبین کا ہے اور یہی مختار امام طحاوی کا ہے اور دوسری روایت امام صاحب کی بھی موافق صاحبین کے ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں لکھتے ہیں" وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رِوَايَةٌ اُخْرىٰ ، كَقَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ "(۲) یعنی امام صاحب سے دوسری روایت مثل قول صاحبین کے آئی ہے اور ردالمحتار حاشیہ درمختار میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحب ہدایہ کا بھی رجوع ثابت کیا ہے علیٰ ہذا القیاس۔

اور فتاویٰ میں بھی یہ لکھا ہے" وَبِقَوْلِهِمَا نَاْخُذُ "یعنی قول صاحبین پر ہم عمل کرتے ہیں، پس اس سے دوسرے قول میں مخالفت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ائمہ محدثین وغیرہ میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، بیشتر ایک کے قول پر عمل ہے اور دوسرے کا قول متروک ہے باس سے ان پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا بلکہ اس کو من قبیل "اِخْتِلَافُ اُمَّتِيْ رَحْمَةٌ " کہتے ہیں، صحابہ میں بھی تو اس قسم کا اختلاف ہوا ہے وہ عین ثواب تھا، ایسا ہی اختلافات ائمہ کو سمجھنا چاہیے، چنانچہ اس بحث کو ہم مفصل اس کی جگہ میں بیان کریں گے۔

قال: ہدایہ وغیرہ حنفیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ واسطے ثبوت رضاع کے عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے، سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری میں روایت ہے عقبہ بن الحارث سے کہ تحقیق اس نے نکاح کیا بیٹی کی ماں کو جو بیٹی تھی ابی اہاب کی، پس آئی ایک عورت اور بولی میں نے دودھ دیا ہے تم دونوں کو، پھر پوچھا نبی ﷺ سے پس فرمایا کیونکر ہوگا اور تحقیق کہا گیا، پس جدا کر دیا عقبہ نے اور نکاح کیا عورت نے دوسرے کو۔

کشف کید ہفتاد و ہفتم

اقول: علامہ عینی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ حدیث بطریق احتیاط و تقویٰ کے وارد ہے، کیونکہ بطور ادائے شہادت و حکم قضا کے نہیں آئی، بلکہ فقط اخبار اور استفسار تھا، چنانچہ اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط ایک عورت کی

۱۔۔۔۔۔۔ فتح القدیر، ج ۳، ص ۴۳۷، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۔۔۔۔۔۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ج ۵، ص ۵۷۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۹۸۵ م

گواہی پر حکم جاری نہیں ہوتا تبیین الحقائق میں علامہ زیلعی نے لکھا ہے:

"فَمَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ مَذْهَبُ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَكَفَى بِهِمْ قُدْوَةً وَحَدِيثُ عُقْبَةَ حُجَّةٌ لَنَا أَيْضًا فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعْرَضَ عَنْهُ مَرَّتَيْنِ فَلَوْ كَانَتِ الْحُرْمَةُ ثَابِتَةً لَمَا فَعَلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ لَمَّا رَأَى مِنْهُ طُمَأْنِينَةَ الْقَلْبِ بِقَوْلِهَا حَيْثُ كَرَّرَ السُّؤَالَ، أَمَرَهُ أَنْ يُفَارِقَهَا إِحْتِيَاطًا، وَالدَّلِيلُ عَلَيْهِ أَنَّ الشَّهَادَةَ كَانَتْ عَنْ ضِغْنٍ، فَإِنَّهُ قَالَ جَاءَتْ إِمْرَأَةٌ سَوْدَاءُ تَسْتَطْعِمُنَا فَأَبَيْنَا أَنْ نُطْعِمَهَا فَجَاءَتْ تَشْهَدُ عَلَى الرَّضَاعِ وَبِالْإِجْمَاعِ مِثْلُ هٰذِهِ الشَّهَادَةِ لَا تُثْبِتُ الْحُرْمَةَ، فَعَرَفْنَا أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ تَنَزُّهًا وَإِلَيْهِ أَشَارَ بِقَوْلِهِ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ وَنَحْنُ نَقُولُ بِالتَّنَزُّهِ إِذَا وَقَعَ فِي قَلْبِهِ أَنَّهَا صَادِقَةٌ "(۱) یعنی پس وہ قول جس کی طرف ہم گئے ہیں مذہب عمر اور علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور ان کی اقتدا کافی ہے، اور حدیث عقبہ بھی ہماری ہی حجت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے دوبار اعراض کیا، پس اگر حرمت ثابت ہوتی تو ایسا نہ کرتے، پھر جب آپ نے ان سے قلب کا اطمینان عورت کے قول سے دیکھا کیونکہ سوال مکرر کرتے تھے احتیاطاً حکم کردیا کہ اس کو جدا کردیں، اور دلیل اس احتیاط پر یہ ہے کہ یہ گواہی عورت کی کینہ اور بغض سے تھی، اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ آئی ایک کالی عورت ہم سے کھانا طلب کرتی تھی، ہم نے انکار کیا، پس آئی وہ گواہی دیتے ہوئے رضاع پر اور بالاتفاق ایسی گواہی حرمت کو ثابت نہیں کرتی ہے، پس معلوم کیا ہم نے کہ یہ حکم باعتبار احتیاط اور پرہیزگاری کے تھا اور طرف اسی کے اشارہ کیا آنحضرت ﷺ نے اپنے قول كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ سے (جس کا مطلب یہ ہے کہ اب کیونکر اس کے پاس جاؤ گے حالانکہ تم کو بھائی اس عورت کا کہہ دیا گیا، مقتضائے مروت اور تقویٰ سے بعید ہے، اور ہم قائل ہیں ساتھ تقویٰ اور احتیاط کرنے کے جب کہ اس شخص کے قلب میں یہ امر واقع ہوجائے کہ یہ سچ کہتی ہوگی انتہی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ہمارے موافق ہے مگر سمجھنے کو عقل چاہیے) إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مدت رضاعت کے اندر خواہ بچہ تھوڑا دودھ پئے خواہ بہت پئے حرام کرتا ہے الخ

کشف کید ہفتادوہشتم

اقول: فتح القدیر میں ہے" وَالْجَوَابُ أَنَّ التَّقْدِيرَ مُطْلَقًا مَنْسُوخٌ صَرَّحَ بِنَسْخِهِ ابْنُ عَبَّاسٍ، حِينَ قِيلَ لَهُ إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ إِنَّ الرَّضْعَةَ لَا تُحَرِّمُ فَقَالَ كَانَ ذٰلِكَ ثُمَّ نُسِخَ، وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ آلَ أَمْرُ الرَّضَاعِ إِلَى أَنَّ قَلِيلَهُ وَكَثِيرَهُ يُحَرِّمُ، وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ الْقَلِيلَ يُحَرِّمُ "(۲) یعنی جواب یہ ہے کہ تقدیر

۱......تبیین الحقائق، کتاب الرضاع، ج۲، ص۱۸۸، دار الکتب العلمیة

۲......فتح القدیر، کتاب الرضاع، ج۳، ص۴۲۹، مکتبہ زکریا دیوبند

مطلقاً منسوخ ہے بتصریح کی اس کے نسخ کی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جب کہ ان سے کہا گیا کہ آدمی کہتے ہیں کہ ایک بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا، فرمایا پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے رجوع کیا امر رضاع نے طرف اس کے کہ تھوڑا اور بہت حرام کردیتا ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قلیل رضاع حرام کردیتا ہے انتہی۔

رضاع باعث حرمت ہے قلیل ہو، یا کثیر

اور عقود الجواہر المنیفہ میں لکھا ہے "اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِيْلُهٗ وَكَثِيْرُهٗ، كَذَا رَوَاهُ الْاِمَامُ اَبُوْيُوْسُفَ عَنْهُ "(١)یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ رضاع سے وہ بھی حرام ہو جاتی ہے جو نسب سے حرام ہوتی ہے قلیل رضاع ہو یا کثیر ہو ایسا ہی روایت کیا اس حدیث کو امام ابو یوسف نے انتہی۔

اور استذکار میں لکھا ہے کہ یہی قول علی اور ابن مسعود اور ابن عمر اور ابن عباس اور ابن المسیب اور حسن بصری اور مجاہد اور عروہ اور عطا اور طاؤس اور مکحول اور زہری اور قتادہ اور حکم اور حماد اور ابو حنیفہ اور مالک اور ان کے اصحاب اور ثوری اور لیث اور اوزاعی اور طبری کا ہے انتہی۔(٢)

اور لیث نے کہا ہے کہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ تھوڑا دودھ پینا اور بہت پینا حرام کردیتا ہے انتہی پس معلوم ہوا کہ " مَصَّةٌ وَ مَصَّتَانِ " کی حدیث منسوخ ہے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کہے شوہر اپنی عورت کو حمل تیرا مجھ سے نہیں ہے تو نہیں ہے لعان، یہ مذہب امام اعظم اور ان کے شاگردوں کا، سو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ بخاری اور مسلم میں روایت ہے سہل بن ساعدی سے کہ عویمر عجلانی کی عورت نے زنا کیا ایک مرد سے، اور حمل ہوا اس کو تو فرمایا رسول خدا ﷺ نے عویمر کو کہ تحقیق وحی اتاری گئی ہے بیچ قصے تیرے کے اور عورت تیری کے پس لعان کی دونوں نے یعنی میاں بیوی نے مسجد میں۔

کشف کید ہفتادونہم

اقول: امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر فقط حمل کا انکار کرے گا تو بوجہ عدم تیقن حمل کے قاذف نہ ہوگا، ہاں اگر زنا کا دعویٰ کیا یا یوں کہا کہ یہ حمل زنا کا ہے اس صورت میں لعان آجائے گا کیونکہ صریح زنا کو ذکر کردیا، پس امام صاحب کے نزدیک

١......عقود الجواهر المنيفة،باب الرضاع

٢......استذكار لابن عبدالبر،ج٦،ص٢٩٤،دار الكتب العلمية،بيروت٢٠٠٠ء

میں لعان بوجہ قذف کے ہے انکار حمل سے نہیں، اب اس حدیث کو ہم لکھتے ہیں کہ جس میں معترض صاحب نے تحریف کی ہے اور الفاظ سابق چھوڑ گئے ہیں ناظرین باانصاف خود ملاحظہ کر لیں گے کہ اس حدیث سے انکار حمل کا پتا بھی نہیں:

انکار حمل سے لعان کسی حدیث سے ثابت نہیں

اِنَّ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ جَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ اِمْرَأَتِہٖ رَجُلاً اَیَقْتُلُہٗ اَوْکَیْفَ یَفْعَلُ ، فَاَنْزَلَ اللّٰہُ فِیْ شَانِہٖ مَاذُکِرَ فِی الْقُرْاٰنِ مِنْ اَمْرِ التَّلَاعُنِ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَدْ قَضَی اللّٰہُ فِیْکَ وَفِیْ اِمْرَأَتِکَ قَالَ فَتَلَاعَنَا فِی الْمَسْجِدِ "(۱) یعنی تحقیق ایک شخص انصاری خدمت میں رسول اللہ ﷺ کی حاضر ہوا، پس عرض کیا یا رسول اللہ خبر دیجیے اس شخص کی کہ اپنی عورت کے ساتھ کسی شخص کو پاوے، کیا اس کو قتل کرے یا کیا کرے، پس نازل اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں وہ آیت لعان کی جو قرآن میں مذکور ہے، پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تحقیق حکم کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری زوجہ کے قصے میں، کہا راوی نے پس لعان کیا دونوں نے مسجد میں انتہی۔

اس عبارت کے بعد راوی کا یہ قول ہے" وَکَانَتْ حَامِلاً وَکَانَ اِبْنُہَا یُدْعٰی لِاُمِّہٖ "یعنی اور تھی وہ عورت حاملہ اور لڑکا اس کا اپنی ماں کے نام سے پکارا جاتا تھا انتہی۔

معترض صاحب کا مغالطہ

پس ظاہر ہے کہ اس شخص قاذف کا ہرگز یہ دعویٰ نہ تھا کہ یہ حمل مجھ سے نہیں بلکہ الفاظ زنا سے اس نے تعبیر کیا تھا، البتہ زنا کے دعوے سے لازم آجاتا ہے کہ حمل کا بھی منکر ہے مگر اس شخص کے کلام میں کہیں کسی حدیث سے انکار حمل نہیں، ہاں الفاظ زنا بالتصریح موجود ہیں، چنانچہ اسی حدیث بخاری میں "وَجَدَ مَعَ اِمْرَأَتِہٖ " کے لفظ سے قذف زنا ثابت ہوتا ہے، پس واسطے ثابت کرنے مخالفت امام صاحب کے یوں کہنا کہ لعان فقط انکار حمل سے حدیث میں وارد ہوا ہے ہرگز ہرگز کسی حدیث سے ثابت نہیں، پس اس مسئلے کو مخالف حدیث کے کہنا آپ کا عین مغالطہ ہے۔ وَادْعُوْا شُہَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز پڑی ہوئی پاوے (۱۰) اگر قیمت میں کم دس درہم سے ہو تو مشہور کرے لوگوں میں چند روز، اور اگر قیمت میں دس درہم یا دس درہم سے زیادہ ہو تو مشہور کرے لوگوں میں برس دن تک اور بعضوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ان مقداروں میں سے لازم ایک بھی نہیں الخ

۱......صحیح ابن حبان، ج ۴، ص ۲۷۶، دار الفکر بیروت

کشف کید ہشتادم

اقول: گری ہوئی شے جو شخص اٹھائے اس کے مشہور کرنے میں احادیث مختلف ہیں، کسی حدیث میں دو برس تک آنحضرت ﷺ نے مشہور کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے:

قَالَ سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ لَقِيْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقَالَ أَخَذْتُ صُرَّةً فِيْهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ (۱) یعنی سوید بن غفلہ نے کہا کہ ملاقات کی میں نے ابی بن کعب سے پس کہا انہوں نے: پائی میں نے ایک تھیلی جس میں سو دینار تھے پس آیا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں، پس فرمایا آپ نے ایک سال تک اس کو مشہور کر سو مشہور کیا میں نے، پس نہ پایا میں نے اس شخص کو جو اس کو پہچانے، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، پس فرمایا ایک سال اور مشہور کر سو شہرت دی میں نے، پس نہ پایا میں نے انتہی۔

پڑی ہوئی شی پانے کے احکام

اور مسلم (۲) اور بخاری (۳) اور ابوداؤد (۴) کی روایت میں تیسری مرتبہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سال بھر اور شہرت دو انتہی۔ اور بعض روایتوں میں اسی حدیث ابی بن کعب میں ایک سال ہی فقط آیا ہے، بعض حدیث میں مطلق تعریف آئی ہے کوئی مدت معین نہیں اور بعض میں تعریف بھی نہیں، چنانچہ ابوداؤد میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم فِي الْعَصَا وَالْحَبْلِ وَالسَّوْطِ وَأَشْبَاهِهِ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ وَيَنْتَفِعُ بِهِ "(۵) یعنی جابر ؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے رخصت دی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے لکڑی اور رسی اور کوڑے اور اس کے مثل کی کہ کوئی شخص اس کو اٹھا لے اور اس سے منتفع ہو انتہی

اور بخاری میں ہے "عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْلَا إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا "(۶) یعنی انس ؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے: گذرے رسول اللہ ﷺ ایک کھجور پر راستے میں، پس فرمایا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ صدقہ ہوگا تو میں اس کو کھا لیتا انتہی

---

۱ ...... بخاری، کتاب اللقطۃ، ص۳۲۷، مجلس برکات مبارک پور، ۲۰۰۷ء

۲ ...... مسلم، ص۷۹، رضا اکیڈمی ممبئی

۳ ـــــ بخاری، کتاب اللقطۃ، ص۳۲۹، مجلس برکات مبارک پور، ۲۰۰۷ء

۴ ـــــ ابو داؤد، ص۲۳۹، اصح المطابع کلکتہ

۵ ـــــ ابوداؤد، ج۱، ص۲۴۱، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

۶ ـــــ بخاری، کتاب اللقطۃ، ص۳۲۸، مجلس برکات مبارک پور، ۲۰۰۷ء

حضرت علی کے دینار پانے کا واقعہ

غیر ان چیزوں میں بوجہ کم قیمت ہونے کے تعریف کی چنداں ضرورت نہیں، اور ایک حدیث میں تو ایک دینار کے واسطے بھی تعریف مذکور نہیں، بلکہ مضمون حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مطلق تعریف نہیں کی گئی اور ایک سال کا تو احتمال بھی نہیں ہوتا، چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ علی بیت گھر میں آئے اور دونوں صاحبزادے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما رو رہے تھے، فرمایا کیوں روتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بھوک سے روتے ہیں، پس حضرت علی باہر تشریف لائے تو ایک دینار بازار میں پڑا پایا، گھر آئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی، انہوں نے کہا کہ فلاں یہودی کے پاس جاؤ اس کا آٹا اس سے لے لو، پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس یہودی کے پاس آئے اور اس دینار کا آٹا خریدا، یہودی نے کہا تم ان کے داماد ہو جو اپنے تئیں اللہ کے رسول بتلاتے ہیں فرمایا ہاں، کہا اس نے: لو اپنا دینار اور آٹا لے جاؤ، پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس آٹے کو مکان میں لے آئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس امر کی اطلاع کی، انہوں نے کہا فلانے قصاب کے پاس جا کے ایک درہم کا گوشت لے لو، آپ تشریف لے گئے اور اس دینار کو ایک درہم کے گوشت کی عوض میں گرو کر دیا اور گوشت لے آئے، پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا گوندھا اور ہانڈی چڑھائی اور روٹی پکائی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کسی شخص کو بھیجا، پس آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میں آپ سے اس کھانے کی کیفیت بیان کرتی ہوں، پس اگر آپ اس کو حلال سمجھیں تو ہم بھی کھائیں اور آپ بھی ہمارے ساتھ کھائیے، یہ کھانا ایسا اور ایسا ہے، پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کھاؤ بسم اللہ، پس کھایا انہوں نے، پس وہ جو اپنی جگہ پر بیٹھے تھے کہ یکا یک ایک لڑکا واسطے خدا اور اسلام کا دیتا ہوا دینار طلب کرتا نکلا، پس آنحضرت ﷺ نے حکم دیا، وہ بلایا گیا، اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا بازار میں مجھ سے گر پڑا تھا، فرمایا آپ نے اے علی! تم قصاب کے پاس جاؤ اور ہمارا اتنا کہو کہ وہ دینار بھیج دو اور درہم تمہارا ہمارے ذمہ ہے، اس قصاب نے وہ دینار بھیج دیا، پس آنحضرت ﷺ نے اس لڑکے کو دے دیا انتہی (۱)

پس ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعریف نہیں کی اور کی بھی تو شاید گھڑی دو گھڑی، مگر سال بھر تو کسی صورت سے ثابت نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کوئی مقدار متعین لازم نہیں، جیسی شی ہو اس کو اسی طور سے مشہور کرنا چاہئے، اگر کم قیمت ہو کم دن اور اگر زیادہ قیمت کی ہو تو زیادہ دن، یہ حدیث سے ثابت ہوتا کہ ہر شی کے واسطے ایک ہی سال متعین ہے، بلکہ مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں اور سب صحیح ہیں البتہ ہر شی کے واسطے ایک خاص مدت مقرر کر لینا خلاف حدیث ہوگا۔

۱..... فتح القدیر، باب اللقطہ، ج ۶، ص ۱۱۸، مکتبہ زکریا دیو بند

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بکری اور گائے اور اونٹ گم ہوئے کا پکڑنا مستحب ہے الخ

کشف کید ہشتاد ویکم

اقول: تبیین الحقائق میں لکھا ہے "وَمَا رَوَاهُ كَانَ فِي دِيَارِهِمْ إِذْ كَانَ لَا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْ شَيْءٍ وَنَحْنُ نَقُولُ فِي مِثْلِهِ بِتَرْكِهَا وَالَّذِي يَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ مَا رَوَاهُ عُثْمَانُ أَمَرَ بِتَعْرِيفِهَا ثُمَّ تُبَاعُ فَإِذَا جَاءَ صَاحِبُهَا أُعْطِيَ ثَمَنَهَا" (۱) یعنی وہ جو روایت ہے کہ گم شدہ اونٹ کو نہ پکڑو یہ ان کے ملک میں اس وقت تھا جب کہ ان پر کسی قسم کا خوف نہ تھا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ایسے وقت میں چھوڑ دے ان کو اور اس پر دلالت کرتی ہے روایت عثمان ہٰی کی کہ حکم دیا کہ اول ان کی شہرت کی جاوے پھر فروخت کئے جائیں، پس جس وقت مالک ان کا آئے قیمت ان کی دی جائے انتہی

حفاظت کی غرض سے گم شدہ جانور کا پکڑنا جائز ہے

اور امام نووی اس حدیث مسلم "من أوى ضالة فهو ضال مالم يعرفها" کی شرح میں لکھتے ہیں: "وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ بِالضَّالَّةِ هُنَا ضَالَّةَ الْإِبِلِ وَنَحْوِهَا مِمَّا لَا يَجُوزُ الْتِقَاطُهَا لِلتَّمَلُّكِ بَلْ إِنَّمَا يَلْتَقِطُ لِلْحِفْظِ عَلَى صَاحِبِهَا" (۲) یعنی اور جائز ہے یہ کہ مراد یہاں ضالہ سے ضالہ ابل وغیرہ ہو اس چیز سے جس کا لینا واسطے مالک ہونے کے جائز نہیں بلکہ پکڑ لینا اس کا واسطے حفاظت کے مالک کے لئے جائز ہے انتہی

اور مبسوط میں ہے کہ یہ امر اس وقت تھا جب کہ صالحین اور امانت داروں کا غلبہ تھا کہ کسی خائن کا اس پر قابو نہیں ہوتا تھا، جب اس کو چھوڑ دیا جاتا تو مل جاتا تھا، لیکن ہمارے زمانے میں خائن کی دست اندازی کا خوف ہے، پس اس کے پکڑ لینے میں زیست اس کی اور حفاظت ہے انتہی

اور فتح القدیر میں ہے کہ یہ بات حق معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ امر قطعی ہے کہ شارع کا مقصود اس کے مالک تک پہونچ جانا ہے اور شارع نے اس کا طریق بیان کر دیا ہے، پس جب زمانے کا انقلاب ہو جائے اور وہ شئی تلف ہونے لگے تو حکم اس کا اس وقت بیشک خلاف اس کے ہوگا، اور وہ پکڑ لینا واسطے حفاظت اور لوٹانے کے ہے انتہی (۳)

علاوہ اس کے حدیث سے چھوڑ دینے کا فقط جواز نکلتا ہے وجوب نہیں نکلتا۔ پس مخالفت کسی صورت سے نہیں ہو سکتی یہ آپ کے فہم کا قصور ہے، ہر جگہ مخالف حدیث کہہ دینا آپ کا پرانا دستور ہے، اس عیب بینی کی عادت بد کو چھوڑ دیجئے بے سمجھے بوجھے کسی کی نکتہ گیری نہ کیجئے۔ ؎

سیاہ روآں کس کہ عیب بیں گردد — چو خامہ بر سخن ہیچ کس مدار انگشت

۱......باب اللقطة، ج۳، ص۳۰۵، دار الكتب الاسلامية قاهره ۱۳۱۴ھ
۲......مسلم، ج۲، ص۸۰، كتاب اللقطة، رضا اكيڈمی ممبئی
۳......فتح القدير باب اللقطة، ج۶، ص۱۱۸، مكتبه زكريا ديو بند

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ پڑی ہوئی چیز کو اگر غنی نے اٹھا لیا تو اس کو اپنے کام میں لانا اس کا درست نہیں انتہیٰ

کشف کید ہشتاد و دوم

اقول: اگر اس حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ بعد ایک سال کے وہ شخص مالک ہو جاتا ہے خواہ غنی ہو خواہ فقیر تو بخاری کی حدیثوں میں تناقض واقع ہوگا، کیوں کی بخاری میں روایت ہے کہ ایک شخص نے لقطے کا مسئلہ پوچھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک سال تعریف کر، پھر اس کو خرچ کر لے پھر اگر مالک اس کا آوے اس کو وہ شئی ادا کر دے انتہیٰ (۱)

اور مسلم کی روایت میں ہے پس خرچ کر لے اور چاہیے کہ وہ شئی امانت رہے نزدیک تیرے پس اگر طالب اس کا کسی دن آوے تو ادا کر دے اس کو انتہیٰ (۲) ان دونوں صحیحین کی حدیثوں سے معلوم ہوا کہ وہ شئی اس کے پاس امانت ہوتی ہے جس وقت طالب اس کا آوے فوراً دیدے اگر خرچ بھی کر لے تو بھی واپس دے، گو وہ شخص دس بارہ سال کے بعد آوے، اور مسند بزار اور دار قطنی میں ہے "فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهٗ فَلْيُؤَدِّهٖ اِلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَاْتِ فَلْيَتَصَدَّقْ بِهٖ، فَاِنْ جَاءَ فَلْيُخَيِّرْ بَيْنَ الْاَجْرِ وَبَيْنَ الَّذِيْ لَهٗ" یعنی پس اگر آوے مالک اس کا پس چاہیے کہ دیدے اس کو اور اگر نہ آوے پس مناسب ہے کہ صدقہ کر دے اس کو، پھر اگر آ جاوے تو اس کو اختیار ہے، خواہ ثواب لے خواہ وہ شئی انتہیٰ (۳)

اسی وجہ سے حنفیہ کہتے ہیں کہ غنی کو بطور ملک اس کا خرچ کر لینا نہیں چاہیے، البتہ اگر محتاج ہو خرچ کر لے ورنہ دوسرے شخص کو جو محتاج ہو اس کو تصدق کر دے اور صدقہ بالاجماع فقیر کے واسطے ہوتا ہے، اور کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جن کو آنحضرت ﷺ نے اجازت دی تھی وہ غنی تھے، اسی وجہ سے علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ ابی بن کعب کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ حکایت حال ہے جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے فقر کو معلوم کر لیا ہو یا تو قرض کی وجہ سے یا بچوں کی مال کے، یا آپ نے مستفع ہونے کا اذن فرمایا ہو، یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے لامام کو کہ بطور قرض دیدے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معلوم کر لیا ہو کہ یہ مال کسی کافر حربی کا ہے بلکہ ظاہر بھی ہے اس لیے کہ دارالاسلام میں اس وقت وسعت نہ تھی اور اگر کسی مسلمان کا مال ہوتا ان پر پوشیدہ نہ رہتا انتہیٰ

پھر قرآن شریف میں بھی آیا ہے "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" (۴) یعنی نہ کھا جاؤ مال ایک دوسرے کا باطل سے انتہیٰ پس حدیث اور قرآن سے ثابت ہو گیا کہ غنی اور صاحب نصاب کو مطلقاً کسی کا مال کھانا نہیں چاہیے بلکہ امام اگر اجازت دے تو اس کو صرف کر لے مگر اس کے ذمہ وہ شئی رہے گی، جب مالک آوے گا دینی پڑے گی اور فقیر کے واسطے صدقہ بالاجماع ثابت ہے، پھر حدیث میں بھی اس کی تائید ہے، پس حنفیہ کے طور پر تطبیق بین الاحادیث خوب ہو جائے گی اور آپ کے مسلک پر صورت رفع تناقض کی بن نہ آوے گی پہلے سوچیے تو پھر اعتراض کیجیے ؏

۱......بخاری، ص ۳۲۹
۲......مسلم، ج ۲، ص ۷۶، باب اللقطۃ
۳......فتح القدیر، باب اللقطۃ، ج ۶، ۱۲۳، مکتبہ زکریا دیوبند
۴......سورہ بقرہ، آیت ۱۸۸

عزرا بے تامل بگفتار وم

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حکم پڑی ہوئی چیز کے اٹھانے کا حل اور حرم کا برابر اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے، سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ مسلم میں روایت ہے عبدالرحمن بن عثمان تیمی سے کہ رسول خدا ﷺ نے منع فرمایا حاجیوں کی گری ہوئی چیز کے لینے سے۔

کشف کید ہشتاد وسوم

اقول: امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے "قَوْلُهُ نَهَى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ يَعْنِيْ عَنِ الْتِقَاطِهَا لِلتَّمَلُّكِ وَاَمَّا الْتِقَاطُهَا لِلْحِفْظِ فَقَطْ فَلَا مَنْعَ مِنْهُ وَقَدْ اَوْضَحَ هٰذَا صلى الله عليه وسلم فِيْ قَوْلِهٖ صلى الله عليه وسلم فِي الْحَدِيْثِ الْآخَرِ وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ" (۱) یعنی قول راوی کا کہ ممانعت کی رسول اللہ ﷺ نے حاجیوں کے لقطہ سے مراد اس سے اٹھا لینا اس کا واسطے مالک ہونے کے ہے، لیکن اٹھانا اس کا فقط واسطے حفاظت کے سو نہیں ممانعت اس میں، اور تحقیق واضح کر دیا رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے قول میں جو دوسری حدیث میں وارد ہے کہ نہیں حلال ہے لقطہ مکے کا مگر واسطے شہرت دینے والے کے انتہی، اور یہ صحیحین میں موجود ہے، اور علامہ ابن ہمام نے اس حدیث صحیحین سے اول استدلال کر کے دلیل عقلی یہ لکھی ہے کہ اس زمانہ میں حاجیوں کی گری ہوئی چیز واسطے تعریف کے اٹھانی چاہیے، کیوں کہ چوری مکے میں بہت پھیل گئی ہے اور جب احکام کی مشروعیت باعتبار کسی شرط کے پائی جائے پھر بر تقدیر مشروعیت اس کی کے ضد اس کی کسی مفسدہ کو متضمن پائی جائے تو اس حکم کا انقطاع معلوم ہوگا، برخلاف ان چیزوں کے جو کسی سبب سے جاری ہوئیں اور اس کے باقی رہنے میں مفسدہ نہ ہو جیسے طواف میں رمل اور اضطباع واسطے اظہار شجاعت کے انتہی (۲)

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ دوسری حدیث صحیحین کی اس حدیث کی مفسر واقع ہوئی ہے پس حاجیوں کا لقطہ واسطے حفاظت کے اٹھانا جائز ہوا خصوصاً آج کل تو مکہ معظمہ میں چوری کا ایسا شیوع ہے کہ اظہر من الشمس ہے گویہ کام وہاں کے اہل احتیاج اور غرباء اور اراذل قوم کا ہے، شرفاء اس فعل سے محفوظ ہیں، مگر حجاج تو بیچارے جن کی چوری ہو جاتی ہے سر پیٹتے رہ جاتے ہیں، اور ادائے ارکان حج بوجہ مفلسی کے ان پر دشوار ہو جاتا ہے، اگر کوئی اس وقت ان کی ہمیانی اٹھا کر مشہور کرے اور ان کو پہنچا دے تو یہ بات محمود اور موافق حدیث صحیحین کے ہوگی، یا یہ امر اچھا ہے کہ اس کو ویسے ہی چھوڑ دے اور کوئی سارق اس کو اٹھالے، ہم کو تو نقل اور عقل سے اس کا اٹھا لینا بہتر معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صحیحین کی حدیث میں خود اس کی تصریح ہے کہ معرف کو اٹھا لینا چاہیے، پھر اعتراض مخالفت کیسا؟ بغیر دیکھے کتب حدیث کے اعتراض کر دینا اپنے اوپر الزام لینا ہے

ع چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

۱......شرح مسلم، ج ۲، ص ۷۹ ۲......فتح القدیر، ج ۶، ص ۱۲۱ مکتبہ زکریا دیوبند

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم اور ان کے شاگرد ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مخالف آٹھ حدیثوں کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز اور ردالمحتار شرح درالمختار اور فتاوی عالمگیری اور فتاوی قاضی خان وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے" وَعَصِيْرُ الْعِنَبِ إِذَا طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ حَلَالٌ وَإِنِ اشْتَدَّ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ "(۱) یعنی اور شیرہ انگور کا جب کہ پکایا جاوے یہاں تک کہ اس کی دو تہائی جل جاوے اور ایک تہائی رہ جاوے تو حلال ہے اگر چہ اس میں نشہ پیدا ہو جائے اور یہ مذہب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور ابی یوسف کا ہے انتہی

کشف کید ہشتاد و چہارم

اقول: امام صاحب کے نزدیک خمر لغت میں اس کو کہتے ہیں جو انگور سے بنائی گئی ہو اور امام صاحب کی اس پر پانچ دلیلیں ہیں، اول یہ کہ اجماع ہے اہل لغت اور اہل علم کا کہ لفظ خمر کا موضوع ہے واسطے آب انگور کے جب کہ اس میں جوش اور تیزی آ جاوے اور جھاگ اٹھنے لگے، چنانچہ ہدایہ اور زیلعی اور طحطاوی اور برجندی وغیرہ میں لکھا ہے:

" لَنَا أَنَّهُ إِسْمٌ خَاصٌّ بِإِطْبَاقِ أَهْلِ اللُّغَةِ فِيْمَا ذَكَرْنَا وَهُوَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ إِذَا غَلٰى وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ وَهٰذَا الْمَعْرُوْفُ عِنْدَ أَهْلِ اللُّغَةِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ وَتَسْمِيَةُ غَيْرِهَا مَجَازٌ "(۲) یعنی واسطے ہمارے یہ دلیل ہے کہ خمر اسم خاص ہے ساتھ اجماع اہل لغت کے اس چیز میں جو ہم نے ذکر کیا، اور وہ کچا پانی انگور کا ہے جب کہ اس میں جوش اور تیزی آ جائے اور جھاگ دے، اور یہی معنی مشہور ہیں نزدیک اہل لغت کے اور اہل علم کے، اور اس کے غیر کا نام خمر نام رکھنا مجاز ہے انتہی

پس امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو معنی باعتبار اصل لغت کے ہیں اس پر آیت کو حدود اور قطعیت میں محمول کریں گے اور اطلاق خمر کا مسکرات پر بعد نزول آیت تحریم کے مجاز مستحدث ہے، پس آیت کو کہ پہلے نازل ہوئی ہے مجاز مستحدث پر حمل کرنا چاہیے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ عرب جن کی عربیت پر اعتماد ہے اور سب سند ان کی لاتے ہیں اپنے کلام میں خمر کو انہیں معنوں سے لائے ہیں چنانچہ متنبی شاعر بھی انہیں میں سے ہے، اس کے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل خمر کی انگور ہی ہوتی ہے۔

وَإِنْ تَكُنْ تَغْلِبُ الْغَلْبَاءُ عُنْصُرَهَا   فَإِنَّ فِي الْخَمْرِ مَعْنًى لَيْسَ فِي الْعِنَبِ

یعنی اگر چہ آباء و اجداد ممدوح کے اس کے عنصر پر غالب تھے، لیکن شراب میں وہ لذت ہے جو انگور میں بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ممدوح اپنے آباء و اجداد پر باوجود ان کے اصل ہونے کے بعض وجوہ سے غالب تھی جیسے شراب لذت میں اپنی اصل سے کہ انگور ہے غالب ہوتی ہے۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ خمر کی کنیت سے بھی کہ بنت العنب اور بنت العنقود ہے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اس کی انگور ہے

۱۔۔۔۔۔۔الجزء ان الاخیران من الهداية، ص ٤٨٠، كتاب الاشربة

۲۔۔۔۔۔۔كشاف اصطلاحات، ج ١، ص ٤٣٦، مطبوعه كلكته، الجزء ان الاخيران من الهداية، ص ٤٧٧، كتاب الاشربة

، اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ لفظ خمر کا شراب انگوری کے واسطے خاص ہے، کیوں کہ دوسرے مسکرات کے اور نام ہیں مثل باذق اور مثلث منصف اور مثلث اور نقیع اور نبیذ وغیرہ کے، اور اسما کا اختلاف دلالت کرتا ہے کہ مسمیات میں بھی اختلاف ہو، اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہے، اور پانچویں دلیل یہ ہے کہ قول جناب باری بھی " اِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا " (۱) یعنی میں اپنے آپ کو خواب میں انگور نچوڑتے دیکھتا ہوں انتہی اسی پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ خمر سے یہاں باتفاق مفسرین وعلمائے متقدمین ومتاخرین انگور مراد ہے من قبیل اطلاق کرنے مسبب کے اوپر سبب کے، اور کلیات ابو البقا میں ہے کہ اصل اس اطلاق کی بالاتفاق یہ ہے کہ سبب تو مسبب کے واسطے مطلقاً استعارہ کیا جاتا ہے، خواہ سبب مسبب کے واسطے خاص ہو یا نہ ہو، مگر مسبب کو سبب کے واسطے جب لاتے ہیں کہ اس مسبب کا سبب وہ مراد ہو جیسے لفظ خمر اگر خاص عنب کے ساتھ نہ ہوتا تو استعارہ نہ کرتے انتہی (۲)

اور امام شوکانی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں لکھتے ہیں " اِعْلَمْ اَنَّ الْخَمْرَ تُطْلَقُ عَلٰي عَصِيْرِ الْعِنَبِ الْمُشْتَدِّ اِطْلَاقًا حَقِيْقِيًّا اِجْمَاعًا " یعنی جان تو کہ اطلاق خمر کا انگور کے نچوڑے ہوئے پر جو تیز ہو گیا ہو اطلاق حقیقی بالاجماع ہے انتہی (۳)

اور تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری میں مرقوم ہے " وَالْخَمْرُ مَا غَلٰي وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ مِنْ عَصِيْرِ الْعِنَبِ وَهُوَ حَرَامٌ " یعنی خمر وہ شی ہے کہ ابل آئے اور تیز ہو جائے اور جھاگ لے آئے عصیر انگور سے اور وہ حرام ہے انتہی (۴)

اور جو احادیث میں بعض شراب پر سوائے انگور کے خمر کا اطلاق آیا ہے وہ باعتبار حکم کے ہے، اس میں کچھ لغت کے معنی نہیں بتلائے گئے بطریق تشبیہ کے ہے، چنانچہ کتاب حد الشرب فتح القدیر میں شیخ الاسلام ابن ہمام لکھتے ہیں " وَيَدُلُّ عَلٰي اَنَّ الْحَمْلَ الْمَذْكُوْرَ بِطَرِيْقِ التَّشْبِيْهِ قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ وَمَا بِالْمَدِيْنَةِ مِنْهَا شَيْءٌ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي الصَّحِيْحِ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّهٗ اِنَّمَا اَرَادَ عَصِيْرَ الْعِنَبِ لِثُبُوْتِ اَنَّهٗ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ غَيْرُهَا " (۵) یعنی اور دلالت کرتا ہے اس پر کہ حمل ان حدیثوں میں بطریق تشبیہ کے ہے قول ابن عمرؓ کہ حرام کی گئی شراب اور حال یہ ہے کہ کچھ بھی شراب سے کوئی شی مدینے میں، روایت کیا اس کو امام بخاری نے اور معلوم ہے یہ کہ ارادہ کیا ہے انگور کے نچوڑ کا بوجہ ثابت ہونے اس امر کے کہ تھیں مدینے میں سوا اس کے اور شرابیں انتہی

اور امام زیلعی نے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھا ہے کہ خمر کا اطلاق غیر انگوری پر احادیث میں مجازی ہے یا

۱......سورہ یوسف ، آیت ۳۶
۲......کلیات ابو البقا، ص ۱۹۰، مطبوعہ طہران
۳......المبتکر فیما یتعلق بالمونث و المذکر، ص ۶۸، مطبوعہ بھوپال
٤......کشاف، ج ۱، ص ۲۸۸، دار احیاء التراث العربی بیروت
۵......فتح القدیر، کتاب حد الشرب، ج ۵، ص ۲۹۱

باعتبار حکم کے ہے یعنی حکم اور شرابوں کا حکم شراب کا سا ہے یعنی ان کا پینا بھی حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ تعلیم کے احکام کے واسطے مبعوث ہوئے تھے حقائق لغت وغیرہ بتلانے کو مبعوث نہیں ہوئے انتہی ملخصاً (۱)

اطلاق عام خمر کا حکما یا مجازا ہے

پس حدیث سے یہ استدلال ہرگز نہیں ہوسکتا کہ خمر اصل میں عام ہے، باقی رہا قول صاحب قاموس کا کہ عمومیت اصح ہے سو یہ بنا بر ان کے مذہب کے ہے، چنانچہ جو دلیل عمومیت پر شافعیہ احادیث سے لاتے ہیں وہی انہوں نے بھی لکھ دی کسی لغت یا کلام عرب کی سند نہیں دی، یہاں فقط اپنی رائے لکھی ہے جس سے ان کے مذہب شافعیہ کو ترجیح ہوئی ہے، ورنہ معنی لغوی تو وہی تھے جو انہوں نے پہلے بیان کر دیئے ہیں اور یہ قول ان کا کہ مدینہ شریف میں اس وقت انگور کی شراب نہ تھی بلکہ کھجور کی تھی مخالف ہے بخاری شریف کی حدیث کے جو حضرت انس سے مروی ہے" قَالَ حُرِّمَتْ عَلَيْنَا الْخَمْرُ حِيْنَ حُرِّمَتْ وَمَا نَجِدُ يَعْنِي بِالْمَدِيْنَةِ خَمْرَ الْأَعْنَابِ إِلَّا قَلِيْلًا "(۲) یعنی فرمایا حضرت انس نے کہ حرام کی گئی ہم پر شراب جس وقت کہ حرام کی گئی اس حال میں کہ نہیں پاتے تھے ہم مدینے میں شراب انگوروں کی مگر کم انتہی

معنی مخامرت کی عمومیت کے شبہہ کا جواب

پس اس حدیث مسلم کی سند لانے سے شبہہ پڑتا ہے کہ بالکل انگور کی شراب نہ تھی، حالانکہ وہاں باعتبار اکثر کے کہا ہے جیسا کہ حدیث بخاری کی اس پر دال ہے پس حدیث مسلم کی سند لانا محض مغالطہ دینا ہے، باقی رہا یہ امر کہ اس میں معنی مخامرت کے ہیں اس لیے چاہیے کہ عام ہو سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس سے یہ نہیں لازم آتا کیوں کہ عرب سفید اور سیاہ گھوڑوں کو ابلق کہتے ہیں اور سفید اور سیاہ کپڑے کو ابلق نہیں کہتے، اسی طرح ثریا ستارے کو نجم بوجہ ظہور کے کہتے ہیں اور ہر ظاہر کو نجم نہیں کہتے، علی ہذا القیاس قارورہ قرار سے مشتق ہے کوزہ کو قارورہ نہیں کہتے گو اس میں قرار پایا جائے، اسی طرح کی بہت نظیریں ہیں، پس امام صاحب کو اس لغت میں خمر شراب انگوری کو کہتے ہیں اور حدیث میں بیان احکام ہے لغت نہیں، بہت درست ہے مخالف کسی حدیث کے نہیں بلکہ مطابق ہے۔

چار قسم کی شراب بالاتفاق حرام اور چار میں اختلاف کیوں کہ صحابہ نے انہیں پیا ہے

البتہ اور شرابوں کو مثل طلاء کے یعنی نچوڑ انگور کا پکائے حتی کہ دو تہائی سے کم جل جائے یا مثل سکر کے یعنی خام پانی تر کھجور کا جس وقت تیز ہو جائے اور جھاگ لے آوے یا مثل نقیع زبیب کے یعنی خام پانی خشک انگور کا بشرطیکہ اس میں تیزی اور جھاگ پیدا ہو جائے ان کو امام صاحب بھی حرام جانتے ہیں، یہ چار چیزیں بالاتفاق حرام ہیں، البتہ چار چیزوں میں اختلاف

۱.......تبیین الحقائق کتاب الاشربۃ، ج۶، ص۴۹۹

۲ــــــبخاری شریف، ج۲، ص۸۳۶، فاروقیہ بک ڈپو

ہے، ایک تو چھوارے اور خشک انگور کا نبیذ اگر کچھ پکالیا جائے اگرچہ اس میں تیزی آجائے، اس قدر پیا اس کا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے جس سے نشہ نہ ہو ورنہ حرام ہوگا، چنانچہ ردالمحتار میں ہے" فَلَوْ شَرِبَ مَا يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّهِ اَنَّهُ مُسْكِرٌ فَيَحْرُمُ لِاَنَّ السُّكْرَ حَرَامٌ فِي كُلِّ شَرَابٍ "(۱) یعنی پس اگر پیا اس نے وہ نبیذ کہ ظن غالب ہے کہ اس میں نشہ پیدا ہو جائے گا تو پس حرام ہے اس لیے کہ نشہ ہر شراب میں حرام ہوتا ہے انتہی

پختہ نبیذ حلال اور خام حرام ہے

اور دلیل حلت نبیذ کی علامہ عینی نے شرح کنز میں یہ لکھی ہے" لِمَا رُوِيَ عَنْ اَبِي قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تَنْبِذُوا الزَّهْوَ وَالرُّطَبَ جَمِيعًا وَلَا تَنْتَبِذُوا الرُّطَبَ وَالزَّبِيبَ جَمِيعًا وَلٰكِنْ اِنْتَبِذُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى حِدَةٍ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ اَلرُّطَبَ بَدَلَ التَّمْرِ، وَهٰذَا نَصٌّ عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى الْاِنْفِرَادِ يَحِلُّ، وَهٰذَا مَحْمُولٌ عَلَى الْمَطْبُوخِ مِنْهُ لِاَنَّ غَيْرَ الْمَطْبُوخِ مِنْهُ حَرَامٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَكَذَا مَا رُوِيَ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ الْخَمْرَ حُرِّمَتْ وَالْخَمْرُ يَوْمَئِذٍ الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ فَالْمُرَادُ بِهِ غَيْرُ الْمَطْبُوخِ لِاَنَّ حُكْمَهُ حُكْمُ الْخَمْرِ فَلِهٰذَا اُطْلِقَ عَلَيْهِ اِسْمُ الْخَمْرِ وَقَدْ وَرَدَ فِي حُرْمَةِ الْمُتَّخَذِ مِنَ التَّمْرِ اَحَادِيثُ كُلُّهَا صِحَاحٌ فَاِذَا حُمِلَ الْمُحَرَّمُ عَلَى النِّيِّ وَالْمُحَلَّلُ عَلَى الْمَطْبُوخِ فَقَدْ حَصَلَ التَّوْفِيقُ بَيْنَ الْاَدِلَّةِ وَانْدَفَعَ التَّعَارُضُ "(۲) یعنی اس سبب سے کہ ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبیذ نہ بناؤ زہو اور رطب کا اکٹھا اور رطب زبیب کا ساتھ (زہو گدر رنگدار کھجور کو کہتے ہیں اور رطب پکی تر کو اور زبیب خشک انگور کو) لیکن نبیذ ہر ایک کا علیحدہ کرو، روایت کیا اس کو مسلم اور بخاری نے اور ایک روایت میں بدلے رطب کے تمر آیا ہے اور یہ حدیث صریح ہے اس میں کہ ہر ایک کا علیحدہ نبیذ بنانا درست اور حلال ہے اور یہ حدیث محمول ہے پکے ہوئے نبیذ پر اس لیے کہ کچا تو باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم حرام ہے، اسی طرح وہ حدیث جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تحقیق شراب حرام کی گئی اور شراب اس روز کچے گدر اور خشک کھجور کی تھی، روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے، پس مراد اس سے خام ہے، اس واسطے کہ حکم اس کا حکم شراب کا ہے، اسی وجہ سے خمر اس پر اطلاق کیا گیا ہے، اور جو نبیذ تمر سے بنایا جائے اس کی حرمت میں حدیثیں صحیح صحیح وارد ہوئی ہیں، پس جب کہ حرام نبیذ کو خام پر اور حلال کو پختہ پر حمل کیا جائے گا تو درمیان احادیث کے تطبیق اور توفیق ہو جائے گی اور تعارض جاتا رہے گا انتہی۔

دوسری نبیذ شہد انجیر، گیہوں، جو کا بھی امام صاحب اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے، اور دلیل اس کی تبیین الحقائق میں یہ ہے" لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ النَّخْلَةِ وَالْعِنَبَةِ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ

۱......رد المحتار، ج۱۰، ص۴۲، مطبع سابق

۲ــــــشرح کنز، ج۹، ص۱۷

وَاَحْمَدُ وَغَيْرُهُمَا ،خُصَّ التَّحْرِيْمُ بِهِمَا وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ اَیْ حُکْمُهُمَا وَاحِدٌ لِاَنَّ کُلًّا مِنْهُمَا یُسَمّٰی خَمْرًا حَقِیْقَةً وَلَا یُشْتَرَطُ فِیْهِ الطَّبْخُ لِاَنَّ قَلِیْلَهٗ لَا یُفْضِیْ اِلَی الْکَثِیْرِ کَیْفَ مَا کَانَ"(۱) یعنی بسبب قول آنحضرت ﷺ کے کہ شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے وہ کھجور اور انگور ہے، روایت کیا اس حدیث کو مسلم اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے، خاص کی گئی تحریم اس حدیث میں ساتھ ان دو چیزوں کے اور مراد بیان حکم کا ہے یعنی حکم دونوں کا ایک ہے نہ یہ کہ ہر ایک کو خمر حقیقۃً کہتے ہیں، اور اس نبیذ میں پکنے کی شرط نہیں ہے اس لیے کہ تھوڑا اس کا بہت کے طرف نہیں پہونچاتا ہے کسی طرح کا ہو انتہی

نبیذ و شراب کی کیفیت میں فرق

یعنی جیسے شراب میں یہ اثر ہوتا ہے کہ قلیل پینے سے کثیر کی طرف طبیعت بے قرار رہتی ہے کیونکہ اس کی جتنی زیادتی کی جاتی ہے لذت آتی ہے اسی لیے شراب کا تھوڑا بھی پینا منع ہے، برخلاف نبیذ کے کہ اس میں یہ کیفیت نہیں، پس اس کا اس قدر نوش کرنا کہ حد سکر کو نہ پہونچ جائے جائز ہے، پس نبیذ عسل کے واسطے یہ فرمانا آنحضرت ﷺ کا کہ جو شراب نشہ لائے حرام ہے اس سے اس کا حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں شیخ الاسلام علامہ عینی فرماتے ہیں: کہا بعضوں نے جو شراب نشہ لائے یعنی اس کی شان سے اسکار ہو خواہ اس کے پینے سے نشہ ہو یا نہ ہو، میں جواب میں کہتا ہوں کہ یہ معنی اس حدیث کے نہیں کیونکہ شارع نے خبر دی ہے حرمت شراب کی جب کہ موصوف ہو ساتھ اسکار کے اور یہ اس پر نہیں دلالت کرتا کہ وہ شی حرام ہے جو کہ مستقبل میں نشہ لایا کرے انتہی (۲)

کل مسکر خمر والی حدیث سے پیدا شدہ شبہہ کا جواب

پھر کہا قلیل نشہ والی شے کا اور کثیر اس کا ہر شراب میں نہیں، بلکہ خاص خمر میں ہے اس لیے کہ عبداللہ بن عباس سے روایت موقوف اور مرفوع آئی ہے کہ خمر جیسا حرام اور مسکر ہر شراب کا حرام ہے، یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس پر کہ خمر کا قلیل اور کثیر حرام ہے نشہ کرے یا نہ کرے اور اس پر کہ اور شرابیں سوا خمر کے بوجہ اسکار کے حرام ہیں، اور یہ امر ظاہر ہے، پس اگر کہے تو کہ وارد ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ہر مسکر خمر ہے اور ہر مسکر حرام ہے، جواب دوں گا میں کہ طعن کیا ہے اس حدیث میں یحییٰ بن معین نے، اور اگر تسلیم کیا جائے تو صحیح تر یہ ہے کہ یہ موقوف ہے ابن عمر پر، اسی وجہ سے مسلم نے اس کو بطور ظن کے روایت کیا ہے اور کہا ہے نہیں معلوم ہوتی مجھ کو مگر مرفوع اور اگر اس کو بھی تسلیم کریں تو معنی اس کے یہ ہیں کہ جس کے کثیر میں نشہ ہو اس کثیر کا حکم خمر کا ہے انتہی

۱......تبیین الحقائق، کتاب الاشربه، ج۶، ص ۴۶، دار الکتب الاسلامیه قاهره

۲......حاشیه بخاری، ج ۲، ص ۸۳۷، کتاب الاشربه، باب الخمر من العسل و هو البتع

عصیر عنب پکانے سے جب ایک تہائی بچے تو وہ حلال ہے

اور تیسری قسم عصیر عنب کا جب کہ وہ پکایا جائے اس قدر کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہے، اگرچہ تیز ہو جائے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے، اور وجہ اس کی علامہ عینی نے شرح کنز میں یہ بیان کی ہے " لِمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي مُوسىٰ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَشْرَبُ مِنَ الطِّلَاءِ مَاذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ الثُّلُثُ ، رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَلَهُ بِمِثْلِهِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ رَأَى عُمَرُ وَأَبُو عُبَيْدَةَ وَمُعَاذٌ ﷺ شُرْبَ الطِّلَاءِ عَلَى الثُّلُثِ وَشَرِبَ الْبَرَاءُ وَأَبُو جُحَيْفَةَ عَلَى النِّصْفِ وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ سَأَلْتُ أَحْمَدَ عَنْ شُرْبِ الطِّلَاءِ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهِ ، قُلْتُ إِنَّهُمْ يَقُولُوْنَ إِنَّهُ يُسْكِرُ ، فَقَالَ لَا يُسْكِرُ ، لَوْكَانَ يُسْكِرُ لَمَا أَحَلَّهُ عُمَرُ ﷺ "(۱) یعنی اس لیے کہ روایت کی گئی ہے ابو موسیٰ ﷺ سے کہ وہ پیا کرتے تھے وہ طلا کہ دو ثلث اس کے جل جاتے تھے اور ایک ثلث باقی رہتا تھا، روایت کیا اس حدیث کو نسائی نے، اور مثل اسی کے نسائی نے ابو درداء سے روایت کی ہے، اور کہا ہے امام بخاری نے کہ جائز کہا عمر اور ابو عبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہم نے طلا پینے کو جب کہ تہائی باقی رہے، اور براء اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہما نے نصف پر پیا ہے، اور کہا ابوداؤد نے کہ سوال کیا میں نے امام احمد سے طلا پینے کا جب کہ دو تہائی اس کے جاتے رہیں اور ایک تہائی باقی رہے، پس کہا امام احمد نے کوئی قباحت نہیں، میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ وہ نشہ پیدا کرتا ہے، فرمایا اگر نشہ پیدا کرتا ہوتا تو عمر ﷺ اس کو حلال نہ کرتے۔

خلیط کا حکم

اور چوتھی قسم خلیط ہے جو کہ منقی اور کھجور کو اکٹھا برتن میں بھگو دیں، پھر اس کو پکالیں، امام صاحب اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے، اور وجہ اس کی علامہ زیلعی نے تبیین الحقائق میں یہ لکھا ہے " لِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي سِقَاءٍ، فَنَأْخُذُ قَبْضَةً مِنْ تَمْرٍ وَقَبْضَةً مِنْ زَبِيبٍ، فَنَطْرَحُهُمَا فِيهِ ، ثُمَّ نَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ، فَنَنْبِذُهُ غُدْوَةً فَيَشْرَبُهُ عَشِيَّةً وَنَنْبِذُهُ عَشِيَّةً فَيَشْرَبُهُ غُدْوَةً، رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ، وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ زِيَادٍ، قَالَ: سَقَانِي ابْنُ عُمَرَ شَرْبَةً مَا كِدْتُ أَهْتَدِي إِلَى أَهْلِي ، فَغَدَوْتُ إِلَيْهِ مِنَ الْغَدِ فَأَخْبَرْتُهُ بِذٰلِكَ فَقَالَ مَا زِدْنَاكَ عَلَى عَجْوَةٍ وَزَبِيبٍ وَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى الْمَطْبُوخِ لِأَنَّ الْمَرْوِيَّ عَنْهُ حُرْمَةُ نَقِيعِ الزَّبِيبِ النِّيِّ مِنْهُ، وَمَارُوِيَ مِنَ النَّهْيِ عَنِ الْخَلِيطِ فِيمَا رَوَيْنَا مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْقَحْطِ وَالْفَقْرِ لِئَلَّا يَجْمَعَ بَيْنَ النِّعْمَتَيْنِ وَجَارُهُ يَحْتَاجُ بَلْ يُؤْثِرُ بِأَحَدِهِمَا جَارَهُ ، وَالْإِبَاحَةُ كَانَتْ فِي حَالَةِ السَّعَةِ وَالْحَمْلُ مَأْثُورٌ عَنْ

---

۱ ...... عینی شرح کنز، کتاب الاشربہ، ج ۱۰ ص ۱۲

إِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيْ ـ‘‘(۱) یعنی بسبب اس کے جو روایت ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ کہا انہوں نے کہ نبیذ کیا کرتے تھے ہم واسطے رسول اللہ ﷺ کے ایک مشکیزہ میں، پس لیتے ہم ایک مٹھی کھجور کی اور ایک مٹھی منقی کی، پس ڈال دیتے ہم دونوں کو اس میں پھر اس پر پانی ڈال دیتے، پس صبح کو نبیذ بناتے تو آپ شام کو پیتے اور شام کو بناتے تو صبح کو نوش فرماتے، روایت کیا اس حدیث کو ابن ماجہ نے اور روایت کی گئی ہے ابن زیاد سے، کہا انہوں نے پلایا مجھ کو ابن عمر نے ایسا شربت کہ گھر تک جانا دشوار ہوگیا، پس دوسرے دن صبح کو میں ان کی خدمت میں آیا اور اس کیفیت سے خبر دی، فرمایا سوائے عجوہ کھجور اور خشک انگور کے نہیں دیا اور یہ محمول کیا گیا ہے پختہ پر اس لیے کہ روایت عبداللہ ابن عمر سے حرمت خام پانی منقی کی ہے اور جو کہ حدیث میں ممانعت خلیط کی آئی ہے محمول اوپر حالت قحط اور احتیاج کے ہے تا کہ نہ جمع کریں دو نعمتوں کو اور پڑوسی حاجت مند ہو، بلکہ ایک اپنے ہمسایہ کو دے ڈالے اور مباح ہونا خلیط کا وقت وسعت کے ہے اور یہ حمل کرنا منقول ہے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے انتہی

چار قسم کی شراب میں حد نہیں ہے

یہ چاروں قسمیں جو کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہیں امام صاحب اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حلال ہیں، اسی وجہ سے اس میں حد نہیں آتی، چنانچہ تبیین الحقائق میں ہے’’ فَإِنْ كَانَ مُبَاحًا عِنْدَهُمَا فَلَا يُحَدُّ شَارِبُهُ وَإِنْ سَكِرَ بِهِ ‘‘(۱) پس اگر ہو مباح نزدیک شیخین کے پس نہ حد مارا جائے گا پینے والا اس کا اگرچہ نشہ آجائے انتہی۔ پس مثال اس کی زعفرانی وغیرہ کی ہوگی کہ اگر زیادہ کھائی جائے نشہ آجاتا ہے، مگر کسی کے نزدیک حد نہیں آتی غرض کہ حلال شی میں حد نہیں بالاتفاق گو اس کی حلت اور حرمت میں کلام ہو، مگر ان چار میں سے پئے گا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک حد اس لیے آجائے گی کہ ان کے نزدیک حرام ہے اور امام صاحب کے نزدیک اخیر پیالہ جس میں نشہ آجائے حرام ہے بسبب سکر کے مگر حد نہیں آتی اس لیے کہ حد میں بوجہ حلال شی کے شبہ آگیا اور ردالمحتار میں ہے:

قَالَ الْإِتْقَانِيُّ وَقَدْ أَطْنَبَ الْكَرْخِيُّ فِيْ رِوَايَةِ الْآثَارِ عَنِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ بِالْأَسَانِيْدِ الصِّحَاحِ فِيْ تَحْلِيْلِ النَّبِيْذِ الشَّدِيْدِ، وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْأَكَابِرَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَهْلِ بَدْرٍ كَعُمَرَ وَعَلِيٍّ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَأَبِيْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عنهم كَانُوْا يُحِلُّوْنَهُ، وَكَذَا الشَّعْبِيُّ وَإِبْرَاهِيْمُ النَّخْعِيُّ، وَرُوِيَ أَنَّ الْإِمَامَ قَالَ لِبَعْضِ تَلَامِذَتِهِ إِنَّ مِنْ إِحْدَى شَرَائِطِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنْ لَا يُحَرِّمَ نَبِيْذَ الْجَرِّ، وَفِي الْمِعْرَاجِ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ لَوْ أُعْطِيْتُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا لَا أُفْتِيْ بِحُرْمَتِهَا لِأَنَّ فِيْهِ تَفْسِيْقَ بَعْضِ الصَّحَابَةِ وَلَوْ أُعْطِيْتُ الدُّنْيَا لِشُرْبِهَا لَا أَشْرَبُهَا لِأَنَّهُ لَا ضَرُوْرَةَ فِيْهِ وَهٰذَا غَايَةُ

۱......تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الاشربہ، ج۶، ص۴۶

۲......تبیین الحقائق، ج۶، ص۴۷، مطبع سابق

تصفوا انه (۱) یعنی کہا اتقانی نے کہ تحقیق طول دیا ہے علامہ کرخی نے روایت آثار صحابہ اور تابعین میں ساتھ صحیح اسنادوں کے بیان میں حلال کرنے نبیذ تیز کے، اور حاصل یہ ہے کہ اکابر صحابہ رسول اللہ ﷺ کے اور اہل بدر کے مثل عمر اور علی اور عبداللہ بن مسعود اور ابومسعود رضی اللہ عنہم کے حلال جانتے تھے نبیذ کو اور ایسا ہی شعبی اور ابراہیم نخعی حلال کہتے تھے، اور روایت کی گئی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا اپنے بعض شاگردوں سے کہ تحقیق شرائط سنت وجماعت سے ایک یہ بھی ہے کہ حرام نہ کی جائے نبیذ مسعود چوں کی، اور معراج الدرایہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا اگر تمام دنیا بھی مجھ کو دی جائے تو بھی حرمت نبیذ کا فتویٰ نہ دوں کیونکہ اس میں بعض صحابہ کو نعوذ باللہ فسق کی طرف منسوب کرتا ہے اور اگر مجھ کو اس کے پینے کے واسطے دنیا دیں تو نہیں پیوں گا، اس لیے کہ اس کے پینے کی کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اور یہ کمال تقویٰ امام صاحب کا ہے انتہی

اور ردالمحتار میں لکھا ہے کہ ابوحفص کبیر "ان اشربه" سے سوال کیے گئے، فرمایا حلال نہیں، پس کہا گیا ان سے کہ تم نے شیخین کی مخالفت کی، فرمایا وہ حلال جانتے تھے واسطے گوارا ہونے کھانے کے، اور آدمی آج کل پیتے ہیں واسطے فسق وفجور اور لہو ولعب کے، اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر اس کے پینے سے نشے کا ارادہ کرے گا تو قلیل اور کثیر دونوں حرام ہو جائیں گے، اور اس کے واسطے بیٹھنا اور چلنا دونوں حرام ہیں انتہی۔ (۲)

ان چاروں شرابوں کا پینا حلال ہے بشرطیکہ نشہ نہ ہو، ورنہ حرام، مگر اس میں حد نہیں ہے

غرض کہ یہ چار چیزیں اگر کوئی شخص اس قدر پیئے کہ نشہ نہ آئے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور جو نشہ آ جائے تو حرام ہے، اس لیے کہ حرمت نشے کی بالاتفاق ہے مگر حد امام صاحب کے نزدیک لازم نہیں آتی، کیونکہ حد تو ادنیٰ شبہ میں ساقط ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے سکر کی تعریف امام صاحب نے وجوب حد میں ایسی بیان کی کہ جس میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے، کیونکہ اور اقسام میں تفاوت ہوا کرتا ہے اور ہذیان کے معنی میں شبہ ہوتا ہے کہ قول عمر رضی اللہ عنہ "اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ" (۳) کے منافی ہوں، کیونکہ شراب کی حرمت میں یہ قول وارد ہوا ہے اور امام صاحب نے بھی حق حرمت شراب میں سکر کی تعریف یہ بیان کی ہے تو جواب اس کا یہ ہے جو فتح القدیر میں لکھا ہے "لِاَنَّ الْمُتَعَلِّقَ اِذَا كَانَ يَهْذِيْ سُمِّيَ سَكْرَانًا، وَتَأَيَّدَ بِقَوْلِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اِذَا سَكِرَ هَذٰى" اس لیے کہ جب آدمی ہذیان بکنے لگتا ہے تو عرف میں سکران کہتے ہیں، اور قوت پائی ہے اس قول نے ساتھ قول علی رضی اللہ عنہ کے کہ جس وقت نشے میں آئے گا بیہودہ بکے گا انتہی۔ (۴)

حرمت نبیذ کا سبب اور امام اعظم کا نشہ بالفعل مراد لینا

۱......رد المحتار، ج۱۰، ص۳۳

۲ــــــمرجع سابق

۳ــــــبلوغ المرام، ص۲۵۹، رواہ البخاري، حديث رقم ۵۵۸۱، و مسلم حديث رقم ۳۰۳۲

۴ــــــفتح القدير، كتاب حد الشرب، ج۵، ص۲۹۹

یعنی جس وقت صحابہ نے مشورہ کیا تھا کہ شراب پینے والے کی حد کس قدر ہونی چاہیے پس ہر ایک نے جس کی رائے میں جو آیا بیان کیا اور علی ؓ نے فرمایا جب وہ نشے والا ہوگا بیہودہ بکے گا اور ہذیان بکا تو افترا اور تہمت کرے گا اور مفتری کے واسطے کتاب اللہ میں اسی درے آئے ہیں، پس اس رائے کو صحابہ نے اچھا جانا اور اسی پر سب نے اتفاق کیا، اور ظاہر ہے کہ جب مخامرت عقل ہو جاتی ہے تو ہذیان اس کے واسطے لازم ہے، اصل ہذیان کی مخامرت ہے، علامت مخامرت کی ہذیان ہے، ورنہ مخامرت کیوں کر معلوم ہو سکتی اور حد صاحبین کے نزدیک کیونکر آ سکتی ہے نشہ باز کے قول کا تو حد میں اعتبار نہیں، کیونکہ اس کے فہم میں فتور آ گیا اور اس کے کلام کا اعتبار نہیں رہا، پس کیوں کر اس پر حد قائم ہو سکتی ہے جب تک کہ کوئی علامت نہ پائی جائے، اور ہر شخص مخامرت کس طرح جان سکتا ہے جب تک کہ کوئی علامت نہ دیکھے، ہاں جب اعتقاد کرے گا کہ اگر یہ پیالہ پیوں گا تو ہذیان پیدا ہو جائے گا البتہ اس سے باز رہے گا اور آگے ترقی نہ کرے گا کہ اس میں امام صاحب کے نزدیک حد واجب ہے، غرض آدمی کو اگر عقل ہے تو خوب سمجھے گا کہ جس نے جو معنی بیان کیے اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے اس سے مخالفت نہیں لازم آتی اور جو شخص لفظ ہی کو خیال کرے کہ یہی لفظ بعینہ کیوں نہ کہا اور معانی کی طرف مطلق نہ جائے تو ایسے شخص سے کچھ بحث نہیں وہ تو بحث ہی سے خارج ہے، اور وہ جو حدیث میں ممانعت آئی ہے سو وہ بروقت مسکر ہونے کے ہے، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کیا وہ نشہ لاتی ہے سائل نے عرض کیا ہاں، اس سے معلوم ہوا کہ نشہ کی وجہ سے حرام ہے یہ اس حدیث سے نہیں نکلا کہ جس کے پینے سے نشہ نہ آئے وہ بھی حرام ہے، گو اس میں صلاحیت نشے کی ہو مگر جب تک نشہ نہ آئے گا حرمت اس کی ثابت نہیں، پس امام صاحب تو نشہ بالفعل لیتے ہیں اور دوسروں کے نزدیک بالقوہ معتبر ہے، اسی واسطے امام صاحب فرماتے ہیں کہ جس کا نشہ ہے اسی پیالے کا اعتبار ہوگا، اور مثال اس کی ایسی سمجھنی چاہیے کہ جیسے کھانا اس قدر کھانا کہ جس سے بدہضمی نہ ہو حلال ہے اور جس لقمے سے بدہضمی آئے حرام ہے پہلے لقمے حرام نہیں، ایسا ہی کپڑے میں نجاست لگے مثل خون کے اگر تھوڑا ہو مفسد صلوۃ نہیں اور جو اس سے زیادہ ہو تو اخیر کا جز مفسد نماز ہوگا اور کپڑا نجس کر دے گا پہلا جز حرام نہ ہوگا، ایسا ہی جو شخص نفقہ اپنے اہل و عیال کو دیتا ہے حلال ہے، پس اگر اسراف کرے گا تو وہ زیادتی حرام ہو جائے گی پہلا حرام نہیں، اسی طرح کشتی میں بوجھ رکھا ہے اور اخیر کے بوجھ ایک من رکھنے سے مثلاً کشتی غرق ہو گئی تو ضمان اس ایک من رکھنے والے پر آ جائے گا پہلے بوجھ رکھنے والوں سے کچھ سروکار نہیں، ایسا ہی اخیر کا پیالہ جو مسکر ہے حرام ہوگا پہلے پیالے حرام نہیں ہوں گے اور قلیل حرام ہونے کی حدیث خاص خمر میں ہے، چنانچہ تقریر علامہ عینی سے معلوم ہوا، یا یوں کہیے کہ کثیر میں جو قلیل ہے جس سے نشہ آیا ہے وہ حرام ہے اس لیے کہ باعث نشہ کا وہی قلیل ہے، پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جس کا کثیر نشہ لائے اس کثیر کا جو قلیل ہے حرام ہے اور یہ معنی نہیں کہ بغیر کثیر کے بھی قلیل حرام ہے جس سے نشہ نہ آئے، اور ابوداؤد اور ابن ماجہ کی حدیث جو آپ بطور تشنیع کے لائے ہیں اس کا جواب ابونصر بغدادی نے شرح قدوری میں لکھ دیا ہے:

"مَا رَمَیْتَ بِهٰذَا الْقَوْلِ اَصْحَابَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاِنَّمَا السَّلَفَ الصَّالِحَ اَرَدْتَ بِذٰلِكَ وَلَمْ یُمْكِنْكَ التَّصْرِیْحُ بِذٰلِكَ لِاَنَّ اَصْحَابَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ لَمْ یَبْتَدِعُوْا فِیْ ذٰلِكَ قَوْلًا بَلْ قَالُوْا بِمَا قَالَهٗ اَئِمَّةُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ وَوُجُوْهُ التَّابِعِیْنَ وَكَیْفَ یُظَنُّ بِعَلِیٍّ وَبِعُمَرَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ وَعَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ وَاِبْرَاهِیْمَ رضی الله عنهم اَنَّهُمْ شَرِبُوا الْخَمْرَ وَغَلِطُوْا فِیْ اِسْمِهَا"

یعنی نہیں طعن کیا تو نے اس قول سے اصحاب امام صاحب پر بلکہ مراد تیری اس طعن سے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، لیکن تصریح ان کے نام کی نہ کر سکے تو اس لیے کہ اصحاب امام صاحب نے کوئی قول اس میں اپنی طرف سے نہیں نکالا بلکہ وہ بات کہی جس کو اصحاب کبار رسول اللہ ﷺ نے اور بڑے بڑے تابعین نے کہا ہے۔ اور کیونکر گمان ہو سکتا ہے حضرت علی اور عمر اور ابن مسعود اور ابن عباس اور عمار بن یاسر اور علقمہ اور اسود اور ابراہیم رضی اللہ عنہم پر کہ انہوں نے شراب پی اور نام میں غلطی کی انتہی (۱)

حاصل تقریر کا یہ ہے کہ اس میں کسی طرح سے مخالفت نہیں ورنہ نعوذ باللہ صحابہ تک سوء ادبی لازم آئے گی، ہاں البتہ فتویٰ اس میں بنظر احتیاط امام محمد کے قول پر ہے اور صحیح یہی ہے کہ ان کے پینے سے بھی حد لازم آتی ہے اور قلیل اور کثیر ان کا حرام ہے واللہ اعلم

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف قرآن اور حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے محرمات ابدی مثل ماں اور بہن اور بیٹی اور ان کے سوا جن کو حرام کیا ہے خدا نے جان کر نکاح کرے اور صحبت کرے ان سے تو بھی ان پر حد نہیں آتی، اس لیے کہ محل شبہ ہے، کیونکہ تمام بیٹیاں آدم کی موضوع ہیں اولاد کے لیے اور وہ مقصود اس جگہ بھی حاصل ہے الخ۔

کشف کید ہشتادونہم

اقول: آپ نے موافقت کا نام مخالفت رکھا ہے، اس میں ہرگز مخالفت نہیں پائی جاتی، آپ کا قیاس مع الفارق ہے، مسئلہ کچھ ہے اور آپ حدیث کچھ لاتے ہیں، حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ جو شخص اپنی ماں یا اور کسی محرم سے نکاح کرے تو حضرت ﷺ نے اس کا سر کاٹنے کو اور مال لینے کو فرمایا، اس میں فقط نکاح کا ذکر ہے وطی کا بیان نہیں ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص والدہ سے نکاح کرنے کو حلال جانتا تھا اور حکم شریعت کا انکار کرتا تھا، چنانچہ لمعات میں ہے "كَانَ الرَّجُلُ اِعْتَقَدَ حِلَّهٗ وَاَنْكَرَ حُكْمَ الشَّرِیْعَةِ فَكَانَ مُرْتَدًّا فَلِذٰلِكَ اَمَرَ بِقَتْلِهٖ وَاَخْذِ مَالِهٖ" (۲) یعنی وہ شخص اعتقاد رکھتا تھا اس نکاح کے حلال ہونے کا اور انکار کرتا تھا حکم شرعی کا، پس تھا وہ مرتد، پس اسی وجہ سے حکم کیا آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا اور مال چھین لینے کا انتہی۔

۱......شرح قدوری بکتاب الاشربة
۲ــــــلمعات، باب المحرمات

حدود تعزیر میں فرق

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بوجہ مرتد ہونے کے آپ نے اس کے قتل کا اور اس کے مال چھین لینے کا حکم فرمایا، پھر امام صاحب کا مسئلہ اس حدیث کے مخالف کیسے ہوسکتا ہے؟ علاوہ اس کے قتل کرنا تعزیر کے منافی نہیں بلکہ سوا حد کے جو شارع کی طرف سے معین ہے سب تعزیر میں داخل ہے، نصاب التعزیر میں ہے "وَالْفَرْقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَدِّ عَلٰى مَا فِيْ فَتَاوٰى نِصَابِ الْاِحْتِسَابِ اَنَّ الْحَدَّ مُقَدَّرٌ وَالتَّعْزِيْرَ مُفَوَّضٌ اِلٰى رَاْيِ الْاِمَامِ وَاَنَّ الْحَدَّ يَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ وَالتَّعْزِيْرَ يَجِبُ مَعَ الشُّبُهَاتِ" (۱) یعنی فرق درمیان تعزیر اور حد کے جیسا کہ نصاب الاحتساب میں ہے یہ ہے کہ حد معین ہے اور تعزیر رائے امام پر مفوض ہے اور حد شبہ سے زائل ہو جاتی ہے اور تعزیر باوجود شبہ کے واجب ہوتی ہے۔

نکاح محارم شبہات عقد میں داخل ہے

اور درمختار وغیرہ میں لکھا ہے "وَيَكُوْنُ التَّعْزِيْرُ بِالْقَتْلِ" (۲) یعنی تعزیر قتل سے بھی ہوتی ہے انتہی پس اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قتل کرنا بھی تعزیر ہے مگر تعزیر جب ہوگی کہ شبہ ہو، حد شبہ میں ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ حدیث "اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (۳) یعنی ساقط کردیا کرو حدود کو شبہ سے جہاں تک استطاعت رکھتے ہو انتہی اس پر دلالت کرتی ہے کہ کچھ بھی شبہ ہو تو حد ساقط کرنی چاہیے، باقی رہا تعین شبہ کا سو کچھ حدیث اور قرآن میں صراحۃً کہیں مذکور نہیں بلکہ ہر ایک نے استنباط کیا ہے، امام صاحب نے نکاح محرمات کو بھی شبہات میں داخل کیا ہے، پس اب آپ کا یہ فرمانا کہ پیغمبر کے حق میں یہ اعتقاد کرتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلے کو نہیں سمجھا انتہی نہایت بے موقع اور بے محل ہے، جناب من خود آپ نہیں سمجھے جو ایسا شبہ وارد کیا بیشک آپ کے حق میں ہمارا بھی اعتقاد یہی ہے کہ بالکل آپ مطلب حدیث کا نہیں سمجھے۔

مؤلف ظفر کا فتح القدیر کی عبارت کا نہ سمجھنا

دیکھو خلاصہ فتح القدیر کا بیان ہوتا ہے، یعنی نزدیک امام صاحب کے نفس عقد سے حد لگانے میں شبہ ہو جاتا ہے اگرچہ اس عقد کی تحریم پر اتفاق ہو اور وہ جانتا بھی ہو اور نزدیک دوسروں کے جس وقت وہ جانتا ہو یہ شبہ نفس عقد کا ثابت نہ ہوگا، اس عبارت عربی کو آپ یا تو سمجھے نہیں یا عمداً تغیر کردیا اور کہا عمداً نکاح کرنے سے محل شبہ نہیں، اس میں عمد اور غیر عمد کو کچھ دخل نہیں بلکہ امام صاحب کے نزدیک تو نفس عقد ایسی شی ہے جس سے حد میں شبہ واقع ہو جاتا ہے گو وہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، پس امام صاحب اور سفیان ثوری اور امام زفر یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے نکاح محارم سے کیا اور پھر وطی کی تو حد اس پر واجب نہ ہوگی گو جانتا ہو لیکن مہر واجب ہو جائے گا، البتہ اس کو تعزیر اشد جو سب تعزیروں میں زیادہ ہو سیاسۃً دی جائے گی، اس کے واسطے کوئی

۱......نصاب التعزیر

۲ــــــدر مختار، باب التعزیر، ج ۶، ص ۱۰۷

۳ــــــبلوغ المرام، کتاب الحدود، ص ۲۵۳، دار الغد الجدید، منصورہ، مصر، رواہ البیہقی، ج ۸، ص ۲۳۸

حد شرعی مقرر نہیں۔

ایک شبہ کا جواب

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بی بی سے نکاح کیا تھا اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ گردن اس کی ماری جائے اور مال اس کا لے لیا جائے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مرتد تھا احکام شرعی کا انکار کرتا تھا، کیونکہ سوائے وطی کے اور فعل میں مثل نکاح وغیرہ کے حد نہیں آتی نہ کہ قتل کرنا اور کل مال کا لے لینا، پس اس کا باعث فقط ارتداد ہے، سو اس میں قتل بیشک آیا اس لئے کہ حد گردن مارنا اور مال لے لینا نہیں ہے بلکہ یہ تو لوازمات کفر سے ہے، پس صاحبین تو کہتے ہیں کہ محارم محل عقد نہیں اور امام صاحب فرماتے ہیں محل عقد ہیں اور دونوں میں نزاع لفظی ہے، اس لئے کہ جو نفی کرتے ہیں وہ باعتبار اس عاقد یعنی نکاح کرنے والے کے کہتے ہیں کہ اس کے لحاظ سے محل عقد نہیں ہو سکتے اور جو محل عقد کا ثبوت کرتے ہیں ان کے نزدیک قطع نظر اس عاقد کے محل عقد ہیں پس فی الجملہ محلیت نکاح کو امام صاحب ثابت کرتے ہیں، خاص بنظر ناکح کے نہیں کہتے، اسی وجہ سے اس کی علت یہ بیان کی کہ ان میں قابلیت مقاصد نکاح کی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اس ناکح کے اعتبار سے قابلیت نہیں، البتہ فی الجملہ ہے یہی امام صاحب کا مقصود ہے، اس لئے کہ شبہ وہ ہے جو مشابہ ثابت کے ہو اور خود ثابت نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہاں شبہ ثبوت بوجہ من الوجوہ پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے امام صاحب اشد تعزیر اس پر واجب کہتے ہیں، مگر حد کی عقوبت روا نہیں رکھتے، پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہاں زنا محض ہے، مگر اس میں شبہ عقد واقع ہو گیا ہے، پس مہر اور تعزیر ضروری ہے اور حدیث بھی اس قول کی تائید کرتی ہے " أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا "(۱) یعنی جو عورت نکاح کرے بغیر اذن اپنے ولی کے پس نکاح اس کا باطل ہے پس اگر وہ وطی کرے اس سے پس واسطے اس عورت کے مہر ہے بسبب جماع اس کے انتہی

شبہ عقد سے حد ساقط ہو جاتی ہے

یہاں آنحضرت ﷺ نے حکم بطلان کا فرمایا اور مہر واجب کیا اور یہاں بالاتفاق حد ساقط ہو جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ نفس عقد کو اتنا دخل ہے کہ حد ساقط کر دیتا ہے، ورنہ اگر نکاح نہ ہوتا تو حد لازم آتی، یہ فقط نکاح کی برکت ہے کہ باوجود باطل ہونے کے مہر لازم ہو گیا اور حد بالاتفاق ساقط ہو گئی ورنہ حد کے ساقط ہونے کی کوئی صورت نہ تھی پھر نکاح محرمات باطل سے تو کسی طرح زیادہ نہیں اس میں کیونکر شبہ عقد نہ ہوگا اور وہ ساقط نہ ہو گی؟ علی ہذا القیاس بروایت ابن عباس یہ حدیث " اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ "(۲) گذر چکی اور حضرت عمر کا قول ہے " لَأَنْ أُعَطِّلَ الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ

۱.......اخرجه الاربعة الا النسائي و ابو داؤد

۲.......الدرايه في تخريج احاديث الهداية، ص۲۹۳، مجلس بركات مبارك پور

أَقِيمُوا بِالشُّبُهَاتِ ''(۱) یعنی البتہ موقوف کرنا میرا حدود کو شبہات سے اچھا ہے میرے نزدیک اس سے کہ قائم کروں ان کو شبہات سے انتہی

اور دوسری حدیث بروایت حضرت معاذ بن جبل اور عبداللہ بن مسعود اور عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہم آئی ہے''

قَالُوا إِذَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ الْحَدُّ فَادْرَأْهُ ''(۲) یعنی کہا انہوں نے جس وقت مشتبہ ہو جائے تجھ پر حد پس دفع کر تو اس کو انتہی

اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ بعد ثبوت کے حلال نہیں ہے کہ موقوف کر دی جائے، اور ان آثار میں جرح کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ سے اس میں کوئی روایت ثابت نہیں بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بطریق ضعیف منقول ہے، اس لئے کہ بعض ان کا مرسل ہے، ہم کہتے ہیں کہ ارسال میں کچھ مضائقہ نہیں اور یہاں موقوف بھی حکم میں مرفوع کے ہے، اس لیے کہ واجب کو ساقط کر دینا بعد اس کے ثبوت کے شبہہ سے خلاف مقتضائے عقل ہے بلکہ مقتضائے عقل یہ ہے کہ بعد ثبوت کے شبہہ سے مرتفع نہ ہو، پس جب کہ اس کو صحابی نے ذکر کیا تو اس کو رفع ہی پر محمول کیا جائے گا۔ علاوہ اس کے تمام جہان کے فقہا کا اجماع کرنا اس پر کہ حدود شبہات سے ساقط کر دیے جاتے ہیں کفایت کرتا ہے، اسی واسطے بعض فقہا نے کہا کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے، اور بھی یہ سبب کہ قبول کیا ہے اس کو ایک جماعت نے اور بھی تتبع کلام نبی ﷺ و صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس مسئلے میں یقین ہو جاتا ہے، کیونکہ جب ماعز سے آپ نے باوجود اقرار صحیح کے یہ فرمایا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ لگایا ہوگا، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ تلقین کرتے تھے کہ کسی طرح ہاں کہہ دیں ورنہ اس دریافت کرنے میں اور کوئی فائدہ نہ تھا، سوا اس کے کہ انہوں نے ہاں کہا اور چھوڑا، اور بخلاف اس کے جس نے اقرار قرض کا کر لیا، اس سے آپ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ شاید تیرے پاس امانت ہوگی پھر ہلاک ہو گئی، ایسے ہی چور سے یہ نہ فرمایا کہ کیا تو نے چوری کی، مجھ کو گمان نہیں کہ تو نے چوری کی ہو، اور عامد یہ سے بھی اسی قسم کا کلام کیا، ایسی ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے فرمایا شاید سوتے میں وہ تیرے اوپر آ پڑا، یا زبردستی کی ہو، یا تیرے مولی نے تیرا نکاح کر دیا ہے، اور تو اس کو چھپاتی ہے، اور بہت اس کی نظیریں ہیں جن کا بیان کرنا طول کلام ہے۔

دفع حد میں حیلہ جائز ہے

پس حاصل ان سب تقریروں سے یہ ہوا کہ حد کے دفع کرنے میں حیلہ کرنا بیشک جائز ہے اور ان استفسارات سے بھی جو کہ دفع حد کے لیے قصد احتیال کا فائدہ دیتے ہیں معلوم ہے کہ بعد ثبوت کے تھے، کیونکہ بعد صریح اقرار ہی کے ثبوت ہوتا ہے جو جہاں پایا گیا، اور یہی ان آثار کا حاصل ہے، پس ان احادیث کے معنی بجہت شارح سے یقینی ہو گئے، اب اس میں کسی طرح کا شک نہ کرنا چاہئے اور اس کے منکرین کی طرف مطلق التفات نہ کرنا چاہیے اور نہ اعتماد کرنا چاہیے، البتہ کبھی بعض مواقع میں

۱۔۔۔۔۔۔الدرایہ، ص ۴۹۳، رواہ ابن ابی شیبہ
۲۔۔۔۔۔الدرایہ، ص ۴۹۳، اخرجہ ابن ابی شیبہ

اختلاف فقہا میں واقع ہوا ہے کہ آیا یہ شبہ قابلیت دفع کی رکھتا ہے یا نہیں، سو ہمارا تو قول یہ ہے کہ شبہ وہی ہے جو مشابہ ثابت کے ہو اور ثابت نہ ہو اتنی تفصیل فتح القدیر اور زیادہ تفصیل وتحقیق اس مسئلے کی جناب مولوی ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی مرحوم نے ''رسالہ القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم'' میں کی ہے، پس امام صاحب نے نکاح محرمات کو بھی داخل شبہات کیا ہے، اگر آپ کو اس میں شبہ ہے تو اس کے دفع میں آپ نے کوئی حدیث پیش کیوں نہیں کی یا کسی آیت سے سند لائے ہوتے، امام صاحب کی جو حجت ہدایہ میں مذکور ہے اس کی رد میں آپ نے دو جواب لکھے ہیں جس کا خلاصہ ۔ چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا ☆ کہنا چاہئے، مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ ، اس میں محض آپ نے اپنی رائے کو دخل دیا ہے، جب آپ کو کوئی حدیث نہیں ملتی تو حنفیہ پر اسی عنایت کیوں ہے کہ خود آستین چڑھا کر لڑنے کو مستعد ہو جاتے ہیں، پھر اس سے کچھ بحث نہیں کہ الفاظ اور معنی کو ربط ہے یا نہیں، بلکہ تا مقدور کلام میں ربط نہیں دیتے، اتفاقیہ کہیں ہو جائے تو معذور ہیں، اور جب کچھ نہ بن پڑے تو بطور خلاصہ فرمانے لگے، بغرض کہ حنفیہ نہ تو قرآن کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اور نہ حدیث کی الخ

قرآن سے نکاح محرمات میں حد ثابت نہیں

جناب من! قرآن اور حدیث کی مخالفت سے حنفیہ تو بیشک ڈرتے ہیں مگر فرقہ ظاہریہ کی مخالفت سے البتہ ان کو کچھ باک نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں نکاح محرمات کے لیے کہیں حد نہیں آئی ہے، باقی رہی حدیث سو اول تو وہ مرتد کے واسطے ہے، چنانچہ عبارت لمعات و فتح القدیر سے معلوم ہوا، علاوہ اس کے قتل بھی تعزیر ہے، البتہ کسی حدیث میں رجم یا سودرے آئے ہوں اور خاص اسی واقعہ میں ہو تو اس وقت بیشک ہم امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیں گے اور جب قول ان کا ہر طرح سے موافق ہو تو پھر ہم کو نعوذ باللہ ان سے کچھ عداوت تو ہے نہیں جو مثل آپ کے بے انصافی کریں اللہ ایسے تعصب سے بچائے۔

قال: اور ایک مسئلہ معظم جو کہ مخالف حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور در مختار اور فتاوی عالمگیری وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے'' وَاِحْصَانُ الرَّجْمِ اَنْ یَّكُوْنَ حُرًّا عَاقِلًا بَالِغًا مُسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً نِكَاحًا صَحِيْحًا وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلٰى صِفَةِ الْاِحْصَانِ ''(۱) یعنی اور محصن ہونا منحصر ہونے کا یہ ہے کہ ہو زانی آزاد، عاقل، بالغ مسلمان اور یہ کہ صحیح نکاح کر چکا ہو اور زانی اور زانیہ اوپر صفت محصن ہونے کے ہوں الخ

کشف کید ہشتاد و ششم

مسئلہ رجم سے متعلق حد شبہ کے دو جوابات

اقول: اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ حکم رجم کا توریت سے موافق یہودیوں کے دیا گیا تھا، کیونکہ جب تک

۱......ھدایہ، کتاب الحدود، ص ٤٩٦

آیت رجم نازل نہیں ہوئی تھی، چنانچہ شرح موطا امام محمد میں ملا علی قاری لکھتے ہیں ” وَالْجَوَابُ عَنْ رَجْمِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِلْيَهُوْدِيَّيْنِ اَنَّهٗ كَانَ بِحُكْمِ التَّوْرَاةِ قَبْلَ اَنْ يُّنَزَّلَ حُكْمُ الْقُرْاٰنِ ، فَلَمَّا نَزَلَ نُسِخَ ذٰلِكَ وَالْحُكْمُ بِالْمَنْسُوْخِ بَاطِلٌ “(۱) یعنی جواب رجم یہودیین کا یہ ہے کہ یہ رجم حکم توریت سے پہلے نازل ہونے حکم قرآنی کے تھا، پس جب کہ حکم قرآنی نازل ہوا یہ حکم منسوخ کردیا گیا اور حکم ساتھ منسوخ کے باطل ہے انتہی

احصان کے واسطے اسلام شرط ہے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ وقت رجم کے احصان میں اسلام شرط نہ تھا، گو رجم موافق شرع کے تھا، جب آنحضرت ﷺ نے ” مَنْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُحْصَنٍ “(۲) فرمایا اس وقت سے اسلام شرط احصان ہو گیا، چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ اس حدیث کو اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اس طور سے بیان کیا ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے عبدالعزیز بن محمد نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ نے، انہوں نے روایت کی نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرمایا آپ نے: جو شخص مشرک ہے وہ محصن نہیں، روایت کیا اس کو دار قطنی نے اپنی سنن میں اور اس حدیث کی قوت دینے والی وہ حدیث ہے جس کو بقیہ بن الولید نے عتبہ بن تمیم سے روایت کی ہے، انہوں نے علی بن ابی طلحہ سے، انہوں نے کعب بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہ تحقیق انہوں نے ایک یہودیہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، پس فرمایا آنحضرت ﷺ نے مت نکاح کر اس سے اس لیے کہ وہ یہودیہ تجھ کو محصن نہیں کردے گی، اور یہ حدیث منقطع ہے اور تو جانتا ہے کہ انقطاع بعد عدالت راویوں کے نزدیک ہمارے ارسال میں داخل ہے، بہرحال پہلی حدیث کی یہ حدیث شاہد ہے، پس حجت ہوگی اور ظاہر قول آنحضرت ﷺ سے کہ کیا پاتے ہو تم توریت میں شان رجم میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ رجم شرع میں تھا، ایسا ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام شرط نہ تھا ورنہ آنحضرت ﷺ رجم نہ کرتے، کیونکہ شریعت یہودیوں کی منسوخ ہوگئی تھی، بلکہ جو خدا حکم نازل کرتا وہی حکم فرماتے، اور سوال ان سے اس وجہ سے آنحضرت ﷺ نے کیا تھا تا کہ ان کو الزام دیں کہ جو احکام تم پر نازل ہوئے ہیں ان کو ترک کرتے ہو پس حکم رجم کا اسی شرع سے جو رجم میں موافق ان کی شرع کے تھا صادر ہوا، پس وقت رجم کے رجم اس شرع میں ثابت تھی مگر بلا شرط اسلام کے پس جب حدیث مذکور ثابت ہوگئی اور تاریخ معلوم نہیں ہوئی کہ جس سے معلوم ہو کہ قول پہلے ہے یا فعل، پس تعارض واقع ہوا، اب مرجح اس کا چاہیے اور قول مقدم ہوتا ہے فعل پر انتہی ملتقطا (۳)۔ یعنی یہ حدیث قول آنحضرت ﷺ کا ہے اور رجم فعل ہے، پس اس قول کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ قول فعل پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کہ فعل میں تو احتمال خصوصیت وغیرہ کا موجود ہے۔

۱......شرح موطا امام محمد، باب الرجم للملا علی قاری
۲......درایہ، ص ۲۹۰، مجلس برکات مبارک پور
۳......فتح القدیر، کتاب الحدود، ج۵، ص ۲۲۷

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نہ مارے حد مولیٰ غلام اپنے کو مگر ساتھ اذن امام کے الخ

کشف کید ہشتاد وہفتم

اقول: شرح کنز الدقائق میں عینی نے لکھا ہے " وَلَنَا مَارُوِیَ عَنِ الْعَبَادِلَةِ الثَّلٰثَةِ مَوْقُوْفًا وَمَرْفُوْعًا اَرْبَعَةٌ اِلَی الْوُلَاةِ اَلْحُدُوْدُ وَالصَّدَقَاتُ وَالْجُمُعَاتُ وَالْفَیْءُ، وَعَنْ عَلِیٍّ مِثْلُهُ وَالْمُرَادُ بِمَا رُوِیَ التَّسَبُّبُ بِالْمُرَافَعَةِ اِلَی الْحُکَّامِ لَا الْمُبَاشَرَةُ بِغَیْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ اَوْ یَکُوْنُ ذٰلِکَ اِذْنًا مِنْهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِلْمَوَالِیْ بِاَنْ یُقِیْمُوْا الْحُدُوْدَ عَلَیْهِمْ وَعِنْدَنَا تَجُوْزُ اِقَامَتُهٗ لِلْمَوْلٰی بِاِذْنِ الْاِمَامِ " یعنی اور ہماری دلیل وہ ہے جو عبادلہ ثلاثہ یعنی ابن مسعود و ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت موقوف اور مرفوع آئی ہے کہ چار چیزیں حکام کے اختیار میں ہیں، حدود اور صدقات اور جمعات اور غنیمت، اور علی سے بھی ایسا ہی مرفوع ہے اور مراد اس سے جو مروی ہے سبب کرنا مولیٰ کا ہے واسطے مرافعہ کے طرف حکام کے نہ خود بغیر اذن امام کے حد قائم کرنا یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے موالی کو اذن دیا ہو کہ حدود غلاموں پر قائم کریں اور نزدیک ہمارے جائز ہے حد قائم کرنا مولیٰ کا اذن امام سے انتہی۔ (۱)

مولیٰ کو غلام پر حد لگانا اذن امام سے جائز ہے

خلاصہ یہ ہے کہ یا تو ان کو باختیار سبب کے فرمایا کہ حکام کو اطلاع کر دیا کریں اور کچھ شفقت بوجہ مملوکیت کے حدود میں نہ کیا کریں، یا خود ان کو فرمایا کہ تم حد قائم کیا کرو مگر اس میں اذن اور غیر اذن کا کچھ ذکر نہیں، پس ان حدیثوں سے جو عبادلہ ثلثہ سے مروی ہے معلوم ہوا کہ حد مولیٰ قائم کرے مگر امام کے اذن سے ہو، اگر بعد اذن امام کے حد قائم کریں گے تو بھی یہ حدیث حد قائم کرنے کی ان پر صادق آئے گی، یہی تطبیق سب احادیث میں ہو جائے گی، آخر اس میں تو سب کا اجماع ہے کہ اگر مولیٰ اپنے ہاتھ سے حد نہ مارے بلکہ دوسرے کو حکم کرے تو بھی خلاف حدیث نہ ہوگا حالانکہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے، اسی طرح یہاں سمجھنا چاہیے کہ بعد اذن امام کے خلاف حدیث نہ ہوگا، البتہ اگر حدیث میں تصریح ہوتی کہ بغیر اذن کے حد مارنی چاہیے تو بیشک خلاف حدیث لازم آتا، بلکہ دوسری حدیث سے تو اذن امام ثابت ہوتا ہے، اور اس حدیث کی مؤید وہ حدیث ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں حسن بصری سے اور دوسری عطائی خراسانی سے اور تیسری عبداللہ بن جریر سے اسی مضمون کی آئی ہے، (۲) کو مرفوع نہ ہو مگر ایسے ایسے محققین بغیر کسی اصل کے ہرگز نہیں کہہ سکتے، پس اگر اس حدیث میں جو صحیحین میں وارد ہے مولیٰ ہی کی جانب اقامت حدود رکھی جائے مگر اذن امام ان حدیثوں سے اس میں کہا جائے تو کچھ حدیث اذن امام کا انکار نہیں کرتے، گو معترض صاحب کو انکار ہے پس اس صورت میں تو بلا تکلف مطلب درست ہے، اور اگر یعنی سبب لیا جائے تو بھی بعید

۱…… حاشیہ کنز الدقائق، ص۱٦٦، مطبوعہ ممبئی

۲…… عینی شرح ہدایہ، کتاب الحدود، ج٦، ص۲۸۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت

نہیں، اس قسم کے محاورات بہت آتے ہیں، قرآن شریف میں ہے" یَا هَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا "(۱) یعنی اے ہامان بنا تو واسطے میرے ایک محل انتہی۔ اور ظاہر ہے کہ بنانے والے معمار اور مزدور ہوں گے، اور مثلاً" قَتَلَ الْاَمِیْرُ فُلَانًا، وَنَادَی الْاَمِیْرُ فِی النَّاسِ "یعنی قتل کیا بادشاہ نے فلاں شخص کو اور منادی کی بادشاہ نے آدمیوں میں انتہی۔ ظاہر ہے کہ قتل کا سبب بادشاہ ہے، باعتبار سبب کے اس کی طرف نسبت کر دی ہے، اسی طرح ندا کرنے والا اور شخص ہوتا ہے، فقط بوجہ سبب کے بادشاہ کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے، غرض اگر غور کیا جائے تو مخالفت کا نام ونشان بھی نہیں، ورنہ بے انصافی سے گھر میں بیٹھے جہاں چاہو مخالفت کہہ دو، ہاں منصف آدمی ایسے اشارات کو خوب سمجھ جاتا ہے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس عورت کی شادی نہ ہوئی ہو اگر وہ زنا کرے تو اس کو شہر سے نکال دینا اور درے مارنے دونوں کام جائز نہیں الخ

اقول: امام صاحب شہر سے نکال دینے کا انکار نہیں کرتے، بلکہ اس کی حد ہونے کا انکار کرتے ہیں، اور اگر سیاست کیا جائے تو اس کا امام صاحب کو اقرار ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ نے تغریب کی ہے لیکن سیاسۃً تھی اور تغریب کا حد ہونا اگر تمام عالم بھی جمع ہو جائے گا ہرگز حدیث اور قرآن سے ثابت نہ ہو سکے گا، ہاں معترض صاحب اس کا حد ہونا اگر ثابت کرتے تو بیشک امام صاحب کا مسئلہ مخالف ہو جاتا، بلکہ امام صاحب کے قول کی تائید علی کے ارشاد سے ظاہر ہے" حَسْبُهُمَا مِنَ الْفِتْنَةِ اَنْ يُّنْفَيَا "یعنی ان دونوں کو فتنے کے واسطے جلاوطن کرنا کافی ہے انتہی (۲)

شہر بدر کرنا حد میں داخل نہیں

ایسا ہی ابراہیم نخعی سے مروی ہے اور عمر ؓ کے قول سے بھی اس کے سیاسۃ ہونے کی تائید نکلتی ہے، جب کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کو انہوں نے خیبر کی طرف جلاوطن کیا تو وہ ہرقل سے جاملا اور نصرانی ہوگیا پس فرمایا" لَا اُغَرِّبُ بَعْدَهٗ مُسْلِمًا "(۳) یعنی اب کسی مسلمان کو میں جلاوطن نہیں کروں گا انتہی، اگر تغریب حد ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ حضرت عمر ؓ اس کو موقوف کر دیتے، پس معلوم ہوا کہ سیاسۃ تھی، اس کا امام کو اختیار ہے، اگر مصلحت ہو جاری کرے اور اگر مصلحت نہ ہو موقوف کر دے، فقط حدیث سے اس کے قائم کرنے کی اجازت ہوگئی ہے، اگر مصالح مقتضی ہوں کرے، ورنہ ترک کر دے، بلکہ جہاں اس کا ثبوت ہے وہاں مصالح مقتضی تھے اس لیے جلاوطنی کی گئی، بلکہ تغریب حد کے ساتھ موقوف نہیں، اگر امام کی رائے کسی شخص کی نسبت بوجہ خوف فتنہ اس کے کے قرار پائی کہ اس شخص کا جلاوطن ہونا مناسب ہے تو بیشک امام کو اختیار ہے، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے نصر بن حجاج کو کہ جوان اور نہایت حسین تھا جس سے عورتوں کا فتنے میں پڑ جانے کا خوف تھا، جلاوطن کر دیا تھا حالانکہ حسن

۱.......سورہ بقرہ، آیت ۲۳۳

۲ ـــــ فتح القدیر، کتاب الحدود، ج۵، ص ۲۳۶

۳ ـــــ فتح القدیر، کتاب الحدود، ج۵، ص ۲۳۶

ایسی شی نہیں جس سے آدمی جلاوطن کیا جائے، مگر اس میں انہوں نے کوئی مصلحت سمجھی اور اس شخص نے عرض بھی کیا کہ حضرت میرا کیا گناہ ہے، فرمایا تیرا گناہ کچھ نہیں، میرا گناہ ہے اگر دار الہجرۃ کو تجھ سے نہ پاک کروں، پس نکال دیا اور وہ شخص روم چلا گیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ بلکہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ کا قول کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی نسبت جس نے زنا کیا تھا اور محصن نہ تھا ایک برس کی جلاوطنی اور قائم کرنے حد کا حکم فرمایا صاف دلالت کرتا ہے کہ جلاوطنی حد میں سے نہیں کیونکہ عطف حد کا جلاوطنی پر ہے۔ پس دونوں مغایر ہوں گے اور یوں کہنا کہ حد کا استعمال اپنے کسی کے جزء پر کیا گیا ہے اور دوسرے جزء پر عطف ہے تو یہ امر بعید ہے اور کوئی دلیل نہیں جس سے یہ مجاز واجب ہو جائے، اور الفاظ حدیث جو ذکر کئے گئے ہیں وہ اس کے مفید نہیں کیوں کہ جائز ہے کہ تقریب واسطے مصلحت کے ہو انتہی (۱)

علاوہ اس کے آیہ " اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي " سے یہ حدیث منسوخ ہے، چنانچہ شیخ الاسلام عینی اور علامہ ابن ہمام اور امام زیلعی نے تصریح اس کی خوب منفصل کر دی ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اس کو قتل کرنا چاہیے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے، سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ مسند امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ میں روایت ہے سمرہ سے کہ کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو شخص کہ قتل کرے گا اپنے غلام کو قتل کریں گے ہم اس کو اور جو شخص کہ کاٹے گا اعضا اپنے غلام کے کاٹیں گے ہم اعضا اس کے، اور کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن (غریب) ہے اور وہ روایت ہے حسن بصری کی ہے سمرہ سے، اور اختلاف کیا گیا ہے سننے میں اس کے اس سے اور ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ جو خصی کرے گا اپنے غلام کو خصی کر ڈالیں گے ہم اس کو، اور صحیح کہا حاکم نے اس زیادتی کو۔

کشف کید ہشتاد و نہم

اقول: یہ حدیث جمہور کے نزدیک الا ماشاء اللہ متروک الظاہر ہے، مرقات شرح مشکوۃ میں ہے: کہا خطابی نے یہ حدیث بطور زجر کے وارد ہوئی ہے تا کہ لوگ قتل غلام سے بچیں، پس اس فعل پر اقدام نہ کریں جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے والے کے حق میں جس وقت شراب پیے درے لگاؤ پھر اگر پیے پھر لگاؤ پھر فرمایا چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں اگر پھر پیے پس قتل کرو، پھر جب ایسا شخص جس نے چوتھی یا پانچویں مرتبہ شراب پی تھی آپ کی خدمت میں لایا گیا اس کو قتل نہ کیا، اور بعضوں نے اس حدیث کو محمول کیا ہے اس صورت پر کہ پہلے غلام ہو پھر اس کی ملک سے خارج ہو گیا ہو تو وہ حریت میں اس کے برابر ہے، اور بعضے اس طرف گئے کہ یہ حدیث منسوخ ہے قول اللہ تعالیٰ سے " اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ "(۲) یعنی حر بدلے حر کے

۱......فتح القدیر، کتاب الحدود، ج ۵، ص ۲۳۶

۲۔۔۔۔۔۔سورہ بقرہ، آیت ۱۷۸

اور غلام بدلے غلام کے انتہی کلام الخطابی۔

باتفاق ائمہ اربعہ غلام کا قصاص مولی سے نہیں لیا جائے گا

اور حنفیہ اس طرف گئے کہ حر دوسرے شخص کے غلام کے قصاص میں قتل کیا جائے اپنے غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ اور امام شافعی اور امام مالک کہتے ہیں کہ آزاد غلام کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے اگرچہ غیر کا ہی غلام ہو انتہی ۔(۱) اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے کہ غلام کا قصاص مولی سے نہ لیا جائے گا، چنانچہ ترمذی شریف میں ہے" لَيْسَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ قِصَاصٌ فِيْ النَّفْسِ وَلَا فِيْمَا دُوْنَ النَّفْسِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ "یعنی درمیان غلام اور مولی کے قصاص نہیں قتل کرنے میں اور نہ ماسوائے قتل میں انتہی (۲)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ چاروں اماموں کے نزدیک مولی اور غلام میں قصاص جاری نہیں ہوتا اور حدیث یا تو منسوخ ہے یا زجراور تنبیہ کے طور پر ارشاد ہوئی ہے جیسا کہ شارب خمر میں زجر فرمایا ہے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص درخت پر سے میوہ چراوے اس کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے بھی عمرو بن شعیب کی اس حدیث کا جو کہ مسئلہ چہل وہم میں ابوداؤد اور نسائی کی روایت سے قریب گزری۔(۳)

کشف کید نودم

درخت سے میوہ چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

اقول: مسئلہ ہدایہ کا تو یہ ہے جو شخص درخت پر سے میوہ چراوے تو ہاتھ اس کا نہ کاٹا جاوے اور اگر جرین سے چراوے تو ہاتھ کاٹا جاوے، معترض صاحب نے ہدایہ کی اول صورت لکھی اور اس کو حدیث جرین کے مخالف ٹھہرایا۔ ہم حیران ہیں کہ معترض صاحب کے کچھ دماغ میں بعجہ پیرانہ سالی کے خلل آ گیا یا روز ازل سے یہ بلادت اور کج ذہنی ان کے حصے میں آئی ہے غور کا مقام ہے کہ عدم قطع سرقۂ درخت میں ہے، مخفوظ جگہ یعنی جرین میں جو قطع ید حدیث میں وارد ہوا ہے اس میں تو ہدایہ میں بھی قطع ید لکھا ہے، اس میں تو ظاہری مخالفت بھی نہ تھی جو معترض صاحب نے اس پر طعن کیا، دعوی کچھ کرتے ہیں اور دلیل کچھ لاتے ہیں، ان کے دعوے اور دلیل میں ربط مطلق نہیں، مگر ہاں جاہل ان پڑھ لوگوں کے بہکانے کو ایک مسئلہ تو درخت سے سرقہ کا لکھا اور اس کو مخالف اس حدیث کے بتلایا جس میں لفظ جرین ہے یعنی اگر جرین سے جس کا ترجمہ معترض صاحب نے کھلیان کیا ہے میوہ چرایا جاوے تو ہاتھ کٹے گا، ہم پوچھتے ہیں کہ کیا درخت پر سے میوہ لینا اور کھلیان سے ایک سے ہے جو

۱.......مرقاة شرح مشكوة، حاشيه مشكوة،ص ۳۰۱،مجلس بركات

۲.......ترمذي، باب ما جاء في الرجل يقتل عبده،ص ۱۶۹

۳.......هدايه،باب ما يقطع وما لا يقطع فيه،ج ۲،ص ۳۰۶

مخالفت حدیث لازم آوے؟

ع برین عقل ودانش بباید گریست۔

آخر سو مسئلوں کا التزام بھی تو ضرور ہے وہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ ان کو کسی نہ کسی طرح پورا کرنا چاہیے، حنفیہ کے نزدیک بھی جرین سے اگر چرائے گا تو بیشک ہاتھ کاٹا جائے گا البتہ درخت پر سے چرانے میں قطع نہیں، چنانچہ ابوداؤد میں رافع بن خدیج کی روایت سے حدیث آئی ہے'' اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ ''(۱) یعنی تحقیق انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے نہیں قطع ہے پھل میں انتہی

جرین میں سے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا

اور ثمر کے معنی قاموس میں حمل الشجر کے لکھے ہیں،(۲) یعنی وہ پھل جو درخت میں لگا ہو، پھر حنفیہ نے کیا قصور کیا جو حدیث کے موافق کہہ دیا، اور جرین تو وہ جگہ ہے جہاں کھجوریں وغیرہ خشک کرنے کے واسطے جمع کی جاتی ہیں، اس میں قطع ید ہے، چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے ''وَالَّذِیْ یُؤْوِیْہِ الْجَرِیْنُ فِیْ عَادَتِھِمْ ھُوَ الْیَابِسُ مِنَ الثَّمَرِ وَفِیْہِ الْقَطْعُ ''(۳) یعنی وہ شئی جس کو جرین ٹھکانا دے ان کی عادت میں وہ خشک پھل ہوتا اور اس میں قطع ید ہے انتہی۔

مؤلف ظفر کا مغالطہ

غرض کسی فقہ کی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ جرین سے چوری کرنے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ درخت پر سے چوری کرنے میں قطع نہیں اور اس کی سند میں ابوداؤد کی حدیث ابھی ہم نے لکھ دی، پس موافق حدیث کے یہی مسئلہ ہے، دوسری جو صورت لکھے مخالف پڑے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جرین محفوظ ہوتا ہے اور درخت محفوظ نہیں ہوتا اس لئے سرقہ اس میں صادق آتا ہے اور اس میں نہیں آتا، پس معترض صاحب کی سمجھ کا پھیر تھا کہ سیدھی بات کو الٹا سمجھ گئے، ہدایہ میں تو کوئی حیلہ اس کی نہ تھی زبردستی واسطے اغوائے عوام کے یہ بھی لکھ دیا، مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ کون پوچھتا ہے۔

؎ چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا ۔۔۔ اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِیْ اَدِرْ کَاْسًا وَّنَاوِلْھَا

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص دس درہموں کی قیمت سے کم قیمت کی چیز چوری کرے اس کا ہاتھ نہ کاٹنا چاہیے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان تین حدیثوں کا الخ۔

۱۔۔۔۔۔۔ابوداؤد، باب ما لا قطع فیہ، ج۲، ص۲۰۶

۲۔۔۔۔۔۔قاموس، باب الراء، فصل الثاء

۳۔۔۔۔۔۔الجزء الاولان من الھدایۃ، ص۱۹۰، مجلس برکات مبارک پور

کشف کید ثودو ہم

دس درہم کی چوری میں بالاتفاق قطع ید ہے اس سے کم میں اختلاف ہے

اقول: جاننا چاہئے کہ ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے بعضے قائل ہیں کہ قیمت اس کی تین درہم تھی اور بعضے دس درہم بتلاتے ہیں، چنانچہ دو قسم کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، مگر دس درہم میں کسی کا بھی خلاف نہیں، اس لیے حدود میں اکثر دس درہم لیے تاکہ شبہ جس سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں نہ رہے، ابوداؤد میں ہے" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَطَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدَرَجُلٍ فِيْ مِجَنٍّ قِيْمَتُهٗ دِيْنَارٌ اَوْ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ "(۱) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ہاتھ بیچ سپر کے جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی کاٹا انتہی۔

اور نسائی میں ہے" عَنْ اَيْمَنَ قَالَ لَمْ يَكُنْ تُقْطَعُ الْيَدُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا فِيْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ وَقِيْمَتُهٗ يَوْمَئِذٍ دِيْنَارٌ "(۲) یعنی ایمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے نہیں ہاتھ کاٹا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مگر ایک ڈھال کی قیمت میں اور قیمت اس کی اس وقت ایک دینار تھی انتہی

اور ترمذی میں ہے" وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا قَطْعَ اِلَّا فِيْ دِيْنَارٍ اَوْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ (۳)" یعنی تحقیق روایت کی گئی ہے ابن مسعود سے کہ فرمایا انہوں نے نہیں قطع ہے مگر ایک دینار میں یا دس درہموں میں انتہی۔

اور دوسری روایت نسائی نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کی ہے کہ ڈھال کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دس درہم تھے انتہی۔(۴)

اور تیسری روایت نسائی کی عطا سے" قَالَ اَدْنٰى مَا يُقْطَعُ فِيْهِ ثَمَنُ الْمِجَنِّ وَثَمَنُ الْمِجَنِّ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ "(۵) یعنی کہا انہوں نے ادنی اس کا جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے قیمت سپر کی ہے اور قیمت ڈھال کی دس درہم ہیں انتہی اسی قسم کی روایتیں دار قطنی اور مسند ابی حنیفہ اور طبرانی اور مسند امام احمد اور عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں آئی ہیں اور موطا امام محمد میں ہے" وَقَالَ اَهْلُ الْعِرَاقِ لَا تُقْطَعُ الْيَدُ فِيْ اَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَرَوَوْا ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَعَنْ عُمَرَ وَعَنْ عُثْمَانَ وَعَنْ عَلِيٍّ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَعَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ فَاِذَا جَاءَ الْاِخْتِلَافُ فِي الْحُدُوْدِ اُخِذَ فِيْهَا بِالثِّقَةِ "(۶) یعنی اور کہا اہل عراق نے نہ کاٹا جاوے ہاتھ کمتر دس درہموں سے اور

۱......ابوداؤد، باب ما يقطع فيه السارق، ص ۶۰۲

۲......نسائی، باب القدر الذي اذا سرقه السارق قطعت يده، ص ۵۸۰۵۹ ۲، مختار اینڈ کمپنی دیوبند

۳......ترمذی، باب ما جاء في كم يقطع السارق، ص ۱۷۴، مجلس برکات مبارک پور

۴......نسائی، باب القدر الذي اذا سرقه السارق قطعت يده، ص ۵۸۰۵۹ ۲، مختار اینڈ کمپنی دیوبند

۵......نسائی، باب ما جاء في كم يقطع السارق، ص ۲۵۹، مطبع سابق

۶......موطا امام محمد، باب ما يجب فيه القطع، ص ۳۰۴، اشرفی بک ڈپو دیو بند

روایت کیا انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے اور عمر رضی اللہ عنہ سے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے اور علی رضی اللہ عنہ سے اور عبداللہ بن مسعود سے اور بہتوں سے پس جب کہ حدود میں اختلاف ہو تو جو امر حدود میں احوط ہو اس کو اخذ کرنا چاہیے انتہی

اور فتح القدیر میں ہے کہ ابن خسرو نے امام محمد کے واسطے سے جو حدیث امام صاحب سے روایت کی ہے کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، یہ حدیث متصل اور مرفوع ہے اور اگر موقوف ہے تو بھی اس کے واسطے حکم مرفوع ہونے کا ہے، کیونکہ مقدار شرعی میں عقل کو کچھ دخل نہیں، پس موقوف بھی مرفوع کا حکم رکھتی ہے انتہی۔(۱)

اور پیشہ کی جو معترض صاحب نے حدیث نقل کی ہے شاید پیشہ کے معنی انڈے کے سمجھے ہیں، یہ تو سوا بعض ظاہریہ کے کسی کا بھی مذہب نہیں، ورنہ جمہور کے نزدیک دس اور تین میں حکم دائر ہے، وہ پیشہ کے معنی خود کے لیتے ہیں، ایسا ہی بعضے روایتوں میں حبل کا لفظ بھی آیا ہے، اس کی تفسیر خود اعمش نے جو راوی اس حدیث کے ہیں کر دی ہے" وَاِنَّ مِنَ الْحِبَالِ مَا يُسَاوِيْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ "یعنی تحقیق بعضے رسیاں دس درہموں کی قیمت رکھتی ہیں انتہی

خلاصہ تمام تقریروں کا یہ ہے کہ دس درہم کی حد میں کسی کا اختلاف نہیں، اور کم میں صحابہ کا اختلاف ہے، چنانچہ مذکور ہوا، پس حدود میں ایسی صورت لیوے کہ جس میں کسی قسم کا شبہ بھی نہ ہو کیونکہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں، پس اعتراض معترض صاحب کا بیجا ہے، عقل ہو تو کچھ ان سے کہا جائے، اندھے کے آگے رونا آنکھیں کھوتا ہے ؎

زفیض بہرہ نیابد ضمیر کج طبعان　　　کجا بہار کند سبز شاخ آہورا

سوال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے قاضی کے حکم دینے کے بعد جس کی چوری ہوئی وہ اپنی چیز اگر چور کو بخش دے تو قاضی کو اس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں الخ

کشف کید نود و دوم

جب مالک اپنی چیز چور کو بخش دے تو چور کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں

اقول: اس حدیث سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ صفوان بن امیہ نے اس چادر کو دے دیا تھا اور سارق کو سونپ بھی دیا تھا تاکہ مسئلہ حنفیہ کا اس حدیث کے مخالف ہو، کیونکہ ہدایہ میں یہ شرط لکھی ہے کہ جب اس کو تسلیم کر دے گا اس وقت ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگر یہ صورت معترض صاحب ثابت کر دیں کہ ان کو تسلیم کر دیا ہو تو ہم بھی تسلیم کریں گے علاوہ اس کے یہ حدیث مضطرب ہے، اور اضطراب باعث ضعف ہوتا ہے، چنانچہ فتح القدیر میں لکھا ہے" وَلَمْ يَثْبُتْ اَنَّهٗ سَلَّمَهٗ اِلَيْهِ فِي الْهِبَةِ، ثُمَّ الْوَاقِعَةُ وَاحِدَةٌ، فَكَانَ فِي هٰذِهِ الزِّيَادَةِ اِضْطِرَابٌ وَالْاِضْطِرَابُ مُوْجِبٌ لِلضُّعْفِ، وَيَحْتَمِلُ كَوْنَ قَوْلِهٖ

۱......فتح القدیر، کتاب السرقة، ج، ص ۳۴۴

فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ كَانَ بَعْدَ الدَّفْعِ إِلَيْهِ، وَفِي ذَلِكَ لَا يَكُونُ مِلْكًا لَهُ قَبْلَ الْقَبْضِ "(١) یعنی اور نہیں ثابت ہے یہ امر کہ انہوں نے اس کو ہبہ میں سپرد کیا ہو اور واقعہ ایک ہے پس اس زیادتی میں اضطراب ہے اور اضطراب موجب ضعف ہے، اور احتمال ہے کہ صدقہ کہنا ان کا بعد الجانے چادر کے ہو اور اس میں ملک قبض سے پہلے نہیں ہوگی انتہی۔

پس مسئلہ ہدایہ کا حدیث کے کیونکر مخالف ہوسکتا ہے؟ معترض صاحب اپنے ذہن میں ایک بات خلاف حدیث متعین کر لیتے ہیں، اور بے دھڑک حکم مخالفت کا لگا دیتے ہیں، فقط مخالفت ان کے ذہن نارسا کی ہے، فی الواقع تو مخالفت ہرگز نہیں، عقلا اس کو خوب جانتے ہیں اور معترض صاحب کی دھوکے بازیاں بھی بخوبی پہچانتے ہیں کہ معترض صاحب کی آنکھوں پر تعصب اور حسد کا پردہ پڑا ہوا ہے، خواہی نخواہی بے جا یا بے زبردستی ہر مسئلے میں الزام مخالفت حدیث کا لگا دیتے ہیں، در حقیقت الزام سفاہت اور جاہلیت کا اپنے اوپر لیتے ہیں۔

بھلا اس میں کسی کا جرم کیا ہے　　　　نصیبوں سے تجھے اپنے گلہ ہے

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ذی محرم کو کوئی چیز بخش دے تو اس کو واپس لے نہیں آتی، اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ میں روایت ہے الخ

کشف کید نود و سوم
ذی رحم محرم کو ہبہ کی ہوئی شئی واپس نہ لی جائے

اقول: بیہقی اور دار قطنی اور مستدرک میں روایت ہے " قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَتِ الْهِبَةُ لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ لَمْ يَرْجِعْ فِيهَا "(٢) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب کسی شخص نے ذی رحم محرم کو کوئی چیز بخش دی جائے تو واپس نہ لی جائے انتہی پس یہ حدیث صریح دال کہ ذی رحم محرم سے ہبہ نہ لوٹایا جائے اور جس حدیث میں والد کو رجوع آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ باپ کو لے لینا اور خرچ کر لینا جائز ہے، جیسے اور اموال اولاد میں باپ کو تصرف جائز ہے، یہ معنی نہیں کہ ہبہ کا رجوع اور فسخ جائز ہے ورنہ یہ معنی اس حدیث کے مخالف ہو جائیں گے پس حتی الامکان تطبیق اولیٰ۔

قال: ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف حدیث کے یہ ہے کہ حکم قاضی کا تمام عقود اور فسوق مثل نکاح اور طلاق اور بیع اور اقالہ میں امام اعظم کے نزدیک نافذ ہے ظاہرا و باطنا الخ۔

١......فتح القدیر، فصل فی کیفیۃ القطع و اثباتہ، ج٥، ص٢٩٣

٢......بیہقی، دار قطنی، فتح القدیر ج٣، ص١٩٢، مکتبہ زکریا دیوبند

کشف کید تو دو چہارم

اقول: آپ کو بھی خوب ختر بود اور غلط کلام آتا ہے، عام کو خاص اور خاص کو عام کرنا آپ ہی کا کام ہے، یہ حدیث کہ جس کے مخالف قول امام صاحب کا آپ سمجھتے ہیں خاص اموال میں ہے، چنانچہ خاتم المحدثین، جناب حافظ الحدیث مولانا مولوی احمد علی صاحب لکھتے ہیں" وَاحْتَجُّوا أَيِ الْحَنَفِيَّةُ بِأَنَّ الْحَاكِمَ قَضٰى بِحُجَّةٍ شَرْعِيَّةٍ فِيْمَا لَهُ وِلَايَةُ الْإِنْشَاءِ فِيْهِ، فَيُجْعَلُ إِنْشَاءً تَحَرُّزًا عَنِ الْحَرَامِ، وَالْحَدِيْثُ صَرِيْحٌ فِي الْمَالِ وَلَيْسَ النِّزَاعُ فِيْهِ فَإِنَّ الْقَاضِيَ لَا يَمْلِكُ دَفْعَ مَالِ أَحَدٍ إِلَى الْآخَرِ، وَيَمْلِكُ إِنْشَاءَ الْعُقُوْدِ وَالْفُسُوْخِ "(۱) یعنی اور حجت لائے حنفیہ بایں طور کہ حاکم حکم کرتا ہے حجت شرعیہ سے اس چیز میں کہ اس کو ولایت انشا کی اس میں ہے، پس گردانا جائے گا حکم اس کا انشا واسطے بچنے کے حرام سے، اور یہ حدیث مال میں صریح ہے، اور نہیں ہے گفتگو مال میں اس واسطے کہ قاضی نہیں مالک ہوتا ایک کے مال دینے کا دوسرے کو، اور مالک ہوتا ہے انشائے عقد نکاح وغیرہ وفسخ نکاح وغیرہ کا انتہی

نکاح وغیرہ عقد و فسخ میں حکم قاضی ظاہرا و باطنا نافذ ہوتا ہے

اور امام طحاوی لکھتے ہیں:" وَذَهَبَ آخَرُوْنَ إِلٰى أَنَّ الْحُكْمَ إِنْ كَانَ فِيْ مَالٍ وَكَانَ الْأَمْرُ فِي الْبَاطِنِ بِخِلَافِ مَا اسْتَنَدَ إِلَيْهِ الْحَاكِمُ مِنَ الظَّاهِرِ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ مُوْجِبًا لِحِلِّهِ لِلْمَحْكُوْمِ لَهُ، وَإِنْ كَانَ فِيْ نِكَاحٍ أَوْ طَلَاقٍ فَإِنَّهُ يَنْفُذُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَحَمَلُوْا حَدِيْثَ الْبَابِ الَّذِيْ قَبْلَ هٰذَا الْبَابِ عَلٰى مَا وَرَدَ فِيْهِ وَهُوَ الْمَالُ "(۲) یعنی اور گئے ہیں دوسرے فقہا طرف اس کے کہ حکم اگر مال میں ہو اور واقع میں امر خلاف ہو اس کے کہ حکم دیا ہے حاکم نے ظاہر کا تو نہ ہوگا یہ حکم واجب کرنے والا اس کے حلال ہونے کا واسطے اس شخص کے کہ حکم کیا گیا ہے اس کے لیے، اور اگر ہوگا حکم نکاح میں یا طلاق میں تو تحقیق جاری ہوگا ظاہر اور باطن میں، اور محمل کیا انہوں نے حدیث باب کو جو کہ پہلے اس باب کے ہے اوپر اس کے کہ وارد ہوئی ہے اس میں یہ حدیث اور وہ مال ہے انتہی۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث خاص مال میں وارد ہوئی ہے، چنانچہ لفظ" مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ "اور" أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ "اس پر دلالت کرتا ہے۔

تقلید صحابہ واجب ہے
حدیث موقوف و معلق حنفیہ کے یہاں حجت ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ ظاہر اس حدیث کا دلالت کرتا ہے اس پر کہ یہ حدیث خاص ہے اس حکم میں کہ متعلق ہوتا ہے

۱......حاشیہ بخاری، ص ۱۰۳۰

۲......مرجع سابق

کلام خصم کے سننے سے اور گواہ اور قسم وہاں نہ ہوں، سو اس میں نزاع نہیں، کیونکہ نزاع تو اس حکم میں ہے جو گواہی پر مرتب ہو انتہی کیونکہ '' اَلْحَنُ بِحُجَّتِہٖ '' جس کے معنی خوب گفتگو کرنے والے کے ہیں، جھوٹی بات کو بھی سچی کر دے، اس میں گواہ اور قسم کا کہیں ذکر نہیں جس میں اختلاف ہے، البتہ اگر قضا ان کی گفتگو پر کفایت کی جائے گی جیسا کہ ظاہر الفاظ حدیث کے اس پر دال ہیں تو اس وقت ظاہرا قضا واقع ہوگی، اور امام صاحب بھی اس کے خلاف نہیں کہتے البتہ جس میں گواہ اور قسم ہو اس میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ قضا قاضی کی ظاہر اور باطن میں نافذ ہوگی، سو یہ بیان ہرگز حدیث سے نہیں نکلتا جو مخالفت ہو علاوہ اس کے اگر اس حدیث کو عام رکھا جائے تو پھر جمہور کی مخالفت لازم آتی ہے، اس لیے کہ اس پر سب متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے احکام میں خطا نہیں ہو سکتی اور اگر ایسا ہوا تو خدا کی طرف سے اطلاع ہوگی، چنانچہ امام نووی جو محدثین میں سے ہیں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس کو خاص کرتے ہیں ساتھ غیر اجتہاد کے یعنی جس میں گواہ اور قسم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث جمہور کے نزدیک خاص ہے عام نہیں، البتہ فرق اتنا ہے کہ محدثین بینہ اور یمین غیر اجتہاد کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اور امام صاحب اموال میں خاص کرتے ہیں، غرض کہ طرفین یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو مقید کرتے ہیں، اب ظاہر الفاظ حدیث سے اہل انصاف خود سمجھ لیں گے کہ قرینہ اموال کا ہے یا غیر اجتہاد کا، علاوہ اس کے حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس کو آپ موقوف بتلاتے ہیں اور قابل حجت نہیں کہتے اس قول کی مؤید ہے اور حدیث موقوف امام شافعی کے یہاں حجت نہیں، چنانچہ خلاصۃ الخلاصہ میں لکھا ہے '' وَھُوَ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ عِنْدَ الشَّافِعِیِّ ''(۱) یعنی اور موقوف نہیں ہے حجت نزدیک شافعی کے انتہی، اور حنفیہ کے یہاں بیشک حجت ہے، چنانچہ لمعات میں ہے '' وَمِنْ مَذْھَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رضی اللہ عنہ وُجُوْبُ تَقْلِیْدِ الصَّحَابِیِّ فِیْمَا قَالَ ''(۲) یعنی اور مذہب امام صاحب کا واجب ہونا تقلید صحابی کا ہے اس چیز میں کہ کہا انہوں نے انتہی۔ اور اتقانی میں لکھا ہے '' اِعْلَمْ اَنَّ تَقْلِیْدَ الصَّحَابِیِّ وَاجِبٌ ''(۳) یعنی جان تو کہ تحقیق تقلید صحابی کی واجب ہے انتہی

تعلیقات بخاری کا حکم

اور جو آپ لکھتے ہیں کہ حدیث معلق ضعیف اور مردود شمار کی جاتی ہے سو جناب من! ہر معلق کا یہ حکم نہیں ہے، بعض اقسام معلق کے مقبول ہوتے ہیں، چنانچہ تصریح اس کی نخبۃ الفکر میں آپ کی عبارت منقول کے بعد موجود ہے،(۴) اگر ایسا نہ ہوتا تو تعلیقات بخاری میں قبل تصریح ابن حجر وغیرہ کے ضرور ضعف ہوتا، حالانکہ تعلیقات بخاری حکم میں اتصال کے ہیں، پھر ان کی تصریح پر اس کی صحت موقوف نہیں، البتہ بعضوں نے یہ فرق کیا ہے کہ جس میں امام بخاری صیغہ معروف لائے ہیں، جیسے '' قَالَ

۱......خلاصۃ الخلاصہ، در بحث موقوف

۲......مقدمہ لمعات

۳......اتقانی

۴......نخبۃ الفکر، ص ۹۶، مجلس برکات مبارک پور

فُلَانٌ یَاتَکَسرُ فُلَانٌ" وہ تو صحیح ہے اور جس میں صیغہ مجہول لائے ہیں جیسے قیل یا یقال اس کی صحت میں البتہ کلام ہے، لیکن چونکہ اس کتاب میں مروی ہے لہذا کوئی اصل اس کی ضرور ہوگی، پس ایسے شخصوں کے تعلیقات کو ضعیف کہنا خالی از تعصب نہیں، حالانکہ عادت مصنفین کی کبھی یہ بھی رہی ہے کہ کل سند کو حذف کر دیتے ہیں، اور فقط "قال رسول اللہ ﷺ" کہتے ہیں، چنانچہ تصریح اس کی مقدمہ مشکوٰۃ میں موجود ہے۔(۱) خصوصا متقدمین کا تو یہی دستور تھا کہ وہ سند بیان نہیں کرتے تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ جب تک کذب نہ تھا سچے لوگ تھے، موافق اس حدیث شریف کے "خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ اِلٰی مَا قَالَ ثُمَّ یَفْشُوْالْکِذْبُ" یعنی فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ سب قرنوں سے بہتر میرا قرن ہے، پھر جو اس کے متصل ہے پھر جو اس کے متصل ہے پھر پھیل جائے گا جھوٹ انتہی

وجہ اختراع شروط بخاری

اور ظاہر ہے کہ آپ کا زمانہ اور صحابہ کا ایک تھا، اس کے بعد تابعین کا زمانہ ہوا پھر تبع تابعین کا پھر ان کے بعد ایسا جھوٹ پھیلا کہ لوگوں نے حدیثیں وضع کرنی شروع کیں، اسی لیے امام بخاری نے شروط لگائے، ورنہ حدیث سے کہیں ان شروط کی تصریح نہیں، یہ شروط فقط احتیاطا تھے، اور اس غرض سے کہ اب جو کوئی حدیث نقل کرے اس میں اتنی باتیں دیکھ لی جائیں، جب اس سے اخذ کیا جائے، اس کے یہ معنی نہ تھے کہ پہلے استاذ الاستاذ امام بخاری کی جو حدیثیں بیان کر گئے ہیں ان میں بھی شرط اتصال ضرور ہے، حاشا وکلا! یہ فقط فرق ظاہری کی اعتبار سے ہے۔

تعلیقات امام محمد امام بخاری کی تعلیقات کی مانند متصل ہیں

چونکہ امام محمد کے تعلیقات حکم میں اتصال کے ہیں مثل امام بخاری کے، چنانچہ اتفاق جمہور علمائے حنفیہ و مصنفین شافعیہ کا اس پر دلیل بین ہے اور تنقیح الاصول میں بحث شرائط راوی میں مرسلات امام محمد کو حجت لکھا ہے، اور جو قواعد بعد اس کے کسی مصلحت کے واسطے جاری کیے گئے، وہ پہلوں پر کیونکر حجت ہو سکتے ہیں، یا پچھلے لوگ اس کے پابند ہو کر تحقیقات سابق کس طرح ترک کر سکتے ہیں، البتہ اتنی بات ہم کو ضروری ہے کہ اگر کہیں مخالفت دیکھیں تو اس میں تطبیق کر دیں، اس لیے کہ جب صحابہ ہی نعوذ باللہ مخالفت کریں گے تو پھر موافقت کرنے والا کون آئے گا، پس ضرور ہوا کہ اقوال صحابہ میں اور احادیث مرفوعہ میں حتی الامکان تطبیق دیں خصوصا خلفائے راشدین کے فعل اور قول میں جن کے حق میں حدیث "عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ" (۲) یعنی لازم پکڑو تم طریقہ میرا اور طریقہ میرے خلفائے راشدین کا بھی وارد ہے، کیونکہ ان کا قول تو ضروری سند ہوگا۔ علی الخصوص حضرت علی ؓ کے حق میں "اَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ" وارد ہے یعنی سب صحابہ میں زیادہ اور عمدہ فیصلہ کرنے

۱۔۔۔۔۔۔مقدمہ مشکوۃ للشیخ عبد الحق الدھلوی، ص ۴، مجلس برکات مبارک پور

۲۔۔۔۔۔مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام، ص ۳۰، رواہ احمد ج ۴ ص ۱۲۶

والے علی ہیں، پھر یہ فرمانا حضرت علی ؓ کا کہ تیرے گواہوں نے تیرا نکاح کرا دیا صاف دلالت کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں جو عقود سے تعلق رکھتے ہیں ظاہر اور باطن میں قضا نافذ ہو جاتی ہے، اور حدیث ملاعنین کی جس کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اموال میں وارد ہوئی ہے، چنانچہ سند بھی اس کی ہم بیان کر چکے مطابق ہے، پھر باوجود اس کی ظاہر تطبیق کے انکار کرنا آپ کو یوں کھتا ہے کہ جیسے فرق ظاہر یہ سمجھے ایسا حدیث کو حضرت علی بھی نہیں سمجھے اللہ ایسے عقیدہ فاسدہ سے محفوظ رکھے، یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قول پیغمبر کے معنی جو ہم کہتے ہیں وہی مراد ہیں، اور مرنے کی ایک ہی تا تک کہے جاتے ہیں، ان کے اعتقاد میں صحابہ مرفوع حدیث کے بالکل مخالف تھے، اسی لیے صحابہ کا قول نہیں مانتے" نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ "(۱) یعنی بعض کے ساتھ ایمان لاتے ہیں ہم اور بعض سے ہم انکار کرتے ہیں، انہیں کے حق میں صادق ہے، چونکہ صاف صاف سب وشتم صحابہ پر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں، اس لیے حدیث مرفوع کے پردے میں بہت کچھ بے ادبی صحابہ کی شان میں کر جاتے ہیں۔

صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کے عقائد فاسدہ

فی الواقع ان کو صحابہ سے عداوت ہے، جو صحابہ کے خلاف قرآن وحدیث کے عمل کرنے پر قائل ہیں، اور انصاف مطلق نہیں کرتے، اپنی رائے کو مقدم سمجھتے ہیں، یوں نہیں تصور کرتے کہ ہم ہی سے کچھ حدیث کے معنی سمجھنے میں قصور ہوا ہوگا صحابہ نے جو کچھ کیا موافق کیا، اس میں تطبیق دیں کیا امکان ہے، یا دوسرے کی بات مانیں یہ تو دور تک پہونچے ہیں، اور ہم کوئی بات اگر امام بھی کہیں تو کہتے ہیں تو بہ تو بہ ایسی بات نہ کہنا، کیوں نہ کہیں کہ ہم کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ اس فرقے کے معنی حدیث اور قرآن کے لیے ہوئے پر عمل کرنا، بلکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اگر امام صاحب سے قرآن اور حدیث کے معنی لینے میں ایک ہزار میں سو غلطیاں ہوں گی تو دوسروں سے ہزار میں نو سو غلطیاں ہوں گی، اور چند احادیث ممکن جو بعض صحابہ کو معلوم نہ تھے ان کو سند ا بھگ پیش کر دیے ہیں، اب جو حدیث آئی اپنی طرف سے معنی معین کر دے، اور یوں سمجھے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے یوں ہی سمجھا ہے جواب دینے کو مستعد ہو گئے کہ اس حدیث کے مخالف دوسری حدیث صحابہ کی اس وجہ سے ہوئی کہ ان کو بہت حدیثیں نہیں پہونچی تھیں یا صحابہ کا قول قرآن اور حدیث کے مخالف نہیں ماننا چاہیے، قرآن اور حدیث ان لوگوں نے نام اچھے فہم کا رکھا ہے ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

تطبیق احادیث میں مسلک امام اعظم نہایت درست ہے

بلکہ امام اعظم کا مسلک تطبیق نہایت درست معلوم ہوتا ہے، ہم کو کہیں خدا اور رسول نے حکم نہیں دیا کہ قرآن اور احادیث میں باوجود تطبیق اور موافقت عقل کے خواہ مخواہ خلاف عقل کرنا، ہاں جہاں تطبیق نہ ہو سکتی ہو گو خلاف عقل ہو ہم اس کو قبول

۱۔۔۔۔۔سورہ نساء، آیت ۱۵

کرلیں گے اور اس میں اپنا قصور سمجھیں گے، اور فقط ایک لفظ کو لے لینا اور دوسرے لفظ کو غور نہ کرنا بلکہ اپنی عقل کو محض معطل سمجھنا فرقہ ظاہریہ کا کام ہے، عمدہ معنی موافق عقل کے چھوڑ کر خلاف عقل جاننا انہیں کا شیوہ ہے، عقل کو یوں سمجھتے ہیں کہ محض دنیا کے واسطے عنایت ہوئی ہے دین میں اس سے مطلق کوئی کام لینا نہ چاہیے، بلکہ دوسرا کہے تو اس پر طعن کرتے ہیں، چنانچہ ایک ظاہری کی نقل ہے کہ معقولیوں پر بہت طعن کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کم بختوں نے قرآن اور حدیث کے بالکل خلاف کیا ہے اکثر باتیں خلاف بیان کر گئے ہیں، ایک روز ایک شخص نے دریافت کیا کہ جناب وہ کون سا قول ہے جو مخالف ہے، کہا ایک ہو تو بتاؤں سیکڑوں ہیں مگر خیر مشتے نمونہ از خروارے ایک بتلائے دیتا ہوں، دیکھئے یہ سب منطقی متفق ہیں کہ اجتماع نقیضین محال ہے اور اثبات اور نفی جمع نہیں ہو سکتی، حالانکہ صریح مخالف ہے قرآن اور حدیث کے، کیونکہ دیکھئے لا الٰہ نفی ہوئی اور الا اللہ اثبات ہے ان کو کلمہ بھی تو یاد نہیں ورنہ ایسی صریح مخالفت نہ کرتے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آدمی کو یوں سمجھنا کہ جو میں سمجھا ہوں دوسرا نہیں سمجھا بلکہ صریح مخالف قرآن اور حدیث کے سمجھا ہے عین خطا ہے، تمام کتابیں ائمہ اربعہ کے اختلافیات کی مع دلائل موجود ہیں، دیکھ لیجیے اور یہ نہ کیجیے کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کے ایک طرف کی بات لکھ دی اور دوسری طرف کو چھوڑ گئے، اور بے سمجھے بوجھے حکم لگا دیا کہ دیکھو یہ مخالف حدیث کے ہے، اور قول قاضی شوکانی کا کہ جن کے اقوال جمہور کے مخالف نیل الاوطار میں موجود ہیں پیش کر دینا اور ایسے ہی اقوال ان کے مقلدین کے نقل کر دینا سراسر ہٹ دھرمی اور کج بحثی ہے، بلکہ اس میں قول ان کا چاہیے تھا کہ جن کو طرفین تسلیم کرتے ہیں، جیسے شاہ ولی اللہ صاحب، چنانچہ وہ عقد الجید اور انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ کے نزدیک مذاہب اربعہ ہی برحق ہیں

"جان تو کہ تحقیق امت نے اجماع کیا ہے اس پر کہ اعتماد کریں وہ سلف پر شریعت کے پہچاننے میں، پس تابعین نے اعتماد کیا اس میں صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقے میں پچھلے علما نے اگلے علما پر اعتماد کیا، اور عقل اس کی خوبی پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ شریعت نہیں پہچانی جاتی مگر ساتھ نقل اور استنباط کے، اور نقل نہیں مستقیم ہوتی مگر بایں طور کہ اخذ کرے ہر طبقہ اپنے پہلوں سے بالاتصال، اور استنباط کرنے میں یہ ضرور ہے کہ مذاہب متقدمین کے معلوم کرے تاکہ خارج نہ ہو جائے ان کے اقوال سے، ورنہ خارق اجماع ہو جائے گا اور چاہیے کہ بنا کریں اس پر اور استعانت کرے اس میں ان سے جو پہلے اس کے ہیں، اور جب کہ اعتماد سلف پر متعین ہو گیا تو ضرور ہے اس سے کہ ہوں اقوال ان کے کہ جن پر اعتماد کیا جاتا ہے روایت کی گئی اسناد صحیح سے، یا ان کی مشہور کتابوں میں مجتمع ہوں، اور یہ کہ ہوں مخدوم یعنی بیان کیا جائے راجح ان کے محتملات سے اور خاص کیا جائے عموم ان کا بعض مواقع میں، اور مقید کیا جائے مطلق ان کا بعض جا، پس جمع کیا جائے مختلف فیہ اور بیان کیے جائیں سبب ان کے احکام کے، اور نہیں تو صحیح نہ ہوگا اعتماد ان پر، اور نہیں ہے کوئی مذہب اس زمانہ اخیر میں اس صفت کا مگر یہ

چار مذہب ، یا اللہ مگر مذہب امامیہ اور زیدیہ کہ وہ اہل بدعت ہیں نہیں جائز ہے اعتماد اس پر انتہی مختصراً (۱)۔ باقی تحقیق اس کتاب کے اول میں گذر چکی اگر جی چاہے ملاحظہ فرمایئے

تتمہ بحث قضاء قاضی

اب امام صاحب کی طرف سے بعض دلائل اس کے کہ قضا ظاہر اور باطن میں سوا مال کے جاری ہو جاتی ہے شروع کرتے ہیں، فتح القدیر میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ظاہر اور باطن میں قضا نافذ ہوگی کہ جس میں قاضی کو انشائے عقد ممکن ہو، پس اگر دوسرے کی عدت میں ہوگی یا مطلقہ الثلث غیر کی ہوگی تو اس صورت میں قاضی کو انشائے عقد کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ قاضی دوسرے کے مال کی تملیک کا بغیر عوض کے مالک نہیں ہوتا، اور مقصود قضا سے قطع منازعت ہے اور اس صورت میں جھگڑا طے نہیں ہو سکتا مگر جب قضا باطن میں نافذ ہو اس واسطے کہ اگر حرمت باقی رہے گی تو پھر منازعت وطی کی طلب میں مکرر ہوگی اور دوسرا منع کرے گا، کیونکہ حقیقت حال جانتا ہے پس ضرور ہوا پہلے ہونا انشا کا، پس گویا قاضی نے کہہ دیا کہ میں نے تمہارا نکاح کیا اور اس کے ساتھ حکم دیا، اس کے بعد لکھا ہے "وَقَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنه اَوْجَهُ" یعنی اور قول امام صاحب کا زیادہ مدلل ہے انتہی (۲)

اور امام طحاوی لکھتے ہیں" فَیَثْبُتُ الْحِلُّ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰی وَاِنْ اَثِمَ الْمُدَّعِیْ بِاِثْمِ اِقْدَامِهٖ عَلَی الدَّعْوَی الْکَاذِبَةِ "یعنی پس ثابت ہوگی حلت نزدیک اللہ تعالیٰ کے اگرچہ گناہگار ہوگا مدعی گناہ پیش قدمی کرنے اپنے کا اوپر جھوٹے دعوے کے انتہی۔(۳) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ گناہ اس کو بیشک ہوگا۔

ایسے ہی بحرالرائق کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے" لَا یَلْزَمُ مِنَ الْقَوْلِ بِحِلِّ الْوَطْیِ عَدَمُ اِثْمِهٖ فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ بِسَبَبِ اِقْدَامِهٖ عَلَی الدَّعْوَی الْبَاطِلَةِ وَاِنْ کَانَ لَا اِثْمَ عَلَیْهِ بِسَبَبِ الْوَطْیِ "(۴) یعنی نہیں لازم آتا قائل ہونے حلت وطی سے نہ گنہگار ہونا اس کا، اس لیے کہ وہ گنہگار ہے بسبب پیش قدمی کرنے اس کے کے اوپر دعوی باطل کے، اگرچہ نہیں گناہ ہے اس پر بسبب وطی کے انتہی۔ اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ گناہ اس کے ذمے پر رہے گا پھر اس کے واسطے جو کچھ وعید آئی ہے اسی کذب کا بدلہ ہوگا، اس وجہ سے بھی قول امام صاحب کا حدیث کے مخالف نہ ہوا بلکہ عین موافق ہو گیا۔

اور طحاوی میں لکھا ہے کہ امام صاحب کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ اس میں سب کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی لونڈی کو خریدے، پھر جھوٹا دعوا کرے فسخ بیع کا، اور گواہ لائے پس قاضی حکم کردے تو بائع کو وطی اس کنیز کی حلال ہوگی، اور اس سے

۱...... الانصاف فی بیان سبب الاختلاف
۲ـــــ فتح القدیر، باب الاولیاء و الاکفاء، ج۳، ص۲۴۳
۳ـــــ طحطاوی، ج۲، ص۲۷، کلکتہ
۴ـــــ البحر الرائق

خدمت لینا بھی حلال ہوگا باوجود جاننے اس کے کہ دعویٰ مشتری کا جھوٹا ہے، حالانکہ اس میں تو آزاد کرکے بھی خلاصی پا سکتا ہے، گو اس کے مال کا تلف ہے انتہی۔(۱)

اسی طرح امام صاحب کہتے ہیں کہ یہاں مابہ الفرق کون سی شئی ہے جس سے یہاں وطی جائز ہو اور وہاں جائز نہ ہو، اور بہت دلائل امام صاحب کے بوجہ اختصار کے یہاں بیان نہیں ہوئے ورنہ اس بحث کو ایک دفتر چاہئے مگر حیف ہے کہ باوجود ایسے عمدہ دلائل اور براہین کے آپ کا مخالف قرآن وحدیث کے بتلانا دو حال سے خالی نہیں یا تو حدیث کا مطلب آپ خود نہیں سمجھے یا دانستہ یہ شیوہ اختیار کیا ہے مگر یہ احتمال تو ہم نہیں لے سکتے کیونکہ کونسا مسلمان ہے جو ایسی باتیں دانستہ کرکے اپنے تئیں گنہگار بنائے گا، ہاں آپ کے فہم میں خطا واقع ہوئی، خیر یہ خطائے اجتہادی ہے اس میں آپ معذور ہیں خدائے تعالیٰ آپ کو ذہن رسا اور طبع سلیم عنایت فرمائے آمین ثم آمین

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف پیغمبر ﷺ کی حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور رد المختار شرح در المختار اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے ”وَمَنْ اَفْلَسَ وَعِنْدَهٗ مَتَاعٌ لِرَجُلٍ بِعَيْنِهٖ اِبْتَاعَهٗ مِنْهُ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِيْهِ“ یعنی ایک شخص مفلس ہوگیا اور اس کے پاس وہ چیز ہے جو اس نے خریدی تو اس کا بائع اور قرض خواہوں کے ساتھ مساوی ہے بیچ اس کے الخ

کشف کید نود و پنجم

کسی مال کی بیع کرنے والا دیگر قرض خواہوں کے مساوی ہے

اقول: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی اور حسن بصری اور ابن شبرمہ قاضی کوفہ اور وکیع بن الجراح اور ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد اور زفر رضی اللہ عنہم اس طرف گئے ہیں کہ بائع قرض خواہوں کے برابر ہے اور جواب دیا ہے امام طحاوی نے اس حدیث کا کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جو شخص اپنے مال کو بعینہ پائے اور جو شئی بک گئی ہے وہ بعینہ مال اس کا نہیں بلکہ بعینہ مال اس کا پہلے تھا، ہاں مال اس کا بعینہ غصب کی ہوئی چیز اور مستعار اور امانتیں اور مشابہ ان کے ہے تو البتہ یہ مال اس کا بعینہ ہے، پس یہ شخص بہ نسبت اور قرض خواہوں کے اس کا مستحق ہے، اور اسی بیان میں یہ حدیث آئی ہے اور ان معنوں پر دلالت کرتی ہے وہ حدیث جو سمرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص کا کوئی مال چوری گیا یا ضائع ہوگیا پس پایا اس کو بعینہ نزدیک کسی کے پس یہ شخص مستحق ہے اس مال کا اور خریدنے والا بیچنے والے سے قیمت اپنی پھیر لے انتہی ملتقطا(۲)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ اس حدیث کے معنی یہ نہیں جو ظاہر یہ لیتے ہیں اس لیے کہ جس حدیث سے امام صاحب

۱......طحطاوی ج۲، ص۳۷

۲۔۔۔۔عمدۃ القاری عینی باب اللقطۃ

نے اس مسئلے کو استنباط کیا ہے وہ بھی حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اور معتبر ہے پس ضروری ہوا کہ معنی اس حدیث کے دوسرے ہوں گے ورنہ تعارض ہوگا اور الفاظ حدیث سے جب تک کہ تعارض رفع ہو سکے دور کیا جائے ورنہ معنی بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے گی جیسے جواب سابق میں بیان ہوا اسی لیے اس حدیث کے یہ معنی بیان ہوئے یا یہ معنی ہوں گے جو نہایہ میں لکھے ہیں کہ خریدار نے قبضہ بغیر اذن بائع کے کر لیا یا بائع کو شرط خیار تھا اس صورت میں بائع کو وہ شی واپس کرنی چاہیے انتہی (۱)

غرض کہ جب اس حدیث کے دوسرے معنی ہو سکتے ہوں اور خلاف سیاق وسباق بھی نہ ہوں اور موافق عقل بھی ہوں تو پھر کون سی وجہ ہے کہ دونوں حدیثوں میں معنی مخالف پیدا کریں، اور وہ حدیث جو امام صاحب سند لاتے ہیں یہ ہے، عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بیع کرے کسی مال کی، پس پائے اس کو نزدیک ایسے شخص کے جو مفلس ہے پس مال اس کا درمیان قرض خواہوں کے ہے انتہی۔ یعنی سب قرض خواہ اس میں برابر ہیں پھر کہا علامہ عینی نے، پس اگر کہے تو کہ اسناد میں اس کے ابن عیاش راوی ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تحقیق توثیق کی ہے ابن عیاش کی امام احمد نے اور تحقیق حجت گردانا اس حدیث کو خصاف اور رازی نے، پس اگر کہے تو کہ کہا دار قطنی نے نہیں ثابت ہوتی یہ حدیث زہری رضی اللہ عنہ سے مسند بلکہ مرسل ہے، میں کہتا ہوں کہ مرسل نزدیک ہمارے حجت ہے اور مرفوع بیان کیا ہے خصاف اور رازی نے اس حدیث کو اور قرآن شریف کی آیت وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (۲) یعنی اور اگر ہو مدیون مفلس، پس مہلت ہے غنا تک انتہی اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو فسخ بیع کر کے اپنی شی واپس کرنی نہیں چاہیے یہی مطلب اس حدیث کا ہے، جسے امام صاحب سند لیتے ہیں، اور معنی اس پہلی حدیث کے یہ ہیں کہ جب بشرط خیار کسی شئے کو بیع کرے پھر خریدار مدت خیار میں مفلس ہو جائے تو وہ مستحق ہوگا اپنے مال کا، یعنی فسخ بیع کا اختیار ہوگا اور یہی معنی لیے ہیں ایک جماعت نے اکابر سے، فرمایا امام صاحب اور ابراہیم نخعی اور اہل کوفہ نے کہ بائع برابر ہے اور قرض خواہوں کے ہر حال میں، اور یہی روایت کی گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور صحیح کہا اس روایت کو ابن حزم نے، اور حکایت کیا ہے خطابی نے اس قول کو ابن شبرمہ سے بھی انتہی ملتقطا۔ (۳) اس تقریر سے سب حدیثوں میں موافقت ہوگی ورنہ صحیح حدیث کا انکار جس کو ابن حزم نے بھی صحیح کہا ہے لازم آجائے گا۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مدعی کو قسم نہ دی جائے اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان دو حدیثوں کا، پہلی حدیث مسلم اور ابوداؤد اور نسائی میں روایت ہے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے کہ تحقیق پیغمبر خدا ﷺ نے فیصلہ کیا قسم اور گواہ پر اور کہا اسناد اس کی جید ہے، دوسری حدیث ترمذی میں روایت ہے جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ

۱......نہایہ شرح ہدایہ، کتاب الحجر

۲......سورہ بقرہ، آیت ۲۸۰

۳......عینی شرح ہدایہ، ج ۱۱، ص ۱۲۸، اخرجہ دار قطنی، ج ۳، ص ۳۰

سے کہ نقل کی اس نے اپنے باپ سے کہ تحقیق نبی ﷺ نے فیصلہ کیا ساتھ قسم کے ساتھ ایک گواہ کے کہا اور حکم کیا ساتھ اسی کے حضرت علی نے بیچ تمہارے، اور کہا ترمذی نے یہ حدیث اصح ہے۔

کشف کید نو دو ششم

مدعی کی قسم مردود ہے

اقول: مسلم میں ابن عباس کی روایت سے حدیث آئی ہے ''إنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ ''(۱) یعنی تحقیق نبی ﷺ نے فرمایا ہے اگر آدمی موافق اپنے دعویٰ کے دیے جائیں گے تو آدمیوں کی جان و مال کا دعویٰ کر بیٹھیں گے ولیکن قسم مدعا علیہ پر ہے انتہی۔

اور بیہقی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولیکن گواہ لانے مدعی پر ہیں اور قسم کھانی مدعا علیہ پر ہے انتہی (۲)

اور نیز بیہقی نے جو رقیمہ کریمہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرف ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے روایت کیا ہے اس میں بھی یہ عبارت موجود ہے ''اَلْبَيِّنَةُ عَلَى مَنِ ادَّعٰى وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ وَالصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا اَحَلَّ حَرَامًا اَوْ حَرَّمَ حَلَالًا الخ ''(۳) یعنی گواہ لانے مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر، اور صلح درمیان مسلمانوں کے جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حلال کا حرام کرنا یا حرام کا حلال کرنا لازم آئے الخ

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ ''(۴) یعنی دو مرد گواہ طلب کرو پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں انتہی

مدعی کی قسم اور مدعی علیہ کی شہادت کا اعتبار نہیں

اور شاہد اور یمین کی حدیث کو علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین نے اس کو رد کیا ہے اور سہیل نے اس کا انکار کیا ہے، پس بعد انکار راوی کے حجت نہیں ہو سکتی، علاوہ اس کے یہ بھی احتمال ہے کہ معنی اس حدیث کے یہ ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فقط جنس شاہد سے حکم کر دیا اور کبھی یمین سے حکم کیا، پس اس حدیث سے دونوں کا جمع کرنا ایک شخص میں نہیں پایا گیا۔ اور مثال اس کی ایسی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ زید گھوڑے اور خچر پر سوار ہوا اور مراد علی التعاقب ہوتی ہے، اور اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ یہ حدیث جمع کو مقتضی ہے تو مدعی کی یمین پر کہاں سے دلالت کرتی ہے، بلکہ جائز ہے کہ قسم مدعا علیہ کی مراد ہو اور ہم اس کے قائل

۱۔۔۔۔۔۔مسلم بکتاب الاقضیۃ ج ۲ص ۷٤

۲۔۔۔۔۔۔بیہقی شرح مسلم باب الیمین علی المدعی

۳۔۔۔۔۔۔شرح وقایہ ج۲ص ۷٤

٤۔۔۔۔۔۔سورہ بقرہ، آیت ۲۸۲

ہیں، اس لیے کہ ایک گواہ کا اعتبار نہیں، عدم ووجود اس کا برابر ہے، پس مدعاعلیہ کی قسم پر رجوع کیا جائے گا واسطے عمل کرنے کے مشہور احادیث پر بھی ۔(۱)

مؤلف ظفر کی کج فہمی

حاصل کلام یہ ہے کہ اول تو شاہد و یمین کی حدیث میں بعضوں نے کلام کیا ہے اور قطع نظر اس کے اس حدیث میں بہت احتمال ہے پس خواہ مخواہ ایک احتمال کو خاص کر کے مخالف حدیث مشہور وقرآن کر دینا اچھا نہیں، بلکہ حدیث اور قرآن سے ثابت ہو گیا کہ دو گواہ ضرور ہیں مگر گواہ دونوں مدعی پر ہیں اور قسم مدعاعلیہ پر، اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ دونوں چیزیں ایک میں جمع نہ ہوں گی جیسے مدعاعلیہ کے گواہ مسموع نہ ہوں گے ایسا ہی مدعی کی قسم کا اعتبار نہ ہوگا، پس اگر شرکت لی جائے گی تو منافی تقسیم کے ہو جائے گی، پس باوجود احادیث مشہورہ کے اور دلالت قطعی ان کے نہ ماننا اور اس حدیث کے ظنی معنوں کو حجت گرداننا پھر مزید براں امام صاحب کے مذہب کے جو موافق حدیث وقرآن کے ہے مخالف جاننا بجز تعصب اور کج فہمی کے کوئی بات نہیں۔

ع تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم اور ان کے شاگردوں ابو یوسف ومحمد کا مخالف پیغمبر ﷺ کی دو حدیثوں کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق وغیرہ میں لکھا ہے "مَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ زَنٰى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْتَقِضْ عَهْدُهُ "یعنی جو ذمی جزیہ دینے والا جزیہ دینے سے انکار کرے یا کسی مسلمان کو مار ڈالے یا گالی دے نبی علیہ السلام کو یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو ان امور سے اس کا عہد ذمی کا نہیں ٹوٹتا الخ۔

کشف کید نود و ہفتم

اقول: اس حدیث سے مخالفت ہرگز نہیں سمجھی جاتی بلکہ اگر الفاظ حدیث پر آپ غور فرماتے تو بے شک موافق پاتے، حدیث میں "كَانَتْ تَشْتِمُ" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو مکرر سب وشتم واقع ہو اور عادت ہو جائے تو اس کو قتل کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس لفظ کے معنی ہیں کہ سب وشتم کیا کرتے تھے، یہ معنی نہیں کہ ایک بار اس نے شتم کیا ہو اور قتل کی گئی ہو، اور اگر ایک بار مراد ہوتی تو "كَانَتْ شَتَمَتْ" ہوتا جس کے معنی ہیں شتم کیا تھا اس نے، پس لفظ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک مکرر نہ ہو تو قتل نہ کرنا چاہیے سو امام صاحب بھی اس کے مخالف نہیں کہتے۔ اس لئے کہ رد المحتار میں جس کی عبارت آپ نے نقل کی ہے اس کے بعد یہ توفیق بھی مرقوم ہے" قَوْلُهُ وَبِهِ أَفْتٰى شَيْخُنَا أَيْ أَبُو السُّعُوْدِ مُفْتِي الرُّوْمِ بَلْ أَفْتٰى بِهِ أَكْثَرُ الْحَنَفِيَّةِ إِذَا أَكْثَرَ السَّبَّ كَمَا قَدَّمْنَاهُ عَنِ الصَّارِمِ الْمَسْلُوْلِ وَهُوَ مَعْنٰى قَوْلِهِ إِذَا ظَهَرَ أَنَّهُ مُعْتَادُهُ

۱......تبیین الحقائق، باب القسم

وَمِثْلُهُ مَا إِذَا أَعْلَنَ بِهٖ كَمَا مَرَّ وَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِ ابْنِ الْهُمَامِ إِذَا أَظْهَرَهُ يُقْتَلُ بِهٖ "(۱) یعنی قول صاحب ردالمختار کا اور ساتھ اسی کے یعنی قتل کے فتویٰ دیا ہے ہمارے شیخ نے یعنی ابو سعود مفتی روم نے، بلکہ فتویٰ دیا ہے ساتھ اس کے اکثر حنفیہ نے جس وقت کثرت کرے گالی دینے کی جیسا کہ بیان کیا ہے ہم نے اس کو صارم مسلول سے اور یہی معنی قول مصنف کے ہیں جس وقت ظاہر ہو جائے کہ یہ عادت اس کی ہے اور مثل اس کے وہ صورت ہے کہ اعلان کرے ساتھ اس کے جیسا کہ گذرا اور یہی معنی ہیں قول ابن ہمام کے جس وقت ظاہر کرے اس کو قتل کیا جائے بسبب اس کے انتہی۔

اور منتقی میں لکھا ہے "إِذَا لَمْ يُعْلِنْ فَلَوْ أَعْلَنَ بِشَتْمِهٖ أَوِ اعْتَادَهُ قُتِلَ وَلَوِ امْرَأَةً "(۲) یعنی جس وقت ظاہر نہ کرتا ہو، پس اگر ظاہر کرے شتم کو یا عادت کرے اس کی قتل کیا جائے گا اگرچہ عورت ہو انتہی۔ پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کا قول مطابق حدیث کے ہے اور حدیث میں عادت اور کثرت کی وجہ سے قتل ہے۔ سو اس کا امام صاحب انکار نہیں کرتے امام صاحب غیر معتاد کے واسطے یہ حکم بیان کرتے ہیں کہ قتل نہ کیا جائے، چنانچہ جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اس میں لفظ سَبَّ کہ ماضی ہے اس پر دال ہے، جیسے قَتَلَ مُسْلِمًا سے ایک ہی قتل مراد ہے ایسا ہی سَبَّ سے ایک ہی سب مراد ہے کوئی اس میں ایسا لفظ جو استمرار اور تکرار پر دلالت کرتا ہو نہیں، البتہ حدیث میں ایسا لفظ موجود ہے کیونکہ لفظ کَانَ فعل مضارع سے پہلے ہوتا ہے تو معنی استمرار اور تکرار کے دیتا ہے، اس صورت میں بیشک امام صاحب کے نزدیک بھی قتل ہے، چنانچہ ردالمختار میں ہے کہ اصول حنفیہ سے یہ امر ہے کہ جس چیز میں قتل مقرر نہیں نزدیک حنفیہ کے جس وقت وہ فعل مکرر ہو لیں چاہیے امام کو کہ اس کے کرنے والے کو قتل کرے انتہی۔ اس کے بعد لکھا ہے "فَقَدْ أَفَادَ أَنَّهٗ يَجُوْزُ عِنْدَنَا قَتْلُهٗ إِذَا تَكَرَّرَ مِنْهُ ذٰلِكَ وَأَظْهَرَهٗ "(۳) یعنی پس تحقیق فائدہ دیا اس نے اس کا کہ جائز ہے نزدیک ہمارے قتل اس کا جس وقت مکرر ہو اس سے یہ اور ظاہر کرے اس کو انتہی

اور شرح قدوری کی فصل جزیہ میں لکھا ہے کہ ہماری دلیل وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے ایک جماعت یہودیوں کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، پس کہا انہوں نے، اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہا عائشہ صدیقہ نے: پس سمجھ گئی میں اس لفظ کو، پس کہا میں نے اور تم پر ہلاکت اور لعنت ہو، پس فرمایا آنحضرت ﷺ نے مت کہہ ایسا اے عائشہ تحقیق اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے نرمی کو کل کام میں، پس کہا میں نے کیا آپ نے سنا نہیں جو انہوں نے کہا، پس فرمایا آنحضرت ﷺ نے تحقیق کہا میں نے اور تم پر، پس یہ گالی نبی ﷺ کو اگر ہوتی کسی مسلمان سے تو حلال ہو جاتا خون اس کا، حالانکہ نہیں قتل کیا آپ نے ان کو انتہی۔(٤)

۱۔۔۔۔۔۔۔ رد المحتار، ج۳، ص۲۷۹

۲۔۔۔۔۔۔ منتقی بحوالہ رد المحتار، ج۳، ص۲۷۹

۳۔۔۔۔۔۔ رد المحتار، ج۳، ص۲۷۹

٤۔۔۔۔۔۔ شرح قدوری، فصل جزیہ، بخاری شریف، باب کیف الرد علی اهل الذمة السلام، ج۲، ص۹۲۵

ایک شبہ کا جواب

اسی طرح کہا امام طحاوی نے، اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے، چنانچہ ذکر کیا اس کو علامہ عینی نے شرح بخاری میں، یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ لفظ ختم ہوا تو پھر آنحضرت ﷺ نے **نُوزَعَلَيْكُمْ** بزاء عطف کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واو عاطفہ نہیں بلکہ واسطے استیناف کے سر جملہ لائے ہیں، دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ کعب بن اشرف کے واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کون اس کے قتل کا ذمہ کرتا ہے اس نے اللہ اور رسول کو اذیت دی ہے اور آپ نے ایسے شخص کو اس کی طرف بھیجا تھا جس نے اس کو دھوکے میں قتل کیا، سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس کو بجرد شتم کے آپ نے قتل نہیں کرایا، بلکہ وہ آدمیوں کو آپ کے ساتھ لڑنے کو جمع کرتا تھا، علاوہ اس کے وہ اہل ذمہ سے بھی نہ تھا، بلکہ مشرک تھا آپ سے مقابلہ کرتا تھا، ایسا ہی بیان کیا شیخ الاسلام علامہ عینی نے شرح بخاری میں، پس باوجود بخاری کی حدیث کے اب عمل آپ کا کہاں چلا گیا، اور بخاری کی حدیثوں سے استنباط کون اٹھا کر لے گیا؟ غرض امام صاحب کے مخالف ہونا اور طعن کرنا آپ نے اپنے اوپر فرض سمجھ لیا ہے، جہاں اپنے زعم میں خلاف واقع کے مخالفت پاتے ہو پھر کیسی ہی حدیث صحیح موجود ہو فقط اپنی رائے کو اس وقت صائب جانتے ہو، ذرا خدا سے بھی ڈرنا چاہیے، اگر اسی اپنے خیال کا نام مخالفت ہے تو خیر دنیا میں تو کون باز پرس کرتا ہے مگر فردائے قیامت میں اگر حق تعالیٰ آپ سے حجت طلب کرے کہ کون سی وجہ سے شیوہ طعن تم نے اختیار کیا تھا پھر تو بغلیں جھانکو گے، آئندہ آپ جانیں مگر یہ طریقہ آپ کا سب طریقوں سے بدتر ہے گو آپ اپنے خیال میں کچھ سمجھیں۔

قال: اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف پیغمبر کی چار حدیثوں کے یہ ہے جو کہ چلپی حاشیہ شرح وقایہ میں محیط سے نقل کر کے لکھا ہے "إِنَّ مَا أَخَذَتْهُ الزَّانِيَةُ إِنْ كَانَ بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ فَحَلَالٌ عِنْدَ الْأَعْظَمِ لِأَنَّ أَجْرَ الْمِثْلِ طَيِّبٌ وَإِنْ كَانَ السَّبَبُ حَرَامًا" یعنی جو کچھ کہ لے جو بی زنا کرنے والی بدلے زنا کرنے کے اگر لیا ہے مقرر کر کے یعنی جس طرح سے کہ کسبیاں اپنی خرچی زنا کرنے سے پہلے مقرر کر لیتی ہیں تو حلال ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک، اس لیے کہ تحقیق مزدوری یعنی مثل کی طیب ہے خواہ وہ سبب کہ جس کے بدلے وہ مزدوری لیتی ہے حرام ہے انتہی۔ اسی سبب سے امام اعظم کے نزدیک جو شخص کہ خرچی دیکر کسی عورت سے زنا کرے اس پر حد واجب نہیں الخ۔

کشف کید تودہ ہشتم

مؤلف نے عبارت چلپی سے اجر مثل کو زنا کی اجرت سمجھا

اقول: جب معترض صاحب فقہ کا مطلب نہیں سمجھتے اور اجارہ فاسد اور باطل میں فرق نہیں کر سکتے تو پھر کیوں ائمہ پر طعن کرتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں، آنکھیں بند کر کے اعتراض کر دیا اور یہ نہ دیکھا کہ چلپی نے اجر مثل اور اجارہ فاسد میں یہ گفتگو کی ہے اور معترض صاحب نے اس کو اجارہ باطل قرار دیا اور اجر مثل کو زنا کی خرچی سمجھ گئے، اتنا بھی غور نہ فرمایا کہ اجارہ

فاسد میں چلپی نے اس اختلاف کو لکھا ہے مہرِ زنا کی خرچی کیونکر مراد ہو سکتی ہے، اب اس کا جواب سنئے کہ تمام حنفیہ کے نزدیک یہ کلیہ مسلم ہے اور سب کتبِ فقہ اس پر متفق ہیں کہ اجارہ باطل وہ ہے کہ باصلہ غیر مشروع ہو اور اجارہ فاسدہ وہ ہے کہ باصلہ مشروع اور بوصفہ غیر مشروع ہو، یعنی کسی شرط یا عارض کی وجہ سے اس میں فساد آیا ہے ورنہ اصل میں وہ جائز اور حلال تھا، اور یہ بھی متفق سب کا ہے کہ جس اجارے کا معقود علیہ معصیت ہووے گا وہ باطل ہوگا نہ فاسد، بعد ان دونوں قاعدوں کے محقق اور متفق علیہ ہونے کے وہ کون عاقل ہے کہ زنا کی اجرت کو حلال کہہ سکے، اور کسی ادنیٰ عالم کی بھی یہ شان نہیں کہ اس میں تامل کرے، چہ جائیکہ صاحب محیط و چلپی و درمختار خصوصاً جب نص صریح حدیث کی اس میں وارد ہووے، پس بالضرورت واجب ہے کہ اجرت زنا سب کے نزدیک حرام ہووے ایک ادنیٰ عامی کا بھی اس میں خلاف نہیں، چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں "أَمَّا مَهْرُ الْبَغِيِّ فَهُوَ مَا تَأْخُذُهُ الزَّانِيَةُ عَلَى الزِّنَا وَسَمَّاهُ مَهْرًا لِكَوْنِهِ عَلَى صُورَتِهِ وَهُوَ حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ "(۱) یعنی لیکن مہر زانیہ کا پس وہ ہی ہے کہ جس کو زانیہ بعوض زنا کے لیوے اور اس کا نام اس لیے مہر رکھا ہے کہ وہ بصورت مہر ہے اور حرمت اس کی تمام مسلمانوں کے نزدیک بالاجماع ہے انتہی۔

اجارۂ فاسدو باطل کا بیان

اجرت زنا حرام ہے لیکن زانیہ کی خدمت کے منافع حلال

لہٰذا ضرور ہے کہ روایت محیط کے ایسے معنی ہوں گے جس سے اجارہ فاسد کی صورت پیدا ہو، کیونکہ وہ خود ہی کلام اجارہ فاسد میں کرتا ہے اور حلت اجرت کا درصورت فساد قائل ہوا ہے نہ درصورت بطلان، پس سنئے وہ کہتا ہے کہ کسی عورت کو اس کے منافع خدمت پر ایام معین میں اجارہ لیا، اور یہ بھی شرط کرلی کہ اس ایام میں زنا بھی کروں گا، سو اصل معقود علیہ خدمت ہے کہ امر حلال ہے اور شرط حرام اس کے ساتھ مل گئی ہے پس یہ اجارہ فاسد ہے نہ باطل، اس کی اجرت مثل میں خلاف ہے نہ اجرت مشروط میں، کیونکہ اجرت مشروط و مسمّی تو خبث سے خالی نہیں بسبب اس کے کہ بمقابلہ اسی اجارے کے واقع ہوئی ہے جو دراصل درست تھا مگر شرط حرام کے اقتران سے اس معقود علیہ میں حرمت آگئی، لہٰذا مسمّی بھی خبیث بن گیا مگر جب شارع نے اس کا اجارہ رد کیا اور شرط حرام کو لغو بنایا تو وہ منافع مباح کہ موجر نے دیے اور مستاجر نے وصول کیے ان کو ضائع نہ کیا اس کی اجرت مثل دلائی اس میں کیا قبح ہے، خدمت کے منافع تو اصلاً حلال تھے اور اب بھی منافع خدمت ہی کی اجرت دلائی ہے نہ منافع بضع کی، سو اس مثل میں کسی وجہ سے شرکت زنا کی نہیں یہ ہر حال میں طیب ہے، اور حدیث میں جو اجرت زانیہ کو حرام فرمایا ہے تو زنا کی اجرت کو حرام کیا ہے نہ زانیہ کی خدمت کے منافع کو تو حرام نہیں کیا، اگر زانیہ کسی قسم کی اجرت مباح کرے تو وہ حرام نہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت کو انگرکھا سینے پر دو روپیہ کو اجارہ میں لے اور یہ بھی شرط کرے کہ زنا بھی کروں گا چنانچہ اس نے انگرکھا

---

(۱)... شرح مسلم، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاہن ومہر البغی والنہی عن بیع السنور، ص۱۹، رضا اکیڈمی ممبئی

بھی ہی دیا اور اس کے ساتھ صدور زنا کا بھی ہو گیا، پس اس صورت میں فقط اجرت مثل یعنی اگر کھانا پینے کی قیمت چار پانچ آنے اس کو دلائے جائیں گے اور دو روپیہ جو اجارہ فاسدہ کے قرار پائے تھے رد کر دیے جائیں گے، کیونکہ وہ بھی بوجہ شرکت زنا حرام ہیں، اور زنا کی اجرت تو قطعی حرام ہے، اس کو ہرگز نہیں دلایا جائے گا، بلکہ فقط اجر مثل اس اصل معقود علیہ کا ضائع نہ کیا کیونکہ یہ اجرت امر مباح کی ہے، ہاں اگر زنا کی خرچی یا کل دام اس کو دلائے جاتے تو حرام ہوتے جو دلایا ہے وہ حرام نہیں، پس اسی طرح یہاں یہ اجرت بھی ایسی ہی مباح امر کی ہے، اور وہ شرط زنا کی جو اجارے میں فضول لگا دی تھی وہ رد ہی ہو گئی، کیونکہ اس مسمی کا اعتبار ہی نہیں رہا، فقط منافع کی اجرت مثل دلائی جس میں شرط زنا کا نام و نشان بھی نہیں، پس کسب البغی کو اس میں کچھ علاقہ اور دخل نہیں رہا، اور مصداق اس حدیث کا ہرگز یہ واقعہ نہیں ہوا، اجرت مثل حلال اور طیب ہوئی نہ اجرت مسمی فَـوَضَـحَ الْفَرْقُ وَثَبَتَ الْحَقُّ۔

حکم مشتق میں معانی مشتق منہ کا مرعی ہونا واجب ہے، اجرت زانیہ بوجہ زنا حرام ہے نہ یہ کہ اجرت زانیہ بوجہ مباح بھی حرام ہو وے، پس حاصل مذہب امام صاحب کا یہ ہوا کہ اجرت زنا خواہ عقد اجارہ زنا سے ہو خواہ بلا عقد ہو حرام مطلق ہے، کیونکہ اجارہ باطل ہے اور جو اجارہ فاسدہ ہو بایں طور کہ اصل معقود علیہ خدمت ہو اور شرط زائد زنا کی اس پر عارض ہو تو مسمی کی مشروط بھی حرام خبیث ہے جیسا کہ معقود علیہ حرام تھا، مگر بعد رد عمل خبیث اس کے کے اگر نفس امر مباح کی اجرت مثل ہووے تو وہ درست ہے، بایں وجہ کہ اس کے اجارے کو جس میں شرط فاسد تھی معدوم کر دیا جس کے سبب مسمی بھی نہ دلایا گیا اور یہی نشان رد اجارہ کا ہے ورنہ و بعد حاصل کرنے منافع کے رد کی کیا صورت ہو سکتی تھی، جب شارع نے مسمی یعنی اجرت فاسد کی نہ دلائی تو گویا اس معقود علیہ ہی کو رد کر دیا، اب اصل منافع کا اجر مثل جو مباح ہے اپنی طرف سے فیصل کر کے دلایا تو اس میں نہ زنا کا کوئی دخل رہا نہ اثر آیا، ہاں اگر اجرت مثل منافع زنا کی ہوتی تو لاریب حرام ہو جاتی، یا زنا کی رعایت اجرت میں رہتی تو بھی بیشک اجرت حرام ہوتی، مگر یہاں تو کوئی امر محرم موجود نہیں نہ زنا کی اجرت دلائی ہے نہ اجارہ فاسد کا مسمی دلایا، بلکہ خدمت کا اجر مثل یعنی جتنی اجرت فقط اس کی خدمت مباح کی ہوتی ہے وہ دلوائی ہے، لہذا اجرت حلال ہے اگرچہ کسب اصل اور سبب اصلی کہ تسمیہ معقود علیہ ہے حرام تھا، اور وہ سبب کہ اجارہ فاسد تھا اب سبب بعید ہو گیا، کیونکہ اجرت مثل کے سبب کا وہی سبب واقع ہوا ہے ورنہ کیوں یہ امر پیش آتا، مگر صاحبین نے اس شرط کو شرط نہیں جانا بلکہ معقود علیہ یا جزو معقود علیہ ٹھہرایا، تو اس صورت میں اجارہ باطل قرار دیا، اور یہ حکم بطلان کا فرمانا یا بسبب احتیاط کے ہے یا بسبب غلو زانیہ عورتوں اور کثرت اور غلبہ اس فعل کے ان کے زمانے میں ہوا ہے، بہر حال صاحبین کو اس تقریر امام صاحب پر کلام نہیں بلکہ انہوں نے شرط زنا کو جزو معقود علیہ ٹھہرایا ہے، کیونکہ زانی کو مقصود زنا ہوتا ہے نہ و دیگر منافع کہ وہ یا زوائد ہیں یا جزو مقصود ہیں بہر حال یہ وجہ خلاف کی ہے اور یہ خلاف اختلاف زمانہ پہ محمول ہو سکتا ہے

چلپی کی عبارت اجارۂ فاسدہ میں ہے نہ کہ اجارۂ باطلہ میں

فائدہ: پس اس تقریر سے واضح ہوا کہ جو معنی معترض صاحب اس عبارت کے لیے ہیں ہرگز ہرگز یہ معنی کسی طور سے نہیں ہو سکتے، سیاق اور سباق کے بالکل خلاف ہے، گفتگو چلپی نے اجارہ فاسدہ میں کی ہے معترض صاحب اس کو اجارہ باطلہ بناتے ہیں جو سب کے نزدیک حرام ہے، کسی مسلمان کا اس میں اختلاف نہیں، اور معترض صاحب کے معنوں سے اجارہ باطل ہوگا جس میں یہاں بحث نہیں، اگر معترض صاحب اپنے ان معنوں سے اجارہ فاسدہ ثابت کر دیں تو ہم سو روپے چہرہ شاہی ان کی نذر کریں، پس امام صاحب اور صاحبین کے اصل قاعدے میں خلاف نہیں، فقط فرق اتنا ہے کہ صاحبین نے شرط کو شرط نہیں رکھا بلکہ معقود علیہ بنایا ہے، اور اب اس زمانے میں ایسا ہی ہے، اور امام صاحب نے شرط زائد جانا اور اس وقت میں ایسا ہی تھا، پاٹ سکی مگر وہ تقریر درصورت وجود اجارہ فاسد ہے، اگر کہیں پایا جائے، نہ درصورت بطلان، اور حکم حلت اجرت مثل کا فساد کی صورت میں لکھا ہے بطلان کی صورت میں نہیں لکھا، اگر فساد متحقق ہو جائے تو صاحبین کو بھی تسلیم ہے، اور اگر بطلان متحقق ہو جائے تو امام صاحب کو بھی حرمت میں کلام نہیں، پس یا تو معترض صاحب ان معنوں کو جو انہوں نے عبارت چلپی سے اجتہاد کر کے نکالے ہیں ثابت کریں بشرطیکہ ان معنوں سے اجارہ فاسدہ بن جائے جس میں چلپی کلام کرتا ہے، اور ہماری طرف سے اجازت ہے کہ اس میں اپنے اعوان اور انصار سے معترض صاحب استمداد بھی کریں یا آئندہ ایسے بیہودہ مطاعن سے توبہ کریں اور بغیر مطلب سمجھے دخل نہ دیا کریں۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین اس غرض سے کسی کو دیوے کہ وہ اس میں کھیتی کرے اور اس سے اپنا حصہ مقرر کر لیوے تو جائز نہیں ہے، اور یہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے سو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان دو حدیثوں کا الخ (۱)

کشف کید تو و وہم

اقول: جاننا چاہیے کہ زمین کو کھیتی کے واسطے اجارے پر دینے میں اختلاف ہے، حسن بصری اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کسی حال میں درست نہیں، خواہ بعوض سونے چاندی کے دے خواہ اس کھیتی کی تہائی چوتھائی کے عوض دے، کیونکہ حدیث میں زمین کے کرایہ کی مطلق ممانعت آئی ہے، اس لیے کسی صورت سے ان کے نزدیک کرایہ زمین کا جائز نہیں، اور ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فقط بعوض سونے چاندی کے درست ہے، اور کسی شی کے عوض درست نہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بدلے سونے چاندی وغیرہ سوائے طعام کے جائز ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اور بعضے مالکی اور شافعی کے نزدیک زمین بعوض سونے چاندی کے اجارے پر دینا جائز ہے، اور مزارعۃ بالثلث والربع وغیرہ بھی جس کو مخابرت

۱۔۔۔ ہدایہ، کتاب المزارعۃ، ص-۱۴، مجلس برکات مبارک پور

کہتے ہیں درست ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما کے نزدیک سونے، چاندی، کپڑے کھانا، اناج ہر شئی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا درست ہے مگر جو زمین کرایہ سے نکلے اس کا تہائی یا چوتھائی حصہ مقرر کر کے کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، پہلے ہم اس مذہب کی مؤید حدیثیں بیان کر دیں، تو پھر حدیث خیبر کا بھی شبہ جو معترض صاحب نے پیش کی ہے رفع کر دیں گے۔

مخابرت اور مزارعت ممنوع ہے

بخاری میں ہے" حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسىٰ، ثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانُوْا يَزْرَعُوْنَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْلِيَمْنَحْهَا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ "یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے: لوگ زمین کی زراعت بعوض تہائی اور چوتھائی اور آدھی کے کرتے تھے، پس فرمایا نبی ﷺ نے: جس کے پاس زمین ہو پس چاہیے کہ خود اس کی زراعت کرے یا مناسب ہے کہ مستعار دے دے، پس اگر ایسا نہ کرے تو زمین اپنی روک رکھے انتہی۔ (۱)

اور مسلم میں ہے عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ یعنی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے زمین کو کرایہ پر اس کے حصے کے عوض دینے سے انتہی، اور ابوداؤد میں ہے" عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ لَّمْ يَذَرِ الْمُخَابَرَةَ فَلْيُؤْذِنْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" (۲) یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے میں نے سنا ہے رسول اللہ ﷺ کو کہ فرماتے تھے جو شخص زمین کو بعوض اس کے حصے کے کرایہ پر دینا ترک نہ کرے تو چاہیے کہ آگاہ کر دیا جائے خدا اور رسول کے ساتھ لڑنے کو انتہی، اور دوسری حدیث ابوداود میں یہ ہے" عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ اَنَّ بَعْضَ عُمُوْمَتِهٖ اَتَاهُ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا وَطَوَاعِيَةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اَنْفَعُ لَنَا وَاَنْفَعُ قَالَ قُلْنَا وَمَا ذَاكَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْلِيُزْرِعْهَا اَخَاهُ وَلَا يُكَارِيْهَا بِثُلُثٍ وَّلَا بِرُبُعٍ" (۳) یعنی سلیمان ابن یسار سے روایت ہے کہ رافع بن خدیج نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مخابرت کرتے تھے، پس ایک چچا ہمارے آئے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک امر سے جو ہم کو نافع تھا ممانعت فرمائی ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت زیادہ نافع ہے، کہا نافع نے دریافت کیا ہم نے کہ وہ کیا ہے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس کے پاس زمین ہو پس چاہیے خود زراعت کرے یا اپنے بھائی مسلمان کو واسطے زراعت کے دیدے، اور نہ کرایہ پر دے اس کو بعوض تہائی اور نہ

۱۔۔۔۔۔۔بخاری، باب ما کان اصحاب النبی علیہ السلام یواسی بعضهم بعضا فی المزارعة و الثمر، ص ۲۱۴

۲۔۔۔۔۔۔ابو داؤد، ج ۲، ص ۴۸۲، باب فی المخابرة

۳۔۔۔۔۔۔ابو داؤد، ج ۲، ص ۴۸۶، باب فی المزارعة

چوتھائی کے انتہی۔

اور خیبر کے معاملے میں یہ صورت جس کی حدیث میں ممانعت بیان ہو چکی واقع نہیں ہوئی، چنانچہ امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں لکھا ہے کہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کا اہل خیبر سے خراج مقاسمت تھا بطور احسان اور صلح کے، اور خراج مقاسمت جائز ہے، اس لئے کہ خراج کی دو قسمیں ہیں، ایک تو خراج وظیفہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ امام ان پر وظیفہ ہر سال کا مقرر کر دے اور اس قدر مقرر کرے کہ زمینیں ان کی اس مقدار کو اٹھا سکیں، اور دوسری قسم خراج مقاسمہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان سے بعض خارج زمین مثل نصف اور ثلث وغیرہ کے شرط کر لے، اور دلیل اس پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدت ان کے واسطے بیان نہیں فرمائی، اگر مزارعت ہوتی تو ضرور بیان فرما دیتے، کیوں کہ مزارعت جو لوگ جائز رکھتے ہیں اس میں بیان مدت بھی شرط کرتے ہیں، چنانچہ ہم بیان کریں گے، اور دلیل اس پر بھی وہ حدیث ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خیبر پر غالب آئے تو یہود نے سوال کیا کہ ان کو اسی زمین میں اس طور سے رہنے دیں کہ وہ اس کی زراعت کریں اور نصف اس کا لے لیا کریں، پس فرمایا آنحضرت ﷺ نے ہم تم کو اس زمین میں جب تک چاہیں گے ٹھہرنے دیں گے، روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور یہ حدیث صریح دلالت کرتی ہے کہ خراج مقاسمت تھا اور وہ لوگ مسلمانوں کے ذمی تھے اور ذمی کو جب اس کی زمین پر برقرار رکھتے ہیں تو وہ زمین اس کی ملک رہتی ہے اور جو شئی اس کے اراضی سے لی جاتی ہے وہ خراج ہوتا ہے انتہی۔(۱) باوجودیکہ صریح احادیث میں ممانعت آ چکی ہے پھر بھی معترض صاحب نے کسی کی تقلید کو لازم اور فرض سمجھ کر امام صاحب کے پردے میں صریح احادیث پر طعن کیا ہے، یہ کام کسی مسلمان کا تو معلوم نہیں ہوتا کہ حدیث پر طعن کرتا ہو، اب معترض صاحب کا استنباط کہاں گیا اور تقوی اور طہارت اور پاکدامنی کون اٹھا کر لے گیا؟ کبھی تو بخاری کو کلام اللہ سے بھی اول اور مقدم سمجھتے ہیں اور کسی محض اس وجہ سے کہ امام صاحب نے اس کے موافق کہہ دیا ہے ترک کر دیتے ہیں، دوسروں پر الزام دیتے ہیں، حالانکہ قصور اپنا ہے۔

مؤلف ظفر کا احادیث صحیحہ سے انکار

خلاصہ تقریر یہ ہے کہ امام صاحب موافق ان صریح احادیث کے مخابرت اور مزارعت کو جائز نہیں رکھتے اور معاملہ خیبر کو خراج مقاسمت کہتے ہیں کہ وہ بطریق احسان و مصالحت کے تھا، معاملہ مزارعت نہ تھا، کیوں کہ کہیں حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام حیات جزیہ ان سے لیا ہو، یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جزیہ لیا ہو، اگر زمین کا نصف جو ان سے مقرر کیا تھا جزیہ ہوتا تو جس وقت آیت جزیہ کی نازل ہوئی تھی اسی وقت ان سے جزیہ لیا جاتا، حالانکہ کہیں کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ سوائے اس نصف کے اور کچھ لیا ہو، پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کا قول موافق حدیث کے ہے اور معترض صاحب مخالف

۱.....تبیین الحقائق، کتاب المزارعۃ

حدیث کے کہتے ہیں، کیا عمل بالحدیث اسی مخالفت کا نام ہے؟ سچ پوچھو تو ہم کو ایسی باتوں سے خود تمہارے اسلام میں کلام ہے۔

مرمرا باور نمی آید ز روی اعتقاد　　　　این چنیں بدکردن و دین پیمبر داشتن

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کافر قسم کھا کر خواہ حالت کفر میں توڑ دے خواہ اسلام لا کر توڑ دے وفا کرنا اس کا اس پر لازم نہیں۔

فائدہ: کہا طیبی نے نہیں ہے صحیح نذر اس کی، اور یہ مذہب امام اعظم رحمہ اللہ کا ہے، تو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان تین حدیثوں کا، پہلی حدیث بخاری اور مسلم میں روایت ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ کہ حضرت عمر نے پوچھا نبی ﷺ سے، کہا نذر کی تھی میں نے جاہلیت میں کہ اعتکاف کروں گا میں ایک رات مسجد حرام میں فرمایا پوری کر نذر اپنی الخ

کشف کید صدم

اقول: اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے بوجہ وجوب ادائے نذر کے عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا بلکہ اس کا بھی احتمال ہے کہ بوجہ طاعت ہونے کے آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر لو اور تائید اس کی وہ حدیث کرتی ہے جو امام طحاوی نے عمرو بن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "إِنَّمَا النَّذْرُ مَا ابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ"(۱) یعنی نذر وہی ہے جو حسبۃً للہ ہو، پس ظاہر ہے کہ حالت شرک میں حسبۃً للہ نذر نہیں ہو سکتی، بلکہ معصیت ہوتی ہے اور نذر معصیت کی ممانعت میں بخاری وغیرہ میں احادیث موجود ہیں، اور معصیت اس لئے ہے کہ مشرک کی نیت سے ان اشیا کا تقرب ہوتا ہے جن کی وہ پرستش کرتا ہے، اس لئے کوئی فعل مشرک کا اللہ کے واسطے نہیں ہوتا، اسی وجہ سے ابراہیم نخعی اور ثوری اور امام صاحب اور صاحبین اور امام مالک اور امام شافعی اسی طرف گئے ہیں، گو امام شافعی سے دوسری روایت بھی ہے مگر مشہور قول ان کا یہی ہے، چنانچہ فتح القدیر میں لکھا ہے "وَأَمَّا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَالْمَشْهُوْرُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ أَنَّ نَذْرَ الْكَافِرِ لَا يَصِحُّ وَهُمْ يُؤَوِّلُوْنَهُ أَنَّهُ أَمَرَهُ أَنْ يَفْعَلَ قُرْبَةً مُسْتَأْنِفَةً فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ لَا عَلٰى أَنَّهُ الْوَاجِبُ بِالنَّذْرِ"(۲) یعنی لیکن قول آنحضرت ﷺ کا کہ ایفا کر و اپنی نذر کا پس مشہور مذہب شافعی سے یہ ہے کہ نذر کافر کی درست نہیں اور شافعیہ اس حدیث کے یوں معنی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ حالت اسلام میں عبادت مستقل طور پر کر لیں نہ اس طور سے کہ وہ نذر سے واجب ہو گیا ہے انتہی۔ غرض یہ ہے کہ اس حدیث سے ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ نذر واجب ہونے کی وجہ سے فرمایا ہو بلکہ کئی احتمال ہیں پھر قرآن شریف میں "لَا أَيْمَانَ لَهُمْ" فرمانا جس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کی یمین نہیں ہوتی، اور بھی اس مذہب کی تائید کرتا ہے اور باقی ابن ماجہ اور ابو داؤد کی دونوں کی دونوں حدیثوں میں کہیں نذر کافر کی نہیں پائی جاتی، بلکہ سیاق سے مسلم کی نذر ہے، سو یہ بحث سے

۱......مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۱۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۲......فتح القدیر، ج ۵، ص ۸۳، کتاب الایمان، فصل فی الطہارۃ

خارج ہے، پس قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا کہ امام صاحب نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں فرمائی، حاشا وکلا بلکہ ماخذ ان کا قرآن وحدیث ہی ہے، البتہ ترجیح بعض کو بعض پر دیتے ہیں، ان سے اگر ایک غلطی ہوگی تو دوسروں سے پچاس ہوں گی۔

چونکہ احباب نے اس کتاب کی تکمیل کے واسطے نہایت قلیل مدت ہم کو دی ہے اس لئے اختصار مجبوراً کرنا پڑا، ورنہ اگر ایک سال کی ہم کو مہلت ملتی تو پھر مذہب حنفیہ کے دلائل دیکھتے کہ کس قدر قرآن اور احادیث سے موجود ہیں، اور ان کا ذہن کہاں پہونچا ہے، اس لئے اکثر موٹی عقل والے جو باریک باتوں سے بے بہرا ہیں شل آپ کے ان کے مذہب پر طعن کرتے ہیں، ان بیچاروں کا کیا قصور، اپنی عقل کے موافق کہتے ہیں، مگر قصور ہے تو اتنا ہی ہے۔ ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست

اگر ان کو بھی عقل کامل عطا ہوتی تو مذہب حنفیہ کو بسبب اس کی خوبی اور احتیاط کے اور مذاہب پر ترجیح دیتے، مگر یہ مرحلہ طے نہیں ہوسکتا، اختلاف امت مشیت ایزدی ہے، ہمیشہ سے یوں ہی چلا آیا ہے۔

ذبیحہ کے پیٹ کا مردہ بچہ حرام ہے

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اونٹنی یا گائے کو ذبح کرے اور اس کے پیٹ میں سے مرا ہوا بچہ نکلے تو نہ کھائے خواہ اس کے بال ہوں یا نہ ہوں الخ۔(۱)

کشف کید یک صد و یکم

اقول: عینی شرح ہدایہ میں ہے "وَالْجَوَابُ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَنَّهٗ لَا يَصِحُّ الْاِسْتِدْلَالُ بِهٖ فَاِنَّهٗ رُوِيَ ذَكَاةُ اُمِّهٖ بِالنَّصْبِ وَالرَّفْعِ، فَاِنْ كَانَ مَنْصُوْبًا فَلَا اِشْكَالَ، فَاِنَّهٗ لِلتَّشْبِيْهِ وَاِنْ كَانَ مَرْفُوْعًا فَكَذٰلِكَ لِاَنَّهٗ اَقْوٰى مِنَ التَّشْبِيْهِ مِنَ الْاَوَّلِ، عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ عِلْمِ الْبَيَانِ" (۲) یعنی اور جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں، کیونکہ حدیث کے لفظ ذکاۃ میں زبر اور پیش دونوں روایت کئے گئے ہیں، پس اگر منصوب لیا جائے تو کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، کیونکہ یہ واسطے تشبیہ کے ہے، اور اگر مرفوع لو تو بھی کچھ اشکال نہیں، کیونکہ یہ تشبیہ پہلی تشبیہ سے بھی زیادہ قوی ہے اس کا ذکر علم بیان میں کیا گیا ہے انتہی، پس اس تقریر سے معنی حدیث کے یہ ہوئے کہ ذبح کرنا جنین کا مثل ماں کے ذبح کرنے کے ہے، اور نصب کی روایت ان معنوں کی مرجح ہے، کیونکہ اس میں بغیر تشبیہ کے کوئی دوسری صورت نہیں، اور رفع کی حالت میں بھی تشبیہ بہت کثرت سے آئی ہے، چنانچہ قرآن شریف میں ہے" وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ "(۱) یعنی اور جنت کہ وسعت اس کی مثل وسعت آسمانوں اور زمین کے ہے انتہی، اور عرب" زید الاسد" کہتے

۱۔۔۔۔۔۔الجزء الاخیران من الهدایة، ص ٤٢٤، کتاب الذبائح، مجلس برکات مبارک پور

۲۔۔۔۔البنایه شرح هدایه، ج ١١، ص ٥٧٥، کتاب الذبائح

ہیں، یعنی زید مانند شیر کے ہے اور کسی شاعر کا قول ہے ع

وَعَیْنَاكِ عَیْنَاهَا وَجِیْدُكِ جِیْدُهَا وَلٰكِنَّ عَظْمَ السَّاقِ مِنْكِ دَقِیْقُ

یعنی اور آنکھیں تیری اے معشوقہ ہرنی کی سی آنکھیں ہیں اور گردن تیری مثل گردن ہرنی کے ہے، لیکن ہڈی ساق کی تیری ہڈی سے باریک ہے انتہی۔

اور اگر رفع کی صورت میں تشبیہ نہ لی جائے گی تو پھر معنی درست نہ ہوں گے، کیونکہ اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ ذبح کرنا جنین کا اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے، یعنی جنین کی ذکات کفایت کرتی ہے، ماں کے ذبح کرنے کی کچھ حاجت نہیں، اس لئے کہ ذکاۃ الجنین مبتدا ہے اور ذکاۃ امہ اس کی خبر ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے "كَلَامُ زَیْدٍ كَلَامُ الْقَوْمِ" کلام زید کا کلام قوم کا ہے، یعنی کلام زید کا کافی ہے، کلام قوم کی کچھ احتیاج نہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوتے ہیں تو مبتدا کا مقدم ہونا واجب ہوتا ہے، یعنی پہلا لفظ مبتدا ہوا کرتا ہے اور دوسرا خبر، پس اس قاعدہ عرب کی رو سے حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ بچے کا ذبح کرنا کافی ہے، ماں کے ذبح کرنے کی کچھ حاجت نہیں، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ فقط بچے کو ذبح کرنا کافی ہے، اور ان معنوں میں جو امام صاحب لیتے ہیں کہ جنین کا ذبح کرنا مثل ماں کے ہے، یعنی جیسے ماں ذبح کی جاتی ہے ویسا ہی جنین کو بھی ذبح کرنا چاہیے، اس کے ذبح کا کوئی اور طریق نہیں ہے، دونوں کا ذبح کرنا برابر ہے کوئی قباحت نہیں لازم آتی، بلکہ قرآن شریف کے مطابق ہے کیونکہ کلام مجید میں میتہ کا کھانا حرام کیا گیا ہے، اور میتہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کے مرجاوے، اور پھر ذبح کرنا خدائے تعالیٰ نے شرط بھی کردیا ہے، چنانچہ "اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ" سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط ذبح کی ہوئی شئے کھانی درست ہے، ورنہ حرام ہے، یہ خلاصہ تقریر علامہ زیلعی کا ہے۔

اور موطائے امام محمد میں ہے "عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّهٗ قَالَ: لَا تَكُوْنُ ذَكَاةُ نَفْسٍ ذَكَاةَ نَفْسَیْنِ" (۲) یعنی امام صاحب نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ فرمایا انہوں نے: ایک جان کا ذبح کرنا دو جانوں کے قائم مقام نہیں ہوتا انتہی۔

ذبیحہ کے پیٹ کا مردہ بچہ جنین نہیں

پس یہاں موافق مذہب امام صاحب کے ایک نازک بات جو کمال احتیاط پر دلالت کرتی ہے نکلی ہے، وہ یہ ہے کہ بعد ذبح کرنے کسی جانور کے اس میں سے مرا ہوا بچہ نکلے تو احتمال ہے کہ یہ بچہ قبل ذکاۃ ام کے پیٹ کے اندر مرگیا ہو یا بعد ذکاۃ کے، سو صورت ثانی میں موافق مدعا آپ کے معنی حدیث کے یہ ہو سکتے ہیں کہ ذکاۃ ام کی کافی ہے ذکاۃ جنین کو لیکن صورت اول میں یہ معنی ہرگز نہ صحیح ہوں گے، اس واسطے کہ وقت ذکاۃ ام کے وہ بچہ جنین نہیں ہو سکتا کیونکہ جنین کہتے ہیں زندہ بچے کو جو ماں کے

۱......سورہ آل عمران، آیت ۱۳۳

۲......موطا امام محمد، ص ۲۸۷، اشرفی بک ڈپو دیوبند

پیٹ میں ہو، حالانکہ وہ یہاں مردہ تھا، پس ذکاۃ ام کی بچہ مردہ کو کیونکر کافی ہوگی، وہ بچہ جیسا ماں کے پیٹ میں قبل ذبح کے مردار تھا اب بھی بعد پیدا ہونے کے ویسا ہی مردار رہا، پس امام صاحب کے یہاں اس شبہ حرمت سے بچنے کے واسطے معنی حدیث کے ایسے لئے گئے کہ موافق محاورۂ عرب کے بھی رہے، اور احتمال مذکور سے احتیاط بھی کی گئی، پس یہاں نظر انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ مصداق ان دونوں حدیثوں کا کس کا مذہب ہے "مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ" یعنی جو شخص شبہ کی باتوں سے بچا سو بیشک اس نے اپنے دین کو پاک وصاف کیا "دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ" (۱) یعنی جس چیز میں شک ہو اس کو چھوڑ دے غرض ایسے دقائق حدیث کے سمجھنے کو عقل صحیح وذوق سلیم چاہیے، ایسی باتیں فرقہ ظاہریہ کی کب سمجھ میں آتی ہیں۔

ہزاروں نقطے یہاں بال سے بھی ہیں باریک — جو جس کی عقل ہی موٹی وہ ان کو کیا جانے

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے، اور یہ مذہب امام اعظم اور امام مالک کا ہے الخ۔

کشف کید یک صد ودوم
گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے

اقول: نسائی میں ہے "عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَحِلُّ أَكْلُ لُحُومِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ" (۲) یعنی خالد بن الولید سے روایت ہے کہ سنا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے تھے نہیں حلال ہے گھوڑے اور خچر اور گدھے کا گوشت کھانا انتہی۔

اور ابوداؤد میں آیا ہے "إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ" (۳) یعنی تحقیق رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کھانے سے انتہی۔

اور اسی طرح ابن ماجہ میں ہے "نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ لُحُومِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ" (۴) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا جائز نہیں اور حرمت کو حلت پر ترجیح ہے، اس لیے کم سے کم کراہت تو ضروری ہوگی، یہی مذہب امام صاحب اور امام مالک اور اوزاعی اور ابوعبید کا جو موافق مذہب ابن عباس کے ہے حدیث کے مخالف نہیں، اور یہ حدیث جو حرمت میں وارد ہے صحیح ہے، تصریح اس کی علامہ عینی نے خوب مفصل شرح کنز الدقائق میں کردی ہے۔

۱......ترمذی حدیث ۲۵۱۸

۲......نسائی باب تحریم اکل لحوم الخیل،۲،ص۱۹۸

۳......ابوداؤد،ج۲،ص۱۷۵،مطبوعہ قادری دہلی

۴......ابن ماجہ،ص۲۳۹،مطبوعہ عمدۃ المطابع

غرض کہ احتیاط کرنا بہتر ہے، کیونکہ دونوں حدیثوں کے تعارض سے شبہ حلت میں پڑ گیا ہے۔

قال: ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو مچھلی کہ خود بخود مر جاوے اور الٹی ہو جائے کھانا اس کا مکروہ ہے، اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے سو امام اعظم نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو کہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ میں روایت ہے الخ۔

کشف کید یک صد و سوم
دریا میں مر کر الٹ جانے والی مچھلی مکروہ ہے

اقول: ابوداؤد اور ابن ماجہ میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے "قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا أَلْقَى الْبَحْرُ أَوْ جَزَرَ عَنْهُ فَكُلُوهُ وَمَامَاتَ فِيهِ فَطَفَى فَلَا تَأْكُلُوهُ "(۱) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو چیز ڈال دے دریا یا علیحدہ ہو جائے اس سے پس کھالو تم اس کو اور جو مچھلی دریا میں مر جائے اور الٹی ہو کر اوپر آ جائے پس تم اس کو نہ کھاؤ انتہی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہماری بازاروں میں طافی مچھلی مت بیچ کرو انتہی۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے طافی کی ممانعت میں احادیث مروی ہیں اور تبیین الحقائق میں لکھا ہے "وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِثْلُهُ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ وَالشَّافِعِي فِي إِبَاحَتِهِمَا الطَّافِيَ، وَلَا دَلِيلَ لَهُمَا فِيمَا رَوَيَا لِأَنَّ الْمُرَادَ بِمَيْتَةِ الْبَحْرِ مَا لَفَظَهُ الْبَحْرُ حَتَّى يَكُونَ مَوْتُهُ مُضَافًا إِلَى الْبَحْرِ وَلَا يَتَنَاوَلُ مَامَاتَ فِيهِ بِمَرَضٍ وَنَحْوِهِ "(۲) یعنی اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایسی ہی روایت ہے اور یہ حدیث امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ پر حجت ہے کیونکہ وہ دونوں طافی مچھلی کو مباح سمجھتے ہیں، اور ان کی حجت وہ حدیث جو انہوں نے روایت کی ہے نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ مراد دریا کے میتہ سے وہ ہے کہ اس کو دریا پھینک دے تا کہ موت اس کی طرف دریا کے منسوب ہو جائے، اور نہیں شامل ہے یہ حدیث اس کو جو مرض وغیرہ سے مر جاوے انتہی۔

مؤلف ظفر کی احادیث صحیحہ کی مخالفت

پس معلوم ہوا کہ جو مچھلی دریا میں الٹی ہو کر اوپر پانی کے آ جاتی ہے جب اس کی مرض ہوتا ہے دریا کی سردی گرمی سے طافی نہیں ہوتی، اس پر میتہ دریا کا صادق نہیں آ ئے گا، کیونکہ دریا کے میتہ سے یہ تو مراد نہیں ہے کہ دریا ہی میں مرے، اگر باہر آ کر مرے گی تو بھی حلال ہے، بلکہ دریا کی طرف جو نسبت کی ہے اس سے مراد فعل دریا ہے، لہذا طافی پر میتہ دریا صادق نہیں ہو گا، پھر جب حدیث صحیح موجود ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی مذہب یہی منقول ہے کہ اس کا کھانا نہیں چاہیے تو اب کوئی اس میں

۱۔۔۔۔۔۔ابوداؤد، باب فی اکل الطافی من السمک، کتاب اللقطۃ، ص ۵۳۴

۲۔۔۔۔۔۔تبیین الحقائق، فصل فی ما یحل اکلہ وفیما لا یحل اکلہ

حالت منتظرہ باقی نہیں رہی، معترض صاحب نے تو خود ان صریح حدیثوں کی مخالفت کی ہے تا حق دوسروں پر مخالفت کا اعتراض ہے سبحان اللہ یجوز لی ولا یجوز لغیری

؎ نیک کی جوئی عیوب دیگراں　　　چوں رسی بر عیب خود کوری ازاں

قال: اور ایک مغالطہ امام اعظم کے مقلد حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس حدیث کی کتابوں کے کئی صندوق تھے اور امام اعظم نے سوائے جماعت صحابہ کے تین سو تابعین مشائخ سے حدیث سماع کی ہے اور ان کے مسند کی روایت پانچ سو آدمیوں نے ان سے کی ہے، اور سب کے سب امام اعظم کے استاذ علم کے چار ہزار آدمی ہیں، اس بات کو شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں نقل کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو شیخ عبدالحق وغیرہ حنفیہ کی خانہ ساز باتیں ہیں، ان کو بجز بعض متعصب امام اعظم کے مقلدوں کے کوئی نہیں مانتا، اور ایسی بناوٹی دل سے تراشی ہوئی باتوں کو سچا کوئی نہیں جانتا الخ۔

کشف کید یک صد و چہارم

اقول معترض صاحب سے جب کوئی جواب نہ بنا تو اقوال محققین کو بناوٹی اور دل سے تراشی ہوئی باتیں کہہ دیا، اگر اسی کا نام جواب ہے تو ہم کو ایسا جواب بہت آسان ہے، جو بات کسی کے مخالف ہوئی جھٹ اس کو تراشیدہ قرار دے کر چھوٹ گئے، یہ جواب بھی قابل وجد ہے، آج تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا، خاص حصہ معترض صاحب کا ہے، مگر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے، "وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُنْکِرُوْنَ"۔

خس خانہ میرود بر روی آب　　　آب صافی میرود بے اضطراب

اس جواب میں معترض صاحب نے امام صاحب کا دیکھنا صحابہ کو، اور روایت کرنی صحابہ سے، اور کثیر الحدیث ہونے امام صاحب کا انکار کیا ہے، اور دو تین قول ضعیف نقل کیے ہیں بعض سے نفی روایت اور بعض سے نفی رویت اور بعض سے قلت حدیث پائی جاتی ہے، اب ہر ایک کو ہم بالترتیب ثابت کرتے ہیں، ملا علی قاری نخبۃ الفکر کی شرح الشرح میں لکھتے ہیں:

"قَالَ الْعِرَاقِیُّ: وَعَلَیْہِ عَمَلُ الْاَکْثَرِیْنَ، وَقَدْ اَشَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الصَّحَابِیِّ وَالتَّابِعِیِّ بِقَوْلِہٖ طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَلِمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ، فَاکْتَفٰی بِمُجَرَّدِ الرُّؤْیَۃِ، قُلْتُ وَبِہٖ یَنْدَرِجُ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ فِیْ سِلْکِ التَّابِعِیْنَ، فَاِنَّہٗ قَدْ رَاٰی اَنَسًا وَغَیْرَہٗ مِنَ الصَّحَابَۃِ عَلٰی مَا ذَکَرَہُ الشَّیْخُ الْجَزَرِیُّ فِیْ اَسْمَاءِ رِجَالِ الْقُرَّاءِ وَالتُّوْرِ بِشْتِیُّ فِیْ تُحْفَۃِ الْمُسْتَرْشِدِ وَصَاحِبُ کَشْفِ الْکَشَّافِ فِیْ سُوْرَۃِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَصَاحِبُ مِرْاٰۃِ الْجِنَانِ وَغَیْرُہُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ الْمُتَبَحِّرِیْنَ، فَمَنْ نَفٰی اَنَّہٗ تَابِعِیٌّ فَاِمَّا مِنَ التَّتَبُّعِ الْقَاصِرِ اَوِ التَّعَصُّبِ الْفَاتِرِ انتہی"۔ (۱) یعنی کہا عراقی نے کہ اس پر (یعنی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جو تعریف تابعی کی بیان کی ہے کہ

۱......اقامۃ الحجۃ، ص ۱۰۴، مطبع مصطفائی

تابعی وہ ہے جس نے صحابی کو دیکھا ہو یہی مذہب مختار ہے) عمل اکثروں کا ہے، اور تحقیق اشارہ کیا نبی ﷺ نے طرف صحابی اور تابعی کے ساتھ قول اپنے کے کہ خوشخبری ہو اس شخص کو کہ دیکھا اس نے مجھ کو اور اس شخص کو کہ دیکھا اس نے اس کو جس نے مجھ کو دیکھا ہے، پس آنحضرت ﷺ نے فقط دیکھنے پر اکتفا کی، میں کہتا ہوں کہ اس تعریف سے امام اعظم رحمہ اللہ علیہ تابعین میں داخل ہیں، اس لئے کہ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ اور سوا ان کے اور صحابہ کو دیکھا ہے، چنانچہ ذکر کیا اس کو شیخ جزری نے اسمائے رجال قراء میں، اور تورپشتی نے تحفۃ المسترشد میں، اور صاحب کشف الکشاف نے سورۂ مؤمنین میں، اور صاحب مرآۃ الجنان وغیرہم نے علمائے متبحرین سے، پس جس شخص نے امام صاحب کے تابعی ہونے کی نفی کی وہ یا بوجہ قصور تلاش کے یا بوجہ تعصب شدید کے ہے انتہی۔

اور ابن جوزی نے علل متناہیہ میں لکھا ہے: " أَبُوْ حَنِيْفَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَإِنَّمَا رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ بِعَيْنِهِ" یعنی امام صاحب نے نہیں سماعت کی کسی صحابی سے بلکہ انس کو دیکھا ہے انتہی۔

امام اعظم کی تابعیت پر جمہور محدثین وفقہا کا اتفاق ہے

اور جلال الدین سیوطی تبییض الصحیفہ میں لکھتے ہیں: کہ حافظ ابن حجر عسقلانی امام صاحب کی روایت اور تابعیت سے سوال کیے گئے، فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک جماعت صحابہ کا زمانہ پایا، اس لئے کہ کوفے میں ولادت ان کی سن اسی ہجری میں ہوئی ہے، اور وہاں عبد اللہ بن ابی اوفیٰ تھے، کیونکہ وفات ان کی بعد اس سن کے ہے، اور اس وقت بصرہ میں انس بن مالک تھے، کیونکہ وفات ان کی سن نوے میں یا بعد اس کے ہے، اور ابن سعد نے ایسی سند سے جس میں کوئی جرح نہیں روایت کی ہے کہ امام صاحب نے انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، اور سوا ان دو کے اور صحابہ چند شہروں میں زندہ تھے انتہی مختصراً۔(۱)

اور اقامۃ الحجہ میں لکھا ہے کہ ان علما نے ثقات دارقطنی اور ابن سعد اور خطیب اور ذہبی اور ابن حجر اور ولی عراقی اور سیوطی اور علی قاری اور اکرم سندی اور ابو معشر اور حمزہ اور یافعی اور جزری اور تورپشتی اور ابن جوزی اور سراج صاحب کشف الکشاف نے امام صاحب کے تابعی ہونے پر تصریح کردی ہے، اور جنہوں نے انکار کیا ہے ان میں سے ان کو صحابہ سے روایت کرنے کا انکار ہے، اور دوسری جماعت محدثین اور مؤرخین نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے عبارتیں ان کی بوجہ طول کلام کے ترک کردیں اور جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے ان کتابوں کے دیکھنے کے بعد نقل کیا ہے بجز داعتماد نقل دوسرے کے نہیں کیا، اور جو شخص ان کتب مذکورہ کو دیکھے گا ہماری نقل کی تصدیق ہوجائے گی لیکن اقوال ہمارے فقہا کے اس باب میں پس وہ بیشمار ہیں، اور جس نے مؤرخین میں سے امام صاحب کی تابعیت کا انکار کیا ہے وہ شخص اعتماد اور قوت حفظ اور وسعت نظر میں ان مثبتین تابعیت کے مرتبے کو نہیں پہنچتا، پس اس کے قول کا اعتبار نہیں ہے کہ وہ ان کے قول کا معارض ہوجائے، اور یہ ذہبی شیخ الاسلام کہ نقوق

۱......تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ، ص ۲۵

کے نزدیک نقل ان کی معتبر ہے اگر اکیلے امام صاحب کے تابعی ہونے کی تصریح کر دیتے تو بیشک ان کا قول نفی کرنے والوں کے قول کے رد میں کافی تھا، پھر بتلایئے جب کہ موافق ان کے امام الحفاظ ابن حجر اور سردار ثقات کے ولی عراقی اور خاتم الحفاظ سیوطی اور معتمد مورخین کے یافعی وغیرہم ہو گئے ہوں، اور سبقت کی ہو طرف اس کے خطیب اور دار قطنی نے، اور تو جانتا ہے خطیب اور دار قطنی کون ہیں، بڑے امام اور معتمد اور مستند ہیں، اور سوا ان کے نے، پس اب منکر کے واسطے کوئی امر باقی نہیں سوا اس کے کہ ان ثقات کی تکذیب کرے، پس اگر یہ امر اس سے واقع ہو تو اس کے ساتھ کلام نہیں، یا اقوال اولیٰ کو اعلیٰ پر مقدم کرے، پس اگر یہ کرے تو ترجیح مرجوح لازم آ جائے گی، اور امید علمائے منصف سے بعد ملاحظہ ان تصریحات کے یہ ہے، کہ ان کا انکار باقی نہ رہے گا انتہی۔(۱)

امام اعظم کی روایت صحابہ سے ثابت ہے

اور ثبوت روایت امام صاحب کا صحابہ سے یہ ہے کہ ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی اپنے رسالے میں در بارۂ روایت امام صاحب لکھتے ہیں" قَالَ الْإِمَامُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَقِيْتُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جُزْءِ نِ الزُّبَيْدِيِّ وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَمَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ وَوَاثِلَةُ بْنُ الْاَسْقَعِ وَعَائِشَةُ بِنْتُ عُجْرَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، ثُمَّ رَوَى عَنْ اَنَسٍ ثَلٰثَةَ اَحَادِيْثَ وَعَنِ ابْنِ جُزْءٍ حَدِيْثًا وَعَنْ وَاثِلَةَ حَدِيْثَيْنِ وَعَنْ جَابِرٍ حَدِيْثًا وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ حَدِيْثًا وَعَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ عُجْرَدٍ حَدِيْثًا "(۲) یعنی فرمایا امام صاحب نے کہ ملا میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ انس بن مالک اور عبداللہ بن انیس اور عبداللہ بن جزء زبیدی اور جابر بن عبداللہ اور معقل بن یسار اور واثلہ بن اسقع اور عائشہ بنت عجرد ہیں، پھر روایت کی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے تین حدیثیں انس رضی اللہ عنہ سے اور ایک حدیث ابن جزء سے اور دو حدیثیں واثلہ رضی اللہ عنہ سے اور ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے اور ایک عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے اور ایک حدیث عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے انتہی۔

اور طبقات حنفیہ میں ملا علی قاری لکھتے ہیں "قَدْ ثَبَتَ رُؤْيَتُهُ لِبَعْضِ الصَّحَابَةِ، وَاخْتُلِفَ فِيْ رِوَايَتِهِ عَنْهُمْ، وَالْمُعْتَمَدُ ثُبُوْتُهَا كَمَا بَيَّنْتُهُ فِيْ سَنَدِ الْاَنَامِ شَرْحِ مُسْنَدِ الْاِمَامِ حَالَ اِسْنَادِهِ اِلٰى بَعْضِ الصَّحَابَةِ الْكِرَامِ، فَهُوَ مِنَ التَّابِعِيْنَ الْاَعْلَامِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْعُلَمَاءُ الْاَعْيَانُ دَاخِلٌ تَحْتَ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ وَفِيْ عُمُوْمِ قَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ "(۳) یعنی تحقیق ثابت ہوا دیکھنا امام صاحب کا بعض صحابہ کو اور اختلاف کیا گیا ہے روایت کرنے میں امام صاحب

۱۔۔۔۔۔۔اقامة الحجة، ص ۱۰، مطبع مصطفائی للعلامة ابی الحسنات محمد عبد الحی

۲۔۔۔۔۔تبییض الصحیفة، ص ۲۲

۳۔۔۔۔۔طبقات حنفیه بحواله اقامة الحجة، ص ۱۰، مطبع مصطفائی

کے صحابہ سے اور اعتماد کیا گیا ہے ثبوت روایت کا، چنانچہ بیان کیا میں نے اس کو سند الانام شرح مسند الامام میں وقت اسناد ان کی کے طرف بعض صحابہ کرام کے، پس امام صاحب تابعین کبار سے ہیں، جیسا کہ بڑے بڑے علمانے اس کی تصریح کی اور داخل ہیں آیت "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ" کے تحت میں، اور عموم قول علیہ السلام "خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ" میں، روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے انتہی۔

نواب بھوپال کا تشدد

اور مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی مرحوم صاحب شفاء الحی کے جواب میں لکھتے ہیں "وَاَمَّا رَابِعاً فَهُوَ اَنَّ عِبَارَتَهُ هٰذِهِ تُوهِمُ اَنَّ الْحَنَفِيَّةَ مُقْتَصِرُوْنَ عَلٰى اِثْبَاتِ الْمُعَاصَرَةِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ فَاِنَّ اَكْثَرَهُمْ بَلْ كُلَّهُمْ ذَهَبُوْا اِلٰى رُؤْيَةِ الصَّحَابَةِ وَاِنَّمَا اخْتَلَفُوْا فِيْ رِوَايَتِهٖ عَنِ الصَّحَابَةِ، فَجَمْعٌ مِنْهُمْ نَفَوْهَا كَجَمْعٍ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَجَمْعٌ مِنْهُمْ اَثْبَتُوْهَا وَقَالُوْا هُوَ الْمَذْهَبُ الْمَتِيْنُ، وَلَقَدِ اقْشَعَرَّ جِلْدِيْ وَتَوَحَّشَ فُؤَادِيْ حِيْنَ رَاَيْتُ عِبَارَةَ الْاَبْجَدِ وَحَكَمَ مَنْ فَهِمَهَا اَنَّهَا تُجَاوِزُ عَنِ الْحَدِّ وَهُوَ الَّذِيْ اَرْجَعَنِيْ اِلٰى جَمْعِ نُبَذٍ مِّنْ مُسَامَحَاتِهٖ فِيْ تَصَانِيْفِهٖ لِئَلَّا يَغْتَرَّ الْجَاهِلُوْنَ بِاَمْثَالِ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ فِيْ تَالِيْفَاتِهٖ وَاللّٰهَ اَسْاَلُ اَنْ يُجَنِّبَنِيْ وَيُجَنِّبَهُ مِنْ اَمْثَالِ هٰذِهِ الْمُغَالَطَاتِ" (۱) یعنی چوتھا اعتراض یہ ہے کہ یہ عبارت ان کی موہم ہے کہ حنفیہ فقط امام صاحب کا ہم عصر صحابہ ہونا ثابت کرتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ تحقیق اکثر ان کے بلکہ کل ان کے رویت صحابہ کے قائل ہیں، اور جز ایں نیست کہ اختلاف انہوں نے امام صاحب کی روایت میں کیا ہے، پس ایک جماعت نے ان میں سے نفی روایت کی ہے، مثل ایک جماعت کے محدثین سے، اور ایک جماعت نے ان میں سے روایت کو ثابت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے، اور تحقیق کانپ اٹھا بدن میرا اور پریشان ہو گیا دل میرا جب کہ عبارت ابجد العلوم تصنیف نواب صاحب بھوپالی کی میں نے دیکھی اور جس نے اس کو سمجھا، کہا یہ عبارت حد سے تجاوز کر گئی ہے، اور اسی نے مجھ کو برانگیختہ کیا ان کے مسامحات کے جمع کرنے پر جو ان کے تصانیف میں ہیں، تا کہ دھوکے میں نہ آجائیں بے علم اس طور کے کلمات سے، جو ان کے تالیفات میں ہیں، اور اللہ تعالی سے میں سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو اور ان کو اس قسم کے مغالطات سے بچائے انتہی۔

ان روایات کی تفصیل جو امام اعظم نے صحابہ سے کی ہے

اب وہ روایات امام صاحب کی جو صحابہ سے ہیں مع اسناد وتقریر سیوطی کے نقل کی جاتی ہیں تبییض الصحیفہ میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں "قَالَ اَبُوْ مَعْشَرٍ فِيْ جُزْئِهٖ اَنَا اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ الْفَقِيْهُ الْوَاعِظُ ثَنِيْ اَبُوْ اِبْرَاهِيْمَ اَحْمَدُ بْنُ حُسَيْنٍ الْقَاضِيْ اَنْبَانَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ حَمْدَانَ الْحَنَفِيُّ ثَنِيْ

۱......ابراز الغی فی شفاء العی، مطبوعہ مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ

أَبُو سَعِيدٍ إِسْمَعِيلُ بْنُ عَلِيٍّ السَّمَّانُ ثَنِي أَبُو الْحُسَيْنِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمُودٍ الْبَزَّازُ ثَنِي أَبُو سَعِيدِ بْنِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُبَارَكِ ثَنِي أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الصَّلْتِ بْنِ الْمُغَلِّسِ الْحِمَّانِيُّ ثَنِي بِشْرُ بْنُ الْوَلِيدِ الْقَاضِي عَنْ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَبِهِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ وَبِهِ عَنْ أَنَسٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ" (۱) یعنی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے طلب کرنا علم کا ہر مسلمان پر فرض ہے، اور امام ابوحنیفہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سنا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ فرماتے تھے بتلانے والا خیر کا مانند کرنے والے خیر کے ہے، اور امام ابوحنیفہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سنا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ فرماتے تھے تحقیق اللہ تعالی فریادرسی غمگین کی دوست رکھتا ہے۔

" أَقُولُ أَحْمَدُ بْنُ مُغَلِّسٍ مَجْرُوحٌ وَالْحَدِيثُ الْأَوَّلُ مَتْنُهُ مَشْهُورٌ وَقَدْ قَالَ الشَّيْخُ مُحْيِي الدِّينِ النَّوَوِيُّ فِي فَتَاوَاهُ هُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ، وَإِنْ كَانَ الْمَعْنَى صَحِيحاً، وَقَالَ الْحَافِظُ جَمَالُ الدِّينِ الْمِزِّيُّ رُوِيَ مِنْ طُرُقٍ تَبْلُغُ رُتْبَةَ الْحَسَنِ، قُلْتُ وَعِنْدِي أَنَّهُ يَبْلُغُ رُتْبَةَ الصَّحِيحِ لِأَنِّي وَقَفْتُ لَهُ عَلَى نَحْوِ خَمْسِينَ طَرِيقاً، وَقَدْ جَمَعْتُهَا فِي جُزْءٍ، وَالْحَدِيثُ الثَّانِي مَتْنُهُ صَحِيحٌ وَرَدَ مِنْ رِوَايَةِ جَمْعٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَأَصْلُهُ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بِلَفْظِ "مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ، وَالْحَدِيثُ الثَّالِثُ مَتْنُهُ صَحِيحٌ وَرَدَ مِنْ رِوَايَةِ جَمْعٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَصَحَّحَهُ ضِيَاءُ الْمَقْدِسِيُّ فِي الْمُخْتَارَةِ مِنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ" (۲) یعنی کہتا ہوں میں احمد بن مغلس جرح کیا گیا ہے اور پہلی حدیث متن اس کا مشہور ہے، اور کہا شیخ محی الدین نووی نے اپنے فتاوی میں، یہ حدیث ضعیف ہے، اگرچہ معنی اس کے صحیح ہیں، اور کہا حافظ جمال الدین مزی نے، روایت کی گئی ہے اتنے طریقوں سے کہ پہونچ جاتے ہیں رتبہ حسن کو، کہا میں نے اور میرے نزدیک یہ حدیث رتبہ صحیح کو پہونچتی ہے، اس لئے کہ میں اس کے پچاس طریقوں سے واقف ہو گیا ہوں اور میں نے علیحدہ ایک جز میں جمع کی ہے، اور دوسری حدیث متن اس کا صحیح ہے، وارد ہوئی ہے روایت سے ایک جماعت کے صحابہ میں سے، اور اصل اس کی صحیح مسلم میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ " مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ" وارد ہے اور تیسری حدیث

۱..... تبییض الصحیفہ، ص ۲۷،۲۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۲..... تبییض الصحیفہ، ص ۲۸، مطبع سابق

متن اس کا صحیح ہے وارد ہوئی ہے بروایت ایک جماعت صحابہ کے، اور صحیح کہا اس کو ضیاء مقدسی نے مختارہ میں حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ سے۔

"ثُمَّ قَالَ أَبُو مَعْشَرٍ أَنَا أَبُو عَبْدِاللّٰهِ ثَنِيْ أَبُو إِبْرَاهِيْمَ ثَنِيْ أَبُوبَكْرِ بْنُ الْخَفِيْ ثَنِيْ أَبُو سَعِيْدِ الْحُسَيْنِيْ بْنُ أَحْمَدَ ثَنِيْ عَلِيْ بْنُ أَحْمَدَ الْحُسَيْنِيْ التَّمِيْمِيْ الْبَصْرِيْ ثَنِيْ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جِرَامٍ ثَنِيْ الْمُظَفَّرُ بْنُ سَهْلِ بْنِ مُوْسَى بْنِ عِيْسَى بْنِ الْمُنْذِرِ الْجُمَحِيْ ثَنِيْ أَبِيْ ثَنِيْ إِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ، وَبِهٖ عَنْ وَاثِلَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِأَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ" (۱) یعنی پھر ابو معشر نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی اور وہ واثلہ بن الاسقع صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ترک کر اس چیز کو جو شک میں ڈالے تجھ کو طرف اس چیز کے جو نہ شک میں ڈالے تجھ کو، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مت ظاہر کر تو خوشی کو اپنے بھائی کے مبتلا ہونے سے کہ اللہ اس کو عافیت دے اور تجھ کو مبتلا کر دے۔

"أَقُوْلُ الْحَدِيْثُ الْأَوَّلُ مَتْنُهٗ صَحِيْحٌ، وَرَدَ مِنْ رِوَايَةِ جَمْعٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَقَدْ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَالضِّيَاءُ مِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَالْحَدِيْثُ الثَّانِيْ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ عَنْ وَاثِلَةَ وَحَسَّنَهٗ وَلَهٗ شَاهِدٌ مِّنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ" (۲) یعنی میں کہتا ہوں کہ حدیث پہلی متن اس کا صحیح ہے، وارد ہوئی روایت سے ایک جماعت صحابہ کے اور تحقیق صحیح کہا اس حدیث کو ترمذی اور ابن حبان اور حاکم اور ضیاء نے حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے اور دوسری حدیث بیان کیا اس کو ترمذی نے دوسرے طریقے سے روایت واثلہ رضی اللہ عنہ سے اور حسن کہا اس کو اور واسطے اس کے شاہد حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔

ثُمَّ قَالَ أَبُوْ مَعْشَرٍ أَنَا عَبْدُاللّٰهِ ثَنِيْ أَبُوْ إِبْرَاهِيْمَ ثَنِيْ أَبُوْ بَكْرِنِ الْخَفِيْ ثَنِيْ أَبُوْ سَعِيْدِنِ السَّمَّانُ ثَنِيْ أَبُوْ عَلِيِّ نِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ الْيَمَنِيْ ثَنِيْ أَبُوْ حُسَيْنٍ عَلِيُّ بْنُ مَامُوْنَةَ الْأَسْوَارِيْ ثَنِيْ أَبُوْ دَاوٗدَ الطَّيَالِسِيْ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ قَالَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَقَدِمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ أُنَيْسٍ نِ الْكُوْفَةَ سَنَةَ أَرْبَعٍ وَّتِسْعِيْنَ وَرَأَيْتُهٗ وَسَمِعْتُ مِنْهُ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَةَ عَشَرَ سَنَةً سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ" (۳) یعنی پھر ابو معشر نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی

۱۔۔۔۔۔تبییض الصحیفہ، ص ۲۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۲۔۔۔۔۔تبییض الصحیفہ، ص ۲۹، مطبع سابق ۳۔۔۔۔۔تبییض الصحیفہ، ص ۳۰، مطبع سابق

کہ فرمایا انہوں نے کہ پیدا ہوا میں سن اسی میں اور آئے عبداللہ بن انیس کوفہ میں سن چورانوے ہجری میں، دیکھا میں نے ان کو اور سنا میں نے ان سے، اور میں اس وقت چودہ برس کا تھا، سنا میں نے ان کو کہتے تھے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے محبت رکھنا تیرا کسی شئے سے اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

هذا الحديث رواه أبو داؤد في سننه من حديث أبي الدرداء وأصعب ما هنا أن يقال إن عبدالله بن أنيس الجهني الصحابي المشهور مات سنة أربع وخمسين وذلك قبل مولد أبي حنيفة بدهر، والجواب أن الصحابة المسمين عبدالله بن أنيس خمسة، فلعل الذي روى عنه الإمام أبو حنيفة واحد آخر منهم غير الجهني المشهور "(1) یعنی اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابو درداء کی حدیث سے روایت کیا ہے اور دشوار ترین کلام اس جگہ یہ ہے کہ کہا جائے عبداللہ بن انیس الجہنی صحابی مشہور کا انتقال سن چون میں ہوا ہے اور یہ ایک زمانہ قبل ولادت امام ابوحنیفہ کے ہے، اور جواب اس کا یہ ہے کہ صحابہ مسلمان عبداللہ ابن انیس پانچ ہیں پس شاید کہ جس سے امام ابوحنیفہ نے روایت کی ہے کوئی اور صحابی ان میں سے سوائے جہنی مشہور کے ہوں"۔

" قال أبو معشر أنا عبدالله ثني أبو إبراهيم أنا أبو بكر ن الحنفي ثني أبو سعد بن السمان ثني أبو علي ن الحسن بن علي ن الدمشقي ثني أبو الحسن علي بن غياث القاضي البغدادي ثني محمد بن موسى ثني ابن عباس ن الجلودي عن السمان يحيى بن القاسم عن أبي حنيفة سمعت عبدالله بن أبي أوفى يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول من بنى لله مسجداً ولو كمفحص قطاة بنى الله له بيتاً في الجنة "(2) یعنی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے عبداللہ بن ابی اوفی سے کہتے تھے سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے تھے جو شخص واسطے اللہ کے مسجد بنا دے، اگرچہ مثل آشیانہ قطاۃ کے ہو بنائے گا اللہ واسطے اس کے مکان جنت میں، أقول هذا الحديث صحيح بل متواتر(3) یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحیح ہے، بلکہ متواتر ہے۔

"وبه إلى أبي سعيد ن السمان ثني أبو محمد عبدالله بن كثير ن الرازي ثني عبدالرحمن بن أبي حاتم ن الرازي ثني عباس بن محمد ن الدوري ثني يحيى بن معين عن أبي حنيفة أنه سمع عائشة بنت عجرد رضي الله عنها تقول قال رسول الله ﷺ: أكثر جند الله في الأرض الجراد لا أكله ولا أحرمه "(4) یعنی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ سنا انہوں نے عائشہ بنت عجرد سے، کہتی تھیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: اکثر لشکر اللہ کا زمین میں ٹڈی کا ہے، نہ میں ان کو کھاتا ہوں، اور نہ ان کو حرام کرتا ہوں، أقول هذا الحديث متنه

1……تبییض الصحیفہ، ص ۳۰، ۳۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

2……تبییض الصحیفہ، ص ۳۱، مطبع سابق

3……تبییض الصحیفہ، ص ۳۲، مطبع سابق

4……تبییض الصحیفہ، ص ۳۲، مطبع سابق

صَحِیْحٌ اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاوٗدَ مِنْ حَدِیْثِ سَلْمَانَ، وَصَحَّحَهُ الضِّیَاءُ فِی الْمُخْتَارَةِ (۱)" یعنی کہتا ہوں میں کہ یہ حدیث متن اس کا صحیح ہے، تخریج کیا اس کو ابوداؤد نے حدیث سلمان رضی اللہ عنہ سے، اور صحیح کیا اس کو ضیا نے مختارہ میں۔

" قَالَ ابْنُ النَّجَّارِ اَنَا الْقَاضِیُ اَبُوالْحُسَیْنِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ اَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْبَلْخِیِّ ثَنِیْ اَبُوالْفَضْلِ بْنُ خَرُوْنٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَی الْقَاضِیِ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الرَّاجِیِ ثَنِیْ اَبِیْ ثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَا اَبُوْ عَلِیِّ نِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیِّ نِ الدِّمَشْقِیُّ ثَنِی الْحَسَنُ بْنُ عَبَّاسِ نِ الْقَاضِیُ الْبَغْدَادِیُّ ثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسٰی ثَنِی الْجُلُوْدِیُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّاسٍ عَنِ الْیَمَانِیِّ یَحْیٰی بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَارُزِقْتُ وَلَدًا قَطُّ، قَالَ فَاَیْنَ اَنْتَ عَنْ کَثْرَةِ الْاِسْتِغْفَارِ وَالصَّدَقَةِ یَرْزُقُ اللّٰهُ بِهَا الْوَلَدَ، قَالَ: فَکَانَ الرَّجُلُ یُکْثِرُ الصَّدَقَةَ وَیُکْثِرُ الْاِسْتِغْفَارَ فَوُلِدَ لَهٗ سَبْعَةٌ مِّنَ الذُّکُوْرِ "(۲) یعنی امام ابوحنیفہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا انہوں نے کہ ایک شخص انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے کبھی اولاد نہیں ہوئی، فرمایا تو کثرت استغفار اور صدقہ کیوں نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اولاد عنایت کرے گا، کہا جابر رضی اللہ عنہ نے، پس وہ شخص صدقہ بہت دیا کرتا اور استغفار بہت کیا کرتا، پس اس کے سات لڑکے پیدا ہوئے انتہی۔

علامہ ابن جوزی اکثر احادیث صحیحہ کو موضوع کہہ دیتے ہیں

اب غور کرنا چاہئے کہ اتنے بڑے محقق نے ان احادیث کا پتا اور نشان بتلا دیا اور خوب تحقیق منصفانہ کر دی، پس ابن جوزی وغیرہ ظواہریہ کے موضوع کہنے سے کیا ہوتا ہے۔

ع باطل ست آنچہ مدعی گوید

بلکہ اس میں خود محدثین بھی ان کا اعتبار نہیں کرتے، انہوں نے تو بعض حدیثیں بخاری کی بھی تسلیم نہیں کی ہیں، البتہ بعض نے ان احادیث کو ضعیف کہا ہے، سو اس کی تحقیق جلال الدین سیوطی نے بیان کر دی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث اکثر صحیح ہیں، پھر جو شخص متہم ہو اس کی بھی روایت جب ثقہ کے مطابق ہو مقبول ہوتی ہے، اور ان احادیث میں تو کوئی ایسا راوی نہیں جو موضوع حدیثیں روایت کرتا ہو، اس کا انکار کرنا محض تعصب اور حسد ہے، اور نہایت بد ہے۔

شیشۂ بغض وحسد کو سنگ سے انصاف کے | توڑ دے اور راہ بے دینوں کی دل سے چھوڑ دے

۱۔۔۔۔۔ تبییض الصحیفہ، ص ۳۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۲۔۔۔۔۔ تبییض الصحیفہ، حاشیہ، ص ۳۲، مطبع سابق

اور ملا علی قاری وغیرہ کے اقوال سے بھی اول ہی واضح ہو چکا ہے کہ قوت ثبوت روایت کو ہے، پس اگر بعض نے اس کی صحت کا انکار کیا اور اکثر نے ثبوت روایت کا اقرار کیا تو ثبوت کو بہر نہج ترجیح ہوئی۔

امام اعظم پر قلیل الروایۃ ہونے کے الزام کی تردید

باقی رہا امام صاحب کی قلت حدیث کا جواب سو وہ بھی سن لیجئے کہ کم روایت کرنا حدیث کا اس امر کو مقتضی نہیں کہ حدیث ان کو آتی نہیں تھی، ایسا قول وہ شخص کہے گا جو تعصب کا پتلا ہو۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور مشائخ امام صاحب کے شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی طرف سے نہیں بیان کئے، بلکہ محدثین شافعیہ بھی اس کو ذکر کرتے ہیں، اگر معترض صاحب کتابیں محققین کی دیکھتے تو ایسے پاک لوگوں پر اتہام نہ کرتے، یہ شیوہ تو حضرات ظاہریہ کا ہے کہ اپنی طرف سے دھوکا دینے کو عبارت بدل دیتے ہیں، ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان میں لکھتے ہیں:

”مَرَّ اَنَّہٗ اَخَذَ عَنْ اَرْبَعَۃِ اٰلَافِ شَیْخٍ مِّنْ اَئِمَّۃِ التَّابِعِیْنَ وَغَیْرِہِمْ وَمِنْ ثَمَّ ذَکَرَہُ الذَّھَبِیُّ وَغَیْرُہٗ فِیْ طَبَقَاتِ الْحُفَّاظِ مِنَ الْمُحَدِّثِیْنَ وَمَنْ زَعَمَ قِلَّۃَ اعْتِنَائِہٖ بِالْحَدِیْثِ فَھُوَ اِمَّا لِتَسَاھُلِہٖ اَھْلَہٗ اَوْ حَسَدِہٖ اِذْ کَیْفَ یَتَأَتّٰی لِمَنْ ھُوَ کَذٰلِکَ اسْتِنْبَاطُ مِثْلِ مَا اسْتَنْبَطُوْا مِنَ الْمَسَائِلِ الَّتِیْ لَا تُحْصٰی کَثْرَتُہَا مَعَ اَنَّہٗ اَوَّلُ مَنِ اسْتَنْبَطَ مِنَ الْاَدِلَّۃِ عَلَی الْوَجْہِ الْمَخْصُوْصِ الْمَعْرُوْفِ فِیْ اَصْحَابِہٖ عَنْہُ وَلِاَجْلِ اشْتِغَالِہٖ بِھٰذَا الْاَھَمِّ لَمْ یَظْھَرْ حَدِیْثُہٗ فِی الْخَارِجِ کَمَا اَنَّ اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا لَمَّا اشْتَغَلَا بِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِیْنَ الْعَامَّۃِ لَمْ یَظْھَرْ عَنْہُمَا مِنْ رِوَایَۃِ الْحَدِیْثِ مِثْلُ مَا ظَھَرَ عَمَّنْ دُوْنَہُمَا، حَتّٰی صِغَارِ الصَّحَابَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَکَذٰلِکَ مَالِکٌ وَالشَّافِعِیُّ لَمْ یَظْھَرْ عَنْہُمَا مِثْلُ مَا ظَھَرَ عَمَّنْ تَفَرَّغَ لِلرِّوَایَۃِ کَاَبِیْ زُرْعَۃَ وَابْنِ مَعِیْنٍ لِاشْتِغَالِہِمَا بِذٰلِکَ الْاِسْتِنْبَاطِ، عَلٰی اَنَّ کَثْرَۃَ الرِّوَایَۃِ بِدُوْنِ الدِّرَایَۃِ لَیْسَ فِیْہِ کَثِیْرُ مَدْحٍ بَلْ عَقَدَ لَہُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ بَابًا فِیْ ذَمِّہٖ، ثُمَّ قَالَ الَّذِیْ عَلَیْہِ فُقَھَاءُ جَمَاعَۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعُلَمَاؤُھُمْ ذَمُّ الْاِکْثَارِ مِنَ الْحَدِیْثِ بِدُوْنِ تَفَقُّہٍ وَلَا تَدَبُّرٍ“ (۱) یعنی بیان ہو چکی یہ بات کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چار ہزار مشائخ ائمہ تابعین وغیرہم سے حدیث اخذ کی ہے، اور اسی وجہ سے ذہبی وغیرہ نے ان کو حفاظ حدیث کے طبقے میں ذکر کیا ہے، اور یہ جو شخص گمان کرتا ہے قلت حدیث کا، پس یا تو بوجہ مساہلہ کرنے اس کے ہے اہل حدیث سے یا بوجہ حسد اس کے ہے، اس لئے کہ جس شخص کو چند حدیثیں حاصل ہوں گی اس سے کیوں کر ایسا استنباط مسائل بیشمار کا ہو سکتا ہے، باوجودے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اول ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے ادلہ سے بطور خاص جو حنفیہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مشہور ہے، استنباط کیا ہے، اور اسی امر مہم کی

۱......خیرات الحسان، ص ۷۲، الفصل الثلثون

وجہ سے حدیث امام ابوحنیفہ کی خارج میں ظاہر ہوئی، جیسے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جب کہ مشغول ہوئے عامہ مصالح مسلمین کے ساتھ روایت حدیث ان سے ایسا ظاہر نہیں ہوئی جیسے سوا ان کے اور صحابہ سے، حتی کہ صغار صحابہ سے ظاہر ہوئی، اسی طرح امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ سے اس قدر روایت ظاہر نہیں ہوئی جس قدر ان لوگوں سے ظاہر ہوئی جو اس کے واسطے فارغ ہوگئے تھے، جیسے ابوزرعہ اور یحیٰی بن معین، بسبب مشغول ہونے امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ اسی استنباط کے، علاوہ اس کے کثرت روایت کے بدون سمجھ اس میں زیادہ تعریف نہیں، بلکہ ابن عبدالبر نے اس کی مذمت میں ایک باب باندھا ہے، پھر کہا ہے کہ جس پر فقہا جماعت مسلمانوں کے اور علماء ان کے ہیں، وہ مذمت کثیر بیان کرنی حدیث کی ہے بدون فقاہت اور فکر کرنے کے انتہی۔

اب امام صاحب کے چند مشائخ جن سے امام صاحب نے حدیث کی روایت کی ہے اور چند شاگرد جنہوں نے امام صاحب سے حدیث روایت کی ہے لکھے جاتے ہیں:

تبییض الصحیفہ میں ہے کہ روایت کی امام ابوحنیفہ نے ابراہیم بن محمد بن المنتشر اور اسمٰعیل بن عبدالملک بن ابی الصغیر اور حیلہ بن حکیم اور ابو ہند الحارث بن عبدالرحمٰن الہمدانی اور حسن بن عبیداللہ اور حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان اور خالد بن علقمہ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور زبید الیامی اور زیاد بن علاقہ اور سعید بن مسروق الثوری اور سلمہ بن کہیل اور سماک بن حرب اور ابو رویہ شداد بن عبدالرحمٰن القشیری اور شیبان بن عبدالرحمٰن النحوی اور طاؤس بن کیسان اور طریف بن شہاب ابوسفیان السعدی اور ابوسفیان طلحہ بن نافع اور عاصم بن کلیب اور عامر الشعبی اور عبداللہ بن ابی حبیبہ اور عبداللہ بن دینار اور عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج اور عبدالعزیز بن رفیع اور عبدالکریم بن ابی المخارق ابوامیہ البصری اور عبدالملک بن عمیر اور عدی بن ثابت الانصاری اور عطاء بن ابی رباح اور عطاء بن السائب اور عطیہ بن سعد العوفی اور عکرمہ مولی ابن عباس اور علقمہ بن مرثد اور علی بن اقمر اور علی بن الحسن الزراد اور عمرو بن دینار اور عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود اور قابوس بن ابی ظبیان اور سالم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود اور قتادہ بن دعامہ اور قیس بن مسلم الجدلی اور محارب بن دثار اور محمد بن زبیر الحنظلی اور محمد بن السائب الکلبی اور ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور محمد بن قیس الہمدانی اور محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری اور محمد بن المنکدر اور مخول بن راشد اور مسلم البطین اور مسلم الملائی اور معن بن عبدالرحمٰن اور مقسم اور منصور بن المعتمر اور موسیٰ بن ابی عائشہ اور ناصح بن عبداللہ المحلمی اور نافع مولی ابن عمر اور ہشام بن عروہ اور ابوغسان الہیثم بن حبیب الصراف اور ولید بن سریع المخزومی اور یحیٰی بن سعید الانصاری اور ابومحمد یحیٰی بن عبداللہ الکندی اور یحیٰی عبداللہ الجابر اور یزید بن صہیب الفقیر اور یزید بن عبدالرحمٰن الکوفی اور یونس بن عبداللہ وابوبکر بن الجہم اور ابوجناب الکلبی اور ابوحصین الاسدی اور ابوالزبیر المکی اور ابوالسوار اور ابوعون الثقفی الحجبی ابوسعید مولی ابن عباس اور ابویعفور العبدی سے۔(۱)

---

(۱)...... تبییض الصحیفہ ص ۸ تا ص ۱۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

اور روایت کی امام ابوحنیفہ سے ابراہیم بن طہمان اور ابیض بن اغر بن صباح المنقری اور اسباط بن محمد القرشی اور اسحٰق بن یوسف اور اسود بن عمرو النخعی اور اسمٰعیل بن یحیٰی الصوفی اور ایوب بن ہانی الجعفی اور رود بن یزید النیشاپوری اور جعفر بن عوف اور حارث بن یانی اور حبان بن علی العنزی اور حسن بن زیاد اللؤلوی اور حسین بن فرات القزاز اور حسین بن حسن بن عطیہ العوفی اور جعفر بن عبدالرحمٰن البلخی القاری اور حکام ابن مسلم الرازی اور ابو مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی اور حماد بن الامام الاعظم ابی حنیفہ اور حمزہ بن حبیب الزیات اور خارجہ بن مصعب الضبعی اور داؤد بن نصیر الطائی اور زفر بن ہذیل التمیمی اور زیاد بن حباب العکلی اور سابق الرقی اور سعید بن الصلت قاضی شیراز اور سعید بن ابی الجہم العالوی اور سعید بن سلام بن ابی الہیفا البصری اور سلم بن سالم البلخی اور سلمان بن عمرو النخعی اور سہل بن زاحم اور شعیب بن اسحٰق الدمشقی اور صباح بن محارب اور صلت بن الحجاج الکوفی اور ابو عاصم الضحاک بن مخلد اور عامر بن الفرات النسوی اور عابد بن حبیب بن عباد العوام اور عبداللہ بن المبارک اور عبداللہ بن یزید المقری اور عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی اور عبدالرزاق بن ہمام اور عبدالعزیز بن خالد الترمذی اور عبدالکریم ابن محمد الجرجانی اور عبدالحمید بن بلال العتکی اور عبدالعزیز بن ابی داؤد اور عبدالوارث بن سعید اور عبیداللہ بن الزبیر القرشی اور عبیداللہ بن عمرو الرقی اور عبیداللہ بن موسیٰ اور عتاب بن محمد بن شوذب اور علی بن ظبیان الکوفی القاضی اور علی بن عاصم الواسطی اور عمرو بن محمد العنقزی اور ابو قطن عمرو بن الہیثم القطعی اور فضل بن دکین اور فضل بن موسیٰ الشیبانی اور قاسم بن الحکم العرنی اور قاسم بن معن المسعودی اور قیس بن الربیع اور محمد بن ابان العنبری اور محمد بن بشر العبدی اور محمد بن الحسن الشیبانی اور محمد بن خالد الوہبی اور محمد بن یزید الواسطی اور مروان بن سالم اور مصعب بن المقدام اور معافی بن عمران الموصلی اور مکی بن ابراہیم البلخی اور ابو سہل نصر بن عبدالکریم البلخی المعروف بالصیقل اور نصر بن عبدالملک العتکی اور ابو غالب النضر بن عبداللہ الازدی اور نضر بن محمد المروزی اور نعمان بن عبدالسلام الاصبہانی اور نوح بن دراج القاضی اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم اور ہوذہ بن خلیفہ اور ہشیم بن بشیر السلمی اور ہیاج بن بسطام البرجمی اور وکیع بن الجراح اور یحیٰی بن ایوب المغربی اور یحیٰی بن نصر بن الحاجب اور یحیٰی بن یمان اور یزید بن زریع اور یزید بن ہارون اور یونس بن بکیر الشیبانی اور ابو اسحٰق الفزاری اور ابو یحیٰی الحمانی اور ابو سعد الصاغانی اور ابو شہاب الحناطی اور ابو مقاتل السمرقندی اور قاضی ابو یوسف نے انتہی۔ (۱)

ابن خلدون کی غلطی اور اس کی وجہ

اب غور کرنا چاہیے کہ جس شخص کے اس قدر استاذ اور شاگرد حدیث کے ہوں، اگر بالفرض چار ہزار سے قطع نظر کی جائے تو بھی یہ کیا تھوڑے ہیں، کیا ان سے کل سترہ حدیثوں کی روایت کی ہے، کوئی اندھا بھی ایسی بات زبان سے نہیں نکالے گا ہاں البتہ جس کو امام صاحب سے بغض ہو وہ جو چاہے کہے مگر اس متعصب کور باطن سے ان کی کمال روایت و درایت میں سرمو

(۱)......تبییض الصحیفہ ص: ۶۰ تا ص ۹۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

نقصان نہ ہوگا۔

نہیں ہے معتقدان کا اگر حاسد تو کیا غم ہے ۔۔۔ ہوا بے سجدہ ابلیس کیا نقصان آدم کا

اور قطع نظر اس کے یہ روایت سترہ حدیثوں کے پہونچنے کی سوائے ابن خلدون کے اور کسی نے علمائے معتبرین سے نہیں لکھی، اور ابن خلدون کو سوائے بہرہ علم انشاء وادب کے علوم شرعیہ اور فن حدیث ورجال میں چنداں مداخلت نہ تھی، چنانچہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی شاگرد ابن حجر عسقلانی کتاب الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع میں ابن خلدون کے ترجمے میں لکھتے ہیں" وَلَمْ يَكُنْ مَاهِراً بِالْعُلُوْمِ الشَّرْعِيَّةِ "یعنی وہ علوم شرعیہ سے ماہر نہیں تھا انتہی۔ پس ایسے شخص کا قول کہ جس کو علم شریعت وفن حدیث میں ملکہ نہ ہو قابل اعتبار کب ہوسکتا ہے، ہاں اگر کسی محدث معتبر اور مورخ سیر سے کہ جو علم روایت حدیث میں مہارت رکھتا ہو یہ قول صادر ہوتا تو معتبر تھا، اور کیا عجب کہ عبارت ابن خلدون میں غلطی واقع ہوگئی ہو، اسی واسطے مجمع الکمالات عالم الجلی مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی ابراز الغی میں لکھتے ہیں کہ سترہ حدیثیں اگرچہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون میں مذکور ہیں اور صاحب حطہ یعنی نواب صاحب امیر بھوپال نے کلام اس کا بتامہ اخذ کیا ہے اور کل نقل کردیا ہے، لیکن یہ قول مردود ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قول ابن خلدون کا نہیں بلکہ لکھنے والوں نے غلطی کی ہے، اسی واسطے اس نسخے کے مصحح نے جو مصر میں اسی صدی کے سن چودھویں میں چھپا ہے تنبیہ کردی، اور قول "سَبْعَةَ عَشَرَ حَدِيثًا "پر لکھ دیا ہے کہ شرح زرقانی موطا میں پانچ قول نقل کئے ہیں، اول پانسو اور دوسرا سات سو اور تیسرا ایک ہزار سے زیادہ، اور چوتھا ایک ہزار سات سو بیس اور پانچواں چھ سو چھیاسٹھ، اور اس میں کوئی قول اس نسخے کا نہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے قول باطل کو نقل کرنا اور اس پر سکوت کر جانا محققین اور علمائے دیندار سے بعید ہے، اور جو شخص امام ابوحنیفہ کے مناقب کی کتابیں دیکھے گا تو اس سترہ حدیثوں کے قول کا کذب معلوم کرلے گا انتہی۔(۱)

اور ابن حجر مکی خیرات الحسان میں لکھتے ہیں کہ بچنا تو اس توہم سے کہ امام ابوحنیفہ کو سوائے فقہ کے اور علم میں ملکہ تام نہ تھا، بلکہ وہ علم تفسیر وحدیث وادب وغیرہ میں ایک دریا تھے، اور امام بے مثل تھے اور قول بعض دشمنوں ان کے کا خلاف اس کے ہے، منشا اس کا حسد ہے، اور رجعت اسی کی سبقت لے جانا ان کا اپنے اقران پر اور مطعون کرنا ان کا ساتھ زور اور بہتان کے ہے، وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُوْرَهٗ انتہی۔(۲)

اور ابن جوزی وغیرہ کا طعن کرنا کچھ مضر نہیں کیونکہ کوئی امام ایسا نہیں جس پر کسی نے طعن اور جرح نہ کیا ہو، شعبی نے نخعی پر، اور زہری نے ربیعہ پر، اور امام مالک نے ابن اسحق پر، اور یحیٰی بن معین نے امام شافعی پر، اور ابن ابی ذیب وغیرہ نے

۱۔۔۔۔۔ابراز الغی فی شفاء العی، ص۲۹، للعلامۃ ابی الحسنات محمد عبدالحی اللکنوی

۲۔۔۔۔۔خیرات الحسان، ص۲۸

امام مالک پر، اور ابن جوزی نے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی پر کیسا کچھ طعن کیا ہے، کوئی ایسا ہی حاسد بے دین ہوگا تو ان مطاعن کو جائز رکھتا ہوگا، مسلمان کا تو یہ شیوہ نہیں کہ وہ بحکم حدیث شریف "اَلْمُسْلِمُ مِرْآةُ الْمُسْلِمِ" کے ہر مسلمان بھائی سے صاف رہتا ہے، نہ کہ ایسے امام معظم اور پیشوائے عرب و عجم سے کہ جس کے معتقد اور مقلد دنیا میں کروڑوں ہوں بغض وحسد رکھے۔

صورت نہ بست حینا کینہ از کسے ۔۔۔ کائینہ ہر چہ دید فراموش میکند

عقود الجواہر المنیفہ میں لکھا ہے: وَقَدْ رُوِيَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ أَيُّوْبَ يَعْنِي السَّخْتِيَانِيَّ وَقَدْ ذُكِرَ عِنْدَهُ أَبُوْحَنِيْفَةَ بِنَقْصٍ، فَقَالَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُوْرَهُ، وَقَدْ رَأَيْنَا مَذَاهِبَ جَمَاعَةٍ مِمَّنْ تَكَلَّمَ فِيْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ قَدْ ذَهَبَتْ وَاضْمَحَلَّتْ، وَمَذْهَبُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ بَاقٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَكُلَّمَا قَدِمَ ازْدَادَ نُوْرًا وَبَرَكَةً، وَالنَّاسُ الْآنَ مُطْبِقُوْنَ عَلَى أَنَّ أَصْحَابَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ هُمْ أَهْلُ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ مِثْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَكُلُّ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ دَرَسَ مَذْهَبُهُ حَتَّى لَا يُعْرَفَ وَمَذْهَبُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ بَاقٍ مِلَأَ الْأَرْضِ شَرْقَهَا وَغَرْبَهَا وَأَكْثَرُ النَّاسِ عَلَيْهِ "(۱) یعنی روایت کی گئی ہے حماد بن زید سے کہ کہتے تھے سنا میں نے ایوب سختیانی سے، جس وقت کسی نے امام ابوحنیفہ کا ذکر کچھ برائی سے نزدیک ان کے کیا، فرمایا لوگ ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے منہ سے نور خدا کو بجھاویں اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ تمام کرے نور اپنے کو، اور ہم نے ان لوگوں کے مذاہب کو دیکھا جنہوں نے امام ابوحنیفہ میں کلام کیا تھا جاتے رہے، اور ناپید ہوگئے، اور مذہب امام ابوحنیفہ کا قیامت تک باقی رہے گا، اور جتنا پرانا ہوتا ہے اتنا ہی نور اور برکت زیادہ بخشتا ہے، اور اب تک آدمی اجماع کئے ہوئے ہیں کہ اہل سنت وجماعت اہل مذاہب اربعہ ہیں مثل ابوحنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد کے، اور جس شخص نے امام ابوحنیفہ کے مذہب میں کلام کیا اس کا طریقہ ایسا ناپید ہوگیا کہ پتہ نہیں، اور مذہب امام ابوحنیفہ کا باقی ہے شرق سے غرب تک زمین بھری ہوئی ہے، اور اکثر آدمی اس مذہب پر ہیں انتہی۔

استنباط احکام میں امام اعظم کا عمدہ اسلوب

اور خیرات الحسان میں ہے "اِعْلَمْ أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ عَلَيْكَ أَنْ لَّا تَفْهَمَ مِنْ قَوْلِ الْعُلَمَاءِ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَصْحَابِهِ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الرَّأْيِ أَنَّ مُرَادَهُمْ بِذٰلِكَ تَنْقِيْصُهُمْ وَلَا نِسْبَتُهُمْ إِلَى أَنَّهُمْ يُقَدِّمُوْنَ رَأْيَهُمْ عَلَى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا عَلَى قَوْلِ أَصْحَابِهِ، لِأَنَّهُمْ بُرَآءُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَدْ جَاءَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ مِنْ طُرُقٍ كَثِيْرَةٍ مَا مُلَخَّصُهُ أَنَّهُ أَوَّلًا يَأْخُذُ بِمَا فِي الْقُرْآنِ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِالسُّنَّةِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِقَوْلِ الصَّحَابَةِ،

۱.........عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ أحکام ابی حنیفۃ، ص ۱۰

فَاِنِ اخْتَلَفُوْا اَخَذَ بِمَا كَانَ اَقْرَبَ اِلَى الْقُرْآنِ اَوِ السُّنَّةِ مِنْ اَقْوَالِهِمْ، وَلَمْ يَخْرُجْ عَنْهُمْ، فَاِنْ لَمْ يَجِدْ مِنْهُمْ قَوْلًا لَمْ يَاْخُذْ بِقَوْلِ اَحَدٍ مِّنَ التَّابِعِيْنَ، بَلْ يَجْتَهِدُ كَمَا اجْتَهَدُوْا "(۱) یعنی جان تو کہ چاہیے تجھ کو کہ نہ سمجھے تو کہنے سے علما کے امام ابوحنیفہ اور اصحاب ان کے کو کہ وہ اصحاب رائے ہیں یہ کہ مراد ان کی اس سے منقصت بیان کرنی ان کی ہے اور نہ نسبت کرنا ان کا طرف اس کے کہ وہ رائے کو سنت رسول اللہ ﷺ پر یا قول صحابہ پر مقدم سمجھتے ہوں، اس لئے کہ وہ اس سے بری ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ سے بواسطہ طرق کثیرہ کے ثابت ہوا ہے کہ وہ پہلے قرآن سے اخذ کرتے ہیں، اگر اس میں نہ پائیں تو حدیث سے، اگر اس میں بھی نہ ملے تو قول صحابہ سے، پس اگر صحابہ بھی مختلف ہوں تو جو قول ان کے اقوال سے قرآن یا حدیث سے زیادہ موافق ہو اس کو اخذ کرتے ہیں، اور صحابہ کے سب اقوال سے خارج قول نہیں کہتے، پس اگر صحابہ میں سے بھی کسی کا قول نہیں پاتے تو تابعین کے قول کو اخذ نہیں کرتے، بلکہ اجتہاد کرتے ہیں جیسے اور تابعین نے کیا ہے انتہی۔

مؤلف ظفر کا فریب

اور طحاوی نے اس قصے کو رد کیا ہے جس سے منقصت انبیا لازم آتی ہے، یہاں جو معترض صاحب نے یہ عبارت لا طائل لکھی ہے اور ان کتابوں کے قصے کو جس سے اہانت انبیا لازم آتی ہے، ان کتابوں کے ساتھ جو امام صاحب کے پاس تھیں کچھ علاقہ نہیں، محض مغالطہ عوام کے واسطے معترض صاحب نے یہ عبارت طحاوی کی نقل کر دی ہے کہ جس سے عوام کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید امام طحاوی نے انہیں کتابوں کا رد لکھا ہے جن کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب میں ثابت کرتے ہیں، حاشا وکلا طحاوی نے اس قصے کو رد کیا ہے جو مشہور ہے کہ عیسی علیہ السلام امام قشیری کی کتابوں پر آسمان سے اتر کر عمل کریں گے، اس کو وہ رد کرتے ہیں کہ ایسا کلام جس سے منقصت انبیا لازم آوے نہ کہنا چاہیے، باقی رہا یہ امر کہ وہ کتابیں بالفعل نہیں پائی جاتیں، سو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر مراد اس سے یہ ہے کہ وہ کتابیں بعینہ موجود نہیں، سو ایسی کوئی کتاب مصنف کے وقت کی موجود نہیں ہے، نہ اصلی بخاری کا پتا ہے، نہ مسلم کا، اور اگر مراد مطلق کتابیں حدیث کی ہیں تو وہ بے شک موجود ہیں، جیسے امام شافعی کی مسند اور امام مالک کی موطا کہ خود ان کی جمع کی ہوئی نہیں، بلکہ ان کے شاگردوں نے جمع کر دیا ہے، اسی طرح امام صاحب کے احادیث بھی خود امام صاحب نے اپنے ہاتھ سے جمع نہیں کیے، بلکہ ان کے شاگردوں نے جمع کر لیا ہے، ان کا ذکر فتح القدیر وغیرہ میں برابر موجود ہے، اور کم ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شافعیہ اور حنفیہ سے زیادہ مقابلہ رہا ہے اس لیے حنفیہ انہیں کی کتاب حدیث سے سند لائے ہیں اور ان کو قائل کیا ہے اور کہیں امام صاحب کی حدیث بھی بطور تائید لے آتے ہیں، چنانچہ راقم نے حتی الامکان شافعیہ کی کتابوں سے سند لی ہے، اور کہیں قول مستند کا بھی بیان کر دیا ہے اگر ظاہر یہ نے وہ کتابیں نہیں دیکھیں تو پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا وجود بھی عالم ہستی سے نابود ہو گیا ہو چنانچہ عقود الجواہر المنیفہ جو مطبع اسکندریہ میں چھپی ہے، اس کو

۱۔۔۔۔۔۔خیرات الحسان الفصل الحادی عشر، ص ۳۰

ملاحظہ فرمائیے کہ تمام حدیثیں متعلق احکام کے خاص بروایت امام صاحب چودہ مسندوں میں سے انتخاب کی ہیں، اور برابر صحاح ستہ کے نشان ہر حدیث میں دیئے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری یا مسلم وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، چنانچہ دیباچہ میں لکھتے ہیں:

مسانید امام اعظم کی تفصیل

"أَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا كِتَابٌ نَفِيْسٌ أَذْكُرُ فِيْهِ أَحَادِيْثَ الْأَحْكَامِ الَّتِيْ رَوَاهَا إِمَامُنَا الْأَعْظَمُ الْمُشَارُ إِلَيْهِ، رَوَّحَ اللّٰهُ رُوْحَهُ وَأَعَادَ إِلَيْنَا سِرَّهُ وَفُتُوْحَهُ، مِمَّا وَافَقَهُ الْأَئِمَّةُ السِّتَّةُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ فِيْ كُتُبِهِمُ الْمَشْهُوْرَةِ وَسُنَنِهِمُ الْمَأْثُوْرَةِ، أَوْ بَعْضُهُمْ وَأُشِيْرُ إِلَى مُوَافَقَاتِهِمْ بِاللَّفْظِ فِيْ سِيَاقِ الْمَتْنِ وَالسَّنَدِ أَوْ بِالْمَعْنٰى وَقَدْ أَذْكُرُ غَيْرَهُمْ تَبَعاً لَهُمْ مُعْتَمِداً فِيْمَا أَخْرَجْتُهُ عَلٰى مَسَانِيْدِ الْإِمَامِ الْأَرْبَعَةَ عَشَرَ الْمَنْسُوْبَةِ إِلَيْهِ مِنْ تَخَارِيْجِ الْأَئِمَّةِ، فَمِنْهَا مَا لِأَصْحَابِهِ الْأَرْبَعَةِ، حَمَّادِ ابْنِهِ، وَأَبِيْ يُوْسُفَ، وَمُحَمَّدٍ، وَيُعْرَفُ بِالْآثَارِ، وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ اللُّؤْلُؤِيِّ، رِوَايَتُهُمْ عَنْهُ بِلَا وَاسِطَةٍ وَلِلْأَئِمَّةِ مَنْ بَعْدَهُمْ أَبِيْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوْبَ بْنِ الْحَارِثِ الْحَارِثِيِّ الْبُخَارِيِّ الْمَعْرُوْفِ بِالْأُسْتَاذِ تِلْمِيْذِ أَبِيْ حَفْصٍ الصَّغِيْرِ، وَأَبِي الْقَاسِمِ طَلْحَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ الْعَدْلِ وَأَبِيْ نُعَيْمٍ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْإِصْبَهَانِيِّ صَاحِبِ الْحِلْيَةِ وَأَبِيْ أَحْمَدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيٍّ الْجُرْجَانِيِّ وَعُمَرَ بْنِ الْحَسَنِ الْأُشْنَانِيِّ وَأَبِي الْحُسَيْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُظَفَّرِ، وَهٰؤُلَاءِ السِّتَّةُ حُفَّاظٌ، وَأَبِيْ بَكْرٍ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ الْكُلَاعِيِّ وَمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْبَاقِي الْأَنْصَارِيِّ وَأَبِي الْقَاسِمِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْعَوَّامِ السَّعْدِيِّ وَأَبِيْ بَكْرٍ الْمُقْرِيِّ وَالْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خُسْرَوْ، وَقَدْ جَمَعَ كُلَّ ذٰلِكَ الْإِمَامُ أَبُو الْمُؤَيَّدِ مُحَمَّدُ بْنُ مَحْمُوْدٍ الْخَوَارِزْمِيُّ الْمُتَوَفّٰى سَنَةَ خَمْسٍ وَسَبْعِيْنَ وَسِتِّ مِائَةٍ فِيْ كِتَابٍ سَمَّاهُ جَامِعَ الْمَسَانِيْدِ مِمَّا وَصَلَ إِلَيَّ بَعْضُهَا بِالسَّمَاعِ الْمُتَّصِلِ وَبَعْضُهَا بِالْإِجَازَةِ الْمُشَافَهَةِ وَبَعْضُهَا فِيْمَا يَنْدَرِجُ تَحْتَ الْإِجَازَةِ الْعَامَّةِ" (۱) یعنی لیکن بعد حمد وصلوۃ کے، پس یہ نفیس کتاب ہے، اس میں میں نے احادیث احکام کے ذکر کئے ہیں، جن کو ہمارے امام اعظم نے روایت کیا ہے، ان احادیث میں سے جن پر بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے موافقت کی ہے اپنے کتب مشہورہ میں، یا بعض نے ان میں سے موافقت کی ہے، اور اشارہ کر دیتا ہوں میں طرف موافقات ان کے ساتھ لفظ کے سیاق متن اور سند میں یا ساتھ معنی کے، اور غیر ان کے کو بالتبع ذکر کر دیتا ہوں، دراں حالیکہ اعتماد کرنے والا ہوں اس چیز میں جو ذکر کی ہے اوپر چودہ مسندوں امام کے، جو ان کی طرف تخاریج ائمہ سے منسوب ہیں، پس بعضے تو وہ ہیں جن کو امام صاحب کے اصحاب نے جمع کیا ہے، ایک مسند حماد بن امام صاحب کی، دوسری مسند امام ابو یوسف کی،

---

(۱)......عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ احکام الامام ابی حنیفۃ، ص ۶، مطبع اسکندریہ

تیسری مسند امام محمد کی جو آثار مشہور ہے، چوتھی مسند حسن بن زیاد لولوی کی، ان چاروں کی روایت امام صاحب سے بلا واسطہ ہے، اور بعد ان کے پانچویں مسند امام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری کی، جو استاذ مشہور ہیں اور ابو حفص صغیر کے شاگرد ہیں، چھٹی مسند ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر العدل کی، ساتویں مسند ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی صاحب حلیہ کی، آٹھویں مسند ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی کی، نویں مسند عمر بن الحسن الاشنانی کی، دسویں مسند ابوالحسین محمد بن المظفر کی، اور یہ چھ حافظ حدیث کہلاتے ہیں، گیارہویں مسند احمد بن محمد بن خالد الکلاعی اور محمد بن عبدالباقی الانصاری کی، بارہویں مسند ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام سعدی کی، تیرہویں مسند ابو بکر مقری کی، چودھویں مسند حسین بن محمد بن خسرو کی، اور تحقیق کل اس کو جمع کیا ہے امام ابو داؤد خوارزمی نے، جنھوں نے انتقال کیا سن چھ سو تیرہ میں ایک کتاب میں جس کا نام جامع المسانید رکھا ہے، ان میں سے بعض کا سماع متصل ہے اور بعض کا بالمشافہ اجازت سے، اور بعض مندرج ہیں اجازت عامہ میں انتہی۔

اور خیرات الحسان میں لکھا ہے: "وَقَدْ خَرَّجَ الْحُفَّاظُ مِنْ اَحَادِيْثِه مَسَانِيْدَ كَثِيْرَةً بِاتَّصَلَ بِنَا كَثِيْرٌ مِّنْهَا كَمَا هُوَ مَذْكُوْرٌ فِيْ مُسْنَدَاتِ مَشَايِخِنَا" (۱) یعنی حفاظ حدیث نے امام اعظم کے احادیث سے بہت مسندیں لکھی ہیں کہ اکثر ان میں سے ہمارے ساتھ متصل ہے، چنانچہ یہ ہمارے مشائخ کی مسندوں میں مذکور ہے انتہی۔

شرح مواہب الرحمن کی احادیث صحیحہ کے انکار کا جواب

اور شرح مواہب الرحمن کو شیخ محدث دہلوی نے جو لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ اور قرآن سے سند اس میں موجود ہے، بجا اور درست ہے، وہ ایسی ہی کتاب ہے، خود تو معترض صاحب نے اس کو دیکھا نہیں، شیخ محدث کے مقابلے میں ایک طالب علم کی سند کا اعتبار کرلیا، حالانکہ بفضلہ تعالیٰ وہ کتاب نظر سے کسی کے نہیں گذری ہے، خیالی گفتگو ہے، یہ کتاب انہوں نے قطعاً نہیں دیکھی ورنہ صحیح حدیث کا انکار کرنا بدیہی البطلان ہے، اور اگر بالفرض وہ ان کے پاس موجود ہے تو بجز اس کے کہ مطلب فہمی عالم بالا معلوم شد ہم اور کیا کہیں، سچ ہے۔

اپنی آنکھیں کھو دیئے اندھے کے آگے روئیے

مؤلف ظفر کا کذب وفریب

صفحہ ۲ میں ہم اخفائے بسم اللہ میں احادیث صحیحہ بخاری اور مسلم وغیرہ کے اسی کتاب سے نقل کر چکے ہیں، ناظرین اس کو ملاحظہ فرمائیں تا کہ کذب مثین معترض صاحب کا کھل جائے، انہوں نے یہ سمجھا کہ سوا لاہور کے اور کہیں یہ نسخہ ہندوستان میں نایاب ہوگا، اور اگر کہیں ملا بھی تو عوام کے بہکانے کو اتنی عبارت بھی بہت ہے، وہ بیچارے صحیح اور سقیم حدیث کو کیا جانیں، جو نیت امام کی سو وہی اپنی، معترض صاحب! تم نے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا، جو کتاب اظہر من الشمس ہے اس کا صریح انکار کر جانا

۱.......خیرات الحسان الفصل الثلثون، ص ۶۹

دن دہاڑے آفتاب کا انکار ہے، ورنہ یہاں تشریف لایئے، اور وہ کتاب ملاحظہ فرمائے کہ اس میں صحیح حدیثیں استدلال مسائل میں لکھی ہیں یا نہیں، اور گھر بیٹھے وصیتے جلاہوں کو بہکانے کے واسطے کہہ دینا محض بے انصافی ہے، آخر خدا کو بھی تو منہ دکھانا ہے، اس قدر کذب اور افترا پردازی کی کیفیت فردائے قیامت کو معلوم ہوگی۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت | کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

امام صاحب کے اساتذہ میں چار ہزار تابعی تھے

علی ہذا القیاس فتح القدیر اور عینی میں اس کثرت سے احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ سوائے متعصب اور آنکھ کے اندھے کے اور کوئی جھٹلا نہیں سکتا، اب اس جواب کو ایک دو عبارت اور نقل کر کے ختم کرتا ہوں، خیرات الحسان میں ہے کہ ساتویں فصل ذکر مشائخ امام ابوحنیفہ میں، اور وہ بہت ہیں، نہیں گنجائش رکھتا یہ مختصر، اور تحقیق ذکر کیا ان میں سے امام ابوحفص کبیر نے چار ہزار مشائخ کو، اور کہا غیر ان کے نے چار ہزار امام ابوحنیفہ کے استاذ تابعی تھے، پس غیر کتنے ہوں گے، اور ذکر ان کا جنہوں نے فقہ اور حدیث امام ابوحنیفہ سے اخذ کیا ہے قبل استیعاب ان کے کے متعذر ہے، ضبط اس کا ممکن نہیں، اسی واسطے بعض اماموں نے کہا ہے کہ کسی کے واسطے ائمہ مشہورین اسلام سے یہ بات میسر نہیں ہوئی جو امام ابوحنیفہ کے واسطے نصیب ہوئی ہے مشائخ اور شاگردوں سے اور نہیں نفع پایا ہے علما اور جمیع آدمیوں نے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں سے نفع اٹھایا ہے، تفسیر احادیث مشتبہ اور مشتبہ اور مسائل مستنبطہ وغیرہ سے انتہی۔(۱)

امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونے کی وجہ

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح مسند میں لکھتے ہیں: اور ظاہر ہے یہ بات کہ اگر امام ابوحنیفہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو محیط نہ ہوتے تو ہرگز متصور نہ تھا کہ وہ امام مقتدی امت کے ہوجاتے، اور کل فقہا ان کے طفیل اصحاب مذہب محمدیہ میں کہلاتے خصوصا قرن اول میں، باوجودیکہ اس وقت میں بہت مجتہدین ائمہ موجود تھے، اور طحاوی نے کہا ہے کہ ہم سے سلیمان بن شعیب نے بیان کیا کہ میرے باپ نے کہا کہ امام ابو یوسف نے ہم کو لکھوایا کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ لوگوں کو نہیں لائق ہے کہ حدیث بیان کریں مگر جب کہ اس کو جس دن سے سنا ہے ویسا ہی یاد رکھا ہو روز بیان اس کے تک، اور حاصل اس کا یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز نہیں، اگرچہ اصل کے مطابق ہو، برخلاف جمہور محدثین کے کہ وہ روایت بالمعنی جائز رکھتے ہیں مگر جب کہ اصل یاد نہ رہی ہو، پس اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کی روایت کم ہوئی، حالانکہ ان کے مسانید کثیر مشہور ہیں کہ پندرہ تک پہونچے ہیں کہ ان کو جمع اور ضبط علما نے کیا ہے، جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نہایت قلیل روایت کرتے تھے، اور عمل میں غایت درجہ کی رعایت رکھتے تھے، گویا کہ علم اور عمل دونوں مقصود ہیں، اور فارس ابن الحسین نے اس مضمون کا شعر کہا ہے کہ اے طالب علم تیری

۱......خیرات الحسان الفصل السابع،ص ۲۶

تمام عمر روایت میں گئی، کچھ درایت میں فکر کر، اور کم روایت کر اور علم کی رعایت زیادہ کر اس کی نہایت نہیں ہے انتہی۔ (۱) پس روایت امام صاحب کی درایت کے ساتھ آئی ہے، اور فرقہ ظاہریہ نے یہ نعمت نہیں پائی ہے۔

جو عالم میں روایت بے درایت معتبر ہوتی　　تو ہر اک مجتہد مانند امام اعظم کے بن جاتا

کشف کید یک صد و پنجم

قال: اور ایک مغالطہ مقلد امام اعظم کے حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ جو مرتبہ امام اعظم کا ہے ائمہ میں سے اور کسی کا بھی نہیں ہے، اس لئے کہ امام اعظم کی فضیلت میں اس کو لے کر صریح چار حدیثیں آچکی ہیں الخ۔

اقول: کچھ ان احادیث پر امام صاحب کی فضیلت موقوف نہیں، حقیقۃً فقط ان احادیث کی وجہ سے امام صاحب کو سب سے افضل نہیں جانتے، بلکہ ان میں وہ ارشاد تھے جن کے سب ائمہ اور جمہور مدان چلے آئے ہیں، اور مثل متواتر کے ہو گئے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک چودہواں مغالطہ بھی امام صاحب کی کمال فضیلت اور کرامت پر دال ہے، اور ان احادیث کی نسبت درالمختار میں لکھا ہے: " قَالَ فِی الضِّیَاءِ الْمَعْنَوِیِّ وَقَوْلُ ابْنِ الْجَوْزِیِّ إِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ تَعَصُّبٌ لِأَنَّهٗ رُوِیَ بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ " (۲) یعنی ضیاء معنوی میں کہا ہے کہ قول ابن جوزی کا کہ یہ حدیث موضوع ہے تعصب ہے، اس واسطے کہ یہ حدیث طرق مختلفہ سے روایت کی گئی ہے انتہی۔ اور موضوع ہونا اس حدیث کا باعتبار اصطلاح محدثین کے اور فی الواقع اس کے صحیح ہونے میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی محال نہیں علی ہذا راوی کا اگرچہ کاذب ہو بھی صادق ہونا محال نہیں، سوائے اس کے کہ محدثین کے نزدیک جو بات جھوٹا آدمی روایت کرتا ہے اس کی حدیث کو موضوع نام رکھتے ہیں، اور در واقع میں گو وہ بات اس نے صحیح ہی کہہ دی ہو، خیر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع اصطلاحی ہے مگر بشارت امام صاحب کی صحیح حدیث سے بھی ہم ذکر کرتے ہیں، اور سوائے اس کے ہو اصاف ان کے " کالشمس فی نصف النہار " ہیں جن سے فضیلت ان کی سب ائمہ پر ثابت ہے۔

امام اعظم اور دیگر ائمہ مجتہدین کی بشارت احادیث صحیحہ میں

جلال الدین سیوطی تبییض الصحیفہ میں لکھتے ہیں کہ ائمہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام مالک کی بشارت اس حدیث میں دی ہے کہ قریب ہے کہ لوگ سواریوں کو دوڑاتے ہوئے آئیں گے اور علم طلب کریں گے پس نہ پائیں گے کسی کو زیادہ جاننے والا عالم مدینہ سے، اور امام شافعی کی بشارت اس حدیث میں ہے، کہ تم لوگ قریش کو برا مت کہو اس لئے کہ عالم اس کا زمین کو علم سے بھر دے گا، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے امام ابوحنیفہ کی بشارت اس حدیث میں دی ہے جس کو ابو نعیم نے

۱.......خطبۃ شرح مسند امام لملا علی قاری

۲.......در المختار، ج ۱، ص ۶ ۱۴۲

حلیہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر علم ثریا پر ہوتا تو فارس کے لوگ اس کو لے لیتے،
اور شیرازی نے القاب میں اس حدیث کو قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر علم ثریا پر معلق ہوتا تو ایک قوم فارس کی اس کو لے لیتی، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے پس الفاظ بخاری کے یہ ہیں کہ اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتا تو لوگ فارس کے لے لیتے، اور لفظ مسلم میں یہ ہے کہ اگر ایمان نزدیک ثریا کے ہوتا تو البتہ ایک شخص فارس کا جا کر اس کو لیتا، اور حدیث قیس بن سعد میں جو معجم کبیر طبرانی میں مذکور ہے اس لفظ سے کہ اگر ایمان معلق ثریا پر ہوتا تو اس کو فارس کے لوگ لے لیتے، اور دوسری حدیث اسی کتاب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر دین ثریا پر معلق ہوتا تو البتہ لوگ فارس کے اس کو لے لیتے، یہ اصل صحیح ہے کہ اس پر بشارت اور فضیلت میں مثل پہلی دو حدیثوں کے جو دونوں اماموں کے حق میں وارد ہیں اعتماد کیا جاتا ہے، اور حدیث موضوع کی کچھ حاجت نہیں انتہی ۔(۱)

امام اعظم کی عظمت شان حدیث شریف کی روشنی میں

اور خیرات الحسان میں ہے: وَمِمَّا يَصْلُحُ لِلْاِسْتِدْلَالِ بِهٖ عَلٰى اَعْظَمِ شَانِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ مَارُوِيَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُرْفَعُ زِيْنَةُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةٍ "(۲) یعنی اس چیز سے جو صلاحیت استدلال کی اوپر عظمت شان امام ابوحنیفہ کے رکھتی ہے، وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی ہے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرمایا آپ نے اٹھا لی جائے گی زینت دنیا کی سن ڈیڑھ سو میں انتہی۔

کشف کید یکصد و ششتم

قال: اور ایک مغالطہ امام اعظم کے مقلد حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کی بزرگی اور ائمہ پر اس لیے زیادہ ہے کہ انہوں نے چالیس برس تک ایک وضو سے نماز عشا اور صبح کی پڑھی ہے، اور ہر شب میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، اس بات کو خطیب نے تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے، اور طحطاوی میں ہے کہ جس مقام پر امام اعظم نے وفات پائی ہے وہاں انہوں نے ستر ہزار ختم کئے ہیں، سو جواب اس کا دو طرح پر ہے، اول یہ کہ یہ بات بالکل غلط اور واہیات اور موجب مذمت امام اعظم کے ہے نہ یہ کہ ان کی تعریف کی باعث ہو، انہوں نے جو اپنے آپ کو ایک بھاری تکلیف اور مشقت میں ڈال رکھا تھا کیا ان کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ یہ بدعت ہے، کیونکہ پیغمبر خدا ﷺ نے عمر بھر میں کسی شب کو تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے، اور نہ کبھی تمام شب جاگے الخ۔

۱......تبييض الصحيفه في ذكر تبشير النبي ﷺ بابي حنيفة، ص ۶۰
۲......خيرات الحسان في مناقب النعمان، المقدمة الثالثة، ص ۱۷

اقول: ؎

أعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانَ لَنَا اَنَّ ذِكْرَهُ ... هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

یعنی امام اعظم کا ذکر پھر بیان کر، اسلئے کہ ذکر ان کا مانند مشک کے ہے، جس قدر اس کی تکرار کرے گا خوشبو دے گا انتہی۔

مؤلف ظفر کی حدیث اور سیرت اسلاف سے لاعلمی

معترض صاحب کو اور احادیث سے ہنوز اطلاع نہیں، ورنہ ایسی عبادت کو بدعت نہ کہتے، اپنا سا حال سب کا تصور کرتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ ان بزرگان دین کو کچھ مشقت و تکلیف عبادت کثیرہ سے نہیں ہوتی تھی، اور کسی حدیث سے کثرت عبادت کی جس قدر طاقت ہو ممانعت نہیں پائی جاتی، اور جہاں کہیں وارد بوجہ ملالت طبع و گرانی خاطر وغیرہ کے منع کیا گیا ہے، نہ مطلقاً کثرت عبادت و ریاضت کی ممانعت آئی، "ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد"

کثرت عبادت سنت ہے بدعت نہیں

اور خود رسول اللہ ﷺ کی عبادت ایسی تھی کہ قدم آپ کے ورم کر جاتے تھے، بخاری میں عائشہ سے روایت ہے: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُوْمُ لِيُصَلِّيَ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ، فَيَقُوْلُ، اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْداً شَكُوْراً "(١)-یعنی رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوا کرتے نماز پڑھنے کو، یہاں تک کہ ورم کر جاتے دونوں قدم آپ کے، پس کہا جاتا آپ سے، پس فرماتے کیا میں بندہ شکر گزار نہیں ہوں انتہی۔

اور ترمذی میں مغیرہ سے روایت ہے، اور کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن صحیح ہے" قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيْلَ لَهُ، اَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْداً شَكُوْراً "(٢) یعنی کہا انہوں نے نماز پڑھتے رسول اللہ ﷺ یہاں تک کہ آماس کر جاتے قدم آپ کے، پس کہا گیا آپ سے آپ کیوں ایسی تکلیف اٹھاتے ہیں، حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے، فرمایا کیا میں بندہ شکر کرنے والا نہیں ہوں انتہی۔

اور ابن ماجہ اور نسائی میں مغیرہ سے روایت ہے "قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْداً شَكُوْراً" (٣)-یعنی کہا انہوں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے، یہاں تک کہ متورم ہو گئے قدم آپ کے، پس کہا گیا یا رسول اللہ اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں، فرمایا کیا میں بندہ شکر گزار نہیں ہوں انتہی۔

١..... بخاری، باب قیام النبی حتی یرم قدماہ، ص ١٥٢، مجلس برکات مبارک پور

٢..... ترمذی، باب ما جاء فی الاجتہاد فی الصلوۃ، ص ٥٥، مطبع سابق

٣..... ابن ماجہ، باب ما جاء فی طول القیام فی الصلوۃ، ص ١٠٢، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

اورنسائی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي حَتَّي تَزْلَعَ قَدَمَاهُ"(۱)یعنی رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ پیر آپ کے پھٹ جاتے تھے انتہی۔

اورعلامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں کہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس پر شدت عبادت اختیار کرلے، اگرچہ بدن اس کے کو نقصان کرے، اس لئے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو کیا، باوجودیکہ آپ جانتے تھے کہ مغفور ہوگئے ہیں، پس جو شخص اس کو نہ جانتا ہو خصوصاً جس کو بے خوفی استحقاق نار سے نہ ہوئی ہو اس کو بدرجہ اولیٰ چاہئے، اور موقع اس عبادت کا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے جب تک کہ طبیعت کے ملامت کو نہ پہونچادے کہ حال رسول اللہ ﷺ کا اوروں کے احوال سے کامل تر تھا، پس آپ اپنے پروردگار کی عبادت سے ملول نہیں ہوتے تھے، اگرچہ بدن کو ضرر ہوتا تھا، بلکہ ثابت ہوا ہے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرمایا آپ نے میری آنکھوں کی خنکی نماز میں کی گئی ہے، چنانچہ نسائی نے انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے، پس اور شخص جب ملالت طبعی کا خوف کرے اس کو لائق ہے کہ اپنے نفس کو حیف میں نہ ڈالے انتہی۔(۲)

اور اگر معترض صاحب کی یہ غرض ہے کہ تمام رات جاگنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہوا تو سنئے مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں عائشہ سے روایت ہے"كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ مِنْ رَمَضَانَ أَحْيَى اللَّيْلَ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ وَشَدَّ الْمِيزَرَ"(۳)یعنی تھے رسول اللہ ﷺ جب عشرہ اخیر رمضان شریف کا آتا تو تمام رات جاگتے اور اپنے اہل کو جگاتے اور باندھتے تہبند، اس کے دو معنی ہیں، ازواج سے قربت کرتے، یا کمر بستہ عبادت پر مستعد ہوجاتے انتہی۔

اور صحیح ابن حبان وغیرہ میں عطاء تابعی سے روایت ہے، کہا انہوں نے میں نے عائشہ سے عرض کیا کہ مجھ کو زیادہ تعجب خیز بات جو رسول اللہ ﷺ سے دیکھی ہو بتلایے، انہوں نے فرمایا کون سا امر رسول اللہ ﷺ کا قابل تعجب نہ تھا، آنحضرت ﷺ ایک رات میرے پاس آئے، پھر فرمایا میں اپنے پروردگار کی عبادت کرلوں، پس کھڑے ہوئے اور وضو کیا پھر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے، پس روئے یہاں تک کہ آنسو آپ کے سینے پر بہے، پھر رکوع کیا، پس روئے، پھر سجدہ کیا، پس روئے، پھر سر اٹھایا، پس روئے، پس اسی طرح کرتے رہے، یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اطلاع کو آئے، میں نے کہا، کس چیز نے آپ کو رلایا، حالانکہ آپ کے تو گناہ مقدم اور موخر اللہ نے بخش دیئے ہیں، فرمایا کیا میں بندہ شاکر نہیں ہوں انتہی مختصراً۔(۴)

اور نسائی اور ابن ماجہ میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّي أَصْبَحَ بِآيَةٍ

۱......نسائی، باب احیاء اللیل، ص ۲٤٤، مختار اینڈ کمپنی دیو بند
۲......اقامۃ الحجۃ، ص ۱۸
۳......سنن نسائی، ۲٤۳، مطبع سابق
٤......صحیح ابن حبان

والآیۃ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ "(۱) یعنی کہا انہوں نے کھڑے رہے رسول اللہ ﷺ، یہاں تک کہ صبح کر دی ایک آیت میں، اور آیت یہ ہے کہ اگر تو عذاب کرے ان پر بس یہ بندے تیرے ہیں اور اگر بخش دے ان کو پس تحقیق تو غالب حکمت والا ہے انتہی۔

اور اگر معترض صاحب کی یہ غرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنی اجازت اس کی نہیں دی ہے کہ جتنی آدمی کو طاقت ہو اتنی عبادت کیا کرے سو، اس کا جواب سنئے بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے" عَلَيْكُمْ مَا تُطِيْقُوْنَ مِنَ الْاَعْمَالِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا "(۲) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، لازم پکڑو تم اعمال کو جتنی طاقت رکھتے ہو، پس تحقیق خدا خوش نہیں ہوتا، یہاں تک کہ تم ملول ہو انتہی۔

اور ابو داؤد میں ہے" عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اكْلَفُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا فَاِنَّ اَحَبَّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهُ وَاِنْ قَلَّ، وَكَانَ اِذَا عَمِلَ عَمَلًا اَثْبَتَهُ "(۳) یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تکلیف اٹھاؤ تم عمل سے جس قدر طاقت رکھتے ہو، اس لئے کہ اللہ ناراض نہیں ہوتا جب تک تم ملول نہ ہو، پس تحقیق محبوب تر عمل کا طرف اللہ کے دائم تر عمل ہے، اگرچہ تھوڑا ہو، اور آنحضرت ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو ثابت رہتے اس پر انتہی۔

اور اقامۃ الحجۃ میں ہے" وَاِذَا ثَبَتَ جَوَازُ الْعَمَلِ حَسْبَ الطَّاقَةِ اِلٰى اَنْ يَّحْصُلَ الْاَعْيَاءُ وَالْمَلَلُ، فَنَقُوْلُ طَاقَةُ النَّاسِ مُخْتَلِفَةٌ، فَكَمْ مِنْ رَجُلٍ يُطِيْقُ شَيْئًا وَلَا يُطِيْقُهُ اٰخَرُ، وَكَمْ مِنْ رَجُلٍ يَمَلُّ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَمَلُّ مِنْهُ اٰخَرُ، وَكَمْ مِنْ رَجُلٍ اُعْطِيَ السُّرْعَةَ فِي الْقِرَاءَةِ وَلَمْ يَنَلْهَا الْاٰخَرُ "(۴) یعنی جب کہ ثابت ہو گیا جواز عمل کا موافق طاقت کے یہاں تک کہ تکان اور ملالت حاصل ہو، پس ہم کہتے ہیں کہ آدمیوں کی طاقت مختلف ہوتی ہے، بہت آدمی ایسے ہیں کہ ایک چیز سے ملول ہو جاتے ہیں اور دوسرا اس سے ملول نہیں ہوتا، اور بہت آدمیوں کو سرعت قراءت عطا کی گئی ہے اور دوسرا اس کو نہیں پہونچا انتہی۔

حضرت عائشہ کا کل شب میں قیام کرنے کی نفی کا مطلب

اور اسی کتاب کے دوسرے مقام میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تمام رات قیام کرنے کی حدیث سے ثابت ہوا کہ عائشہ کا قیام کل شب کی نفی کرنا غالب اوقات پر محمول ہے، اسی طرح گیارہ رکعتوں سے زیادہ کی نفی غالب اوقات پر محمول ہے،

۱۔۔۔۔۔۔مشکوۃ المصابیح، ص ۱۰۷، باب صلوۃ اللیل، مجلس برکات مبارک پور

۲۔۔۔۔۔۔صحیح بخاری، ص ۱۱

۳۔۔۔۔۔۔ابو داؤد

۴۔۔۔۔۔۔اقامۃ الحجۃ، ص ۱۹

ورنہ روایات متعددہ سے اس سے زیادہ پندرہ رکعت تک ثابت ہے، ایسا ہی ذکر کیا اس کو نووی نے شرح مسلم میں اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس رکعت رمضان میں بغیر جماعت پڑھی ہیں، اور سند اس کی ضعیف ہے، اور دوسرے یہ ہے کہ اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے کل رات قیام نہیں کیا اور نہ کل قرآن ایک رات میں پڑھا اور نہ گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے مثل اور مشابہ تشدد میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا ہے، اور وہ قائم ہونا آپ کا یہاں تک کہ قدم آپ کے ورم کر آئے تھے، اور یہ مقدار بدعت کا نام اٹھا دینے میں عبادات شاقہ سے کافی ہے، اس لئے کہ بدعت وہ ہے کہ وہ اور نہ مثل اس کا عہد نبوی میں ثابت ہو، اور یہ اس میں شرط نہیں ہے کہ ہر جزئی جزئیات عبادات سے آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو جائے، اور تیسرے یہ ہے کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عبادت کو بوجہ شفقت امت کے اختیار نہیں کیا لیکن اس کو ان لوگوں نے اختیار کیا ہے جن کے طریقے پر چلنے کا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم کیا ہے، پس یہ عبادت کیونکر بدعت ہو گی انتہی۔

صحابۂ کرام کی کثرت عبادت کا ثبوت

اور اگر معترض صاحب کو یہ شبہ ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس قسم کی عبادت صادر نہیں ہوئی تو اس مرحلے کو بھی طے کر لیجئے حافظ ابو نعیم اصبہانی حلیۃ الاولیاء میں حال عثمان رضی اللہ عنہ کا لکھتے ہیں "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ حَمْدَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ حَدَّثَنِي أَبِيْ نَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍنَا الزُّبَيْرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ جَدَّةٍ لَهُ يُقَالُ لَهَا رُهَيْمَةُ، قَالَتْ كَانَ عُثْمَانُ يَصُوْمُ الدَّهْرَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ إِلَّا هَجْعَةً مِنْ أَوَّلِهِ"(۱) یعنی زبیر بن عبداللہ اپنی دادی رہیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ کہا انہوں نے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور تمام رات قیام کرتے مگر قدرے اول شب میں آرام کر لیتے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ نَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍنَا أَبُوْ عَلْقَمَةَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ قَالَ قَالَ لِيْ أَبِيْ لَأَغْلِبَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى الْمَقَامِ، فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ تَخَلَّصْتُ إِلَى الْمَقَامِ، حَتّٰى قُمْتُ فِيْهِ، فَبَيْنَا أَنَا قَائِمٌ إِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، فَبَدَأَ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ، فَقَرَأَ حَتّٰى خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَرَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ أَخَذَ نَعْلَيْهِ فَلَا أَدْرِيْ أَصَلّٰى قَبْلَ ذٰلِكَ شَيْئًا أَمْ لَا"(۲) یعنی عثمان بن عبدالرحمن تیمی روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا آج کی رات میں مقام پر غالب رہوں گا پس جب کہ عشا کی میں نے نماز پڑھی مقام کی طرف پہونچا، پس میں وہاں کھڑا ہی تھا کہ ایک

۱……حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۵۶ / اقامۃ الحجۃ، ص ۱۰۹

۲……مرجع سابق

میں ایک شخص نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا، دیکھا کیا ہوں کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، پس انہوں نے الحمد شروع کی، پھر پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کردیا پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا، پھر نعلین اپنی اٹھالیں، پس نہیں جانتا میں کہ اس سے پہلے نماز انہوں نے پڑھی یا نہیں۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ نَا أَبُوْ يَزِيْدَ الْقَرَاطِيْسِيُّ نَا أَسَدُ بْنُ مُوْسىٰ نَا سَلَّامُ بْنُ مِسْكِيْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ قَالَتْ مَرْأَةُ عُثْمَانَ حِيْنَ أَطَافُوْا بِهِ يُرِيْدُوْنَ قَتْلَهُ إِنْ تَقْتُلُوْهُ أَوْ تَتْرُكُوْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُحْيِي اللَّيْلَ كُلَّهُ فِيْ لَيْلَةٍ يَجْمَعُ فِيْهَا الْقُرْآنَ "(١) یعنی محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے، کہا زوجہ عثمان رضی اللہ عنہ نے، جس وقت کہ لوگوں نے ان کا بارادہ قتل احاطہ کرلیا تھا، اگر تم قتل کرو ان کو یا چھوڑ دو بیشک یہ تمام رات جاگتے تھے اس میں قرآن ختم کیا کرتے تھے انتہی۔

اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال لکھا ہے "كَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَلَا يَزَالُ يُصَلِّيْ إِلَى الْفَجْرِ وَمَا مَاتَ حَتّٰى سَرَدَ الصَّوْمَ (٢) یعنی تھے عمر رضی اللہ عنہ کہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا دیتے پھر اپنے گھر میں چلے جاتے پس برابر فجر تک نماز پڑھتے جاتے اور نہیں انتقال کیا یہاں تک کہ برابر روزے رکھے گئے انتہی۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے " حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ نَا أَبُوْ يَزِيْدَ، نَا أَسَدُ بْنُ مُوْسىٰ نَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ نَا اِبْنُ جَابِرٍ حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوْسىٰ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ اِبْنَ عُمَرَ كَانَ يُحْيِي اللَّيْلَ صَلٰوةً، ثُمَّ يَقُوْلُ يَا نَافِعُ أَسْحَرْنَا؟ فَيَقُوْلُ لَا، فَيُعَاوِدُ الصَّلٰوةَ، فَيَقُوْلُ يَا نَافِعُ أَسْحَرْنَا؟ فَأَقُوْلُ نَعَمْ، فَيَقْعُدُ وَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَيَدْعُوْ إِلَى الصُّبْحِ "(٣) یعنی نافع تابعی سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ رات بھر نماز پڑھتے، پھر کہتے اے نافع سحر ہوگئی، وہ کہتے نہیں، پھر نماز پڑھنے لگتے، پھر کہتے نافع سحر ہوگئی، میں کہتا ہاں، پس بیٹھ جاتے اور اللہ سے استغفار اور دعا صبح تک کرتے۔

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ الْحَسَنِ نَا بِشْرُ بْنُ مُوْسىٰ نَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيىٰ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ ابْنُ أَبِيْ رَوَّادٍ نَا ابْنُ مُخَلَّدٍ نَا أَبُوْ يَعْلىٰ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْجُرْجَانِيُّ نَا زَيْدٌ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعِشَاءِ فِيْ جَمَاعَةٍ أَحْيىٰ بَقِيَّةَ لَيْلَةٍ " (٤) یعنی نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن عمر سے جب نماز عشاء کی جماعت سے فوت ہوجاتی تو باقی شب جاگا کرتے انتہی۔

اور تمیم بن اوس صحابی کا حال ابوسعد سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں "كَانَ تَمِيْمٌ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِيْ رَكْعَةٍ

١......حلیہ الاولیاء، ج ١، ص ٥٦
٢......تاریخ ابن کثیر، احوال عمر
٣......حلیۃ الاولیاء، ج ١، ص ٣٠٣، ٣٠٤
٤......مرجع سابق

، وَرُبَّمَا رَدَّدَ الْآيَةَ الْوَاحِدَةَ اللَّيْلَ كُلَّهُ ، حَتّٰى الصَّبَاحِ وَكَانَ مِنْ عُبَّادِ الصَّحَابَةِ وَزُهَّادِهِمْ ، مِمَّنْ جَانَبَ أَسْبَابَ الْعِزِّ وَلَزِمَ التَّخَلِّيَ بِالصَّلٰوةِ اِلٰى اَنْ مَاتَ" (۱) یعنی تمیم رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں قرآن ختم کیا کرتے تھے، اور اکثر ایک آیت کو تمام رات صبح تک پڑھتے رہتے اور تھے وہ عبادا ور زہاد صحابہ میں سے، جنہوں نے کہ اسباب عزت و جاہ سے اجتناب کیا تھا اور عبادت ہی کو لازم پکڑا تھا حتی کہ انتقال کیا انتہی۔

اور ابن حجر مکی فتح المبین میں لکھتے ہیں كَانَ تَمِيمٌ يَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِيْ رَكْعَةٍ(۲) یعنی تمیم ختم کرتے تھے قرآن کو ایک رکعت میں انتہی۔

اور شداد ابن اوس صحابی کا حال سنئے، حلیۃ الاولیا میں ہے" حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ نَاقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ نَا الْفَرَجُ بْنُ فُضَالَةَ عَنْ أَسَدِ بْنِ وَدَاعَةَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ الْاَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْفِرَاشَ يَتَقَلَّبُ عَلَى الْفِرَاشِ لَا يَأْخُذُهُ النَّوْمُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنَّ النَّارَ أَذْهَبَ عَنِّي النَّوْمَ فَيَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ حَتّٰى يُصْبِحَ" (۳) یعنی اسد ابن وداعہ سے روایت ہے کہ شداد انصاری جب بچھونے پر آتے، کروٹیں لیتے، نیند ان کو نہیں آتی، پس کہتے اے اللہ خوف نار نے مجھ سے خواب کو اڑا دیا، پس کھڑے ہوجاتے اور نماز پڑھتے یہاں تک کہ صبح کردیتے انتہی۔

اور علی رضی اللہ عنہ کا حال بھی سن لیجئے، اقامۃ الحجۃ میں لکھا ہے" أَنَّهُ كَانَ يَخْتِمُ فِي الْيَوْمِ ثَمَانَ خَتْمَاتٍ كَمَا ذَكَرَهُ بَعْضُ شُرَّاحِ الْبُخَارِيِّ" (٤) یعنی تحقیق علی رضی اللہ عنہ ایک دن میں آٹھ قرآن ختم کرتے، جیسا کہ ذکر کیا اس کو بعض شراح صحیح بخاری نے انتہی۔

مؤلف ظفر کا کثرت عبادت کو بدعت کہنا گمراہی ہے

پس غور کا مقام ہے کہ جو شئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگرچہ بعض وقت میں ثابت ہو، اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے دائمی ثابت ہو اس کو بدعت کہہ دینا بجز جہالت اور گمراہی کے اور کیا کہا جائے، اللہ تعالیٰ ایسے عقیدہ فاسدہ سے سب مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

اے مومنو! ہاں عاقل و ہشیار رہو تم | دجالوں کے فتنوں سے خبردار رہو تم

معترض صاحب کے اعتراضات ایسے پرنہیں درحقیقت انبیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہیں، اس عبادت میں امام صاحب رحمہ اللہ مخصوص نہیں جو ان کو معترض صاحب الزام بدعت دیتے ہیں بلکہ بڑے بڑے صحابہ اور تابعین نے ایسی عبادت شاقہ کی ہے کہ دوسرے سے ممکن نہیں، یہ جس قدر حالات ہم نے جلیل القدر صحابہ کے نقل کئے ہیں اگر شارع کی طرف سے ایسی عبادت کی

۱......کتاب الانساب لابو سعد سمعانی
۲......فتح المبین للعلامۃ ابن حجر مکی
۳......حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ٤٦٤ دار الفکر بیروت
٤......اقامۃ الحجۃ

اجازت نہ ہوتی تو ایسی عبادت صحابہ ہرگز نہ کرتے، بلکہ ادنی صحابی بھی بدعت سے اجتناب کرتے تھے، نہ کہ حضرت عثمان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہم ایسے امر کا ارتکاب کریں، حاشا وکلا ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے حال میں حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے" حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ نا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْكَرِيْمِ نا سَعِيْدُ بْنُ اَسَدِ بْنِ مُوْسىٰ نا ضَمْرَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ عَنْ اَصْبَغَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: كَانَ اُوَيْسُ نِ الْقَرَنِيُّ اِذَا اَمْسىٰ يَقُوْلُ هٰذِهٖ لَيْلَةُ الرُّكُوْعِ فَيَرْكَعُ حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ اِذَا اَمْسىٰ يَقُوْلُ هٰذِهٖ لَيْلَةُ السُّجُوْدِ فَيَسْجُدُ حَتّٰى يُصْبِحَ "(۱) یعنی اویس قرنی جب شام کرتے تو کہتے یہ شب رکوع کی ہے، پس رکوع کرتے یہاں تک کہ صبح کر دیتے اور پھر جب شام کرتے کہتے یہ رات سجدے کی ہے، پس سجدہ کرتے یہاں تک کہ صبح کر دیتے انتہی ۔

سعید بن المسیب جو بڑے جلیل القدر تابعی ہیں ان کے حال میں اسی کتاب میں لکھا ہے" حَدَّثَنَا اَبُوْ مُحَمَّدٍ نا اَحْمَدُ بْنُ رَوْحِ بْنِ حَامِدٍ نا عَبْدُالْمُنْعِمِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلّٰى سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْغَدَاةَ بِوُضُوْءِ الْعَتَمَةِ خَمْسِيْنَ سَنَةً "(۲) یعنی عبدالمنعم اپنے باپ ادریس سے روایت کرتے ہیں کہ کہا انہوں نے سعید بن مسیب نے صبح کی نماز عشا کے وضو سے پچاس برس تک پڑھی ہے۔

اور ثابت بن اسلم تابعی جنہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چالیس برس رہے ہیں ان کے حال میں اسی کتاب مذکور میں لکھا ہے" حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعُثْمَانِيُّ نا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَلِيِّ نِ الْكَرَابِيْسِيُّ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ نا سِنَانٌ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَنَا وَاللّٰهِ اَدْخَلْتُ ثَابِتًا لَحْدَهٗ وَمَعِيْ حُمَيْدُ الطَّوِيْلُ اَوْ رَجُلٌ غَيْرُهٗ شَكَّ مُحَمَّدٌ، فَلَمَّا سَوَّيْنَا عَلَيْهِ التُّرَابَ سَقَطَتْ لَبِنَةٌ، فَاِذَا هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ، فَقُلْتُ لِلَّذِيْ مَعِيْ، اَلَا تَرٰى، قَالَ اُسْكُتْ، فَلَمَّا سَوَّيْنَا عَلَيْهِ التُّرَابَ اَتَيْنَا اِبْنَتَهٗ فَقُلْنَا مَا كَانَ عَمَلُ اَبِيْكِ؟ فَقَالَتْ وَمَا رَاَيْتُمْ فَاَخْبَرْنَاهَا فَقَالَتْ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ خَمْسِيْنَ سَنَةً، فَاِذَا كَانَ السَّحَرُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ اَعْطَيْتَ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ الصَّلٰوةَ فِيْ قَبْرِهٖ فَاَعْطِنِيْهَا، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَرُدَّ ذٰلِكَ الدُّعَاءَ "(۳) یعنی سنان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کہا انہوں نے واللہ میں نے ثابت کو قبر میں رکھا تھا اور میرے ساتھ حمید طویل یا دوسرا شخص تھا یہ شک محمد بن سنان راوی کا ہے، پس جب کہ ان پر ہم نے مٹی برابر کر دی ایک

۱......حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۸۷، دار الفکر بیروت

۲......مرجع سابق   ۳......مرجع سابق

اینٹ نکل پڑی پس دیکھتے کیا ہیں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، پس میں نے اپنے ساتھی سے کہا کیا دیکھتا نہیں؟ کہا اس نے چپ رہ، پس جب ہم نے مٹی ڈال دی، لوٹ کر ان کی لڑکی کے پاس آئے، پس دریافت کیا ہم نے کہ تمہارے والد کون سا عمل کرتے تھے، انہوں نے کہا تم نے کیا دیکھا، پس ہم نے ان کو اس واقعے کی خبر دی، انہوں نے کہا، پچاس برس سے تمام رات قیام کرتے تھے، پس جب صبح ہوتی کہتے اے اللہ! اگر تو نے کسی کو اپنی مخلوق سے قبر کے اندر نماز عطا کی ہو تو مجھ کو عطا کرنا، پس نہ تھا اللہ کہ رد کر دیتا اس دعا کو انتہی۔

مطلق کثرت عبادت کو بدعت کہنا صحیح حدیث کو باطل کرنا ہے

اور مسلم اور ابوداؤد اور نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور رسی درمیان دو کھمبوں کے تنی پائی، فرمایا یہ کیسی رسی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ زینب نماز پڑھتی ہیں، جب تھک جاتی ہیں تو اس کو پکڑ لیتی ہیں، فرمایا کھول دو چاہئے کہ نماز جب تک نشاط رہے پڑھے، جب تھک جائے بیٹھ جائے انتہی۔ (۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام رات نماز پڑھنا ممنوع نہیں بلکہ جب آدمی کی طبیعت کسل مند ہو جائے اس وقت نماز کا لطف نہیں، ایسی نماز کو منع کیا ہے، غرض جہاں ممانعت ہے وہاں مطلق ممانعت نہیں، اور جہاں حسب طاقت اجازت دی ہے، وہاں وقت نشاط تک مراد ہے، مطلقاً کثرت عبادت کو بدعت کہنا صریح احادیث صحیح کو باطل کر دیتا ہے، اور بے دلیل الزام دینا ہے، حالانکہ

؎ دعوائے بے دلیل قبول نمی شود

باقی رہا جواب حدیث عبداللہ بن عمر اور جماعت صحابہ کا وہ بھی یاد رکھئے، دواشت آید بکار۔

حدیث عبداللہ بن عمر کا جواب

اقامۃ الحجہ میں لکھا ہے کہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے حال سے معلوم کر لیا تھا کہ وہ جس کا التزام کرنا چاہتے ہیں اس کی مداومت پر قادر نہ ہوں گے، پس ہدایت کی ان کو طرف طریقہ رخصت کے اور علت بیان کی کہ ان کے نفس کے لئے ان پر حق ہے اور ان کے اہل کا ان پر حق ہے، اور بایں طور کہ جب ایسا کریں گے تو آنکھیں ضعیف ہو جائیں گی اور بدن نحیف ہو جائے گا، پس دلالت کی اس امر نے اس پر کہ سختی کرنی عبادت میں اس طور سے کہ ملال خاطر اور کسل طبع کی صورت ہو یا حقوق شرعیہ میں خلل واقع ہو جائے ممنوع ہے، اور دلالت اس کی مطلق منع پر نہیں۔

اور جواب حدیث جماعت صحابہ کا یہ ہے کہ انہوں نے عمل رسول اللہ ﷺ کا بہت کم جانا اور گمان کیا کہ آپ بوجہ مغفور ہونے کے عبادت میں زیادہ کوشش نہیں کرتے اور اپنے اوپر انہوں نے اس چیز کو واجب جانا جس کو اللہ نے واجب نہیں کیا تھا

---

(۱) ...... اقامۃ الحجۃ، ص ۲

اور طریقہ آسان سے اعراض کیا اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے اس بات سے ان کو زجر کیا اور ہدایت کر دی اپنے طریقے کی طرف اور فرمایا جو شخص میری سنت سے اعراض کرے یعنی اعراض کرے بایں طور کہ جس طریقے پر میں ہوں اس کو حسن نہ سمجھے، جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا تھا، پس وہ شخص مجھ سے نہیں (یعنی ان میں سے نہیں جو میرے مسلک اور ہدایت پر چلتے ہیں) اور اس حدیث میں اس امر کی کہیں دلالت نہیں کہ جب آدمی حسب طاقت اپنی عبادت میں کوشش کرے درانحالیکہ واجب کرنے والا غیر واجب کو نہ ہو اور اپنے مسلک کو مسلک نبوی پر فضیلت دینے والا نہ ہو تو بھی یہ صورت جائز نہ ہوگی انتہی

نبی کریم نے کبھی کبھی کثرت عبادت کیوں ترک کیا

اور رسول اللہ ﷺ کے ایسی عبادت اختیار نہ کرنے کا باعث یہ ہے جو اسی کتاب میں لکھا ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ اس قدر طاقت عبادت رکھتے تھے کہ اور آدمیوں کو اتنی طاقت نہیں، لیکن آپ کثرت عبادت کو بوجہ شفقت امت کے اور بوجہ ترحم کے اوپر اتباع اپنے کے ترک کرتے تھے، تا کہ لوگ بسبب اتباع ان کی کے تنگ نہ ہوں، اور دلالت کرتا ہے اس پر قول عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ عمل کو ترک کرتے تھے حالانکہ اس عمل کو دوست رکھتے تھے واسطے خوف اس کے کہ لوگ عمل و بیا کرنے لگیں پس فرض ہو جائے ان پر، روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور ابوداؤد وغیرہما نے، اور تحقیق ترک کر دی رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح ساتھ جماعت کے بعد پڑھنے چند شب کے واسطے خوف اس کے کہ لوگوں پر فرض ہو جائے گی، روایت کیا اس حدیث کو بخاری وغیرہ نے، اور ابوداؤد وغیرہ نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کیا، پس عمر رضی اللہ عنہ پیچھے آپ کے برتن پانی کا لے کر کھڑے ہوئے، پس فرمایا کیا ہے یہ اے عمر کہا پانی آپ کے وضو کے واسطے فرمایا نہیں حکم کیا گیا میں کہ جب پیشاب کروں وضو کر لیا کروں اور اگر کرتا میں تو سنت ہو جاتا اور امثال اس کے بہت ہیں انتہی ۔(۱)

مؤلف ظفر کے دوسرے اعتراض کا جواب

اور معترض صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب اقامۃ الحجۃ میں یہ لکھا ہے "فَاِنْ قُلْتَ بَعْضُ الْمُجَاهَدَاتِ مِمَّا لَا يُعْقَلُ وُقُوْعُهَا كَقِرَانِ خَتْمَاتٍ فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَكَاَدَاءِ اَلْفِ رَكْعَةٍ فِيْ لَيْلَةٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ، قُلْتُ وُقُوْعُ مِثْلِ هٰذَا وَاِنِ اسْتُبْعِدَ مِنَ الْعَوَامِّ لٰكِنْ لَا يُسْتَبْعَدُ ذٰلِكَ مِنْ اَهْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنَّهُمْ اُعْطُوْا مِنْ رَبِّهِمْ قُوَّةً مَلَكِيَّةً وَصَلُوْا بِهَا اِلٰى هٰذِهِ الصِّفَاتِ لَا يُنْكِرُهُ اِلَّا مَنْ يُنْكِرُ صُدُوْرَ الْكَرَامَاتِ وَخَوَارِقِ الْعَادَاتِ"(۲) یعنی اگر اعتراض کرے تو کہ بعض مجاہدات کا وقوع عقل میں نہیں آتا، جیسے آٹھ ختم دن اور رات میں اور ہزار رکعت ایک رات میں اور مثل اس کے، کہتا ہوں میں وقوع اس کا اگرچہ عوام سے بعید ہے لیکن اہل اللہ سے بعید نہیں، اس لئے کہ وہ اپنے

۱۔۔۔۔۔۔اقامۃ الحجۃ، ص ۲۰

۲۔۔۔۔۔۔مرجع سابق

پروردگار کی طرف سے قوت ملکی عطا کئے گئے ہیں کہ اس کی وجہ سے ان صفات کو پہونچ گئے ہیں جنہیں انکار کرتا اس کا منکر و شخص جو منکر کرامات وخرق عادات کا ہوا نتہی۔

قفال مروزی کا قصہ موضوع ہے

اور قفال مروزی کا قصہ موضوع، گڑھا ہوا ہے، چنانچہ خود نواب صاحب امیر بھوپال کہ جن کی معترض صاحب بہت سند لاتے ہیں کشف الالباس میں لکھتے ہیں: صاحب تبصرہ نے فرمایا ہے کہ علمائے متاخرین امامیہ نے واسطے الزام حنفیہ کے ایک حکایت جوڑی ہے کہ ایک شخص نے واسطے تضحیک مذہب ابوحنیفہ کے نبیذ سے وضو کیا الی آخرہ، چنانچہ شیخ الفاضلین ملا محمد باقر مجلسی کے باب اول میں مذکور ہے انتہی حاصلہ۔ ولہذا ملا علی قاری نے انکار شدید کیا ہے قصہ قفال نقال کا امام الحرمین پر انتہی۔(۱) اگر کسی صاحب کو زیادہ تفصیل منظور ہو کتاب اقامۃ الحجہ تصنیف مجمع الکمالات مولانا ابوالحسنات مولوی محمد عبدالحی صاحب علوی کی ملاحظہ فرماویں، چونکہ معترض صاحب نے امام صاحب کے بعض حالات کا ذکر کیا لہذا ہم بھی چند باتیں ان کی کہ جن کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل کو سرور ہو مع چند حالات دیگر ایمہ دین کے بیان کرتے ہیں۔

اگر بمدح وثنا ہر کسے ستودہ شود   تو آں کسے کہ ستودہ بہ تست مدح وثنا

فضائل ومناقب امام اعظم

امام محی الدین نووی شارح مسلم تہذیب الاسما میں لکھتے ہیں: کہا ابونعیم نے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اچھی صورت والے، عمدہ لباس والے، عمدہ خوشبو والے، نیک مجلس، کثیر الکرم، خوب مدارات کرنے والے، اپنے بھائی مسلمانوں پر تھے۔

اور کہا: امام ابوحنیفہ نے: میں ابوجعفر امیر المؤمنین کے پاس گیا، پس کہا انہوں نے: آپ نے کس سے علم حاصل کیا: کہا میں نے حماد بن ابی سلیمان سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے، پس کہا ابوجعفر نے خوب علم واثق حاصل کیا۔

اور ایک دن امام ابوحنیفہ خلیفہ منصور کے پاس گئے، پس کہا منصور نے: یہ شخص اس وقت میں تمام دنیا کا عالم ہے، اور سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ کہا انہوں نے میری آنکھ نے مثل ابوحنیفہ کے نہیں دیکھا، اور عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے امام ابوحنیفہ بڑے صاحب وقار تھے، ایک دن ہم جامع مسجد میں تھے، پس ایک سانپ ان کی گود میں اوپر سے گر پڑا، پس سوائے ان کے اور سب آدمی بھاگ گئے، پس سوا اس کے کہ انہوں نے سانپ کو جھاڑ دیا اور اپنی جگہ پر بیٹھے رہے اور کچھ نہ کیا، اور روح بن عبادہ سے روایت ہے کہ میں سن ڈیڑھ سو ہجری میں ابن جریج کے پاس تھا پس خبر انتقال ابوحنیفہ کی ان کو پہونچی، پس انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور نہایت غمگین ہوئے، اور فرمایا کیسا بڑا عالم اٹھ گیا، اور امام ابویوسف سے

---

۱ ... کشف الالباس، ص ۲۶۶، نواب صدیق حسن بھوپالی

روایت ہے کہ میں اپنے والدین سے پہلے امام ابوحنیفہ کے واسطے دعا مانگتا ہوں، اور تحقیق میں نے ان سے سنا ہے فرماتے تھے کہ میں حماد کے واسطے اپنے والدین کے ساتھ دعا مانگتا ہوں اور عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے، کہا انہوں نے دیکھا میں نے مسعر بن کدام کو امام ابوحنیفہ کے حلقے میں کہ سامنے ان کے بیٹھے ہوئے ان سے سوال کرتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے، اور نہیں دیکھا میں نے کسی کو بھی کہ اس نے فقہ میں امام ابوحنیفہ سے عمدہ کلام کیا ہو اور وکیع سے روایت ہے کہ نہیں ملا میں زیادہ فقیہ سے بنسبت ابوحنیفہ کے اور نہ ان سے زیادہ اچھے نماز پڑھنے والے سے، اور نضر بن شمیل سے روایت ہے کہ لوگ فقہ سے بالکل بے خبر تھے، یہاں تک کہ ہوشیار کردیا ان کو امام ابوحنیفہ نے ساتھ اس شئی کے کہ یہ سمجھا ذہن ان کا اور تلخیص کیا اس کو اور بیان کردیا اس کو۔

اور امام شافعی سے روایت ہے کہ تمام آدمی فقہ میں امام ابوحنیفہ کے طفیلی ہیں، اور جعفر بن ربیع سے روایت ہے کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس پانچ برس رہا، پس کسی کو میں نے ان سے زیادہ خاموش نہیں پایا، مگر جب کوئی بات فقہ کی سوال کی جاتی جوش کی دریا کے بہتے، اور سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ ہمارے وقت میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔

امام اعظم ایک رکعت میں رات گزار دیتے

اور زافر بن سلیمان سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ ایک رکعت میں رات گذارتے، اس میں قرآن ختم کردیتے، اور اسد بن عمرو سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فجر کی نماز عشاء کے وضو سے چالیس برس پڑھی اور اکثر رات کو ایک رکعت میں قرآن ختم کردیتے تھے اور ان کے رونے کی آواز سنائی دیتی تھی یہاں تک کہ ہمسایہ ان کے ان پر رحم کھاتے تھے، اور شمار کیا گیا ہے کہ انہوں نے قرآن کو جس جگہ وفات پائی ہے سات ہزار مرتبہ پڑھا ہے، اور مسعر بن کدام سے روایت ہے کہ میں ایک رات مسجد میں گیا پس دیکھا میں نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے، پس اچھی معلوم ہوئی مجھ کو قراءت اس کی، پس پڑھی ایک منزل، کہا میں نے اب رکوع کرے گا، پھر تہائی پڑھا، پھر نصف پڑھا، پھر ایسا ہی وہ شخص پڑھتا رہا، یہاں تک کہ ایک رکعت میں کل قرآن ختم کردیا، پس دیکھا میں نے تو وہ امام ابوحنیفہ نکلے، اور زائدہ سے روایت ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ مسجد میں عشا کی نماز پڑھی، اور لوگ چلے گئے اور مجھ کو انہوں نے نہیں جانا کہ مسجد میں ہے اور میں نے ارادہ کیا کہ ایک مسئلہ ان سے دریافت کروں گا، پس کھڑے ہوئے اور نماز شروع کی، پھر قراءت پڑھی، یہاں تک کہ اس آیت تک پہنچے "فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ" پس اسی آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان کہہ دی اور میں انتظار کرتا رہا۔

اور قاسم بن معن سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تمام رات اسی آیت میں قیام کیا "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ" پس بار بار اسی کو پڑھتے تھے اور گریہ اور زاری کرتے تھے، اور وکیع سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ جب اپنے عیال کو نفقہ دیتے اسی قدر خیرات کرتے، اور جس وقت نیا کپڑا پہنتے اسی قیمت کا اپنے اساتذہ کو پہنا دیتے، اور جب

ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو اپنی خوراک سے دوچند لے کر کسی محتاج کو دیدیتے، اور وکیع سے یہ بھی روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ بڑے امانت دار تھے، اور ہرشی پر اللہ کی رضا مقدم کرتے تھے، اور اگر خدا کی راہ میں تلواریں ان پر پڑتیں برداشت کرتے تھے۔

امام اعظم کی سخاوت

اور قیس بن ربیع سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متقی، فقیہ، بہت احسان، اور صلہ کرنے والے تھے ہر اس شخص پر جو ان کے پاس التجا لے جاتا، اور نہایت بخشش کرنے والے اپنے بھائیوں پر تھے، اور بغداد کی طرف مال روانہ کرتے کہ اس کا کپڑا خریدا جاتا اور کوفہ میں لایا جاتا اور ہر سال کا نفع جمع کرتے، اس سے مشائخ محدثین کے حوائج اور قوت اور لباس خریدتے، پھر باقی اشرفیاں نفع کی ان کو دیتے اور کہتے ان کو تم اپنے حوائج میں صرف کرو اور تعریف کرو مگر اللہ تعالیٰ کی، اس لئے کہ میں نے تم کو اپنے مال سے نہیں دیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے میرے ہاتھ پر نفع بخشتا ہے، پس رزق اللہ میں کسی غیر کو نہیں

اور ابو یوسف سے روایت ہے کہا انہوں نے امام ابوحنیفہ کسی حاجت سے سوال نہیں کئے جاتے تھے مگر اس کو پورا ہی کر دیتے تھے، اور عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے، کہا انہوں نے کہ میں نے سفیان ثوری سے کہا کہ امام ابوحنیفہ غیبت سے بہت بعید رہتے ہیں، میں نے ان کو نہیں سنا کہ کبھی کسی اپنے دشمن کی بھی غیبت کرتے ہوں، کہا واللہ وہ بڑے عقیل ہیں، اپنی نیکیوں پر اس شی کو مسلط نہیں ہونے دیتے جو ان کو لے جائے۔

امام اعظم کی عقل نصف اہل ارض کی عقل پر بھاری ہے

اور علی بن عاصم سے روایت ہے، کہا انہوں نے اگر امام ابوحنیفہ کی عقل نصف اہل ارض کی عقل سے وزن کی جائے تو ان کی عقل ان کی عقل پر غالب آئے، اور اسمٰعیل امام صاحب کے پوتے سے روایت ہے، کہا انہوں نے ہمارے یہاں ایک آٹا پیسنے والا رافضی تھا، اس کے دو خچر تھے ایک کا نام اس نے ابوبکر رکھا تھا، اور دوسرے کا عمر، پس ایک نے اس کو پیر سے روند کر مار ڈالا، پس امام ابوحنیفہ کو خبر دی گئی، فرمایا دیکھو جس نے اس کو مارا ہے اس کا نام عمر ہوگا، پس دیکھا تو جیسا انہوں نے کہا تھا ویسا ہی پایا، اور اسمٰعیل بن سالم بغدادی سے روایت ہے، کہا انہوں نے، امام ابوحنیفہ قاضی ہونے پر جبر کئے گئے، پس قضا نہ قبول کی، اور امام احمد بن حنبل جب اس کو ذکر کرتے، رویا کرتے، اور ان کو ترحم آتا۔

اور امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے ابو یحیٰی حمانی اور ہشیم بن بشیر اور عباد بن العوام اور عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن جراح اور یزید بن ہارون اور علی بن عاصم اور یحیٰی بن نصر اور ابو یوسف قاضی اور محمد بن الحسن اور عمرو بن محمد العنقزی اور ہوذہ بن خلیفہ اور ابو عبدالرحمٰن المقری اور عبدالرزاق بن ہمام اور دوسروں نے، اور امام محمد سے روایت کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو سلیمان جوزجانی اور ابو عبید قاسم بن سلام وغیرہم نے۔

مناقب امام محمد رحمہ اللہ

اور امام شافعی سے باسناد روایت ہے، کہا انہوں نے، بھاری جسم والا میں نے امام محمد سے زیادہ لطیف روح کا نہیں دیکھا اور نہ کوئی فصیح زیادہ ان سے دیکھا، جب میں ان کو قرآن پڑھتے دیکھتا، ایسا معلوم ہوتا گویا قرآن انہیں کی لغت میں نازل ہوا ہے، اور امام شافعی سے یہ بھی روایت ہے کہ امام محمد سے زیادہ عقیل میں نے کسی کو نہیں دیکھا، اور انہیں سے روایت ہے کہ میں نے جسیم آدمی ذکی زیادہ امام محمد سے کسی کو نہیں دیکھا، انہیں سے روایت ہے کہ جب امام محمد کسی مسئلے میں گفتگو کرتے گویا قرآن نازل ہوتا ہے، نہ کسی حرف کو مقدم کرتے اور نہ مؤخر، اور ان ہی سے روایت ہے کہ امام محمد آنکھ اور دل کو بھر دیتے تھے، اور انہیں امام شافعی سے روایت ہے کہ میں امام محمد کے دو اونٹ بھرے ہوئے کتابوں کا مالک ہوا ہوں، اور یحییٰ بن معین سے روایت ہے کہ میں نے جامع صغیر امام محمد سے لکھی، اور ابو عبید سے روایت ہے کہ میں نے کوئی کتاب اللہ امام محمد سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا، اور ابراہیم حربی سے روایت ہے، کہا انہوں نے، میں نے امام احمد سے کہا کہ آپ کے پاس یہ مسائل دقیق کہاں سے آئے، فرمایا کہ امام محمد کی کتابوں سے، کہا امام شافعی نے کسی کو میں نے نہیں دیکھا کہ اس سے کوئی مسئلہ جس میں اعتراض ہو دریافت کیا جائے اور اس کے چہرے پر شکن نہ معلوم ہو، مگر امام محمد اور امام شافعی سے ان کے استاد امام مالک نے کہا کہ اللہ عزوجل نے تمہارے قلب پر نور ڈالا ہے، اس کو معصیت سے مت بجھا دینا۔

مناقب شافعی رحمہ اللہ

اور کہا امام شافعی نے جب میں امام مالک کے پاس گیا، پس سنا کلام میرا اور ایک ساعت میری طرف دیکھا اور امام مالک کو فراست حاصل تھی، فرمایا تمہارا نام کیا ہے، میں نے کہا محمد، فرمایا اللہ سے ڈرنا اور معاصی سے پرہیز کرنا قریب ہے کہ تمہاری ایک شان عظیم ہوگی۔

اور کہا یحییٰ بن اکثم نے کہ میں نے کسی کو زیادہ عقیل شافعی سے نہیں دیکھا، اور کہا حمیدی نے اپنے علمائے زمانہ کے سردار امام شافعی ہیں، اور حمیدی کے پاس جب امام شافعی کا ذکر ہوتا کہتے ہم سے سید الفقہا شافعی نے یہ حدیث بیان کی، اور امام شافعی نے روایت کی ہے علمائے حجاز اور یمن اور مصر اور عراق اور خراسان سے، چنانچہ دارقطنی اور حاکم اور بیہقی نے ان کا ذکر کیا ہے، اور اسی طرح انہوں نے ذکر کیا ان لوگوں کو جنہوں نے ان سے روایت کی ہے، اور علم فقہ حاصل کیا ہے، مثل احمد بن حنبل اور ابوثور اور حمیدی وغیرہ نے۔

مناقب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

اور ابراہیم حربی سے روایت ہے کہ امام احمد میں اللہ تعالیٰ نے علم اولین ہر قسم کا جمع کر دیا تھا، اور ہیثم بن جمیل سے روایت ہے، کہا دوست رکھتا ہوں میں کہ میری عمر سے کم ہو جائے، اور امام احمد کی عمر میں زیادتی ہو جائے، اور امام ابو حاتم حال

امام احمد وعلی بن مدینی سے سوال کیے گئے، کہا حافظہ میں دونوں قریب ہیں، مگر امام احمد فقیہ زیادہ ہیں، اور کہا عمرو بن محمد ناقد نے جب امام احمد کسی حدیث میں میرے موافق ہو جائیں تو پھر میں پروا نہیں کرتا اس شخص کی جو مخالفت میری کرے، اور کہا امام شافعی نے میں نے امام احمد وسلیمان بن داؤد ہاشمی سے زیادہ عقل کسی کو نہیں دیکھا، اور کہا قتیبہ اور ابو حاتم نے، جب تو کسی کو دیکھے کہ امام احمد کو دوست رکھتا ہے تو جان لے کہ وہ صاحب سنت ہے اور امام احمد نے حدیث کو سفیان بن عیینہ اور ابراہیم سعد اور یحیی القطان اور ہشیم اور وکیع سے سنا ہے، اور امام احمد سے روایت کی ہے ان کے شیخ عبدالرزاق اور یحیی بن آدم اور ابوالولید اور علی بن المدینی اور بخاری اور مسلم اور ابوداؤد وغیرہم نے۔

مناقب امام مالک رحمہ اللہ

اور کہا امام شافعی نے، اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو علم حجاز جاتا رہتا، اور کہا حرملہ نے امام شافعی کسی کو حدیث میں امام مالک پر ترجیح نہیں دیتے تھے، اور کہا وہیب بن خالد نے نہیں درمیان مشرق اور مغرب کے کوئی زیادہ امانت دار حدیث رسول اللہ ﷺ کا امام مالک سے، اور امام شافعی سے باسناد صحیح روایت ہے کہ زمین پر کوئی کتاب اکثر از روئے صواب کے موطائے مالک سے نہیں، کہا علمانے اس قول کو امام شافعی نے قبل وجود صحیحین کے کہا ہے، اور وہ دونوں موطا سے باتفاق علما زیادہ صحیح ہیں، اور امام مالک تبع تابعین سے ہیں، روایت کی ان سے ابن جریج اور یزید بن عبداللہ بن ہادی اور اوزاعی اور ثوری اور ابن مبارک اور امام شافعی وغیرہم نے۔

مناقب امام بخاری رحمہ اللہ

اور محمد بن وبدویہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے امام بخاری سے، کہتے تھے کہ میں ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ حدیث غیر صحیح یاد رکھتا ہوں، اور حافظ ابوعلی صالح بن محمد سے روایت ہے کہا نہیں دیکھا میں نے کسی خراسانی کو زیادہ فہیم امام بخاری سے، اور کہا زیادہ جاننے والے حدیث کے امام بخاری ہیں، اور زیادہ حافظ حدیث کے ابوزرعہ ہیں، اور وہ اکثر ان کے ہیں حدیث میں، اور محمد بن بشار شیخ بخاری سے روایت ہے کہ بصرے میں مثل بخاری کے کوئی نہیں آیا، اور جب امام بخاری بصرے میں داخل ہوئے، کہا انہوں نے آج سید الفقہا داخل ہوئے، اور محمد بن عبداللہ بن نمیر اور ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ ہم نے مثل امام بخاری کے نہیں دیکھا، اور ابو عیسیٰ ترمذی سے ہم کو روایت پہونچی ہے کہ میں نے علل اور تاریخ اور معرفت اسانید میں عراق اور خراسان میں کسی کو نہیں دیکھا، اور روایت کیے گئے ہم امام مسلم سے کہ انہوں نے امام بخاری سے کہا کہ نہیں بغض رکھے گا تم سے مگر حسد کرنے والا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ مثل تمہارا دنیا میں نہیں، اور محمد بن اسحٰق بن خزیمہ سے ہم کو روایت پہونچی ہے، کہا انہوں نے میں نے آسمان کے نیچے زیادہ جاننے والا حدیث رسول اللہ ﷺ کا امام بخاری سے نہیں دیکھا، اور بغداد میں استاد ان کے محمد بن عیسیٰ الطباع اور محمد بن سابق اور احمد بن حنبل اور اقران ان کے ہیں، اور روایت کی ان

سے ابو الحسین بن الحجاج صاحب صحیح اور ابو عیسیٰ ترمذی اور ابو عبد الرحمن نسائی وغیرہم نے انتہی مختصراً۔

بڑے بڑے مجتہدین ومحدثین امام اعظم کے شاگرد ہیں

اور مرقات شرح مشکوۃ میں ہے قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَتَلَمَّذَ لَهٗ كِبَارٌ مِّنَ الْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَالْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِيْنَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَالْاِمَامُ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ اِنْتَهٰى وَ مِنْهُمْ دَاؤُدُ الطَّائِيُّ وَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَدْهَمَ وَ فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ وَغَيْرُهُمْ مِنْ اَكَابِرِ السَّادَةِ الصُّوْفِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (۱)

یعنی کہا ابن حجر نے کہ شاگرد ہوئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بڑے ائمہ مجتہدین اور علمائے راسخین مثل عبد اللہ بن المبارک اور لیث بن سعد اور امام مالک کے انتہی

بخاری ومسلم امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں

اور ان میں سے داود طائی اور ابراہیم ادہم اور فضیل بن عیاض وغیرہم اکابر صوفیا سے ہیں انتہی۔ ان تحریرات سے معلوم ہوا کہ امام مالک امام صاحب کے شاگرد ہیں اور امام شافعی امام مالک کے اور امام محمد کے شاگرد ہیں اور امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں اور امام احمد کے امام بخاری اور امام مسلم اور ابو داود شاگرد ہیں اور امام بخاری کے امام ترمذی اور امام نسائی شاگرد ہیں

بیت

امام اعظم کے شاگردوں کے ہیں شاگرد بھی ارشد   بخاری شافعی مسلم نسائی ترمذی احمد

غرض کوئی محدث الا ماشاء اللہ ایسا نہیں جس کو امام ابو حنیفہ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ تلمذ حاصل نہ ہو، اسی طرح عبد اللہ بن مبارک اور وکیع بن جراح کے واسطے سے بھی کہ یہ دونوں بھی امام صاحب کے شاگرد ہیں امام بخاری اور مسلم وغیرہما امام صاحب کے بالواسطہ تلمیذ رشید ہیں، اسی طرح امام ابو یوسف کے امام احمد اور امام محمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ شاگرد ہیں، غرض عاقل کے واسطے اتنا ہی کافی ہے اور متعصب اور بے دین کے واسطے اگرچہ کتنے ہی سلسلے ہم بیان کریں گے وہ اپنی مرغی کی ایک ہی ٹانگ کہے جائے گا اور کج فہمی سے باز نہ آئے گا

بیت

رہا بیڑھا ستاں نقش کژدم   کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

وقت زیارت امام شافعی کا امام اعظم کا ادب کرنا

اور خیرات الحسان میں ہے کہ جب امام شافعی بغداد میں داخل ہوئے اور امام صاحب کی زیارت کو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں تو اس میں رفع یدین نہ کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ دو رکعتیں صبح کی تھیں اور اس میں قنوت نہ پڑھا، پس کہا گیا ان سے فرمایا بسبب ادب اس امام کے یہ کہ ظاہر کروں میں مخالفت ان کی حضوری میں، اور تلمذ کیا ان سے بڑے مشائخ ائمہ

1......مرقات شرح مشکوۃ

مجتہدین اور علمائے راسخین نے جیسے امام جلیل عبداللہ بن مبارک کے کہ جن کی جلالت اور علم اور تقدم اور زہد پر اجماع ہے اور مثل امام لیث بن سعد کے اور مثل امام مالک بن انس کے، اور کفایت کرتے ہیں تجھ کو یہ ائمہ اور مثل امام مسعود بن کدام اور زفر اور ابو یوسف اور محمد وغیرہم کے، اور جب عبداللہ بن مبارک کے پاس ان کا ذکر ہوا کہا، کیا اس شخص کا تم ذکر کرتے ہو جس پر دنیا بتمامہا پیش کی گئی تو اس شخص نے اس سے اعراض کیا، اور جب ابوجعفر منصور نے دس ہزار درہم حسن بن قحطبہ کے ہاتھ بھجوائے تو امام ابوحنیفہ ان کو رد نہ کر سکے، اپنے پسر حماد کو وصیت کی کہ بعد انتقال کے ان کو واپس کر دینا، پس انہوں نے ایسا ہی کیا، کہا حسن نے رحمت خدا کی تمہارے والد پر کہ اپنے دین پر بڑے مضبوط تھے۔

مذہب حنفی کی اشاعت کا حکم نبی کریم علیہ السلام نے دیا

اور نہیں مشغول ہوئے امام ابوحنیفہ ساتھ دعوت کرنے آدمیوں کے طرف مذہب اپنے کے مگر بسبب اشارہ کرنے رسول اللہ ﷺ کے خواب میں طرف ان کے تاکہ دعوت کریں لوگوں کی طرف مذہب اپنے کے، پس جب کہ ہوا ان کو اذن، تقسیم کیا خزائن خدا کو اس کے مستحقین پر، اور جانا کہ یہ امر حتمی لابد ہے، پس دعوت کی آدمیوں کی طرف اس کے، یہاں تک کہ ظاہر ہوا مذہب ان کا، اور پھیل گیا، اور کثیر ہوئے مقلدین ان کے، اور رسوا ہوئے حاسدان کے، اور نفع بخشا اللہ نے شرق اور غرب اور عرب اور عجم کو، اور نصیب کیا بہرہ وافی ان کے مقلدین کو، پس مستعد ہوئے وہ ان کے مذہب کے اصول اور فروع لکھنے پر، اور ان کے منقول اور معقول کے دیکھنے میں، یہاں تک کہ بحمد اللہ ہو گیا وہ مذہب محکم قواعد اور ارکان فوائد میں، اور تائید کرتا ہے اس کی بیان کرنا بعض اصحاب مناقب کا کہ ثابت والد امام صاحب کے صغر سنی میں حضرت علی کی خدمت میں لائے گئے، پس حضرت علی نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں برکت کی دعا کی، اور امام ابوحنیفہ جو کچھ دیئے گئے اسی دعا کی برکت سے دیے گئے، اور ان کے کمال تقویٰ سے ہے کہ انہوں نے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا، جب کہ سنا کہ ایک بکری کوفے میں گم ہوگئی ہے، یہاں تک کہ اس کی موت کا علم ہوگیا، اور وہ شئے جو ان کے طریقوں سے مذکور ہے ان کے مناقب کا حصر اس سے نہیں ہے، بلکہ یہ بیان ہے اس سمندر کے ایک قطرے کا جس کے ساحل کا پتا نہیں، اور انہوں نے عشا کے وضو سے چالیس برس صبح کی نماز پڑھی، پس کہا گیا ان سے کس شئے نے آپ کو اس عبادت پر قوی کیا؟ کہا میں نے اللہ سے اسما کے ساتھ دعا مانگی تھی جس کا مجموعہ دو آیتیں ہیں، اول مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ آخر سورہ فتح تک، اور دوسری "ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ الْاٰیَۃ" سورہ آل عمران میں۔(۱)

تمام مجتہدین ہدایت وصواب پر ہیں

اور اگر تو نجات کا آخرت میں ارادہ کرے تو یہ اعتقاد رکھنا کہ ہر ایک ائمہ مجتہدین وعلمائے عاملین سے ہدایت اور

۱.......الخیرات الحسان از ص ۵ تا ص ۸

رضائے الٰہی پر ہیں، اور سب ماجور ہیں تمام حالات میں باتفاق ائمہ نقل وبرہان کے۔

اور تحقیق روایت کی ہے بیہقی نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، جو چیز تم کو کتاب اللہ سے دی جائے تو عمل کرو کسی کو عذر اس کے ترک کرنے پر نہیں پہونچتا، پس اگر کتاب میں نہ ہو تو سنت اختیار کرو، اور اگر سنت نہ ہو تو جو میرے اصحاب کہیں کہ تحقیق اصحاب میرے مثل ستاروں کے ہیں آسمان میں، پس جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے، اور اختلاف میرے اصحاب کا واسطے تمہارے رحمت ہے، اور کہا امام ابو یوسف نے نہیں دیکھا میں نے کسی کو زیادہ جاننے میں تفسیر وحدیث کے امام ابوحنیفہ سے، اور تھے وہ زیادہ بصیر حدیث میں مجھ سے، اور امام ابوحنیفہ نے وہ کام کئے کہ دوسرے اس سے عاجز تھے، اور باوجود اس کے حاسدین ان کے بہت ہوئے، اور یہ سنت اللہ کی ہے اپنی مخلوق میں " وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا " () اور بسبب دقت قیاسات ان کے مذہب کے مزنی شاگرد امام شافعی کے ان کے کلام کو دیکھا کرتے، یہاں تک کہ ان کے بھانجے امام طحاوی کو اس بات نے برانگیختہ کیا کہ مذہب شافعی سے انتقال کرکے مذہب حنفی اختیار کیا۔(۱)

دیگر ائمہ پر امام اعظم کی تفضیل کے اسباب

الخیرات الحسان کی بارہویں فصل ان صفات میں ہے جن سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعد والوں پر ممتاز تھے، اور وہ صفات بہت ہیں، بعض ان میں سے یہ ہیں کہ انھوں نے ایک جماعت صحابہ کو دیکھا ہے، چنانچہ ذکر اس کا اوپر گذر چکا ہے، اور صحت کو پہونچا ہے رسول اللہ ﷺ سے کئی طریقے سے کہ فرمایا آپ نے: خوشخبری ہو اس کو جس نے مجھ کو دیکھا اور اس کو جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا، اور بعض ان صفات سے یہ ہیں کہ امام ابوحنیفہ اس قرن میں پیدا ہوئے ہیں کہ جس میں رسول اللہ ﷺ سے بطرق کثیرہ ثابت ہوا کہ بہتر قرنوں کا میرا قرن ہے، پھر جو لوگ کہ اس سے متصل ہیں، اور روایت مسلم میں ہے کہ بہتر آدمیوں کا وہ قرن ہے جس میں میں ہوں، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔

امام اعظم اعمش کی نظر میں

اور بعض ان صفات سے وہ ہیں کہ انھوں نے زمانہ تابعین میں اجتہاد کیا اور فتوی دیا، بلکہ جب اعمش نے حج کا ارادہ کیا تو امام ابوحنیفہ کی خدمت میں کسی کو بھیجا تاکہ امام ان کے واسطے مناسک حج لکھ دیں، اور اعمش کہا کرتے تھے مناسک حج کے امام ابوحنیفہ سے لکھوا لو کیونکہ میں ان سے زیادہ جاننے والا فرائض ونوافل حج کا کسی کو نہیں جانتا، پس نظر کر تو شہادت پر واسطے امام ابوحنیفہ کے اعمش جیسے شخص سے، اور بعض ان صفات سے روایت کرنا ان کے اکابر شیوخ وغیرہم کا ان سے، مثل عمرو بن دینار کے۔

امام اعظم کے برابر کسی امام کے شاگرد نہیں ہیں

اور بعض ان صفات سے یہ ہے کہ جتنے ان کے اصحاب ہوئے اتنے اصحاب کسی کے بعد ان کے نہیں ہوئے، چنانچہ

۱۔۔۔۔۔۔الخیرات الحسان، ص۹

پہلے جانا گیا، اور کہا ایک شخص نے نزدیک وکیع کے، خطا کی امام ابوحنیفہ نے، پس جھڑکا اس کو وکیع نے، اور کہا جو اس کو کہتا ہے وہ بڑا گمراہ ہے، کیوں کر وہ خطا کرتے حالانکہ ان کے پاس ائمہ فقہ مثل ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر کے، اور ائمہ حدیث کے اور نام لیا وکیع نے ان کا، اور ایمہ لغت اور عربیت کے، اور شمار کیا ان کو، اور ایمہ زہد اور تقوی کے مثل فضیل، اور داؤد طائی کے ہیں، اور جس کے اصحاب ایسے لوگ ہوں، وہ شخص خطا نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اگر خطا بھی کرتے تو وہ ان کو حق کی طرف لوٹا دیتے۔ اور بعض ان صفات سے یہ ہے کہ وہ اول ان لوگوں کے ہیں کہ جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا، اور بابوں اور کتابوں کی ترتیب دی، جیسا کہ آج کے دن موجود ہے، اور اتباع کیا ان کا امام مالک نے اپنی موطا میں، اور جو پہلے ان کے تھے وہ اعتماد اپنے حافظہ پر کرتے تھے، اور وہ اول ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے کتاب فرائض اور کتاب شروط ایجاد کی ہے، اور بعض ان صفات سے منتشر ہونا مذہب ان کے کا ہے، ان اقالیم میں کہ ان میں سوائے ان کے طریقے کے دوسرا طریق نہیں، مثل ہند اور سندھ اور روم اور ماوراء النہر کے، اور بعض ان صفات سے خرچ کرنا اپنے نفس پر اور علماء وغیرہم پر اپنے ہاتھ کا مال، اور نہیں قبول کرتے تھے کسی کی بخشش کو، اور متواتر ہونا کثرت عبادت اور زہد اور اعتماد وغیرہ ان کے کا۔(۱)

اور امام شافعی نے امام مالک سے چند لوگوں کا حال دریافت کیا، پس انہوں نے جواب دیا، پھر پوچھا امام شافعی نے حال امام ابوحنیفہ کا، امام مالک نے کہا سُبْحَانَ اللّٰهِ لَمْ أَرَ مِثْلَهُ تَاللّٰهِ یعنی قسم ہے خدائے پاک کی کہ مثل ابوحنیفہ کے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، اور کہا ثوری نے اس شخص سے جو امام ابوحنیفہ کے پاس سے آیا اور اس نے ان سے کہا کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں، کیا آیا ہوں بلکہ سب زمین والوں کے بڑے فقیہ کے پاس سے آیا ہوں، اور کہا ثوری نے جو شخص امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتا ہے وہ محتاج اس امر کا ہے کہ ان سے علم میں اعلیٰ ہو، اور کہا گیا ان سے جب کہ ان کے سر کے نیچے امام ابوحنیفہ کے کتاب الرہن دیکھی، کیا آپ اس کو دیکھا کرتے ہیں؟ کہا میں دوست رکھتا ہوں کہ میرے پاس کل کتابیں ان کی ہوں، اور کہا ابو یوسف نے ثوری مجھ سے امام صاحب کی متابعت زیادہ کرتے ہیں، اور کہا امام احمد نے ان کے حق میں کہ وہ اہل علم سے اور اہل تقوی اور اہل زہد سے ہیں، اور اختیار کرنے والے تھے آخرت کو، اس مرتبہ کو پہونچ گئے ہیں کہ دوسرا کوئی اس کو نہیں پائے گا، اور خطیب نے بعض ایمہ زہد سے نقل کیا ہے کہ کہا انہوں نے اہل اسلام پر واجب ہے کہ اپنی نماز میں امام ابوحنیفہ کے واسطے دعا مانگا کریں، کیونکہ انہوں نے حدیث اور فقہ کی ان کے واسطے حفاظت کی ہے، اور کہا مکی بن ابراہیم نے امام ابوحنیفہ اپنے زمانے والوں سے زیادہ عالم ہیں، اور کہا یحیی بن سعید القطان نے: نہیں سنا ہم نے مستحسن اور صواب رائے زیادہ رائے امام ابوحنیفہ سے، اور کہا عیسیٰ بن یونس نے: مت تصدیق کرنا تم کسی کو برا قول کہنے میں امام ابوحنیفہ کے حق میں، قسم ہے خدا کی، کوئی ان سے افضل اور فقیہ زیادہ میں نے نہیں دیکھا، اور کہا معمر نے کسی کو میں نے نہیں دیکھا کہ بہت اچھا فقہ میں کلام کرتا ہو، اور بہت عمدہ

۱......الخیرات الحسان الفصل الثالث عشر، از ص ۳۱ تا ص ۴۲

شرح حدیث کی کرتا ہو امام ابوحنیفہ سے، اور کہا امام حافظ نقاد یحییٰ بن معین نے: فقہا چار ہیں، ابوحنیفہ اور سفیان اور مالک اور اوزاعی، اور فقہ فقہ ابوحنیفہ کی ہے، اسی پر پایا میں نے لوگوں کو، اور سوال کیے گئے سفیان امام صاحب کے حال سے، کہا تھے ثقہ بڑے سچے فقہ اور حدیث میں، امانت دار، دین اللہ میں، اور کہا عبداللہ بن مبارک نے: دیکھا میں نے حسن بن عمارہ کو امام ابوحنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے رواں حالے کو کہتے تھے: قسم ہے خدا کی، میں نے کسی کو نہیں دیکھا فقہ میں آپ سے زیادہ کہ عمدہ کلام کرتا ہو، اور نہ زیادہ حاضر جواب آپ سے کسی کو، اور آپ سرداران لوگوں کے ہیں جنہوں نے فقہ میں تمہارے وقت میں گفتگو کی ہے، اور نہیں کلام کرتے وہ آپ کی نسبت میں مگر حسد سے، اور کہا حافظ عبدالعزیز نے ابورواد سے کہ جو شخص دوست رکھے امام ابوحنیفہ کو پس وہ سنی ہے، اور جو بغض رکھے ان سے پس وہ بدعتی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ درمیان ہمارے اور درمیان لوگوں کے امام ابوحنیفہ ہیں، پس جو شخص ان کو دوست رکھے گا جانیں گے ہم کہ وہ اہل سنت سے ہے، اور جو شخص بغض رکھے گا ان سے جانیں گے ہم کہ وہ اہل بدعت سے ہے، اور کہا خارجہ بن مصعب نے امام ابوحنیفہ فقہا میں مثل قطب آسیا کے ہیں، اور مثل اس صراف کے ہیں جو کہ سونے کو پرکھتا ہے، اور کہا حافظ محمد بن میمون نے نہیں تھا زمانہ امام ابوحنیفہ میں کوئی زیادہ عالم اور نہ زیادہ متقی اور نہ زیادہ زاہد اور نہ زیادہ عارف اور نہ زیادہ فقیہ ان سے، اور قسم خدا کی نہیں خوش آتے مجھ کو بعوض سننے میرے کے ان سے ایک لاکھ دینار، اور امام صاحب کا نزدیک داؤد طائی کے ذکر ہوا فرمایا وہ ستارے ہیں کہ راہ چلنے والا ان سے ہدایت پاتا ہے، اور علم ہیں کہ قبول کرتے ہیں اس کو دل مومنوں کے، اور کہا خلف بن ایوب نے: آیا علم خدا سے طرف محمد ﷺ کے، پھر ان سے طرف صحابہ کے، پھر ان سے طرف تابعین کے، پھر آیا طرف امام ابوحنیفہ کے اور اصحاب ان کے کے، پس جس کا جی چاہے اس پر غصہ ہو جائے، اور کہا گیا واسطے بعض ائمہ کے کیا وجہ ہے کہ آپ امام صاحب کے ذکر کے وقت انہیں کی مدح خاص کرتے ہیں، اور کی تعریف نہیں کرتے، کہا انہوں نے اس لئے کہ جیسا ان کا مرتبہ ہے ویسا اوروں کا نہیں، اس امر میں کہ نفع پایا لوگوں نے ان کے علم سے، پس خاص انہیں کی تعریف وقت ذکر کے کرتا ہوں تا کہ لوگ ان کے واسطے دعا کرنے میں رغبت رکھیں، اور روایتیں ائمہ سے سوائے اس کے بہت آئی ہیں، اور منصف کے واسطے اس کا بعض بھی کافی ہے۔(۱)

امام اعظم کی خشیت اور سخاوت

اور کہا ابو مطیع نے: نہیں داخل ہوا میں طواف کرنے کو شب میں کسی وقت مکہ میں کہ امام ابوحنیفہ کو طواف میں پایا، اور امام ابوحنیفہ جب رات کو نماز پڑھتے تھے تو بوریے پر آنسوؤں کے گرنے سے مثل بارش کے آواز سنائی دیتی تھی، اور علامت رونے کی ان کی آنکھوں اور ان کے رخساروں پر معلوم ہوتی تھی، اور امام ابوحنیفہ نے اپنے بعض جلیسوں پر کپڑے خراب خستہ دیکھے تو حکم کیا ان کو کہ بیٹھے رہیں، یہاں تک کہ لوگ چلے گئے، پس فرمایا اس شخص سے جو مصلے کے نیچے ہے اس کو لے لو، پس وہ

۱......الخیرات الحسان الفصل الثالث عشر از ص ۲۲ تا ص ۲۷

شخص اٹھانے لگا تو ایک ہزار درہم معلوم ہوئے، اور جب ان کے پسر حماد نے سورۂ فاتحہ یعنی الحمد ختم کی، تو معلم کو پانچ سو درہم عطا فرمائے، اور ایک روایت میں ہے کہ ہزار درہم دیئے اور عذر کیا اور فرمایا اس وقت ہمارے پاس ہوتا تو بوجہ تعظیم قرآن کے اس سے زیادہ دیتے، اور کہا بکر بن معروف نے کسی کو میں نے امت محمدیہ میں زیادہ اچھی خصلت کا امام ابوحنیفہ سے نہیں دیکھا، اور کہا وکیع نے، کہا مجھ سے امام ابوحنیفہ نے نہیں مالک ہوا میں چالیس برس سے زیادہ چار ہزار درہم سے مگر میں نے زیادہ کو خارج کر دیا، اور فقط چار ہزار کو رکھ لیا، بوجہ فرمانے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہ چار ہزار اور کچھ کم اس کا نفقہ ہے، اور امام ابوحنیفہ اپنے قرضدار کے درخت کے سایہ میں نہیں بیٹھتے تھے، اور کہتے تھے جو قرض کہ منفعت کھینچے پس وہ ربا ہے، اور جب امام صاحب نے وفات پائی تو حسن بن عمارہ قاضی بغداد نے ان کو غسل دیا، اور ابو رجاء عبداللہ بن واقد ہروی نے پانی ڈالا، اور جب حسن بن عمارہ غسل سے فارغ ہوئے تو کہا رحم کرے اللہ تم پر، تیس برس سے برابر روزے رکھتے تھے اور رات کو چالیس برس سے تکیہ نہیں لیتے، اور تھے آپ فقیہ تر ہمارے اور عابد تر اور زاہد تر اور جامع تر اچھی خصلتوں کے ہم سے، اور نہیں فارغ ہوئے تھے غسل سے کہ اہل بغداد سے بیشمار مخلوق جمع ہوگئی تھی کہ سوائے خدا کے کسی کو گنتی نہیں معلوم تھی، گویا کہ ان کی وفات کی ندا کر دی گئی تھی، اور نماز پڑھنے والوں میں سے بعض نے کہا ہے کہ پچاس ہزار آدمی تھے، اور بعض نے کہا ہے اس سے بھی زیادہ تھے، اور چھ مرتبہ نماز پڑھی گئی، اخیر میں ان کے پسر حماد نے پڑھی، اور بسبب شدت ازدحام کے عصر تک دفن پر قدرت نہ ہوئی، اور آدمیوں نے بیس روز تک ان کی قبر پر نماز پڑھی، اور وصیت کی تھی کہ مقبرہ خیزران میں جانب شرقی دفن کیا جاؤں، کیونکہ زمین اس کی طیب ہے غصب کی ہوئی نہیں ہے، اور جب ابن جریج فقیہ مکہ اور شیخ الشیخ امام شافعی کو خبر پہونچی، انا للہ وانا الیہ راجعون کہا، اور فرمایا کیسا بڑا عالم چلا گیا، اور شعبہ کو خبر پہونچی انا للہ کہا، اور کہا کوفے سے نور علم کا بجھ گیا، اور آگاہ ہو کہ اب کبھی وہ لوگ مثل ان کے کسی کو نہیں دیکھیں گے اور بعد مدت مدید کے بادشاہ ابوسعید مستوفی خوارزمی نے ان کی قبر پر ایک بڑا قبہ بنوایا اور اس کے پہلو پر ایک مدرسہ تیار کرایا، اور صدقۃ المقابری سے کہ وہ مستجاب الدعوات تھے روایت ہے جب امام ابوحنیفہ دفن کئے گئے تو انہوں نے ہاتف غیب کی آواز تین رات برابر سنی کہ کہتا تھا: فقاہت جاتی رہی، پس نہیں فقہ ہے واسطے تمہارے، پس ڈرو تم اللہ سے، اور ہو تم خلف، وفات پا گئے نعمان، پس کون ہے ایسا کہ رات بھر جاگے، اور بعض نے کہا ہے شب انتقال میں جنات روتے، اور لوگ آواز ان کی سنتے تھے، اور کسی شخص کو نہیں دیکھتے تھے۔

امام اعظم کی قبر مبارک پر بزرگوں کا استمداد

چھتیسویں فصل ادب کرنے میں اماموں کے امام ابوحنیفہ کا بعد انتقال کے جیسا کہ وہ ان کی حیات میں ادب کرتے تھے، اور یہ کہ قبر ان کی ادائے حاجات کی غوث ہے، جان تو کہ ہمیشہ علما اور صاحب حاجات ان کی قبر کی زیارت کرتے ہیں، اور قضائے حاجات میں ان کو وسیلہ گردانتے ہیں، ان میں سے امام شافعی ہیں، جب کہ وہ بغداد میں تھے تو ان سے مروی ہے فرمایا

انہوں نے میں امام ابوحنیفہ کی قبر سے برکت لیتا ہوں، اور ان کی قبر پر آیا کرتا ہوں، پس جب کوئی حاجت مجھ کو پیش ہوتی ہے، تو دو رکعت پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کی طرف آتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے نزدیک قبر کے سوال کرتا ہوں، تو میری حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔

امام اعظم نے اللہ تعالیٰ کی ننانوے مرتبہ خواب میں زیارت کی

اور روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جناب باری کو ننانوے مرتبہ خواب میں دیکھا ہے، پس دل میں کہا اگر اب کی مرتبہ دیکھوں گا تو سوال کروں گا کہ خلائق کو اپنے عذاب سے نجات دے، پس دیکھا اور سوال کیا، پس قبول کیا اس کو اللہ نے۔

حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں امام اعظم کا علمی مقام

اور ابو معاذ فضل بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، پس عرض کیا میں نے، یا رسول اللہ! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں، فرمایا یہ وہ علم ہے جس کی لوگوں کو احتیاج پڑتی ہے، اور مسدد بن عبد الرحمن بصری سے روایت ہے کہ وہ مکے میں درمیان رکن اور مقام ابراہیم کے قبل فجر سوئے، پس دیکھا رسول اللہ ﷺ کو، پس عرض کیا، یا رسول اللہ آپ ان کی نسبت جو کوفے میں نعمان بن ثابت تھے کیا فرماتے ہیں، میں ان کا علم اخذ کروں؟ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، اخذ کرو علم ان کا، اور عمل کرو ان کے علم پر کہ وہ شخص اچھا ہے۔

مذاہب اربعہ کی تعیین حضور علیہ السلام سے ثابت ہے

اور بعض نے ائمہ حنبلی المذہب میں سے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، پس عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے مذاہب سے مطلع فرمائیے، فرمایا: مذہب تین ہیں، پس میرے قلب میں ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو بوجہ تمسک رائے کے خارج کر دیں گے، پس شروع کیا آپ نے، اور فرمایا ابوحنیفہ اور شافعی اور احمد پھر فرمایا، مالک چوتھے ہیں ابھی لکھا۔(۱)

پس رسول اللہ ﷺ کے بھی بیان سے تعیین مذہب اور تقلید ائمہ مجتہدین کی ثابت ہوگئی، اور غیر مقلدوں کو چوں و چرا کرنے کی جگہ باقی نہیں رہی، ہاں البتہ اس کو خواب وخیال سمجھ کر اعتبار نہ کریں گے، لیکن رویائے صالحہ کے انکار سے منکر جزو نبوت ٹھہریں گے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سچا خواب نبوت کا ایک حصہ ہے، اور نیز اس بیان سے شرف ومنزلت امام صاحب کی تینوں ائمہ مجتہدین پر ثابت اور محقق ہوگئی، اور در بارہ استنباط مسائل اور احکام شرعی کے آپ کو کس قدر احتیاط تھی، اور زہد و اتقا میں آپ کا کتنا بڑا رتبہ ہوا کہ آج تک مثل ان کا نظر نہیں آیا، قطع نظر تابعی ہونے کے اس قدر فضائل وکمالات کسی میں نہ تھے، اس امت محمدیہ پر ان کا بہت بڑا تفضل واحسان ہے، اور پھر باایں ہمہ علم مناقب وکمالات اجتہادی ان کے کہ ان کو نہ ماننا اور برا جاننا محض جہالت اور تعصب ہے، مگر اس سے ان کا ایک ذرہ بھر نقصان نہ ہونے پائے گا، بلکہ معترض اور طعنہ زن ان کا

۱......الخیرات الحسان الفصل الرابع عشر ص ۳۷

مصداق خسر الدنیا والآخرۃ ہو جائے گا۔

مہ نور می فشاند و سگ بانگ میزند ۔ ہر را چہ جرم خاصیت سگ ہمیں بود

اور تبییض الصحیفہ میں امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ خطیب نے ابو وہب محمد بن مزاحم سے روایت کی ہے، کہا انہوں نے، سنا میں نے عبداللہ بن مبارک کو، کہتے تھے، اگر اللہ عزوجل میری اعانت امام ابوحنیفہ اور امام سفیان کے واسطے سے نہ کرتا تو میں مثل عوام آدمیوں کے ہوتا، اور روایت کی گئی حجر بن عبدالجبار سے کہ قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن سے کہا گیا، کیا تم راضی ہو کہ امام ابوحنیفہ کے غلاموں میں سے ہو؟ کہا نہیں بیٹھے آدمی کسی کے پاس کہ زیادہ نفع اٹھایا ہو مجلس امام ابوحنیفہ سے، اور خطیب نے احمد بن صباغ سے روایت کی ہے، کہا، سنا میں نے امام شافعی کو، کہا انہوں نے امام مالک سے، کیا تم نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ کہا ہاں، میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر تم سے کلام کرے اس طور سے کہ اس کو سونے کا ثابت کرے تو اس شخص کی حجت سے سونے کا ہو جائے، اور خطیب نے محمد بن سعد کاتب سے روایت کی ہے، کہا، سنا میں نے عبداللہ بن داؤد کو، کہتے تھے، اہل اسلام پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے واسطے اپنی نمازوں میں دعا مانگا کریں، اور خطیب نے محمد بن احمد بلخی سے روایت کی ہے کہ میں نے شداد بن حکیم سے سنا، کہتے تھے نہیں دیکھا میں نے زیادہ عالم امام ابوحنیفہ سے، اور خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے، کہا، سنا میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو، کہتے تھے، نہیں سنی میں نے کوئی عمدہ تر رائے امام ابوحنیفہ سے، اور ہم نے اکثر اقوال ان کے اخذ کیے ہیں، کہا یحییٰ بن معین نے کہ یحییٰ بن سعید فتوے میں قول کوفیوں کا لیا کرتے تھے، اور ان میں امام ابوحنیفہ کا قول اختیار کرتے تھے، اور ان کی رائے کا اتباع کیا کرتے تھے، اور یحییٰ بن نصر سے خطیب نے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ اکثر قرآن شریف کو رمضان میں ساٹھ مرتبہ پڑھتے تھے۔

امام اعظم کے طاعنین کی حالت

اور روایت کی خطیب نے ابوداؤد سے کہ آدمی امام ابوحنیفہ کو برا کہنے والے دو قسم کے ہیں، ایک تو حسد کرنے والے، اور دوسرے ان کے حال سے ناواقف، اور میرے نزدیک ناواقف ان سے اچھے ہیں، اور محمد بن شفص نے حسن سے، انہوں نے سلیمان سے روایت کی ہے، کہا انہوں نے، اس حدیث کی تفسیر میں کہ نہیں قائم ہوگی قیامت یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے علم، وہ علم امام ابوحنیفہ کا اور تفسیر آثار کی ہے، اور بشر بن موسیٰ سے روایت ہے، کہا انہوں نے، ہم سے حدیث ابوعبدالرحمٰن مقری نے بیان کی، اور جب وہ امام ابوحنیفہ سے حدیث کی روایت کرتے تو کہتے ہم سے حدیث شہنشاہ نے بیان کیا، اور ابوغسان سے روایت ہے، کہا، سنا میں نے اسرائیل سے، کہتے تھے نعمان اچھے شخص ہیں، اور شریعت کے احکام کو خوب یاد رکھتے ہیں، اور خوب سمجھتے ہیں، اور ان کا خلفا اور وزرا، اور امرا نے اکرام کیا، اور مسعر کہتے تھے، جو شخص امام ابوحنیفہ کو درمیان اپنے اور درمیان خدا کے رکھے گا میں امید کرتا ہوں کہ پھر وہ کچھ خوف نہ کرے گا، اور اسمٰعیل بن عیاش سے روایت ہے، کہا، سنا میں نے اوزاعی اور عمری

ہے، دونوں کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ مشکلات مسائل کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

اور وفات ان کی بغداد میں ہوئی اور مقبرہ خیزران میں مدفون ہوئے، اور قبر ان کی اس جگہ مشہور ہے، زیارت کی جاتی ہے، اور حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب میں کہا ہے کہ نماز ان پر چھ بار پڑھی گئی، اور دفن پر تا عصر بسبب ازدحام کثیر کے قدرت نہ ہوئی انتہی ملخصا۔(۱)

اور امام جزری نے جامع الاصول کی دسویں جلد میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نزاہت پر اقوال مختلفہ منسوبہ سے دلالت کرتا ہے پھیلا دینا اللہ کا ذکر ان کے کو تمام جہان میں، اور علم ان کے کو روئے زمین پر، اور اخذ ساتھ مذہب، اور فقہ ان کی کے، اور رجوع طرف قول و فعل ان کے، اور یہ امر اگر سر الٰہی اور رضائے الٰہی نہ تھا، جس کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے تو خدائے تعالیٰ اہل اسلام کو جمع نہ کرتا ان کی تقلید پر اور عمل کرنے پر ساتھ رائے اور مذہب ان کے انتہی۔(۲) اور دراسات اللبیب میں ہے کہ میں کہتا ہوں زیادہ تر قوی دلیل ان کی جلالت شان کی یہ ہے کہ ہزار ہا عارف سند اور ہند اور ماوراء النہر وغیرہ کے واصل بخدا بوجہ عمل کرنے کے فقہ ان کی پر ہو گئے انتہی۔(۳) اور کشف المحجوب میں ہے کہ معاذ رازی نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، پس عرض کیا، میں آپ کو کہاں طلب کروں؟ فرمایا نزدیک ابوحنیفہ کے، اور ارادہ کیا امام ابوحنیفہ نے خرقہ پہننے کا، اور فقہ اور تدریس کے چھوڑنے کا، پس جب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، پس منع فرمایا آنحضرت نے ان کو اس سے تاکہ قائم رہیں منصب نبوی ﷺ پر، یعنی احکام شرعیہ میں تمام مسلمانوں کے امام ہونے پر انتہی۔(۴) اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشغول رہنا فقہ کے ساتھ عین مرضی رسول اللہ ﷺ تھا، ورنہ ہرگز آپ منع نہ فرماتے۔

ہر طبقے اور مکتبہ فکر کے علما نے امام اعظم کی شان میں کتابیں لکھی ہیں

اور تعلیق ممجد میں جناب مولانا بحر العلوم ابو الحسنات محمد عبدالحی صاحب دام بالافاضات نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے بیان مناقب جمیلہ سے عقل انسان کی عاجز ہے، اور ان کے مناقب میں ایک جماعت نے علمائے مذاہب متفرقہ سے کتابیں تصنیف کی ہیں، اور جنہیں طعن کیا ہے ان پر مگر بڑے متعصب اور بڑے جاہل نے، اور طعن کرنے والا اگر محدث یا شافعی ہوگا تو ہم اس پر ان کے مناقب کی کتابیں جو اس کے علمائے مذہب نے تصنیف کی ہیں پیش کریں گے، اور اس کو وہ مناقب امام صاحب کے جو اس پر مخفی ہیں دکھا دیں گے، جیسے جلال الدین سیوطی نے تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ تصنیف کی ہے، اور ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی مناقب النعمان لکھی ہے، اور ذہبی نے ان کو تذکرۃ الحفاظ میں درج کیا ہے، اور ان کی مدح کی ہے،

۱۔۔۔۔۔۔تبییض الصحیفہ، ص ۱۰۱ و ملخص از دیگر صفحات

۲۔۔۔۔۔۔جامع الاصول، المجلد العاشر

۳۔۔۔۔۔۔دراسات اللبیب، للملا معین، ص ۲۶۰

۴۔۔۔۔۔۔کشف المحجوب

اور ایک رسالہ ان کے مناقب میں لکھا ہے، اور ابن خلکان نے ان کے مناقب اپنی تاریخ میں ذکر کیے ہیں، اور یافعی نے مرآۃ الجنان میں مناقب بیان کیے ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور تعریف کی ہے، اور امام نووی شارح مسلم نے تہذیب الاسماء میں، اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں مناقب لکھے ہیں، اور اگر وہ شخص مالکی ہوگا تو اس کے علما نے جو مناقب لکھے ہیں ان سے اس کو واقف کریں گے، مثل حافظ ابن عبدالبر وغیرہ کے، اور اگر وہ شخص حنبلی ہوگا تو اس کے مذہب والے علما کے تصریحات پر مطلع کریں گے، مثل یوسف بن عبدالہادی حنبلی کے، جنہوں نے تنویر الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ لکھی ہے، اور اگر وہ شخص مجتہدین سے ہوگا تو ہم اس کو مجتہدین اور محدثین کا کلام سنا دیں گے، اور اگر عامی لامذہب ہوگا تو وہ چوپایوں میں سے ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکا ہوا ہے، اس کو ہم تعزیر کا مستحق کریں گے انتہی۔(1)

پس فضائل ومناقب امام صاحب کے بیان کرنے کو ایک دفتر درکار ہے، اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں، اور سوا اس کے ان مناقب کو مقلدین سن کر خوشی سے باغ باغ ہوں گے، اور منکرین کے دل آتش حسد سے داغ داغ ہوں گے۔

اندکی با تو بگفتم وبدل ترسیدم | کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

کشف کید یک صد وہفتم

قال: اور ایک مغالطہ امام اعظم کے مقلد حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ جہاں دو حدیثیں آپس میں متعارض ہیں وہاں امام اعظم نے اس حدیث کو عمل کیا ہے جس میں احتیاط بھی پائی جاتی ہے، اور صحیح بھی زیادہ ہے، سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں کہ جن پر امام اعظم نے عمل نہیں کیا، اور وہ بہ نسبت ان حدیثوں کے کہ جن پر امام اعظم نے عمل کیا ہے صحیح بھی زیادہ ہیں، اور احتیاط بھی انہیں پر عمل کرنے میں ہے، موجود ہیں الخ۔

حنفیہ کا عمل صریح وصحیح احادیث پر ہے اور مسائل استنباطی میں احتیاط پر

اقول: حنفیہ اس کے ہرگز قائل نہیں کہ ہر جگہ احتیاط ہی پر عمل، اور یہ محض معترض صاحب کی مغالطہ دہی ہے، بلکہ حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ مسائل استنباطی میں اکثر احتیاط کی گئی ہے، اور جن مسائل میں صریح حدیث موجود ہو ان میں احتیاط اور عدم احتیاط سے کیا علاقہ ہے؟ معترض صاحب کے فہم کے قربان جایئے، یہ تو آپ کی مطلب دانی ہے، اور پھر اعتراض کس پر امام اعظم صاحب پر۔

تو خودی نختوی یا تمک ولی را | رموز سر سلطاں راچہ دانی؟

مصنف ابن ابی شیبہ میں اسی قسم کے سو اسو مسائل موجود ہیں، معترض صاحب نے اکثر وہی نقل کر دیے ہیں، حالانکہ محققین حنفیہ ان اعتراضوں کی پہلے ہی دھجیاں اڑا چکے ہیں، اب سنئے کہ حدیث طلق کی بسرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے، اور

1......التعلیق الممجد شرح موطا امام محمد، ص ۳۰، مطبوعہ المشرقی بک ڈپو دیوبند

اگر امام شافعی نے اس حدیث پر بوجہ نہ معلوم ہونے حال قیس کے عمل نہیں کیا، تو خیر معترض صاحب کو تو حال ان کا معلوم ہو گیا ہوگا، انہوں نے صحیح حدیث چھوڑ کر کیوں ایسی حدیث پر عمل کیا جس میں بعض محدثین کو کلام ہے، اور پھر جریدے پر اس جہت طعن پر بھی کمر باندھ لی، اور اگر اب تک قیس کی ان کو بھی خبر نہیں تو ہم بتلائے دیتے ہیں تقریب التہذیب میں لکھا ہے "قَيْسُ بْنُ طَلْقِ بنِ عَلِيٍّ ، الحَنَفِيُّ الْيَمَامِيُّ صَدُوقٌ مِّنَ الثَّالِثَةِ وَهِمَ مَنْ عَدَّهُ مِنَ الصَّحَابَةِ" (۱) یعنی قیس بن طلق بڑے سچے ہیں اور تابعین کے طبقہ وسطی سے ہیں، جس شخص نے ان کو صحابہ سے شمار کیا ہے اس نے وہم کیا ہے انتہی،

اور ترمذی میں لکھا ہے "وَحَدِيثُ مُلَازِمِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بَدْرٍ أَصَحُّ وَأَحْسَنُ" (۲) یعنی اور حدیث ملازم بن عمرو کی عبداللہ بن بدر سے زیادہ صحیح اور زیادہ حسن ہے انتہی، پس اگر قیس ضعیف ہوتے تو ابن حجر عسقلانی ان کو صدوق نہ کہتے، اور ترمذی ان کی حدیث کو جو ملازم سے روایت ہے حسن صحیح نہ کہتے، اور علی بن مدینی جو امام بخاری کے استاذ ہیں، اور احادیث کی علل دانی میں مشہور ہیں قیس بن طلق کی حدیث کو بسرہ کی حدیث پر ترجیح نہ دیتے، اور علامہ زیلعی نے تبیین الحقائق میں لکھا ہے "وَحَدِيثُ بُسْرَةَ ضَعَّفَهُ جَمَاعَةٌ، حَتَّى قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: ثَلَاثَةُ أَحَادِيثَ لَمْ تَصِحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،حَدِيثُ مَسِّ الذَّكَرِ ،وَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ذَكَرَهُ أَبُوْ الْفَرَجِ وَمِثْلُهُ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَ إِسْحٰقَ بْنِ رَاهُوَيْه" (۳) یعنی اور حدیث بسرہ کی ضعیف کہا اس کو ایک جماعت نے یہاں تک کہ یحیی بن معین نے کہا ہے کہ تین حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے صحیح نہیں ہوئیں، حدیث مس ذکر کی، اور حدیث لا نکاح الا بولی کی، اور حدیث کل مسکر حرام کی، ذکر کیا اس کو ابو الفرج نے، اور مثل اسی کے امام احمد اور اسحق بن راہویہ سے مروی ہے انتہی، اور امام بخاری کا یہ کہنا کہ یہ حدیث اس باب میں زیادہ صحیح ہے اس کو مقتضی نہیں کہ فی نفسہ بھی یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہو بلکہ باعتبار اور روایتوں کے اس کو صحیح کہا ہے، اور قیس بن طلق کی حدیث کو امام طحاوی نے کہا ہے "هٰذَا حَدِيثٌ مُسْتَقِيمُ الْإِسْنَادِ غَيْرُ مُضْطَرِبٍ فِيْ إِسْنَادِهِ، وَمَتْنِهِ، بِخِلَافِ حَدِيثِ بُسْرَةَ ،لِأَنَّ فِيْهِ اِضْطِرَابًا (۴)" یعنی یہ حدیث مضبوط اسناد کی ہے نہیں اضطراب ہے اسناد اور اس کے متن میں، برخلاف حدیث بسرہ کے کہ اس کی اسناد اور متن میں اضطراب ہے انتہی، اور عمرو بن علی الفلاس سے مروی ہے، کہا انہوں نے "حَدِيثُ طَلْقٍ عِنْدَنَا أَثْبَتُ مِنْ حَدِيثِ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ" (۵) یعنی حدیث طلق کی ہمارے نزدیک زیادہ صحیح ہے حدیث بسرہ سے انتہی، بلکہ طبرانی اور

۱......تقریب التهذیب، ذکر من اسمه قیس، ص۴۵٦، دار الرشید سوریا حلب

۲......جامع ترمذی

۳......تبیین الحقائق، کتاب الطهارة

۴......فتح القدیر، کتاب الطهارة، ج۱، ص۵۸

۵......فتح القدیر کتاب الطهارة، ج۱، ص۵۹

ابن حزم نے بھی طلق کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حدیث بسرہ معلول ہے

اور بسرہ کی حدیث میں شیخ الاسلام علامہ عینی نے بنایہ میں بڑی گفتگو کی ہے، چنانچہ خلاصہ اس کا یہ لکھا ہے" وَعَلٰی کُلِّ تَقْدِیْرٍ، حَدِیْثُ بُسْرَۃَ مَعْلُوْلٌ، وَقَالَ فِی الْاِمَامِ هُوَ عِنْدَ الْبُخَارِیِّ مَعْلُوْلٌ" (۱) یعنی ہرصورت سے حدیث بسرہ کی معلول اور ضعیف ہے، اور کہا امام میں یہ حدیث نزدیک بخاری کے معلول ہے انتہی۔ اور علامہ عینی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ نے بڑے بڑے صحابہ کے روبرو تو بیان نہیں کیا، یہاں تک کہ کسی سے نقل اس کی صحیح نہیں ہوئی اور بیان کیا تو بسرہ عورت سے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو اس عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے انتہی، اور باقی جتنی حدیثیں اور صحابہ سے مروی ہیں ان سب میں ضعیف اور کذاب راوی بھرے ہوئے ہیں، چنانچہ تفصیل ان کی بنایہ کے لواحق نواقض وضو سے ملاحظہ فرمالیجئے، اور اسی کے قائل ہیں عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر اور زید بن ثابت اور حذیفہ بن الیمانی اور عمران بن حصین اور ابوالدرداء اور سعد بن ابی وقاص صحابہ میں، اور حسن بصری اور سعید بن مسیب تابعین سے، اور سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔

قال: امام اعظم رحمہ اللہ کتے کے جھوٹے باسن کو تین بار دھونے کے قائل ہیں الخ۔

اقول: یہ حدیث منسوخ ہے، چنانچہ بحث اس کی خوب شرح وبسط سے صفحہ ۶۳ میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

قال: امام اعظم کے نزدیک شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا کھانا پینا جائز ہے الخ۔

اقول: بحث اس کی صفحہ ۶۳ میں مفصلاً مذکور ہوئی، یہاں کوئی حاجت مکرر بیان کرنے کی نہیں ہے ۔

سخن گرچہ دلبند و شیریں بود | سزاوار تصدیق و تحسیں بود
چو یکبار گفتی مگو باز پس | کہ حلوا چو یکبار خوردند و بس

قال: امام اعظم نماز کے اندر وضو کے ٹوٹنے سے اس نماز کو از سر نو پڑھنے کے قائل نہیں، بنا کرنے کے قائل ہیں، حالانکہ اس باب میں حدیث صحیح جو کہ مسند امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ میں روایت ہے علی بن طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے الخ۔

کشف کید یک صد و ہشتم

اقول: یہ محض غلط ہے کہ امام صاحب از سرنو نماز کے قائل نہیں، بلکہ تمام فقہ کی کتابوں میں استیناف افضل لکھا ہے، ہاں واجب نہیں جانتے، پس اگر احتیاط نہ کرتے تو افضل کیوں کہتے۔

اور مسک الختام میں لکھا ہے: ترمذی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا ہے نہیں جانتا میں کوئی حدیث علی بن طلق کی

۱.......فتح القدیر، کتاب الطهارة، ج ۱، ص ۵۹

سوائے اس ایک حدیث کے، اور نہیں پہچانتا میں اس کو حدیث طلق بن علی سے، اور علت بیان کی ہے اس حدیث کی ابن قطان نے بایں طور کہ مسلم بن سلام راوی مجہول ہے، اسی طرح تلخیص میں لکھا ہے انتہی۔ (۱)

نماز کے اندر وضو ٹوٹنے سے از سرِ نو نماز پڑھنا افضل ہے

اور برہان شرح مواہب الرحمن میں لکھا ہے کہ بنائے صلوۃ کی حدیث ابن ماجہ نے مرفوع روایت کی ہے، اور ابن ابی شیبہ نے بھی، اور اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کی ہے، اور علقمہ اور طاؤس اور سالم بن عبد اللہ اور سعید بن جبیر اور شعبی اور ابراہیم نخعی اور عطا اور مکحول اور سعید بن مسیب بھی ان کے اس میں تابع ہوئے ہیں، اور کفایت کرتی ہے اقتدا ان لوگوں کی، اور استیناف اس واسطے افضل ہے تاکہ نماز خلل سے خالی ہو، اور اشتباہ خلاف سے بعید ہو جائے انتہی۔ (۲)

اور مسک الختام میں ہے: حاصل ضعیف کہنے حدیث ابن ماجہ کا یہ ہے کہ اتصال اس حدیث کا آنحضرت ﷺ تک غلط ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، امام احمد اور بیہقی نے کہا ہے کہ صواب مرسل ہے، پس نزدیک اس شخص کے کہ مرسل کو حجت کہتا ہے جو کچھ اس حدیث میں مذکور ہوا ناقص ہے، اور شوکانی نے کہا ہے: اس باب میں ایک جماعت صحابہ سے روایتیں ہیں اور سب قابل استدلال ہیں انتہی۔ (۳) غرض ابن ماجہ کی حدیث میں بوجہ ارسال کے بعض محدثین نے موافق اپنے مذہب کے ضعیف کہہ دیا ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک ہے کہ جمہور علما کے نزدیک سوائے بعض کے مراسیل حجت ہیں، چنانچہ تشریح اس کی صفحہ ۲۳۹ میں تفصیل تمام گذر چکی، علاوہ اس کے اس قدر صحابہ اور تابعین سے بھی صحیح روایات موجود ہیں، بہرحال اس حدیث کو بھی ترجیح ہے جیسا کہ پہلی حدیث کو قوت تھی، اس کو ضعیف کہہ دینا صریح مغالطہ ہے۔

قال: امام اعظم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے قائل نہیں، حالانکہ اس باب میں یہ دو حدیثیں صحیح موجود ہیں الخ۔

کشف کید یک صد و نہم

”الوضوء من مامست النار“ والی حدیث ”ترک الوضوء من مامست النار“ والی حدیث سے منسوخ ہے

اقول: یہ حدیث ”تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ“ کی حدیث سے منسوخ ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: ”وَاَجَابُوْا عَنْ حَدِيْثِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتْ بِجَوَابَيْنِ، اَحَدُهُمَا، اَنَّهُ مَنْسُوْخٌ بِحَدِيْثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ اٰخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ، وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُمَا مِنْ اَهْلِ السُّنَنِ بِاَسَانِيْدِهِمُ الصَّحِيْحَةِ، وَالْجَوَابُ

۱........مسک الختام شرح بلوغ المرام، ج ۱، ص ۱۵۹

۲........برہان شرح مواہب الرحمن، کتاب الصلوۃ

۳........مسک الختام، ج ۱، ص ۷۲، مطبوعہ نظامی

الثَّانِيْ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْوُضُوْءِ غَسْلُ الْفَمِ وَالْكَفَّيْنِ، ثُمَّ إِنَّ هٰذَا الْخِلَافَ الَّذِيْ حَكَيْنَاهُ كَانَ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ بَعْدَ ذٰلِكَ عَلٰى أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْوُضُوْءُ بِأَكْلِ مَا مَسَّتْهُ النَّارُ" (۱) یعنی جمہور نے اس حدیث "الوضوء مما مست النار" کے دو جواب دیے ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے جابر کی حدیث سے، کہا انہوں نے، آخر دو امروں کا رسول اللہ ﷺ سے ترک کرنا وضو کا تھا اس چیز سے جس کو آگ نے پکایا ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے، روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی وغیرہ اہل سنن نے اسانید صحیحہ سے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مراد وضو سے دھونا منہ اور ہاتھوں کا ہے، پھر یہ خلاف جو ہم نے بیان کیا قرن اول میں تھا، پھر علماء نے بعد اس کے اس بات پر اجماع کرلیا کہ وضو آگ کی پکی ہوئی شئے کے کھانے سے واجب نہیں ہوتا انتہی۔

اونٹ کا گوشت کھانا ناقض وضو نہیں

اور دوسرے مقام پر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اختلاف کیا ہے علماء نے اونٹ کے گوشت کھانے میں، پس اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اس سے وضو نہیں جاتا، چنانچہ خلفائے راشدین ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ یہ چاروں اور ابن مسعود اور ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء اور ابوطلحہ اور عامر بن ربیعہ اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم اور جمہور تابعین اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور اصحاب ان کے اسی طرف گئے ہیں، اور جمہور نے حدیث وضو کا حدیث جابر سے جواب دیا ہے کہ آخر دو امروں کا رسول اللہ ﷺ سے ترک کرنا وضو کا تھا اس چیز سے کہ جس کو آگ نے مس کیا ہوا انتہی۔ (۲) پس ثابت ہوا کہ جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی عمل ہے کہ اونٹ کے گوشت سے وضو نہیں جاتا، اور صریح حدیث ناسخ اس کی بھی موجود ہے، پھر کیونکر امام صاحب پر الزام ہوسکتا ہے، ہاں اگر کوئی احتیاطاً وضو کرلے تو امام صاحب اس کو بھی منع نہیں کرتے، فقط وجوب وضو کو منع کرتے ہیں، اس کا ثبوت ظاہریہ سے قیاس تک بھی از قبیل محالات ہے، ہاں البتہ اعتراض لایعنی اور ایراد بے معنی کرنا ان لوگوں کی قدیمی بات ہے، اس سے کیا ہوسکتا ہے، یہ بالکل واہیات ہے، کسی بات کا دعویٰ کرو تو اپنے مدعا کا اثبات بھی لازم سمجھو ورنہ اس بے استعدادی پر مناظرہ نہ کرو ؎

علمی ندارد کسی با تو کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

بلکہ خود جابر رضی اللہ عنہ جو راوی وضو کے ہیں وہی راوی ترک وضو کو آخر الامرین کہتے ہیں، غرض حنفیہ پر کسی صورت سے اعتراض ممکن نہیں، ہاں جاہل آدمی جو چاہے کہے وہ معذور ہے۔

۱.......شرح مسلم للنووی، ج ۲، ص ۱۵۹، باب الوضوء مما مست النار، مجلس برکات

۲.......شرح مسلم للنووی، ج ۲، ص ۱۵۸، باب الوضوء من لحوم الابل، مرجع سابق

کشف کید یک صد و دہم

قال: امام اعظم کے نزدیک خانہ کعبہ کی پشت پر نماز پڑھنی درست ہے، حالانکہ یہ بات خانہ کعبہ کی تعظیم کے بھی خلاف ہے، اور پیغمبر کی حدیث کے بھی برعکس ہے، دیکھو ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ کہا منع کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ کہ نماز پڑھی جائے سات جگہ میں الخ۔

خانہ کعبہ کی پشت پر نماز مکروہ ہے

اقول: کعبہ پر نماز پڑھنی مکروہ ہے، چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے "اِلَّا اَنَّهُ يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ" (۱) یعنی مگر مکروہ ہے بسبب اس کے کہ اس میں ترک تعظیم ہے اور تحقیق اس سے نہی وارد ہوئی ہے آنحضرت ﷺ سے انتہی۔

اسی طرح تمام فقہ کی کتابوں میں مکروہ لکھا ہے، اور خود ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب کراہیت صلوۃ میں لکھا ہے، پس معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک بھی ان مواضع میں نماز مکروہ ہے، البتہ اگر حنفیہ بلا کراہیت نماز کو درست کہتے تو احتیاط کے منافی تھا، اسی طرح مقبرہ اور راستہ اور حمام میں جمہور کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ مکروہ ہوتی ہے، علاوہ اس کے یہ حدیث ضعیف ہے، چنانچہ ترمذی نے کہا ہے" حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ اِسْنَادُهُ لَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ وَقَدْ تُكُلِّمَ فِي زَيْدِ بْنِ جُبَيْرَةَ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ" (۲) یعنی حدیث ابن عمر کی اسناد قوی نہیں، اور تحقیق زید بن جبیرہ میں کلام کیا گیا ہے باعتبار حافظہ ان کے انتہی۔ پس اول تو معترض صاحب کو اس کی صحت پہونچانی چاہئے تھی، اور پھر یہ دیکھنا مناسب تھا کہ نہی اس میں کون سی ہے، اور پھر مذہب امام صاحب کا بلا کراہیت ان کے نزدیک جائز ہے یا نہیں، معترض صاحب نے سب کو بالائے طاق رکھ کر اپنے دل کا بخار خوب نکالا، چھوٹا منہ بڑی بات نقل در معقولات دینے کو تیار، اور عقل و فہم یہ کہ ضعیف حدیثوں کو بھی حجت گردان کر اپنی جہالت ظاہر کرتے ہیں، یہ سب کج فہمی اور ناانصافی آپ کی لامذہبی کے بدولت حاصل ہوئی ہے۔

ہر خس و خار کہ در راہ نمودی دادار | آخر ای باد صبا این ہمہ آوردۂ تست

مؤلف ظفر کا مسائل حنفیہ میں ایک اور مغالطہ

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ایسے حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ حدیث پر چلنے والے فقہ کی کتابوں کے مسائل کو برا جانتے ہیں، بلکہ بعض لوگ ان کو مردود بھی کہتے ہیں الخ۔

اقول: اس مغالطے کو معترض صاحب نے حنفیہ کی طرف کیوں نسبت کیا، خود مردود مسائل لکھ دیے ہوتے مگر وہ کیا

۱......الجزء الاول من الهداية، ص ۱۶۵، مجلس برکات مبارک پور

۲......ترمذي، ص ۶۵

کریں عادت پڑی کب چھوٹتی ہے ؎

خوی بدور طبیعتی کہ نشست نرود جز بوقت مرگ از دست

قال: مسئلہ اول اور دوم کہ ایک مردود مسئلہ فقہ حنفیہ کا حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک یہ ہے جو کہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے الخ۔

کشف کید یک صد و یازدہم

معترض صاحب کا جواب

اقول: یہ دونوں مسئلے محض بے اصل ہیں، ہرگز قابل اعتبار نہیں، چنانچہ نواب صاحب امیر بھوپال جن کے قول کو معترض صاحب ''کَالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ'' سمجھتے ہیں اپنی کتاب کشف الالتباس میں لکھتے ہیں: یہ حکایت جس کا خلاصہ معترض ہوا کلام کنیز و غلام کا شرع میں ہے محض بے اصل ہے، اس لئے کہ علی الاطلاق عدم اعتبار ان کے اقوال کا محتاج بیان و دلیل ہے، اور مخالف قواعد شرع اصل قصہ صحیح اگر معلوم ہوا اور وجوہ طعن ظاہر ہوں تو کچھ کہا جائے ؎

مِثْلُ الذُّبَابِ يُرَاعِي مَوْضِعَ الزَّلَلِ کوئی کام سوائے عیب چینی کرام نہیں

تَرَكْتُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ انتهى۔(۱)

قال: مسئلہ سوم اور ایک مردود مسئلہ فقہ حنفیہ کا حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک یہ ہے، جو کہ احیاء العلوم میں لکھا ہے الخ۔

اقول: یہ حکایت بلا سند قابل حجت نہیں، احیاء العلوم میں تو بعضے موضوع حدیثیں بھی لکھی ہیں، اور یہ تو فقط قصہ ہے، علاوہ اس کے معترض صاحب نے کوئی حدیث بھی تو اس کے مخالف نہیں لکھی، اور حنفیہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ ان کا اس پر عمل نہیں۔

قال: مسئلہ چہارم اور ایک مردود مسئلہ فقہ حنفیہ کا حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک یہ ہے جو کہ فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے الخ۔

اقول: اس کا جواب بھی صفحہ ۹۴ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

قال: مسئلہ پنجم اور ایک مردود مسئلہ فقہ حنفیہ کا حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک یہ ہے جو کہ فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے الخ۔

کشف کید یک صد و دوازدہم

اقول: قاضی خان نے یہ صورت امام ابو یوسف سے نقل کی ہے، اس پر حنفیہ کا عمل نہیں، چنانچہ قاضی خان میں اس سے پہلے یہ عبارت موجود ہے ''اِذَا صَبَّ الطَّبَّاخُ فِي الْقِدْرِ مَكَانَ الْخَلِّ خَمْرًا غَلِيظًا فَالْكُلُّ لَا يَطْهُرُ اَبَدًا

۱......کشف الالتباس، ص ۲۹٦

وَمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُغْلَى ثَلَاثًا لَا يُؤْخَذُ بِهِ، كَذَا الْحِنْطَةُ إِذَا طُبِخَتْ فِي الْخَمْرِ لَا يَطْهُرُ أَبَداً (۱) یعنی جس وقت پکانے والا ہانڈی میں سرکہ کی جگہ شراب غلطی ڈال دے، پس سب کبھی پاک نہیں ہوگا، اور وہ جو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اس کو تین بار جوش دیا جائے تو وہ قابل اعتبار کے نہیں، اسی طرح گیہوں جب شراب میں پکائے جائیں کبھی پاک نہیں ہوں گے انتہی۔

مؤلف ظفر کا اعتراض امام ابو یوسف پر اور اس کا جواب

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی نہیں، اور اگر معترض صاحب کا امام ابو یوسف پر اعتراض ہے تو محض بیجا ہے، اس لئے کہ کوئی حدیث اس کی حرمت پر دال نہیں، اور اگر کسی حدیث میں نہی وارد ہے تو وہ تنزیہی بھی ہے، چنانچہ اس کا جواب بھی صفحہ ۹۳ میں گذر چکا، اور اسی مسئلہ پنجم میں جو تیسری صورت ہے اس کے پاک ہونے میں کچھ شبہ نہیں، تمام نجاسات اس طرح دھونے سے پاک ہوجاتی ہیں۔

قال: مسئلہ ششم و ہفتم کہ ایک مردود مسئلہ فقہ حنفیہ کا حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک یہ ہے جو فتاوے قاضی خاں میں لکھا ہے، الخ۔

اقول: اس کا جواب بھی صفحہ ۹۴ میں مذکور ہے، اور جواب مسئلہ ہشتم کا تا مسئلہ دوازدہم یہ ہے کہ ان کے بعض پر حنفیہ کا عمل نہیں مگر معترض صاحب کو مشکل پڑے گی، اس لئے کہ کسی حدیث کی مخالفت ان مسائل میں معترض صاحب ثابت نہیں کر سکتے، اسی وجہ سے فقط زبانی تیز تیز پر اکتفا کی ہے۔

قولہ: مسئلہ سیزدہم الخ۔

اقول: حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ مفتی بہ نہیں، بلکہ اس میں صاحبین کے قول پر فتوی ہے، اور امام صاحب کی طرف سے جواب اس کا صفحہ ۲۲۳ میں لکھ چکے ہیں، بلکہ ابن ہمام نے امام صاحب کے قول کو قوی کہا ہے، وہاں اس کی خوب تفصیل موجود ہے ملاحظہ فرمایئے۔

قولہ: مسئلہ چہاردہم الخ۔

اقول اس کی بحث صفحہ ۲۳۸ میں مفصل مذکور ہے۔

قولہ: مسئلہ پانزدہم الخ۔

اقول: اگر حنفیہ پر اعتراض ہے تو ان کا عمل اس پر نہیں بلکہ صاحبین کے قول پر فتوی ہے اور اگر امام صاحب پر اعتراض ہے تو جواب اس کا صفحہ ۱۵۱ میں گزر چکا۔

۱......فتاوی قاضی خان، کتاب الاشربة

قولہ: مسئلہ شانزدہم الخ۔

اقول: اس کی بحث بالتفصیل صفحہ ۲۴۸ میں گزر چکی، مکرر لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

قولہ: مسئلہ ہفت دہم الخ۔

اقول: جواب اس کا وہی ہے جو صفحہ ۲۱۴ میں مفصل ہم بیان کر چکے۔

قولہ: مسئلہ ہیجدہم الخ۔

دباغت سے آدمی اور خنزیر کی جلد مستثنیٰ ہے

اقول: حنفیہ کے نزدیک اس پر مطلق عمل نہیں، بلکہ تمام فقہ کی کتابوں میں دباغت سے جلد خنزیر اور آدمی کو مستثنیٰ کر دیا ہے، اور امام ابو یوسف کی طرف سے یہ جواب ہے کہ کسی حدیث کے یہ مسئلہ مخالف نہیں، بلکہ حضرات ظاہریہ کو تو اس مسئلے میں بھی چون وچرا کرنا نہیں، اس لئے کہ حدیث میں جو الفاظ ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا چمڑا ہو دباغت سے پاک ہو جاتا ہے، اور کہیں حدیث میں کسی چمڑے کی تخصیص بھی نہیں پائی جاتی ہے، مسلم میں ہے " عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ " (۱) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت ہے، کہا انہوں نے: سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے تھے، جب چمڑا دباغت دیا جائے تو تحقیق وہ پاک ہو جاتا ہے۔

اور ترمذی میں ہے " أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ " (۲) یعنی جو چمڑا دباغت دیا جائے گا سو تحقیق وہ پاک ہو جائے گا انتہی۔ اور اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے، پس حنفیہ تو امام صاحب کو اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ قرآن میں " أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهٗ رِجْسٌ " آیا ہے، اس سے تخصیص کر لی جائے گی، کیونکہ ضمیر غائب کا مرجع خنزیر ہے، لحم نہیں، اور امام ابو یوسف مرجع اس کا لحم کہتے ہیں، اور حدیث میں عمومیت تو موجود ہی ہے، اور کسی حدیث میں تخصیص نہیں پائی جاتی، پس امام ابو یوسف پر تو اعتراض محض بیجا ہے، ظاہریہ کو مشکل پڑ گئی، کیونکہ وہ کلیہ ان کا کہ کیا حضرت محمد ﷺ قرآن کے معنی نہیں سمجھتے تھے جو آپ نے ہر حال میں دباغت سے حکم طہارت کا دیا، یہاں نہ چلے گا، پس ضرور ہوا کہ معترض صاحب بھی خنزیر کی طرف ضمیر پھیریں گے، اور آیت سے حدیث کی تخصیص کریں گے، گو قاعدہ کلی ان کا باقی نہ رہے، مگر امام ابو یوسف جو لحم کی طرف ضمیر پھیرتے ہیں اس کا جواب معترض صاحب کون سی حدیث سے دیں گے، ذرا سوچیں اور گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ اس سوجھی پر یہ دعویٰ حدیث دانی کس برتے پر تا پانی ۔

عاشق ہوئے ہیں یار کے ہم کس امید پر ... جز آہ نارسا کوئی سامان ہی نہیں

---

۱ ......مشکوۃ المصابیح، باب تطهير النجاسات، ۵۲، مجلس برکات

۲ ......ترمذي حديث رقم ۱۷۲۸، ...... مسند أحمد، ج ۱، ص ۲۱۹، ...... نسائي، ج ۱، ص ۱۷۳

قولہ: مسئلہ نوزدہم تا مسئلہ بست ودوم الخ۔

اقول: یہ مسئلہ کسی حدیث کے مخالف نہیں، پس اعتراض بیجا ہے۔

قولہ: مسئلہ بست وسوم الخ۔

اقول: بحث اس کی صفحہ ۲۲۴ وصفحہ ۲۵۱ میں ذکر ہو چکی ہے۔

قولہ: مسئلہ بست وچہار الخ۔

اقول: یہ مسئلہ بھی کسی حدیث کے مخالف نہیں۔

قولہ: مسئلہ بست وپنجم وششم الخ۔

حد بوجہ شبہ کے ساقط ہو جاتی ہے

اقول: حد بوجہ شبہ کے ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ صفحہ ۲۲۴ وصفحہ ۲۵۱ میں تفصیل اس کی بھی موجود ہے۔

قولہ: مسئلہ بست وہفتم الخ۔

اقول: اس میں تو اشد کراہیت موجود ہے، اس سے زیادہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

قولہ: مسئلہ بست وہشتم الخ۔

اقول: یہ مسئلہ بھی کسی حدیث کے مخالف نہیں۔

قال: مسئلہ بست ونہم اور ایک مردود مسئلہ فقہ حنفیہ کا حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک یہ ہے، جو کہ ردالمحتار شرح درالمختار میں لکھا ہے الخ۔

کشف کید یک صد وسیزدہم

بوقت ضرورت شی حرام سے علاج جائز ہے

اقول: حالت اضطرار میں جب خوف جان ہوتا ہو تو حرام تو درکنار زبان سے کلمہ کفر بھی کہنا جائز ہے، اسی طرح جو دوا حرام ہے اگر اس میں شفا منحصر ہو اور کوئی ابقائے جان کے واسطے دوا میسر نہ ہو تو اس وقت اس کا استعمال کسی حدیث کے مخالف نہ ہوگا، مگر یہ صورت فقط فرضی عدیم الوجود ہے، اسی واسطے لفظ فیہ کو شفا پر مقدم کیا ہے، جس سے حصر ثابت ہوتا ہے، علاوہ اس کے بول سے مراد بول انسانی لینا کیا ضرور ہے، بلکہ پیشاب اونٹ اور بکری کا بھی ہو سکتا ہے، گو حنفیہ کے نزدیک بلا ضرورت اس پیشاب کا استعمال بھی درست نہیں، کیونکہ وہ حدیث "عرنیین" اور حدیث "بول ما یوکل لحمہ" کو حدیث "استنزہوا عن البول" (۱) سے جس کو حاکم نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے منسوخ کہتے ہیں، مگر ظاہریہ کے نزدیک تو حدیثیں منسوخ نہیں،

---

(۱)...... رواہ دار قطنی، ج ۱، ص ۱۲۸ ...... بلوغ المرام، ص ۳۴

ان کو تو اعتراض ہم پر کسی صورت سے نہیں پہونچ سکتا، خود معترض صاحب نے سابقا حدیث عرنیین بخاری اور ترمذی سے نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت بھی ان کے نزدیک ان کا پیشاب پینا دوا کے لئے جائز ہے، یہ عجب معاملہ ہے کہ اپنے معمولات سے اعراض اور دوسروں پر اعتراض۔

لامذہبوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں — بے اعتراض اوروں پر اپنی خبر نہیں

غیر مقلدین کے یہاں بلاضرورت پیشاب کا استعمال جائز ہے

چنانچہ دارقطنی اور مسند امام احمد میں ہے" عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :لَا بَأسَ بِبَوْلِ مَا یُؤْکَلُ لَحْمُہٗ" (۱) یعنی براء بن عازب سے روایت ہے، کہا انہوں نے: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: نہیں مضائقہ ہے پیشاب میں اس چیز کے کہ کھایا جائے گوشت اس کا انتہی۔ اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "مَا أُکِلَ لَحْمُہٗ فَلَا بَأسَ بِبَوْلِہٖ" (۱) یعنی جس چیز کا گوشت کھایا جائے پس نہیں کچھ مضائقہ اس کے پیشاب میں انتہی۔ اسی وجہ سے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اونٹ اور بکری کا پیشاب پاک ہے، اور جمہور کے نزدیک یہ حدیث اسی حدیث مذکور سے منسوخ ہے، پس معترض صاحب کا اعتراض محض لغو اور بے اصل ہو گیا، نہ کوئی حدیث لکھتے ہیں، نہ کوئی آیت، فقط اپنی زبان کو رد و قدح میں کافی سمجھتے ہیں، اس سے کیا ہوتا ہے، بلا دلیل معقول کے لاکھ میں تم کرو اور آپ اپنے منہ میاں مٹھو ہو ہم ایک نہ مانیں گے، بلکہ تم کو جاہل کو جانیں گے۔

یاوہ گویوں کی نہ باتوں کا کرے کوئی یقین — کیونکہ یہ جھوٹ سے کر دیتے ہیں سب کی تسکین

ہیں دغل سب کے سب اور مکر ہے سب علم و عمل — لغو بیکار محض فعل ہیں ان کے ہمکین

قولہ: مسئلہ ہی امام الخ۔

اقول: رد المحتار میں لکھا ہے" ذَکَرَہُ الْفَخْرُ الرَّازِیُّ فِیْ تَفْسِیْرِ سُوْرَۃِ الْمُؤْمِنِیْنَ "یعنی اس قول کو امام فخر الدین رازی نے تفسیر سورہ مومنین میں لکھا ہے انتہی۔ اس عبارت کے بعد لکھا ہے" قُلْتُ وَمُفَادُہٗ أَنَّہَا أَفْضَلُ مِنَ الْاِقْتِدَاءِ"یعنی میں کہتا ہوں کہ مفاد اس کا یہ ہے کہ امامت اقتداء سے افضل ہے انتہی۔ (۲)

امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ قول کسی حنفی یا شافعی کا تو نہیں معلوم ہوتا، غالبا کسی غیر مقلد ظاہریہ کا قول ہوگا، اس کے نقل کرنے سے کچھ حنفیہ پر اس کا قائل ہونا لازم نہیں آتا، حنفیہ کے نزدیک امام کی قراءت کافی ہے، اور قراءت خلف الامام سے رسول اللہ ﷺ نے بیشک جھڑکا ہے، اور شافعیہ کے نزدیک مقتدی کو قراءت واجب ہے، وَلِکُلٍّ وِّجْہَۃٌ علاوہ اس کے اگر کوئی بنظر احتیاط

۱……مشکوۃ، ص ۵۳، باب تطہیر النجاسات، مجلس برکات مبارک پور

۲……مرجع سابق

۳……رد المحتار، ج ۱، ص ۳۷۱، مطبوعہ مصر

امامت کرے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، معترض صاحب نے مطلق مسائل نقل کر دیئے، اور کوئی وجہ طعن کی ظاہر نہیں کی، پس ہم کو بھی زیادہ تحقیق کرنی ضرور نہیں فقط اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ مسائل کسی حدیث کے مخالف نہیں، وَمَنِ ادَّعیٰ فَعَلَیْہِ الْبَیَانُ۔

معترض صاحب چند غیر مقلدوں کی مدد سے مصنف بن گئے

اور پھر معترض صاحب کا یہ کہنا کہ اس قسم کے مسائل بیشمار ہیں، محض غلط ہے، چند مسائل تمام عمر میں بکمال جانفشانی اور تلاش و استعانت غیر مقلدین سے جیسے کچھ انہوں نے لکھے ہیں اسی سے ان کے علم اور فہم کی سب قلعی کھل گئی، یار لوگوں کی مدد سے صاحب تصنیف بن بیٹھے، اور دو چار حدیثیں پڑھ کر عامل بالحدیث ہو گئے، اور اجتہاد سراپا فساد کا دم بھرنے لگے۔

گدا چوں یافت روزی خویش را داند سلیمانی برای مور سنگ آسیا تخت رواں باشد

قال: اور ایک مغالطہ امام اعظم کے مقلد حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ کتاب ہدایہ ہمارے مذہب کی بڑی مقبول اور جامع ہے، ہزارہا علما اس پر بے کھٹکے عمل کئے جاتے ہیں، اور اس کے روایات پر فتوی دیئے چلے جاتے ہیں، اور آج تک اس کے کسی مسئلے پر بھی کسی شخص نے جرح وقدح نہیں کیا ہے، لیکن حدیث پر چلنے والے اس کو نہیں مانتے ہیں، اور اس کی اکثر حدیثوں کو ضعیف اور بعض کو مردود اور خانہ ساز بتلاتے ہیں، سو جواب یہ کہ علمائے محققین میں سے کتاب ہدایہ کو کوئی بھی مقبول نہیں سمجھتا، اور نہ اس کے سب مسائل پر کوئی شخص عمل کرنا صحیح جانتا ہے، البتہ متعصب حنفیہ اس کو مقبول بھی کہتے ہیں، اور اس کے تمام مسائل پر عمل کرنا بھی صحیح جانتے ہیں الخ۔

کشف کید یک صد و چہاردہم

اقول: معترض صاحب کو جب اعتراض پہونچا کہ ان حدیثوں کی نسبت علامہ عینی یوں کہتے کہ یہ معنی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتے، انہوں نے تو فقط لفظوں کی نفی کی ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں سے نہیں پائی گئی، اس میں کچھ قباحت نہیں کیونکہ روایت بالمعنی کو جمہور محدثین جائز رکھتے ہیں، گو امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں، سو فقط اعتراض اس قدر ہوگا کہ مصنف نے یہاں امام صاحب کی تقلید نہ کی، سو اس کے حنفیہ خود قائل نہیں، بہت مسائل ایسے ہیں کہ امام صاحب کی ان میں تقلید نہیں کرتے، بلکہ جو قول مفتی بہ ہو اس پر عمل کرتے ہیں، خواہ وہ صاحبین کے طور پر ہو خواہ طرفین کے، خواہ شیخین کے۔

قولہ: حدیث اول الخ

احادیث ہدایہ کو موضوع کہنے کے جوابات

اقول: عینی میں لکھا ہے "ھٰذَا الْحَدِیْثُ بِھٰذَا اللَّفْظِ لَمْ یُخْرِجْہُ اَحَدٌ، وَاِنَّمَا اَخْرَجَہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَغَیْرُہٗ وَلَفْظُہٗ "لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ"" (۱) یعنی اس حدیث کو ان لفظوں سے کسی نے نہیں بیان کیا، بلکہ

---
(۱)...... بنایہ، ج ۱، ص ۱۸۲

ابوداؤد وغیرہ نے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نہیں وضو ہوتا اس شخص کا جو اللہ کا نام نہ ذکر کرے انتہی۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ دونوں کے معنوں میں کیا فرق ہے، بلکہ معنی تو ایک ہے، البتہ الفاظ کا فرق ہے، پھر اس کے کیا معنی کہ تمام محدثین تو روایت بالمعنی کو جائز رکھیں اور صاحب ہدایہ کو روایت بالمعنی جائز نہ ہو، عجیب انصاف ہے۔

ملا علی قاری شرح مسند امام کے خطبے میں لکھتے ہیں "وَحَاصِلُهُ اَنَّهُ لَمْ يُجَوِّزِ الرِّوَايَةَ بِالْمَعْنَى وَلَوْ كَانَ مُرَادِفًا لِلْمَبْنَى، خِلَافًا لِلْجُمْهُوْرِ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ، فَاِنَّهُمْ جَوَّزُوا الرِّوَايَةَ بِالْمَعْنَى، لَا سِيَّمَا عِنْدَ نِسْيَانِ الْمَبْنَى" یعنی حاصل یہ ہے کہ امام صاحب روایت بالمعنی جائز نہیں رکھتے، اگرچہ وہ ہم معنی اصل کے ہو، برخلاف جمہور محدثین کے، پس تحقیق انہوں نے جائز رکھا ہے روایت بالمعنی کو، خصوصاً وقت بھول جانے اصل کے انتہی۔

روایت بالمعنی جائز ہے

پس جب کہ محدثین کے نزدیک مطلقاً روایت بالمعنی جائز ہے خاص کر اس وقت میں کہ جب اصل حدیث یاد نہ ہو، پھر اگر صاحب ہدایہ نے روایت بالمعنی کی تو کون سا قصور ہوا، تمام احادیث کی کتابوں میں روایت بالمعنی موجود ہے، ورنہ ایک قصے میں راویوں کے الفاظ مختلف نہ ہوتے، حالانکہ حجۃ الوداع وغیرہ کی حدیثیں دیکھو، کیسے مختلف الفاظ سے موجود ہیں، پس ایسی ہٹ دھرمی معترض صاحب کو نہ چاہیے کہ اپنے عیبوں کو چھپا دیں، اور دوسروں پر الزام لگائیں۔

سن لے او کاذب کج فہم ذرا دھیان سے بات	جو مسلمان ہیں کہتے ہیں وہ ایمان سے بات
ہٹ دھرم ایسا تو دنیا میں نہ ہوگا کوئی	لاکھ سمجھاؤ پر سنتا نہیں تو کان سے بات

قولہ: حدیث دوم الخ۔

اقول: یعنی میں ہے "وَمَا وَرَدَ هٰذَا الْحَدِيْثُ بِهٰذَا اللَّفْظِ، وَالَّذِيْ وَرَدَ هُوَ مَا رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِيْ سُنَنِهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَلِّلُوْا اَصَابِعَكُمْ لَا يُخَلِّلُهَا اللّٰهُ بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ لَمْ يُخَلِّلْ اَصَابِعَهُ بِالْمَاءِ خَلَّلَهَا اللّٰهُ بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَفِي الْبَابِ عَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ وَعُثْمَانَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ" (۱) یعنی نہیں وارد ہوئی یہ حدیث ان الفاظ سے، اور وہ جو وارد ہوئی ہے وہ ہے کہ جس کو دارقطنی نے اپنی سنن میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، خلال کرو اپنی انگلیوں کا نہیں خلال کرے گا ان میں اللہ آگ کے ساتھ قیامت کے دن، اور روایت کیا اس کو طبرانی نے حدیث وائل بن حجر سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو شخص نہ خلال کرے گا اپنی انگلیوں کا پانی کے ساتھ تو خلال کرے گا اللہ تعالیٰ ان کا آگ کے ساتھ قیامت کے دن، اور اس

---

(۱)...... بنایہ، ج ۱، ص ۲۲۷

باب میں حدیثیں لقیط بن صبرہ اور ابن عباس اور ربیع بنت معوذ اور عثمان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں انتہی ۔

معترض صاحب کا فریب

اسی طرح ان دونوں میں گو الفاظ کا کچھ فرق ہے، مگر مطلب دونوں کا ایک ہے، معترض صاحب نے دھوکا دینے کو عینی کی پوری عبارت نقل نہیں کی، واہ کیا دیانت وامانت ہے، آخر فریب اور دھوکے کی بات کھل گئی ۔

گرش نہفتگی درمیان صد چکسـ   خروز دو رنشاں کی دبہ کرکا فو رست

قولہ: حدیث سوم الخ ۔

اقول: عینی میں ہے "هذا الحديث بهذا اللفظ لم يخرجه احد، ولكن الائمة الستة اخرجوه قريبا منه في كتبهم، من حديث مسروق عن عائشة رضي الله عنها، قالت كان رسول الله ﷺ يحب التيامن في كل شيء، حتى في طهوره وتنعله وترجله وشانه كله، رواه مسلم والنسائي وابن ماجة في الطهارة وابوداود في اللباس والبخاري والترمذي في الصلوة، والفاظهم متقاربة، واخرجه ابن حبان، ولفظه كان يحب التيامن في كل شيء في وضوئه حتى في الترجل والانتعال" (۱) یعنی اس حدیث کو ان الفاظ سے کسی نے روایت نہیں کیا ہے، لیکن چھوں اماموں نے اپنی کتابوں میں قریب اس کے روایت کی ہے، حدیث مسروق سے روایت ہے، عائشہ سے، کہا انہوں نے، رسول اللہ ﷺ دوست رکھتے تھے داہنی جانب سے شروع کرنے کو ہر شئے میں، یہاں تک کہ اپنے وضو میں اور جوتیاں پہننے میں اور کنگھی کرنے میں اور کل حال میں اپنے، روایت کیا اس کو مسلم اور نسائی اور ابن ماجہ نے طہارت میں، اور ابوداؤد نے لباس میں، اور بخاری اور ترمذی نے صلوۃ میں اور الفاظ ان کے قریب قریب ہیں، اور ابن حبان نے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوست رکھتے تھے داہنی کو ہر بات میں وضو اپنے میں، یہاں تک کہ کنگھی کرنے میں اور جوتیاں پہننے میں انتہی ۔ اس حدیث میں بھی غور کر لیجئے کہ خود محدثین کے الفاظ میں فرق ہے مگر معنی اور مطلب سب کا ایک ہے ۔

آنکھیں جدا جدا ہیں مگر نور ایک ہے

قولہ: حدیث چہارم الخ ۔

اقول: عینی میں ہے " هذا الحديث غريب، لا ذكر له في كتب الحديث، واستدل الشافعي ومن تبعه فيما ذهب اليه باحاديث، منها ما روي عن النبي عليه السلام انه قاء فغسل فمه فقيل له الا تتوضأ وضوءك للصلوة، فقال: هكذا الوضوء من القيء" (۲) یعنی یہ حدیث غریب ہے، نہیں ذکر اس کا

---

۱ ۔ ۔ ۔ بنایہ، ج ۱، ص ۲۴۷   ۲ ۔ ۔ ۔ بنایہ، ج ۱، ص ۲۶۰

کتب حدیث میں، اور امام شافعی اور ان کے مقلدوں نے اس میں کئی حدیثوں سے استدلال کیا ہے، بعضے ان کی وہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے قے کی، پس دھویا منہ اپنے کو، پس کہا گیا آپ سے کہ وضو نماز کا سا آپ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا قے سے ایسا ہی وضو ہوتا ہے یعنی۔

اب غور فرمایئے کہ صاحب ہدایہ نے اگر یہ کہہ دیا کہ رسول اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے قے کی اور وضو نہیں کیا، اس میں کیا خلاف ہو گیا، بیشک اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وضو نہیں کیا تھا، بلکہ فقط منہ دھو لیا تھا، جس بات میں امام شافعی کا اختلاف تھا وہ بیان کر دیا، زیادہ کی کیا ضرورت تھی، البتہ اگر اس کے مطلب میں وقت ہوتی تو مناسب نہ تھا، اور محدثین کے نزدیک بھی تو جیسی تفصیل معنی حدیث کی جائز ہے اسی طرح مختصر حدیث بیان کرنی بھی جائز ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں" وَالصَّحِيحُ الَّذِي ذَهَبَ إِلَيْهِ الْجَمَاهِيرُ وَالْمُحَقِّقُونَ مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ وَالْأُصُولِ التَّفْصِيلُ، وَجَوَازُ ذٰلِكَ مِنَ الْعَارِفِ إِذَا كَانَ مَا تَرَكَهُ غَيْرَ مُتَعَلِّقٍ بِمَا رَوَاهُ بِحَيْثُ لَا يَخْتَلُّ الْبَيَانُ وَلَا يَخْتَلِفُ الدَّلَالَةُ بِتَرْكِهِ"(۱) یعنی اور صحیح مذہب جس پر جمہور اور محققین اصحاب حدیث وفقہ واصول ہیں اس میں تفصیل ہے، اور پہچاننے والے سے جائز ہے جب کہ وہ شی جس کو اس نے ترک کر دیا ہے غیر متعلق اس سے ہو جس کو اس نے روایت کیا ہے، بایں طور کہ بیان مختل نہ ہو جائے اور دلالت اس کے چھوڑ دینے سے مختلف نہ ہو جائے۔

قوله: حدیث پنجم الخ۔

کروٹ پر لیٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

اقول: کہا علامہ عینی نے "هٰذَا الْحَدِيثُ بِهٰذَا اللَّفْظِ غَرِيبٌ، وَإِنَّمَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، وَلَفْظُهُ: أَنَّ الْوُضُوءَ لَا يَجِبُ إِلَّا عَلٰى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعاً، فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ، وَرَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ وَالطَّبْرَانِيُّ فِي مُعْجَمِهِ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ وَالدَّارَقُطْنِيُّ فِي سُنَنِهِ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ، وَلَفْظُهُ: لَا يَجِبُ الْوُضُوءُ عَلٰى مَنْ نَامَ جَالِساً أَوْ قَائِماً أَوْ سَاجِداً حَتّٰى يَضَعَ جَنْبَهُ، فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ"(۲) یعنی یہ حدیث ان الفاظ سے غریب ہے، بلکہ ابوداؤد اور ترمذی نے حدیث ابن عباس سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں، کہ وضو نہیں واجب ہوتا مگر اس شخص پر جو سوئے کروٹ پر لیٹ کر، اس لیے کہ جب وہ لیٹ جائیگا تو جوڑ اس کے ڈھیلے ہو جائیں گے، اور روایت کیا اس کو امام احمد نے مسند اپنی میں اور طبرانی نے معجم اپنی میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف اپنی میں اور دار قطنی نے سنن اپنی میں اور

۱......شرح مسلم، ج ۱، ص ۳، مجلس برکات مبارک پور

۲......بنایہ، ج ۱، ص ۱۸۱، ۲۸۰

روایت کیا اس کو بیہقی نے سنن اپنی میں اور لفظ اس کے یہ ہیں کہ وضو واجب نہیں اس شخص پر جو بیٹھ کر یا کھڑے ہوئے یا سجدے میں سو جائے یہاں تک کہ رکھے پہلو اپنا کہ جب وہ لیٹ جاتا ہے کروٹ پر تو جوڑ اس کے ڈھیلے ہو جاتے ہیں انتہی۔

کتب فقہ کا مطالعہ کیے بغیر حدیث کا سمجھنا بہت مشکل ہے

پس اس میں بھی صاحب ہدایہ نے بعینہ معنی حدیث کے ادا کئے ہیں، کچھ فرق نہیں الفاظ کی پابندی سے فہم مطلب کوسوں دور ہو جاتا ہے، بدون مطالعہ کتب فقہائے مجتہدین کے حدیث شریف کا مطلب سمجھنا بہت مشکل ہے ۔ ؎

کروٹ کا ہر مسئلہ دل پر ارکی صورت   بغیر فقہ نہیں اعتبار کی صورت

قولہ: حدیث ششم الخ۔

اقول: کہا علامہ عینی نے "لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنَ الشُّرَّاحِ أَصْلَ هٰذَا الْحَدِيثِ، وَإِنَّمَا قَالَ الْأَتْرَازِيُّ وَتَبِعَهُ الْأَكْمَلُ بِدَلِيلِ مَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّهُمَا فَرْضَانِ فِي الْجَنَابَةِ، وَنَفْلَانِ فِي الْوُضُوءِ، وَلَفْظُ الْأَكْمَلِ: سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوءِ، وَقَالَ السُّرُوجِيُّ: وَأَمَّا قَوْلُ صَاحِبِ الْهِدَايَةِ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّهُمَا فَرْضَانِ فِي الْجَنَابَةِ وَسُنَّتَانِ فِي الْوُضُوءِ، فَلَا نَعْرِفُ، قُلْتُ: رَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِمَا مَا يُقَارِبُ ذٰلِكَ مِنْ حَدِيثِ بَرَكَةَ ابْنِ مُحَمَّدٍ الْحَلَبِيِّ عَنْ يُوسُفَ بْنِ أَسْبَاطٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمَضْمَضَةُ وَالْإِسْتِنْشَاقُ لِلْجُنُبِ ثَلَاثًا فَرِيضَةٌ، وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، وَلَفْظُهُ: قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَضْمَضَةَ وَالْإِسْتِنْشَاقَ لِلْجُنُبِ ثَلَاثًا فَرِيضَةً، وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ: رَوَاهُ الثِّقَاتُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ مُرْسَلًا، وَقَالَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّينِ بْنُ الْإِمَامِ: وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مَوْصُولًا مِنْ غَيْرِ حَدِيثِ بَرَكَةَ" (۱) یعنی نہیں ذکر کی کسی نے شراح ہدایہ سے اصل اس حدیث کی، ہاں اترازی اور اکمل نے کہا ہے بدلیل اس کے جو روایت کی گئی ابن عباس اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا جنابت میں فرض ہے، اور وضو میں نفل، اور لفظ اکمل کے وضو میں دو سنت ہیں، اور کہا سروجی نے لیکن قول صاحب ہدایہ کا بدلیل قول آنحضرت علیہ السلام کے کہ استنشاق اور مضمضہ جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں، پس نہیں پہچانتے ہم، کہتا ہوں میں کہ دار قطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں اس کے قریب قریب روایت کی ہے حدیث برکہ بن محمد حلبی سے، انہوں نے یوسف بن اسباط سے، انہوں نے سفیان سے، انہوں نے خالد حذاء سے، انہوں نے ابن سیرین سے، انہوں نے ابو ہریرہ سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مضمضہ اور استنشاق جنب کے واسطے دو ثلث فرض کے

---

(۱)...... بنایہ، ج ۱، ص ۲۶۲

ہیں، اور روایت کیا اس کو حاکم نے مستدرک میں، اور لفظ اس کے یہ ہیں: کہا گر دانا رسول اللہ ﷺ نے مضمضہ اور استنشاق کو واسطے جنب کے دو تہائی فرض کی، اور کہا بیہقی نے: روایت کیا اس کو ثقات نے سفیان ثوری سے، انہوں نے خالد حذاء سے، انہوں نے ابن سیرین سے مرسل، اور کہا شیخ تقی الدین نے کہ روایت کی گئی یہ حدیث متصل سوائے حدیث برکہ کے انتہی۔

مؤلف ظفر کی چالاکی

اب معترض صاحب کے مغالطہ اور دھوکے کو غور کرنا چاہئے کہ فقط "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ" ذکر کر دیا "وَأَنْتُمْ سُكَارٰى" چھوڑ گئے، جیسے خود حدیث میں غلط ملط کر دیتے ہیں، اور حق بات چھپا لیتے ہیں، ایسے ہی دوسروں پر اتہام دھرتے ہیں، فقط سروجی کا قول نقل کر دیا، اور علامہ عینی کی تحقیق چھوڑ گئے، اگر سروجی کو یہ حدیث نہیں ملی ہے تو کیا اس سے صاحب ہدایہ پر اعتراض ہو سکتا ہے؟ بعضوں کی تلاش قاصر ہوتی ہے تو ان کو پتا نہیں لگتا، دوسرے اس پر آگاہ کر دیتے ہیں، مگر معترض صاحب بھی صیغہ امانت اور دیانت میں بھرتی کرنے کے قائل نہیں، ایسی جگہ معترض صاحب باوجودیکہ حدیث اور قرآن میں کتمان حق پر بڑی وعید وارد ہے سب بالائے طاق رکھ دیتے ہیں، امام صاحب اور حنفیہ کی برائی کو جہاں تک جھوٹ سچ ملا کے بیان کرنا ممکن ہے دریغ نہیں کرتے، اور اس مغالطے کے شروع جواب میں خود لکھتے ہیں کہ عوام لوگ بھی واقف ہو جائیں، اور حنفیہ کے اس دھوکے میں نہ آئیں اور خود اس ٹٹی کی آڑ میں کیا گل کھلا رہے ہیں "فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ" ایسی فریب اور دغا کی باتوں پر خدا کی مار اور رسول کی پھٹکار، معترض صاحب کے ہتھکنڈوں کو یار لوگ خوب جانتے ہیں، اور ان کی بناوٹی باتوں کو خوب پہچانتے ہیں۔

کی بناوٹ بہت سی باتوں میں
پر نہیں چھپتی ہے بنائی بات

قولہ: حدیث نجم الخ۔

اقول: کہا علامہ عینی نے "لَمْ يَثْبُتْ هٰذَا الْحَدِيْثُ بِهٰذَا اللَّفْظِ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ رَوَاهُ بِنَحْوِهٖ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ" قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ اِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰى رِيْحِهٖ وَطَعْمِهٖ وَلَوْنِهٖ "(1)
یعنی نہیں ثابت ہوئی یہ حدیث ان الفاظ سے مگر ابن ماجہ نے اس کو حدیث ابوامامہ سے روایت کیا ہے، کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ پانی پاک ہے نہیں ناپاک کرتی اس کو کوئی شئے مگر وہ چیز جو اس کی بو اور مزے اور رنگ پر غالب آ جائے انتہی۔

پس صاحب ہدایہ نے اپنی طرف سے اس حدیث کو نہیں لکھا، ابن ماجہ کی حدیث ایسے الفاظ سے بیان کی ہے کہ جس سے معنی میں بالکل تغیر نہیں ہوا، البتہ لفظ متغیر لا یا ہے۔

قولہ: حدیث نجم الی آخرہ۔

اقول: کہا علامہ عینی نے "لَمْ يُذْكَرْ هٰذَا فِيْ كُتُبِ الْاَحَادِيْثِ الْمَشْهُوْرَةِ، غَيْرَ اَنَّ السِّغْنَاقِيَّ ذَكَرَ

---
(1) ...... بنایہ، ج ۱، ص ۳۵۲

فِیْ شَرْحِهٖ، رَوَاهُ اَبُوْ عَلِیٍّ الْحَافِظُ السَّمَرْقَنْدِیُّ بِاِسْنَادِهٖ، وَلٰكِنْ فِيْهِ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ اِلٰى اٰخِرِهٖ، وَتَبِعَهُ الْاَكْمَلُ فِیْ ذٰلِكَ حَيْثُ نَقَلَهٗ فِیْ شَرْحِهٖ هٰكَذَا، وَقَالَ صَاحِبُ الدِّرَايَةِ كَذَا اَمَرَ النَّبِیُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِذٰلِكَ فِیْ رِوَايَةِ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ" یعنی نہیں مذکور ہے یہ حدیث، حدیث کی مشہور کتابوں میں، مگر سغناقی نے اس کو اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ ابوعلی حافظ سمرقندی نے اس کو مع اسناد روایت کیا ہے، لیکن اس میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا الخ، اور علامہ اکمل نے اس میں ان کی اتباع کی ہے، اس لئے کہ اس کو اپنی شرح میں اسی طرح نقل کیا ہے، اور کہا صاحب درایہ نے: اسی طرح حکم رسول اللہ ﷺ نے ساتھ اس کے روایت انس رضی اللہ عنہ میں انتہی، اب غور کرنا چاہئے کہ معترض صاحب نے اول جملہ کو لکھا اور بعد کی عبارت جس سے اس حدیث کا پتا لگتا تھا چھوڑ گئے، مصنف نے تو بھلا کسی شبہ سے موقوف ہی بیان کی تھی، حالانکہ مرفوع روایت موجود ہے۔

قولہ: حدیث نہم الخ۔

باب مسح میں حدیث ہدایہ کی روایت صحیح ہے

اقول: کہا علامہ عینی نے "قُلْتُ حَدِيْثُ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ لَمْ يُرْوَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ، وَاِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ فِیْ مُصَنَّفِهٖ، حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ عَنْ اَبِیْ عَامِرٍ الْخَزَّازِ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَالَ، ثُمَّ جَاءَ حَتّٰى تَوَضَّاَ، وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى خُفِّهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى خُفِّهِ الْاَيْسَرِ، ثُمَّ مَسَحَ اَعْلَاهُمَا مَسْحَةً وَّاحِدَةً، حَتّٰى كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰى اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْخُفَّيْنِ "(۱) یعنی میں کہتا ہوں کہ حدیث مغیرہ اس طرح نہیں روایت کی گئی، بلکہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اس کو مغیرہ بن شعبہ سے یوں روایت کی ہے، کہا انہوں نے: دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ پیشاب کیا، پھر آکر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا اور داہنے ہاتھ کو داہنے موزے پر رکھا اور بائیں کو بائیں موزے پر، پھر مسح کیا اوپر خفین کے ایک بار، گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں انگلیوں کی طرف رسول اللہ ﷺ کے اوپر موزوں کے انتہی۔

پس جو مطلب اس حدیث مصنف ابن ابی شیبہ کا نقط مسح کے بیان میں تھا، اس کو صاحب ہدایہ نے ویسے ہی بیان کیا ہے، اور اس محل مسح میں چونکہ اور حدیث کی ضرورت نہ تھی اس کو چھوڑ دیا، اس کو محدثین اور فقہا سب جائز رکھتے ہیں، چنانچہ حدیث چہارم کے جواب میں شارح مسلم کی عبارت ہم نے نقل کر دی ہے۔

قولہ: حدیث دہم الخ۔

اقول: کہا علامہ عینی نے "هٰذَا لَهٗ اَصْلٌ فِی الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ، وَلٰكِنْ مَا رُوِیَ بِهٰذَا اللَّفْظِ وَرُوِیَ

(۱)...... بنایہ، ج ۱، ص ۵۹۰

الآئِمَّةُ السِّتَّةُ فِيْ كُتُبِهِمْ ،وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ مِّنْ حَدِيْثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ جَدَّتِهِ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ، قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ :إِحْدَانَا يُصِيْبُ ثَوْبَهَا مِنْ دَمِ الْحَيْضَةِ ،كَيْفَ تَصْنَعُ بِهِ ؟قَالَ تَحُتُّهُ ،ثُمَّ تَقْرُصُهُ ،ثُمَّ تَنْضَحُهُ ،ثُمَّ تُصَلِّي فِيْهِ ،وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاؤُدَ حُتِّيْهِ ثُمَّ اقْرُصِيْهِ بِالْمَاءِ ثُمَّ انْضَحِيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ وَإِنْ رَأَتْ دَماً فَلْتَقْرُصْهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْمَاءِ وَلْتَنْضَحْ مَالَمْ يَرَ وَتُصَلِّيْ فِيْهِ، وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهِ وَرَوَاهُ الْإِمَامُ أَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْجَارُوْدِ فِيْ كِتَابِ الْمُنْتَقٰى، وَفِيْ رِوَايَتِهِ حُتِّيْهِ وَاقْرُصِيْهِ بِالْمَاءِ وَاغْسِلِيْهِ وَصَلِّيْ فِيْهِ وَرُشِّيْهِ بِالْمَاءِ"(١) یعنی اس حدیث کی اصل صحیح حدیث میں ہے، لیکن اس لفظ سے روایت نہیں کی گئی، اور روایت کیا ہے ایمہ ستہ نے اپنی کتابوں میں اور الفاظ مسلم کے ہیں، حدیث ہشام بن عروہ سے، کہا اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے، آئی ایک عورت طرف رسول اللہ ﷺ کے، پس عرض کیا، ہم میں سے کسی کے کپڑے پر خون حیض کا لگ جاتا ہے، کیا کرے؟ فرمایا: اس کو کھرچ ڈالے پھر ملے، پھر اس کو دھو ڈالے، پھر اس سے نماز پڑھ لے، اور ایک روایت میں ابوداؤد کی ہے: کھرچ تو اس کو، پھر پانی سے مل اس کو، پھر دھو اس کو، اور ایک روایت میں ابوداؤد کی ہے، اگر وہ خون دیکھے پس چاہئے کہ کچھ پانی سے اس کو ملے، اور چاہئے کہ دھووے اس کو جب تک اثر اس کا معلوم نہ ہو، اور نماز پڑھے اس سے، اور روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں، اور روایت کیا اس کو امام ابو محمد نے کتاب منتقی میں، اور ان کی روایت میں ہے چھیل تو اس کو اور مل تو اس کو پانی سے، اور دھو تو اس کو اور نماز پڑھ اس سے، اور اس پر پانی چھڑک دے انتہی۔ پس غور کیجئے کہ صاحب ہدایہ نے وہی مضمون ادا کیا ہے، مگر معترض صاحب فقط ایک ہی ٹکڑے پر اکتفا کر کے باقی کو چھوڑ گئے۔

قولہ: حدیث یازدہم الخ۔

اقول: کہا علامہ عینی نے "هٰذَا الْحَدِيْثُ بِهٰذَا اللَّفْظِ غَرِيْبٌ، وَقَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي التَّحْقِيْقِ وَالْحَنَفِيَّةُ يَحْتَجُّوْنَ عَلٰى نَجَاسَةِ الْمَنِيِّ بِحَدِيْثٍ رَوَوْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِعَائِشَةَ :اِغْسِلِيْهِ إِنْ كَانَ رَطْباً وَافْرُكِيْهِ إِنْ كَانَ يَابِساً، قَالَ: وَهٰذَا حَدِيْثٌ لَا يُعْرَفُ وَإِنَّمَا رُوِيَ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ ،قُلْتُ :عَدَمُ الْمَعْرِفَةِ مِنْهُ، أَوْ مِنْ غَيْرِهِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَ مَعْرِفَةِ غَيْرِهِ، مَعَ أَنَّ أَصْلَ الْحَدِيْثِ فِي الصِّحَاحِ، وَقَدْ رَوٰى مُسْلِمٌ وَالْأَرْبَعَةُ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ، قَالَتْ :كُنْتُ أَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ، وَإِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِيْ ثَوْبِهِ ،وَقَالَتْ أَيْضاً :كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَيُصَلِّيْ فِيْهِ، أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُوْ دَاؤُدَ ،وَرَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ

---

(١)......بنایہ ،ج ١،ص ٧٠١

وَالْبَیْہَقِیّ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: کُنْتُ اَغْسِلُ الْمَنِیَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِذَا کَانَ رَطْبًا وَاَفْرُکُہٗ اِذَا کَانَ یَابِسًا (۱) یعنی یہ حدیث ان الفاظ سے غریب ہے، اور کہا ابن جوزی نے کہ حنفیہ حجت پکڑتے ہیں منی کے ناپاک ہونے پر، اس حدیث سے کہ روایت کیا ہے اس کو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یعنی یہ کہ فرمایا آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دھوتم اس کو اگر ہو تر اور کھرچ ڈالو اس کو اگر ہو خشک، اور یہ حدیث نہیں پہچانی جاتی ہے بلکہ مثل اس کے حدیث عائشہ سے مروی ہے، کہتا ہوں میں کہ ابن جوزی وغیرہ کا نہ پہچاننا اس کو لازم نہیں کہ دوسرا بھی نہ پہچانے، حالانکہ اصل اس حدیث کی صحاح میں موجود ہے، اور مسلم اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور ابوداؤد نے حدیث عائشہ سے روایت کی ہے کہ میں ناپاکی کو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی، پس آپ نماز کو تشریف لے جاتے، اور دھبے پانی کے کپڑے میں ہوتے، اور بھی کہا انھوں نے کہ میں منی کو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے ملا کرتی تھی پس اس سے نماز پڑھتے تھے، روایت کیا اس کو مسلم اور ابوداؤد نے، اور روایت کی دار قطنی اور بیہقی نے عائشہ سے کہ میں منی کو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھوتی تھی، جب وہ تر ہوتی اور مل ڈالتی اس کو اگر وہ خشک ہوتی الخ۔

حدیث سے نجاست منی کا ثبوت

اور علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اسی مقام پر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دھونے کا حکم دیا ہو اس کو اللہ جانے، مگر ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کو جانتے تھے، خصوصاً اس وقت میں جب یہ فعل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مکرر ہوا، باوجود التفات کرنے رسول اللہ ﷺ کے اپنے طہارت ثوب کی طرف، اور تفحص کرنے حال اس کے سے، اور ظاہر تر اس سے یہ قول عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے کہ میں دھوتی تھی اس کو کپڑے سے رسول اللہ ﷺ کے، پس نماز کے واسطے تشریف لے جاتے، اور اثر پانی کا کپڑے میں ہوتا، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ آپ کو کپڑے کی تری محسوس ہوتی ہوگی، اور یہ سبب التفات کا ہے طرف حال ثوب کے، اور تفحص کا خبر اس کی سے، اور اس وقت سبب اس کا ظاہر ہوتا ہوگا، اور اس کو آنحضرت ﷺ نے برقرار رکھا، پس اگر وہ کپڑا پاک ہوتا تو آپ پانی کے تلف کرنے سے بلاضرورت منع فرما دیتے، اس لئے کہ اس وقت پانی کا اسراف لازم آتا ہے کیونکہ اسراف بلا حاجت پانی کے صرف کو کہتے ہیں، اور حضرت عائشہ کو بھی بلا ضرورت دھونے کی تکلیف دینی ہے، علاوہ اس کے مسلم میں عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ منی کو دھویا کرتے، پھر نماز کو تشریف لے جاتے اسی کپڑے سے، اور میں اثر دھونے کا اس کپڑے میں دیکھتی تھی، پس اگر اس کو معنی حقیقی پر محمول کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ خود بذات خاص اس کو دھوتے تھے تو ظاہر ہے، یا مجاز پر محمول ہو بایں طور کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس کا حکم دیا ہو، پس وہ آپ کے علم پر متفرع ہو جائیگی۔ (۲)

قولہ: حدیث دوازدہم الخ۔

۱......بنایہ، ج ۱، ص ۷۶۳

۲......فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۹۸، ۱۹۷

زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے

اقول : کہا علامہ عینی نے کہ اس حدیث کو کسی نے مرفوع نہیں بیان کیا، بلکہ اس کو ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے، فرمایا انہوں نے: پاکی زمین کی خشک ہونا اس کا ہے، اور محمد ابن الحنفیہ اور ابوقلابہ سے روایت کی ہے، کہا انہوں نے: خشک ہوجائے زمین، پس وہ پاک ہوجاتی ہے، اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے کہ ابوقلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خشک ہونا زمین کا پاکی اس کی ہے، اور اسرار میں ہے کہ یہ حدیث عائشہ پر موقوف ہے، اور محمد بن حنفیہ مدینے کے فقہائے تابعین سے ہیں، اور ان سے روایت کی گئی ہے کہ کہا انہوں نے: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مجھ سے بہتر ہیں، اور میں اپنے والد کی حدیث ان دونوں سے زیادہ جانتا ہوں، اور یہ اس وجہ سے کہ جب صحابہ نے ان کو سب میں سے فتوی دینے پر قائم کیا تو وہ مثل ایک صحابی کے بوجہ تقریر ان کی کے ہوئے، جیسے کہ کوئی فعل رسول اللہ ﷺ کے روبرو ہوا، اور آپ نے اس پر سکوت کیا، پس جب ان سے یہ روایت کی گئی کہ طہارت زمین کی خشک ہونا اس کا ہے، اور سوائے ان کے کسی سے خلاف اس کے مروی نہیں ہوا، تو اس پر سب کا اجماع ہوگیا، خصوصاً اس وقت کہ ان کی موافقت ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ اور ابوقلابہ رضی اللہ عنہ اور عائشہ نے بھی کی ہے۔

صاحب ہدایہ کا تبحر فی الحدیث

اور علاوہ اس کے اصحاب ہمارے اس مسئلے میں استدلال لائے ہیں اس حدیث سے جس کو ابوداؤد اور احمد بن صالح نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرمایا انہوں نے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد میں سویا کرتے تھے، اور میں نوجوان مجرد تھا، پس کتے پیشاب کرتے تھے اور آتے جاتے تھے مسجد میں، پس صحابہ اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے، اور اس حدیث کو ابوبکر بن خزیمہ نے اپنی صحیح میں بھی روایت کیا ہے انتہی۔(۱) اور ابوداؤد نے اس حدیث کو "بَابُ طُهُورِ الْأَرْضِ إِذَا يَبِسَتْ" (۲) میں لکھا ہے، یعنی اس باب میں وہ حدیث مذکور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے، پس جب اس حدیث کی اس قدر سند پہونچ گئی ہو رسول اللہ ﷺ سے، اس میں تقریر ثابت ہوئی، اور صحابہ کا بھی اجماع معلوم ہوگیا، تو اب صاحب ہدایہ سے جو قول رسول اللہ ﷺ کا منقول ہے اس سے ان پر ہرگز اعتراض نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ تقریر حکم میں قول ہی کے ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو کہیں سے یہ قول ثابت ہوگیا ہو، اور شراح کی نظر سے نہ گذرا ہو، یا قول اور تقریر ان کے نزدیک ایک شئے ہو، ایک کو دوسرے سے تعبیر کرنا جائز جانتے ہوں، علاوہ اس کے جس مسئلے میں انہوں نے یہ حجت بیان کی ہے وہ مسئلہ بلا ریب انہی حدیثوں سے ثابت ہوگیا، معترض صاحب کو مسائل سے غرض ہے، اگر کوئی محدثین کی اصطلاح کے خلاف کرلے تو کچھ چنداں عیب نہیں، خصوصاً ایسا محقق جس کے احادیث کی تخریج سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱.......بنایہ، ج ۱، ص ۷۶۔ ۲.......ابوداود، ج ۱، ص ۵۵

احادیث میں وہ بڑا تبحر اور کمال رکھتے تھے مگر غالباً لفظاً اپنی یاد پر اعتماد کر کے اس حدیث کو نقل کر دیتے تھے، اسی واسطے بعض الفاظ میں فرق ہو گیا ہے، سو اس کا کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ اور محدثین بھی اس کو جائز رکھتے ہیں۔

قولہ: حدیث سیزدہم الخ۔

روایت بالمعنی میں تغیر الفاظ محل طعن نہیں

اقول: کہا علامہ عینی نے "وَقَدْ مَرَّ اَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ اَخْرَجَهٗ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ هٰذَا اللَّفْظُ بِهٰذِهِ الْعِبَارَةِ، فَعِبَارَةُ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ: وَالْوَقْتُ فِيْمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ، وَعِبَارَةُ حَدِيْثِ جَابِرٍ: مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ كُلُّهٗ، وَعِبَارَةُ حَدِيْثِ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ: قَالَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتُ صَلٰوةٍ، وَعِبَارَةُ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ: مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ بِدُوْنِ لَفْظِ كُلِّهٖ مِمَّا فِيْ حَدِيْثِ جَابِرٍ "(1) یعنی تحقیق بیان ہو چکا کہ اس حدیث کو ایک جماعت صحابہ نے روایت کیا ہے اور کسی کی حدیث میں یہ لفظ اس عبارت سے نہیں، پس عبارت حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ وقت نماز کا درمیان ان دو وقتوں کے ہے، اور عبارت حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان میں کل وقت ہے، اور عبارت حدیث ابو مسعود انصاری کی یہ ہے کہ کہا جبرئیل علیہ السلام نے: ان دونوں کے درمیان میں وقت نماز کا ہے، اور عبارت حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ درمیان ان دونوں وقتوں کے وقت ہے بدون لفظ کل کے جو حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں تھا انتہی۔

پس اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ فقط لفظوں کا فرق ہے، معنی میں کچھ فرق نہیں، ایسا فرق خود حدیث ہی میں موجود ہے، اس کو محل اعتراض ٹھہرانا احادیث پر اعتراض کرنا ہے کہ راویوں نے الفاظ کو کیوں بدلا، آخر جبرئیل علیہ السلام نے تو الفاظ معین خاص ہی فرمائے ہوں گے، محض الفاظ میں گفتگو کرنی نادانوں کا کام ہے، البتہ قرآن کی آیت کو اگر صاحب ہدایہ اور لفظ سے بیان کر دیتے تو اعتراض بجا تھا۔

قولہ: چہاردہم الخ۔

اقول: کہا علامہ عینی نے "هٰذَا الْحَدِيْثُ بِهٰذَا اللَّفْظِ غَرِيْبٌ، لَمْ يُرْوَ هٰكَذَا، وَاِنَّمَا رَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَاَخْبَرَنِيْ بِوَقْتِ الصَّلٰوةِ الْحَدِيْثَ، وَفِيْهِ: يُصَلِّي الْعِشَاءَ حِيْنَ اَسْوَدَّ الْاُفُقُ، وَرَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ "(2) یعنی یہ حدیث اس لفظ سے غریب ہے، اس طور سے روایت نہیں کی گئی، بلکہ ابو داؤد نے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، اور وقت نماز کی مجھ کو خبر دی الخ، اور اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے عشا کی جس وقت کنارہ آسمان کا سیاہ ہو جاتا، اور روایت کیا

---

1 ...... بنایہ، ج 2، ص 14

2 ...... بنایہ، ج 2، ص 27

اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں انتہی ۔

قولہ : مسئلہ پانزدہم الخ ۔

آخر وقت عشا کا طلوع فجر تک اور افضل وقت تہائی رات تک ہے

اقول: کہا علامہ عینی نے کہ یہ حدیث اس عبارت سے وارد نہیں ہوئی ، اور یہ غریب ہے ، اور مبسوط میں ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : آخر وقت عشا کا وقت فجر ثانی کے ہے ، اور تعجب اکثر شراح سے ہے کہ وہ اس حدیث سے استدلال لاتے ہیں ، اور اس روایت کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ، اور یہ اسناد صحیح نہیں ہے ، اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس مقام پر عمدہ کلام بیان کیا ہے ، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کہا انہوں نے مجموع حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخر وقت عشا کا طلوع فجر تک ہے ، اور یہ اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری اور ابو سعید خدری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشا کی تہائی رات تک تاخیر کی ، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی آدھی رات تک تاخیر کی ، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو یہاں تک موخر کیا کہ دو تہائی رات چلی گئی ، اور عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عشا کو یہاں تک دیر کی کہ کل رات چلی گئی ۔

اور یہ تمام روایتیں صحیح حدیثوں کی ہیں ، کہا امام طحاوی نے : پس ثابت ہوا اس سے کہ کل رات وقت عشا ہے ، لیکن تین وقتوں پر ، پس وقت شروع عشا سے تہائی رات تک افضل وقت ہے ، اور بعد اس کے نصف شب تک اس سے فضیلت میں کم ہے ، اور بعد نصف رات کے اس سے بھی کم ہے انتہی ۔

بوجہ اختلاف الفاظ احادیث ہدایہ موضوع نہیں

اب جاننا چاہیے کہ معترض صاحب کے مغالطے کل یہاں سب قطعی کھل گئے ، اور وہ مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گئے ، بلکہ بہت حدیثیں جو علامہ عینی نے ان مسائل کی تائید میں لکھی ہیں ، ان کو ہم نے بوجہ اختصار نقل نہیں کیا ہے ، اور فقط صاحب ہدایہ کی احادیث کا پتہ بتلا دیا ہے ، تا کہ عوام ظاہریہ کے دھوکے اور فریب میں نہ آ جائیں ورنہ احادیث اور بھی عینی اور فتح القدیر میں موجود ہیں ، ایسی حدیثوں کا نام جن میں فرق الفاظ ہو معترض صاحب نے موضوع رکھا ہے ، اگر موضوع ہوتیں تو علامہ عینی اور امام ابن ہمام ضرور تصریح کر دیتے ۔

قولہ : اور احادیث صحیحہ کے باطل کرنے میں حیلہ سازیاں کرتے رہے ہیں الخ ۔

مؤلف ظفر کی خیانت

اقول: یہ قول معترض صاحب کا سراسر جھوٹ اور بہتان صریح ہے ، بلکہ انہوں نے یہاں تک دیانت داری کی ہے کہ الفاظ تک بھی بتلا دیئے کہ ان الفاظ سے یہ حدیث نہیں آئی ، اور ضعیف کو ضعیف اور صحیح کو صحیح کہہ دیا ، البتہ معترض صاحب کے مذہب کے دونوں کی

تحقیق مخالف ہے، معترض صاحب اپنے مذہب کے خلاف کو خلاف حدیث سمجھتے ہیں، اور معترض صاحب نے عبارت شرح سفر السعادت کی ناتمام لکھ دی، اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: "ولیکن شرح شیخ ابن ہمام جزاہ اللہ خیر الجزاء تلافی آن نمودہ وبہ تحقیق کار فرمودہ است" یعنی شرح علامہ ابن ہمام نے اللہ ان کو جزائے خیر دے تلافی اس کی کر دی ہے، اور تحقیق کے ساتھ کام کیا ہے۔

اور تحصیل التعرف میں لکھتے ہیں: "وَالشَّيْخُ ابْنُ الْهُمَامِ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَرَّرَ مَذْهَبَ الْحَنَفِيِّ، وَتَمَسَّكَ فِيْهِ بِالْاَحَادِيْثِ، حَتّٰى كَادَ اَنْ يُقَالَ بِاَنَّ الشَّافِعِيَّ مِنْ اَهْلِ الرَّاْيِ، وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ مِنْ اَصْحَابِ الظَّوَاهِرِ" (۱) یعنی اور شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے مذہب حنفی کو ثابت کیا، اور تمسک کیا اس میں احادیث کے ساتھ، یہاں تک کہ قریب ہو گیا کہ یوں کہا جائے کہ امام شافعی اہل رائے سے ہیں، اور امام ابوحنیفہ اصحاب ظواہر سے ہیں انتہی۔

اور کلام اشرف سے فقط اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض حدیث ان کو نہیں ملی، پھر اس کا کچھ تعجب نہیں، ابن جوزی جیسے محقق کہلاتے ہیں، ان کو بہت حدیثیں نہیں ملیں، اور فقط اٹکل ہی سے ان کو موضوع بتلا دیا، پھر علامہ سیوطی وغیرہ نے کیا ان کا پیچھا کیا ہے، اور ان احادیث کو ثابت کر دیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صاحب ہدایہ کو بھی ان احادیث کا پتہ نہ لگا ہو، اس میں حسن ظن بزرگان دین کی طرف اچھا ہے، آخر اور احادیث صحیحہ سے تو محققین نے ان مسائل کو ثابت کر دیا ہے، ہم کو مسائل کے ثبوت سے غرض ہے، یوں تو بدگمانی ہر ایک مسئلے کی نسبت ممکن ہے، پھر تو اس سوء ظنی کی دلدل میں پھنس کر نکلنا مشکل ہوگا ؎

ہر کہ شد بستۂ ایں دام بلا	کے رساند بسحر شام بلا
خورد ایں مے کہ خمارش دردسر	حذر اے بادہ کش جام بلا

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں چاروں اماموں کے چار مصلے جو اس وقت میں موجود ہیں، ان کو حدیث پر چلنے والے لوگ بدعت کہتے ہیں، سو جواب اس کا چار طرح پر ہے، اول یہ کہ مکہ معظمہ میں چاروں مصلے چاروں اماموں کے علیحدہ علیحدہ سن آٹھ سو سات ہجری میں بسعی نے بیچ زمانہ فرح بن برقوق کے بنائے ہیں، لیکن ان کے بنانے اور مقرر کرنے کے لیے نہ تو حکم خدا ناطق ہے، اور نہ حکم رسول الخ

کشف کید یک صد و پانزدہم

اقول: چاروں مصلوں کو ناجائز سمجھنا اور حدیث بدعت کی سند لانا محض غلط اور قیاس مع الفارق ہے، جب مذہب چاروں اماموں کا بالاتفاق حق ہے، پھر ان کے مصلے کیونکر بدعت ہو سکتے ہیں، ہاں افراط وتفریط اچھی نہیں، جس مصلے پر نماز طیار پاوے شریک ہو جاوے، انتظار اپنے امام کا نہ کرے، چنانچہ راقم الحروف نے سب مصلوں پر نماز پڑھی ہے، البتہ بعضے صاحب اس میں احتیاط کرتے ہیں، جب کہ امام مالکی یا شافعی نے جس پانی سے جو مقدار قلتین سے کم ہو یا اس قدر ہو وضو کیا یا

۱۔۔۔۔۔۔تحصیل التعرف مترجم، ص ۲۰۲، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس

پیچھے لگائے، یا حنبلی نے قطاری پر مسح کیا، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ایسی صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر یہ محض وہم اور تعصب ہے، ہم تو فرقہ ظاہریہ کے پیچھے بھی بحکم "صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ" کے برابر نماز پڑھ لیتے ہیں، البتہ معترض صاحب کا آیت سے استنباط کرنا کہ خدائے تعالیٰ "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى" فرماتا ہے تو بجز ایک مصلے کے دوسرا نہ ہونا چاہئے عجیب اجتہاد ہے، اگر معاملہ سنجیدہ نہ ہوتا تو قابل تضحیک تھا، کسی مفسر اور کسی مجتہد کو یہ نہیں سوجھی، خاص معترض صاحب کا حصہ ہے، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ عوام خصوصاً حضرات ظاہریہ کو ائمہ اربعہ سے کسی امام کی تقلید کرنا ضرور ہے، حدیث کی تو خوب ہو چکے ہی تھے، اب قرآن پر بھی نوبت آئی، خدا خیر کرے، معترض صاحب! جیسا آپ نے اجتہاد کیا ہے ایک مسئلہ ہم کو بھی سوجھا ہے کہ عید کی نماز سوائے مقام ابراہیم کے اور جگہ جائز نہیں، اور دلیل اس پر یہی آیت مذکور ہے، جیسے معترض صاحب نے مصلے کے معنی امام کے مصلے کے لئے ہم نے مصلے کے معنی عیدگاہ کے لئے، علاوہ اس کے ایک اور مسئلہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کوئی نماز فرض ہو یا نفل سوائے مقام ابراہیم کے کسی جگہ جائز نہیں، پس جماعت تو ممکن ہی نہیں، جب بہت سے آدمی ہوں گے تو ایک دو اکیلے دو کیلے پڑھ کر جب فارغ ہوں گے، پھر دوسرے کھڑے ہوں گے، غرض معترض صاحب قرآن میں اس مصلے کے معنی خوب سمجھے، اب جس نے اور کہیں نماز پڑھی ہیں معترض صاحب نے اپنے اجتہاد سے سب درہم برہم کر دیں، پس اگر جناب اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ امام کا مصلیٰ ایک ہونا چاہئے اور وہ بھی خاص مقام ابراہیم پر ہو تو اس استنباط کے تمام صحابہ اور پیغمبر ﷺ بھی مخالف ہو جائیں گے، نعوذ باللہ اجتہاد اسے ہی کہتے ہیں، اور عیدگاہ معنی معترض صاحب کو نہیں سوجھے تھے، وہ ہم نے بتلا دیئے، کبھی تو کبھی حضرات ظاہریہ نے اجتہاد کیا تھا، اس کو ہم نے مسخرہ میں اڑا دیا، بہر حال

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت ست

بیضاوی میں ہے "وَهُوَ اَمْرُ اِسْتِحْبَابٍ، رُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَخَذَ بِيَدِ عُمَرَ فَقَالَ هٰذَا مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ عُمَرُ: اَفَلَا نَتَّخِذُهٗ مُصَلًّى فَقَالَ لَمْ اُوْمَرْ بِذٰلِكَ فَلَمْ تَغِبِ الشَّمْسُ حَتّٰى نَزَلَتْ، وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهِ الْاَمْرُ بِرَكْعَتَيِ الطَّوَافِ لِمَا رَوٰى جَابِرٌ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهٖ عَمَدَ اِلٰى مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ، فَصَلّٰى خَلْفَهٗ رَكْعَتَيْنِ وَقَرَاَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (۱) یعنی یہ امر استحبابی ہے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا، پس فرمایا، یہ مقام ابراہیم ہے، کہا عمر رضی اللہ عنہ نے، کیا ہم اس کو نماز کی جگہ نہ کر لیں، فرمایا مجھ کو حکم نہیں کیا گیا، پس آفتاب غروب نہیں ہوا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی، اور بعض نے کہا ہے کہ مراد اس سے حکم طواف کی دو رکعتوں کا ہے، بسبب اس کے جو جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو قصد کیا طرف مقام ابراہیم کے، پس دو رکعتیں پیچھے اس کے پڑھیں، اور آیت "واتخذوا" پڑھی انتہیٰ۔

---

(۱)...... بیضاوی شریف، ص ۷۶، زیر آیت "فاتخذوا من مقام ابراھیم مصلی"

پس آیت کی شان نزول سے معلوم ہوا کہ فقط امر استحبابی ہے، واجب نہیں، اور امام کے مصلے کے معنی جو معترض صاحب نے لئے ہیں، ہم اب تک متعجب ہیں کہ اس جواب کی کیا ضرورت تھی جو لوگوں کو اپنے اجتہاد سے بے اعتقاد کر دیا، اور اپنے تئیں بھی برا کہلوایا ہے، معترض صاحب بات ٹھکانے کی کہنا چاہئے، بے سوچے انکل کی فاختہ نہ اڑایئے ۔

حزان بے تامل بگفتار دم	نکوگوی گر دیر گوئی چہ غم
بطلق آدمی بہتر است از دواب	دواب از تو بہ گر نگوئی صواب۔

کشف کید یکصد و شانزدہم

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین اہل حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ حدیث پر چلنے والے حدیث کے آسان آسان مسئلوں پر عمل کرتے ہیں مشکل پر عمل نہیں کرتے ہیں، وہ بڑے بیوقوف اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں الخ۔

معترض صاحب کا اجتہاد

اقول: معترض صاحب نے کیسے رنگ رنگ کے مغالطہ دینے شروع کئے، اس کا ہم کیا جواب دیں، بجز اس کے کہ ان کو تقلید کی فہمائش کردیں، جناب من آپ آسان مسائل پر تو عمل کیجئے مگر خدارا اپنے اجتہاد بیجا کو دخل نہ دیجئے، جو مسائل ائمہ نے احادیث اور قرآن سے استنباط کئے ہیں ان کو اخذ کیجئے، اور اپنی رائے سے حدیث کے مطالب کو زیب و زینت نہ بخشئے، کبھی تہجد بھی پڑھ لیا کیجئے اور کبھی رات بھر عبادت کیجئے، جس سے جسم کو تکلیف ہو، اور پیر آماس کر جائیں، اس سنت کو بھی ملحوظ خاطر رکھئے، زیادہ آسانی کو نہ ڈھونڈھیے، ورنہ رفتہ رفتہ تکلیف شرعی بھی آپ کو ناگوار ہونے لگے گی، پھر تو خاصے غیر مکلف ہو جاؤ گے، اتنا یاد رکھو کہ مقلد مکلف رہتے ہیں، اور غیر مقلد غیر مکلف ہو جاتے ہیں، اسی انتظام کے واسطے غیر مجتہد کو تقلید ضروری ہے کہ آزادی اور رفع تکلیف کو روکتی ہے، ہم نے بحکم "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" کے کچی بات کہدی ہے، ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے۔

من آنچہ شرط بلاغ ست باتو میگویم	تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

قال: اور ایک مغالطہ امام اعظم کے مقلد حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ جس قدر لوگ اس مذہب کے مقلد ہیں اور کسی مذہب کے بھی نہیں، اور ترمذی میں روایت ہے، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، کہا فرمایا رسول خدا ﷺ نے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ، اَوْ قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ، وَ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔ (۱) یعنی تحقیق اللہ نہیں جمع کرے گا امت میری کو یا کہا بجائے امتی کے امت محمد اوپر گمراہی کے، اور ہاتھ اللہ کا ہے اوپر جماعت کے، اور جو شخص کہ جدا ہے جماعت سے تنہا ڈالا جاوے گا بیچ آگ کے، اور ابن ماجہ میں روایت ہے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کہا

---

(۱)...... ترمذی، ابواب الفتن، باب فی لزوم الجماعة، ج ۲، ص ۳۹، مجلس برکات مبارک پور

فرمایا رسول خدا ﷺ نے: "اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ، فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ" (۱) یعنی پیروی کرو جماعت بڑی کی، پس تحقیق شان یہ ہے جو تنہا ہوا جماعت سے تنہا ڈالا جاوے گا بیچ آگ کے۔

سو جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث "یَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ" اور "اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ" کا یہ مطلب نہیں کہ جس طرف بہت لوگ ہوں حق اور ہدایت پروہی لوگ ہوتے ہیں، اور جس طرف تھوڑے ہوں وہ گمراہ ہوتے ہیں، کیونکہ اگر ان حدیثوں کے یہی معنی لیے جاویں تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ والے نعوذ باللہ منہا سب گمراہ ٹھہرتے ہیں، کیونکہ معرکۂ کربلا میں امام حسین کے ساتھ تو صرف بیاسی آدمی مع ان کے اہل بیت اور خادموں کے تھے، اور عمرو بن سعد کے ساتھ جو کہ امام حسین کے ساتھ لڑنے کو آیا تھا، سوار اور پیادہ بائیس ہزار آدمی تھے، غرض کہ مطلب ان حدیثوں کا یہ ہے کہ جس طرف اکثر مجتہد اور محدث ہیں، وہی گروہ بے بڑا، پس اگر امام اعظم ایک طرف ہوں مثلاً اور نخعی اور حسن بصری اور ثوری اور اسحق اور مالک اور شافعی اور احمد ابن حنبل ایک طرف، پس منصف خود دیکھ لے کہ سواد اعظم اور گروہ بڑا کدھر ہے الخ

کشف کید یک صد و ہفتد ہم
غیر مقلدین سواد اعظم سے خارج ہیں

اقول: حنفیہ اس قول کو بمقابلہ ظاہریہ کے کہتے ہیں کہ یہ لوگ چاروں اماموں کے گروہ سے علیحدہ ہیں، اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد بنائی ہے، یہ لوگ بیشک سواد اعظم کے خلاف ہیں، شافعیہ وغیرہ کو حنفی نہیں کہتے، ان چار مذہب کے حق ہونے میں کچھ کلام نہیں، جو ان میں سے کسی کے قول کا اعتبار نہ کرے گا تو بحکم حدیث شریف "اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ" کے اس پر شذوذ صادق آجاوے گا، اگرچہ ظاہریہ نے جب یہاں کوئی مفر نہیں دیکھا تو حدیث میں اپنی طرف سے تاویل کی، ظاہری الفاظ کو بالکل چھوڑ دیا، حالانکہ یہ ان کے مذہب کے سراسر خلاف ہے کہ احادیث اور قرآن میں تاویل کی جائے، مگر یہاں بغیر تاویل کچھ بنا، کیا کریں، مذہب چھوٹتا ہے، اپنا طریقہ خاص جو اختیار کیا ہے آخر اس کو بھی تو نباہنا چاہیے، لیکن اُن کے ان تاویلات سے کیا ہوتا ہے، احادیث کے الفاظ بیشک ان پر صادق آتے ہیں، البتہ ان کو یہ کہنا چاہیے کہ شذ کے معنی تو یہ ہیں کہ جو بالکل علیحدہ ہو جائے، اور یہ بات ظاہریہ پر صادق نہیں آتی، اس لیے کہ وہ اگرچہ بعض مسائل میں ائمۂ اربعہ کے بالکل برخلاف ہیں، مگر ان کے اکثر مسائل پر عمل کر لیتے ہیں، یہ ہم نے ظاہریہ پر ترحم کرکے تاویل کر دی ہے، ورنہ ان کے خیالات تو اس سے بھی زیادہ فاسد معلوم ہوتے ہیں۔

معرکۂ کربلا کو بطور دلیل پیش کرنے کا جواب

اور معرکۂ کربلا کی سند پیش کرنی بڑی نادانی ہے، اس لیے کہ تواریخ معتبرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معرکہ

---

(۱)...... مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ، ج ۱، ص ۳۰، مجلس برکات مبارک پور

ناگہانی ہو گیا صحابہ کو مطلق خبر نہ ہوئی، اور بعض کو خبر تھی مگر لڑائی کی خبر نہ تھی، یوں جانتے تھے کہ اہل کوفہ نے مشورہ واصلاح کار کے واسطے بلوایا ہے، ورنہ ان کی طرف تو اس قدر صحابہ اور تابعین تھے کہ اس طرف اتنے لوگ ہرگز نہ تھے، بلکہ اس طرف والے کو بخوف جان شریک جنگ تھے مگر اکثر مجبور اور کارہ تھے، آخر حضرت عراقی جمعیت سے اس طرف شریک ہی ہو گئے تھے، معترض صاحب کو اصل قصہ تو معلوم نہیں، فقط اپنی تاریخ دانی کی سند پیش کرتے ہیں۔

مجتہدین کے درمیان بعض احکام میں مخالفت جائز اور واقع ہے

اور امام صاحب کا ایک دو مسئلوں میں مخالف ہونا مضر نہیں، اس قسم کی مخالفت ہر مجتہد میں موجود ہے، امام شافعی درود کو نماز میں فرض کہتے ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ جمہور کے خلاف ہے، امام احمد اور اسحٰق جمعہ کو قبل زوال جائز کہتے ہیں، حالانکہ جمہور کے خلاف ہے، اور لیث بعد نماز فجر اعتکاف میں بیٹھنے کو مسنون کہتے ہیں، اور جمہور رات بھی اس میں داخل کرنے کو مسنون کہتے ہیں، اور عطا ابن ابی رباح تابعی جو امام شافعی اور امام بخاری، اور اکثر محدثین کے اساتذہ میں ہیں، اور سب محدثین ان کو مانتے ہیں، ان کے نزدیک اگر عید جمعہ کے دن واقع ہو تو فقط عید کی نماز واجب ہوتی ہے، اور جمعہ کی اور ظہر کی نماز اس پر واجب نہیں جانتے، غرض عصر تک ان کے نزدیک کوئی نماز نہیں، اور داؤد ظاہری کے نزدیک ماء راکد میں پیشاب کرنا موافق حدیث "لَا يَبُوْلَنَّ" کے جائز نہیں، مگر پاخانہ اس میں پھرنا جائز جانتے ہیں، حالانکہ اس قول کی طرف کوئی بھی نہیں گیا، اسی طرح اگر کوئی برتن میں پیشاب کرے، اور ٹھہرے ہوئے پانی میں ڈال دے، وہ بھی جائز کہتے ہیں، ایسے ہی قریب پانی کے پیشاب کرے اور بہہ کر پانی میں چلا جائے، یہ صورت بھی ان کے نزدیک جائز ہے، حالانکہ تینوں صورتیں خلاف اجماع ہیں، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں تو پانی کے اندر فقط پیشاب کرنے کی ممانعت آئی ہے، اس کے سوا سب صورتیں جائز ہوں گی، اور قیاس کو مطلقاً حرام جانتے ہیں، برخلاف جمہور کے کہ وہ از روئے قیاس کے اسی حدیث سے استنباط کرتے ہیں کہ جب پیشاب کو منع کیا گیا تو پاخانہ بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا، اور غرض پیشاب کرنے کی نہی سے ماء راکد میں یہ ہے کہ اس میں کسی طرح سے پیشاب نہ واقع ہو، پس حضرات ظاہریہ اس صحیحین کے ظاہر الفاظ کو چھوڑ کر قلتین کی حدیث ضعیف پر کاہے کو عمل کریں گے، پس غور کیجیے کہ یہ مذہب اس مسئلے میں کل کے مخالف ہے، پھر کیا بعض بعض مسائل سے خلاف جمہور کرنے میں ائمہ مجتہدین نعوذ باللہ اس حدیث کا مصداق ہو سکتے ہیں؟ کوئی جاہل بھی ایسی بات نہیں کہے گا، ہاں جو لوگ اپنا نام حدیث پر چلنے والا رکھتے ہیں اور اپنے منہ آپ میاں مٹھو بنتے ہیں اور محققین ان کو حدیث کے خلاف عمل کرنے والا سمجھتے ہیں ایسے لوگ بیشک سوادِ اعظم سے خارج ہیں، گو اپنی زبان سے کچھ کہے جائیں، پس معلوم ہوا کہ جمہور کا طریقہ جو ہمیشہ سے تقلید چلا آیا ہے مستحسن ہے، اور ہزار ہا عارف اور قطب اور ابدال ہر مذہب کے مقلدین ہیں، خصوصاً حنفی مذہب کے، اور علمائے محققین نے گو بعض مسائل میں بوجہ مجتہد ہونے کے خلاف کیا ہے، مگر تقلید پہلوں کے اقوال کی ضروری، اپنی طرف سے نیا طریقہ ایجاد نہیں کیا، حضرات ظاہریہ نے تو وہ نئے نئے

رنگ دکھائے جن کی سواد اعظم میں کہیں بو باس بھی پائی نہیں جاتی، بیشک ایسے لوگ خارق اجماع ہیں۔

بڑے بڑے عارفین ومحققین نے تقلید کی ہے

بڑے بڑے محققین اور عارفین اگر تقلید بری چیز ہوتی تو ہرگز اختیار نہ کرتے، حالانکہ ان پر تقلید کچھ ضروری نہ تھی، بایں ہمہ برابر ایک دوسرے کی تقلید کرتے چلے آئے، اور اپنی رائے کو چنداں دخل نہ دیا، پھر کجا عوام کالانعام جن کو یہ بھی خبر نہیں کہ دین کیا چیز ہے، مطلق آن پڑھ ان حضرات ظاہریہ کی بدولت ائمہ کے نسبت انھوں نے کیا کیا زبانیں کھولی ہیں، اور کیسے دلیر ہو گئے، اور یوں سمجھتے ہیں کہ غرض بعثت رسول اللہ ﷺ کی اس زمانہ بعد غدر میں پوری پوری ادا ہوئی، کوئی یہ مضمون نہیں سمجھا تھا، خدائے تعالیٰ نے جیسا کہ نبی آخر الزماں افضل الانبیا کو بھیجا تھا۔

غیر مقلدین کے زعم میں وہی مقبول بارگاہ الٰہی ہیں

اسی طرح یہ حضرات ظاہریہ عمل بالحدیث میں افضل ہیں، سب ائمہ مجتہدین کو بعض بعض حدیثیں میسر نہ آئیں، اور سب نے نعوذ باللہ خلاف حدیث عمل کیا، اور اجتہاد صحابہ وتابعین کا سب کارخانہ پورا پورا ان کے نزدیک مطابق حدیث نہ تھا، اب ان کے پاس سب حدیثیں جمع ہو گئیں، خالص حدیث پر حسب رضائے الٰہی کے عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کسی کو کل احادیث پر جیسا کہ ان کو میسر آیا ہے ان کے خیال خام میں میسر نہ ہوا، اور سب میں قصور رہا مگر بوجہ بے علمی کے سب سے خطائیں معاف کردی جائیں گی، اور حضرات ظاہریہ کو طبقہ اعلیٰ عنایت ہوگا، کیونکہ یہ لوگ جامع جمیع صفات ہیں، خدا اور رسول کا مقصود پورا پورا ان لوگوں نے سمجھا، اور انھیں کے واسطے بعثت نبوی ہوئی، بعض صحابہ کو حدیثیں نہیں ملیں، اور اسی طرح ائمہ اربعہ بھی جملہ احکام کے احادیث کو نہ پہونچے تو ان کے اجتہادات مخالف احادیث کے پڑے، بس خاص مقبول خدا یہی لوگ ہیں، جو باوجود امی ہونے کے برابر احادیث سے مسائل اخذ کر لیتے ہیں، اور کسی کی تقلید ضروری نہیں سمجھتے، اور جب کسی مسئلہ امام کو ائمہ اربعہ سے اپنے اجتہاد مطلق میں حدیث کے مخالف پاتے ہیں، پھر تو ایسے ائمہ پر طعن کرتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید ابھی جبرئیل علیہ السلام ان کو وحی پہونچا کر رخصت ہوئے ہیں، خدا جانے یہ لوگ کس خواب خرگوش میں ہیں، اور شیطان نے ان کے کان میں کیا پھونک دیا ہے، اور تبرا تو اس مسلک کے اعظم ارکان سے ہے، بغیر اس کے کہ جب تک ائمہ اربعہ کو دو چار باتیں لعن طعن کی نہ سنادیں عامل بالحدیث نہیں کہلاتے، غرض جو سب میں زیادہ طعان اور لعان ہے، وہ بڑا پکا مسلمان ہے، خدائے تعالیٰ ایسے احمقوں کے خیالی پلاؤ سے بچاوے، اور ان کے پھندے میں عوام الناس کو نہ پھنساوے، ہم حیران ہیں کہ یہ لوگ اس مسلک ضلالت پر اپنے تئیں پیرو ہدایت کیوں کر جانتے ہیں۔

حالانکہ ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

خدائے تعالیٰ غیر مقلدوں سے خوش نہیں

اور ائمہ سلف اور خلف کی شان میں وہ گستاخیاں کرتے ہیں کہ جن کا حد و پایاں نہیں، پس معلوم ہوا کہ خدائے تعالی اور رسول خدا ان لوگوں سے خوش نہیں، ورنہ ان کے اطوار کی تو ضرور اصلاح ہوجاتی، ان کا دلی اعتقاد ہے کہ ائمہ سے غلطی ہوگئی، ورنہ ان کی طرف مخالفت حدیث کی نسبت نہ کرتے، اور ان کو برانہ کہتے، پس جس قوم کی یہ کیفیت ہو وہ کیا خاک حق پر ہوگی، پس معلوم ہوا کہ بحکم حدیث شریف "خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ الخ" وموافق آیہ "اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ، أُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ "(۱) کے خیریت اور فضیلت متقدمین ہی کے واسطے ہے، اور انہیں کی تقلید میں راہ حق ہے، ان تعصب کی باتوں سے تو علم دین ہزاروں کوس دور ہے، ہم کو ان کی کسی بات کا اعتقاد نہیں، پہلے تو ہم جانتے تھے کہ شاید ان لوگوں میں صلاحیت ہو مگر اب ان کی کتابوں اور گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا خیالی اور خود رائی مذہب ہے، جو ہے وہ مذبذب ہے، اور ٹھیک ٹھیک حدیث پر چلنے والے تو مقلدین ائمہ ہیں، اور یہ لوگ فرقۂ ظاہر یہ مخالف حدیث اور پابند ہوا و ہوس ہیں، ان کے قول اور فعل سے ایسا بھاگنا چاہیے کہ جیسے کوئی دشمن سے بھاگتا ہے، جھوٹی باتوں سے ان لوگوں کو کچھ باک نہیں، دین کی کتابوں میں اس قدر حق کو چھپایا ہے کہ جس کا کچھ حد و پایاں نہیں، فردائے قیامت اس کا کیا جواب دیں گے، افسوس صد افسوس ظاہر میں تو یہ لوگ پابندئ شریعت اور خدا اور رسول کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اور حقیقت میں خلوص دل سے اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔

قدم باید اندر طریقت ندم   کہ بے اصل باشد دمے بے قدم

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ مجتہدوں کا کوئی مسئلہ بھی قرآن اور حدیث کے خلاف نہیں ہے، اور اگر کوئی ہوگا بھی تو اس کا باعث یہ سمجھا جاوے گا کہ اس کو مجتہدوں نے بسبب لائق نہ ہونے عمل کے عمداً ترک کردیا ہوگا، جواب اس کا یہ ہے کہ اس تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقلدین مجتہد سے خطا کے ہونے کے قائل نہیں ہیں، اور قائل نہ ہونا خطا کا مجتہد سے یہ مذہب معتزلہ کا ہے الخ۔

کشف کید یک صد و ہشت و ہم

مسائل اجتہادیہ میں خطا و صواب کا احتمال ہے، مگر جانب صواب کو غلبہ حاصل ہے

اقول: اس کلام سے یہ نہیں سمجھا جاتا ہے کہ احتمال خطا ان سے نہیں، احتمال خطا تو ہر صورت میں ہے، اگر صحیح کے مطابق استنباط ہوگا تو بھی احتمال خطا ہے، فقط خلاف حدیث کی صورت کو رفع خطا میں دخل دینا محض خطا ہے، اگر مجتہد عمداً کسی حدیث کو کسی علت سے ترک کردے، اس کے اجتہاد میں احتمال خطا ہوگا، اور اگر مسئلہ استنباطی اس کا مخالف کسی حدیث کے نہ معلوم ہو تو بھی احتمال خطا سے چارہ نہیں، غرض مسائل اجتہادیہ میں احتمال خطا و صواب ہر صورت میں ہوتا ہے، مخالفت اور

۱.......سورہ واقعہ آیت ۱۰، ۱۱

موافقت کو اس میں کیا دخل؟ جو معترض صاحب نے محض فضول گفتگو کی معلوم ہوا کہ حضرت کو بے ربط الفاظ کہنے میں بھی نہایت ہی مشق ہے، یہاں صواب اور خطا کے مسئلے سے کیا بحث تھی جو معترض صاحب نے اظہار کمال دانائی کیا، حنفیہ ہر صورت میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال رکھتے ہیں، البتہ جانب صواب غالب ہوتی ہے، اور جانب خطا کا احتمال ہوتا ہے، اور اس میں کلام نہیں کہ ائمہ نے بعض مسائل میں بعضے احادیث کو بوجہ کسی علت کے ترک کر دیا ہے اور دوسرا ماخذ اس کا قرار دیا ہے۔

قال: اور ایک مغالطہ مقلدین ائمہ حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ ہم لوگ جو حدیث پر نہیں چلتے ہیں تو وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ حدیث کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں منسوخ موجود ہیں، اور ناسخ اور منسوخ حدیثوں کو ہر شخص پہچان نہیں سکتا، ان کو پہچاننا اور ان کو سمجھنا مجتہدوں کا ہی کام تھا، سو جواب اس کا آٹھ طرح پر ہے، اول یہ کہ ناسخ اور منسوخ حدیث کے سمجھنے کا قاعدہ سب قاعدوں سے آسان ہے، اور اس قاعدے سے ہر ایک عالم بلکہ تھوڑی سی استعداد والا آدمی بھی ناسخ اور منسوخ حدیثوں کو سمجھ سکتا ہے الخ۔

کشف کید یک صد و نوزدہم
ناسخ ومنسوخ آیات واحادیث کا جاننا مشکل ہے

اقول: معترض صاحب نے نسخ میں سند ظاہریہ کی لکھ کر کفایت کی، صاحب دراسات کا قول حنفیہ پر ہرگز حجت نہیں ان کی کتاب حنفیہ کے سراسر خلاف اور خالی از تعصب نہیں، حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نسخ کے بارے میں تصریح نہیں آئی، ہر فرقہ اپنے دلائل پیش کرتا ہے، اور دوسرا اس کو رد کر دیتا ہے، تمام کتابوں میں نسخ کی گفتگو میں کس قدر اختلاف ہے کہ اب تک محققین میں اس کا فیصلہ نہیں ہوا اور کوئی امر قرار نہیں پایا جس سے اطمینان کلی ہو، بہت آیتیں اور حدیثیں ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے، کوئی ان کو منسوخ کہتا ہے، اور کوئی ان پر عمل کر لیتا ہے، اسی گفتگو میں بڑے بڑے محقق تمام عمر بحث کرتے رہے اور کوئی بات طے نہیں ہوئی، معترض صاحب نے ایک ظاہری کا قول کہیں دیکھ لیا، بہت خوش ہو گئے کہ اب فیصلہ ہو جائے گا، یہ قاعدہ بہت آسان ہے، ہم کہتے ہیں کہ زبان سے کہہ دینا بہت آسان ہے، مگر اختلافات کو سمجھ لینا بہت دشوار امر ہے، فقط ان دو قسموں پر حصر کرنا محض غلط اور خلاف نقل اور عقل ہے، البتہ نسخ قطعی جس سے عبارت ہے اس کے واسطے بیشک امورات یقینیہ ہونے چاہئیں، مگر دین فقط یقین ہی پر منحصر نہیں، اکثر احکام ظنی پر بھی برابر عمل ہے، خصوصاً حدیث آحاد کہ وہ ظنی ہوتی ہے، قطعی نہیں ہوتی، بایں ہمہ تمام ظاہریہ بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور صاحب دراسات کا قول نسخ قطعی کے قاعدے پر مبنی ہے، پس منسوخات ظنیہ کو وہ شخص رد کرے گا جو احادیث آحاد کو رد کرے اور اس پر عمل نہ کرے، ہزار ہا احکام ظنی شرع میں موجود ہیں ان کا کوئی انکار نہیں کرتا، مگر تعجب ہے کہ حضرات ظاہریہ نے منسوخ حدیثیں اور آیتیں دس پانچ عدد میں کیوں منحصر کر دیں، یہ قول تو جمہور محققین کے خلاف ہے، چنانچہ تفصیل اس کی آگے بیان ہوگی۔

قولہ: دوم اگر کسی شخص کو کسی حدیث کا ناسخ معلوم نہ ہوا لخ۔

بیان ناسخ و منسوخ

اقول: یہ عجب کلام مہمل ہے، کیونکہ جب تمام کتابیں مبوب اور مفصل ہو گئیں اور ناسخ اور منسوخ کو فقہا نے ممتاز کر دیا، تو اب بھی اگر کوئی شخص محققین کا کلام نہیں دیکھے گا، اور ابتدائے اسلام پر قیاس کر کے بلا وعذر عمل کیے جائے گا اور حدیث حسنہ وغیرہ پر کار بند ہوگا، تو بیشک وہ گونگا رہو گا، یہ عذر اس کا شرع میں ہرگز مسموع نہ ہوگا، اس سے بلا وعذر باز پرس ہوگی کیونکہ ابتدائے اسلام میں لوگ معذور تھے، اب کسی کا کچھ عذر نہیں چل سکتا، البتہ جو منسوخ اختلافی ہے جیسے رفع یدین اور آمین بالجہر کے اس میں امید عفو ہے۔

قولہ: سوم صحیح غیر منسوخ حدیثوں کو الخ۔

امام اعظم کا قول کسی آیت و حدیث کا ناسخ نہیں یہ غیر مقلدین کی بدگمانی ہے

اقول: کوئی شخص کسی حدیث کو امام کے مذہب کے خلاف ہونے سے منسوخ نہیں کہتا، بلکہ اس کے نسخ پر احادیث اور اقوال اور افعال صحابہ دال ہیں، کوئی حدیث ہم کو ایسی بتلائیے کہ جس میں فقط امام کے قول سے اس کی منسوخیت ثابت ہو، ہرگز ہرگز نہیں بتلا سکتے، ہاں جب صحابہ سے جس حدیث کی روایت ہوگی اور ان کا عمل اس کے خلاف پایا جائے گا تو ہم بھی صحابہ پر حسن ظن کر کے اس حدیث پر عمل نہ کریں گے، اور جس وقت خود صحابہ ایک حدیث کی روایت کریں اور دوسرے صحابہ اس کے خلاف روایت بیان کریں تو اس وقت جلیل القدر صحابہ کی حدیث بہ نسبت دوسروں کے زیادہ قابل عمل ہوگی۔

مؤلف ظفر کی بددیانتی

اور تفسیر اتقان میں ابن حصار کا یہ قول نقل کیا ہے، اس کے اول میں لفظ قال موجود ہے، معترض صاحب نے دھوکا دینے کو جلال الدین سیوطی کا قول بتا دیا، اور اگر تسلیم کیا جائے کہ ان کا بھی یہی مسلک ہے، تو اس عبارت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے جو کئی سو آیتوں کو منسوخ کہہ دیا اس کے دفع کے واسطے یہ سند پیش کی ہے، اس کو معترض صاحب نے حدیث پر بھی قیاس کر لیا، حالانکہ حدیث اور قرآن میں بہت فرق ہے قرآن کی آیت میں تو بیشک یہ قاعدہ جو تفسیر اتقان میں لکھا ہے جاری ہو سکتا ہے، اس لیے کہ قطعی کے منسوخ ہونے کے واسطے قطعی ناسخ بھی ہونا چاہیے، جب نہ پایا جائے گا ہرگز آیت منسوخ نہیں ہو سکتی، برخلاف حدیث کے کہ اس میں بوجہ ظنیت کے اس قدر تشدد کی ضرورت نہیں، کیونکہ سوا حدیث متواتر کے سب حدیثیں ظنی ہوتی ہیں، خواہ بخاری کی ہوں یا مسلم کی۔

ثقات کی خبر واحد حجت ہے

چنانچہ امام نووی محدث شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ خبر واحد وہ ہے جس میں شروط متواتر کے نہ پائے جائیں خواہ راوی

اس کا ایک ہو یا زیادہ ہوں، اور اختلاف ہے اس کے حکم میں، پس جس پر کہ جمہور مسلمان صحابہ اور تابعین سے اور بعد ان کے محدثین اور فقہا اور اصحاب اصول ہیں، وہ یہ ہے کہ خبر واحد ثقہ کی ایک حجت ہے حجت شرعیہ سے، عمل اس پر لازم ہے اور فائدہ دیتی ہے ظن کا، اور نہیں فائدہ دیتی علم کا، اور واجب ہونا عمل کا اس پر ہم نے شرع سے معلوم کیا نہ عقل سے، اور ایک جماعت اس طرف گئی کہ عمل حجت عقل سے واجب ہے، اور جبائی معتزلی نے کہا کہ عمل نہیں واجب ہوتا، جب تک دو آدمی دو سے روایت نہ کریں، اور بعضے کہتے ہیں کہ عمل جب واجب ہوتا ہے کہ چار شخص چار شخصوں سے روایت کریں، اور ایک جماعت اہل حدیث سے اس طرف گئی کہ وہ علم کو واجب کرتی ہے، اور بعض ان کے نے کہا کہ وہ علم ظاہر کو واجب کر دیتی ہے، علم باطن کو واجب نہیں کرتی، اور بعضے محدثین اس طرف گئے کہ جو آحاد صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہیں، وہ تو علم کا فائدہ دیتے ہیں اور آحاد نہیں دیتے، اور ہم اس قول کو اور اس کے ابطال کو پہلی فصلوں میں بیان کر چکے ہیں، اور یہ کل اقوال سوائے قول جمہور کے باطل ہیں، لیکن قول اس شخص کا جو علم کو واجب کہتا ہے، پس وہ واسطے اس کے مکابرہ ہے اور کیوں کر علم کا فائدہ دے گا حالانکہ احتمال غلطی اور وہم اور جھوٹ وغیرہ کا اس میں راہ پانے والا ہے انتہی۔ (۱)

پس معلوم ہوا کہ کسی حدیث آحاد میں خواہ صحیحین کی ہو علم یقینی حاصل نہیں ہوتا لہذا اس کے واسطے قرائن وغیرہ جب تک مؤید نہیں ہوں گے باوجود ہونے ناسخ کے عمل نہ کریں گے، اور فرقہ ظاہریہ نے جو کچھ بخاری اور مسلم میں غلو کیا ہے، یہ فقط ان کی تراش خراش ہے، جمہور اس کے قائل نہیں۔

قال: چہارم رسول خدا ﷺ کا ہر آخر فعل اول فعل کا ناسخ نہیں ہوتا الخ۔

حضور کا جو فعل بروایات صحابہ ثابت ہے وہ ناسخ ہے

اقول:- حنفیہ اس کے ہرگز قائل نہیں کہ ہر فعل اخیر ناسخ اول ہے بلکہ وہ فعل ناسخ ہوتا ہے کہ جس میں صحابہ سے روایتیں موجود ہیں کہ اس فعل کو مثلاً رسول اللہ ﷺ کرتے تھے پھر آپ نے اس کو چھوڑ دیا تھا، جیسے جنازے کے واسطے کھڑا ہونا، یا رفع یدین کا کرنا، صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اول کرتے تھے پھر آپ نے ترک کر دیا، ہاں اگر "والمرسلات" کو رسول اللہ ﷺ ہمیشہ مغرب میں پڑھا کرتے اور کسی صحابی سے مروی ہوتا کہ آپ نے اس کو ترک کر دیا تو بیشک ہم بھی اس کو ترک کر دیتے، اسی طرح اعتکاف اخیر فقط ایک بار اخیر میں واقع ہوا، اس سے ترک سابق نہیں لازم آتا، ورنہ کسی صحابہ سے ضرور روایت ہوتی، حالانکہ کسی صحابی سے مروی نہیں کہ آپ نے دس دن کا اعتکاف ترک کر دیا تھا، بلکہ یہ صورت اتفاقی تھی، ورنہ صحابہ بیس دن کا اعتکاف کرتے، پس جب تک صحابہ سے ہم کو ثابت نہ ہو گا ہرگز اس عمل کو ترک نہیں کر سکتے، اور ہر حدیث خواہ منسوخ ہو، خواہ اجماع صحابہ کے خلاف ہو، حضرات ظاہریہ اس پر حدیث سمجھ کر عمل کر لیتے ہیں، حنفیہ اس میں نہایت احتیاط کرتے ہیں، پس حنفیہ کی طرف

---

(۱) ......شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۲

سے اس قاعدے کو خود ایجاد کرنا عین مغالطہ ہے، حنفیہ اس قاعدے کے ہرگز قائل نہیں۔

غیر مقلدین پر الزامی جواب

علاوہ اس کے بخاری شریف میں لکھا ہے "وَاِنَّمَا یُوْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِیِّ ﷺ "(۱) یعنی نہیں اخذ کیا جاتا فعل رسول اللہ ﷺ سے مگر آخر فآخر انتہی۔

پس ظاہر یہ پر واجب ہو گیا کہ مغرب میں "والمرسلات" پڑھا کریں، اور رمضان میں بیس روز کا اعتکاف کیا کریں ورنہ خلاف بخاری لازم آئے گا، اور اعتبار کتب حدیث میں رخنہ پڑ جائے گا، ذرا اس کا پہلے خیال کیجیے تو پھر دوسروں کو الزام دیجیے ۔

چوں نداری کمال فضل آں بہ ۔۔۔ کہ زبان در دہاں نگہداری

قال: پنجم اگر کوئی شخص احتمال کے ساتھ یا بدون دلیل کے کسی حدیث کو منسوخ کہہ دے تو ماننا نہ چاہیے الخ۔

بغیر دلیل قوی کے حنفیہ کسی آیت و حدیث کو منسوخ نہیں کہتے

اقـــول : کوئی شخص احتمال اور بدون دلیل کے حدیث کو منسوخ نہیں کہتا، معترض صاحب نے بے فائدہ آٹھ جوابوں کا نام لیا، اگر ایسے ہی جوابوں کا نام جواب ہے تو ہم پچاس جواب لکھ کر مثل معترض صاحب کے ورق سیاہ کر دیں گے، مگر عقلا خوب جانتے ہیں کہ سب جواب رکیک اور واہوائی ہیں، حنفیہ کسی حدیث کو بغیر دلیل قوی منسوخ نہیں کہتے، گو مخالفین اس کو نہ مانیں کہ ان کے نہ ماننے کو خدا اور رسول نے ہم پر کچھ حجت نہیں گردانا، اور نہ دین کو کسی کے ماننے نہ ماننے پر موقوف رکھا ہے۔

قال: ششم یہ جو بعض لوگ بعض حدیثوں کو بسبب اپنے مذہب کے خلاف ہونے کے ظن سے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ خاصہ تھا آنحضرت ﷺ کا سو یہ ہرگز قابل اعتبار اور لائق ماننے کے نہیں ہے الخ۔

مؤلف ظفر کا اتہام اور کذب بیانی

اقـــول : زرقانی کے قول پر معترض صاحب اگر عمل کرتے تو آیت عام کو حدیث آحاد ظنی سے خاص نہ کرتے اور قرآن کے مخالف اگر حدیث آحاد ہوتو اس پر عمل نہ کرتے، اور اگر ظن سے مراد فقط ظن عقل ہے تو حنفیہ کسی حدیث کو رسول اللہ ﷺ کا خاصہ بغیر دوسری حدیث کے نہیں کہتے، بعد عصر کے نماز کو بوجہ ورود نہی کے خاصہ آنحضرت ﷺ کا کہتے ہیں، غرض معترض صاحب نے فقط رطب و یابس جوابات جمع کر دیے ہیں، اور کوئی اس طرح نہیں بیان کیا کہ فلاں صورت میں حنفیہ یوں کہتے ہیں اور ان کے جواب سے عوام کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حنفیہ شاید اس کے قائل ہوں، حالانکہ حنفیہ اس سے مراحل دور ہیں، معترض صاحب نے ان جوابات میں مغالطہ کی خوب رعایت کی ہے کہ دوسرا آدمی جانے کہ حنفیہ کا یہی مذہب ہوگا، یہ محض ان پر اتہام

۱۔۔۔۔۔۔صحیح بخاری، ص۹۶

ہے، وہ ہرگز ہرگز ان احتمالات کے قائل نہیں، معترض صاحب کی فقط تراشیدہ وخانہ ساز گفتگو ہے۔

قال: ہفتم جہاں دو حدیثوں میں آپس میں تعارض معلوم ہو وہاں بلا دلیل ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ نہ کہہ دینا چاہیے بلکہ جہاں تک ممکن ہو ان میں موافقت دینی چاہیے الخ

تطبیق احادیث میں ظاہریہ کا دعویٰ مبنی بر کذب ہے

اقول: دو حدیثوں میں تطبیق جیسا کہ حنفیہ نے دی ہے کسی کو بھی آج تک میسر نہیں ہوئی اور ظاہریہ کا محض اس میں دعویٰ ہی دعویٰ ہے، وہ مطلق تطبیق نہیں جانتے اور یہ ظاہر ہے کیونکر جانیں گے کہ ان کی نظر تو صرف الفاظ پر ہے معنی اور مقصود کے دشمن جاتی ہیں، خصوصاً امام بخاری اور مسلم کے الفاظ پر تو ایسے گرتے ہیں کہ پھر دایاں بایاں آگا پیچھا مطلق نہیں دیکھتے کہ صحابہ کا کیا عمل تھا اور انہوں نے اس حدیث پر عمل کیا ہے یا نہیں، یا ائمہ مجتہدین نے اس حدیث کے کیا معنی لکھے ہیں اور جہاں امام بخاری اور امام مسلم کی روایت ہوئی وہاں ان کی نظر میں کیسی ہی دوسری روایت صحیح ہو تطبیق تو درکنار فوراً اس کے مقابل انکار کر بیٹھتے ہیں، اور یوں اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان دونوں کے خلاف جس کسی نے جو کچھ کہا سب مردود ہے، گویا صحت کو منحصر اسی میں سمجھتے ہیں، اگر صحیحین کی کوئی حدیث موافق ہوتی ہے تو اس کو حجت گردانتے ہیں اور اگر کوئی حدیث مخالف ہوگی اور وہ بھی فقط ان کی رائے ناقص میں مخالف ہے محققین کے نزدیک مخالف نہیں اور تطبیق بھی اس کی موجود ہے تو یہ لوگ اس حدیث کو ہرگز نہیں مانتے ہیں، اور اس پر عمل کرنے والے کو خلاف خدا اور رسول کے جانتے ہیں، پھر ان کا یہ کہنا کہ ان میں موافقت کرنی چاہیے محض زبانی دعویٰ ہے، چنانچہ ان سو مسئلوں کے جوابات کو ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ حنفیہ نے متعارض دو حدیثوں میں تطبیق دی ہے یا ظاہریہ نے، ان لوگوں کو تو اتنی لیاقت اور استعداد کہاں جو تطبیق دے سکیں، فقط اپنے خیال میں حدیث بخاری اور مسلم کا جو ترجمہ سمجھ لیتے ہیں ان کو خاص مقصود رسالت پناہ ﷺ سمجھتے ہیں، غرض تو سخیالیان پر ایسی غالب آئی ہے کہ سوفسطائیہ کو بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔

قال: ہشتم سید محمد صدیق حسن خان صاحب نے اپنے ”رسالہ افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ“ میں لکھا ہے کہ نزدیک شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ الحرانی کے منسوخ حدیثیں کل دس ہیں الخ۔

کشف کید یک صد و ہستم

آیات منسوخہ کو پانچ اور احادیث منسوخہ کو صرف دس میں منحصر کرنا جمہور محققین کے خلاف ہے

اقول: یہ جواب آپ کا قابل جواب ہے اس کا جواب خوب گوش ہوش سے سن لیجیے، اول تو یہ سنئے کہ فقط پانچ آیتیں منسوخ کہنی صریح غلطی ہے، اس لیے کہ نسخ میں اختلاف ہے، بعضے تو کہتے ہیں کہ تینتالیس سورتوں میں بالکل ناسخ اور منسوخ نہیں، اور پچیس سورتوں میں ناسخ اور منسوخ دونوں طرح کی آیتیں پائی جاتی ہیں، اور چھ سورتوں میں فقط ناسخ ہے منسوخ نہیں، اور چالیس میں فقط منسوخ آیتیں ہیں، ناسخ نہیں، اور بعضے کہتے کہ جن آیتوں میں کفار سے اعراض کرنے کا حکم ہے وہ بھی

آیت سیف سے منسوخ ہیں، مگر جلال الدین سیوطی تفسیر اتقان میں بیس آیتیں منسوخ ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اور اس قول کو محققین کی طرف نسبت کرتے ہیں، چنانچہ تفصیل سب مذاہب کی تفسیر اتقان کی سینتالیسویں قسم میں مذکور ہے، پس معترض صاحب کا یہ کہنا کہ منسوخ آیتیں پانچ سے زیادہ نہیں، خلاف جمہور محققین ہے، کوئی دلیل اس پر نہیں، اب حدیثوں کو سنیے کہ دس حدیث کو فقط منسوخ کہہ دینا بھی جمہور کے خلاف ہے، کوئی دلیل اس پر نہیں پائی جاتی ہے، بجز اس کے کہ معترض صاحب نے ابن جوزی کی تقلید جامد کی ہے، حالانکہ ابن جوزی کا قول منسوخ اور موضوع کہنے میں محققین محدثین کے نزدیک بالکل پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، موضوع میں تو ان کا یہ تشدد کہ صحیح حدیثوں کو بھی موضوع کا حکم لگا دیا اور منسوخ میں یہ مساہلہ کہ کل دس ہی میں حصر کر دیا، خیر انھوں نے تو ایسا کیا مگر معترض صاحب کیوں ان کے قدم بقدم چلے؟ اب منسوخات سنیے۔

بخاری شریف میں ہے "قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: قَوْلُهُ: وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا، هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا وَّالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ، لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ "(۱) یعنی کہا حمیدی نے: فرمانا رسول اللہ ﷺ کا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، یہ قول پہلے مرض کا ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور آدمی پیچھے آپ کے کھڑے ہوئے تھے نہیں حکم کیا ان کو بیٹھنے کا اور نہیں اخذ کیا جاتا مگر آخر فعل رسول اللہ ﷺ کا ہی۔

اور مسلم شریف میں ہے "عَنِ ابْنِ الْمُغَفَّلِ قَالَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلَابِ ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ "(۲) یعنی ابن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہا انھوں نے: حکم دیا رسول اللہ ﷺ نے کتوں کے مار ڈالنے کا، پھر فرمایا ان سے اور کتوں سے کیا علاقہ پھر رخصت دی شکاری کتے اور ریوڑ کے کتے میں۔

اور شرح مسلم نووی میں ہے "ذَكَرَ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي هٰذَا الْبَابِ الْأَحَادِيْثَ الْوَارِدَةَ بِالْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ، ثُمَّ عَقَّبَهَا بِالْأَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ بِتَرْكِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ، فَكَأَنَّهُ يُشِيْرُ إِلٰى أَنَّ الْوُضُوْءَ مَنْسُوْخٌ، وَهٰذِهٖ عَادَةُ مُسْلِمٍ وَّغَيْرِهٖ مِنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ يَذْكُرُوْنَ الْأَحَادِيْثَ الَّتِي يَرَوْنَهَا مَنْسُوْخَةً ثُمَّ يُعَقِّبُوْنَهَا بِالنَّاسِخِ "(۳) یعنی امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں وہ حدیثیں ذکر کیں جن میں "مَا مَسَّتِ النَّارُ" سے وضو وارد ہے، پھر ان کے پیچھے وہ حدیثیں بیان کیں جو ترک وضو میں وارد ہیں، پس گویا وہ اشارہ کرتی ہیں طرف اس کے کہ وضو منسوخ ہے، اور یہ عادت مسلم وغیرہ ائمہ حدیث کی ہے کہ اول منسوخ احادیث کو روایت کرتے ہیں اس کے بعد ناسخ

۱......بخاری شریف، ص ۹۶، مجلس برکات مبارک پور
۲......مسلم، ج ۲، ص ۲۰، رضا اکیڈمی ممبئی
۳......شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۵۶، مجلس برکات مبارک پور

احادیث لاتے ہیں، انتہی۔

چند منسوخ احادیث

غرض اس قسم کی بہت سی حدیثیں منسوخ موجود ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور داؤد ظاہری کے نزدیک جوانی میں بھی رضاع ثابت ہو جاتا ہے، اور جمہور کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے یا اپنے مورد میں خاص ہے، اسی طرح " لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ " کی حدیث بھی جمہور کے نزدیک سوائے شافعیہ کے منسوخ ہے، اسی طرح اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء جانے کی حدیث جمہور کے نزدیک سوائے حنابلہ کے منسوخ ہے اور بنایہ میں لکھا ہے " عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْفَعُ يَدَيْهِ كُلَّمَا رَكَعَ وَكُلَّمَا رَفَعَ، ثُمَّ صَارَ إِلَى افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ، وَتَرَكَ مَا سِوٰى ذٰلِكَ. وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ مِنَ الرُّكُوْعِ، فَقَالَ لَهُ، فَإِنَّ هٰذَا شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ تَرَكَهُ "(١) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا انھوں نے، تھے رسول اللہ ﷺ اٹھاتے ہاتھوں کو جب رکوع کرتے، اور جب سر اٹھاتے، پھر رجوع کیا آپ نے طرف شروع نماز کے، یعنی تکبیر تحریمہ میں، اور ماسوا اس کے کو ترک کر دیا، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہاتھ کو رکوع میں اٹھاتا تھا، پس فرمایا: مت کر اس لیے کہ یہ ایک شی ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے پھر چھوڑ دیا اس کو، انتہی۔

علامہ ابن جوزی کے کلام کا جواب

اور جو ابن جوزی نے ان دونوں حدیثوں میں کچھ کلام کیا ہے، اس کا بھی جواب بنایہ میں ہے: " قُلْتُ: قَوْلُهُ: لَا يُعْرَفَانِ أَصْلًا لَا يَسْتَلْزِمُ عَدَمَ مَعْرِفَةِ أَصْحَابِنَا هٰذَا، وَدَعْوَى النَّافِيْ لَيْسَتْ بِحُجَّةٍ عَلَى الْمُثْبِتِ، وَأَصْحَابُنَا أَيْضًا ثِقَاتٌ لَا يَرَوْنَ الْإِحْتِجَاجَ بِمَا لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَهُمْ صِحَّتُهُ، لِأَنَّ هٰذَا أَمْرُ الدِّيْنِ فَالْمُسْلِمُ لَا يَسْتَهْزِيْ فِيْهِ، وَيُؤَيِّدُ مَا رُوِيَ مِنْ عَدَمِ الرَّفْعِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ مَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ حَدِيْثُ ابْنِ أَبِيْ دَاوٗدَ، قَالَ أَنْبَأَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُسَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيْرِ الْأَوَّلِ مِنَ الصَّلٰوةِ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ: فَهٰذَا ابْنُ عُمَرَ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَرْفَعُ ثُمَّ تَرَكَ هُوَ الرَّفْعَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ: فَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ إِلَّا وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُ نَسْخُ مَا كَانَ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ فَعَلَهُ، وَإِسْنَادُ مَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ صَحِيْحٌ، وَأَخْرَجَهُ أَيْضًا ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهِ، حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِيْ أَوَّلِ مَا يَفْتَتِحُ "(١) یعنی میں کہتا ہوں کہ قول ابن جوزی کا کہ یہ دونوں حدیثیں نہیں پہچانی جاتیں

(١)......بنایہ للعینی، کتاب الصلوۃ، ج ٢، ص ٢٥٨، ٢٥٩

نہیں مستلزم ہے اس کو کہ ہمارے اصحاب بھی ان کو نہ پہچانیں، اور نفی کرنے والے کا دعوی ثابت کرنے والے پر حجت نہیں، اور اصحاب ہمارے بھی ثقہ ہیں اس کو حجت نہیں گردانتے جو ان کے نزدیک صحیح نہ ہو اس لیے کہ یہ کام دین کا ہے، پس مسلمان اس میں استبعاد نہیں کرتا، اور تائید کرتی ہے حدیث عدم رفع کی وہ حدیث جو امام طحاوی نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کہا نماز پڑھی میں نے پیچھے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پس نہیں اٹھاتے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو مگر پہلی تکبیر میں نماز سے، کہا امام طحاوی نے پس یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے، پھر انھوں نے بعد وفات رسول اللہ ﷺ کے ترک کر دیا، پس نہ ہوگا یہ مگر اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک منسوخ ہونا اس فعل کا ثابت ہو گیا ہوگا اور اسناد روایت طحاوی کی صحیح ہے اور اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں بھی مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہا انھوں نے نہیں دیکھا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہوں مگر وقت شروع کے انتہی۔ غرض عدم رفع کی اور بہت حدیثیں صحابہ سے مروی ہیں فقط تیمناً کی حدیثیں لکھ دی ہیں۔

اور در بارۂ اخفائے آمین کے کفایہ میں لکھا ہے "مَذْهَبُنَا مَذْهَبُ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: تَرَكَ النَّاسُ الْجَهْرَ بِالتَّأْمِيْنِ وَمَا تَرَكُوْهُ إِلَّا لِعِلْمِهِمْ بِالنَّسْخِ"(۲) یعنی ہمارا مذہب مذہب عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود کا ہے، فرمایا عبد اللہ بن مسعود نے آدمیوں نے جہر آمین کو ترک کر دیا، اور نہیں ترک کیا انھوں نے مگر بوجہ علم ہونے کے ان کو ساتھ منسوخیت اس کی کے انتہی۔

اور حدیث مصراۃ کو بھی عقود الجواہر میں بدلائل عقلیہ ونقلیہ منسوخ لکھا ہے، اور نواب صاحب امیر بھوپال جو مؤلف صاحب کے پیشوایان متقدین سے ہیں حصول المامول میں لکھتے ہیں کہ جمہور اس طرف گئے ہیں کہ فعل سنت سے قول کو منسوخ کرتا ہے جیسا کہ قول فعل کو منسوخ کر دیتا ہے اور یہ حدیث میں اکثر واقع ہے اور اس میں قول آنحضرت ﷺ کا واسطے سارق کے کہ اگر وہ پانچویں مرتبہ چرالے تو قتل کرو اس کو پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اور آپ نے اس کو قتل نہ کیا پس یہ ترک کرنا آپ کے قول کا ناسخ ہوگا، اور فرمایا شیب بدلے شیب کے سو درے لگانا اور سنگسار کرنا ہے پھر رجم کیا ماعز کو اور کوڑے نہ لگائے اور صحیح حدیث میں ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ جنازے کے واسطے کھڑے ہوئے پھر اس کو چھوڑ دیا، اور ثابت ہوا ہے آنحضرت ﷺ سے کہ تم نماز پڑھو جیسے مجھ کو پڑھتے دیکھو، پھر کیا آپ نے خلاف اس کے جو کیا کرتے تھے اور ترک کر دیا بعض اس کے کو جو کرتے تھے، پس یہ نسخ ہوگا اور یہ حدیث میں بکثرت ہے واسطے اس شخص کے جو تلاش کرے اس کو اور اس کو منع کرنے والا کوئی دلیل نہیں رکھتا نہ عقل سے اور نہ شرع سے انتہی۔(۳)

پس معترض صاحب کا دس میں حصر کرنا باطل ہو گیا اگرچہ وہ منسوخ احادیث جن پر تمام امت کا اتفاق ہے کمتر ہیں مگر

۱...... بنایہ للعینی، کتاب الصلوۃ، ج ۲، ص ۲۵۸، ۲۵۹

۲...... کفایہ باب صفۃ الصلوۃ

۳...... حصول المامول، ص ۸۲

مختلف فیہ منسوخ تو بہت ہیں، اور مختلف فیہ جو منسوخ ہو اس پر آدمی عمل کیے جائے اس کا ثبوت کہیں حدیث اور قرآن سے نہیں پایا جاتا بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ متفق اور مختلف تمام منسوخات سے بچے ورنہ ارتکاب مشتبہات لازم آئے گا۔

قولہ: نویں حدیث مسند امام احمد الخ۔

اقول: معترض صاحب نے افطار محجوم کی ناسخ حدیث تو بیان کر دی مگر حاجم کا افطار کہاں سے منسوخ کریں گے

قولہ: لیکن سوائے ان دس حدیثوں کے جن جن اور حدیثوں کو بعض علما نے منسوخ ٹھہرایا ہے الخ

اقــــول: کل ان حدیثوں کو جو معترض صاحب نے نقل کیا ہے علما منسوخ نہیں کہتے بلکہ اور حدیثیں بھی جو ہم نے ابھی نقل کی ہیں علما منسوخ کہتے ہیں۔

قال: جواب اس حدیث کا تو یہ ہے کہ کہا ترمذی نے یہ حدیث ضعیف ہے اور حدیث ضعیف لائق حجت پکڑنے کے نہیں ہوتی الخ۔

حضور کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بوجہ عذر تھا

اقول: حاکم اور بیہقی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے "اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَالَ قَائِماً لِجُرْحٍ مَابِضِهٖ" (۱) یعنی تحقیق رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب اپنے گھٹنے کے زخم کے سبب سے کیا تھا انتہی۔

اور مرقاۃ میں ہے "قَالَ اَبُو اللَّيْثِ رَخَّصَ بَعْضُ النَّاسِ بِاَنْ يَّبُوْلَ قَائِماً وَكَرِهَهٗ بَعْضُ النَّاسِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَبِهٖ نَقُوْلُ" (۲) یعنی کہا ابو اللیث نے کہ بعض آدمیوں نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی رخصت دی اور بعض نے اس کو بلا عذر مکروہ جانا اور ہم اسی کے قائل ہیں انتہی۔ پس قول عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس پر محمول ہے کہ بلا عذر نہیں چاہیے۔

بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کو منع کرنا بھی اسی پر محمول ہوگا، اور امام شافعی سے بھی منقول ہے کہ عرب کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو پیٹھ اور کمر کے درد کے واسطے شفا جانتے ہیں، شاید رسول اللہ ﷺ کو پیٹھ یا کمر کا درد ہوگا جو آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ورنہ عادت نبوی ﷺ یوں نہ تھی، اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی، بوجہ وقوع نجاست کے اس لیے آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا، پس جب حاکم اور بیہقی سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان دونوں حدیثوں کی مؤید روایت موجود ہے کہ بوجہ زخم کے تھا اور محققین سے بھی یہی منقول ہوا کہ وہ عذر پر محمول کرنے کو بہتر جانتے ہیں، پس ہم کس طور سے امام شعرانی کے اس قول کو تسلیم کرلیں کہ وہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا رخصت ہے، اور بیٹھ کر پیشاب کرنا عزیمت ہے، حالانکہ جمہور علما کے نزدیک بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ ہے کہ اس طور میں اکثر چھینٹیں پیشاب کی

۱۔۔۔۔۔۔مرقاۃ باب آداب الخلاء ج ۱، ص ۲۹٦، اصح المطالب میشی ۲۔۔۔۔۔۔مرجع سابق

پاؤں پر پڑ جاتی ہیں، اور نہ آنحضرت ﷺ کی کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی عادت تھی، ہاں جو دوایک مرتبہ ایسا ہوا سو وہ بعذر تھا اور تقریر معترض صاحب سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کو ایستادہ ہوکر پیشاب کرنے سے رغبت زیادہ ہے کیا ہوا طہارت اور پاکیزگی اگر نسلاً بعد نسل آبائی اور اجدادی ہوتی تو ہرگز طبیعت اس طرف نہ جاتی، اور یہ چال کفار کی پسند نہ آتی، لیکن حضرت تو اب مسلمان ہوئے ہیں اور دل میں وہی خو بو باپ دادوں کی سمائی ہے بیچ ہے۔ ع

وجہ ثمر زرگ ور شئے درخت خبر   تخمہائے پدر از پسر شود پیدا

قولہ: مگر کتے اور خنزیر کا چمڑا دباغت دینے سے بھی پاک نہیں ہوتا الخ۔

دباغت سے کتے کی جلد پاک نہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے

اقول: اس پر کوئی دلیل حدیث اور قرآن سے پائی نہیں جاتی کہ کتے کا چمڑا بھی دباغت سے پاک نہ ہو بلکہ حدیث میں ہر چمڑے کی طہارت دباغت سے معلوم ہوتی ہے اور خنزیر کا چمڑا بوجہ ورود آیت کے اس سے مستثنیٰ ہے اور کتے میں نہ کوئی آیت آئی اور نہ کوئی حدیث وارد ہے کہ اس کا چمڑا دباغت سے ناپاک رہتا ہے، چنانچہ بیان اس کا ستر ہویں مغالطے کے جواب میں گزرا۔

قال: جواب یہ کہ حضرت کا آخر فعل وضو نہ کرنا ثابت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا الخ۔

معترض صاحب کا امام بخاری اور نواب بھوپالی کی مخالفت اور صاحب دراسات کی تقلید

اقول: یہ قول معترض صاحب کا امام بخاری کی عبارت کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ اسی جواب میں ہم نے ان کی عبارت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر فعل رسول اللہ ﷺ پر عمل کیا جائے گا، ورنہ نماز میں مقتدیوں کو بیٹھنا جب کہ امام بیٹھا ہو جائز ہو جائے گا، پس جیسے اس میں یوں نہیں کہہ سکتے کہ بیٹھنا بھی جائز ہے اسی طرح اس میں قیاس کرنا چاہیے اور نواب صاحب بھوپال کی عبارت جو ہم نے اسی جواب میں نقل کی ہے اس کے بھی یہ قول مخالف ہے، کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ جمہور کا یہ مذہب ہے کہ فعل قول سے اور قول فعل سے منسوخ ہو جاتا ہے، علاوہ اس کے حدیث "تَوَضَّؤُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرنا واجب ہے، اور اس سے دونوں امر یعنی وجوب اور استحباب نہیں پائے جاتے، فقط ایک صورت نکلی پڑے گی پس جبکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوا کہ آپ نے ایسی چیز کے کھانے سے وضو کرنے کو نہیں فرمایا پس اس حدیث کے منسوخ ہونے میں تو کچھ کلام نہ رہا، اب استحباب وضو کا اور حدیث سے ہوگا اس سے کیوں کر ہو سکتا ہے، اس میں اگر پہلے استحباب ہوتا تو اب بھی باقی رہتا، حالانکہ پیشتر کے استحباب کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ الفاظ سے نکلتا ہے، اور یہ کہنا کہ رفع وجوب سے استحباب باقی رہتا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، ورنہ جمہور استحباب کے ضرور قائل ہوتے،

۱......رواہ احمد ج ۲ ص ۲۶۵ دار احیاء التراث العربی بیروت

پس جواز وضوء منسوخیت حدیث میں کلام نہیں، غرض حدیث کا جو حکم ہے وہ قطعاً منسوخ ہے اسی کا نام منسوخ قطعی ہے، کچھ خاص تصریح قولی پر منسوخیت منحصر نہیں، ورنہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو جائے گا، کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی تصریح نہیں، جس کے معترض صاحب قائل ہیں، بلکہ فقط فعل آخری رسول اللہ ﷺ کا بیٹھ کر پڑھنا اور مقتدیوں کا کھڑا رہنا پایا گیا ہے، اس سے جمہور نسخ کے قائل ہو گئے ہیں اور امام بخاری بھی اسی کے قائل معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ پیشتر ہم عبارت ان کی نقل کر چکے ہیں، شاید معترض صاحب نے یہ مقام بخاری کا نہیں دیکھا جو صاحب دراسات کی تقلید کی۔

قولہ: حدیث پنجم مسند امام احمد اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں روایت ہے طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے الخ

اقول: یہ حدیث بسرہ کی حدیث سے قوی ہے، چنانچہ تحقیق اس کی مولویوں مغالطے کے مسئلہ اول کے جواب میں خوب مفصل موجود ہے ملاحظہ فرمائیے۔

قولہ: لیکن مکے میں نماز پڑھنی ہر وقت جائز ہے جیسا کہ امام احمد الخ۔

معترض صاحب کی کج فہمی

اقول: عجب تماشے کی بات ہے کہ صحیحین وغیرہ کی حدیثیں جن میں اوقات مکروہہ کی تصریح ہے ان کو تو ترمذی اور ابوداؤد کی حدیث سے خاص کیا جائے اور ترمذی اور ابوداؤد کی حدیث کو ان حدیثوں سے خاص نہ کیا جائے، اور فقط ایک حدیث مسند امام احمد اور رزین کو متواتر حدیثوں پر ترجیح دی جائے، اور ان کو اس حدیث سے خاص کر لیا جائے، حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے چنانچہ فتح القدیر میں لکھا ہے "وَهُوَ مَعْلُولٌ بِأَرْبَعَةِ أُمُورٍ: انْقِطَاعُ مَا بَيْنَ مُجَاهِدٍ وَأَبِي ذَرٍّ فَإِنَّهُ الَّذِي يَرْوِيهِ عَنْهُ، وَضَعْفُ ابْنِ الْمُؤَمَّلِ وَضَعْفُ حُمَيْدٍ مَوْلَى عَفْرَاءَ، وَاضْطِرَابُ سَنَدِهِ، وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَأَدْخَلَ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ بَيْنَ حُمَيْدٍ هَذَا وَبَيْنَ مُجَاهِدٍ، وَرَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ سَالِمٍ فَأَسْقَطَهُ مِنَ الْبَيْنِ" (۱) یعنی یہ حدیث چار وجہوں سے معلول ہے، انقطاع درمیان مجاہد اور ابوذر کے، کیونکہ مجاہد ابوذر سے روایت کرتے ہیں اور ضعیف ہونا ابن مؤمل راوی کا، اور ضعیف ہونا مولی عفرا راوی کا، اور اضطراب اس کی سند کا جو بیہقی نے روایت کی اس میں قیس بن سعد کو درمیان حمید اور مجاہد کے داخل کیا، اور سعید بن سالم نے اسکو درمیان سے اڑا دیا تھی۔ پس اس حدیث کو بوجہ ضعف کے ترک کر دینا چاہیے اور ان دونوں حدیثوں میں یوں تطبیق دی جائے کہ چونکہ وہ لوگ بعض اغراض فاسدہ سے بعض اوقات میں طواف اور نماز سے آدمیوں کو منع کرتے تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو خاص خطاب کر کے فرمایا کہ نماز اور طواف سے کسی کو

۱......فتح القدیر

منع نہ کیا کرو، جب چاہے پڑھے اور طواف کرے پس اس قول میں اوقات مکروہہ کو شامل کرنا بڑی کج فہمی ہے، اور نہایت ہٹ دھرمی

تعصب نے انصاف کو کھو دیا   حسن نے تو بہتوں کو اندھا کیا

یہی جیسا ملا علی قاری بھی مرقات میں لکھتے ہیں، اور ترمذی میں ہے "وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَنْ بَعْدَهُمْ الصَّلٰوةَ بِمَكَّةَ أَيْضًا بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ، وَبِهِ يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَبَعْضُ أَهْلِ الْكُوْفَةِ" (۱) یعنی تحقیق مکروہ جانا ایک قوم نے اہل علم سے صحابہ رسول اللہ ﷺ سے اور جو بعد ان کے ہیں نماز پڑھنے کو مکے میں بھی بعد عصر اور بعد فجر کے، اور اسی کے قائل ہیں سفیان ثوری اور امام مالک اور بعض اہل کوفہ انتہی۔

قال: حدیث دوم مسلم میں روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جمع کی نماز رسول اللہ ﷺ نے درمیان ظہر اور عصر کے اور مغرب اور عشا کے مدینے میں سوائے خوف اور سوائے مینہ کے الخ

کشف کید یک صد و بست و یکم

جمع بین الصلاتین کا مسئلہ

اقول: ترمذی میں ہے "جَمِيْعُ مَا فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ مِنَ الْحَدِيْثِ هُوَ مَعْمُوْلٌ بِهِ وَبِهِ أَخَذَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، مَا خَلَا حَدِيْثَيْنِ حَدِيْثَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالْمَدِيْنَةِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا سَفَرٍ وَّلَا مَطَرٍ وَحَدِيْثَ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ إِذَا شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ" (۲) یعنی تمام حدیثیں جو اس کتاب میں ہیں ان پر عمل ہے، اگرچہ بعض اہل علم نے اخذ کیا ہو ماسوا دو حدیثوں کے، ایک تو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا کو بغیر خوف اور بلا سفر اور بلا بارش کے جمع کیا، اور دوسری حدیث رسول اللہ ﷺ کی کہ فرمایا آپ نے جب وہ شراب پیے پس درے لگاؤ اس کے پس اگر پھر پیے چوتھی بار پس قتل کرو اس کو انتہی۔

اس عبارت ترمذی سے معلوم ہوا کہ ظاہر اس حدیث ابن عباس کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا بلکہ اس میں حنفیہ جمع صوری مراد لیتے ہیں، اور یہ صورت آیت "إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا" (۳) کے زیادہ مناسب ہے، یعنی نماز مسلمانوں پر فرض وقت معین کیا گیا ہے انتہی

جمع بین الصلاتین کی حدیث منسوخ ہے یا جمع صوری پر محمول ہے۔

۱۔۔۔۔۔۔ترمذی، ج۱، ص۲۶، باب ما جاء في الصلوة بعد العصر، مجلس برکات مبارک پور

۲۔۔۔۔۔۔ترمذی، کتاب العلل، ص۲۳۶، مجلس برکات مبارک پور

۳۔۔۔۔۔۔سورہ نساء، آیت ۱۰۳

اور صحیحین میں جو حدیث عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرتے سوائے عرفہ اور مزدلفہ کے نہیں دیکھا اس حدیث کے مخالف نہ ہوگی، ورنہ قرآن اور صحیح بخاری اور خود صحیح مسلم کے خلاف ہو جائے گی اور معترض صاحب تو خود فرما چکے ہیں کہ جہاں تک ہو تطبیق دینی چاہیے، یہاں ان کو کیا ہو گیا کہ فقط اپنے مذہب کی تقلید سے قرآن اور حدیث صحیح کو اس حدیث کی وجہ سے کہ جس میں کہیں تصریح ایک وقت کے جمع ہونے کی بھی نہیں چھوڑ بیٹھے، شاباش، مرحبا، تقلید جامد اسی کو کہتے ہیں خود را فضیحت دیگراں را نصیحت، ہم نے جانا تھا کہ یہ شور و شغب معترض صاحب کا مسائل دینیہ میں خالی خلوص اور دل سوزی سے نہ ہوگا، لیکن اب غور سے دیکھا تو روٹیوں کا مذہب پایا، چندیں شکل برائے اکل کا نقشہ نظر آیا۔

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　　　جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

اور ابن عباس ؓ نے جو اس کی وجہ بیان کی کہ تا امت کو آسانی ہو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمع صوری ہو، کیونکہ جمع حقیقی لینا تو قرآن اور حدیث کے مخالف ہوتا ہے، پس اس واسطے آنحضرت ﷺ نے یہ نماز پڑھی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے دونوں نمازیں اکٹھے بایں طور کہ ایک کا آخر وقت ہو اور دوسری کا اول وقت ہو پڑھے گا تو جائز ہے، کیونکہ بعض اوقات آدمی ایسے کام میں مشغول ہوتا ہے کہ ہر بار نماز کے واسطے اٹھنا دشوار معلوم ہوتا ہے، تو یہ صورت اگر کوئی کر لے گا تو کچھ مضائقہ نہیں، غرض جمع صوری لینے میں خوب تطبیق ہو جائے گی اور جمع حقیقی بغیر عذر کے لینا تو کسی کا بھی مذہب نہیں، فقط معترض صاحب کی ایجاد ہے اور گمراہی کا اجتہاد ہے۔

یہی اجتہاد آپ کا گر رہے گا　　　　تو دفتر ہدایت کا ابتر رہے گا

اور تفصیل اس کی ہم نے صفحہ ۱۲۷ میں خوب بیان کر دی ہے۔ فَمَنْ شَاءَ الْاِطِّلَاعَ عَلَيْهِ فَلْيَرْجِعْ اِلَيْهِ۔

معترض صاحب کا آیت اور حدیث کو ترک کر کے ضعیف حدیث پر عمل کرنا

حنفیہ کے یہاں اس قسم کی الفاظ پرستی جس کے معترض صاحب قائل ہیں بیشک نہیں، اگر کوئی حدیث صریح آیت قرآنی و حدیث صحیح خیر القرون کے مخالف پاتے ہیں تو اس میں تطبیق عمدہ بیان کرتے ہیں، جس کو طبع سلیم قبول کر لیتی ہے، اس کا نام خواہ کوئی مخالفت رکھے یا موافقت، اور ظاہر ہے جس شخص کی محض الفاظ پر نظر ہوگی اور دوسرے الفاظ اور معنی پر غور نہ کرے گا اس شخص کی ہرگز مبصرین اور محققین سے نہیں بن سکتی، دونوں میں تخالف حقیقی ہے پس مجھ کو تعجب آتا ہے کہ اور حدیثوں میں تو معترض صاحب تطبیق دیتے ہیں حالانکہ ظاہر حدیث کے بالکل خلاف ہے، اور یہاں تطبیق کی طرف کچھ بھی توجہ نہ فرمائی، فقط ترمذی کی ضعیف حدیث نے کر منسوخ کو باطل کیا، صحیح حدیثوں اور آیت کی طرف خیال کر کے تطبیق نہ بیان فرمائی، مگر اس کو کیسے بیان کرتے کہ ان کے مذہب کے خلاف ہو جاتا، اگر ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہیں تو ہر جگہ کریں، فقط قاضی شوکانی وغیرہ کی تقلید

سے الفاظ ترک کر دینا اچھا نہیں، حالانکہ ظاہر حدیث پر عمل کرنے کا دعوی کرتے ہیں مگر در حقیقت نہ ان کے کسی قول کا اعتبار ہے نہ فعل کا، اپنے خیال میں جن کے معتقد ہیں ان کی تقلید کسی حالت میں نہیں چھوڑتے، خواہ حدیث کے مخالف ہو یا موافق، ایسی تقلید کو ہم بیشک برا جانتے ہیں، ہاں جو تقلید حدیث و قرآن کے موافق ہوگی اسے ہم مانتے ہیں، لامذہبوں کی طرح ظاہری الفاظ کی پابندی نہیں کرتے ہیں، متکلم کے مقصود اور معنی کلام پر نظر رہتی ہے۔

چراغ لے کے جسے ڈھونڈتے ہیں پروانے　　　ہمارے دل میں ہے وہ شمع انجمن میں نہیں

قولہ: جواب اس کا یہ ہے کہ جن حدیثوں سے کفار کا تحفہ قبول کرنا مروی ہے وہ سب حدیثیں بحال ہیں منسوخ نہیں، کیونکہ ان حدیثوں میں اور عیاض بن حمار کی حدیث میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے الخ۔

معترض صاحب کی تقلید جامد

اقول: انصاف کرنے کا مقام ہے کہ معترض صاحب چونکہ ابن جوزی اور نواب صاحب امیر بھوپال کی تقلید کر کے دس حدیثوں میں نسخ کو حصر کر چکے ہیں، اب کیسی ہی صریح الفاظ حدیث موجود ہوں ہرگز ان پر عمل نہ کریں گے، ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ عیاض اسلام لایا ہے کہا نہیں، پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں مشرکوں کے ہدیہ سے منع کیا گیا ہوں اس میں کہیں اسلام کی امید اور عدم امید سے بحث نہیں مطلق حکم ہے، فقط اپنی رائے سے الفاظ کو خاص کر لینا معترض صاحب سے بہت بعید ہے، کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ پس اس جواب کی بنا محض تقلید جامد پر ہے۔

قولہ: کہا بعض علماء نے یہ حدیث منسوخ ہے الخ۔

اقول: یہ حدیث منسوخ نہیں، اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے پائجامہ وغیرہ سلا ہوا کپڑا پہن لے گا تو کفارہ اس پر آجائے گا، چنانچہ تحقیق اس کی صفحہ ۱۲۰ میں گزر چکی۔

رمضان میں فجر سے قبل غسل والی حدیث منسوخ ہے

قولہ: جواب یہ کہ یہ حدیث ابو ہریرہ ﷺ کی بحالی ہے منسوخ نہیں، کیونکہ افضل بات کہی ہے کہ جنبی رمضان میں فجر سے پہلے پہلے نہا لے الخ۔

اقول: مسند امام احمد اور ابن حبان کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اس کا نہیں ہوئے گا، پھر معترض صاحب اس کو کس طور سے بحال خود فرماتے ہیں، یہ حدیث بے شک منسوخ ہے، بخاری اور مسلم میں عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ حالت جنابت میں جماع سے صبح کرتے تھے، پھر نہاتے تھے، اور روزہ رکھتے تھے انتہی(۱) پس یہ حدیث اور دو روایت ابو ہریرہ ﷺ کی حدیث کی ناسخ ہوگی، اور اس حدیث سے ابو ہریرہ ﷺ نے بھی جب ان کو عائشہ رضی اللہ عنہا

۱......ابن حبان، مسند احمد

اورام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی رجوع کیا، چنانچہ مسک الختام(۱)میں لکھا ہے، روایت کیا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد اور ابن حبان نے، پس جواب دیا ہے اس کا جمہور نے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے جب کہ ان کو عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث پہونچی رجوع کیا، اور موافق فرمانے ان دونوں صحابیہ کے فتوی دیا انتہی۔

حضرت ابوہریرہ نے جس حدیث سے رجوع کیا معترض صاحب کا اسے بحال رکھنا

پس تعجب ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو راوی اس حدیث کے ہیں انھوں نے تو اس سے رجوع کرلیا مگر معترض صاحب ابھی تک اس کو بحال خود رکھتے ہیں، شاید اسی عقل اور فہم کے اعتماد پر معترض صاحب نے تقلید ائمہ سے کنارہ کشی اختیار کی ہے، ہماری رائے میں ان پر ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید ضرور واجب ہے، آئندہ ان کو اختیار ہے۔

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو ۔۔۔ اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

قال: جواب یہ کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بحال ہے منسوخ نہیں، کیونکہ بعد فرض ہونے رمضان کے عاشورے کے دن روزہ رکھنے کی فرضیت منسوخ ہوئی، یہ نہیں کہ عاشورے کے دن کا روزہ رکھنا ہی نہ چاہیے بلکہ روزہ رکھنا عاشورے کے دن کا مستحب ہے الخ۔

کشف کید یک صد و بست و دوم

اقول: علما نے اس حدیث منسوخ سے روزۂ عاشورہ کے مستحب ہونے پر اجماع نہیں کیا، بلکہ فعل رسول اللہ ﷺ سے اس کا استحباب پایا جاتا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ اس روزے کو رکھا کرتے تھے، اس حدیث منسوخ سے روزۂ عاشورہ کا مستحب کہنا محض بلا دلیل بات ہے، بخاری میں ہے "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا يَصُومُهُ إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ صَوْمَهُ "(۲) یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا روزہ رکھا رسول اللہ ﷺ نے عاشورے کے دن اور حکم کیا اس کے روزہ کا پس جبکہ فرض ہوا رمضان چھوڑ دیا گیا روزہ عاشورے کا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روزہ عاشورے کا نہیں رکھتے تھے مگر جب کہ ان کے روزے کے ساتھ آجائے انتہی۔

پس حکم کرنا رسول اللہ ﷺ کا دال اس پر ہے کہ روزہ عاشورے کا فرض تھا پھر اس کو ترک کردینا صاف منسوخ ہونا اس کا ہے، غرض اس حکم کے منسوخ ہونے میں کلام نہیں، چنانچہ بخاری کی دوسری حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے "أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِصِيَامِهِ حَتّٰى فُرِضَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَاءَ

۱۔۔۔۔۔۔مسک الختام شرح بلوغ المرام، ج۱،ص۵۲۴

۲۔۔۔۔۔۔بخاری،ص۲۵۴

افطر"(۱) یعنی حکم کیا رسول اللہ ﷺ نے روزۂ عاشورا کا، یہاں تک کہ رمضان کا روزہ فرض ہوا، پس فرمایا آپ نے، جو چاہے روزہ رکھے اس کا اور جو چاہے نہ رکھے انتہی۔

پس آنحضرت ﷺ کا اختیار دینا اس پر دال ہے کہ پہلا حکم آپ نے منسوخ کر دیا مگر معترض صاحب خلاف حدیث پیغمبر ﷺ کے اس حدیث کو بحال سمجھتے ہیں، اور پھر حدیث دانی اور عمل بالحدیث کا دم بھرتے ہیں ؎

تَعْصِیْ الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ — هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ

لَوْكَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ — اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعٌ

قولہ: جواب یہ کہ اس حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ آخر فعل اول کا ناسخ نہیں ہوتا الخ۔

اقول: بخاری میں ہے "وَاِنَّمَا یُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِیِّ ﷺ"(۲) یعنی نہیں عمل کیا جاتا مگر اخیر فعل رسول اللہ ﷺ پر انتہی۔

قال: حصول المامول من علم الاصول میں لکھا ہے: اول تو حدیث ناسخ حدیث منسوخ سے قوی ہونی چاہیے اور اگر قوی نہ ہو تو منسوخ حدیث کے ساتھ درجے میں برابر تو ہو الخ۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے نواب بھوپال کی قلعی کھول دی ہے

اقول: اول تو معترض صاحب کو سوائے کتب نواب صاحب امیر بھوپال کے اور کوئی کتاب حوالہ دینے کو نصیب نہیں ہوتی کہ اکثر اس کتاب میں انہیں کی کتابوں سے حوالہ ہے کچھ تو دال میں کالا ہے، حالانکہ اور ہزاروں معتبر کتابیں متقدمین اور متاخرین کی موجود ہیں، اور طرہ یہ کہ صرف نام کتاب کا لمبا چوڑا عربی عبارت میں لکھ دیتے ہیں، اور کہیں اس کے مصنف یعنی نواب بھوپال کا نام ہونے سے کچھ نہیں دیتے کہ نام لکھنے سے کتاب کا اعتبار جاتا رہے گا کیونکہ سب جان گئے کہ کتابیں ان کی بوجہ مسائل مردودہ وکثرت اغلاط کے پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گئیں، خصوصاً جیسے کہ جناب علامہ جلیل، فہامہ نبیل، مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی دام فیضہ الصوری والمعنوی نے ان کے اغلاط فاحشہ ومسائل مردودہ کا ابراز الغی میں اعلان کر دیا ہے، اور فی الحال بھی کتاب تبصرۃ الناقد کا رد لکھ رہے ہیں، اور آئندہ بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑیں گے ان کی ساری قلعی کھول دیں گے۔

تو ابھی اول ہی سے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھ تو ہوتا ہے کیا

مؤلف ظفر کا تحکم

خیر ہم کو اس سے کیا وَلِکُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ ہر زمانے میں من جانب اللہ ہوتا چلا آیا ہے، اسی کتاب حصول المامول

۱..... بخاری، ص ۲۵۴

۲..... بخاری، ص ۹۶

کے صفحہ ۸۶ میں اس حدیث کے منسوخ ہونے کی تصریح بھی تو کر دی ہے معترض صاحب نے قاعدہ اس کا دیکھ کر اعتراض تو کر دیا مگر یہ تو دیکھا کہ اس میں اسی حدیث کو جسے معترض صاحب منسوخ نہیں کہتے منسوخ لکھا ہے، اور جب دونوں حدیثیں صحیح واقع ہوئی ہیں تو پھر فقط اس وجہ سے کہ یہ مسلم کی حدیث ہے دوسری صحیح حدیث سے باوجود مساوات صحت کے منسوخ نہ ہو عین بے انصافی اور تحکم ہے، خدا اور رسول کی طرف سے کچھ اس امر کا فرق نہیں کہ بخاری اور مسلم کی حدیث کو دوسری درجہ والی حدیث سے ترجیح دی جائے اور اس حدیث کو چھوڑ دیا جائے، باوجود صریح مخالفت اور تصریح مضمون نسخ کے اس کو ناسخ نہ کہا جائے، از بس جہالت و نادانی ہے، جب دینیات میں ان لوگوں کا یہ حال ہے تو دنیا کے معاملات کا کون ٹھکانا۔

ہر کہ با آخرت ندارد کار ۔ کار دنیاش ہم تباہ شود

قال: اور ایک مغالطہ امام اعظم کے مقلد حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیتے ہیں کہ صحیح بخاری میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ وہ ہرگز لائق عمل کرنے کے نہیں، چنانچہ مولوی محمد لودھیانوی نے اپنے رسالہ انتصار الاسلام میں لکھا ہے کہ بخاری شریف میں بعضے احادیث ایسی ہیں کہ وہ بالکل بظاہر لائق عمل کے نہیں، جیسا کہ حدیث وطی فی الدبر کی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو امام بخاری واسطے تفسیر آیت "نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ" (۱) کے لائے ہیں، اس سے جواز لواطت کا نعوذ باللہ معلوم ہوتا ہے۔

کشف کید یک صد و بست و چہارم

اقول: معترض صاحب کو اس وجہ سے مولوی محمد لودھیانوی صاحب کے جواب میں دشواری واقع ہوئی کہ کل احادیث صحیح بخاری کو قابل عمل ٹھہرایا ہے اور احادیث ہدایہ کو موضوع اور منسوخ بتلایا، اگر یہ دعویٰ نہ کرتے تو کچھ بحث نہ تھی، اسی وجہ سے انھوں نے اس کلیہ کے نقض کرنے کو ایک صورت بیان کر دی، ورنہ وہ خود اپنی کتاب انتصار الاسلام میں تصریح کرتے ہیں کہ امام بخاری اس کے ہرگز قائل نہیں، باقی رہا اس قول ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتا دینا کہ اس سے مراد یہ ہے گو بظاہر خلاف ہے مگر بہتر معلوم ہوتا ہے، جب تک کسی قول کا محمل صحیح ہو سکتا ہو اس پر اس کو حمل کرنا انسب اور اولیٰ ہے، ورنہ اس کا یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کو اس کا علم نہ ہو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب صحیح حرمت لواطت ہے، یا ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے قائل اس کے جواز کے ہوئے ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ سے اس کی تصریح سن کر قائل حرمت ہو گئے ہوں، کیونکہ ان سے دونوں قسم کی روایت موجود ہے، حدیث مرفوع جوان سے حرمت لواطت میں مروی ہے اس کو معترض صاحب نے فتح البیان سے نقل کر دیا مگر اس کے جواز کی صورت بھی توان سے مروی ہے، چنانچہ تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے: "وَقَدْ ذَهَبَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَالْاَئِمَّةِ اِلٰى مَاذَكَرْنَاهُ مِنْ تَفْسِيْرِ الْاٰيَةِ وَاَنَّ اِتْيَانَ الزَّوْجَةِ فِيْ دُبُرِهَا حَرَامٌ، وَرُوِيَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ

۱..... سورہ بقرہ، آیت: ۲۲۳

وَنَافِعٍ وَابْنِ عُمَرَ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ نِ الْقُرَظِيِّ وَعَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَاجِشُوْنَ اَنَّهُ يَجُوْزُ ذٰلِكَ حَكَاهُ عَنْهُمُ الْقُرْطُبِيُّ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ "(۱) یعنی متقدمین اور متاخرین صحابہ اور تابعین اور ائمہ سے اس طرف گئے جو ہم نے تفسیر آیت میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ زوجہ سے لواطت حرام ہے، اور سعید بن مسیب اور نافع اور ابن عمر اور محمد بن کعب اور عبد الملک بن ماجشون سے روایت ہے کہ زوجہ کی لواطت جائز ہے، حکایت کیا اس کو ان سے قرطبی نے اپنی تفسیر میں انتہی۔

بخاری کی ہر حدیث قابل عمل نہیں

پس کیا عجب ہے کہ اس روایت کے موافق امام بخاری نے روایت کر دی ہو اور مذہب صحیح ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو معلوم نہ ہوا، آخر سماع علقمہ کا اپنے باپ سے بھی تو امام بخاری نے انکار کیا ہے، حالانکہ صحیح مذہب یہی ہے کہ سماع علقمہ کا ثابت ہے، چنانچہ صفحہ ۸۳ میں اس کو ہم بیان کر چکے ہیں، باقی رہا یہ امر کہ جو حدیث امام بخاری نے لکھ دی ہے وہ قابل عمل ہے یہ محض غلط اور مخالف جمہور اور خلاف واقع کے ہے، اس میں تو منسوخ حدیثیں بھی موجود ہیں ان پر عمل معترض صاحب ہی اپنے حسن ظن سے کر لیں گے، مسلمان کی تو یہ شان نہیں جس بات کے خود امام بخاری بھی قائل نہیں حضرات ظاہر یہ اس پر بھی عمل کر لیتے ہیں۔

چند منسوخ حدیثیں بخاری شریف کی

دیکھو بخاری میں لکھا ہے "وَيُرْوَى عَنِ الْحَسَنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مَرْفُوْعاً اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ، وَقَالَ لِيْ عَيَّاشٌ ثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى ثَنَا يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ مِثْلَهُ قِيْلَ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ "(۲) یعنی حسن بصری اکثر سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ پچھنے لگانے والا اور پچھنے لگائے گئے کا روزہ نہیں ہوتا اور مجھ سے عیاش نے کہا کہ ہم سے عبدالاعلی نے حدیث بیان کی، انھوں نے یونس سے، انھوں نے حسن سے روایت مثل اس کے بیان کی، کہا گیا ان سے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت ہے کہا ہاں پھر فرمایا اللہ خوب جانتا ہے انتہی۔

اب دوسری حدیث ناسخ اس کی بخاری ہی میں ہے "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ "(۳) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے اس حال میں کہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے اور پچھنے لگوائے اس حال میں کہ آپ روزے سے تھے انتہی

پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث پہلی حدیث کی ناسخ ہے، اسی وجہ سے امام بخاری نے دونوں حدیثوں کو متصل بیان کیا ہے، جیسا کہ عادت ائمہ حدیث کی ہے کہ اول منسوخ حدیث بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد ناسخ لے آتے ہیں، اور خود معترض صاحب نے بھی اس حدیث کو کیسویں مغالطے میں مجملہ دس منسوخ حدیثوں کے شمار کیا ہے۔

۱۔۔۔۔۔۔فتح البیان، زیر آیت "نساؤکم حرث"
۲۔۔۔۔۔۔رواہ احمد، ج ٤، ص ١٢٤ و ابن ماجہ حدیث رقم ١٦٨١ و البیہقی ج ٤، ص ٢٦٤
۳۔۔۔۔۔۔بخاری حدیث رقم ١٩٣٨، بلوغ المرام، کتاب الصوم، ص ١٣٦

دوسری حدیث منسوخ بخاری میں یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کہا انھوں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے مکان میں اس حال میں کہ آپ بیمار تھے پس بیٹھ کر نماز پڑھی اور پیچھے آپ کے لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، پس اشارہ کیا آپ نے کہ بیٹھ جاؤ، پس جب فارغ ہوئے، فرمایا امام اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھاوے تو تم بھی سر اٹھاؤ، اور جب سَمِعَ اللّٰہُ کہے تو تم رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو، اور جب نماز بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو(۱)

دوسری حدیث منسوخ بخاری میں یہ ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے، پس اس سے زمین پر گر پڑے، تو آپ کی دہنی جانب چھل گئی، پس ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی، پس ہم نے پیچھے آپ کے بیٹھ کر نماز پڑھی، پس جب فارغ ہوئے فرمایا کہ امام اس واسطے مقرر ہوا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب اٹھے تو تم بھی اٹھو اور جب سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو، اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، کہا حمیدی نے کہ فرمانا رسول اللہ ﷺ کا کہ جب امام بیٹھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو یہ قول مرض سابق میں تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے بعد اس کے بیٹھ کر نماز پڑھی اور آدمی پیچھے آپ کے کھڑے ہوئے تھے، نہیں حکم کیا ان کو بیٹھنے کا اور یہیں عمل کیا جاتا مگر آخیر فعل رسول اللہ ﷺ پر انتہی۔(۲)

پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں حدیثیں آخیر فعل رسول اللہ ﷺ سے منسوخ ہیں اسی طرح جمہور اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں اگر اب بھی معترض صاحب نہ مانیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔

ہر دم آزردگی غیر سبب راچہ علاج

اسی طرح صوم عاشورا کی حدیث بخاری کی منسوخ ہے، غرض بہت حدیثیں بخاری اور مسلم کی جمہور کے نزدیک منسوخ ہیں، مگر معترض صاحب یہی کہے جائیں گے کہ ہر حدیث بخاری کی قابل عمل ہے، غرض منسوخ احادیث کے ہونے سے کچھ صحیح حدیثوں میں قباحت لازم نہیں آتی، صحیح ہونا اور شی ہے اور منسوخ ہونا اور امر ہے۔

قال: معترض صاحب اپنے مذہب حنفی کی کتابیں بھی دیکھ لیتے تو بخاری پر کبھی بھی اعتراض نہ کرتے، لیکن کیا کریں انھوں نے اپنی آنکھیں اور نیز کان بند کر لیے ہیں۔ ع

آنکھیں اگر بند کی ہیں تو پھر رات ہے   اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

۱......بخاری باب انما جعل الامام لیوتم بہ، ص۹۵، مجلس برکات مبارک پور

۲......بخاری باب انما جعل الامام لیوتم بہ، ص۹۶، مطبع سابق

برخلاف مذہب امام بخاری کے یہ خیال کیا کہ وطی فی الدبر تو مذہب حنفیہ ہی میں حلال ہے، چنانچہ امام طحاوی رئیس حنفیہ جو کہ یمنی اور ابن ہمام کا بھی پیشوا ہے، لکھتا ہے: چنانچہ تفسیر فتح البیان کی جلد اول کے صفحہ ۲۶۰ میں ہے'' رَوَی اَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ مَاأَدْرَكْتُ اَحَدًااَقْتَدِي بِهٖ فِيْ دِيْنِيْ شَكٌّ فِيْ اَنَّهٗ حَلَالٌ يَعْنِيْ وَطْيَ الْمَرْأَةِ فِيْ دُبُرِهَا،ثُمَّ قَرَأَ: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ثُمَّ قَالَ فَاَيُّ شَيْءٍ اَبْيَنُ مِنْ هٰذَا '' (۱) یعنی روایت کی اصبغ بن فرج نے نقل کی اس نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے، کہا اس نے نہیں پایا میں نے کسی کو کہ اقتدا کروں میں ساتھ اس کے بیچ دین اپنے کے جو کہ شک کرے بیچ اس کے تحقیق وہ حلال ہے یعنی جماع کرنا عورت کو اس کی دبر میں، پھر پڑھی یہ آیت عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پھر کہا پس کون سی چیز بہت ظاہر ہے اس سے، یہ صریح دلیل اس پر کہ حنفیہ کے نزدیک عورت کی دبر میں وطی کرنی حلال ہے الخ۔

کشف کید یک صد و بست و پنجم

مؤلف ظفر کا حنفیہ پر جواز فی الدبر کی تہمت لگانا اور اس کا جواب

اقول: جب معترض صاحب سے بجواب صاحب انتصار الاسلام کے کچھ نہ بن پڑا تو آخر اپنے ہندو بچہ ہونے کی اصالت پر آ گئے، بیہودہ بکنے لگے، حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو '' لکھتا ہے'' لکھنے لگے، اگرچہ جواب ترکی بترکی دندان شکن اس بے ادبی اور بیہودگی کا ہمارے پاس موجود تھا لیکن داب تہذیب کے خلاف سمجھ کر اس سے زبان قلم کو روکا اور اس پر عمل کیا ع

کہ کند بیہودگی در پاسخ جاہل عقیل | تو میالا کام و دندان گرچہ سگ پایت گزید

اور سوائے اس کے معترض صاحب کو کچھ خدا کا خوف بھی نہ آیا جو حنفیہ کی طرف ایسے فعل شنیع کی نسبت کی اور حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ پر ناحق اس امر قبیح کا اتہام کیا، لا سیما اوی حکایۃ اگر کسی کا مقولہ اپنی کتاب میں بیان کر دیں تو ان کا قائل ہونا کہاں سے سمجھا گیا، ورنہ لازم آئے گا کہ جتنے معترض صاحب نے حنفیہ کے اقوال اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں سب کے معترض صاحب بھی قائل ہیں، اور قرآن اور حدیث اور تفسیر میں برابر مخالفین کے اقوال موجود ہیں، اس کو نقل کرنے والے کا مذہب کہنا اس سے بڑھ کر اور کون سی جہالت ہوگی، قرآن شریف میں تو '' اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ '' (۲) بھی موجود ہے، پھر کیا اس مقولہ کفار کو معترض صاحب اپنا مذہب ٹھہرا لیں گے، استغفر اللہ، قول مشہور: نقل کفر کفر نباشد، سے بھی کان آشنا نہ ہوئے، دیکھو نواب صاحب امیر بھوپال نے اسی تفسیر فتح البیان کے صفحہ مذکور میں لکھا ہے:'' رُوِيَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَنَافِعٍ

۱......تفسیر فتح البیان، نساؤکم حرث لکم، ج ۱، ص ۲۶۰
۲......سورہ مائدہ، آیت ۷۳

وَابْنِ عُمَرَ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ وَعَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ الْمَاجِشُوْنَ أَنَّهُ يَجُوْزُ ذٰلِكَ" (۱) یعنی سعید بن مسیب اور نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اور محمد بن کعب اور عبد الملک بن ماجشون سے یہ روایت ہے کہ وطی فی الدبر جائز ہے انتہی۔

پس اس کو صاحب تفسیر فتح البیان کا مذہب کہنا معترض صاحب ہی کو زیبا ہے، اس طرح حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ کے اقوال کو اور مالکیہ، شافعیہ، حنفیہ کے اقوال کو اپنی اپنی کتابوں میں برابر نقل کرتے چلے آئے ہیں، ان کو ناقل کا مذہب کہنا معترض صاحب کا ہی مسلک ہے، صاحب تفسیر فتح البیان نے اس مقام میں سب کے مذاہب لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ امام مالک سے بھی بعضوں نے اس کے جواز کو نقل کیا ہے، اس کی سند کے واسطے امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے امام مالک کے شاگرد عبد الرحمن بن قاسم سے اس قول کو نقل کیا ہے، چنانچہ اوپر سے پوری عبارت تفسیر مذکور کی نقل کی جاتی ہے

وَذَكَرَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ أَنَّ ابْنَ شَعْبَانَ أَسْنَدَ جَوَازَ ذٰلِكَ إِلٰى زُمْرَةٍ كَثِيْرَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَإِلٰى مَالِكٍ مِنْ رِوَايَاتٍ كَثِيْرَةٍ فِيْ كِتَابِ "جِمَاعِ النِّسْوَانِ وَأَحْكَامِ الْقُرْآنِ" قَالَ الطَّحَاوِيُّ: رَوٰى أَصْبَغُ ابْنُ الْفَرَجِ اَلْخ (۲) یعنی ذکر کیا ابن عربی نے کہ ابن شعبان نے اس کے جواز کو ایک جماعت کثیر صحابہ و تابعین کی طرف اور امام مالک کی طرف روایات کثیرہ سے اپنی کتاب جماع النسوان واحکام القرآن میں نسبت کر دیا ہے، کہا امام طحاوی نے کہ روایت اصبغ بن فرج نے الخ۔

مولف ظفر کی خیانت

پس اس سے معلوم ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے مثل صاحب فتح البیان کے جہاں اوروں کے اقوال نقل کیے ہیں وہاں عبد الرحمن بن قاسم مالکی کا قول بھی نقل کیا ہے، حالانکہ امام طحاوی اور حنفیہ کے مذہب سے اس کو کیا علاقہ؟ فقط نقل سے کسی کا مذہب ہو جایا کرتا تو صاحب فتح البیان اپنی تفسیر میں اس قول کو کیوں نقل کرتے، اور تقریب میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں "عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ بْنِ خَالِدِ بْنِ جُنَادَةَ الْعُتَقِيُّ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْمِصْرِيُّ الْفَقِيْهُ صَاحِبُ مَالِكٍ مِنْ كِبَارِ الْعَاشِرَةِ" (۳) یعنی عبد الرحمن بن قاسم کی کنیت ابو عبد اللہ فقیہ امام مالک کے شاگرد ہیں، کبار طبقہ عاشرہ سے ہیں انتہی۔

پس اس عبارت تقریب سے معلوم ہوا کہ عبد الرحمن بن قاسم مالکی ہیں حنفی نہیں، اور سوا اس کے معترض صاحب نے عوام کو گمراہ کرنے کے واسطے اس تفسیر فتح البیان کی نقل عبارت میں ایک بڑی چالاکی اور کمال بد دیانتی یہ کی کہ عبارت سابقہ اور لاحقہ کو چھوڑ کے بیچ کی عبارت لکھ دی، فقط لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ کو لے لیا وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى کو چھوڑ دیا، مگر ماہرین تفسیر پر ان کی دھوکے بازیاں کب چھپ سکتی ہیں، سو ہم نے عبارت سابقہ تو بیان کر دی اور عبارت لاحقہ یہ ہے "وَقَدْ رَوَى الْحَاكِمُ

۱......فتح البیان، زیر آیت "نساؤکم حرث لکم الخ" ج ۱، ص ۲۶۰
۲......مرجع سابق
۳......تقریب، ص ۳۴۸، دار الرشید سوریا حلب

وَالدَّارَ قُطْنِيّ وَالْخَطِيْبُ الْبَغْدَادِيّ عَنْ مَالِكٍ مِّنْ طُرُقٍ مَايَقْتَضِيْ اِبَاحَةَ ذٰلِكَ وَفِيْ اَسَانِيْدِهَا ضُعْفٌ وَقَدْ رَوَى الطَّحَاوِيّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ اَنَّهٗ سَمِعَ الشَّافِعِيّ يَقُوْلُ مَاصَحَّ عَنِ النَّبِيّ ﷺ فِيْ تَحْلِيْلِهٖ وَلَا تَحْرِيْمِهٖ شَيْءٌ وَالْقِيَاسُ اَنَّهٗ حَلَالٌ وَقَدْ رَوٰى ذٰلِكَ اَبُوْ بَكْرِنِ الْخَطِيْبُ قَالَ ابْنُ الصَّبَّاغِ كَانَ الرَّبِيْعُ يَحْلِفُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَقَدْ كَذَبَ ابْنُ عَبْدِ الْحَكَمِ عَلَى الشَّافِعِيّ فِيْ ذٰلِكَ فَاِنَّ الشَّافِعِيّ نَصَّ عَلٰى تَحْرِيْمِهٖ فِيْ سِتَّةِ كُتُبٍ مِّنْ كُتُبِهٖ "(۱) یعنی اور تحقیق حاکم اور دار قطنی اور خطیب بغدادی نے امام مالک سے کئی طریقوں کے ساتھ اس چیز کو روایت کیا کہ جو وطی فی الدبر کے حلال ہونے کو مقتضی ہے، حالانکہ اس کی اسنادوں میں ضعف ہے، اور روایت کی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم سے کہ تحقیق انھوں نے سنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ سے وطی فی الدبر کی حلت وحرمت میں کوئی روایت صحیح وارد نہیں ہوئی ہے، اور قیاس یہ ہے کہ وطی فی الدبر حلال ہو، اور تحقیق روایت کیا اس کو ابو بکر خطیب نے، کہا ابن الصباغ نے کہ قسم کھاتا تھا ربیع اس اللہ کی کہ سوائے اس کے دوسرا کوئی معبود نہیں ہے بر آئینہ تحقیق کی جھوٹ باندھا ابن عبد الحکم نے امام شافعی پر اس مسئلے میں، اس واسطے کہ امام شافعی نے اپنی چھ کتابوں میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ وطی فی الدبر حرام ہے انتہی۔

اور اسی تفسیر فتح البیان میں بعد ان اقوال کے یہ بھی لکھا ہے " وَلَا يَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ يَعْمَلَ عَلٰى اَقْوَالِهِمْ " یعنی اور جائز نہیں کسی کو ان لوگوں کے اقوال پر عمل کرے، پس جب کسی نے بعد نقل اقوال مخالفین کے تصریح کر دی کہ وطی فی الدبر ناجائز اور حرام ہے اور اس کے جواز میں بعض ضعیف راویوں کے قول پر عمل نہ کرنا چاہیے تو پھر کوئی جاہل اور آنکھوں کا اندھا اس سے نہ سمجھے گا کہ ان عبارات منقولہ کا مضمون ناقل کا مذہب ہے، اور حنفیہ اس کے قائل ہیں مگر معترض صاحب کی آنکھوں میں تو خون فاسد تعصب کا اتر آیا، اور فرط حسد کے بخار دماغ میں نزول جلال فرمایا، حق و باطل کے نور وظلمت میں امتیاز نہ رہا، اور شعر معترض صاحب کا الٹ کر انھیں پر صادق آیا۔

آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے | اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

قال: اور یہی باعث ہے کہ حنفیہ عورت کی دبر میں وطی کرنے والے پر حد مارنے کے قائل نہیں، چنانچہ عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے الخ۔

کشف کید یک صد و بست و ششم

تعزیر شدید وطی فی الدبر کی

اقول: حد کا لازم نہ ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ یہ فعل حرام بھی نہ ہو سیکڑوں فعل حرام ہیں مگر حد ان میں نہیں ہے،

(۱)...... فتح البیان، ج۱، ص ۲۶۰

چنانچہ پیشاب انسان کا پینا سب کے نزدیک حرام ہے مگر حد اس میں کسی کے نزدیک نہیں آتی، اگر شراب پیئے گا تو بیشک حد آجائے گی اور نسبت ارتکاب فعل مذکور کے خود صحابہ میں اختلاف واقع ہوا ہے، کسی کے نزدیک آگ میں جلانا اور کسی کے نزدیک دیوار اس پر گرا دینا اور کسی کے نزدیک بلند مکان سے گرا کر پتھر مارنا ہے، پس اگر اس میں حد لازم ہوتی تو صحابہ سے یہ اقوال مروی نہ ہوتے البتہ حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص پر تعزیر لازم ہے، بلکہ تعزیراً مار ڈالنا بھی جائز ہے، اور حد شرعی کہیں شرع میں ثابت نہیں، فقہ میں کہیں اس فعل کو جائز نہیں لکھا، مگر معترض صاحب کو بڑی دقت پڑی، کیونکہ تاویل کرتا تو وہ بخاری وغیرہ میں حرام سمجھتے ہیں، پس لامحالہ ان کو اس کے جواز کا قائل ہونا پڑے گا، ورنہ اس قول سے باز آئیں، اور یہ نہ کہیں کہ ہر بات بخاری کی قابل عمل ہے، ورنہ مولوی محمد لودھیانوی کا اعتراض ان پر جم جائیگا، ٹالے نہ ٹلیگا۔ ع

چہ کاری کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

قال: امت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ بخاری اور مسلم کے برابر صحت میں اور قوت عمل میں تمام جہاں میں کوئی کتاب نہیں ہے، چنانچہ کہا شیخ الاسلام ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں الخ۔

کشف کید یک صد و بست و ہفتم

اقول: اسی شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے "اِنَّ الرِّجَالَ الَّذِيْنَ تُكُلِّمَ فِيْهِمْ مِنْ رِجَالِ مُسْلِمٍ اَكْثَرُ عَدَدًا مِنَ الرِّجَالِ الَّذِيْنَ تُكُلِّمَ فِيْهِمْ مِنْ رِجَالِ الْبُخَارِيِّ "(1) یعنی تحقیق وہ رجال جن میں کلام کیا گیا ہے مسلم کے رجال میں سے زیادہ ہیں ان رجال سے جن میں کلام کیا گیا ہے بخاری کے رجال سے انتہی۔

بخاری و مسلم کے ضعیف راویوں کی تعداد

اور شرح شرح نخبۃ الفکر میں ملا علی قاری اسی مقام میں لکھتے ہیں "فَاِنَّ الَّذِيْنَ اِنْفَرَدَ الْبُخَارِيُّ بِهِمْ اَرْبَعُ مِائَةٍ وَخَمْسَةٌ وَثَلٰثُوْنَ رَجُلًا، وَالْمُتَكَلَّمُ فِيْهِمْ بِالضُّعْفِ نَحْوٌ مِنْ ثَمَانِيْنَ رِجَالًا، وَالَّذِيْنَ اِنْفَرَدَ بِهِمْ مُسْلِمٌ سِتُّ مِائَةٍ وَعِشْرُوْنَ رَجُلًا، وَالْمُتَكَلَّمُ فِيْهِ مِنْهُمْ مِائَةٌ وَسِتُّوْنَ رَجُلًا عَلَى الضُّعْفِ، كَذَا ذَكَرَهُ السَّخَاوِيُّ فِيْ شَرْحِ اَلْفِيَةِ الْعِرَاقِيِّ "(2) یعنی وہ لوگ جن سے فقط امام بخاری نے روایت کی ہے چار سو پینتیس آدمی ہیں، اور جو ان میں ضعیف راوی ہیں وہ قریب اسی آدمیوں کے ہیں، اور جن لوگوں سے فقط امام مسلم نے روایت کی وہ چھ سو اور بیس آدمی ہیں، اور ضعیف ان میں سے ایک سو ساٹھ شخص ہیں، وہ نے اس سے، اسی طرح ذکر کیا اس کو امام سخاوی نے شرح الفیہ عراقی میں انتہی۔

غرض کتاب بخاری باعتبار اکثر احادیث صحاح کے اور کتابوں سے زیادہ صحیح ہے اس پر اکثر نے اجماع کر لیا ہے، اس

1...... شرح نخبة الفكر، ص
2......شرح شرح نخبة الفكر، للملا علي قاري

کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، مگر یہ کہنا کہ ہر حدیث اس کی اور سب کی حدیثوں سے گو وہ کیسی ہی صحیح ہوں زیادہ صحیح اور قابل حجت ہے قابل تسلیم نہیں، چنانچہ تحقیق اس کی صفحہ ۱۱۹ میں مذکور ہو چکی۔ آدمی کو چاہیے کہ جس درجے کی جو کتاب ہو اس کو اسی درجے پر رکھے، مگر حضرات ظاہر یہ تو بخاری کے سامنے قرآن کو بھی نہیں مانتے ہیں، اور اس کے مقابلے میں نصوص صریحہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں جانتے ہیں، یہ ان کی زیادتی ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ" یعنی تحقیق حق تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قولہ: اور ایک مخالف امام اعظم کے مقلد مولوی محمد لدھیانوی نے حدیث پر چلنے والوں کو یہ دیا کہ بخاری میں ہے کہ اگر شراب میں مچھلی ڈال کر ذرا دھوپ میں رکھ کر پیے تو درست ہے الخ۔

حدیث سے شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے

اقول: چونکہ معترض صاحب بخاری کے ہر قول کو قابل حجت سمجھتے ہیں پس ان کو شراب کے سرکے میں کچھ بھی کلام کرنا نہیں چاہیے، اور بلا چوں چرا تسلیم کر لینا مناسب ہے ورنہ ان کے قاعدے کے خلاف ہوگا اور یہ لازم آئے گا کہ جو مذہب قابل عمل معترض صاحب کے نہیں اس کو امام بخاری نے کیوں درج کیا۔

قال: لیکن انہوں نے یہ نہ خیال کیا کہ ہمارے مذہب کی فقہ کی کتابوں کا تو کوئی باب بھی ایسا نہیں ہے جو کہ پورا پورا لائق عمل کے ہو، کیونکہ ہزار ہا مسائل میں جو امام اعظم اور ان کے شاگردوں ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر کا اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کا آپس میں اختلاف ہے، ان میں سے کس کو سچا جانا جاوے اور کس کو جھوٹا جانا جاوے، اور کس کو خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق سمجھا جاوے اور کس کو نہ سمجھا جاوے ذرا بتلا تو دیجیے۔

کشف کید یک صد و بست و ششم

مذاہب اربعہ کی حقانیت کا بیان

اقول: کیا خوب، ذرا غور تو کیجیے کہ تمام کتابیں اس سے پر ہیں کہ امر حق چاروں مذاہب میں دائر ہے، اور ہر امام حق پر ہے، اختلاف فروع کا منافی حقیقت کے نہیں ہو سکتا، بلکہ اس قسم کا اختلاف تو امت کے واسطے موجب رحمت ہے، اور عمل ہر امام کا موافق قرآن و حدیث کے ہے، ہرگز مخالف نہیں، اور معترض صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ کی کتابوں کا کوئی باب بھی ایسا نہیں ہے جو کہ پورا پورا لائق عمل کے ہو محض لغو اور پوچ اور بے تکا ہے، اس واسطے کہ ہم نے جس قدر مسائل فقہ کا جواب اس کتاب میں جو معترض صاحب کے نزدیک کوئی مسئلہ اس کا قابل عمل کے نہ تھا اور اس کو حدیث کے خلاف جانتے تھے شرح و بسط کے ساتھ دیا ہے، اور ہر ایک مسئلے کا ماخذ قرآن و حدیث سے بتلا دیا ہے، کیا یہ مسائل قابل عمل کے نہیں ہیں، اگر موافق اعتراض معترض صاحب کے اختلاف فروعی کو منافی حقیقت کے سمجھا جاوے، اور بسبب اس اختلاف کے اقوال ائمہ مجتہدین میں شک

کیا جاوے کہ سچا کس کو کہیں ، اور جھوٹا کس کو کہیں تو بعینہ وہی تقریر معترض صاحب کی محدثین پر بھی صادق آئی جاتی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم کا آپس میں اختلاف ہے، ان میں سے کس کو سچا جانا جاوے، اور کس کو سچا نہ جانا جاوے اور کس کو خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق سمجھا جاوے اور کس کو نہ سمجھا جاوے، ذرا انصاف تو کیجیے، اے معترض صاحب! بے سمجھے بوجھے کیوں ایسی تقریر لاطائل اور ایراد بے معنی کیجیے کہ خود اپنا اعتراض الٹ کر اپنے اوپر آوے، اور اپنی بات کا الزام آپ پاوے، اور بجز سکوت خجالت کے کوئی جواب اس کا بن نہ آوے۔ ع

جانِ من خود کردہ خود کردہ را درمان نیست

اور باقی اعتراضات معترض صاحب نے جو کتاب کے ورق میں لکھے ہیں سب مکرر ہیں، دھوکا دینے اور کتاب بڑھانے کے واسطے، پھر ان مسائل کا اعادہ کیا ہے، سب کا جواب باصواب بتفصیل تمام قرآن اور حدیث سے اپنے اپنے موقع پر ہم لکھ چکے ہیں، یہاں حاجت مکرر جواب دینے کی نہیں، یہاں تک تو ہم نے جوابات حصۂ اول کتاب ظفر المبین کے لکھے، باقی معترض صاحب نے ضمن عبارت التماس میں جو وعدہ کیا ہے کہ حصۂ دوم بعد ختم جلد ثانی معاملات بلاغ المبین کے تالیف کیا جائے گا، سو ہم منتظر ایفائے وعدہ کے ہیں کہ جس وقت حصۂ دوم چھپ کر یاروں کے ملاحظے میں آئے گا، فوراً ادھر سے بھی جواب کافی اس کا بنام حصۂ دوم فتح المبین لکھا جائے گا، اور کوئی حرف بیجا خلاف تہذیب اس میں اندراج نہ پائے گا، بشرطیکہ ادھر سے بھی یہ امر ملحوظ خاطر رہے۔

لامذہبوں کو دیتے ہیں ہم اشتہار ۔۔۔ اب وہابیوں کو کرتے ہیں ہم ہوشیار اب
بے سب وشتم اس کا مہذب جواب دیں ۔۔۔ ورنہ کریں گے ہم بھی وہی اختیار اب

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

﴿ اطلاع ضروری ﴾

کوئی صاحب وعدۂ جواب حصۂ دوم کو دیکھ کر جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے یہ نہ سمجھیں کہ حصۂ دوم تو چھپ گیا اور جواب نہ ہوا، حالانکہ ظفر المبین حصۂ اول مطبوعہ ۱۳۰۵ھ کے صفحہ ۳۶۹ میں لکھا ہے کہ دوسرا حصہ بھی چھاپنا شروع کر دیا گیا ہے، لیکن وہ اب تک دیکھنے میں نہیں آیا، کیا عجب کہ شروع ہی نہ ہوا ہو یا بانجام چہ رسد، اور جو حصۂ دوم چھپا ہے وہ اس کتاب کا نہیں بلکہ ظفر المبین جدید تصنیف مولوی ابوالحسن کا ہے جس کا حصۂ اول ہی تمام رد ہے، صرف ردیوں کے واسطے اسی حصۂ اول سابق کو کچھ کمی بیشی کر کے بنام حصۂ دوم چھپوا دیا فقط۔

ضمیمہ فتح المبین

موسوم بتنبیہ الوہابیین

مصنف: علامہ محمد عبدالعلی آسیؔ مدراسی رحمہ الباری

ضمیمہ فتح المبین
موسوم بتنبیہ الوہابیین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ اُمَّةِ حَبِیْبِهٖ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی نَبِیِّ اٰخِرِ الزَّمَانِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَلْاَکْمَلَانِ وَوَفَّقَنَا بِتَقْلِیْدِ مَنْ وَافَقَ رَأْیُهٗ لِلْحَدِیْثِ وَالْقُرْاٰنِ وَهُوَ التَّابِعِیُّ الْوَاقِعِیُّ اِمَامُ الْاَئِمَّةِ سِرَاجُ الْاُمَّةِ اَبُوْحَنِیْفَةَ النُّعْمَانُ عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَانُ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ وَّاٰنٍ وَتَرَقّٰی مَذْهَبُهٗ بِکَثْرَةِ مُقَلِّدِیْهِ فِی الْقُرٰی وَالْبُلْدَانِ اِلٰی مُتَعَاقِبِ الْمَلَوَانِ

بعد اس کے بندۂ آسی، محمد عبدالعلی مدراسی تَجَاوَزَ عَنْ ذَنْبِهٖ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اپنے برادران اسلامی اور اخوان ایمانی کی خدمت میں بصد عجز و نیاز عرض پرداز ہے، کہ آج کل ہماری شامت اعمال نے دین اسلام میں باہمی مخالفت کی عجیب صورت پر کدورت نکالی، اور اورنادانزاع لفظی اور اختلاف فروعی نے آپس کے اتفاق میں کیسی پھوٹ ڈالی، کہ جس سے قوت اسلام میں ضعف آگیا اور دین کے آسمان پر جھگڑے کا ابر چھا گیا، مسائل فاسدہ اور عقائد کاسدہ کی اس قدر شہرت عام ہے، کہ ہر خواندہ و ناخواندہ خود مجتہد اور امام ہے، عجب دور ہے، طرفہ طور ہے نئے نئے گل پھولے ہیں، لوگ اپنی پرانی روش بھولے ہیں، دین میں طرح طرح کے جھگڑے نکالتے ہیں، اسلام میں فساد کے رخنے ڈالتے ہیں، ایک کوچہ نیچری میں چلا ہے، دوسرا لامذہبی کے جنگل میں اڑا ہے، ایک خیر کو شر اور شر کو خیر بتاتا ہے، دوسرا انگلے کے واسطے مسجد ڈھاتا ہے، ایک لکھا پڑھا فاضل مشہور ہے، دوسرا دو حرفی قابلیت کے نشے میں چور ہے، ایک نے آزادی کو اختیار کیا، دوسرے نے ترک تقلید کا اشتہار دیا، ایک نے اگلے بزرگوں کو مشرک اور بدعتی ٹھہرایا، دوسرے نے خود ستائی کا ڈنکا بجایا، اور اپنے موحد اور متقی ہونے کا سکہ جمایا، خصوصاً فرقہ محدثہ یعنی گروہ وہابیہ نے بتقلید شیخ نجدی کے عمل بالحدیث کے پردے میں نفسانیت اور غوایت کا جال پھیلایا ہے، اور جابجا حماقتوں کے زور وزر سے شور و شر مچایا ہے، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید کو شرک و بدعت قرار دیا، چاروں مذہب سے انکار کیا، ہر جگہ نئی بات نکالنے لگے، عوام حنفیہ کو شرک میں ڈالنے لگے، فقہا اور صوفیۂ کرام کے کلام کو بالکل نہیں مانتے ہیں، کہ اقوال ان کے خلاف حدیث شریف جانتے ہیں، جس کو دیکھیے یہی رٹ لگاتا ہے، اور جو ہے یہی راگ گاتا ہے، مصداق انھیں کی بولی بولنے لگے اور انھیں کے ساتھ ہر بات میں منہ کھولنے لگے، جاہلوں میں اپنی نام آوری اور عزت دنیاوی بڑھانے کو اور دین کے پردے میں دنیا

کمانے کو اپنے تئیں محدث، اہل حدیث، محی السنہ، قامع البدعہ کے لقب اور خطاب سے شہرت دیتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ دین فروشی کر کے دنیا مول لیتے ہیں، نیت میں ان کے زرکی طلب ہے، اور روپیوں کا ان کا مذہب ہے، کبھی مدرسے کے بہانے سے سوال کرتے ہیں، کبھی اشاعۃ السنہ کے ذریعے سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو کھانے کا لطف زندگانی کہاں اور مطمئن بریانی کہاں۔

خدا بچائے ہمیں ان کی چکنی باتوں سے: رکھے ہمیشہ حفاظت میں ان کی گھاتوں سے

مقام غور ہے کہ اگلے علما فضلا کملا عرفا صلحا تو تقلید کے سبب مشرک، گمراہ، بدعتی قرار دیے جائیں اور ان کے طریقے کو خلاف طریقہ سنت بتائیں اور آپ خاصے اہل حدیث غیر مقلد، لامذہب، موحد بن جائیں، اور پکے مسلمان اور سچے مومن کہلائیں، خدا کی شان۔

سلف کجا و من اندر خلف خراب کجا — ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اور آج کل کے اہل حدیث جو کسی قدر لکھے پڑھے غیر مقلدین ہیں مجمل بالحدیث کا دم بھرتے ہیں، مخالفت حدیث و قرآن کا الزام مقلدین کو دیتے ہیں اور مجتہدین اور ائمہ دین پر مسائل فقہیہ میں مطاعن بیجا کرتے ہیں، سو ان کی محض نفسانیت اور منشائے جہالت ہے، اس واسطے کہ کوئی ادنا سے ادنا جاہل مسلمان بھی جان بوجھ کر قرآن و حدیث کے خلاف کرنے کو اچھا نہیں جانتا ہے، اور خدا اور رسول کے احکام کو دل سے مانتا ہے، چہ جائیکہ بڑے بڑے علمائے مقلدین اور فقہائے مجتہدین قرآن وحدیث کو نہ مانیں اور دین میں اپنی رائے سے حکم لگائیں، حاشا و کلا استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

کثرت آرا پر حکم دینے کا حدیث سے ثبوت

ان محدثین احداث فی الدین کا عجب مذہب ہے، کہ غیر مقلدی کے سبب ہر بات میں مذبذب ہے، اس واسطے کہ بعد قرون ثلاثہ کے تقلید حنفا دین کا سبب واقع ہوئی اور موافق مضمون ہدایت مشحون حدیث شریف " مَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ " کے اس ضرورت حنفا دین کی تقلید پر تمام مسلمانوں کے سواد اعظم نے بالاتفاق رائے دی اور اس میں سعی بلیغ کی، چنانچہ یہ سعی فقہا کی حفظ دین کے واسطے " وَکَانَ سَعْیُھُمْ مَشْکُوْرًا " کی پوری مصداق ہوگئی، جزاھُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآءِ وَوَقٰھُمْ عَنْ سُوْءِ مَظَنَّۃِ ھٰؤُلَآءِ

صحاح ستہ کو کتب فقہ کہنا درست ہے

اور ظاہر ہے کہ ان نئے محدثوں کی سفاہت ہمارے حضرات مجتہدین کی فقاہت کے اصول کو ہرگز نہیں پہونچ سکتی، ورنہ یہ کبھی نہ کہتے کہ فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے، حالانکہ یہ کہنا ان کا بالکل لاف وگزاف ہے، اس واسطے کہ کوئی مسئلہ مفتی بہا متون فقہ کا قرآن وحدیث کے مخالف نہیں، بلکہ سارے مسائل متون فقہ کے صحاح احادیث مشہورہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں،

اور جو کچھ حضرات مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے شرائط صحت اسانید کے موافق حدیثوں کو خوب جانچ جانچ کر ان سے مسائل فقہیہ کا استخراج فرمایا وہ سب موافق کتاب وسنت ہے، ہاں، فقہ کی روایت مع الدرایت ہے، اور درحقیقت اہل الرای اور اولوالالباب کے نزدیک حدیث فقہ ہے اور فقہ حدیث، صرف اجمال وتفصیل اور متن وشرح کا فرق ہے، پس اس صورت میں جو منکر فقہ کا ہوگا وہ منکر حدیث کا ٹھہرے گا، اس واسطے کہ اکثر لوگوں نے کتب حدیث پر کتب فقہ کا اطلاق کیا ہے، چنانچہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسوی شرح موطا کے دیباچے میں اس دعوے کا ثبوت لکھا ہے۔

’’وَهُوَهٰذَا اِنَّ عِلْمَ الْفِقْهِ اَشْرَفُ الْعُلُوْمِ وَاَنْفَعُهَا وَاَوْسَعُهَا وَكِتَابُ الْمُوَطَّا اَصَحُّ كُتُبِ الْفِقْهِ وَاَشْهَرُهَا وَاَقْدَمُهَا وَاَجْمَعُهَا وَ قَدْ اِتَّفَقَ السَّوَادُ الْاَعْظَمُ مِنَ الْمِلَّةِ الْمَرْحُوْمَةِ عَلَى الْعَمَلِ بِهٖ وَالْاِجْتِهَادِ فِي رِوَايَتِهٖ وَدِرَايَتِهٖ وَالْاِعْتِنَاءِ بِشَرْحِ مُشْكِلَاتِهٖ وَمُعْضَلَاتِهٖ وَالْاِهْتِمَامِ بِاسْتِنْبَاطِ مَعَانِيْهِ وَتَشْيِيْدِ مَبَانِيْهِ‘‘ الخ

حالانکہ متن موطا امام مالک کی جملہ کتب صحاح ستہ حدیث شریف میں ہے، پھر اس کو اَصَحُّ كُتُبِ الْفِقْهِ فرمایا، اگر اب بھی اس کی تصدیق نہ کی جائے، اور فقہ کے برا کہنے سے زبان نہ روکی جائے تو یہ فعل انکار حدیث وسنت کی طرف منجر ہوگا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا اور بڑے تعجب کی بات ہے، کہ یہ غیر مقلد خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے، کہ ہم باوجود یکہ رات دن عمل بالحدیث کے دعوے کا دم بھرتے ہیں اور پھر کس قدر قرآن وحدیث کے مخالف عمل کرتے ہیں لمؤلفہ۔

لامذہب اولوالالباب اور ذوی العقول سے خارج ہیں

عامل حدیث کے بنتے ہیں، برائے نام — اوروں پہ اہل رائے کا کرتے ہیں، اتہام
عامل حدیث کے ہیں، بلاشک مقلدین — اور ساتھ عقل ورائے کے بھی کرتے ہیں، یہ کام
لامذہبوں کو بہرہ نہیں عقل ورائے سے — ہیں، بے وقوف سب کے سبا س میں نہیں کلام
داخل یہ آیۂ ’’الو الا لباب (۱)‘‘ میں نہیں — خارج ذوی العقول سے ہیں، عقل ودو دام
دشمن ہیں مقلدین کے، سفاہت کے دوست ہیں، — خالی ہیں عقل سے، ہے بھری ان میں عقل خام
ہے، خوبی میں ڈھونگی کے ان کا تال سر — ہے، ڈھونگی میں خوبی کے ان کی دھوم دھام
دیتے ہیں گالیاں یہ فقیہوں کو بے دھڑک — بے شبہ ان کے منہ میں ادب کی نہیں لگام

۱..... یعنی ظاہر ہے کہ جب لامذہبوں کو فقہائے مجتہدین اور عقلاء سے دین اور اہل الرائے اور اولوالالباب سے نفرت اور انکار ہے اور عقل ورائی کے نام سے چڑتے ہیں اور طنزاً حنفیہ کو اہل الرائے کہتے ہیں تو بحکم الانسان ماخوذ علیہ ماتہ کے ان کو اپنی سفاہت کا قائل ہونا پڑا یہاں تک کہ ان آیات قرآنیہ کے مفہوم اولوالالباب سے خارج ہو کر سفہا میں داخل ہو گئے اولٰئك الذين هداهم الله واولٰئك هم اولوا الالباب یعنی وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی ہیں عقل والے وما يذكر الا اولوا الالباب وانما يتذكر اولوا الالباب یعنی نصیحت نہیں سمجھتے ہیں مگر عقل والے ۱۲ فتح الرحمٰن

گو یہ کہا کریں اولو الالباب کو برا   لیکن یہ خود ہی لومۃ لائم سے ہیں، ملام
سب عامیوں کو قید سے تقلید کے نکال،   خود آپ خاصے بن گئے، شہد بے لگام
رٹ ان کی غیبت فقہا ہے، شبانہ روز،   ورد ان کا، سب وشتم ائمہ ہے صبح وشام
مشکوۃ ہی کے پڑھتے ہی، کہتے ہیں یہ سفیہ   عقلی ڈھکوسلوں کا، ہے فقہ وقیاس نام
حلال مشکلات احادیث ہیں فقیہ،   کب پہونچے فقہ شرح کو ان کی یہ عقل خام
محکم ہے، علم فقہ سے سنت کا حکم   ملک حدیث میں ہیں، شہ فقہ کا نظام
مرآت فقہ، اور ہے مرئی حدیث پاک   مرقات فہم، اور ہے سنت نبی کی بام
کہتے ہیں اور پرکھتے ہیں نقاد علم ودین،   معیار فقہ پر زر احکام خاص وعام
اجمال ہے حدیث میں، تفصیل فقہ میں،   ہے، فقہ شرح متن حدیث شہ انام
باہم حدیث وفقہ میں ہے الفت ولی   جس طرح لام میں ہے الف اور الف میں لام
ہیں بلکہ دونوں ایک "مساوی" میں دیکھ لو   فقہ وحدیث دونوں مساوی ہیں لاکلام
تینوں دلالتوں سے ہے سنت پہ فقہ راست   یعنی، مطابقت و تضمن و التزام
ہے چشم اعتبار سے ساقط وہ کر وفر   باطن کے ہو خلاف، جو ظاہر کی ٹیم ٹام
جاہل ہیں، وہ، جو فقہ کو بدنام کرتے ہیں   عاقل ہیں وہ، جو فقہ سے لیتے ہیں دیں کا کام
وہ خود ہی لعن وطعن سے مطعون ہوتے ہیں   کرتے ملامت اوروں کو ہیں، جو ہیں خود ملام
محدث یہ نہیں کہ نہیں سارے اہل فقہ   ہیں، برخلاف حسب مشتہر انام
جب تک ہو تاب لولو ویاقوت بحر وکان   جب تک ہو تاب مہر وسط چرخ سبز فام
بازار فقہ گرم ہو، لامذہبی ہو سرد   اور خوب ہو ترقی پہ، تقلید چار امام
بے شک مقلدین اصول ائمہ کو   ہے فقہ میں حدیث پہ چلنے کا التزام
لیکن یہ منکرین فقاہت ہیں جہل میں   ہیں، سنت نبی کے خلاف اکثر ان کے کام
آسی کو ہے امید کہ ان کے یہ زخم جہل   شاید کہ پائیں فقہ کے مرہم سے التیام
یعنی عمل جو ان کا حدیثوں کے ہے خلاف   چند اس کے مسائل سنو تفصیل سے تمام

پہلا مسئلہ معرکۃ الآرا اثبات وجوب تقلید کا

پہلا مسئلہ معرکۃ الآرا تقلید کا، غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ شرک وبدعت ہے اور واجب الترک، اس واسطے کہ آنحضرت

ﷺ نے سوائے اپنی سنت اور کلام الٰہی کے اتباع کے کسی دوسرے شخص کی تقلید کرنے کا حکم نہیں فرمایا اور بجز حدیث و قرآن کے ہم کو دوسرا راستہ نہیں بتایا، حالانکہ انھوں نے اس مسئلہ میں بڑا دھوکا کھایا کہ سنت نبوی کو نہ پایا، بلکہ سوائے ان دونوں کے کسی کی پیروی اور تقلید نہ کرنے کا اس حدیث شریف کے خلاف حکم لگایا، اس واسطے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقلید کرنے کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کا خاص نام لے کر بخطاب عام ارشاد فرمایا: جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے "عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ رضي الله عنهما" اور نیز دوسری روایت میں ہے "عَنْ حُذَيْفَةَ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ و(۱) اهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ رضي الله عنهم وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ اُمِّ عَبْدٍ" (۲) اس حدیث میں تو حضرت ابوبکر و عمر و عمار بن یاسر و ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی اقتدا اور پیروی اور اتباع اور تقلید کرنے کا حکم نام بنام وارد ہے، بلکہ تقلید خلفائے اربعہ راشدین کے واسطے یہ تیسری حدیث وارد ہے "فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری اس کی شرح میں لکھتے ہیں "وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِنَفْيِ الْخِلَافَةِ عَنْ غَيْرِهِمْ حَتّٰى يُنَافِيْ قَوْلَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً بَلِ الْمُرَادُ تَصْوِيْبُ رَأْيِهِمْ وَتَفْخِيْمُ اَمْرِهِمْ بَلْ هُمْ وَمَنْ عَلٰى سِيَرِهِمْ مِنْ اَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْاَحْكَامِ فَاِنَّهُمْ خُلَفَاءُ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِيْ اِحْيَاءِ الْحَقِّ وَاِرْشَادِ الْخَلْقِ وَاِعْلَاءِ الدِّيْنِ وَكَلِمَةِ الْاِسْلَامِ" پس اس شرح سے خلفائے راشدین و دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت تخصیص تقلید کا شبہ بھی دفع ہو گیا، بلکہ تقلید اور اتباع کا حکم نسبت تابعین و تبع تابعین و دیگر مجتہدین ائمہ دین کے عام رہا:

حضرت امام اعظم کی تابعیت کا ثبوت

اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا تابعی ہونا ثابت ہے، کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے انکی اثبات تابعیت میں ایک

۱..... اخرج هذا الحديث الترمذي من طريق عبد الملك بن عمير عن ربعي هو ابن حراش عن حذيفة مرفوعا اقتدوا باللذين من بعدي ابي بكر و عمر قال وفي الباب عن ابن مسعود وهذا حديث حسن وروى سفيان الثوري هذا الحديث عن عبد الملك بن عمير عن مولى لربعي عن حذيفة عن النبي ﷺ و اخرج عن محمد بن بشار عن ربعي بن حراش عن حذيفة قال كنا جلوسا عند النبي ﷺ فقال اني لا ادري ما قدر بقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي واشار الى ابي بكر وعمر قال وقد روي هذا الحديث من غير وجه ايضا عن ربعي عن حذيفة عن النبي ﷺ قال علي القاري والحديث صحيح رواه احمد والترمذي وابن ماجه وغيرهم عن حذيفة ووجه تخصيص الشيخين من بين الخلفاء الاربعة وما ورد في الصحابة مع ورود حديث فاقتدوا بالخلفاء الراشدين المهديين وحديث اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم بينته في المرقاة شرح المشكوة قال وفي الجامع اقتدوا باللذين من بعدي ابي بكر وعمر رواه احمد والترمذي وابن ماجه وزاد فانهما حبل الله الممدود ومن تمسك بهما تمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها

۲..... اخرجه الترمذي في مناقب عمار بن ياسر من طريق سفيان عن عبد الملك بن عمير عن مولى لربعي بن حراش عن حذيفة قال كنا جلوسا الى ما قال واهتدوا بهدي عمار وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه

رسالہ لکھا ہے اور نیز بہت لوگوں سے آپ کا تابعی ہونا منقول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اَدْرَكَ الْاِمَامُ اَبُوْحَنِیْفَةَ جَمَاعَةً مِّنَ الصَّحَابَةِ لِاَنَّهٗ وُلِدَ بِالْكُوْفَةِ سَنَةَ ثَمَانِیْنَ مِنَ الْهِجْرَةِ وَبِهَا یَوْمَئِذٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَوْفٰی فَاِنَّهٗ مَاتَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالْاِتِّفَاقِ وَبِالْبَصْرَةِ یَوْمَئِذٍ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَمَاتَ سَنَةَ تِسْعِیْنَ "انتہی پس امام صاحب کے تابعی ہونے میں کوئی شک نہیں رہا، کہ طبقۂ تابعین میں آپ داخل ہیں، اگرچہ صحابی کی روایت اور لقاسے کسی، عام ہے اس سے کہ صحابی سے اخذ حدیث ہو یا نہ ہو اور آپ کے تبع تابعی ہونے میں تو ساری دنیا کا اتفاق ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ "پس اس حدیث شریف سے زمانۂ خیر القرون میں تابعی اور تبع تابعی دونوں داخل ہیں، اور تبع تابعین کا زمانہ کچھ اوپر دوسو برس تک باقی رہا، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کہ تبع تابعین ہیں، ایک سو پچاس میں پیدا ہوئے، اور دوسو چار ہجری میں انتقال فرمایا، اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی ولادت سنہ اسی میں ہوئی، اور ایک سو پچاس میں انتقال ہوا، بہر حال امام صاحب کا زمانہ خیر القرون اور عہد تابعین میں ہونا مسلمات سے ہے، اس اثنا میں انکے اجتہاد کا چرچا ہوا، اور حدیث وقرآن سے انکے استنباطات اور حلال وحرام مسائل کے استخراجات کی عام شہرت ہوئی، تو ہزاروں آدمیوں نے آپ کی تقلید اور اقتدا کی، اور اسی طرح بعد انکے ایک جم غفیر نے امام شافعی علیہ الرحمہ کی تقلید کی، اور امام مالک علیہ الرحمہ سنہ نوے میں پیدا ہوئے اور ایک سو اناسی میں انتقال فرمایا، ان کی بھی ہزاروں نے تقلید کی، اور امام احمد علیہ الرحمہ ایک سو چونسٹھ میں پیدا ہوئے اور دوسو اکتالیس میں رحلت کی انکی بھی ایک جماعت کثیر مقلد ہوئی اور سوا ان کے سفیان ثوری اور ابن ابی لیلی اور اوزاعی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی مجتہد ہوئے اور ان کی بھی ہزاروں نے تقلید کی مگر چندروز کے بعد ان کے مذاہب مندرس ہوگئے اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی یہ چاروں مذہب حسب قانون شرعی اور موافق فرمان نبوی مَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ "مسلمانوں کی کثرت آرا سے قائم اور شائع ہوگئے اور آج تک جاری ہیں اور لاکھوں اور کروڑوں علماء فقہا، محدثین، مفسرین، صلحا، عرفا، اولیا انھیں کی تقلید کرتے چلے آئے اور مرضیات الٰہی میں فائز المرام ہوئے، اور یہ بات مثل آفتاب کے تمام عالم پر ظاہر ہے کہ زمانہ خیر القرون میں تقلید شخصی وغیر شخصی دونوں جاری رہیں، کسی کو مجال انکار نہیں اور ہرگز کسی نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے طبقات میں تقلید شخصی کو حرام یا شرک یا منکر وبدعت نہیں کہا اور کیونکر کہہ سکتا کہ جو بات کتاب وسنت سے فرض، واجب ثابت ہو اس کو کیا کوئی اہل حق رد کر سکے ہاں، کوئی جاہل، بدعقیدہ، بددین کہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، پس مذاہب اربعہ کی حقانیت باجماع امت ثابت ہوئی اور پر ظاہر ہے کہ علمائے ربانی اور فقہائے حقانی کا سواد اعظم انھیں چار مذہبوں کی تقلید میں نکلے گا بالخصوص تقلید حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا سواد اعظم تو موافق مضمون اس حدیث شریف کے خطاب شارع میں واجب الاتباع ہے۔

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ رَوَاهُ

اِبْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسٍ "اور مراد سواد اعظم سے جماعت کثیر ہے جس پر اکثر مسلمانوں کا اتفاق ہو، اگرچہ وہ ائمہ اربعہ مجتہدین کے مقلدین میں سے کیوں نہ ہوں، جیسا کہ اس کی شرح مرقات میں لکھی ہے

"اَلسَّوَادُ الْاَعْظَمُ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجَمَاعَةِ الْكَثِيْرَةِ وَالْمُرَادُ مَا عَلَيْهِ اَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ وَهٰذَا فِيْ اُصُوْلِ الْاِعْتِقَادِ كَاَرْكَانِ الْاِسْلَامِ وَاَمَّا الْفُرُوْعُ كَبُطْلَانِ الْوُضُوْءِ بِالْمَسِّ مَثَلًا فَلَا حَاجَةَ فِيْهِ اِلَى الْاِجْمَاعِ بَلْ يَجُوْزُ اِتِّبَاعُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ كَالْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ وَمَا وَقَعَ مِنَ الْخِلَافِ بَيْنَ الْمَاتُرِيْدِيَّةِ وَالْاَشْعَرِيَّةِ فِيْ مَسَائِلَ فَهِيَ تَرْجِعُ اِلَى الْفُرُوْعِ فِي الْحَقِيْقَةِ فَاِنَّهَا ظَنِّيَّاتٌ، فَلَمْ تَكُنْ مِنَ الْاِعْتِقَادِيَّاتِ الْمَبْنِيَّةِ عَلَى الْيَقِيْنِيَّاتِ بَلْ قَالَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ اِنَّ الْخُلْفَ بَيْنَهُمَا فِي الْكُلِّ لَفْظِيٌّ وَقِيْلَ الْمُرَادُ جَمْعُ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ طَاعَةِ الْاِمَامِ وَهُوَ السُّلْطَانُ الْاَعْظَمُ وَقِيْلَ الْجَمَاعَةُ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ وَقِيْلَ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ لِكَثْرَةِ مَعَانِيْهِمَا" اور یہ بھی بخوبی ثابت ہو گیا کہ اجماع ایک جماعت کثیر اور جم غفیر کا ائمہ مجتہدین کی تقلید پر حق اور صحیح ہے، نہ گمراہی اور ضلالت کے طور پر، نعوذ باللہ منہا اگر کوئی ان لامذہبوں میں سے کہے کہ یہ اجماع مقلدین کا امر حق پر نہیں، بلکہ بدعت وضلالت پر ہے تو باوجود دعوائے عمل بالحدیث کے اس حدیث شریف کے عمل سے انکار لازم آئے گا" عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ" ملا علی قاری علیہ الرحمہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْمُظْهِرُ فِي الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ عَلٰى حَقِّيَّةِ اِجْمَاعِ الْاُمَّةِ وَقَالَ ابْنُ الْمَلِكِ اَلْمُرَادُ اُمَّةُ الْاِجَابَةِ اَيْ لَا يَجْتَمِعُوْنَ عَلٰى ضَلَالَةٍ غَيْرَ الْكُفْرِ وَلِهٰذَا ذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ اجْتِمَاعَ الْاُمَّةِ عَلَى الْكُفْرِ مُمْكِنٌ بَلْ وَاقِعٌ اِلَّا اَنَّهَا لَا تَبْقٰى بَعْدَ الْكُفْرِ اُمَّةً لَهٗ وَالْمَنْفِيُّ اِجْتِمَاعُ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الضَّلَالَةِ وَاِنَّمَا حُمِلَ الْاُمَّةُ عَلٰى اُمَّةِ الْاِجَابَةِ لِمَا وَرَدَ اَنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُوْمُ اِلَّا عَلَى الْكُفَّارِ فَالْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اجْتِمَاعَ الْمُسْلِمِيْنَ حَقٌّ وَقَالَ الْاَبْهَرِيُّ قَوْلُهٗ عَلٰى ضَلَالَةٍ اَيْ عَلٰى خَطَاٍ وَقِيْلَ عَلٰى كُفْرٍ وَمَعْصِيَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ كِنَايَةٌ عَنِ النُّصْرَةِ وَالْغَلَبَةِ اَوِ الْحِفْظِ وَالرَّحْمَةِ اَوْ مَعْنَاهُ اِحْسَانُهٗ وَتَوْفِيْقُهٗ لِاسْتِنْبَاطِ الْاَحْكَامِ وَالْاِطِّلَاعِ عَلٰى مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ مِنَ الْاِعْتِقَادِ وَالْعَمَلِ عَلَى الْجَمَاعَةِ اَيِ الْمُجْتَمِعِيْنَ عَلَى الدِّيْنِ يَحْفَظُهُمُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ وَالْخَطَاِ اَوْ لِلتَّوْفِيْقِ لِمُوَافَقَةِ اِجْمَاعِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَمَنْ شَذَّ اَيِ انْفَرَدَ عَنِ الْجَمَاعَةِ بِاعْتِقَادٍ اَوْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ لَمْ يَكُوْنُوْا عَلَيْهِ شُذَّ فِي النَّارِ اَيِ انْفَرَدَ فِيْهَا وَمَعْنَاهُ انْطَرَدَ اَصْحَابُهُ الَّذِيْنَ هُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ وَاُلْقِيَ فِي النَّارِ" پس اس حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ ہم مقلدوں کا سواد اعظم حق پر ہے، اور ہماری جماعت کو نصرت الٰہی وغلبہ دینی شامل حال ہے، کیوں نہ ہو کہ اسی جماعت کی تعریف میں حق

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ''اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ''اور نیز اس اجماع تقلید کی دلیل نص قرآنی سے ثابت ہے، اور جو کوئی سلف صالح اور اجماع اہل اسلام کے طریقے سے مثل لا مذہبوں کے علیحدہ ہو کر دوسری راہ چلے تو اس کے واسطے دخول نار کی سخت وعید آ گئی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ''یعنی جو کوئی خلاف طریقہ جماعت مومنین چلے تو ہم اس کو اسی راہ ضلالت پر رکھیں گے اور دوزخ میں اس کو ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے، پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم لوگوں کی نجات اخروی بدون تقلید طریقہ مومنین کے اور بغیر اتباع سلف صالحین کے معلوم نہیں ہوتی۔

اہل نسبت حنفی یا شافعی کا مثل عثمانی وعلوی کے قرون ثلاثہ میں پایا جانا

اب باقی رہی یہ بات کوئی لا مذہب کہے کہ حنفی یا شافعی کی نسبت تقلید امور شرعیہ میں بدعت محدثہ ضلالہ معلوم ہوتی ہے، اور نیز یہی تقلید شخصی منجر بشرک وضلالت ہے، تو جواب شافی اس کا یہ ہے، کہ جس کی اصل قرون ثلاثہ میں نہ پائی جائے گی اور نہ اس میں کوئی تائید دینی ہوگی بے شک وہ بدعت ضلالہ ہے، حالانکہ یہ نسبت حنفی یا شافعی وغیرہ کی ایسی نہیں ہے جو دین کے منافی ہو، بلکہ قرون ثلاثہ میں اصل اس نسبت کی پائی گئی اور بایں معنی ملقب ثابت ہوا ہے، چنانچہ علوی اس شخص کو بولتے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل جانتا تھا اور عثمانی اس کو کہتے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتا تھا، جیسا کہ صحیح بخاری میں یہ لقب بایں معنی موجود ہے، پس جب نظیر اس کے اصل اور اس قسم کے نسبت کی قرون ثلاثہ میں بتا دی گئی، تو حنفی یا شافعی کی نسبت پر اعتراض کرنا اور اس کو معاذ اللہ بدعت ضلالہ یا شرک سمجھنا سوائے جہلائے عوام کے کسی عاقل اور اہل علم کا کام نہیں، بلکہ ہم ان لا مذہبوں سے پوچھتے ہیں کہ یہ لقب محمدی کا جو مقلدین کے مقابلے میں عین اتباع سنت سمجھ کر بولا جاتا ہے، یہ بھی ان کے ایجاد اس تازہ سے ہے، ورنہ جس حدیث شریف سے اس لقب کے استحسان کا حکم جاری ہو، ہم کو بتا دیں اور اگر کہا جائے کہ یہ لقب محمدی بوجہ اتباع فخر عالم ﷺ کے تبرکاً وتیمناً اختیار کیا گیا، اس میں بدعت کو کیا دخل ہے، جواب اس کا یہ ہے، چونکہ صحابہ اور فخر عالم ﷺ کے اعمال واقوال مسنونہ سے امام اعظم اور امام شافعی وغیرہما مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بحکم حقیقت مضمون حدیث'' ما انا علیه واصحابی ''اپنا مذہب حق مقرر کیا ہے، تو حنفی ہونے کے لقب کا بھی اسی پر قیاس ہو سکتا ہے، کہ بوجہ اتباع امام اعظم وامام شافعی کے اختیار کیا گیا ہے، اور در حقیقت یہ اتباع ائمہ کا نہیں، بلکہ اتباع صحابہ وفخر عالم ﷺ کا ہے، پس اب اس ملقب حنفی یا شافعی میں کوئی بدعت اور تعجب کی بات نہیں، نہ کسی قسم کا گناہ ہے، نہ کراہت، کیونکہ یہ سب مجتہدین محمدی تھے، اور اتباع سنت محمدیہ میں ہمہ تن ڈوبے ہوئے تھے، پس مثلاً جو حنفی ہے وہ موحد بھی ہے اور محمدی بھی، اور حنفی کے یہ معنی ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بسبب فضل وتقدم وقرب زمانہ نبوت اور بوجہ اعظم قوت اجتہادیہ واستنباط مسائل دینیہ علی وجہ السنۃ السنیہ کے وہ اعلم اور افضل اور اتقی جانتا ہے، اور دیگر ائمہ مجتہدین کے نسبت بھی علی الحق عقیدہ رکھتا ہے، اور علی ہذا شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کو بھی

سمجھنا چاہیے، اور نیز یہ القاب قدیم الایام سے علمائے اہل حق کے درمیان برابر شائع رہے ہیں، اور بڑے بڑے لوگوں میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، یہ بیچارے مفت بھیجے، لکھے نہ پڑھے، کس گنتی اور شمار میں ہیں، کہ بزرگانِ دین کی شان میں کچھ گستاخی کریں استغفر اللہ۔

ان بزرگوں کو برا کہنے سے کیا پھل پائیں گے　　　　دیکھ لینا آج کیا اس کی سزا کل پائیں گے

پس ہم نے تو حنفی، شافعی وغیرہ کے بدعت نہ ہونے بلکہ زمانۂ قرونِ ثلاثہ میں مثل علوی وعثمانی کے پائے جانے کی نظیر بتادی، بلکہ یہ نسبت محمدی لقب کے حنفی، شافعی کا تلقب پہلے سے ہونا ثابت کر دکھایا اور یہ عجیب بات ہے کہ قرونِ ثلاثہ کا قدیم استعمال تو بدعت ہو جائے اور اس کے بعد کا جدید استعمال سنت کہلائے حالانکہ امر بالعکس ہے۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا

نسبت لفظ محمدی کی حقیقت

بلکہ میں کہتا ہوں اور تاریخی واقعات سے بیان کرتا ہوں کہ جو آج کل کے لامذہبوں نے اس لفظ محمدی کے لقب کو اپنے حق میں جائز رکھا ہے، بیچارے مقلدوں کو اتباع سنت محمدیہ کا دھوکا دیا ہے، اصل منشا اس کا یہ ہے، کہ یہ محمدی لقب درحقیقت محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف منسوب ہے، اگرچہ بظاہر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب معلوم ہوتا ہے، جب ہمارے علمائے محققین نے اس میں غور کیا تو اس اشتراک لفظی میں دھوکا پایا، اور عوام کی ضلالت کا باعث سمجھا، کہ بحکم اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ کے اس لقب سے یہی متبادر ہوتا ہے، کہ آدمی سنتے ہی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کا خیال کرے گا، حالانکہ اس سے یاروں کا کچھ اور ہی مقصود تھا، ناچار ہمارے فقہا نے ان علما کے لقب کو وہابی سے بایں علت بدل دیا کہ اگرچہ عبدالوہاب بوڑھا آدمی بسبب ضعف کے نجد میں اپنی جگہ سے نہیں ہلا، مگر محمد نامی ان کے صاحبزادہ بلند اقبال نے ۱۲۲۱ھ میں سلطنت روم کا بڑی انتظام دیکھ کر دین کے پردے میں دنیا کمانے کو بقصد ملک گیری چند باغیوں کو ہمراہ لیکر حرمین شریفین پر چڑھائی کی، اور بہت سے علمائے مقلدین کے خون کو مباح کر دیا اور اکثر مقابر اور مشاہد کے ڈھا دینے کا حکم دیا، آخر ۱۲۳۳ہجری میں لشکر سلطانی نے ان پر فتح پائی، جس کا قصہ شامی حاشیہ درمختار کے نسخۂ مطبوعۂ مصر کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۰۹ باب البغات میں مرقوم ہے، چونکہ باپ بیٹے کی اصل ہوتا ہے اور نیز لفظ محمدی سے وہی شبہۂ اشتراک موہم ہوتا تھا بنظر بر اں محمد بن عبدالوہاب کے مقلدین اور اتباع کا لقب وہابی رکھا گیا، اور جب سے حرمین محترمین اور نیز ہندوستان میں وہابی کے نام سے بخوف فتنہ مذکورہ کچھ دار و گیر اور باز پرس ہونے لگی، تو پھر یہ حکم "كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ" کے محمدی بن گئے، مگر وہی محمدی جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف منسوب ہے، اور اگر اس نسبت سے ان کو انکار بھی ہو، اور اپنے دعوائے اتباع سنت کے موافق وہی نسبت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ مقصود ہو، تاہم اس لفظ کو بے محل استعمال کرنے سے ترک کر دینا چاہیے، چنانچہ ہم کو ایک نئے بگڑے ہوئے لامذہب سے ملاقات کا اتفاق ہوا، تو ہم نے پوچھا کہ آپ کا کون مذہب ہے، جواب دیا محمدی ہم نے کہا: سبحان اللہ!" یہ تو سوال از آسمان

جواب از ریسمان ہوا" ہم کو دین محمدی پوچھنا مقصود نہیں ہم تو مذہب پوچھتے ہیں، اور دین و مذہب میں تو استعمالاً عام خاص کا بڑا فرق ہے، جب آپ نے ہمارے ساتھ مسجد میں نماز پڑھی اور ہمارے سلام کا اسلامی جواب دیا اور نام بھی اپنا مسلمانوں کا سا بتایا، پس ہم کو آپ کا محمدی ہونا معلوم ہے، ہاں، اگر ہم کو آپ کا اہل اسلام سے ہونا معلوم نہ ہوتا، بلکہ یہودی یا نصرانی کا آپ کی نسبت گمان ہوتا تو البتہ ان کے مقابلے میں ہمارے سوال کا جواب محمدی بجا اور صحیح ہوتا، پھر ہم نے پوچھا آپ نے کچھ علم معنی بیان بھی پڑھا ہے، جس سے آپ کو ایراد کلام اور جواب سوال کے فصاحت و بلاغت سے خبر ہوتی، جواب دیا کہ یہ علوم دینیہ سے نہیں بدعت ہے، میں کیونکر پڑھتا، ہم نے کہا سچ ہے، پہلے ہی ہم کو آپ کے جواب بے محل سے آپ کا مبلغ علم معلوم ہو گیا، اب علم فصاحت و بلاغت کا بدعت ہونا مزید کی بر آں ہوا۔

پہلے ہی سے نہ ان کی تھی کچھ قدر و منزلت مضمون خط نے اور ڈبودی رہی سہی

پھر کہا کہ مذہب پوچھنے سے آپ کا کیا مقصود ہے؟ اور آپ کی کیا غرض ہم تو اہل حدیث سے ہیں، حدیث کے موافق ہم سے سوال کیجئے، پھر جواب لیجئے، ہم نے کہا کہ یہ حدیث شریف سنئے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے "وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً "یعنی میری امت میں تہتر مذہب کے لوگ ہوں گے، بہتر ان میں دوزخی ہیں، اور ایک جنتی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ من ھی یعنی وہ جنتی مذہب کا فرقہ کون ہے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے" مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي "یعنی وہ فرقہ جس کا طریقہ میری سنت کے موافق اور میرے صحابہ کے چال چلن کے مطابق ہو، کہ وہ فرقہ اہل سنت و جماعت ہے، اور ان دوزخی بہتر فرقوں کی اصل میں یہ چھ قسمیں ہیں، رافضیہ، خارجیہ، جبریہ، قدریہ، جہمیہ، مرجیہ اور پھر ہر قسم کے بارہ بارہ شعبے ہیں، اور یہ بہتر فرقے سب محمدی کہلاتے ہیں اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، پس ہمارا مقصود مذہب کے پوچھنے سے یہی ہے، کہ آپ جبریہ، قدریہ وغیرہ فرق باطلہ میں سے ہیں، یا حنفیہ، شافعیہ وغیرہ فرق حقہ میں سے تاکہ حق و باطل اور ناری و ناجی میں فرق ہو جائے، اور لفظ محمدی سے ہمارا مقصود حاصل نہیں ہوا، کہ تہتر فرقے سب محمدی ہیں، ان سب کا محمدی ہونا تو ہم کو معلوم ہے، مگر یہ نہیں معلوم کہ آپ کس فرقے میں ہیں، اور جو فرقہ اہل سنت و جماعت کا ناجی اور حق ہے، سو باتفاق علمائے امت محمدیہ کے اس کے چار نام ہو گئے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہ سنت و جماعت کی حقیت ان چاروں میں دائر ہے، اب لامذہب صاحب سے کچھ جواب باصواب نہ آیا، تو گھبرا کر بول اٹھے، کہ ہم اور ہمارے سب باپ دادا حنفی المذہب تھے، لیکن ہم نے ایک لامذہب کے بہکانے سے اپنا نام محمدی رکھا،

دھوکہ دیکر غیر مقلد بنانے کا نیا طریقہ

تفصیل اس کی اس طرح ہے، کہ ہم سے اس شخص نے پوچھا، کہ تم کس کا کلمہ پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ کا، کہا شاباش، پھر پوچھا کہ قبر میں منکر نکیر نبی کا نام نامی پوچھیں گے تو کیا نام بتاؤ گے؟! ہم نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ، کہا مرحبا،

پھر پوچھا کہ قیامت میں تمہاری شفاعت کون کرے گا؟ ہم نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ، کہا آفریں، جزاک اللہ، جب کہ دنیا میں اور برزخ میں اور آخرت میں جس نام سے تمہاری خلاصی اور نجات ہوگی، بڑا افسوس ہے کہ اس کو چھوڑ کر تم حنفی بن گئے، بندۂ خدا محمدی بن جاؤ، اور کوئی مذہب تم سے پوچھے تو یہی بتاؤ، پس میں اس روز سے بجائے حنفی کے اپنے تئیں محمدی کہنے لگا، لیکن اس لطیف نکتے کو نہ سمجھا کہ واقعی محمدی کے کہنے میں سوائے ایضاح واضح و اعلام معلوم کے اور کچھ فائدہ نہیں، اور نہ سائل کو اس جواب سے تسکین ہو سکتی ہے، بلکہ یہ جواب سوال کے منافی ہے، اب میں خوب سمجھ گیا کہ حنفی ہرگز محمدی کے منافی نہیں، بلکہ جو حنفی ہے وہ محمدی ہے، بخلاف محمدی کہنے کے کہ اس میں قطع نظر قباحت اشتراک فرق باطلہ کے، فرقۂ حقۂ ناجیہ کے امتیاز کا بھی پتہ نہیں لگتا، خیر ضمن بحث تقلید کے یہ محمدی، حنفی، شافعی کا قصہ جملۂ معترضہ تھا ع

کجا بودم کجا تاختم

تقلید حرام و شرک کا بیان

مگر اب پھر تقلید کی بحث سنئے، پہلے تقلید کے اصطلاحی معنی جاننا چاہیے، وہ یہ ہے کہ کسی کے قول کو بلا دلیل مان لینا، اور اقتدا اور اتباع کے بھی قریب قریب یہی معنی ہیں، اور یہی تقلید ہماری مبحوث عنہ ہے، اور جس تقلید میں احرام "مَا اَحَلَّ اللّٰهُ" اور احلال "مَا حَرَّمَ اللّٰهُ" لازم آئے جیسا کہ رسوم جاہلیت پر مشرکین عرب جمے ہوئے تھے، اور سوائے "هٰذَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا" کے کوئی دلیل نہ رکھتے تھے اور بمقابلۂ حدیث و قرآن کے اپنے آبائی رسوم کو ارجح اور اقوی اور ضروری جانتے تھے، سو یہ تقلید بالاتفاق شرک اور کفر اور حرام اور ممنوع اور مردود ہے، اور ہماری بحث سے بالکل خارج، اسی تقلید کی نسبت مولانائے روم فرماتے ہیں ؎

بشنو ایں قصہ پے تہدید را تا بدانی آفت تقلید را
از مقلد تا محقق فرقہاست کایں چو داؤد است وآں دیگر صداست
نوحہ گر باشد مقلد در حدیث جز طمع نبود مراد آں خبیث
آں مقلد صد دلیل و صد بیاں بر زباں آرد ندارد ہیچ جاں
بسکہ تقلید ست آں ایمان او روئے ایماں را ندیدہ جان او
بس خطر باشد مقلد را عظیم از رہ و رہزن ز شیطان رجیم
کور کورہ جوید از کوری دگر در چہ او باز افتد زود تر
خلق را تقلید او برباد داد ہفت صد لعنت بریں تقلید باد

اور جہاں قرآن و تفسیر و حدیث و فقہ و اقوال علما میں تقلید کا شرک و کفر و حرام و بدعت و باطل ہونا وارد ہے، اس سے یہی

تقلید مراد ہے، لیکن تقلید ما نحن فیہ کہ جس میں ہم بحث کرتے ہیں، وہ ہے کہ کوئی ناواقف مسلمان کسی دین کے مسئلے کو کسی معتبر عالم سے دریافت کرے، اور وہ عالم اس مسئلے کو خواہ صراحۃ النص، خواہ اشارۃ النص، خواہ دلالۃ النص سے استنباط کر کے بتادے، اور سائل اس کو بلا دلیل قبول کر لے، پس یہ تقلید حق ہے، کہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تمام روئے زمین کے مسلمانوں میں برابر جاری ہے، بلکہ یہ تقلید تو بحکم کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے فرض وواجب ہے، کسی کو اس سے چھٹکارا نہیں،

ثبوت تقلید شخصی کا آیہ کریمہ سے

چنانچہ قرآن پاک میں وارد ہے" فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ "یہ مضمون عموم مورد اس آیہ پاک کا تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی دونوں کو شامل ہے، اور باعتبار صوری ومعنوی ظہر وبطن اعجاز قرآنی کے ایک ہی لفظ سے عموم وخصوص دونوں نکلتے ہیں، اس موقع پر حافظ علیہ الرحمہ کا مضمون نہایت چسپاں ہے ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد   برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

تقلید شخصی وغیر شخصی دونوں تقلید مامور ومشروع کے افراد ہیں

پس شارع علیہ السلام کے قربان جایئے کہ ایک ہی مفہوم مطلق سے دو امر مقید پر عمل کرنے کا حکم دے دیا، اور تقلید کے ایک ہی مقسم میں شخصی اور غیر شخصی کے دونوں قسم بتادیے، اس واسطے کہ اس آیہ پاک میں لفظ" فَاسْئَلُوْا "صیغہ عام ہے کہ تمام افراد امت کو جس کو مسئلہ نہ معلوم ہو عالم سے سوال کرنے کا حکم بصیغہ امر ہوا ہے، جو موجب اثبات فرضیت ہے، اور لفظ" اَهْلَ الذِّكْرِ "کا اسم جنس ہے کہ لغت میں واحد وجمع دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، پس یہ حکم سب کو ہوا کہ جس اہل ذکر سے چاہو مسئلہ دریافت کرلو، عام ہے اس سے کہ مسئول عنہ تمہارا تمام مسائل میں ایک شخص ہو یا کئی شخص ہوں، کہ جس سے چاہو مسئلہ پوچھو، پس پہلی صورت کو تقلید شخصی کہتے ہیں، کہ ایک شخص واحد کی تقلید کرے سب عمر وریاست دینی اس سے عمل کرلے، اور دوسری صورت کو تقلید غیر شخصی کہتے ہیں، کہ جس سے چاہے مسئلہ پوچھ لے، پس یہ دونوں فرد ہیں تقلید اہل الذکر کی اس مطلق تقلید میں داخل ہیں، جو لفظ فَاسْئَلُوْا سے جس کی فرضیت ثابت ہو چکی ہے، اور مقسم کو اپنے دونوں قسم پر صادق آنا ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ مطلق کے سب افراد فرضیت میں متساوی ہوتے ہیں، جس فرد پر عمل کرے گا فرضیت امتثال امر سے فارغ ہو جائے گا۔ پس آیہ شریفہ سے تقلید مطلق کی فرضیت ثابت ہوگئی، اور اس کی دونوں فردوں پر علی سبیل الانفراد بایہما شاء مقلد کو اختیار دے دیا گیا خواہ یہ تقلید ایک عالم سے ہو یا متعدد علماء سے، جس سے دونوں نوع تقلید مطلق مفروض کی ماموروہ معمول ومفروض ہوتی ہیں، جس پر چاہے عمل کرے کوئی فرد ممنوع نہیں ہو سکتی، اس واسطے کہ جب مفروض مطلق مقسم ہے تو دونوں قسموں میں حکم فرضیت کا جاری رہے گا نہ کہ ایک فرد اس کی، یعنی" تقلید شخصی "بدعت اور شرک اور حرام ہو، اور دوسری فرد اس کی، یعنی" تقلید غیر شخصی "جائز اور مشروع ہو، یہ تو کسی پاگل اور مجنوں لا یعقل اور جاہل کا کام ہے کہ مامور کے افراد کو حرام بتادے، اس واسطے کہ فرض کی ضد شرک

ہے پھر فرض کی تحت میں شرک کس طرح مندرج ہوسکتا ہے، بلکہ یہ عقلاً ونقلاً محال ہے، اور بعض بے علم جو کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب سے پوچھنے کے باب میں نازل ہوئی ہے، لہذا اہل الذکر سے وہی مراد ہیں نہ دیگر علمائے مجتہدین، سو یہ کہنا ان کا محض خلاف قاعدۂ دین اور مخالف اصول اسلام کے ہے، اس واسطے کہ باتفاق تمام علمائے امت کے عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ خصوص مورد کا، اگرچہ نزول اس آیت کا سوال اہل کتاب کے باب میں سہی مگر الفاظ بالعموم سوال جملہ علما کو واجب کرتے ہیں، اسی واسطے کسی محدث ومفسر وعالم وفقیہ نے اس آیت کو سوال اہل کتاب پر مقصور اور مخصوص نہیں کیا، چنانچہ تفسیر بیضاوی میں ہے: ''وَفِي الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلٰى وُجُوبِ الْمُرَاجَعَةِ إِلَى الْعُلَمَاءِ فِيمَا لَا يُعْلَمُ'' الخ یعنی اس آیت سے جاہل کو عالم سے پوچھ کر عمل کرنے کی فرضیت قیامت تک ثابت ہے، اور غیر مجتہد کو تقلید مجتہد سے چھٹکارا نہیں، اور عامی کو عالم سے چارہ نہیں،

ائمۂ اربعہ کے وجوب تقلید کا ثبوت

چنانچہ شرح جمع الجوامع میں لکھا ہے: ''يَجِبُ عَلَى الْعَامِيِّ وَغَيْرِهِ مِمَّنْ لَمْ يَبْلُغْ مَرْتَبَةَ الْاِجْتِهَادِ الْتِزَامُ مَذْهَبٍ مُعَيَّنٍ مِنْ مَذَاهِبِ الْمُجْتَهِدِينَ'' اور امام الحرمین جوینی برہان میں لکھتے ہیں: ''أَجْمَعَ الْمُحَقِّقُونَ عَلٰى أَنَّ الْعَوَامَّ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَعْمَلُوا بِمَذْهَبِ الصَّحَابَةِ بَلْ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَّبِعُوا مَذْهَبَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ الَّذِينَ نَكَرُوا أَوْضَاعَ الْمَسَائِلِ وَأَوْضَحُوا طَرِيقَ النَّظَرِ'' یعنی محققین کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ عوام لوگ صحابہ کے مذہب پر عمل نہ کیا کریں، بلکہ ان پر واجب اور ضرور ہے، کہ ان ائمۂ اربعۂ مجتہدین کا اتباع کریں، کہ جنہوں نے ہر قسم کے مسائل دینیہ کو بیان کر دیا ہے، اور اسلام کے دقائق اور مشکلات کو کھول دیا ہے، اور نیز فقیہ ومحدث عالی مقام ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھ دیا ہے: ''إِنْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى عَدَمِ الْعَمَلِ بِالْمَذَاهِبِ الْمُخَالِفَةِ لِلْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ'' اور قطب ربانی عالم حقانی امام شعرانی میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''وَكَانَ سَيِّدِي عَلِيُّ بْنُ الْخَوَاصِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِذَا سَأَلَهُ إِنْسَانٌ عَنِ التَّقْلِيدِ بِمَذْهَبٍ مُعَيَّنٍ اَلْآنَ هُوَ وَاجِبٌ أَمْ لَا يَقُولُ لَهُ يَجِبُ عَلَيْكَ التَّقْلِيدُ مَا دُمْتَ لَمْ تَصِلْ إِلٰى شُهُودِ عَيْنِ الشَّرِيعَةِ الْأُولٰى'' یعنی جب کوئی شخص ہمارے امام شیخ علی خواص رحمہ اللہ سے پوچھتا، کہ آیا اس زمانے میں تقلید شخصی واجب ہے یا نہیں، تو وہ جواب دیتے کہ جب تک تم درجہ اجتہاد کو نہیں پہونچے گے، تم پر تقلید شخصی واجب ہے، اور علامہ ابن حجر مکی فتح المبین فی شرح الاربعین میں لکھتے ہیں: ''أَمَّا فِي زَمَانِنَا فَقَالَ أَئِمَّتُنَا لَا يَجُوزُ تَقْلِيدُ غَيْرِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ'' اور سوا آیت مذکور کے، اس دوسری آیت سے بھی ائمۂ مجتہدین کی تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے: ''أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ الْآيَة'' اس واسطے کہ لفظ اولی الامر کا عموماً خلفا اور علما اور فقہا سب کو شامل ہے، اگرچہ بعض نے کہا ہے، کہ مراد اس سے سلاطین وامرائے اسلام ہیں، مگر یہ قول پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، اس واسطے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عطا اور مجاہد اور ضحاک اور ابوالعالیہ

اور حسن بصری وغیرہم بڑے بڑے فقہائے صحابہ وتابعین وتبع تابعین نے اولی الامر کی تفسیر میں فقہا اور علما ہی کو لکھا ہے، اور نواب صدیق حسن خان صاحب رئیس عاملین بالحدیث اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہا تفاسیر میں اولی الامر کے یہی معنی مراد لیتے ہیں، اگرچہ اس لفظ کے ظاہر منطوق سے سلاطین اور امرائے اسلام متبادر ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت قطع نظر ترجیح مراد اقوال صحابہ وتابعین وتبع تابعین مذکورین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے، ذرا غور کیا جائے تو بھی یہی معنی ثابت ہوتے ہیں، اس واسطے کہ احکام دو قسم کے ہیں، "دنیوی" اور "دینی" اور امور دنیوی کی چند قسمیں ہیں: مثلاً سیاست مدن کے اعتبار سے اولی الامر سلاطین ہیں، اور تدبیر منزل کے اعتبار سے امور خانہ داری کے منتظمین اولی الامر ہیں، اور امر دینی کی بھی دو قسمیں ہیں: "باطنی" اور "ظاہری" پس علم باطن کے اولی الامر تو وہ شیوخ طریقت ہیں، جو سالکان طریقت کو ان کی تقلید واجب ہے، اور ظاہری علم شرع کے اولی الامر حضرات مجتہدین ہیں، جو کتاب وسنت پر خوب واقف ہو کر چلتے ہیں، اور ان سے اصول مسائل استنباط کرتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ اجماع وتقلید اسی وقت تک ہے، کہ تابع اور مقلد متبوع اور مقلد کے درجے کو نہ پہونچا ہو، پس اس آیت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جو مسلمان غیر مجتہد ہے، اس کو کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب اور فرض ہے، اور استنباطات قیاسیہ مجتہدین کے سب من جانب اللہ ہوتے ہیں، نہ من تلقاء نفوسہم، کیونکہ جو کچھ اشارات اور دلالات نصوص صریحہ وغیر صریحہ سے مستخرج ہیں، وہ سب عین حکم نص ہیں، اس واسطے کہ قیاس حکم کا مظہر ہوتا ہے، نہ حکم کا مثبت، پس یہاں حکم کتاب وسنت کا قبول کرنا فرض ثابت ہو گیا، خواہ وہ سنت وکتاب کا حکم صریح معلوم ہو یا باستنباط مجتہد ہو، اور ظاہر ہے کہ کتاب وسنت سے ہرگز سب مسائل معلوم نہیں ہو سکتے، اس واسطے کہ ہزارہا جزئیات مسائل ہیں، اور لاکھوں امور شرعیہ غیر متناہیہ، کہ قیامت تک واقع ہوتے چلے جاتے ہیں، اگر اس باب میں فقہائے مجتہدین کے اصول وقواعد مدون نہ ہوتے، تو جواب دینا اتفاقات جزئیہ کا محال ہو جاتا، اور اس کا حل کرنا کسی غیر مقلد سے بھی بن نہ آتا تحریر افتا وا فتا کا سب کام بند ہو جاتا۔

لا مذہبوں کا کام افتاء میں بغیر فقہ کے چل نہیں سکتا

چنانچہ ہم مولوی نذیر حسین صاحب آج کل کے رئیس اہل حدیث اور سر دفتر عاملین کتاب وسنت سے اس دعوے کو ثابت کر دیتے ہیں، کہ ان کے اکثر استفتوں کے جوابات میں جب گاڑی اٹک جاتی ہے اور فقط سنت وکتاب سے کام نہیں چلتا، تو لا محالہ اجماع وقیاس مجتہدین فقہا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور شرح وقایہ اور کنز اور ہدایہ اور شامی اور در مختار اور عالمگیری اور فتاوی قاضی خان وغیرہ کا حوالہ دیا جاتا ہے، افسوس کہ پھر بایں ہمہ انتفاع واستفادہ کے فقہ اور فقہا کو برا کہا جاتا ہے، سچ ہے ؎

نمک خوردن نمک داں را شکستن | ہمیں کار ست ایشاں را ہمہ تن

پس اسی قیاس اور استخراج مسائل اور اجماع فقہا کو مان لینا، اور اس پر فتوی دینا، یہی خود تقلید شخصی ہے، اور پھر اسی نیک کام کی برائی یہ کیسا اجتماع تضاد ہے؟ کہ خود فضیحت اور دوسروں پر ایراد ہے۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اور جب سب کام دینیات کے رائے فقہ، عقل، ذہن، فہم کی مدد سے لیتے ہیں، اور پھر انہیں سمجھ بوجھ کی باتوں کو گالیاں دیتے ہیں، تو ان کو حدیث پر عمل کرنے کی سمجھ کیونکر حاصل ہوگی۔

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے　　　جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو پھر اس سے خدا سمجھے

اور اتنا بھی نہیں سمجھتے، کہ جب تقلید ماسور اور مفروض ہو چکی، تو پھر اس کو شرک کہنا خود مشرک بننا ہے، اور بمقابلہ نص قطعی کے اپنی رائے فاسد سے حکم لگانا ہے۔ معاذ اللہ یہ کیسے لوگ ہیں؟ کہ جس کو حق تعالیٰ فرض فرمائے، ان کے نزدیک وہ شرک ہو جائے، عجب کہ یہاں تو نص قرآنی سے انکار لازم آتا ہے، اور وہاں عمل بالحدیث کا زبانی وظیفہ چلا جاتا ہے۔

ادا سے جھک کے ملتے ہیں گلے سے قتل کرتے ہیں　　　ستم ایجاد ہیں ناوک لگاتے ہیں گلا ہو کر

پس تقلید شخصی ہو یا غیر شخصی ثابت ہو گیا، کہ فرض و مامور بہ کو شرک سے تعبیر کرنا محض لا یعقل کا کام ہے، نہ عاقل کا، اور پھر دونوں کا حکم یکساں جاننا بالکل جہل عن الشرع ہے، اور کسی نص میں وارد نہیں ہوا کہ مسئول عنہ سے بادلیل مسئلہ پوچھو، بلکہ سب آیات واحادیث سے مطلق سوال کا حکم نکلتا ہے، پس سوال میں دلیل کی قید اپنی طرف سے اضافہ کرنا اور تقلید کے باب میں سوال مسئلہ بلا دلیل پر طعن کر کے شرک و بدعت کہنا، حق تعالیٰ کے حکم مطلق کو اپنی رائے سے مقید کرنا، اور بعض افراد مشروع کو اپنے قیاس فاسد سے مردود ٹھہراتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ، اور ظاہر ہے کہ مجتہد وقت اختلاف احادیث کے کسی وجہ ترجیح سے ایک جانب کو مرجح کر کے بحکم "ولکل وجہۃ" کے عمل کرنے کا حکم دیتا ہے، اس صورت میں غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ یہ حکم خلاف حدیث صحاح ستہ کے ہے، اس حکم پر عمل کرنا حرام ہے، محض بے دلیل بات ہے، بالکل واہیات ہے، اس واسطے کہ احادیث صحاح کا حصر، کتب صحاح ستہ میں نہیں ہو سکتا، بلکہ او رمسانید جیدہ لا سانید میں بھی برادر، احادیث صحیحہ منقول ہیں اور دیں، پس کسی مجتہد نے کسی حدیث کو کسی وجہ سے مرجح کر کے اس کے موافق حکم دیا، تو اس کا رد کرنا عین حدیث کا رد کرنا ہے، اور ہرگز یہ بات اہل حدیث کیا کسی ادنا متدین کے پاس بھی جائز نہ ہوگی، چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا دیگر ائمہ کے اقوال مفتی بہا مثلاً سب ایسے ہی ہیں، کہ اگر بظاہر ایک حدیث کے مخالف معلوم ہوتے ہیں، تو دوسری نص کے مطابق ہیں، جیسا کہ فتح المبین میں سو مسئلوں کے جوابات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی، کہ ہر مسئلے کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے دکھا دیا، اور اعتراض کو اٹھا دیا، اب وہ الزام مخالفت حدیث کا امام صاحب کی نسبت کہاں رہا؟ پس اس قسم کے اقوال مجتہدین کے رد کرنے سے خدا اور رسول کے حکم کا رد کرنا لازم آتا ہے، بجز نافہمی اور ہٹ دھرمی کے ان کو کیا الزام دیا جائے؟ کہ بعض جگہ کفر تر دی اور توہین دینی کے سبب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ابھی ہم نے تقلید کے باب میں ان کے کفریات لزومی اور عقوبات سوء ظنی کو ثابت کر دیا۔

عمل بالحدیث کے شرائط

افسوس کہ نہ ان کو سلیقہ ترجیح احکام کا، نہ ان کو امتیاز مفہوم خاص وعام کا، نہ ان کو نظر جملہ نصوص پر، نہ تمیز ناسخ ومنسوخ کی، نہ سمجھ صحیح وسقیم کی، نہ اسباب مخالفت کی خبر، نہ وجوہ ترجیحات پر نظر، نہ اقسام ودلالات سے واقفیت، نہ علل نصوص سے لگاؤ، نہ محاورات کلام عرب میں دخل، نہ جملہ مرویات کا احاطہ، نہ کتاب وحدیث کا علم، نہ سنت وشریعت کا فہم، کہ عمل بالحدیث کے واسطے ضروری ہے، اور بدوں ان باتوں کے تقلید واجب ہے۔ محض سنے سنائے احادیث یا ترجمہ مشکوٰۃ کو دیکھ کر عامل بالحدیث بن بیٹھے اور فقہا کو برا بھلا کہنے لگے۔

اب تو یہ تھے اور تھی توہین تقلید امام — واہ کیا تعظیم وتکریم ائمہ والسلام

ہاں جن کو کچھ درجہ اجتہاد واحاطۂ اخبار وعلم ترجیح وفہم عموم وخصوص وامتیاز ناسخ ومنسوخ حاصل تھا، انہوں نے جو بعض فروعی مسائل مختلف فیہا میں خلاف کیا، اور کسی حکم جزئی میں تقلید چھوڑ دی، تو آج کل کے جہلاء بے عوام بلکہ خواص کے واسطے بھی وہ فعل متقدمین کا قابل احتجاج نہ سمجھا جائے گا، کہ سو محض ثقات ہے، چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

بزور کوہ کندن ہمسر فرہاد نتواں شد — کجا ایں محدث بدعت کجا آں سالک سنت

غیر مقلدوں کی گمراہی پر پرچہ اشاعۃ السنہ کی شہادت

مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے پرچہ اشاعۃ السنہ کے نمبر ۲ جلد ۱۱ میں انصافاً ان غیر مقلدوں کے حق میں سچ فرمایا، اور ان کی ترک تقلید کو موجب ضلالت ٹھہرایا، چنانچہ عبارت ان کی بلفظہ مرقوم ہے۔ جو لوگ قرآن وحدیث سے خبر نہ رکھتے ہوں اور علوم عربیہ ادبیہ سے (جو خادم قرآن وحدیث ہیں) محض ناآشنا ہوں، صرف اردو فارسی تراجم پڑھ کر یا لوگوں سے سن کر یا ٹوٹی پھوٹی عربی جان کر مجتہد اور ہر بات میں تارک التقلید بن بیٹھے ہیں، ان کے حق میں ترک تقلید سے بجز ضلالت کے کسی ثمرے کی توقع نہیں ہو سکتی، ہم کو پچیس برس کے تجربے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے، کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور بالکل تارک تقلید بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض تو عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب، جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور فسق وفجور اور احکام شریعت سے خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے، ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت، نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں اور سود شراب سے پرہیز نہیں کرتے، اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے سبب فسق ظاہری سے بچتے ہیں، تو وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں اور ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، اور ناجائز حیلوں سے لوگوں اور خدا کے مال وحقوق دبا رکھتے ہیں، کفر وارتداد وفسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں انتہی۔ کلامہ اور نیز آج کل کے غیر مقلدوں کی نسبت جو تقلید شخصی کو چھوڑ کے ضلالت وگمراہی میں پڑ گئے ہیں۔

مذاہب اربعہ کی حقانیت پر حجۃ اللہ البالغہ کی شہادت

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ الولی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:" اِنَّ ھٰذِہِ الْمَذَاھِبَ الْاَرْبَعَۃَ الْمُدَوَّنَۃَ الْمُحَرَّرَۃَ قَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّۃُ وَمَنْ یُّعْتَدُّ بِہٖ مِنْھَا عَلٰی جَوَازِ تَقْلِیْدِھَا اِلٰی یَوْمِنَا ھٰذَا وَفِیْ ذٰلِکَ مِنَ الْمَصَالِحِ مَالَا یَخْفٰی لَا سِیَّمَا فِیْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ الَّتِیْ قَصُرَتِ الْھِمَمُ جِدًّا وَاُشْرِبَتِ النُّفُوْسُ الْھَوٰی وَاُعْجِبَ کُلُّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْیِہٖ "پس اس عبارت سے مذاہب اربعہ کی حقانیت باجماع امت ثابت ہوگئی، اور جو اہل ظاہر کہ ان مذاہب کے عدم جواز کے قائل ہو گئے ہیں، ان کا غیر معتد ہونا بھی ظاہر ہو گیا اور ایک مذہب کی تقلید شخصی کا ان چاروں مذاہب سے موجب مصالح کثیرہ ہونا واضح ہوا، اور ترک تقلید شخص سے اس زمانے میں بسبب اشراب ہوائے نفسانی کے قلوب عوام میں اور بسبب اعجاب ہر شخص عامی کے، اپنی رائے ناقص پر باعث مفاسد و تخریب دین کا ہونا ظاہر ہو گیا، جس طرح عدم تقلید مطلق سے لا اُبالی ہونا اور ہوائے نفسانی کا تابع بن جانا اور آزادی کے سبب ہر قید شرعی کا پابند نہ ہونا لازم آتا ہے، اسی طرح چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید نہ کرنے میں بھی ہوتا ہے، جیسا کہ ابنائے زمانہ کا حال مشاہدہ ہو رہا ہے، کہ اکثر عوام جہلا بھی دیکھا دیکھی ترک تقلید کا دم بھرتے ہیں، اور تقلید پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ نہ علم حدیث سے واقف، نہ مشکلات فقہ کے کاشف، وہی مثل کہ ۔

عشق میں ہیں ہے اب بھی یاروں کو   مینڈکی بھی چلی مداروں کو

پس ان چاروں میں سے ایک مذہب معین کی تقلید کرنا موجب سد باب فساد اور باعث اصلاح دین حق ہے، اور بھی شاہ صاحب عقد الجید کے صفحہ ۳۶ میں لکھتے ہیں اِعْلَمْ اَنَّ فِی الْاَخْذِ بِھٰذِہِ الْمَذَاھِبِ الْاَرْبَعَۃِ مَصْلِحَۃً عَظِیْمَۃً وَفِی الْاِعْرَاضِ عَنْھَا کُلِّھَا مَفْسَدَۃً کَبِیْرَۃً اس عبارت سے بھی ثابت ہو گیا کہ تقلید شخصی میں دین اسلام کی بہت بڑی مصلحت ہے اور اس کے چھوڑ دینے میں بہت بڑی خرابی ہے۔

التزام تقلید مذہب معین میں شاہ عبد العزیز دہلوی کی عبارت

اور مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی سوالات عشرہ میں لکھتے ہیں:" **سوال ششم** آنکہ اگر حنفی المذہب در بعض احکام بر مذہب شافعی عمل نماید مثل آنکہ رفع یدین کند چہ حکم ست **جواب** آنکہ اگر حنفی المذہب بر مذہب شافعی عمل نماید در بعض احکام بیکے از سہ وجہ جائز ست **اول** آنکہ دلائل کتاب و سنت در نظر او دراں مسئلہ مذہب شافعی را ترجیح دہد **دوم** آنکہ دریں معنی مبتلا شود کہ گذارہ بدوں مذہب شافعی نماند مثل احکام آب چاہ دریں دیار و یا احکام مفقود **سوم** آنکہ شخصی باشد صاحب تقوی و اودر عمل باحتیاط منظور افتد و احتیاط در مذہب شافعی یا بد مثل صدقہ دادن زائد از قدر رود آثار یا گوشت عاذی نخوردن و علی ہذا القیاس لیکن دریں سہ وجہ شرط دیگر ہم ہست و آں ایں ست کہ تلفیق واقع نشود یعنی بسبب ترکیب مذاہب صورتے متحقق شود کہ بہر دو مذہب روا نباشد مانند آنکہ فصد را ناقض وضو نداند باز ہما وضو نماز پس امام بے قراءت فاتحہ گزارد کہ در ہیچ مذہب روا نباشد وضو بر

مذہب حنفی باطل گشت ونماز بر مذہب شافعی واگر سوائے ایں وجوہ مثلاً شرکِ اقتدائے حنفی نمودہ اقتدائے شافعی کرد یا بالعکس نمودہ کردہ قریب بحرام باشد زیراکہ لعب ست ودریں دمعنی تلفیق ہست کہ دریک عبادت مانند نماز وروزہ بردو مذہب عمل کردہ شود وایں باجماع جمیع علما باطل ست چنانچہ در درمختار در کتاب الصلوٰۃ آوردہ اِنَّ الْحُكْمَ الْمُلَفَّقَ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ

حرمت عمل تلفیق کی بالاتفاق ثابت ہے

پس مضمون عدم تلفیق کا تقلید امام معین میں متحقق ہے، ورنہ ترکِ تقلید میں تلفیق کی صورت نکلتی ہے، حالانکہ تلفیق ناجائز ہے۔کہ یہ بات حفظ دین وعقیدۂ جازم اعمال وضبط احکام اسلام کے خلاف ہے، جس سے دین میں ایک نوع کا لہو ولعب معلوم ہوتا ہے، کہ کبھی باتباع شافعیہ کے ایک چیز کو حرام جانا اور کبھی بتوافق حنفیہ کے اسی کو حلال کرلیا، اور کبھی کسی کو جائز کہا اور کبھی ناجائز قرار دیا، کافروں کا بھی یہی طریقہ تھا تو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی خبر دی: ''يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا'' یعنی ایک سال اپنی خواہش نفس کے موافق ایک چیز کو کفار حلال کرلیتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام بنادیتے ہیں۔ اس صورت خلط کو تلفیق کہتے ہیں، اور اسی آیت سے تلفیق بالاتفاق حرام ہوگئی، اسی واسطے تقلید امام واحد کی واجب ہوئی، تا اس سے رفع وہم تلفیق کا ہو۔

تقلید مذہب معین کی واجب ہے

اس مقام پر یہ تقریر ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری کی نہایت مفید اور قاطع تمسک اہل تقلید ہے: ''بَلْ يَجِبُ حَتْمًا اَنْ يُّعَيِّنَ مَذْهَبًا مِّنْ هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ اِمَّا مَذْهَبَ الشَّافِعِيِّ فِيْ جَمِيْعِ الْوَقَائِعِ وَالْفُرُوْعِ وَاِمَّا مَذْهَبَ مَالِكٍ وَاِمَّا مَذْهَبَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَغَيْرِهِمْ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّنْتَحِلَ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ فِي الْبَعْضِ مَا يَهْوَاهُ وَمِنْ مَذْهَبِ غَيْرِهٖ فِي الْبَاقِيْ مَا يَرْضَاهُ لِاَنَّا لَوْ جَوَّزْنَا ذٰلِكَ لَاَدّٰى اِلَى الْخَبْطِ وَالْخُرُوْجِ عَنِ الضَّبْطِ وَحَاصِلُهٗ اَنْ يَّرْجِعَ اِلٰى نَفْيِ التَّكْلِيْفِ لِاَنَّ مَذْهَبَ الشَّافِعِيِّ اِذَا اقْتَضٰى بِتَحْرِيْمِ شَيْءٍ وَمَذْهَبَ غَيْرِهٖ اِبَاحَةَ ذٰلِكَ الشَّيْءِ بِعَيْنِهٖ اَوْ عَلَى الْعَكْسِ فَهُوَ اِنْ شَاءَ مَالَ اِلَى الْحَلَالِ وَاِنْ شَاءَ مَالَ اِلَى الْحَرَامِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الْحِلُّ وَالْحُرْمَةُ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ لِاَنَّ حِفْظَ الدِّيْنِ وَاجِبٌ وَذٰلِكَ مَا يَحْصُلُ اِلَّا بِهٖ فَيَكُوْنُ وَاجِبًا لِاَنَّ مُقَدِّمَةَ الْوَاجِبِ وَاجِبٌ بِالْاِجْمَاعِ فَثَبَتَ اَنَّ تَقْلِيْدَ الْمَذْهَبِ الْوَاحِدِ وَاجِبٌ لِاَنَّ مُقَدِّمَةَ الْوَاجِبِ وَاجِبٌ'' یعنی ایک مذہب کی تقلید کا اختیار کرنا واجب ہے، مذاہب اربعہ میں سے، مثلاً تقلید شافعی کی جمیع مسائل میں، وعلیٰ ہذا القیاس تقلید حنفی کی، اور یہ کسی کو جائز نہیں کہ بعض مسائل شافعیہ کو حسب خواہش نفس خود اختیار کرلے اور بعض مسائل حنفیہ کو اپنی مرضی کے موافق لے لے، اس واسطے کہ اگر یہ امر جائز ہوجائے، تو تکلیف شرعی اٹھ جائے، مثلاً مذہب شافعی میں ایک شی حرام ہے اور وہی شی مذہب حنفی میں حلال ہے، یا بالعکس ہے، سو غیر مقلد کبھی اس کو حلال کہتے ہیں اور کبھی حرام، پس حلت

وحرمت کا ضبط متحقق نہ ہوا اور یہ بالاجماع باطل اور مردود ٹھہرا، اس واسطے کہ حفاظت ونگرانی دین کی واجب ہے، اور یہ بات بدون تعیین مذہب واحد کے حاصل نہیں ہوتی، پس تعیین مذہب واحد کی واجب ہوئی، کہ مقدمہ واجب کا بھی واجب ہوتا ہے، پس ثابت ہوگیا کہ تقلید مذہب واحد کی واجب ہے، اور یہی مدعا ہے۔ اور یہ عبارت عضدی کی بھی اس کے مؤید ہے۔" وَاِذَا عَمِلَ الْعَامِيُّ بِقَوْلِ الْمُجْتَهِدِ فِيْ حُكْمِ مَسْأَلَةٍ فَلَيْسَ لَهُ الرُّجُوْعُ مِنْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ اِتِّفَاقًا وَاَمَّا فِيْ حُكْمِ مَسْأَلَةٍ اُخْرٰى فَيَجُوْزُلَهٗ اَنْ يُقَلِّدَ غَيْرَهٗ عَلَى الْمُخْتَارِ"

صدر اول اور اس کے بعد میں تقلید کا حال

اگرچہ صدر اول میں کسی خاص امام کی تقلید کا التزام نہ تھا، اس واسطے کہ تقلید امام معین کی، واسطے حفظ دین کے ہے، اور اس زمانہ خیر القرون میں تو خود دین اسلام علی وجہ الکمال محفوظ اور روز افزوں ترقی پذیر تھا، اور یہ زمانہ وضع وکذب اور نفسانیت سے بالکل پاک وصاف تھا، اور مثل آج کل کے نہ ایسا خصمانہ جھگڑا تھا، نہ ایسا تعصبانہ اختلاف تھا، بڑے بڑے صحابہ اور تابعین ثقات موجود تھے، جس کو جس سے سابقہ پڑا وہ اس کا مقلد ہوگیا، مگر جب یہ خیر وصلاح کا اچھا زمانہ گزر گیا اور آپس میں نفسانیت پھیل گئی اور دین میں طرح طرح کے اختلافی جھگڑے پیش آنے لگے، تو دوسری صدی میں عوام کو مطلق العنانی اور تلفیق کی قباحت سے روکنے کے واسطے تقلید امام معین کا التزام کیا گیا، یہاں تک کہ تیسری صدی میں سب کے سب امام معین کی تقلید کرنے لگے، الا ماشاء اللہ کمتر کوئی باقی رہ گیا تھا، اور اس قسم کی تقلید اس زمانے میں واجب تھی، چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب انصاف میں لکھتے ہیں:" وَبَعْدَ الْمِائَتَيْنِ ظَهَرَ فِيْهِمُ التَّمَذْهُبُ لِلْمُجْتَهِدِيْنَ بِاَعْيَانِهِمْ وَقَلَّ مَنْ كَانَ لَا يَعْتَمِدُ عَلٰى مَذْهَبِ مُجْتَهِدٍ بِعَيْنِهٖ وَكَانَ هٰذَا هُوَالْوَاجِبُ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ"

رسالۂ انصاف کی عبارت میں تحریف مترجم کا ثبوت

اس رسالۂ انصاف کا ترجمہ جو بنام اسعاف چھپا ہے، اور مترجم صاحب نے اس عبارت میں اپنے مطلب کے موافق لفظ" کان" کو جو تحقق اخبار حال زمانہ ماضی بعید کے واسطے موضوع ہے، صحیح تھا" کان" غلط بنایا، جو واسطے تشبیہ مجاز خلاف واقع کے ہے، اور ترجمہ اس کا گویا کیا، حالانکہ سیاق صحت عبارت سے یہ ترجمہ اس کا کوسوں دور ہے، کہ جس سے اصل مطلب میں فتور ہے، یعنی جو امر وجوب تقلید کا متحقق الوقوع اور واقع کے مطابق تھا، اس کو ترجمہ" کان" سے" بلفظ گویا" خلاف واقع کے کر دیا، حالانکہ سیاق عبارت اس مضمون کی مساعدت نہیں کرتا ہے، ونیز اس صورت میں ایک دوسرا" کان" مقدر ماننا پڑے گا، جو بالکل عبارت عربیت کے خلاف ہے، بہرحال تیسرے اور چوتھے سیکڑے سے آج تک بڑے بڑے محققین اور محدثین اور فقہائے کاملین اور سالکان سنت سید المرسلین مثل حافظ زیلعی وعلامہ عینی وعلامہ حلبی ومحقق ابن الہمام وملا علی قاری وشیخ عبد الحق دہلوی وغیرہم جو حدیث وفقہ میں کمال تبحر رکھتے تھے حنفی المذہب تھے، اور امام نووی وبغوی وخطابی وذہبی وعسقلانی وقسطلانی وسیوطی

وغیرہم جن کا فن حدیث میں ڈنکا بج رہا ہے شافعی المذہب تھے، اسی طرح بہت سے علما مثل ابن تیمیہ وحافظ ابن القیم وقاضی شوکانی وغیرہم کے حنبلی المذہب تھے، اور ابن عبدالبر وغیرہ کہ تنقید رجال وتحقیق حدیث میں یکتائے روزگار ہو چکے ہیں مالکی المذہب تھے، اور کسی نے ان بزرگان دین میں سے باوجودیکہ بہت بڑے حدیث وفقہ کے جاننے والوں میں سے تھے، مثل جہال غیر مقلدین حال کے، کہ ان کو ان کے فضل وکمال میں سے عشر عشیر بھی حاصل نہیں، ائمہ اربعہ کی دائرہ تقلید سے قدم باہر نہیں رکھا، اور ترک تقلید سے لامذہبی کا اعلان نہیں کیا، کیونکر کرتے کہ ان چار مذہبوں کی اتباع کو سواد اعظم کا اتباع جانتے تھے اور ان سے نکلنے کو سواد اعظم سے نکلنا سمجھتے تھے، جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ عقد الجید میں لکھتے ہیں: ’’وَلَمَّا انْدَرَسَتِ الْمَذَاهِبُ الْحَقَّةُ إِلَّا هٰذِهِ الْاَرْبَعَةُ كَانَ اتِّبَاعُهَا اتِّبَاعًا لِلسَّوَادِ الْاَعْظَمِ وَالْخُرُوْجُ عَنْهَا خُرُوْجًا عَنِ السَّوَادِ الْاَعْظَمِ‘‘

امام بخاری کے شافعی المذہب ہونے کا ثبوت

پس یہیں سے ثابت ہو گیا یعنی اسی خوف خروج سواد اعظم کے سبب امام بخاری علیہ رحمۃ اللہ الباری کو بھی ایک امام کی تقلید کر کے مقلد ہونا پڑا، یعنی وہ شافعی المذہب تھے، جیسا کہ کتاب الانصاف میں مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کی خبر دی ہے: ’’وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الْبُخَارِيُّ فَاِنَّهٗ مَعْدُوْدٌ فِيْ طَبَقَاتِ الشَّافِعِيَّةِ اِلٰى اَنْ قَالَ وَاسْتَدَلَّ شَيْخُنَا الْعَلَّامَةُ عَلٰى اِدْخَالِ الْبُخَارِيِّ فِي الشَّافِعِيَّةِ بِذِكْرِهٖ فِيْ طَبَقَاتِهِمْ وَكَلَامُ النَّوَوِيِّ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ شَاهِدٌ لَهٗ‘‘ یہاں غور کرنے کا مقام ہے، کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کو باوجودیکہ اجتہاد کا درجہ اور احاطہ جملہ اخبار نبویہ کا علم حاصل تھا، اور وجوہ ترجیحات اور ناسخ ومنسوخ اور مجمل ومبین اور عام وخاص اور مطلق ومقید وغیرہ اصول شرعیہ واحکام دینیہ کو فی حدالکمال جانتے تھے اور حافظ قرآن وحدیث اور صاحب قوت استنباط مسائل مع الدلائل تھے، اور احادیث کے جملہ اقسام اور تمام طرق اسانید اور جمیع حالات رُوات سے کماحقہٗ واقف تھے، مگر مثل ائمہ اربعہ کے مجتہد مطلق نہ ہو سکے، بلکہ تقلید مسائل میں امام شافعی کے تابع رہے اور شافعیہ میں داخل ہوئے، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت اس بیان کی مصدق ہے، کوئی اس کو کیا جھٹلا سکتا ہے، کہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام نووی دونوں اس کی تصدیق کر رہے ہیں،

امام بخاری کا امام اعظم کے شاگرد کے شاگرد کی تقلید کرنا

پس جب یہ باایں جملہ تبحر علمی وتحقیق سنت نبوی کے شافعی المذہب رہے اور امام شافعی کے رتبہ اجتہاد کو نہ پہونچ سکے، تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مرتبہ اعظم کو کیونکر پہونچ سکتے ہیں، اس واسطے کہ خود امام بخاری وامام مسلم کے ائمہ وپیشوا اور امام شافعی اور امام احمد کے شیوخ واساتذہ مثل امام ملک وسفیان بن عیینہ وابن المبارک ولیث بن سعد ووکیع وامام محمد وغیرہم حضرت امام اعظم کے ادنیٰ تلامذہ سے ہیں، ابن حجر مکی شافعی خود مناقب میں معترف ہیں، کہ امام مالک ولیث بن سعد وابن

المبارک امام اعظم کے شاگرد رشید ہیں، اور امام شافعی تو بالاتفاق امام محمد کے تلمیذ سعید ہیں، یعنی امام اعظم کے شاگرد کے شاگرد امام بخاری کے مقتدا اور مقلد اور مجتہد مطلق ٹھہرے اور امام بخاری تلمیذ تلمیذ امام صاحب کے مقلد ہوئے، اور سوا اس استاذ الاساتذہ ہونے امام صاحب کے یہ علو اسناد تابعیت و قرب عہد نبوت و فضل تقدم و خیریت و قلت وسائط روایت کا مرتبہ عظمی و درجہ کبری کسی دوسرے مجتہد کو کہاں نصیب ہوا، یہاں تو ہمارے امام صاحب کو صاحب شرع سے یہ رابطہ ہے کہ درمیان میں صرف ایک کان کا واسطہ ہے ؎

صحح حدیث دوست بیک واسطہ خوش ست ۔۔۔ فی سمع آن بکثرت توسیط واسطات

پس امام بخاری علیہ الرحمہ اور جو مثل ان کے اجتہاد کا درجہ رکھتے ہوں، دائرہ تقلید میں رہے، اور مجتہد فی المذہب ہوئے نہ مجتہد مطلق، اگرچہ مجتہد مطلق سوائے ان ائمہ اربعہ کے اور بھی ہو سکتے ہیں، اور ان سے مذاہب نکل سکتے ہیں (۱)

انحصار مذاہب اربعہ کا امر الٰہی و فضل ربانی سے ہونا

لیکن جب دین میں رخنے اور فساد زیادہ پیش آئے اور سیکڑوں طرح کی خرابیاں ہونے لگیں تو بموجب مضمون وعدۂ موثوق آیہ کریمہ "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" کے من جانب اللہ دین اسلام کی حفاظت انہیں چار مذہبوں کی تقلید میں رکھی گئی اور انہیں میں حقیت دائر رہی۔ جیسا کہ تفسیر احمدی میں مرقوم ہے: "وَالْاِنْصَافُ اَنَّ انْحِصَارَ الْمَذَاهِبِ فِی الْاَرْبَعِ وَاتِّبَاعَهُمْ فَضْلٌ اِلٰهِیٌّ وَقَبُوْلِيَّةٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَا مَجَالَ فِيْهِ لِلتَّوْجِيْهَاتِ وَالْاَدِلَّةِ" یعنی انصاف یہ ہے کہ

---

(۱)..... اِعْلَمْ اَنَّ الْمُجْتَهِدَ فِی الْمَذْهَبِ عِنْدَهُمْ هُوَ الَّذِیْ لَهٗ مَلَكَةُ الْاِقْتِدَارِ عَلٰی اسْتِنْبَاطِ الْفُرُوْعِ مِنَ الْاُصُوْلِ الَّتِیْ مَهَّدَهَا اِمَامُهٗ كَالْغَزَالِیِّ وَنَحْوِهٖ مِنْ اَصْحَابِ الشَّافِعِیِّ وَاَبِیْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ مِنْ اَصْحَابِ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ فِیْ مَذْهَبِ الْاِمَامِ بِمَنْزِلَةِ الْمُجْتَهِدِ الْمُطْلَقِ فِی الشَّرْعِ حَيْثُ يَسْتَنْبِطُ الْاَحْكَامَ مِنْ اُصُوْلِ ذٰلِكَ الْاِمَامِ فَقَطْ اِنَّ لِلْمُجْتَهِدِ شَرْطَيْنِ اَلْاَوَّلُ مَعْرِفَةُ بَارِیْ تَعَالٰی وَصِفَاتِهٖ وَتَصْدِيْقُ النَّبِیِّ ﷺ بِمُعْجِزَاتِهٖ وَسَائِرِ مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ عِلْمُ الْاِيْمَانِ كُلُّ ذٰلِكَ بِاَدِلَّةٍ اِجْمَالِيَّةٍ وَاِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَی التَّحْقِيْقِ وَالتَّفْصِيْلِ عَلٰی مَا هُوَ دَابُ الْمُتَبَحِّرِيْنَ فِیْ عِلْمِ الْكَلَامِ وَالثَّانِیْ اَنْ يَكُوْنَ عَالِمًا بِمَدَارِكِ الْاَحْكَامِ وَاَقْسَامِهَا وَطُرُقِ اِثْبَاتِهَا وَوُجُوْهِ دَلَالَتِهَا وَتَفَاصِيْلِ شَرَائِطِهَا وَمَرَاتِبِهَا وَجِهَاتِ تَرْجِيْحِهَا عِنْدَ تَعَارُضِهَا وَالتَّفَصِّیْ عَنِ الْاِعْتِرَاضَاتِ الْوَارِدَةِ عَلَيْهَا فَيَحْتَاجُ اِلٰی مَعْرِفَةِ حَالِ الرُّوَاةِ وَطُرُقِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ وَاَقْسَامِ النُّصُوْصِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْاَحْكَامِ وَاَنْوَاعِ الْعُلُوْمِ الْاَدَبِيَّةِ مِنَ اللُّغَةِ وَالصَّرْفِ وَالنَّحْوِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ هٰذَا فِیْ حَقِّ الْمُجْتَهِدِ الْمُطْلَقِ الَّذِیْ يَجْتَهِدُ فِی الشَّرْعِ وَاَمَّا الْمُجْتَهِدُ فِیْ مَسْئَلَةٍ فَيَكْفِيْهِ عِلْمُ مَا يَتَعَلَّقُ بِهَا وَلَا يَضُرُّهُ الْجَهْلُ بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهَا هٰذَا كُلُّهٗ خُلَاصَةُ مَا فِی الْعَضُدِیِّ وَحَوَاشِيْهِ وَغَيْرِهَا وَالْفِقْهُ هُوَ اسْمُ عِلْمٍ مِنَ الْعُلُوْمِ الْمُدَوَّنَةِ وَهُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ وَالْفَقِيْهُ مَنِ اتَّصَفَ بِهٰذَا الْعِلْمِ وَهُوَ الْمُجْتَهِدُ فِی الْمَذْهَبِ دُوْنَ الْمُجْتَهِدِ الْمُطْلَقِ لِاَنَّ مَرْتَبَتَهٗ فَوْقَ ذٰلِكَ وَقَالَ الْمُحَقِّقُ التَّفْتَازَانِیُّ فِیْ حَاشِيَةِ الْعَضُدِیِّ ظَاهِرُ كَلَامِ الْقَوْمِ اَنَّهٗ لَا يُتَصَوَّرُ فَقِيْهٌ غَيْرُ مُجْتَهِدٍ وَلَا مُجْتَهِدٌ غَيْرُ فَقِيْهٍ عَلَی الْاِطْلَاقِ نَعَمْ لَوِ اشْتُرِطَ فِی الْفِقْهِ التَّهَيُّؤُ لِجَمِيْعِ الْاَحْكَامِ وَجُوِّزَ فِیْ مَسْئَلَةٍ دُوْنَ مَسْئَلَةٍ تَحَقَّقَ مُجْتَهِدٌ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ وَقَدْ شَاعَ اِطْلَاقُ الْفَقِيْهِ عَلٰی مَنْ يَعْلَمُ الْفَنَّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مُجْتَهِدًا اِنْتَهٰی وَقَدْ يُطْلَقُ الْفِقْهُ عَلٰی عِلْمِ النَّفْسِ بِمَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا فَيَشْمَلُ جَمِيْعَ الْعُلُوْمِ الدِّيْنِيَّةِ وَلِذَا سَمّٰی اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ الْكَلَامَ بِالْفِقْهِ الْاَكْبَرِ فَتَدَبَّرْ وَتَفَكَّرْ ۱۲ الاسی المدراسی

ان چار مذہبوں کی تعیین اور تقلید ان چار اماموں کی محض فضل الٰہی اور حسن توفیق کی قبولیت ہے اس باب میں توجیہات اور دلائل کو کچھ دخل نہیں۔ اسی طرح مولوی محمد عبدالحی صاحب لکھنوی غیث الغمام میں لکھتے ہیں" وَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ اِنْحِصَارَ الْمَسَالِكِ فِى الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ الْمَشْهُوْرَةِ فِى الْاَزْمِنَةِ الْمُتَاَخِّرَةِ اَمْرٌ اِلٰهِىٌّ وَفَضْلٌ رَبَّانِىٌّ لَا يَحْتَاجُ اِلٰى اِقَامَةِ الدَّلِيْلِ عَلَيْهِ "پس چونکہ دین میں زمانہ خیر القرون کے بعد جو اختلافات زائد ہو گئے تھے، جن کے سبب مختلف مسائل پر عمل کرنے سے لوگ سخت پریشان تھے، لہٰذا ان خرابیوں کے دفع کرنے کے واسطے توفیق الٰہی رہنما ہوئی، کہ ان چار مذہب میں سے بغیر تقلید کسی خاص مذہب کے جو مقلد کو افضل اور بہتر معلوم ہو، ان اختلافی مسائل اور مختلف فتووں کی پریشانیوں سے چھٹکارا نہیں معلوم ہوتا، ناچار حفظ دین کی ضرورت نے سب کو اس مسلک تقلید پر چلایا اور اختلافی احکام کے فساد کو مٹایا۔

غیر مقلدوں میں زیادہ اختلاف سے خرابی اور فساد ہونا

یہاں کوئی غیر مقلد صاحب اعتراض کریں کہ" اِخْتِلَافُ الْاَئِمَّةِ رَحْمَةٌ لِلْاُمَّةِ "وارد ہے اختلاف مسائل سے فساد کیونکر ہو سکتا ہے، بلکہ یہ اختلاف تو سبب وسعت دائرہ آسانی ہے، نہ باعث فساد و پریشانی، جس مسئلے میں جو سہل اور آسان بات دیکھے وہ اختیار کرلے، اور جو کام مشکل اور سخت ہو اسے چھوڑ دے، جواب اس کا یہ ہے کہ جو اختلاف سبب رحمت اور باعث آسانی و وسعت ہے، مراد اس سے وہی فروعی اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، وہ بھی تھوڑا یعنی ایک مسئلہ میں دو تین مختلف روایتیں آ گئی ہوں، تو اس میں موافق قوت روایت و صحت اسناد کے آسان بات پر عمل کیا جائے گا، نہ کہ وہ اختلاف جو باعث فتنہ و فساد اور موجب حق تلفی عباد ہو، جیسا کہ آج کل تعصب اور نفسانیت کے سبب ہو رہا ہے، اور ایک بھائی مسلمان دوسرے بھائی کے ظلم و ستم سے رو رہا ہے، مثلاً ارث کے مسئلہ میں ایک کہتا ہے کہ تم کو فلاں حدیث کی رو سے حصہ نہیں پہونچ سکتا اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور علاوہ نماز روزہ وغیرہ کے احکام میں کس قدر اختلافات ہیں، کہ جن کے سبب آپس میں سب و شتم کی نوبت آئی اور عوام میں فساد و عناد کا بازار گرم ہو گیا، اور بعض خواص جو اہل حدیث کہلاتے ہیں، کہنے لگے کہ ہم حدیث کو مانتے ہیں اور اصول حدیث کچھ کلام خدا و رسول تو ہے نہیں، جس کی پابندی ہم پر ضرور ہو، ہاں حسب موقع و محل حدیث پر عمل کرنا چاہئے، پس جب اصول حدیث کی پابندی ضروری نہ ٹھہری، تو انہوں نے مثلاً یہ قاعدہ رکھا، کہ جہاں جرح و تعدیل دونوں ہوں وہاں تعدیل مقدم کی جائے گی، حالانکہ اس خانہ ساز قاعدے سے صدہا احادیث ضعیفہ صحیح ٹھہریں گے، اور سیکڑوں احادیث صحیحہ ضعیف ہو جائیں گے، اور جس راوی کا کذب ایک جگہ بھی ثابت ہو جائے تو اس کی کل احادیث موضوع کہلائیں گے، اور ایک صاحب نے یہ ضابطہ مقرر کیا کہ حدیث موضوع وہی ہے کہ جس کے راوی کا کذب دلیل سے ثابت ہو، حالانکہ اس قاعدے سے صدہا موضوع حدیثیں غیر موضوع ہو جائیں گی اور اس کو کسی آیت و حدیث کی دلیل سے ثابت کرنا مشکل پڑ جائے گا اور جو جس کے جی میں آئے گا، اپنے مطلب کے موافق مسئلہ بیان کرنے لگے گا اور بیچارہ مسئلہ

پوچھنے والا مفتیوں کے اختلاف بیانی سے ایک خلجان اور پریشانی کی حالت میں رہے گا۔

ایک قلتین کے مسئلے میں غیر مقلدوں کے چھ فتوے

یہاں کوئی غیر مقلد صاحب مسائل میں اس قدر فساد اختلاف ہونے کا انکار کریں، تو ہم ابھی ایک پانی کے مسئلہ میں غیر مقلدوں کے کثرت اختلاف کو ثابت کر کے دکھادیں، چنانچہ ایک صاحب کی رائے میں یہ آیا کہ جو پانی قلتین کی مقدار سے کم ہو نجاست پڑ جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے، حالانکہ سرے سے قلتین کی مقدار میں مختلف اقوال وارد ہیں، اور اس کے تعیین پر اتفاق نہیں ہوا، دوسرے صاحب کے خیال میں یہ بات آئی کہ پانی اگرچہ کتنا ہی قلیل ہو جب تک اس کے اوصاف ثلاثہ یعنی رنگ یا بو یا مزے میں کوئی فرق اور تغیر نہ ہوگا ناپاک نہیں ہوسکتا۔ تیسرے صاحب کا یہ اجتہاد ہوا، کہ موافق مضمون حدیث شریف "إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" کے، پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی، اور کوئی حدیث اوصاف ثلاثہ میں سے کسی وصف کے تغیر ہونے سے پانی کے ناپاک ہونے میں وارد نہیں ہوئی، اگر ہے بھی تو متصل السند نہ ہونے کے سبب قابل احتجاج نہیں ہے۔ چوتھے صاحب امام داؤد ظاہری کے پیرو ہو کے کہنے لگے، کہ البتہ پانی پیشاب سے تو ناپاک ہو جاتا ہے اور پاخانے سے ناپاک نہیں ہوتا، کیونکہ پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت اس حدیث سے ثابت ہے: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ" اور پاخانے کی ممانعت میں کوئی حدیث وارد نہیں۔ پانچویں صاحب بانباع ابن حزم فرمانے لگے، اگر پانی میں پیشاب کیا گیا، تو وہ پانی بیشک ناپاک ہوگا اور اگر کسی ظرف میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ چھٹے صاحب کی سمجھ میں یہ آیا، کہ اگر پانی میں پیشاب کیا جائے یا خارج سے آ کر مل جائے، تو دونوں صورتوں میں پانی ناپاک ہو جائے گا، مگر یہ ناپاکی پیشاب کی خاص اسی شخص کے حق میں ہوگی، جس نے پیشاب کیا، دوسروں کے حق میں، اس واسطے کہ وہ پانی اوروں کے واسطے طاہر او مطہر ہے پس ان چھوں مفتی صاحبوں کا اتفاق سے ایک ہی شہر میں مقام سکونت ہے، اور ہر ایک کی رائے پانی کے مسئلہ میں ایک دوسرے کے مخالف اور ہر ایک نے حدیث کے موافق اپنے اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیا، اس صورت میں بیچارے سائلین عوام کی کیا کیفیت ہوگی، اور ان میں ہر ایک اپنے مخالف کے قول کو باطل سمجھے گا یا نہیں، اور آپس میں اس اختلاف کے سبب فتنہ برپا ہوگا یا نہیں، اور ان کے کئی فرقے ہو جائیں گے یا نہیں، اور پھر ان مفتیوں میں اختلاف احکام کے سبب نااتفاقی ہوگی یا نہیں، جیسا کہ آج کل غیر مقلدوں میں ہو رہی ہے، بخلاف مقلدین کے، کہ جو جس امام کا مقلد ہے، اس کے مذہب کے موافق مسئلہ پوچھ کر عمل کرتا ہے، دوسرے کی مخالفت سے اس کو کچھ کام نہیں، چنانچہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ، کے درمیان میں بھی باوجود اختلاف احکام فتویٰ کے کیسا کچھ اتحاد و اتفاق ہے!۔

اسی تقلید کے احکام میں راہ سلامت ہے ۔۔۔ نہ مستفتی کو شکوہ ہے نہ مفتی کو شکایت ہے

اور ظاہر ہے کہ فروعی مسائل مختلف فیہا میں اپنے اپنے امام کی تقلید کی جاتی ہے، نہ مسائل منصوصہ متفق علیہا میں، اس واسطے کہ قرآن وحدیث کے اصول دینیہ ونصوص یقینیہ میں صحابہ اور ائمہ اجتہاد مطلق واجتہاد فی المذہب سب کا اتفاق ہے۔ پس اِخْتِلَافُ الْاَئِمَّةِ رَحْمَةٌ لِلْاُمَّةِ اور چیز ہے، کہ یہ اختلاف فروعی مسائل سلف کا خلف کے مذاہب اربعہ میں بھی قیامت تک بصورت رحمت وبصیرت وسعت آپس کے اتفاق واتحاد کے ساتھ جاری رہے گا، لیکن اس زمانے میں ترک تقلید کے سبب سے جو غیر مقلدوں میں بے علمی اور جہالت کے فسادات اور بے قیدی اختلافات کی خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں، وہ بغیر پابندی تقلید شخصی کے ہرگز دفع نہیں ہو سکتیں، جس کی نسبت ابھی ہم نے ایک پانی کے مسئلے میں چھ مفتیان غیر مقلد کے اختلاف کا فوٹو کھینچ کے دکھا دیا، اور جو اختلاف کہ موجب فتنہ وفساد اور واجب الانسداد ہو، یہ آیۂ کریمہ اس کو منع کرتی ہے۔" لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا" یعنی اصلاح وہدایت کے بعد تم زمین میں فساد وگمراہی کی باتوں کو جاری نہ کرو۔ پس ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی اختلاف رحمت ووسعت اور اختلاف فتنہ وفساد امت کی اس حدیث میں تصریح کر دی۔" وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَأَلْتُ رَبِّيْ عَنِ اخْتِلَافِ أَصْحَابِيْ مِنْ بَعْدِيْ فَأَوْحٰى اِلَيَّ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ أَصْحَابَكَ عِنْدِيْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَآءِ بَعْضُهَا اَقْوٰى مِنْ بَعْضٍ وَلِكُلٍّ نُوْرٌ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ رَوَاهُ رَزِيْنٌ عَنِ اخْتِلَافِ أَصْحَابِيْ أَيْ عَنْ حِكْمَةِ تَخَالُفِهِمْ فِيْ فُرُوْعِ الشَّرَائِعِ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ أَيْ فِيْ اِظْهَارِ الْهِدَايَةِ وَاِبْطَالِ الْغَوَايَةِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ بَعْضُهَا اَقْوٰى مِنْ بَعْضٍ أَيْ بِحَسَبِ مَرَاتِبِ أَنْوَارِهَا بِالْقُدْرَةِ لَهَا وَلِكُلٍّ نُوْرٌ أَيْ وَكَذٰلِكَ لِكُلٍّ مِّنَ الْاَصْحَابِ نُوْرٌ بِقَدْرِ اسْتِعْدَادِهٖ فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى وَفِيْهِ اَنَّ اخْتِلَافَ الْاَئِمَّةِ رَحْمَةٌ لِلْاُمَّةِ قَالَ الطِّيْبِيُّ اَلْمُرَادُ بِهِ الْاِخْتِلَافُ فِي الْفُرُوْعِ لَا فِي الْاُصُوْلِ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهٗ فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى قَالَ السَّيِّدُ جَمَالُ الدِّيْنِ الطَّاهِرُ اَنَّ مُرَادَهٗ ﷺ اَلْاِخْتِلَافُ الَّذِيْ فِيْ فُرُوْعِ الدِّيْنِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَافٍ لِلْغَرَضِ الدُّنْيَوِيِّ أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ أَيْ فَاقْتَدُوْا بِهِمْ جَمِيْعِهِمْ اَوْ بِاَكْثَرِهِمْ وَاِنْ لَّمْ يَتَيَسَّرْ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ وَكَاَنَّهٗ اَخَذَ مِنْ هٰذَا بَعْضُهُمْ فَقَالَ مَنْ تَبِعَ عَالِمًا لَقِيَ اللّٰهَ سَالِمًا (وَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلَى التَّقْلِيْدِ الشَّخْصِيِّ) قَالَ وَظَاهِرُ الْحَدِيْثِ اِنَّمَا هُوَ اِشَارَةٌ اِلَى الْفِتَنِ الْحَادِثَةِ بَعْدَ اِنْقِرَاضِ الصَّحَابَةِ مِنْ طَمْسِ السُّنَنِ وَظُهُوْرِ الْبِدَعِ وَنَشْرِ الْجَوْرِ فِيْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ"

آج کل بغیر تقلید شخصی کے فتنہ وفساد واختلاف سے بچنا محال ہے

پس یہ امر ظاہر ہے کہ بعد خیر القرون اور قرون ثلاثہ کے علی الخصوص اس زمانہ شر القرون میں، غیر مقلد ہو جانے اور کسی مذہب خاص کے پابند نہ رہنے کے سبب، اختلافی مسائل میں جو مفاسد اور فتن پیدا ہوتے ہیں، سوائے اختیار کرنے تقلید شخصی کے اس خرابی سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اگرچہ پہلے سے بھی اسی نظر سے واسطے حفظ دین کے بڑے بڑے لوگوں نے باوجود عالم سنت و کتاب ہونے اور اس پر عمل کرنے کے، اپنے تئیں تقلید شخصی کے دائرے سے باہر نہیں نکالا مگر اب تو تقلید شخصی کا التزام خصوصاً اس زمانے میں ہر مسلمان کے واسطے زیادہ ضروری سمجھا جانا باعث نجات فسادات و فتن ہے، اور سبب تمسک بالکتاب والسنن ہے۔

تحقیق تقلید شخصی

اور چونکہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور امام کا مذہب مدون نہیں اور نہ ان کے اتباع موجود ہیں، پس انہیں چاروں میں سے کوئی خاص مذہب اختیار کرنا ضرور ہوا۔ اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص امام کے رطب و یابس کل مسائل پر خواہ وہ مفتی بہا ہوں یا نہ ہوں عمل کرنا چاہئے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس مذہب کے مسائل مفتی بہا پر عامل ہونا چاہئے، عام اس سے کہ وہ مسئلہ امام کا ہو یا ان کے تلامذہ یا علمائے کرام مقلدین کا، اور یہی معنی تقلید شخصی کے ہیں، مثلاً مذہب حنفی میں اکثر مسائل مختلف فیہا میں امام صاحب کچھ فرماتے ہیں اور ان کے شاگرد کچھ کہتے ہیں، مگر فتویٰ کسی ایک کے قول پر ہے۔ چنانچہ شرح وقایہ اور ہدایہ اور کنز اور در مختار وغیرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے، کہ کسی مسئلے میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہے اور کسی میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے اور کسی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اور کسی میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اور کسی میں امام حسن بن زیاد کے قول پر اور کہیں شیخین کے قول پر اور کہیں صاحبین کے قول پر اور کہیں طرفین کے قول پر فتویٰ ہے۔

شاگردوں کی روایت درحقیقت امام صاحب کی روایت ہے

پس مسائل مفتی بہا کی حیثیت سے مذہب حنفی میں بھی ایک خاص مذہب نکل آیا، اگرچہ بظاہر یہ سب شاگرد اور اتباع بعض مسائل میں اپنے استاد متبوع امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان سب کے اقوال امام صاحب کی طرف منسوب ہیں، بلکہ حسب تحقیق علامہ ابن الہمام کے امام صاحب کے شاگردوں نے اقرار کیا ہے، کہ ہمارا کوئی قول ایسا نہیں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہم کو اس کی روایت نہ پہنچی ہو۔ چنانچہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں" وَنَقَلَ الشَّيْخُ كَمَالُ الدِّيْنِ بْنُ الْهُمَامِ عَنْ أَصْحَابِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ كَأَبِيْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ وَ زُفَرَ وَالْحَسَنِ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ مَا قُلْنَا فِيْ مَسْأَلَةٍ قَوْلاً إِلَّا وَهُوَ رِوَايَتُنَا عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَقْسَمُوْا عَلٰى ذٰلِكَ أَيْمَانًا مُغَلَّظَةً " اور یہ بھی کہ کہ بعض مسائل میں یہ لوگ امام صاحب کے مخالف ہیں، مگر اصول میں امام صاحب کے

تابع ہیں، اس واسطے کہ یہ مجتہد فی المذہب ہیں اور امام صاحب مجتہد مطلق اور مجتہد فی المذہب اپنے مجتہد مطلق کے اصول قواعد سے مسائل فروعی کا استنباط کرتا ہے۔ "کَمَا فِی الْفَصْدِیْ وَشُرُوْحِه اِنَّ الْمُجْتَهِدَ فِی الْمَذْهَبِ عِنْدَهُمْ هُوَ الَّذِیْ لَهٗ مَلَکَةُ الْاِقْتِدَارِ عَلٰی اسْتِنْبَاطِ الْفُرُوْعِ مِنَ الْاُصُوْلِ الَّتِیْ مَهَّدَهَا اِمَامُهٗ کَالْغَزَالِیْ وَنَحْوِهٖ مِنْ اَصْحَابِ الشَّافِعِیْ وَاَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ مِنْ اَصْحَابِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَهُوَ فِیْ مَذْهَبِ الْاِمَامِ بِمَنْزِلَةِ الْمُجْتَهِدِ الْمُطْلَقِ فِی الشَّرْعِ حَیْثُ یَسْتَنْبِطُ الْاَحْکَامَ مِنْ اُصُوْلِ ذٰلِكَ الْاِمَامِ" پس اس صورت میں بھی اصول مسائل میں امام صاحب کے تابع ہونے کی حیثیت سے، ان شاگردوں کے مفتی بہا اقوال کی تقلید بھی امام صاحب کے مذہب کی تقلید ہے۔

امام کی روایتوں کی جانچ پہلے ہی ان کے شاگرد کر چکے

پس ان دونوں شقوں کی رو سے تقلید شخصی کا اطلاق صحیح اور درست ہے، بلکہ بعض مسائل میں ان شاگردوں کا امام صاحب کے خلاف ہونا اور حکم فتویٰ کا ان کے اقوال پر دیا جانا، امام صاحب کے کمال تقویٰ و دیانت و احتیاط عمل بصحۃ الروایت پر دلالت کرتا ہے، کہ خود امام صاحب نے باوجود تحقیق مسائل شرعیہ و تدقیق دلائل اصلیہ و فرعیہ و قوت توفیق احادیث متناقضہ و ملکہ ترجیح مسلک مختار صحابہ و تنقید رجال و تصحیح اسانید علی وجہ الکمال کے انہیں شاگردوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ اِذَا صَحَّ" شاید کہ اپنے مسائل اجتہادیہ میں کوئی روایت صحیح نہ پہونچنے کے سبب، کسی طرح کی خطا واقع ہوگئی ہو، پس بعض روایات میں ان شاگردوں کا قول مفتیٰ بہا ہونا، اسی حکم امام صاحب پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ کہ یہ سب شاگرد مجتہد فی المذہب تھے اور استنباط مسائل میں قوت اجتہادیہ رکھتے تھے، انہوں نے بلا رعایت قول امام صاحب کے اور بغیر ان کی طرفداری کے امام صاحب کے جملہ فروعی مسائل کو اصول شریعت کے کسوٹی پر خوب ہی جانچ کے دیکھا، جو مسئلہ سنت و حدیث کے مضمون سے مطابق ہوا اس پر فتویٰ دیا، اور جس مسئلے میں ذرا بھی عیب پایا تو موافق اصول ادلہ شریعت غرا کے اس کے خلاف پر حکم لگایا، پس اسی زمانے میں مذہب حنفی کے مسائل کی تنقیح و تحقیق کماینبغی ہو چکی۔ یہاں تک کہ ان کے شاگردوں کے قول پر فتویٰ دیا گیا اور امام صاحب کا قول چھوڑ دیا گیا۔

اترکو قولی بخبر الرسول اذا صح کا صحیح مطلب اور اعتراض کا جواب

پس آج کل کے غیر مقلدوں کا یہ اعتراض کرنا (کہ مقلدوں کے امام صاحب تو یہ فرما گئے ہیں: "اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ اِذَا صَحَّ" یعنی جب میرا قول حدیث صحیح کے خلاف پاؤ! تو چھوڑ دو، مگر یہ مقلدین قول امام صاحب کے مقابلے میں باوجود اطلاع کے حدیث صحیح پر عمل نہیں کرتے ہیں، اور تقلید پر اڑے رہتے ہیں۔) پوچ و بادر ہوا، اور جہالت و سفاہت کا نتیجہ ہے۔ اس واسطے کہ امام صاحب کے اس حکم پر عمل کرنے کا منصب انہیں شاگردوں کو حاصل تھا، کہ جن کو اجتہادی قوت کی وراثت سے روایت کے جانچنے کا ملکہ کامل تھا۔ اسی واسطے امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں اس قول امام صاحب کی

نسبت لکھا ہے۔" وَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَنْ أُعْطِيَ قُوَّةَ الْاِجْتِهَادِ "پس جن کو بالکل مادہ قوت اجتہاد نہ ہو اور دو چار حدیث کی کتابیں پڑھنے پڑھانے کے سوا تخریج اسانید وتنقید رجال کی مطلق استعداد نہ ہو وہ ہرگز مقلدین کو اس قول امام ہمام سے الزام نہیں دے سکتے ہیں۔ اور طرہ یہ کہ اس قول کو عدم جواز تقلید پر حجت ٹھہراتے ہیں، حالانکہ اس قول سے حکم تقلید کا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی امام صاحب فرماتے ہیں: کہ ہمارے قول اور ہمارے مذہب کی تقلید کرو اس واسطے کہ ہم نے خوب جانچ کر احکام منصوص اور احادیث صحیحہ کا مطلب بیان کر دیا ہے۔ اگر اب بھی بحکم احتمال خطا وصواب اجتہادی کے علمائے اہل اجتہاد کو کسی حدیث صحیح غیر قادح سے ہماری خطا معلوم ہو جائے تو اس کی تقلید نہ کریں، نہ یہ کہ جہلا بھی اپنی فہم ناصواب سے زبان درازی کریں اور مقلدوں کے منہ آئیں، اور اہل حدیث کے زمرے میں داخل ہو کر اپنے منہ میاں مٹھو بنیں، بھلا یہ کہاں، اور اہل حدیث کہاں، ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

نہ ان میں تجربہ، نہ ثبت، نہ حافظہ کہ یہ اہل حدیث کے اقسام ہیں، جن کو ہزاروں اور لاکھوں حدیثیں مع اسانید کے یاد تھیں، چنانچہ اسحاق بن راہویہ کو ستر ہزار لاکھ حدیثیں مع الاسناد برزبان تھیں اور آج کل کے اہل حدیث سے ایک ہی دو حدیث کا امتحان لیا جائے، کہ اپنے سے آنحضرت ﷺ تک معنعن بسلسلہ اسانید متصل پہونچا دیں، لیکن خدا چاہے تو ایک حدیث بھی ان کو یاد نہ ہوگی۔ پس ہم ان سے پوچھتے ہیں، کہ امام صاحب کا کونسا مسئلہ ہے کہ وہ کسی صراحۃ النص یا دلالۃ النص یا اشارۃ النص سے ثابت نہیں؟ الا ماشاء اللہ بلکہ مذہب حنفی کے سب مسائل پر علماء محققین مقلدین نے وقتاً فوقتاً بحث وکلام کر کے منقح اور محقق کر دیا، اور کوئی مسئلہ بغیر تنقیح وتحقیق کے نہیں چھوڑا، چنانچہ یہی کتاب فتح المبین اس دعوے پر شاہد عادل ہے کہ غیر مقلدوں نے سو مسئلے مذہب امام صاحب کے باتراضہا المخالف نصوص صریحہ واحادیث صحیحہ کے پیش کیے تھے، جن کا جواب باصواب مطابق قرآن وحدیث اور حوالہ عبارات کتب معتبرہ کے ساتھ دے دیا گیا، اب بھی کوئی صاحب نہ مانیں تو وہ جانیں۔

برا کہنا تمہارا ہے، بھلا کہنا ہمارا ہے، | کرو غور اس میں اے پیارو کہ کس کا کام پیارا ہے
ائمہ کو برا کہتے ہو تم اور ہم نہیں کہتے | کہ سختی کے سبب سے دل تمہارا سنگ خارا ہے
سمجھتے ہم ہیں سب اہل سنن کو پیشوا اپنا | برائی کرنا اہل فقہ کی شیوہ تمہارا ہے
قیامت ہے غضب ہے لعن وطعن اگلے بزرگوں پر | اسی قرب قیامت کا حدیثوں میں اشارہ ہے
تبرا چھوڑ کر راہ تولا پر چل اے آسی | کہ اس میں سر بسر ہے نفع اور اس میں خسارا ہے

خسارہ بھی کیسا! کہ لعن وطعن کرنے اور برا کہنے سے مسلمان کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ جب ایمان گیا تو کفر کے سوا کیا رہا؟ پس برا کہنے سے ہم کو زبان روکنا چاہیے۔

ائمہ دین کو مقلدین کا اچھا جاننا اور غیر مقلدوں کا برا جاننا

چنانچہ اس کی ممانعت ترمذی شریف میں بروایت ابن مسعود وارد ہے۔" قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ "یعنی لعن وطعن کرنے والا اور برا کہنے والا اور بے حیا مسلمان نہیں، اور بے ایمان ہے اور اسی کتاب میں دربارۂ علامات قرب قیامت کے یہ حدیث وارد ہے۔" قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا "یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کے پچھلے لوگ اگلوں کو برا کہیں گے۔ پس یہاں غور کرنا چاہیے کہ سلف صالحین اور فقہائے مجتہدین اور ائمہ دین کو منکر روایت اور مخالف سنت جاننے اور طعن اہل الرای کہنے سے اس وعید میں غیر مقلدین داخل ہیں، یا مقلدین؟ الحمد للہ کہ ہم لوگ تمام ائمہ دین اور محدثین کو بحکم" ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا "کے حسن ظن سے یاد کرتے ہیں اور برا نہیں کہتے، اور آیہ کریمہ" اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ "کی وعید سے سوء ظن کو گناہ جانتے ہیں اور سب بزرگان دین کو مانتے ہیں۔ بخلاف اس فرقہ غیر مقلدین کے، کہ تقلید شخصی کو برملا شرک وبدعت کہنے لگے، جب تقلید شخصی شرک وبدعت ٹھہری، تو مقلدین مشرک اور بدعتی ہو گئے، افسوس کہ اس غیر شخص تقلید شخصی کے سوء ظن نے ان سے امر حق کو چھپا دیا، بلکہ چاہ ضلالت میں گرا دیا، یہ تقلید شخصی تو قرون ثلثہ سے آج تک چلی آتی ہے، جس کی پابندی سے بڑے بڑے اکابر دین کو درجہ ولایت حاصل ہو گیا اور سنت نبوی کا سیدھا راستہ مل گیا، تعجب ہے کہ ایک شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے سے کیونکر شرک کا ارتکاب ہو سکتا ہے، اور پھر اس تقلید شخصی کو بدعت کہہ دینا تو تعجب پر تعجب ہے! اس واسطے کہ بدعت وہ ہے جو قرون ثلثہ میں نہ پائی گئی ہو، اور یہ تقلید شخصی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی پائی گئی اور اس پر عمل درآمد رہا۔

زمانہ صحابہ میں تقلید شخصی اور محل اختلاف میں مسئلہ دریافت کرنے کا ثبوت

چنانچہ حضرت مولانا شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:" وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَعْدَ عَصْرِ الْاَوَّلِيْنَ فَنَاقَضَهُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَحْكَامِ وَاتَّبَعَهُ فِيْ ذٰلِكَ اَصْحَابُهُ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ وَلَمْ يَاْخُذْ بِمَا تَفَرَّدَ جُمْهُوْرُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ اِنْتَهٰى۔" پس اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جب مکہ معظمہ میں اقامت فرمائی تو بہت سے مسائل میں بعض صحابہ دیگر سے خلاف کیا مگر باایں ہمہ اہل مکہ نے ان کی تقلید قبول کر کے ان کے فتاوے پر عمل کیا، پس محل خلاف صحابہ میں اوروں کی تقلید چھوڑ کے ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنا اور ان کے قول پر چلنا یہ تقلید شخصی نہیں تو کیا ہے؟ کہ محل اختلاف میں فقط ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو معمول رکھا۔ اور فرماتے ہیں:" ثُمَّ اِنَّهُمْ تَفَرَّقُوْا فِي الْبِلَادِ وَصَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مُقْتَدًى نَاحِيَةٍ مِّنَ النَّوَاحِيْ وَكَثُرَتِ الْوَقَائِعُ وَدَارَتِ الْمَسَائِلُ فَاسْتَفْتَوْا فِيْهَا فَاَجَابَ كُلُّ وَاحِدٍ حَسْبَ مَا حَفِظَهٗ اَوِ اسْتَنْبَطَ وَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فِيْمَا حَفِظَ اَوِ اسْتَنْبَطَ مَا يَصْلُحُ لِلْجَوَابِ اِجْتَهَدَ

بنواحیہ "الخ۔ اس عبارت سے بھی ظاہر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جس موضع میں اقامت فرمائی، اور کثرت وقائع میں ان سے استفتا کیا گیا، تو انہوں نے مسائل محفوظہ یا مستنبطہ سے فتویٰ دیا۔ اور جو ان دونوں باتوں سے جواب شافی نہ دے سکے، تو وہاں اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم دیا۔ پس یہ جوابات اجتہادیہ مستنبطہ کا فرمانا اور سائلین کا قبول کر لینا اور پھر اس ایک صحابی مقیم بلد سے اپنے سب وقائع اور مسائل کو دریافت کر کے ان پر عمل کرنا اور واقع ہونا، یہ تقلید شخصی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور نیز فرماتے ہیں: " وَكَانَ اِبْرَاهِيْمُ وَاَصْحَابُهٗ يَرَوْنَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَّ اَصْحَابَهٗ اَثْبَتُ النَّاسِ فِي الْفِقْهِ كَمَا قَالَ عَلْقَمَةُ لِمَسْرُوْقٍ هَلْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَثْبَتُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِنْتَهٰى۔ "اس عبارت سے بھی صاف واضح ہے کہ ابراہیم اور ان کے اصحاب عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب کو محل اختلاف میں ترجیح دیتے تھے اور مرجح رکھتے تھے، اور ان کی فقہ کے مقابل دوسرے کو نہ مانتے تھے۔ پس یہ تقلید شخصی نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ ایک عالم کو اعلم اور افقہ جان کر اس کے مقابلے میں دوسرے کے حکم پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حنفیہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اور شافعیہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کو مثلا جانتے ہیں۔ جیسا کہ حنفی شافعی وغیرہ کے متنوں میں ہم اس کو اوپر بیان کر چکے ہیں، اور یہ بھی کتب احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ فتویٰ دینے میں محض زبانی جواب بلا دلیل پر اکتفا کرتے تھے اور نقل حدیث سے بہت احتیاط اور اجتناب فرماتے تھے، چنانچہ زید بن ارقم فرماتے ہیں: " كَبِرْنَا وَنَسِيْنَا وَالْحَدِيْثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَدِيْدٌ " اور شعبی فرماتے ہیں: " جَالَسْتُ ابْنَ عُمَرَ سَنَةً فَمَا سَمِعْتُهٗ يُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا " جب زمانہ خیر القرون میں احادیث سے فتویٰ دینا اور نقل کرنا احادیث کی روایتوں کو ہر ہر جواب میں ثابت ہو گیا۔ تو اب اقوال صحابہ کی تقلید کرنا اور صحابہ کا اس کو جائز رکھنا اور ہر ہر اہل بلد کا اپنے اپنے صحابی مقیم بلد سے پوچھ کر بلا دلیل اس پر عمل کرنا یہ تقلید شخصی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اس تقلید شخصی کا زمانہ خیر القرون میں نہ پایا جانا، چہ معنی؟

پہلے تقلید شخصی موجب فساد نہ تھی مگر اب ہے

ہاں، اُس زمانے میں تقلید غیر شخصی بھی جاری تھی، چونکہ وہ زمانہ خیر وصلاح کا تھا اور نفوس قدسی اس وقت کے ہوائے نفسانی اور اعجاب برائے سے پاک اور مزکی تھے، اور بسبب قرب زمان نبوی کے اس وقت کے عوام کے معلومات بھی اس وقت کے خواص سے کہیں زیادہ تھے اور وہ مثل ہمارے ہر ہر جزئیہ میں تقلید کے چنداں محتاج نہیں تھے، بلکہ اپنے آباؤ اجداد سے ہی اکثر مسائل سمجھے بوجھے ہوئے تھے اور شیوع مسائل مجتہدات کا بھی اس قدر نہ تھا، جس قدر اب ہے، پس اُس زمانے میں تقلید غیر شخصی پر بھی عمل درآمد ہونا، کچھ موجب حرج نہیں تھا اور نہ اس سے کوئی فتنہ وفساد و نزاع کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے، اور تقلید شخصی پر بھی عمل درآمد تھا، جیسا کہ ہم بروایات معتبرہ اس کو ثابت کر چکے ہیں۔ اور نیز مولانا شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی تقلید شخصی کی نسبت متضمن مصالح واقسدا و فتنہ وفساد کے قائل اور مقر ہو چکے ہیں۔ مع ہٰذا اب بھی اس سے عدم

جواز تقلید شخصی کا سمجھنا نہایت بلاہت اور بلادت ہے، اور موجب کمال تعصب و نفسانیت، اگر بنظر انصاف بلا اعتساف دیکھا جائے، تو غیر مقلدوں کو بھی تقلید شخصی سے چارہ نہیں اور پابندی مذہب سے چھٹکارا نہیں، اس واسطے کہ ائمہ ست میں امام بخاری کو زیادہ مانتے ہیں، جیسا کہ حنفیہ مجتہدین اربعہ میں امام اعظم کو افضل جانتے ہیں، اسی افضلیت کے سبب جس طرح حنفیہ اقوال امام اعظم پر عمل کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی مرویات امام بخاری پر عامل ہوتے ہیں، اور جو کچھ بخاری میں ہے تقلید اس کی ان پر ضرور ہے اور جو فقہ حنفیہ میں ہے اس کی تقلید سے ان کو بالکل نفور فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ اگر کہا جائے کہ ہم خاص ایک کتاب بخاری کی تقلید نہیں کرتے ہیں، بلکہ کتب صحاح ستہ کے پیرو ہیں، تو جواب یہ ہے کہ ہم بھی خاص ایک فتاوائے حنفیہ کے مقلد نہیں، بلکہ شاگردان امام صاحب کے مسائل مفتی بہا کے متبع ہیں۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت دیباچہ مسوّی سے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں، کہ سب مسائل متون فقہ کے احادیث صحاح مشہورہ سے ماخوذ اور مستنبط ہیں، بحسب ظاہر فقہ وحدیث میں فقط تنازع لفظی ہے اور در حقیقت دونوں ایک ہیں۔

حدیث فقہ کو تو جان لے دو تن یک جان روایت اور درایت ہے دین میں یکساں

غیر مقلدین کا قیاس کی حدیث صحیح پر عمل نہ کرنا

دوسرا مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مسائل دینیہ میں قیاس کرنا مشروع نہیں، اور قیاس کو فعل شیطانی جانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِيْسُ یعنی پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس ہے۔ جیسا کہ صفحہ ۱۳ ظفر مبین و صفحہ ۲۰ فتح المبین مصنفہ بدیع الزمان میں لکھا ہے۔

اول من قاس ابلیس کا مطلب اور اعتراض کا جواب

حالانکہ قیاس ابلیس کا شرع کے مخالف تھا، جس کے سبب سے سجدہ نہ کیا، تو ملعون ہوگیا بخلاف قیاس فقہائے مجتہدین کے کہ اصول شریعت کے موافق ہوتا ہے اور موجب اجر وثواب ہے۔ اور شیطان کا قیاس تو باعث لعنت وعتاب ہے ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اور ظاہر ہے کہ وہ قیاس مذموم ابلیس کا خلاف حکم نص قطعی کے معارض حکم قطعی حق تعالی کے تھا، کہ جب حق تعالی نے آدم علیہ السلام کے پیدائش کی خبر دی: ''اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً'' اور ملائکہ نے اس پر اپنے شبہات عرض کیے اور جواب حاصل کر کے مطمئن ہوگئے، تو قطعاً معلوم ہو چکا تھا کہ خلیفہ کامل زمین پر پیدا ہوگا اور بعد پیدا کرنے کے تعلیم اسما فرما کر ملائکہ پر صاف واضح کر دیا کہ وہ سب سے اعلم ہے۔ پس جب حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو یہ حکم محکم قطعی الثبوت قطعی الدلالت تھا کہ کوئی گنجائش مجاز وتاویل کی اس میں باقی نہیں تھی، پھر جب فرمایا حق تعالی نے ''وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ'' الآیۃ تو جملہ ملائکہ فوراً سجدے میں گئے، مگر ابلیس پلید نے اپنی رائے فاسد سے یہ قیاس باطل بنایا'' اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ

مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ "یعنی میں آدم سے افضل ہوں کہ لطیف آگ سے بنا ہوں اور آدم کثیف مٹی سے اور ادون کو افضل کا سجدہ کرنا لائق حکمت نہیں، پس یہ قیاس باطل بمقابلہ نص تھا، اور ایسا قیاس شیطانی تو کفر و شرک ہوتا ہے، نہ وہ قیاس کہ موافق قواعد شرعیہ و اصول دینیہ کے ہو، اور اس کا استنباط نصوص سے کیا جائے کہ وہ عین محمود و مامور ہے۔

قیاس علماء کی تقلید فرض ہے اور قیاس ابلیس کی تقلید شرک

لہذا قیاس علما کو قیاس شیطانی کے مساوی ٹھہرانا یہ خود قیاس ابلیس کا ہے، کہ وَهُوَ الْخَنَّاسُ يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ حالانکہ یہ قیاس علمائے مجتہدین کا قیاس رسول اللہ ﷺ کی نوع میں داخل ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی عورت نے پوچھا کہ یا رسول اللہ میری بہن مر گئی اور اس پر دو ماہ کے روزے ہیں پس آپ نے فرمایا: "أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُخْتِكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِينَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَحَقُّ اللهِ أَحَقُّ الْحَدِيثَ" کہ دین حق تعالیٰ کو دین عباد پر قیاس کر کے سمجھا دیا، اور قیاس کرنے کا طریقہ بھی علمائے امت کو تعلیم کر دیا، پس قیاس علما کا حق ہے اور قیاس ابلیس کا باطل اور تقلید قیاس علما کی فرض ہے اور تقلید قیاس ابلیس کی شرک و کفر، پس جو شخص قیاس علما کو قیاس ابلیس کہے، تو وہ خود ابلیس ہے۔ اور جو قیاس علما کی تقلید کو حرام و شرک کہے، تو وہ خود مشرک ہے اور حق تعالیٰ کے حکم کا مخالف۔ غرض کہ یہ قول غیر مقلدین کا مخالف اس حدیث کے ہے جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے" عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ "یعنی عبداللہ بن عمرو اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حاکم جب حکم کرے، پس قیاس کرے اور قیاس اس کا صحیح ہو، تو واسطے اس کے دو ثواب ہیں، اور جب حاکم حکم کرے، پس قیاس کرے اور قیاس اس کا غلط ہو، تو اس کے واسطے ایک ثواب ہے، انتہی۔

غیر مقلدین نے صحاح ستہ سے ثبوت قیاس کی حدیث ترک کر دی

اور نیز قیاس کا سنت نبوی ہونا اس صحاح ستہ کی حدیث سے ثابت ہے" عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عُرِضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلَا آلُو فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِي وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ بِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ "یعنی معاذ بن جبل صحابی فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا، تو پوچھا مجھ سے کس طرح حکم کرے گا؟ تو جب تیرے پاس کوئی قضیہ آئے گا، عرض کیا میں نے حکم کروں گا کتاب اللہ سے فرمایا اگر نہ پائے تو کتاب اللہ میں اس کا فیصلہ، یعنی جواب صریح اس

کا عرض کیا میں نے حکم کروں گا سنت رسول اللہ سے فرمایا اگر نہ پائے تو جواب صریح اس کا سنت رسول اللہ میں؟ عرض کیا میں نے اس وقت اجتہاد کروں گا اپنی رائے سے، یعنی کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ سے قیاس کر کے مسائل کا استنباط کروں گا، اور نہیں قصور کروں گا اس میں، پھر آنحضرت ﷺ نے تحسین کر کے اپنا ہاتھ میرے سینے پر تھپکا اور فرمایا شکر ہے اللہ کا، جس نے توفیق دی رسول اللہ کے قاصد کو اس امر کی، جس سے راضی ہو گیا رسول اللہ کا، روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد اور دارمی نے انتہی۔

دلائل فوائد قیاس کے

پس اس حدیث شریف سے چند امور معلوم ہوئے، اول یہ کہ سب قضایا اور مقدمات کا جواب قرآن اور حدیث سے معلوم نہیں ہو سکتا یعنی اس طرح کہ ہر عامی اور غیر عامی سمجھ سکے، بلکہ بعض احکام ایسے ہیں کہ جن کا استنباط کرنا حضرات مجتہدین عظام کے ساتھ خاص ہو گیا۔ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اجتہاد کرنے کی اجازت دی، ان مسائل میں کہ نہ ملے جواب صریح ان کا قرآن وحدیث سے۔ سوم یہ کہ جب نہ پایا مجتہدین نے جواب ہزاروں مسئلوں کا قرآن وحدیث سے تو استنباط کیا انہوں نے، ان مسئلوں کے جواب کو قرآن وحدیث واجماع امت وقیاس سے، پس یہ سب مسائل احکام شرعیہ میں داخل اور لائق عمل کے ہیں۔ یعنی جب تک کہ ہم کو ان کا مخالف ہونا کسی نص صریح غیر مؤول وغیر منسوخ وغیر معارض کے بغلبہ ظن نہ معلوم ہو جائے، تو وہ سب مسائل معمول بہا ہیں، اور کتب اصول میں مذکور ہے کہ اجماع امت کا شرعیت قیاس پر منعقد ہوا۔

ثبوت شرعیت قیاس کا آیات قرآنی سے

اور بھی آیہ کریمہ "لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ" اھ اور آیہ "فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ" کو مفسرین نے واسطے شرعیت قیاس کے دلائل قطعیہ سے گردانا ہے، اور منکر قرآن وحدیث کو کافر کہا ہے۔ اور اسی طرح حال ہے منکر اجماع وقیاس کا، اور بعض نے کہا کہ منکر اسکا رافضی اور زندیق ہے۔

غیر مقلدین نے ثبوت اجماع کی حدیثیں چھوڑ دیں

تیسرا مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہم سوائے قرآن وحدیث کے اجماع کو نہیں مانتے، سو انہوں نے خلاف کیا ہے ان احادیث کا "لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ" یعنی حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا اجماع ضلالت اور گمراہی پر نہ ہو گا، اور فرمایا "يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ" یعنی جماعت مومنین پر اللہ کا ہاتھ ہے، اور فرمایا "اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ" یعنی پیروی کرو تم بڑی جماعت کی یعنی جدھر بہت لوگ ہیں ان کی راہ پر چلو، سو جو کوئی اس جماعت اعظم سے الگ ہوا، داخل ہو گیا وہ دوزخ میں، اور ظاہر ہے کہ جماعت اعظم اور گروہ کثیر مسلمانوں کا مقلدین چار مذہب کے ہیں، جس مذہب کو چاہو اختیار کر لو، کہ حق انہیں چار میں دائر ہے، اور جو ان سے نکلا وہ دائرہ اہل سنت وجماعت سے باہر ہے،

منکر اجماع کی وعید قرآن وحدیث سے ثابت ہے

اور بھی سنن دارمی میں حدیث وارد ہے" وَلَیْسَ اَحَدٌ یُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَیَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً "یعنی جو کوئی اجماع مومنین سے جدا ہو کر مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا انتہی، بلکہ اجماع کی دلیل قرآن سے ثابت ہے، چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:" وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا "یعنی جو کوئی چلے خلاف راہ جماعت مسلمانوں کے، تو ہم اس کو اسی راہ ضلالت پر رکھیں گے، اور ڈال دیں گے اس کو دوزخ میں، اور وہ بہت بری جگہ پہنچنے کی ہے۔ یہاں موضح القرآن میں مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے بطریق فائدہ لکھا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدا راہ پکڑی وہ جا پڑا دوزخ میں، پس جس بات پر امت کا اجماع ہوا وہی اللہ کی مرضی ہے، اور جو منکر ہوا اس کا وہ دوزخی ہے انتہی۔ غرض حق تعالیٰ نے راہ اجماع مومنین کے خلاف پر چلنے والے کو عذاب دوزخ کی وعید سنائی، اور تمامی مفسرین اور علما اور فقہا اسی آیت کو حجیت اجماع پر سند لاتے ہیں، اور مولوی اسمٰعیل صاحب شہید نے بھی ایضاح الحق میں اسی آیت کو دلیل اجماع کی قرار دی ہے۔ ونیز آیہ" وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ "اور آیت" كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ "بھی اجماع کے حجت ہونے پر دلیل واضح ہے۔

اجماع قطعی کا منکر کافر ہے

پس امور شرعیہ میں اجماع موجب قطعیت ویقین ہے، اور منکر اس حجت قطعی کا مثل روافض ومعتزلہ کے ہے، اور منکر اجماع قطعی کا بالاتفاق کافر ہے، اور منکر اجماع ظنی کے کفر میں اختلاف ہے، کذا فی کتب الاصول۔

آمین بالاخفاء والی حدیثیں غیر مقلدوں کی معمول بہا نہیں

چوتھا مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نماز میں بعد قراءت الحمد کے آمین پکار کر کہنی چاہیے، سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا، جو مسند امام احمد ومسند ابوداؤد وطیالسی ومسند ابویعلیٰ وترمذی وتہذیب الآثار ودارقطنی ومعجم طبرانی ومحلی شرح موطا ومستدرک میں باسناد صحیح موجود ہے" عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْنَ وَاَخْفٰی بِهَا صَوْتَهٗ "یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے کہ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھی، پس جب کہ آنحضرت ﷺ ولا الضالین پر پہنچے تو آمین آہستہ کہی انتہی۔ اور نیز خلاف کیا ہے اس حدیث کا، جو صحیح ترمذی میں ہے، اور روایت کیا اس کو امام احمد حنبل وابوداؤد وطیالسی وابویعلیٰ نے اپنی مسانید میں اور طبرانی نے معجم میں اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں اور کہا حاکم نے یہ حدیث صحیح ہے۔

تعدیل شعبہ کی

اور اگر تجھے کچھ کلام ہو شعبہ میں کہ ایک راوی ہے اس حدیث کا، تو دیکھ لے عینی شرح بخاری اور تقریب ابن حجر کو، کہ ان دونوں نے شعبہ کو امام المحدثین لکھا ہے، چنانچہ وہ حدیث یہ ہے "عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ "یعنی روایت ہے علقمہ بن وائل سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے، تحقیق نبی ﷺ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پس کہا آمین اور آہستہ کہا اس کو، اور علامہ ابو المحاسن شارح ترمذی کی کتاب فوز الکرام میں ہے" وَعَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ "یعنی روایت ہے شعبہ سے وہ روایت کرتے ہیں سلمہ ابن کہیل سے وہ روایت کرتے ہیں علقمہ سے وہ روایت کرتے ہیں وائل بن حجر سے، کہ فرمایا نماز پڑھی میں نے پیچھے رسول اللہ ﷺ کے، پس جب کہ فرمایا آپ نے ولا الضالین تو فرمایا آمین اور پست کیا ساتھ اس کے آواز کو، یعنی آمین آہستہ کہی، اور روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد اور دار قطنی اور ابن حبان نے طریق ثوری سے، اور ذکر کیا اس حدیث کو ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں، اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں،

مدبہا صوتہ کے معنی

اور بعض روایت میں جو بجائے" خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کے مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ "آیا ہے، سو معنی اس کے محدثین نے "اطال "یعنی دراز کیا کے لکھے ہیں، اور بعض محدثین نے مد سے مد عارضی جو اول کلمہ میں ہوتا ہے یا آخر کلمہ میں مراد لیا ہے، یعنی یہ مد مقابل حذف کے ہے، نہ مقابل خفض کے، بہر حال اس سے جہر ثابت نہیں ہوتا ہے، ورنہ امام بخاری اس حدیث کو باوجود معلوم ہونے اس کے نہ چھوڑتے اور بالضرور اس کو اپنی صحیح میں درج کرتے، اور ان احادیث سے جو ان کے مفید مطلب نہیں تعرض نہ کرتے۔ یا اس میں کوئی ایسی علت قادحہ تھی جس کے سبب سے اس کو چھوڑ دیا،

تفسیر رفع بہا صوتہ کی

اور جو بعض روایت میں "رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ "وارد ہے اس کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے، یا یہ روایت بالمعنی ہے یعنی بعض راویوں نے مد کی تفسیر رفع کے ساتھ کی ہے، حالانکہ مد کے معنی اطالت کے ہیں، یا مد عارضی کے، جیسا کہ مذکور ہو چکا۔ اور اگر بالفرض بمعنی رفع کے بھی سہی تو مراد اس سے اتنا بلند کیا کہ اول صف میں پاس کے آدمیوں نے آمین سن لی، اور یہ منافی اخفا کے نہیں اس واسطے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز سریہ میں بھی قریب کے مقتدی امام کی قراءت سن لیتے ہیں۔ اور موید اس کی حدیث ابو ہریرہ ؓ ہے، جو مروی ہے سنن ابوداؤد میں، اور نیز اس پر آثار صحابہ بھی شاہد عادل ہیں، کہ یہ حضرات اخفائے آمین کرتے تھے۔ چنانچہ تہذیب الآثار میں طبری روایت کرتے ہیں ابو بکر بن عیاش سے وہ ابو سعید سے وہ ابو وائل سے کہا انہوں

نے، کرتے تھے عمر بیٹھ اور علی بیٹھ جہر کرنے والے ساتھ بسم اللہ اور آمین کے۔

حدیث صحیح سے جواب پانے پر قید غیر مقلدین

اور ہمارے حضرات مقلدین حنفیہ کو یہ بھی یاد رہے کہ غیر مقلدین کو جب کسی حدیث صحیح کے جواب میں کچھ بن نہیں پڑتا، تو اس حدیث کی اسناد میں خواہ مخواہ کوئی خدشہ علت ضعف وغیرہ کا پیدا کر کے عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں، سو نظر براں اگر کوئی غیر مقلد صاحب اس حدیث وائل مذکور "خفض بها" میں بایں طور خدشہ کریں کہ اس کی سند میں راوی علقمہ ہے، اور اس نے اپنے والد سے نہیں سنا جیسا کہ تقریب میں ہے " عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ بِضَمِّ الْمُهْمَلَةِ وَسُكُوْنِ الْجِيْمِ الْحَضْرَمِيُّ الْكُوْفِيُّ صَدُوْقٌ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْهِ " پس سند مذکور مجروح ہوئی اور حدیث بسبب انقطاع کے قابل احتجاج نہ رہی، سو جواب اس کا کئی طرح سے ممکن ہے، اول تو حدیث منقطع بھی ہمارے نزدیک مثل حدیث مرسل کے حجت ہے، بشرطیکہ راوی اس کے ثقہ اور عادل ہوں، جیسا کہ کہا ہے امام ابن ہمام نے، کتاب الحدود کی فصل کیفیت حد میں " أَنَّ الْاِنْقِطَاعَ عِنْدَنَا دَاخِلٌ فِي الْاِرْسَالِ بَعْدَ عَدَالَةِ الرُّوَاةِ " اور ظاہر ہے کہ راوی اس حدیث کے سب ثقہ اور عادل ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر چہ حافظ ابن حجر تقریب میں عدم سماع علقمہ کے قائل ہو گئے ہیں مگر یہ قول ان کا جمہور علما کے خلاف ہے، بلکہ خود حسب تحریر حافظ ابن حجر کے اور مقامات سے تو سماع علقمہ کا ثابت ہوتا ہے، پس نفی سماع علقمہ کی تقریب میں محمول ہوگی ان کے عدم اطلاع پر، یا کلام غیر کے نقل کرنے پر اس واسطے کہ اثبات مقدم ہے نفی پر، چنانچہ خود حافظ اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں ترجمہ علقمہ میں لکھتے ہیں: " حَكَى الْعَسْكَرِيُّ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ أَنَّهُ قَالَ عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ " یعنی حکایت کی عسکری نے ابن معین سے، اس بات کی کہ کہا ابن معین نے کہ روایت کی علقمہ بن وائل نے اپنے باپ سے سنا ہے، اور بھی انہوں نے بلوغ المرام کے باب صفۃ الصلوۃ میں نیچے حدیث وائل " صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ " الخ کے لکھا ہے، " رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ " یعنی روایت کیا اس حدیث کو ابو داؤد نے اسناد صحیح کے ساتھ، پس حکم کرنا حافظ ابن حجر کا ساتھ صحت اسناد اس حدیث کے مستلزم ہے اس بات کو کہ یہ حدیث متصل ہے مرسل اور منقطع نہیں۔ اور واقف سنن ابو داؤد کو معلوم ہے کہ یہ حدیث ابو داؤد میں طریق علقمہ عن ابیہ سے مروی ہے، پس اس کلام سے واضح ہو گیا کہ مختار حافظ کا سماع علقمہ ہے، ورنہ بموجب تحریر تقریب کے، یہاں بھی حکم دیتے اور صحت حدیث علقمہ بن وائل کے قائل نہ ہوتے۔ اور زیادہ توضیح غلطی عبارت تہذیب کی کتاب القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم میں موجود ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے کہ جس کو فاضل یلمعی جناب مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے واسطے دفع شکوک واوہام فاسدہ فرقہ وہابیہ کے تصنیف فرمایا ہے، اور جوابات دنداں شکن سے لاجواب کیا ہے کہ مطاعن بیجا کو یک قلم اٹھایا ہے۔

علقمہ کے چھوٹے بھائی نے اپنے باپ سے نہ سنا

ہاں البتہ علقمہ کے چھوٹے بھائی عبد الجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا ہے اور روایت علقمہ کی اپنے باپ سے تو باجماع محدثین محققین ثابت ہے جیسا کہ امام ترمذی اپنی جامع میں کتاب الحدود کے باب ماجاء فی المرأۃ میں بعد ذکر حدیث کے جو مروی ہے طریق علقمہ سے لکھتے ہیں:" عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ سَمِعَ مِنْ أَبِيهِ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ وَ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ "یعنی علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ سے سنا ہے، اور وہ بڑا ہے اپنے بھائی عبد الجبار بن وائل سے، اور عبد الجبار بن وائل نے اپنے باپ سے نہیں سنا ہے۔ اور اسی بنا پر صحیح مسلم کے باب وجوب ملازمت جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن کے شروع میں حدیث" حدثنا محمد بن المثنی "الخ کی اسناد میں" عن علقمة بن وائل الحضرمی عن ابیه "وارد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ امام مسلم اصول میں کوئی حدیث منقطع نہیں لاتے ہیں، پس ان کے نزدیک بھی سماع علقمہ کا اپنے باپ سے ثابت ہے۔ اور یہ حدیث متصل السند ہے اور اس میں لفظ حدثنا بھی الفاظ سماع سے آیا ہے، اور بھی مختار اکابر محدثین کا مثل امام بخاری و سمعانی و ابن عبد البر و جزری و ابو المحاسن شارح ترمذی و قاسم بن قطلوبغا و ملا علی قاری و شیخ الدہلوی کے سماع علقمہ ہے اپنے والد سے۔ اور یہ حدیث بھی اخفا کے مؤید ہے:" عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ وَ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ تَذَاكَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَةُ ابْنُ جُنْدُبٍ أَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً إِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَحَفِظَ ذٰلِكَ سَمُرَةُ وَأَنْكَرَ عَلَيْهِ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَكَتَبَ فِي ذٰلِكَ إِلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ فِي كِتَابِهِ إِلَيْهِمَا أَوْ فِي رَدِّهِ أَنَّ سَمُرَةَ قَدْ حَفِظَ "یعنی روایت ہے حسن سے کہ تحقیق سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین نے تذکرہ کیا آپس میں، پس حدیث کی سمرہ بن جندب نے کہ تحقیق مجھے یاد ہیں رسول اللہ ﷺ کے دو سکتے کرنے ایک سکتہ بعد تکبیر کے، یعنی بعد تکبیر تحریمہ کے اور دوسرا سکتہ بعد ولا الضالین کے، اور انکار کیا اس کا عمران بن حصین نے، پس لکھا دونوں نے خط طرف ابی بن کعب کے یعنی مدینے میں، پس جواب لکھا انہوں نے دونوں کو کہ تحقیق سمرہ کا حفظ صحیح ہے۔ اور روایت کیا ترمذی نے کہ عمران بن حصین نے کہا، کہ مجھ کو ایک سکتہ یاد ہے، سو فیصلہ کیا ان دونوں کا ابی بن کعب نے کہ حفظ سمرہ کا صحیح ہے، اور یہ حدیث ابوداؤد کی ہے، اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ کہا طیبی نے باوجودیکہ شافعی المذہب ہے، پہلا سکتہ سبحانک اللھم کے واسطے اور دوسرا سکتہ آمین کے واسطے ہے، کذا فی المرقات۔ اور ترمذی نے یہ بھی روایت کی کہ کہا سعید نے جو ایک راوی ہے حدیث سکتہ کا، پوچھا ہم نے قتادہ سے کہ ایک راوی ہے اس حدیث کا، کہ کیا ہیں یہ دونوں سکتے؟ کہا قتادہ نے پہلا سکتہ جس وقت کہ داخل ہو تو نماز میں یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد، اور دوسرا سکتہ جس وقت کہ فراغت پائے تو قراءت سے، پھر کہا جب پڑھ چکے تو ولا الضالین۔

حدیث سکتہ سے آمین بالاخفا کا ثبوت

تو اے بھائی غور کا مقام ہے کہ حدیث سکتہ سے جو روایت صحاح کی ہے خوب معلوم ہو گیا کہ آمین آہستہ کہنی سنت

ہے، اس واسطے کہ جب حضرت ﷺ نے ولا الضالین پڑھا تو آمین آہستہ کہی جیسا کہ دلالت کرتی ہے اس پر یہ حدیث شیخین کی: " عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْن " یعنی جب کہے امام ولا الضالین تو آمین کہو، یہ تو نہیں فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کہ البتہ اس سے آمین جہری ثابت ہو جاتی، واذ لیس فلیس۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور موطا امام مالک کی ہے، اور دلالت کرتی ہے اس پر روایت نسائی کی " عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ یَقُوْلُوْنَ اٰمِیْنَ وَاِنَّ الْاِمَامَ یَقُوْلُ اٰمِیْنَ " یعنی جب امام ولا الضالین کہے تو کہو تم آمین اس واسطے کہ ملائکہ کہتے ہیں آمین اور امام کہتا ہے آمین، اگر امام جہر سے کہتا ہوتا تو حضرت ﷺ کیوں تعلیم فرماتے کہ امام بھی کہتا ہے؟

قولوا بمعنی آواز بلند کرنے نہیں آیا

اور سوائے اس کے " قولوا " کے معنی پکار کر کہو تم کے کہاں آئے ہیں، بلکہ بمعنی کہو تم کے ثابت ہوتا ہے۔ اور عطا نے کہا کہ آمین دعا ہے۔

آمین دعا ہے

" كَمَا نَقَلَهُ فِی الْبُخَارِیْ قَالَ عَطَاءٌ اٰمِیْنَ دُعَاءٌ " تو دعا کو آہستہ کہنا حکم قرآن شریف کا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: " اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً " یعنی پکارو تم اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ۔ اور حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے بھی دعا کی تو آہستہ کی " اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا " اور فرمایا عبداللہ بن مسعود نے " اَرْبَعٌ یُخْفِیْهِنَّ الْاِمَامُ التَّعَوُّذُ وَالثَّنَاءُ وَالتَّسْمِیَةُ وَالتَّاْمِیْنُ كَمَا نَقَلَهُ فِیْ فَتْحِ الْقَدِیْرِ " یعنی چار چیز کہ امام آہستہ کہے، اعوذ اور سبحانک اللھم اور بسم اللہ اور آمین، اور یہ بحث آمین بالاخفاء کی صفحہ ۳۷ سے صفحہ ۱۰۶ تک خوب تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔ پس جب کہ احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ اور آیات قرآن شریف کو بھائی مسلمانوں نے ملاحظہ کیا، تو اب اپنے دلوں میں انصاف کریں کہ آمین آہستہ کہنے میں خلوص اور عاجزی زیادہ ہے یا پکار کر کہنے میں؟ افسوس کہ اس زمانے نے اس کی تصدیق کر دی کہ لڑکوں کو اور عوام کو فرائض نماز کی تعلیم نہیں ہوتی مگر آمین اور رفع یدین کے تعلیم کا بڑا اہتمام ہوتا ہے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

غیر مقلدین نے عدم رفع یدین کی حدیثیں چھوڑ دیں

پانچواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ رفع یدین کرنا چاہیے، حالانکہ انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان احادیث صحیحہ کا جن سے رفع یدین نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ " عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِكُمْ

صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ " یعنی علقمہ سے روایت ہے کہا کہ فرمایا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے، کیا نہ پڑھاؤں تم کو نماز مثل نماز رسول اللہ ﷺ کے؟ پھر پڑھی نماز پس نہ اٹھائے دونوں ہاتھ اپنے مگر وقت تکبیر اولی کے۔ یہ حدیث صحیح ترمذی کی ہے۔ اور کہا ترمذی نے کہ اسی مضمون کی حدیث براء بن عازب سے بھی آئی ہے، اور یہ حدیث حسن ہے اور تسلیم اور قبول کیا ہے اس حدیث کو بہت سے علما اور صحابہ اور تابعین نے، اور یہ قول ہے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل کوفہ کا یعنی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اتباع کا۔ تمام ہوا کلام ترمذی کا صحیح ترمذی میں۔ اور ابوداؤد نے تو باب منعقد کیا جداگانہ اس بات کا کہ رفع یدین نماز میں اول ہی مرتبہ ہے، اور روایت کی علقمہ سے یہی حدیث۔ اور روایت کی ابوداؤد نے ابوسفیان اور براء بن عازب سے اسی اسناد کے ساتھ یہی حدیث۔ " عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ یَدَیْہِ اِلٰی قَرِیْبٍ مِنْ اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ " یعنی روایت ہے براء بن عازب سے تحقیق رسول اللہ ﷺ تھے کہ جس وقت شروع کرتے نماز کو، اٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے قریب کانوں کے، پھر دوبارہ نہ اٹھاتے ساری نماز میں انتہی۔ جائے انصاف ہے کہ یہ دونوں حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں، اور غیر مقلدین عمل بالحدیث کا دعوے کرتے ہیں، اور وقت رکوع اور قومہ کے رفع یدین کرکے تارک ہوتے ہیں ان دو حدیث صحاح کے۔ اور اگر ان کو یہ خیال ہے، کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین میں کئی طریق سے روایتیں آئیں۔

دلائل نسخیت حدیث رفع یدین کے

سو جواب اس کا یہ ہے کہ وہ منسوخ ہیں۔ چنانچہ عینی شرح بخاری میں مرقوم ہے " اَنَّہٗ کَانَ فِیْ بَدْءِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ " یعنی تھا رفع یدین رکوع وغیرہ کا ابتدائے اسلام میں پھر منسوخ ہوگیا۔ اور دلیل اس کے نسخ پر یہ ہے: " اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ الزُّبَیْرِ رَاٰی رَجُلًا رَفَعَ یَدَیْہِ فِی الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَ عِنْدَ رَفْعِ رَاْسِہٖ مِنَ الرُّکُوْعِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ ھٰذَا شَیْءٌ فَعَلَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَکَہٗ " یعنی تحقیق عبداللہ بن زبیر نے ایک شخص کو رفع یدین کرتے دیکھا وقت رکوع اور قومہ کے، کہا نہ کر تو یہ کام، اس واسطے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کام کیا پھر ترک کردیا اس کو۔

عبداللہ بن عمر کا رفع یدین نہ کرنا اور عبداللہ بن زبیر کا رفع یدین سے منع کرنا

اور دوسری دلیل نسخ کی یہ ہے کہ جو روایت کی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ: " حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاؤُدَ قَالَ اَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یُوْنُسَ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ عَیَّاشِ بْنِ حُصَیْنِ بْنِ مُجَاھِدٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ یَکُنْ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَةِ الْاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوةِ " کہا طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی مجھ سے ابوداؤد نے، کہا انہوں نے خبر دی مجھ کو احمد بن عبداللہ بن یونس نے، کہا انہوں نے خبر دی مجھ کو ابوبکر بن عیاش بن حصین بن مجاہد نے، کہا انہوں نے کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سو نہ رفع یدین کیا انہوں نے

مگر تکبیر اولیٰ میں نماز کے۔ کہا امام طحاوی نے کہ یہ وہی ابن عمر ہیں کہ کرتے تھے رفع یدین وقت رکوع اور قومہ کے، پھر ترک کیا بعد وفات نبی ﷺ کے ، سو ترک کرنا ان کا دلیل نسخ کی ہے انتہی ۔کلام العینی اور یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ حدیث کے پرتال نے والے تھے۔ جو پرتال گئے اور بمقابلہ تحقیق حدیث ان لوگوں کے اس وقت کے علما کو کیا نسبت ہے؟ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مقابلہ امام اوزاعی کا ابوحنیفہ سے رفع یدین میں اور غالب آنا امام ابوحنیفہ کا

اور بعض لوگ جو دھوکے میں ڈالتے ہیں کہ حدیث رفع یدین کے راوی قوی ہیں ، سو یہ قصہ بھی خاص مکہ معظمہ میں امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دار حناطین میں ہو چکا ہے، آخر کار امام اعظم غالب رہے اور امام اوزاعی چپ ہو رہے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں و عقود الجواہر المنیفہ میں ہے: " رَوَى الْحَارِثِيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ زِيَادِنِ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ ابْنُ الشَّاذَكُوْنِيْ سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ اجْتَمَعَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالْاَوْزَاعِيُّ فِيْ دَارِ الْحَنَّاطِيْنَ بِمَكَّةَ فَقَالَ الْاَوْزَاعِيُّ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مَا بَالُكُمْ لَا تَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لِاَجْلِ اَنَّهٗ لَمْ يَصِحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ شَيْءٌ فَقَالَ كَيْفَ لَمْ يَصِحَّ وَقَدْ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَعِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَلَا يَعُوْدُ لِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ الْاَوْزَاعِيُّ اُحَدِّثُكَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ وَتَقُوْلُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ كَانَ حَمَّادٌ اَفْقَهَ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَكَانَ اِبْرَاهِيْمُ اَفْقَهَ مِنْ سَالِمٍ وَعَلْقَمَةُ لَيْسَ بِاَدْوَنَ مِنِ ابْنِ عُمَرَ فِي الْفِقْهِ وَاِنْ كَانَتْ لِابْنِ عُمَرَ صُحْبَةٌ وَلَهٗ فَضْلُ صُحْبَةٍ فَالْاَسْوَدُ لَهٗ فَضْلٌ كَبِيْرٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ فَسَكَتَ الْاَوْزَاعِيُّ " یعنی حارثیؒ نے اپنی مسند میں روایت کی کہ کہا حدیث کی ہم کو محمد بن ابراہیم بن زیاد رازی نے اور ان کو حدیث کی سلیمان بن شاذکونی نے کہ سنا میں نے سفیان بن عیینہ سے کہ فرماتے تھے: ایک روز جمع ہوئے امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی مکہ معظمہ میں درمیان دار حناطین کے، سو کہا امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے، کہ تم لوگ رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہو رکوع اور قومہ میں نماز کے؟ کہا امام ابوحنیفہ نے کہ نہیں ہے اس باب میں کوئی حدیث صحیح ۔ کہا امام اوزاعی نے کیونکر نہیں صحیح ہے؟ کہ حدیث کی مجھ کو زہری نے اس کو سالم نے اس کو اس کے باپ نے، کہا سالم کے باپ نے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ کرتے تھے رفع یدین وقت تکبیر اولیٰ کے اور وقت رکوع اور قومہ کے، پس کہا امام ابوحنیفہ نے کہ حدیث کی مجھ کو حماد نے اس کو ابراہیم نے

اس کو علقمہ اور اسود دونوں نے روایت کی عبداللہ بن مسعود سے کہ کہا انہوں نے تحقیق نبی ﷺ نہ اٹھاتے تھے دونوں ہاتھ اپنے مگر شروع نماز میں، پھر نہ اٹھاتے ساری نماز میں۔ پھر کہا اوزاعی نے حدیث کی میں نے تجھ کو زہری سے کہ وہ میرے استاد ہیں، اس نے سالم سے اور سالم نے اپنے باپ سے، اور تم کہتے ہو حدیث کی مجھ کو حماد نے اس کو ابراہیم نے اس کو علقمہ اور اسود نے اور ان دونوں کو عبداللہ بن مسعود نے، پس کہا امام ابوحنیفہ نے کہ زہری سے حماد زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم بڑے فقیہ ہیں سالم سے، اور علقمہ فقاہت میں عبداللہ بن عمر سے کم نہیں، اگرچہ ابن عمر صحابی ہیں اور واسطے ان کے فضل صحبت ہے۔ اور اسود کی تو بڑی بزرگی ہے اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہیں ان کا کیا کہنا۔ پس چپ ہو گئے امام اوزاعی اس کے جواب میں اور غالب آئے امام ابوحنیفہ حجت میں۔

یہی قصہ شاہ ولی اللہ کی کتاب انصاف اور کفایہ میں مرقوم ہے

اور یہی قصہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اپنے رسالۂ انصاف میں لکھا ہے اور کفایہ شرح ہدایہ میں بھی اسی طرح مرقوم ہے اور نیز معارض ہے حدیث رفع یدین کو یہ حدیث مرفوع صحیح الاسناد کہ جس کو امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار میں لکھا ہے: " حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي دَاوُدَ قَالَ ثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ " یعنی حدیث کی ہم کو ابن ابی داود نے کہا انہوں نے کہ حدیث کی ہم کو نعیم بن حماد نے کہا انہوں نے کہ حدیث کی ہم کو وکیع نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے عاصم بن کلیب سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن اسود سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے، کہ تحقیق آپ اٹھاتے تھے دونوں ہاتھوں کو پہلی تکبیر میں پھر نہیں اٹھاتے تھے ساری نماز میں کبھی۔ بعد اس کے لکھا ہے: " حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ بِإِسْنَادِهِ " اور یہ حدیث بھی معارض ہے "وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ" یعنی کہا عبداللہ بن مسعود نے کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے، سو انہوں نے رفع یدین نہیں کیا مگر وقت شروع کرنے نماز کے، روایت کیا اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں جو استاد ہیں بخاری اور مسلم کے۔ كَمَا نَقَلَهُ صَاحِبُ فَتْحِ الْقَدِيرِ اور دارقطنی میں یہ حدیث بایں اسناد وارد ہے: " حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ الْخَيَّاطُ وَعَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عِيسَى بْنِ أَبِي حَيَّةَ قَالَا نَا إِسْحٰقُ بْنُ أَبِي إِسْرَائِيلَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ تَكْبِيرَةِ الْأُولٰى فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ "

حضور کا رفع یدین کو گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دینا اور منع کرنا

اور بھی رفع یدین کو یہ حدیث معارض ہے" وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ رَافِعُوْ اَيْدِيْنَا فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ" یعنی جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ نکلے آنحضرت ﷺ ہم پر درآں حالیکہ اٹھانے والے تھے ہم ہاتھوں کو نماز میں، فرمایا کیا ہے مجھ کو؟ کہ دیکھتا ہوں میں تم کو کہ اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاتے ہو تم نماز میں جیسے دمیں سرکش گھوڑوں کی ہلتی ہیں، سکون کرو، یعنی ہاتھ مت اٹھاؤ نماز میں، روایت کیا اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد اور نسائی نے اپنی سنن میں اور ابی بکر بن ابی شیبہ استاد بخاری و مسلم نے اپنی مصنف میں۔ اور محمول کرنا اس حدیث کا رفع یدین وقت سلام پر تخصیص بلا مخصص ہے۔

دعوی کے باوجود غیر مقلدین نے حدیث صحاح ستہ پر عمل نہ کیا

مقام غور ہے کہ اس صحاح ستہ کی حدیث پر غیر مقلدین کا عمل نہ ہو اور پھر دعوی یہ کہ ہم عامل بالحدیث ہیں، واہ واہ سبحان اللہ! اور بھی روایت کی طحاوی اور بیہقی نے حسن بن عیاش سے ساتھ سند صحیح کے:" عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ" یعنی اسود سے روایت ہے کہ فرمایا، دیکھا میں نے عمر بن خطاب کو کہ اٹھائے دونوں ہاتھ اپنے اول تکبیر میں پھر نہ اٹھائے ساری نماز میں، نقل کیا اس کو صاحب فتح القدیر نے، اور بھی روایت کی عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے کہ کہا اس کے باپ نے کہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ کرتے تھے رفع یدین مگر تکبیر اولی میں، پھر نہ کرتے تھے رفع یدین یعنی باقی نماز میں، روایت کیا اس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اور کہا نہیں جائز ہے یہ بات کہ علی مرتضی خلاف کریں رسول اللہ ﷺ کا مگر بعد ثبوت نسخ کے، کما قال العینی فی شرح الہدایہ۔ اور بھی امام محمد روایت کرتے ہیں ساتھ سند صحیح کے" عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ" یعنی عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وقت شروع نماز کے رفع یدین کرتے تھے، پھر باقی نماز میں اعادہ اس کا نہیں کرتے تھے۔ وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ رُوِيَ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ خَدَمْتُ ابْنَ عُمَرَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا رَاَيْتُهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِنْ صَلٰوةٍ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى" یعنی امام زیلعی فرماتے ہیں کہ مجاہد سے مروی ہے کہ کہا انہوں نے، خدمت کی میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دس برس، سو نہیں دیکھا میں نے ان کو رفع یدین کرتے ہوئے نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے۔" وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ الْعَشَرَةَ الْمُبَشَّرَةَ مَا كَانُوْا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ذَكَرَهُ فِي النِّهَايَةِ وَالْكِفَايَةِ" یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عشرہ مبشرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر شروع میں نماز کے، اور نور الانوار میں ہے۔" وَقَدْ صَحَّ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهُ قَالَ

صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَشَرَ سِنِيْنَ فَلَمْ اَرَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ تَكْبِيْرَةِ الْاِفْتِتَاحِ فَتَرْكُ الْفِعْلِ بِهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اِنْتِسَاخِهِ "یعنی روایت صحیح مجاہد سے یہ ہے کہ فرمایا انہوں نے کہ صحبت میں رہا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دس برس تک، سو نہیں دیکھا میں نے ان کو رفع یدین کرتے ہوئے سوائے تکبیر تحریمہ کے، پس چھوڑ دینا عمل رفع یدین کو دلیل ہے اس کے منسوخ ہونے پر۔" وَفِي النِّهَايَةِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهُ رَاٰى رَجُلًا يُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنْهُ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ اِنَّهُ شَيْءٌ قَدْ تَرَكَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَا فَعَلَهُ" یعنی نہایہ میں بروایت عبداللہ بن زبیر مرقوم ہے، کہ دیکھا انہوں نے ایک آدمی کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے اور وہ رفع یدین کرتا تھا وقت رکوع اور قومہ کے، پس منع کیا انہوں نے رفع یدین کو کہ وہ ایک فعل تھا کہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے بعد کرنے کے چھوڑ دیا۔"

موافق حدیث کے سات مقام پر رفع یدین کرنا چاہیے

"وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَفِي الْعِيْدَيْنِ وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَعِنْدَ عَرَفَاتٍ وَعِنْدَ جَمْعٍ وَعِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ "یعنی روایت ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ اٹھائے جائیں ہاتھ کسی شی میں مگر سات جگہ، اول تکبیر تحریمہ میں، دوم نماز عیدین کی تکبیروں میں، سوم وقت بوسہ دینے حجر اسود کے، چہارم صفا مروہ پر، پنجم عرفات میں، ششم مزدلفہ میں، ہفتم وقت کنکریاں مارنے کے شیطان کو منیٰ میں۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے اور صاحب ہدایہ نے بھی مگر باختلاف الفاظ۔ اور کفایہ شرح ہدایہ میں در بارۂ ترجیح حدیث عدم رفع یدین کے لکھا ہے" وَلِاَنَّهُ لَمَّا تَعَارَضَتْ رِوَايَتَا فِعْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَبَ الْمَصِيْرُ اِلٰى قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ الْحَدِيْثُ الْمَشْهُوْرُ لَا يُرْفَعُ الْاَيْدِيْ اِلَّا فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَقُنُوْتِ الْوِتْرِ وَتَكْبِيْرِ الْعِيْدَيْنِ وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ وَعِنْدَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَعِنْدَ الْمَوْقِفَيْنِ وَعِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ اَيِ الْاُوْلٰى وَالْوُسْطٰى وَالَّذِيْ يُرْوٰى مِنَ الرَّفْعِ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْاِبْتِدَاءِ كَذَا نُقِلَ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ "یعنی جب دو حدیثیں متعارض ہوئیں تو ضرور ہوا رجوع کرنا قول آنحضرت ﷺ کی طرف، کہ وہ حدیث مشہور ہے" لَا يُرْفَعُ الْاَيْدِيْ "الخ اور حدیث رفع یدین کی ابتدا پر محمول ہوگی۔ یعنی یہ خبر ہے اس فعل کی جو آنحضرت ﷺ اوائل میں کرتے تھے آخر کو آپ نے چھوڑ دیا، فَالْاِعْتِبَارُ بِالْخَوَاتِيْمِ۔ پس جب ان احادیث صحاح ستہ وغیرہ اور آثار صحابہ سے حدیث رفع یدین کی منسوخ ہونے میں کچھ شک وشبہ نہ رہا، تو عمل مقلدین حنفیہ کا موافق حدیث کے ہوا۔

عدم رفع یدین امام صاحب کے ساتھ صحابہ اور تابعین کا بھی مذہب ہے

اور اگر غیر مقلدین کو صرف اس بات کا غصہ اور تعصب ہے کہ یہ مذہب فقط امام اعظم رحمہ اللہ کا ہے، تو یہ بات محض غلط ہے، اس واسطے کہ کہا ترمذی نے یہ مذہب ہے بہت سے اصحاب رسول اللہ ﷺ کا، اور تابعین کا، اور علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ یہ مذہب ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری کا اور ابراہیم نخعی کا اور ابن ابی لیلیٰ کا اور علقمہ اور اسود کا اور عامر شعبی کا اور ابواسحٰق سبیعی کا اور خیثمہ اور مغیرہ کا اور وکیع اور عاصم ابن کلیب کا اور مشہور مذہب امام مالک کا اور ان کے اصحاب کا انتہی۔ کلام العینی

غیر مقلدوں نے قراءت خلف الامام کی مانع احادیث صحیحہ کا خلاف کیا

چھٹا مسئلہ غیر مقلدین نماز میں سری ہو خواہ جہری امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو واجب جانتے ہیں، سو انہوں نے خلاف کیا ہے اس آیت قرآنی کا "اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو سنو تم اور چپ رہو تم شاید تم لوگ رحم کیے جاؤ انتہی۔ یہ آیت منع کرتی ہے مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو امام کے پیچھے اس واسطے کہ اس میں دو چیزوں کی غرض ہے، ایک سننا دوسرے چپ رہنا، پس دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور سننا خاص ہے جہری نماز کے ساتھ اور چپ رہنا خاص نہیں، پس مطلق بحال خود باقی رہے گا، پس واجب ہوگا چپ رہنا عموماً قراءت کے وقت یعنی جہری نماز میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہو سکتا ہے اور سری نماز میں چونکہ سننا غیر ممکن ہے، تو حق تعالیٰ کے اس دوسرے حکم پر یعنی چپ رہنے پر عمل ہوگا، بہر نوع مقتدی کو ہر نماز میں چپ رہنا چاہیے کیونکہ اللہ پاک فرما چکا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ چپ رہو، اور چونکہ امام سری اور جہری دونوں میں قراءت قرآن کرتا ہے تو لامحالہ مقتدیوں کو دونوں حالتوں میں چپ رہنا پڑے گا" كَمَا قَالَ الْعَلَّامَةُ ابْنُ الْهُمَامِ فِيْ فَتْحِ الْقَدِيْرِ فَاِنَّ الْمَطْلُوْبَ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَمْرَانِ الْاِسْتِمَاعُ وَالْاِنْصَاتُ فَيُعْمَلُ بِكُلٍّ مِنْهُمَا وَالْاَوَّلُ يَخُصُّ بِالْجَهْرِيَّةِ وَالثَّانِيْ لَا فَيَجْرِيْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ فَيَجِبُ السُّكُوْتُ عِنْدَ الْقِرَاءَةِ مُطْلَقًا" اور یہ آیت درباره قراءت نماز کے نازل ہوئی ہے، یہی قول معتمد اور قابل اعتبار کے ہے۔ چنانچہ تفسیر عماد ابن کثیر میں مرقوم ہے:" قَالَ عَلِيُّ بْنُ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَوْلُهٗ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ يَعْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ الْمَفْرُوْضَةِ " اور امام بغوی صاحب تفسیر معالم التنزیل نے تو قول فیصل کر دیا یعنی اس آیت کی شروع تفسیر میں لکھا ہے:" ذَهَبَ جَمَاعَةٌ اِلٰى اَنَّهَا فِي الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ "یعنی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت درباره قراءت نماز کے ہے، اور بعد اس کے مخالفین کو لکھ کے اخیر میں یہ فیصلہ کر دیا:" وَالْاَوَّلُ اَوْلٰى وَهُوَ اَنَّهَا فِي الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ " اور زرقانی شرح موطا میں قاضی ابن عبد البر نے لکھا ہے:" اَجْمَعُوْا عَلٰى اَنَّهٗ لَمْ يُرِدْ بِهٖ كُلَّ مَوْضِعٍ يُسْتَمَعُ فِيْهِ الْقُرْآنُ وَاِنَّمَا اَرَادَ الصَّلٰوةَ وَيَشْهَدُ لَهٗ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِمَامِ وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا صَحَّحَهُ ابْنُ حَنْبَلٍ فَاَيْنَ الْمَذْهَبُ عَنِ السُّنَّةِ وَظَاهِرِ الْقُرْآنِ "یعنی سب کا اتفاق اس پر ہے کہ اس

آیت سے ہر جگہ مراد نہیں ہے کہ جہاں کہیں قرآن پڑھا جائے، بلکہ نماز اس سے مراد ہے، اور اس پر یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی امام کی شان میں گواہ ہے کہ جب امام قرآن پڑھے تو تم لوگ چپ رہو، امام احمد حنبل نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ پس حدیث اور ظاہر قرآن سے کہاں جگہ بھاگ جانے کی ہے؟ پس ان روایات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے، سو اس کی ممانعت میں یہ آیت اتری۔

عبارت تفسیر معالم میں مولف ظفر کی خیانت اور چالاکی

یہاں مؤلف صاحب نے موافق اپنی عادت قدیمہ کے ایسی بددیانتی اور خیانت کی ہے، کہ خائنوں کے بھی کان کاٹے ہیں، چنانچہ اس شخص نے بلاغ المبین کے صفحہ ۱۶۰ میں تفسیر معالم سے اور اور اقوال نقل کیے مگر اس قول صحیح کو کہ (یہ آیت دربارۂ قراءت نماز نازل ہوئی ہے) اول سے اڑا دیا، اور بیچ کا فقرہ بھی کہ (قول اول اولیٰ ہے) قلم انداز کر دیا اور ترجمہ بھی ہدارد اور ادھر ادھر کی عبارت اپنے مطلب کے موافق کاٹ کے لکھ دی، یہ کیا بلکہ اس فرقہ کا مذہب کے ایسی ہی تصرفات اور خیانت کے معاملات ہیں، بیچارے عوام مقلدین جو ان کے مکائد سے ناواقف ہیں ان کے دام فریب میں آجاتے ہیں، اور اپنی سادگی سے دھوکا کھا جاتے ہیں، اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت زور سے قراءت کرنے اور نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے سو ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں چلا کے نہ پڑھنے اور باتیں نہ کرنے کا کہاں حکم ہے، بلکہ حکم اس میں قرآن سننے اور چپ رہنے کا ہے، یعنی سننا تو نماز جہری کے ساتھ خاص ہے اور چپ رہنا نماز سری و جہری میں عام ہے، یہ کلام الٰہی ہے اس کا ایک ایک نقطہ بھی حکمت اور فائدے سے بھرا ہوا ہے، زائد اور بے کار نہیں اور ہر لفظ سے نیا فائدہ اور حکم جداگانہ نکلتا ہے، اس مقام میں مؤلف صاحب بلاغ المبین کے صفحہ ۱۶۰ میں اس کا کیا جواب معقول دیتے ہیں کہ تفسیر رحمانی میں اس آیت کی تفسیر یوں لکھی ہے: "چپکے رہو سوائے قرآن کے" یہاں سے دانشمند مؤلف صاحب کی معلوم ہوئی کہ باوجود اس بات کے کہ قول معتبر و مستند معالم التنزیل و در منثور و تفسیر عمادہ وغیرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت دربارۂ قراءت نماز کے اتری، اور لوگ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے روکے گئے، پھر یہ حضرت تفسیر رحمانی سے کہ ایک غیر مشہور تفسیر ہے نقل کرتے ہیں، کہ قرآن کی ممانعت نہیں۔ واہ ری جرأت کہ قرآن پر بھی بے تکا حاشیہ چڑھانے لگے اور بے پر کی اڑانے لگے، اور دعویٰ یہ کہ ہم تو فقط قرآن و حدیث کو مانتے ہیں دوسروں کے قول سے ہم کو کچھ غرض نہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر مؤلف صاحب نے بلاغ المبین کے صفحہ ۱۶۲ میں لکھا ہے کہ قول صحابی کا حجت نہیں ہے۔ بھائیو انصاف کا مقام ہے کہ قول صحابہ تو حجت نہ ہو اور تفسیر رحمانی کا قول جو عموم آیت کے خلاف اور دوسری تفاسیر معتبرہ کے بھی خلاف اور شان نزول کے بھی خلاف ہے، وہ قابل تسلیم ہو اور جواب آیت کا اس سے دیا جائے۔ نعوذ باللہ الکریم من ہذا الشر العظیم والجہل الجسیم

فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے شبہ کا جواب

اور جو آیۂ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ سے (یعنی پڑھو تم قرآن سے اُس قدر جو آسان ہو) ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی بھی امام کے پیچھے کچھ قراءت کرے، سو یہ منشا غلط فہمی کا ہے، اس واسطے کہ جب ہم کو احادیث صحیحہ سے معلوم ہو گیا کہ قراءت امام کی بعینہ مقتدی کی قراءت ہے، تو پھر قراءت مکرر مقتدی کی کیا حاجت رہی۔ چنانچہ ابن ماجہ میں حدیث صحیح وارد ہے: "عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ" یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، پڑھنا امام کا مقتدی کا پڑھنا ہے، پس مقتدی بحکم آیت "واذا قرئ القرآن" کے چپ بھی ہے اور آیت "فاقرؤا" کی تعمیل بھی اس طریق پر کر رہا ہے، جیسا کہ ثابت ہوا حدیث صحیح سے۔ پس اس صورت میں دونوں آیتوں کا تعارض بھی جاتا رہا اور ہر ایک اپنے اپنے حکم پر باقی رہی۔

اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب دو باتوں میں تعارض واقع ہو تو تا بامکان جمع کریں گے، نہ یہ کہ دونوں کو ساقط کر دیں۔

اور علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں کہا کہ روایت کیا حدیث "من کان" کو ایک جماعت صحابہ نے کہ ان میں سے جابر بن عبداللہ و ابن عمر و ابو سعید خدری و ابو ہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور منع کیا ہے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے اسی (۸۰) صحابہ نے، کہ ان میں سے حضرت علی اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس اتفاق کرنا ایسے ایسے صحابہ جلیل القدر کا بمنزلہ اجماع کے ہو گیا، اسی کثرت کے اعتبار سے صاحب ہدایہ نے کہا کہ اس پر اجماع ہے کہ مقتدی کچھ نہ پڑھے امام کے پیچھے۔

قراءت خلف الامام کو دس صحابہ نے منع کیا

اور عبداللہ بن زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ دس صحابہ نبی ﷺ کے شدت سے منع کرتے تھے امام کے پیچھے قراءت کرنے کو، وہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن مسعود و زید بن ثابت و عبداللہ بن عمر و عبداللہ ابن عباس ہیں رضی اللہ عنہم انتہی کلام العینی۔

اور اگر کوئی موافق قول واحدی کے کہے کہ وقت سکتہ کرنے امام کے، مقتدی قراءت کرے گا تو آیت "اذا قرئ القرآن" کی مخالفت نہ لازم آئے گی، سو خود امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں جواب اس کا لکھ دیا ہے "وَلِقَائِلٍ أَنْ يَّقُوْلَ سُكُوْتُ الْإِمَامِ إِمَّا أَنْ تَقُوْلَ أَنَّهٗ مِنَ الْوَاجِبَاتِ أَوْ لَيْسَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَالْأَوَّلُ بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ وَالثَّانِيْ يَقْتَضِيْ أَنْ يَّجُوْزَ لَهٗ أَنْ لَّا يَسْكُتَ فَبِتَقْدِيْرِ أَنْ لَّا يَسْكُتَ يَلْزَمُ أَنْ تَحْصُلَ قِرَاءَةُ الْمَأْمُوْمِ مَعَ قِرَاءَةِ الْإِمَامِ وَتِلْكَ تُفْضِيْ إِلٰى تَرْكِ الْإِسْتِمَاعِ وَإِلٰى تَرْكِ السُّكُوْتِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْإِمَامِ وَذٰلِكَ عَلٰى خِلَافِ النَّصِّ" یعنی جواب دینے والا اس اعتراض کا کہہ سکتا ہے کہ سکتہ امام کا دو حال سے خالی نہیں، واجب ہے یا غیر واجب، اور واجب ہونا تو بالاجماع ہو نہیں سکتا کہ باطل ہے، اور نہ واجب ہونا اس بات کو چاہتا ہے کہ ترک سکتہ کرنا امام کو جائز ہو، پس اس

صورت میں کہ امام نہ سکتہ کرے مقتدی کا امام کے ساتھ قراءت کرنا لازم آتا ہے، اور یہ پہونچاتا ہے طرف ترک استماع اور سکوت کے وقت قراءت امام کے، اور یہ خلاف ہے نص قرآنی کے۔ پھر اس کے اخیر میں امام رازی لکھتے ہیں: " فَثَبَتَ أَنَّ هٰذَا السُّؤَالَ الَّذِي أَوْرَدَهُ الْوَاحِدِيُّ غَيْرُ جَائِزٍ " یعنی پس ثابت ہو گیا اس تقریر سے کہ اعتراض واحدی کا نادرست ہے، اور نیز غیر مقلدوں نے قراءت خلف الامام میں خلاف کیا ہے ان احادیث صحاح کا " عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفاً فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَالِيَ أُنَازِعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا يَجْهَرُ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الصَّلٰوةِ بِالْقِرَاءَةِ حِينَ سَمِعُوا ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ " یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک نماز پڑھ کر پھرے کہ جس میں آپ نے جہر سے قراءت کی تھی فرمایا آپ نے کہ کیا ابھی کسی نے تم میں سے میرے ساتھ قراءت کی تھی؟ سو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کیوں مجھ سے جھگڑا کیا جاتا ہے قرآن میں، راوی کہتا ہے کہ پس جب آنحضرت ﷺ سے سنا تو لوگ باز آئے قراءت کرنے سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز جہری میں۔ یعنی جب آنحضرت ﷺ کو قراءت کرنا مقتدیوں کا ناگوار گذرا تو صحابہ نے قراءت کرنا بالکل چھوڑ دیا۔ شیخ ابن تیمیہ سے منقول ہے کہ یہ مذہب ہے امام ابو حنیفہ و امام احمد و امام مالک و تمامی سلف و خلف کا۔ اور ایک روایت ہے امام شافعی رحمہم اللہ سے بھی، روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے اور ابوداؤد نے بھی، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کئی سندوں سے نقل کی گئی ہے اور قول زہری کا بھی اس میں لکھا ہے، کہ باز رہے لوگ قراءت سے نماز جہری میں، اور بھی امام مالک نے موطا میں ساتھ اسی قول کے نقل کیا ہے کہ چھوڑ دیا لوگوں نے قراءت کرنا اس دن سے۔

اعتراض قول زہری پر اور جواب اس کا

اس مقام پر اگر کوئی منکرین میں سے کہے کہ " فَانْتَهَى النَّاسُ " الخ یہ قول زہری کا ہے مرفوع نہ ہوا، پس حدیث قابل حجت نہیں۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ ہمارا استدلال تو قول زہری کے ساتھ نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے قول کے ساتھ ہے۔ اور نیز ابن ماجہ و نسائی نے اس بات کا باب منعقد کیا ہے کہ مقتدی کچھ نہ پڑھے، اور اس کے اثبات میں یہ حدیثیں لائے ہیں: " عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا " یعنی روایت ہے ابی موسیٰ اشعری سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب امام پڑھے تو تم چپ رہو۔ " وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا " یعنی کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے امام اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ پیروی کرو تم اس کی، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو چپکے سنو تم۔ نقل کیا اس حدیث کو نسائی نے ساتھ دو سندوں کے۔

بددیانتی اور دروغ گوئی مؤلف ظفر مبین کی تبدیل نام راوی میں

اس مقام پر مؤلف صاحب کا کذب صریح اور دروغ بے فروغ سننا چاہیے اور ایسے شخص کذاب پر نفرین کرنا چاہیے، چنانچہ اس نے بلاغ المبین کے صفحہ ۱۹۳ میں حدیث " واذا قرأ فانصتوا " کو ابوداؤد سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ فقرہ ابوخالد کا وہم ہے اور ابوخالد مولا بے جعدہ بیٹا ہبیرہ مخزومی کا مجہول ہے، تیسرے طبقہ سے اور تقریب کا حوالہ دیا ہے۔ واہ ری جرأت کہ ایسے جھوٹ سے جھوٹے بھی شرما جائیں اور خاص منشا اس دروغ گوئی کا یہی ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ معنی اس حدیث کے صاف صاف حنفیوں کے مدعا پر دلالت کرتے ہیں اور کوئی جواب اس کا بن نہیں پڑتا تو اس شخص نے واسطے ضعیف اور مخدوش کرنے حدیث کے قریب وہی سے ایک اور ابوخالد کو یہاں ظاہر کیا، حالانکہ جو راوی اس حدیث میں ہے وہ ابوخالد احمر ہے کہ نام اس کا سلیمان بن حیان ہے، یہ وہ شخص ہے کہ جس سے بخاری اور مسلم سند لیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ منذری نے اپنی مختصر میں بجواب ابوداؤد لکھا ہے:" وَلِهٰذَا فِيهِ نَظَرٌ فَإِنَّ أَبَا خَالِدِنِ الْأَحْمَرِ هٰذَا هُوَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ وَهُوَ مِنَ الثِّقَاتِ الَّذِيْ إِحْتَجَّ بِهِمُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَمَعَ هٰذَا لَمْ يَنْفَرِدْ بِهٰذِهِ الزِّيَادَةِ بَلْ تَابَعَهُ عَلَيْهَا أَبُوْ سَعِيْدٍ مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيْدِنِ الْأَنْصَارِيُّ "یعنی ابوداؤد کے قول میں بحث ہے کیونکہ ابوخالد احمر یہ وہی سلیمان بن حیان ہے اور وہ ایسا ثقہ ہے کہ بخاری و مسلم نے اس سے استدلال کیا ہے، اور پھر وہ اس فقرے کے بڑھانے میں اکیلا بھی نہیں ہے بلکہ ابوسعید محمد بن سعد انصاری نے اس کی متابعت کی ہے۔ اور علامہ ماردینی نے جوہر النقی میں ابوخالد احمر کو ثقہ اور مستند ثابت کر کے لکھا ہے:" وَبِهٰذَا يَظْهَرُ أَنَّ الْوَهْمَ لَيْسَ مِنْ أَبِيْ خَالِدٍ كَمَا زَعَمَ أَبُوْدَاوُدَ "یعنی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ وہم ابوخالد سے نہیں ہے جیسا کہ ابوداؤد کو شبہ ہوا۔ اور موطا میں امام مالک نے ایک باب منعقد کیا اور فرمایا:" بَابُ مَا يَجِبُ اتِّبَاعُ الْإِمَامِ فِيْ جَمِيْعِ الْحَالَاتِ "اب اس سے بھی صاف واضح ہو گیا کہ اگر مقتدی آمین جہر لکھے اور امام سر، تو یہ بھی متابعت کے خلاف ہے، پس مقتدی کو کسی نماز میں خواہ وہ سری ہو خواہ جہری امام کے پیچھے کچھ نہیں پڑھنا چاہیے اور چپ رہنا چاہیے۔ پس اس حدیث سے آیہ" اذا قرئ القرآن الخ "کے مطلب کی خوب ہی توضیح ہو جاتی ہے، جیسا کہ علامہ زرقانی کا قول شرح موطا سے اوپر منقول ہو چکا۔ اور موطا امام محمد میں ہے:" أَخْبَرَنَا أَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوالْحَسَنِ مُوْسَى بْنُ أَبِيْ عَائِشَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ "یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ اور نسائی نے نماز سری یعنی نماز ظہر و عصر میں بھی منع قراءت میں باب منعقد کیا ہے اور یہ حدیث لکھی ہے:" عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَهُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَنْ قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى قَالَ رَجُلٌ أَنَا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ قَدْ خَالَجَنِيْهَا "یعنی

روایت ہے عمران بن حصین سے کہا انہوں نے کہ نماز پڑھائی ظہر کی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے، پس پڑھی ایک شخص نے پیچھے آپ کے سورہ "سبح اسم ربك الاعلى" پس جب آپ نماز پڑھ چکے تو پوچھا کس نے پڑھی سورہ "سبح اسم ربك الاعلى"؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے، فرمایا آپ نے تحقیق کہ جانا میں نے کہ بعض تمہارا اخلجان میں ڈالتا ہے مجھ کو۔ اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اور بھی نسائی نے اس کو دوسرے طریق سے روایت کیا کہ اس میں لفظ "صلی الظہر والعصر" کا ہے۔ اور جو حدیثیں دربارۂ وجوب قراءت خلف الامام کے غیر مقلدین پیش کرتے ہیں جیسے: "لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" اور "لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" یعنی جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی نماز اس کی نہیں ہوتی۔

تجابات احادیث وجوب قرأت خلف الامام کے

سو جواب اس کا چند وجوہ ہے۔

اول تو یہ نفی نفی ذات نہیں بلکہ نفی کمال کی ہے، جیسا کہ کہا علامہ عینی نے کہ کمال نماز کا سورہ فاتحہ کے ساتھ ہے، نہ یہ کہ عدم جواز نماز کا، جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" یعنی ہمسایہ مسجد کی نماز کامل نہیں ہوتی ہے مگر مسجد میں" "وَلَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهٗ" یعنی نہیں ہے ایمان کامل اس کا کہ جس کو امانت داری نہیں۔ اگر اس کے ظاہر معنی یہ لئے جائیں کہ ہمسایہ مسجد کی نماز گھر میں جائز نہ ہوگی اور خیانت کرنے والا بے ایمان کافر ہے، تو یہ خلاف جمہور علما کے ہوگا، اس کا کوئی قائل نہیں، یہ دو حدیثیں صرف تمثیلاً لکھی گئیں ورنہ اس قسم کی دو سو بیاسی حدیثیں جامع صغیر جلال الدین سیوطی میں مرقوم ہیں کہ جن کی ابتداء میں لفظ لا کا ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ کن کن میں نفی ذات کی اور کن کن میں نفی صفت کمال کی ہے، اور یہاں تو ان حدیثوں کی نفی کمال کے لیے یہ حدیث خداج کی مؤید ہے: "مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ" یعنی جس نے بغیر سورہ فاتحہ کے نماز پڑھی سو وہ ناقص ہے کامل نہ ہوگی۔ پس نہ ہوئیں یہ حدیثیں حجت قراءت فاتحہ کے واجب ہونے میں۔

دوم یہ کہ ان حدیثوں کو عموم آیہ "فاقرؤا ما تيسر من القرآن" کا معارض ہے، یعنی پڑھو تم قرآن میں سے جو آسان ہو پس خصوصیت سورہ فاتحہ کی جاتی رہی، اور وجوب اس کا ثابت نہ ہوا۔

سوم یہ کہ ان حدیثوں سے مدعا غیر مقلدوں کا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قراءت فاتحہ ہر شخص کو چاہیے، مگر ہم کو رسول اللہ ﷺ نے احادیث مسبوق الذکر میں بتا دیا کہ جو شخص مقتدی ہو قراءت اس کی یہ ہے کہ امام قراءت کر رہا ہے، پس مقتدی بھی قراءت کرتا ہے اگرچہ قراءت اس کی حکماً ہے، چنانچہ ارشاد رسول اللہ ﷺ کا یوں ہی ہوا ہے کہ "من كان له امام فقراءة الامام له قراءة" پس کافی ہو گیا امام کا سورہ فاتحہ پڑھنا واسطے مقتدی کے، اب اگر مقتدی خود بھی پڑھے گا تو تکرار قراءت کی لازم آئے گی، حالانکہ یہ غیر مشروع ہے۔ اور منافی ہے حکم آیہ کریمہ "اذا قرئ القرآن" الخ

کے جیسا کہ ہم اوپر مفصل لکھ چکے ہیں۔

چہارم یہ کہ حکم ان احادیث کا واسطے مقتدی کے نہیں بلکہ واسطے منفرد کے ہے۔ چنانچہ جابر بن عبداللہ صحابی اور امام احمد بن حنبل و دیگر علماء محققین نے بھی یہی کہا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں لکھا ہے: ''وَاَمَّا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَقَالَ مَعْنٰی قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ وَاحْتَجَّ بِحَدِیْثِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ حَیْثُ قَالَ مَنْ صَلّٰی رَکْعَۃً لَّمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ اَحْمَدُ فَھٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَاَوَّلَ قَوْلَ النَّبِیِّ ﷺ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اَنَّ ھٰذَا اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ'' یعنی لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معنی اس قول رسول اللہ ﷺ ''لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب'' کے یہ ہیں کہ جب کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھے یعنی مقتدی کو خود قراءت کرنا ضرور نہیں اور استدلال کیا حدیث جابر سے، کہ کہا انہوں نے کہ جو شخص کوئی رکعت بغیر الحمد کے پڑھے تو نماز نہ ہوگی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو کہا امام احمد بن حنبل نے کہ جابر بن عبداللہ ایک صحابی ہیں رسول اللہ ﷺ کے، انہوں نے مطلب نکالا آنحضرت ﷺ کی حدیث ''لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب'' کا کہ یہ جب ہے کہ پڑھنے والا اکیلا ہوا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جو بڑے صحابی نہایت متبع سنت نبوی تھے، جب سوال ہوا کہ قراءت خلف الامام میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا ''تکفیک قراءۃ الامام'' یعنی تجھ کو امام کی قراءت کافی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی جواب میں یہی فرمایا ''سیکفیک ذاک الامام'' یعنی اس کے واسطے امام کافی ہے۔ غرض جب مقتدی کو خاص کر خود آنحضرت ﷺ نے فرما دیا کہ قراءت امام کی اس کو کافی ہے، تو ان احادیث پیش کردہ غیر مقلدین کا مطلب بھی بخوبی ظاہر اور واضح ہو گیا اور زیادہ تر توضیح اس مطلب کی اقوال صحابہ سے بھی ہو گئی۔

قراٴت خلف الامام کی حدیث ضعیف ہے

اب رہی وہ حدیث ترمذی شریف کی کہ جس میں حکم قراءت فاتحہ کا مقتدی کے لیے بتصریح وارد ہے، وہ یہ ہے: ''عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الصُّبْحَ فَثَقُلَتْ عَلَیْہِ الْقِرَاءَۃُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنِّیْ اَرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِکُمْ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِیْ وَاللّٰہِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّہٗ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِھَا'' یعنی عبادہ سے روایت ہے کہ نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے صبح کی، پس گراں ہوا آپ پر پڑھنا، پھر جب پھرے آپ تو فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو، کہا عبادہ نے کہ کہا ہم لوگوں نے ہاں بخدا اے رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ نہ پڑھو مگر سورہ فاتحہ کیونکہ بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی انتہی۔ سو واضح ہو کہ اس حدیث کو بہت سے علماء نے صحیح بھی لکھا ہے اور بہتوں نے ضعیف بھی، چنانچہ علامہ زیلعی لکھتے ہیں: ''قَدْ ضَعَّفَہٗ اَحْمَدُ وَجَمَاعَۃٌ'' یعنی اس

حدیث کو امام احمد حنبل اور ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے۔ اور یحیٰی بن معین لکھتے ہیں کہ جملہ استثنائیہ اس حدیث کا صحیح نہیں۔ پس ایسی حالت اختلاف میں ہم کو خود بھی موافق اصول حدیث کے تحقیق کر کے عمل کرنا چاہیے، پس اس کے طریق اسناد میں محمد بن اسحٰق بن یسار راوی واقع ہوا ہے، سو خود یہ شخص مختلف فیہ ہے اور موافق اصول حدیث کے قابل سند نہیں ہے، کیونکہ یحیٰی قطان نے (کہ جن کو سارے ائمہ نے قابل سند تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ جس کو یحیٰی قطان چھوڑ دیں گے ہم لوگ بھی اس کو چھوڑ دیں گے) محمد بن اسحٰق کی نسبت لکھا ہے:" اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحٰقَ كَذَّابٌ "یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق بڑا جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح سلیمان بن تیمی نے بھی اس کو کذاب لکھا ہے اور امام مالک نے اس کو دجال کہا ہے، کمافی میزان الاعتدال۔ اور کہا دارقطنی نے کہ اس کے ساتھ حجت پکڑنا نہیں ہو سکتا۔ اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہے، مگر ہم صرف یحیٰی قطان سے دلیل لاتے ہیں کیونکہ ان کی جرح مفسر ہے

جرح کا تعدیل پر مقدم ہونا

اور یہ اصول حدیث سے ہے کہ جب کسی شخص کو چند آدمی ثقہ اور عادل کہیں اور چند آدمی اس کو ضعیف وناقابل استناد جانیں اور کوئی شخص عارف بالاسباب اور معتد بوجہ تفصیلی ضعیف کہتا ہے تو اعتبار ضعف کا ہوگا۔" كَمَا قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ شَرْحِ نُخْبَةِ الْفِكَرِ وَالْجَرْحُ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّعْدِيْلِ وَاَطْلَقَ ذٰلِكَ جَمَاعَةٌ وَلٰكِنَّ مَحَلَّهٗ اِنْ صَدَرَ مُبَيَّنًا مِّنْ عَارِفٍ بِاَسْبَابِهٖ لِاَنَّهٗ اِنْ كَانَ غَيْرَ مُفَسَّرٍ لَمْ يَقْدَحْ فِيْ مَنْ ثَبَتَتْ عَدَالَتُهٗ وَاِنْ صَدَرَ مِنْ غَيْرِ عَارِفٍ بِالْاَسْبَابِ لَمْ يُعْتَبَرْ بِهٖ اَيْضًا "یعنی کہا حافظ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں کہ جرح مقدم ہے تعدیل پر اور عام رکھا ہے اس بات کو ایک جماعت نے، لیکن اس کا موقع یہ ہے کہ جب وہ جرح تفسیر کے ساتھ اس شخص سے صادر ہوئی ہو، جو اسباب جرح کا جاننے والا ہے۔ کیونکہ اگر مفسر نہ ہوگی تو یہ اس شخص کے واسطے کچھ مضرت نہ ہوگا، جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہے۔ اور اگر ایسے شخص سے وہ جرح صادر ہو جو اسباب جرح کو نہیں جانتا تو اس جرح کا بھی اعتبار نہ ہوگا انتہی۔

یحیٰی قطان اعلم بالرجال ہیں

اور یہ مسلم ہے کہ یحیٰی قطان اسباب جرح کا بڑا جاننے والا ہے، چنانچہ تہذیب التہذیب میں ہے:" قَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ التَّيْمِيُّ مَا رَاَيْتُ اَعْلَمَ بِالرِّجَالِ مِنْ يَحْيَى الْقَطَّانِ "یعنی کہا ابراہیم تیمی نے کہ میں نے کسی کو یحیٰی قطان سے زیادہ رجال کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ اور نیز اسی کتاب میں ہے امام احمد نے کہا:" بخدا ہم نے یحیٰی قطان کا مثل نہیں دیکھا" اور یہ بھی مسلم ہے کہ کذاب کا لفظ جرح مفسر ہے، پس محمد بن اسحٰق لامحالہ ضعیف اور غیر معتبر ہوگا، اور قطع نظر اس کے محمد بن اسحٰق کو تقریب میں مدلس بھی لکھا ہے اور مدلس ہونا حدیث کی روایت میں ایک خاص قسم کا عیب ہے۔ اور علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری لکھتے ہیں:" وَفِيْ حَدِيْثِ عُبَادَةَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ بْنِ يَسَارٍ وَهُوَ مُدَلِّسٌ قَالَ النَّوَوِيُّ لَيْسَ فِيْهِ اِلَّا

التَّدْلِیْسُ" اور یہ بھی مسلم ہے کہ مدلس جب لفظ عن سے روایت کرے تو وہ روایت متصل نہ سمجھی جائے گی۔ اور یہ روایت جو محمد بن اسحٰق سے ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے بلفظ عن مرقوم ہے، پس یہ روایت ضرور منقطع ہوگی اور قابل حجت نہ رہے گی، چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں: "اَلْمُدَلِّسُ اِذَا قَالَ عَنْ فُلَانٍ لَا یُحْتَجُّ بِحَدِیْثِہٖ عِنْدَ جَمِیْعِ الْمُحَدِّثِیْنَ مَعَ اَنَّہٗ قَدْ کَذَّبَہٗ مَالِکٌ وَضَعَّفَہٗ اَحْمَدُ وَقَالَ لَا یَصِحُّ الْحَدِیْثُ عَنْہُ وَقَالَ اَبُوْزُرْعَۃَ الرَّازِیُّ لَا یُقْضٰی لَہٗ بِشَیْءٍ" یعنی مدلس جب بلفظ عن فلان روایت کرے تو اس کی حدیث تمام محدثین کے نزدیک قابل حجت نہ ہوگی، باوجود اس کے کہ محمد بن اسحٰق کو مالک نے جھوٹا کہا ہے اور امام احمد نے ضعیف اور کہا کہ اس سے حدیث کرنا صحیح نہیں اور کہا ابوزرعہ رازی نے کہ اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا پس یہ حدیث قابل عمل کے نہ رہی۔

قرأت خلف الامام پر صحابہ وتابعین کی جانب سے سخت وعید

اور قطع نظر اس کے اقوال وآثار صحابہ وتابعین کو دیکھنا چاہیے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے حق میں کیا کیا سخت وعیدیں وارد ہوئیں، چنانچہ کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کہ وہ صحابی عشرہ مبشرہ سے قطعی جنتی ہیں، کہ پتھر بھروں میں اس کے منہ میں جو الحمد پڑھے پیچھے امام کے، روایت کیا اس حدیث کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور بھی امام محمد نے اپنی موطا میں۔ اور کہا علقمہ نے کہ آگ بھری منہ میں بہتر ہے الحمد پڑھنے سے پیچھے امام کے، یہ حدیث بھی موطا امام محمد میں ہے۔ اور فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ الحمد پڑھنا مقتدی کا دین کے خلاف ہے نقل کیا اس حدیث کو کفایہ میں۔ اور فرمایا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ مٹی بھری جائے اس کے منہ میں نقل کیا اس کو عینی نے، اور فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ جو کوئی پڑھے پیچھے امام کے وہ سنت پر نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں مع سند صحیح کے اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں بلفظ "فقد اخطأ الفطرۃ" اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بلفظ "فلیس علی الفطرۃ" اور بھی روایت کیا ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو استاد بخاری اور مسلم کے ہیں اپنی مصنف میں ابراہیم سے کہ جو پڑھے پیچھے امام کے وہ فاسق ہے۔ اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کہ قطعی جنتی ہیں اور زید بن ثابت جو جمع کرنے والے قرآن شریف کے ہیں فرماتے ہیں کہ جس نے پیچھے امام کے پڑھا نماز اس کی جائز نہیں۔ اور کہا شمس الائمہ سرخسی نے کہ فاسد ہے نماز اس کی۔ کتنے صحابہ کے اقوال سے نقل کیا اس کو کفایہ میں! اور ذکر کیا اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے، پس طالب کو اس قدر کافی ہے اور زیادہ بیان جو چاہو تو کتب مبسوط میں دیکھ لو!

غیر مقلدین نے زیر ناف ہاتھ باندھنے والی حدیثوں کو ترک کر دیا

ساتواں مسئلہ غیر مقلدین نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں، باوجودیکہ صحاح ستہ میں اس کی کوئی حدیث نہیں، تاہم مثل عورتوں کے سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں اور طرہ یہ کہ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے بائیں ہاتھ کی کہنی پر ہوتے

ہیں، گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگاڑے میں خم ٹھوک کے ابھی کشتی لڑا چاہتے ہیں، ابھی کیا رفتہ رفتہ یہ لوگ سینے سے بھی تجاوز کر کے گلے پر ہاتھ باندھیں گے۔ غرض انہوں نے دونوں امروں میں (یعنی ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے اور داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کے پہونچے کو نہ پکڑنے میں) خلاف کیا ہے ان احادیث صحیحہ کا، پہلی حدیث وہ ہے جس کو عالم ربانی امام محمد بن الحسن الشیبانی نے کتاب الآثار میں بایں اسناد روایت کیا ہے:" اَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ یَعْتَمِدُ بِاِحْدَیٰ یَدَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی فِی الصَّلٰوةِ یَتَوَاضَعُ لِلّٰهِ تَعَالٰی قَالَ مُحَمَّدٌ یَضَعُ بَطْنَ كَفِّهِ الْاَیْمَنِ عَلٰی رُسْغِ الْیُسْرٰی تَحْتَ السُّرَّةِ فَیَكُوْنُ الرُّسْغُ فِیْ وَسَطِ الْكَفِّ " یعنی خبر دی ہم کو امام ابوحنیفہ نے حماد سے، وہ روایت کرتے ہیں ابراہیم سے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ پکڑتے تھے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے، دراں حالیکہ عاجزی کرتے تھے خاص اللہ ہی کے لیے، کہا محمد نے کہ رکھتے تھے آپ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے پہونچے پر نیچے ناف کے، پس ہوتا پہونچا بائیں ہاتھ کا بیچوں بیچ میں داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کے۔ اور علامہ محدث شارح ترمذی ابوالمحاسن رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فوز الکرام میں بعد ذکر کرنے اس حدیث کے لکھا ہے "هٰذَا سَنَدٌ جَیِّدٌ" یعنی سند اس حدیث کی درست اور صحیح ہے۔ اس میں کیا شک کہ جس حدیث کے راوی مثل امام اعظم ابوحنیفہ (کہ قطعی تابعی ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم تو ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں) اور مثل حماد اور ابراہیم نخعی کے ہوں، تو صحت اسناد میں اس حدیث کے ہرگز کسی کو شبہ نہ ہوگا۔ دوسری حدیث وہ ہے جو روایت کیا اس کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو استاد ہیں امام بخاری اور مسلم کے اپنی مصنف میں:" نَا یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ حَسَّانٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ اَوْسَاَلْتُهُ قُلْتُ كَیْفَ یَضَعُ قَالَ یَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ یَمِیْنِهٖ عَلٰی ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهٖ وَیَجْعَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ " یعنی خبر دی ہم کو یزید بن ہارون نے، کہا انہوں نے خبر دی ہم کو حجاج بیٹے حسان کے، کہا انہوں نے سنا میں نے ابومجلز سے یا سوال کیا میں نے ان سے، کہا میں نے کیونکر رکھے نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو نماز میں؟ کہا ابومجلز نے رکھے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اور کر دے دونوں ہاتھوں کو نیچے ناف کے انتہی۔ اور بعد روایت اس حدیث کے فوز الکرام میں مرقوم ہے " وَهٰذَا سَنَدٌ جَیِّدٌ "۔ اور تیسری حدیث وہ ہے جس کو امام احمد حنبل اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں:" ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَیْمٰنَ الْاَسَدِیُّ ثَنَا یَحْیٰی بْنُ اَبِیْ زَائِدَةَ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِسْحٰقَ عَنْ زِیَادِ بْنِ زَیْدٍ السُّوَائِیِّ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مِنَ السُّنَنِ فِی الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْاَكُفِّ عَلَی الْاَكُفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ " یعنی خبر دی ہم کو محمد بن سلیمان اسدی نے، کہا انہوں نے خبر دی ہم کو یحییٰ بن ابی زائدہ نے، کہا انہوں نے خبر دی ہم کو عبدالرحمٰن بن اسحٰق نے، وہ روایت کرتے ہیں زیاد بن زید سوائی سے، وہ روایت کرتے ہیں ابوجحیفہ سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا آپ نے نماز کی سنتوں میں سے رکھنا ہاتھوں کا ہے اوپر ہاتھوں کے، نیچے ناف کے انتہی۔ اور دارقطنی نے بھی مثل اسی کے کسی قدر تغیر الفاظ کے ساتھ میں

حدیثیں تحت السرہ کی روایت کی ہیں۔اور بیہقی نے بھی اپنی سنن کبیر میں مثل اسی کے روایت کی ہے۔چوتھی حدیث وہ ہے جس کو امام ابوداؤد اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں:" حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ ثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ "یعنی حدیث کی ہم کو محمد بن محبوب نے،کہا انہوں نے حدیث کی ہم کو حفص بن غیاث نے عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے،وہ روایت کرتے ہیں زیاد بن زید سے،وہ روایت کرتے ہیں ابوجحیفہ سے تحقیق کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت نماز میں ہاتھ پر ہاتھ کا رکھنا ہے نیچے ناف کے،یعنی داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے پہونچے پر نیچے ناف کے رکھے،جیسا کہ تصریح اس کی اوپر کی حدیثوں میں گزر چکی۔

جواب شانی اعتراض موقوفیت حدیث کا

اب کوئی غیر مقلد صاحب یہ کہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے کہ مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے،پس اس طریق سے سنت نبوی ثابت نہیں ہوتی۔سو جواب شانی اس کا مطابق اصول حدیث کے یہ ہے کہ جب کوئی صحابی بلا اضافت مطلقاً یوں طور کہے کہ السنة کذا یا ان من السنة کذا تو مراد اس سے سنت نبوی ہوتی ہے،اور وہ حدیث مرفوع ہوگی۔

چنانچہ امام ابوجعفر طحاوی معانی الآثار میں اور علامہ بدرالدین عینی اور محدث محمد ہاشم سندی وغیرہم ناقدین حدیث اس مقام پر لکھتے ہیں:" إِنَّ قَوْلَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ هٰذَا اللَّفْظُ يَدْخُلُ فِي الْمَرْفُوْعِ عِنْدَهُمْ وَقَالَ عَبْدُالْبَرِّ إِنَّ الصَّحَابِيَّ إِذَا أَطْلَقَ اسْمَ السُّنَّةِ فَالْمُرَادُ بِهٖ سُنَّةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم "یعنی تحقیق کہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا "ان من السنة" یہ لفظ داخل ہے مرفوع میں محدثین کے نزدیک۔اور فرمایا عبدالبر نے تحقیق کہ جب صحابی اسم سنت کو مطلقاً بولے تو مراد اس سے سنت نبوی ہے۔اور ملا علی قاری نے کشف المغطی فی شرح الموطا میں لکھا ہے:" اَلصَّحَابِيُّ إِذَا قَالَ السُّنَّةُ يُحْمَلُ عَلٰى سُنَّةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم "اور امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:" إِذَا قَالَ الصَّحَابِيُّ أُمِرْنَا بِكَذَا أَوْ نُهِيْنَا عَنْ كَذَا أَوْ مِنَ السُّنَّةِ كَذَا فَكُلُّهُ مَرْفُوْعٌ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيْحِ الَّذِيْ قَالَهُ الْجَمَاهِيْرُ مِنْ أَصْحَابِ الْفُنُوْنِ "یعنی جب کہ کہے صحابی" أُمِرْنَا بِكَذَا یا نُهِيْنَا عَنْ كَذَا یا مِنَ السُّنَّةِ كَذَا "پس ہر ایک ان تینوں قسموں کے الفاظ سے حدیث مرفوع ہے مذہب صحیح پر کہ جس کے قائل ہیں تمام لوگ اصحاب فنون سے انتہی۔اور ابن امیر الحاج نے کتاب حلیۃ المحلی اور بغیۃ المہتدی میں اور شیخ قاسم بن قطلوبغا نے تخریج احادیث الاختیار میں لکھا ہے کہ مثل حدیث مذکور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابن بطال نے بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث روایت کی ہے۔اور بھی مثل اسی کے جامع الاصول میں بروایت رزین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔

اور بھی علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:" رَوَى ابْنُ حَزْمٍ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ مِنْ أَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ وَهٰذَا يُعَضِّدُ حَدِيْثَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ "یعنی روایت کی ابن حزم نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے کہ

نبوت کے اخلاق سے ہے رکھنا داہنے ہاتھ کو بائیں پر نیچے ناف کے۔ اور یہ حدیث قوت دیتی ہے حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتہی۔
پانچویں وہ حدیث ہے جس کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو استاذ ہیں امام بخاری اور امام مسلم کے اپنی مصنف میں لکھا ہے: "
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ السُّرَّةِ " یعنی حدیث کی ہم کو وکیع نے، وہ روایت کرتے ہیں موسیٰ بن عمیر سے، وہ روایت کرتے ہیں علقمہ بن وائل بن حجر سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ وائل سے، کہا انہوں نے دیکھا میں نے نبی ﷺ کو کہ رکھا آپ نے داہنا ہاتھ اپنا بائیں ہاتھ پر نیچے ناف کے انتہی۔ اس مقام میں علامہ محدث محمد ابوالطیب مدنی نے بعد کلام طویل کے شرح ترمذی میں لکھا ہے: " ثُمَّ اطَّلَعْنَا عَلَى حَدِيثٍ صَحِيحٍ بِحَمْدِ اللهِ وَهُوَ سَنَدُ الْمَذْهَبِ وَمُؤَيِّدٌ لِحَدِيثِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ وَهُوَ مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ " یعنی پھر اطلاع پائی ہم نے حدیث صحیح پر (شکر ہے اللہ تعالیٰ کا) اور وہ حدیث سند ہے مذہب کی اور حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تائید کرتی ہے، اور یہ وہ حدیث ہے جو روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور پھر بعد اس کے لکھا ہے وَهٰذَا حَدِيثٌ قَوِيٌّ مِنْ حَيْثُ السَّنَدِ پھر انہوں نے اس حدیث کے قوی ہونے کے وجوہات اور شواہد اور راویوں کے عدل اور وثوق اور صحت سند و متن حدیث کو بتفصیل تمام لکھا ہے اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں۔ منصف عامل بالحدیث کو اسی قدر کافی ہے۔

یک حرف بس ست اگر شعور ست | ورنہ چہ چراغ پیش کور ست

پس ثابت ہو گیا ان احادیث صحیحہ اور دلائل قویہ سے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا موافق طریقہ مسنونہ کے ہے۔ اور در بارۂ سماع علقمہ کے اپنے باپ سے اس حدیث میں کسی کو خدشہ گزرے، تو جواب باصواب اس کا اثبات علقمہ میں مع شواہد و اقوال ثقات محدثین کے بحث اخفا آمین میں دیکھ لے کہ ہم پہلے اس کے لکھ چکے ہیں، یہاں حاجت اعادے کی نہیں۔ اور اگر کسی کو اس پر بھی اطمینان نہ ہو اور زیادہ تفصیل چاہے تو " كتاب الدرة في عقد الايدي تحت السرة " میں ملاحظہ کرے کہ جس کو محدث یلمعی علامہ لوذعی مولوی وصی احمد صاحب سورتی نے تالیف کیا ہے اور بحث جرح و تعدیل رواۃ کو مثل آئینہ کے صیقل بیان سے چمکا دیا ہے۔

غیر مقلدین کی مخالفت حدیث جمع بین الصلاتین میں

آٹھواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ دو نمازوں کا ایک وقت میں کسی عذر سے جمع کرنا درست ہے، حالانکہ یہ قول ان کا اس حدیث کے مخالف ہے جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ سوا اس کے کوئی معبود نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرگز کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اپنے وقت پر، لیکن دو نمازیں کہ جمع کیا آنحضرت ﷺ نے درمیان ظہر اور عصر کے عرفہ میں اور درمیان مغرب اور عشا کے مزدلفہ میں انتہی۔ اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ جہاں رسول اللہ

ﷺ سے جمع کرنا مروی ہے وہ جمع صوری ہے حقیقی نہیں، ورنہ دونوں حدیثوں میں تناقض ہو جائے گا۔

غیر مقلدین نے حدیث بخاری کو ترک کیا

نواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی، سوانہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو بخاری اور ابوداؤد میں آئی ہے: "اِنَّ اَبَا بَكْرَةَ اِنْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً وَّلَا تَعُدْ" یعنی تحقیق ابوبکرہ پہنچے طرف نبی ﷺ کے جس وقت کہ آپ رکوع میں تھے، پس ابوبکرہ نے رکوع کیا قبل اس کے کہ صف میں مل جائیں، پس یہ بات آنحضرت ﷺ سے عرض کی گئی، پس فرمایا آپ نے اللہ تعالیٰ تیری حرص زیادہ کرے تو پھر ایسا نہ کرنا، نماز کا اعادہ مت کرنا، جلدی نہ کیا کر انتہی۔

غیر مقلدین نے حدیث ابن ماجہ اور ترمذی کو ترک کیا

دسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (١) ہیں کہ کافر مرد یا اس کی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آجائے تو ان کا نکاح باقی رہتا ہے ٹوٹتا نہیں۔ سوانہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو ابن ماجہ (٢) میں ہے: "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهٗ زَيْنَبَ عَلٰى اَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيْعِ بِنِكَاحٍ جَدِيْدٍ" یعنی تحقیق آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کو ابوالعاص بن ربیع پر نکاح جدید کر کے لوٹا دیا انتہی۔ اور نیز خلاف کیا ہے غیر مقلدین نے اس حدیث کا جو ترمذی (٣) میں موجود ہے: "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهٗ زَيْنَبَ عَلٰى اَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيْعِ بِمَهْرٍ جَدِيْدٍ وَّنِكَاحٍ جَدِيْدٍ" یعنی تحقیق رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کو ابوالعاص بن ربیع پر جدید مہر اور نکاح جدید کر کے لوٹا دیا انتہی۔

غیر مقلدین نے کراہت اکل لحم اسپ میں احادیث کی مخالفت کی

گیارہواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (٤) ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مطلقاً مکروہ نہیں۔ سو اس مسئلے میں انہوں نے خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو نسائی (٥) میں وارد ہے: "عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ اَكْلُ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ" یعنی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کہ گھوڑا اور خچر اور گدھے کا گوشت کھانا حلال نہیں انتہی۔ اور نیز خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو ابوداؤد (٦) میں ہے: "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ" یعنی تحقیق آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کھانے سے انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو

١.....ظفر مبین، ص ١٢٨
٢.....ابن ماجة، ص ٢٦٥ مطبوعة عمدة المطابع
٣.....ترمذي، ص ١٩٣
٤.....ظفر مبين، ص ٢٧٩
٥.....نسائي، باب تحريم اكل لحوم الخيل
٦.....ابو داؤد، ج ثاني، ص ١٧٥ مطبع قادري

ابن ماجہ میں (۱) ہے:" نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ " یعنی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کھانے سے انتہی۔

غیر مقلدین نے کراہت جہر بسم اللہ میں احادیث پر عمل نہ کیا

بارھواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (۲) ہیں کہ بسم اللہ پکار کر کہنی نماز میں مکروہ نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلہ میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو امام بخاری اور مسلم (۳) میں انس کی روایت سے آئی ہے:" قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَخَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَقْرَأُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " یعنی فرمایا انس ﷛ نے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی پس میں نے کسی کو ان میں سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا انتہی۔ اور نیز خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مسلم میں:" ہے قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا يَذْكُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْ اَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَّلَا فِيْ آخِرِهَا " یعنی فرمایا انس ﷛ نے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی پس وہ شروع کیا کرتے " الحمد للہ رب العالمین " سے اور نہ ذکر کرتے " بسم اللہ " کو اول قراءت میں اور نہ آخر قراءت میں انتہی۔

غیر مقلدین نے تیمم کی ضربوں کے متعلق احادیث کی مخالفت کی

تیرھواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تیمم میں فقط ایک ضرب منہ اور ہاتھ کے لیے کافی ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو حاکم اور دار قطنی نے روایت کی ہے:" اِنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ " یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیمم ایک ضرب ہے واسطے منہ کے اور ایک ضرب ہے واسطے ہاتھوں کے کہنیوں تک انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو طبرانی اور مسند بزار میں روایت ہے:" اِنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ التَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ " یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تیمم دو ضربیں ہیں: ایک ضرب واسطے منہ کے اور ایک ضرب واسطے ہاتھوں کے کہنیوں تک انتہی۔

غیر مقلدین نے دربارۂ کراہت نفل بعد غروب وقبل نماز مغرب کے حدیث اور اقوال صحابہ پر عمل نہ کیا

چودھواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بعد غروب آفتاب قبل نماز مغرب نفلیں پڑھنی ثابت ہیں۔ سو انہوں نے اس

۱۔۔۔۔۔ابن ماجۃ، ص ۲۹۳

۲۔۔۔۔ظفر مبین، ص ۹۷

۳۔۔۔۔بنایۃ، باب صفۃ الصلوۃ

مسئلہ میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو ابوداؤد میں بشرط الشیخین طاؤس کی روایت سے موجود ہے کہ کہا انہوں نے سوال کیے گئے ابن عمر رضی اللہ عنہ دو رکعتوں سے قبل مغرب کے، پس فرمایا نہیں دیکھا میں نے کسی کو زمانہ رسول اللہ ﷺ میں کہ ان کو پڑھتا ہو انتہی۔ اور خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ ان کو اچھا نہیں جانتے، چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: " وَلَمْ يَسْتَحِبَّهُمَا أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَآخَرُونَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَمَالِكٌ وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَقَالَ النَّخَعِيُّ هِيَ بِدْعَةٌ وَحُجَّةُ هٰؤُلَاءِ أَنَّ اسْتِحْبَابَهُمَا يُؤَدِّي إِلَى تَأْخِيرِ الْمَغْرِبِ عَنْ أَوَّلِ وَقْتِهَا " یعنی نہیں مستحب جانا ان دونوں رکعتوں کو ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور امام مالک اور اکثر فقہا نے اور کہا ابراہیم نخعی نے کہ وہ بدعت ہے، اور حجت ان کی یہ ہے کہ استحباب اس کا پہونچا دیتا ہے طرف تاخیر مغرب کے اول وقت سے اس کے انتہی۔

غیر مقلدین نے محرم کا سلا ہوا کپڑا پہننے میں حدیث کو ترک کیا

پندرہواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (۱) ہیں کہ محرم کو سلا ہوا کپڑا مثل پاجامہ کے پہننا جائز ہے اور کوئی جنایت اس میں نہیں۔ سو اس مسئلے میں انہوں نے خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو بخاری (۲) اور مسلم اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ اور طحاوی میں ہے: " سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ الحديث " یعنی رسول اللہ ﷺ سوال کیے گئے کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ پس فرمایا آپ نے کہ نہ پہنے کرتا اور نہ پگڑی اور نہ پائجامہ انتہی۔

غیر مقلدین نے نکاح حرہ بالغہ بلا اذن ولی میں حدیث کے خلاف کیا

سولہواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (۳) ہیں کہ عورت حرہ بالغہ کو بلا اذن ولی کے اپنا نکاح کرنا درست نہیں۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث (۴) کا جو مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی اور موطا امام مالک میں موجود ہے: " اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا " یعنی عورت بلا شوہر والی زیادہ مالک ہے نکاح اپنے کے ولی اپنے سے انتہی۔

غیر مقلدین نے سوائے نماز وتر کے اور نمازوں میں قنوت پڑھنے کو خلاف احادیث جائز کہا

سترہواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (۵) ہیں کہ سوائے نماز وتر کے اور نمازوں میں بھی بلا حدوث حوادث دعائے قنوت پڑھنی جائز ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث صحیح (۶) کا جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: " قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ قَطُّ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لِأَنَّهُ حَارَبَ حَيًّا مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَقَنَتَ يَدْعُو عَلَيْهِمْ " یعنی فرمایا انہوں نے ہرگز نہیں قنوت پڑھی رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں مگر ایک مہینے تک

۱.... ظفر مبین، ص ۲۰۲ ۲.... بخاری، ص ۱۴۸ ۳.... ظفر مبین، ص ۲۲۸
۴.... فتح القدیر، باب الاولیاء والاکفاء ۵.... ظفر مبین، ص ۱۷۷
۶.... فتح القدیر، باب الوتر

اس لیے کہ آپ ایک قبیلہ مشرکین سے جہاد کرتے تھے، قنوت پڑھی تا بددعا کریں ان پر انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث (۱) کا جو عاصم بن سلیمان سے روایت ہے کہ ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک قوم کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے، فرمایا جھوٹ کہتے ہیں، نہیں قنوت پڑھی رسول اللہ ﷺ نے مگر ایک ماہ تک کہ بددعا کرتے تھے قبیلوں پر مشرکین کے انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث (۲) کا جو کتاب القنوت میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہیں قنوت پڑھتے تھے مگر جس وقت کسی کے واسطے دعا کرتے یا بددعا کرتے انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو امام احمد (۳) اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور طحاوی نے ابو مالک سعد بن طارق سے روایت کی ہے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا انہوں نے، میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھی آپ نے اور میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھی انہوں نے اور میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھی اور میں نے عثمان کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھی اور میں نے علی کے پیچھے نماز پڑھی پس نہ قنوت پڑھی، پھر فرمایا بیٹا بیشک یہ بدعت ہے انتہی۔ اور صحیح کہا اس حدیث کو ابن حبان نے اور کہا حافظ نے سند اس حدیث کی اوپر شرط مسلم کے ہے انتہی۔

غیر مقلدین نے کراہت سمک طافی میں احادیث کی مخالفت کی

اٹھارہواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (۴) ہیں کہ جو مچھلی خود بخود مر جائے اور الٹی ہو جائے تو اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے۔ تو انہوں نے اس مسئلہ میں خلاف کیا ہے اس حدیث (۵) کا جو ابوداؤد اور ابن ماجہ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَلْقَى الْبَحْرُ اَوْ جَزَرَ عَنْهُ فَكُلُوْهُ وَمَا مَاتَ فِيْهِ فَطَفَى فَلَا تَاْكُلُوْا " یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شی ڈال دے دریا یا علیحدہ ہو جائے اس سے، پس کھا جاؤ تم اس کو اور جو چیز دریا میں مر جائے اور الٹی ہو کر اوپر آ جائے، پس مت کھاؤ تم اس کو انتہی۔

غیر مقلدین نے شی موہوب کے ذی رحم محرم سے نہ واپس لینے میں احادیث کی مخالفت کی

انیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ذی رحم محرم کو کوئی شی ہبہ کر کے پھر اس سے واپس لینی جائز ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلہ میں خلاف کیا ہے اس حدیث (۶) کا جو بیہقی اور دار قطنی اور مستدرک میں روایت ہے: " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتِ الْهِبَةُ لِذِيْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ لَمْ يُرْجِعْ فِيْهَا " یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب کسی ذی رحم کو

۱..... فتح القدير ، باب الوتر
۲..... فتح القدير ، باب الوتر
۳..... عقود الجواهر المنيفة في بيان الجزء الدال على نسخ القنوت في الفجر
۴..... ظفر مبين ، ص ۱۵۳
۵..... ابو داؤد ، باب في اكل الطافي من السمك ، وابن ماجة باب الطافي من صيد البحر
۶..... تبيين الحقائق ، كتاب الهبة

کوئی چیز بخش دی جائے تو واپس نہ لی جائے انتہی۔

غیر مقلدین کے نزدیک مردوں کو کندھوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے

بیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (۱) ہیں کہ مرد کو مثل عورتوں کے تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے کانوں تک نہ چاہیے۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مسلم (۲) میں ہے: "عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَوَضَعَهُمَا حِيَالَ أُذُنَيْهِ الحديث" یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، اٹھایا ہاتھوں کو جب نماز میں داخل ہوئے تکبیر کی اور کیا دونوں ہاتھوں کو مقابل کانوں کے انتہی۔ اسی طرح ابو داؤد اور نسائی اور طبرانی اور دار قطنی سے روایت ہے۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مسند امام احمد اور مسند اسحٰق بن راہویہ اور سنن دار قطنی اور شرح معانی الآثار میں براء بن عازب سے روایت ہے: "قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلّٰى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَ إِبْهَامَاهُ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ" یعنی کہا انہوں نے تھے رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو اٹھاتے دونوں ہاتھوں کو یہاں تک کہ دونوں انگوٹھے مقابل کانوں کے ہو جاتے انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مستدرک اور سنن بیہقی اور سنن دار قطنی میں انس سے روایت ہے: "قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَبَّرَ فَحَاذٰى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ الْحَدِيْث" یعنی کہا انہوں نے دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ تکبیر کہی، پس مقابل کیا اپنے دونوں انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے انتہی۔ اور کہا حاکم نے اس حدیث کی اسناد صحیح مطابق شرط بخاری اور مسلم کے ہے۔ اور خلاف کیا اس حدیث کا جو ابو داؤد اور مصنف ابن ابی شیبہ اور شرح معانی الآثار میں براء بن عازب سے روایت ہے: "قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَ إِبْهَامَاهُ قَرِيْبًا مِّنْ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ" یعنی کہا انہوں نے تھے رسول اللہ ﷺ جس وقت تکبیر کہتے واسطے شروع نماز کے تو اٹھاتے ہاتھوں کو یہاں تک کہ دونوں انگوٹھے قریب کان کی لو کے ہو جاتے، پھر رفع یدین نہیں کرتے تھے انتہی۔

غیر مقلدوں نے پہلی دو رکعتوں میں تساوی قرأت کے متعلق احادیث پر عمل نہ کیا

اکیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ظہر کی اول دو رکعتوں میں برابر کی سورتیں نہ پڑھے بلکہ کم زیادہ پڑھے سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مسلم میں ہے: "إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِيْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلٰثِيْنَ اٰيَةً" الحدیث یعنی تحقیق محمد رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے پہلی دو رکعتوں میں نماز ظہر کی مقدار تیس آیت کے ہر رکعت میں انتہی۔

۱۔۔۔۔ظفر مبین، ص ۲۶

۲۔۔۔۔بنایۃ، باب صفۃ الصلوۃ

غیر مقلدین نے مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹنے میں احادیث کے خلاف کیا

بائیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مرد اگر اپنا آلہ تناسل چھوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مسند امام احمد اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں طلق بن علی سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے: کہا ایک مرد نے: چھوا میں نے ذکر اپنا یا کہا جو مرد کہ چھوئے ذکر اپنا نماز میں تو کیا اس پر وضو ہے؟ فرمایا آنحضرت ﷺ نے نہیں وہ مگر ایک ٹکڑا ہے تیرے جسم کا انتہی۔ اور صحیح کہا اس حدیث کو ابن حبان نے اور کہا ابن مدینی شیخ بخاری نے کہ یہ حدیث بسرہ کی حدیث سے بہتر ہے اور نزدیک امام بخاری کے بسرہ کی حدیث معلول ہے اور کہا امام طحاوی نے حدیث بسرہ کے متن اور اسناد میں اضطراب ہے اور کہا علامہ عینی نے بڑے تعجب کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بڑے بڑے صحابہ کے روبرو تو بیان نہیں کیا یہاں تک کہ کسی سے نقل اس کی صحیح نہیں ہوئی اور بیان کیا تو کس سے بسرہ عورت سے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ پس حضرات غیر مقلدین کا یہاں تقویٰ اور قوی حدیث پر عمل کرنا کہاں چلا گیا؟ کہ عورت کی حدیث کو ایسے معاملے میں مرد صدوق کی حدیث قوی پر ترجیح دے دی ہے۔

غیر مقلدین نے اکل لحم شتر سے وضو ٹوٹنے میں احادیث پر عمل نہ کیا

تیئسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث صحیح کا جو ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: " قَالَ كَانَ اٰخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ "یعنی کہا انہوں نے آخر دو امروں کا رسول اللہ ﷺ سے ترک کرنا وضو کا تھا اس چیز کے کھانے سے جس کو آگ نے پکایا ہے انتہی۔ اور امام محی الدین نووی شافعی محدث شرح مسلم (۱) میں لکھتے ہیں: اختلاف کیا ہے علمائے اونٹ کے گوشت کھانے میں، پس اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، چنانچہ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق اور عمر اور عثمان اور علی یہ چاروں اور ابن مسعود اور ابی بن کعب اور عبداللہ بن عباس اور ابو الدرداء اور ابو طلحہ اور عامر بن ربیعہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم اور جمہور تابعین اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور اصحاب ان کے اسی طرف گئے ہیں۔ اور جمہور نے حدیث وضو کا حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے جواب دیا ہے کہ آخر دو امروں کا رسول اللہ ﷺ سے ترک کرنا وضو کا تھا اس چیز کے کھانے سے جس کو آگ نے مس کیا ہو انتہی۔

غیر مقلدین نے دباغت پوست خنزیر میں حدیث کی مخالفت کی

چوبیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے (۲) ہیں کہ سور کا چمڑا دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتا۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مسلم (۳) میں ہے: " عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ

۱.....نووی شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۵۶ ۲.....ظفر مبین، ص ۱۹۶ ۳.....مشکوۃ شریف، ص ۵۵

إذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ ''یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے: سنا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ فرماتے تھے: جب چمڑا دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو ترمذی (۱) میں ہے:'' أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ ''یعنی جس قسم کا چمڑا دباغت دیا جائے گا وہ بیشک پاک ہو جائے گا انتہی۔ ہر چند کہ حنفیہ کے نزدیک موافق آیت قرآنی کے سور کا چمڑا بھی ناپاک ہے مگر حضرات غیر مقلدین تو حدیث پر غایت درجے کا عمل کرتے ہیں اور حدیث کے مقابلے میں قرآن کی بھی نہیں سنتے، ان کو ضرور سور کے چمڑے کی پاکی کا قائل ہونا چاہیے، اور کسی طرح امام ابو یوسف پر اعتراض نہ کرنا چاہیے ورنہ اس صحیح حدیث کی مخالفت لازم آئے گی اور طریقہ عمل بالحدیث کے خلاف ہوگا کہ دارومدار اور عمل درآمد ان غیر مقلدین کا ظاہر حدیث پر ہے۔ جب ہم نے مطلق کھال کی طہارت بالدباغت میں حدیث صحیح پیش کی تو اب ان کو چوں و چرا کی جگہ باقی نہ رہی۔

غیر مقلدین نے عدم قطع ید سارق الثمر علی الشجر میں حدیث پر عمل نہ کیا

پچیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جو شخص درخت پر سے میوہ چرائے اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو ابوداؤد (۲) میں رافع بن خدیج سے روایت ہے:'' أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ ''یعنی تحقیق انہوں نے سنا رسول اللہ ﷺ کو کہ فرماتے تھے: نہیں قطع ید ہے پھل چرانے میں انتہی۔ اور ثمر اس پھل کو کہتے ہیں جو درخت میں لگا ہوا ہو، چنانچہ قاموس (۳) میں ثمر کے معنی ''حمل الشجر'' کے لکھے ہیں انتہی۔

غیر مقلدین نے عشری شی قلیل ارضی میں ترک احادیث کیا

چھبیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ زمین سے اگر تھوڑی چیز نکلے تو اس میں دسواں حصہ دینا نہیں آتا۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ میں ہے:'' قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ ''یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس شی میں جس کو ابر اور چشموں نے سیراب کیا ہو یا عشری ہو، دسواں حصہ ہے،

اور عشری وہ زمین ہے جس میں پانی دینے کی حاجت نہ ہو۔ اور اس چیز میں جو سیراب کی جائے آب پاشی سے بیسواں حصہ ہے انتہی۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو مسلم میں ہے:'' قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْغَيْمُ الْعُشْرُ وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ ''یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس زمین میں جس کو نہریں اور ابر سیراب کریں دسواں حصہ ہے اور جو زمین سانیہ سے سیراب کی جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔ (اور سانیہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر پانی رکھ کر زمین کے واسطے لے جاتے ہیں) اور عبدالرزاق نے عمر بن عبدالعزیز اور مجاہد اور نخعی رضی اللہ عنہم سے روایت کی

۱۔۔۔۔فتح القدیر ۲۔۔۔۔ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۴۷ ۳۔۔۔۔قاموس، فصل الثاء

ہے کہ فرمایا انہوں نے اس چیز میں جو زمین اگائے تھوڑی ہو یا بہت، دسواں حصہ ہے انتہی۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے عمر بن عبدالعزیز اور مجاہد اور ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے، پس ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ زمین کے قلیل اور کثیر میں دسواں حصہ دینا لازم آتا ہے کیونکہ یہ احادیث عام ہیں قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہیں، پس جن حدیثوں میں پانچ وسق کا بیان ہے، وہ زکوۃ تجارت میں وارد ہیں، کیونکہ قیمت وسق کی اس وقت چالیس درہم تھی۔ چنانچہ علامہ زیلعی وغیرہ نے اس کی تصریح کر دی ہے بلکہ لفظ صدقے کا جو اس حدیث میں موجود ہے اسی پر دال ہے، اس لیے کہ صدقہ زکوۃ میں بولتے ہیں اور خارج زمین پر عشر کا اطلاق آتا ہے، علاوہ اس کے عام کو خاص پر ترجیح ہے۔ اور بنایہ میں لکھا ہے کہ علامہ ابوبکر بن عربی نے کہا ہے کہ قوی تر مذہبوں کا اس مسئلے میں مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے باعتبار دلیل اور احتیاط کے انتہی۔ پھر باایں ہمہ صحیحین کی حدیث کو ترک کر کے صدقہ زکوۃ کی حدیث پر قیاس کرنا کمال نادانی اور محض تقلید جامد کی نشانی ہے۔

غیر مقلدین نے جواز کثرت عبادت میں احادیث کا خلاف کیا

ستائیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ زیادہ عبادت کرنی بدعت ہے اور کثرت ریاضت دین میں جو نفس پر مشقت ہو خلاف طریقہ سنت ہے۔ سو انہوں نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو بخاری میں عائشہ سے روایت ہے: "کَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُوْمُ لِيُصَلِّيَ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ فَيُقَالُ لَهٗ فَيَقُوْلُ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا" یعنی رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوا کرتے نماز پڑھنے کو، یہاں تک کہ ورم کر جاتے دونوں قدم آپ کے پس کہا جاتا آپ سے پس آپ کہتے کیا میں بندہ شکر گزار نہیں ہوں؟ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا جو ترمذی میں مغیرہ سے روایت ہے: "قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ اَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا" یعنی کہا انہوں نے: نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے، یہاں تک کہ قدم آپ کے آماس کر آئے، پس کہا گیا آپ سے کہ آپ کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ فرمایا: کیا میں بندہ شکر کرنے والا نہیں ہوں۔ انتہی۔ کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور بھی خلاف کیا ہے اس حدیث کا، جو ابن ماجہ اور نسائی میں مغیرہ سے روایت ہے: "قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا" یعنی کہا انہوں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے، یہاں تک کہ آماس کر گئے قدم آپ کے، پس کہا گیا یا رسول اللہ! خدائے تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ فرمایا کیا میں بندہ شکر گزار نہیں ہوں؟ انتہی اور خلاف کیا ہے اس حدیث کا، جو نسائی میں ابوہریرہ سے روایت ہے: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ حَتّٰى تَزْلَعَ قَدَمَاهُ" یعنی رسول اللہ ﷺ اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ قدم آپ کے پھٹ جاتے تھے انتہی۔

غیر مقلدین نے در بارہ مسنون ہونے مسح گردن کے احادیث کو چھوڑ دیا

اٹھائیسواں مسئلہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ وضو میں گردن کا مسح کرنا مکروہ بلکہ بدعت ہے۔ حالانکہ انہوں نے خلاف کیا ہے ان احادیث صحیحہ کا اور چھوڑ دیا ہے عمل سنت کو، چنانچہ تحفۃ الطلبہ میں مرقوم ہے:'' رَوَی اَبُوْدَاؤدَ وَاَحْمَدُ مِنْ حَدِیْثِ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَمْسَحُ رَأْسَهٗ مَرَّةً وَاحِدَةً حَتّٰی بَلَغَ الْقَذَالَ '' یعنی روایت کی ابوداؤد اور احمد نے حدیث طلحہ بن مصرف سے، انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے فرمایا کہ دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ مسح کرتے تھے سر کا ایک دفعہ یہاں تک کہ پہونچا مسح آپ کا گدی پر۔ اور شرح معانی الآثار میں ہے:'' حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوْقٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ وَحَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ عَنْ لَیْثٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهٖ حَتّٰی بَلَغَ الْقَذَالَ مِنْ مُقَدَّمِ عُنُقِهٖ '' یعنی مسح کیا رسول اللہ ﷺ نے اول سر کا یہاں تک کہ پہونچا مسح گدی پر اول گردن سے۔ اور بھی دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت ابن عمر یہ حدیث لکھی ہے:'' مَسْحُ الرَّقَبَةِ أَمَانٌ مِّنَ الْغُلِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ '' یعنی مسح کرنا گردن کا بچاؤ اور باعث امن ہے طوق گردن سے قیامت کے دن۔ اور بھی تاریخ اصبہان میں ابونعیم نے بروایت ابن عمر یہ حدیث نقل کی ہے:'' اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عُنُقَهٗ وُقِیَ الْغُلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ '' یعنی تحقیق کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کرے اور مسح کرے اپنی گردن کا، تو وہ محفوظ رکھا جائے گا طوق گردن کے عذاب سے روز قیامت میں۔ اور وہ جو بعضوں نے اس حدیث کو باوجود مرفوع ہونے کے ضعیف الاسناد کہا ہے، سو یہ منافی معمول بہ ہونے کے نہیں ہے، اس واسطے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بھی عمل کیا جاتا ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

غیر مقلدین حضور کی پیشین گوئی کے پورے پورے مصداق ہیں

انتیسواں مسئلہ غیر مقلدین بظاہر عمل بالحدیث اور اتباع سنت کا دم بھرتے ہیں مگر بنظر حقیقت غور سے دیکھا جائے تو یہ لوگ حدیث پر بالکل عمل نہیں کرتے ہیں، بلکہ خدا اور رسول سے بھی نہیں ڈرتے۔

غیر مقلدین خواہش نفس امارہ کے مقلد ہیں

ہاں زبانی دعویٰ عمل بالحدیث کا بہت کچھ ہے۔

گو واں نہیں پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں ۔۔۔ کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اور یہ نہیں جانتے کہ ہم بتقلید نفس خبیث و باظہار دعوائے عمل بالحدیث کے، تقلید حضرات ائمہ مجتہدین اور طریقۂ سلف صالحین کو چھوڑ کر اور راہ اخلاص سنت نبوی سے منہ موڑ کر، کس ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہیں اور کس نفسانیت کے کوچہ تنگ میں اڑے ہیں کہ جہاں جاتے ہیں ذلت و رسوائی اٹھاتے ہیں۔ خصوصاً حرمین شریفین میں تو غیر مقلدی کے اظہار

سے سزا پاتے ہیں اور نکال دیے جاتے ہیں، بلکہ مصداق ان احادیث کے ہوجاتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا اور ان کے سب حالات اور علامات کو بتایا، چنانچہ یہ پہلی حدیث بروایت ابی ہریرہ صحیح مسلم میں وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: "یَکُوْنُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ" یعنی ہوں گے آخری زمانے میں فریب کرنے والے جھوٹے مکار لوگ، لائیں گے تمہارے پاس ایسی حدیثیں کہ نہ سنی ہوں گی تم نے اور نہ تمہارے باپ داداؤں نے، سو بچاؤ تم اپنے تئیں ان سے اور ان کو اپنے سے، اس لیے کہ کہیں گمراہ نہ کردیں تم کو اور فتنہ وفساد میں نہ ڈالیں تم کو، کہ عمل بالحدیث کے پردے میں علم والوں کی صورت بنا کر فریب اور جھوٹ اور افترا پردازی سے اپنی طرف جھکاتے ہیں اور نئے طریقے یعنی لامذہبی اور آزادی کی طرف سنت کے بہانے سے بلاتے ہیں اور سلف صالحین اور اگلے بزرگان دین کے عقائد اور طریقہ حقہ سے بہکاتے ہیں اور ائمہ مجتہدین اور فقہائے متقدمین پر لعن طعن کر کے مقلدین کو ان سے بدعقیدہ کراتے ہیں۔ اسی واسطے دوسری حدیث ترمذی میں وارد ہے: "وَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا" یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دربارۂ علامات قیامت کے کہ اس امت کے پچھلے لوگ اگلوں کو برا کہیں گے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ لوگ حضرات مجتہدین اور فقہاء متقدمین پر کیا کچھ لعن طعن کرتے ہیں۔

غیر مقلدوں کا تعصباً تمامی مقلدین کو مشرک و کافر کہنا اور تقلید کو شرک حرام جاننا

چنانچہ نمونہ اس کا کتاب ظفر مبین ہے کہ جس میں تمام مقلدین حنفیہ کو مشرک اور کافر لکھا ہے اور تقلید کو شرک اور حرام کہا ہے اور مکہ معظمہ میں چاروں مصلوں کو ضلالت اور بدعت قرار دیا ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ جو چاہے اس مضمون کو کتاب مذکور کے صفحہ ۱۸،۱۷ و ۳۲۸ میں دیکھ لے۔ و نیز کتاب تحقیق الکلام مطبوعہ ریاض ہند امرتسر میں تمام صوفیہ کرام خصوصاً حضرت عارف باللہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ان کی کتاب قول الجمیل کو نہایت برا لکھا ہے اور ان پر طعن کیا ہے، چنانچہ یہ مضمون صفحہ ۳ و صفحہ ۲۷ سے ۳۲ تک موجود ہے۔ اسی طرح دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۲۱۲ میں و کتاب اعتصام السنہ مطبوعہ کانپور کے صفحہ ۱۹ میں و کتاب انتقاد الرجیح مطبوعہ مطبع علوی کے صفحہ ۶۲ و ۶۳ میں حضرت صدیق اکبر و دیگر صحابہ کو خاطی لکھا ہے، اور حضرت ابوبکر کا کینہ حضرت فاطمہ کے ساتھ اور حضرت عمر کا بغض حضرت علی کے ساتھ ثابت کیا ہے اور حضرت عمر فاروق کو مخترع بدعت ضلالہ کا ٹھہرایا ہے۔ معاذ اللہ منہا اب اس سے بڑھ کے برا کہنے والے اگلے بزرگان دین کو اور کیا ہوں گے؟ کہ صحابۂ کرام کو بھی نہ چھوڑا۔ اور تیسری حدیث بھی انہیں غیر مقلدین کی شان میں ہے: "قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ یَقُوْلُوْنَ مِنْ خَیْرِ قَوْلِ الْبَرِیَّةِ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ" الحدیث متفق علیہ یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے

نکلے گی آخر زمانے میں ایک قوم کم سن، کم عقل، زبان زد ہوگا ان کے قال قال رسول اللہ یعنی بظاہر حدیث کے کلام ذکر یں گے، پڑھیں گے قرآن کو نہ اترے گا ان کے حلق سے نیچے، یعنی ان کے دلوں میں ایمان نہ ہوگا اور خلوص دل سے قرآن پر عمل نہ کریں گے، نکل جائیں گے دین سے جیسے تیر نکل جاتا ہے کمان سے۔ اور چوتھی حدیث ترمذی میں ہے: ” وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْسِنَتُھُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّکَّرِ وَقُلُوْبُھُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ “ یعنی زبانیں ان کی شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی، یعنی بظاہر نرمی اور شیریں کلامی سے لوگوں کو راہ راست سے بہکائیں گے، ولیکن دل ان کے سختی و بے رحمی میں مثل بھیڑیوں کے ہوں گے۔ کہ جب پورا قابو پا جاتے ہیں تو کوئی دقیقہ دین کی خرابی کا فروگذاشت نہیں کرتے ہیں۔ اور پانچویں حدیث: ” وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ وَصْفِ ھٰذَا الْقَوْمِ مُشَمِّرُ الْاِزَارِ “ یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس قوم کی علامت مشمر الازار، یعنی ان لوگوں کے اونچے اونچے پائینچے ہوں گے۔ اور بھی فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ گریبان کھلا رکھنا علامت قوم لوط سے ہے، پس یہ دونوں صفتیں اکثر غیر مقلدین میں پائی جاتی ہیں۔ چھٹی حدیث کہ معجزہ پیغمبر کا ہے، بارہ سو برس کے بعد ظاہر ہوا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ شَامِنَا اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ یَمَنِنَا “ یعنی اے اللہ برکت دے ہمارے ملک شام میں اور ملک یمن میں، وہاں کچھ نجد کے لوگ تھے، سو انہوں نے عرض کیا ” وَفِیْ نَجْدِنَا “ یعنی ملک نجد کے واسطے بھی دعا فرمائیے مگر آپ نے پھر بھی دعائے برکت شام و یمن کی فرمائی، پھر انہوں نے باصرار واسطے دعائے برکت نجد کے عرض کیا تو آپ نے تیسری مرتبہ اس کے حق میں فرمایا: ” ھُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِھَا یَطْلَعُ قَرْنُ الشَّیْطَانِ “ یعنی ملک نجد میں زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور اس سے نکلے گی امت شیطان کی۔

خروج وہابیہ نجدیہ کا مختصر بیان

سو موافق اس خبر مخبر صادق کے گروہ وہابیہ نے جو پیرو محمد بن عبد الوہاب کے ہیں، ۱۲۲۱ھ ہجری میں جب دیکھا کہ انتظام سلطنت روم میں برہمی واقع ہے، بصلاح و آمادگی محمد بن عبد الوہاب کے جانب حرمین چڑھائی کی اور ایک نیا مذہب آزادی اسلام کے پردے میں بغرض ملک گیری ظاہر کیا اور بذریعہ اعلان عمل بالسنۃ کے تمام مقابر شہدا و مزارات اولیا کو منہدم کر کے مسلمانان اہل تقلید سکنۂ حرمین وغیرہما پر حکم جہاد کا دے دیا اور ان کے مال کی لوٹ اور قتل کو جائز رکھا اور ان پر بڑا ظلم کیا۔ یہاں تک کہ لشکر سلطانی نے ان پر فتح پائی اور ۱۲۳۳ھ ہجری میں ان کا بالکل استیصال کر دیا۔ چنانچہ مختصر حال اس فتنہ خروج وہابیہ کا علامہ شامی نے رد المحتار حاشیہ در مختار مطبوعہ مصری کی جلد سوم کے صفحہ ۳۰۹ باب البغاۃ میں اس طرح لکھا ہے: ” کَمَا وَقَعَ فِیْ زَمَانِنَا فِیْ اَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَھَّابِ الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَی الْحَرَمَیْنِ وَکَانُوْا یَنْتَحِلُوْنَ مَذْھَبَ الْحَنَابِلَۃِ لٰکِنَّھُمْ اِعْتَقَدُوْا اَنَّھُمْ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَنَّ مَنْ خَالَفَ اعْتِقَادَھُمْ مُشْرِکُوْنَ فَاسْتَبَاحُوْا بِذٰلِکَ قَتْلَ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَعُلَمَائِھِمْ حَتّٰی کَسَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی شَوْکَتَھُمْ وَخَرَّبَ بِلَادَھُمْ وَظَفِرَ بِھِمْ عَسَاکِرُ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَ

ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِیْنَ وَمِأَتَیْنِ وَاَلْفٍ انتھی ''یعنی جیسا کہ ہمارے زمانے میں واقعہ گذرا کہ گروہ وہابیہ نے نجد سے خروج کر کے حرمین پر تغلب کیا اور اپنا انتساب مذہب حنبلی کی طرف کرتے تھے، لیکن اعتقاداً اپنے ہی کو مسلمان جانتے تھے اور جو کوئی ان کے اعتقاد کے مخالف ہوتا، اس کو مشرک کہتے اور مباح کر دیا قتل اہل سنت کا اور ان کے علما کا۔ یہاں تک کہ توڑ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت کو اور تباہ کر دیا ان کے شہروں کو اور فتح پائی ان پر لشکر اسلام نے ۱۲۳۳ ہجری میں۔

حال بر سبیل اجمال وہابیان ہند کا

غرض کہ آج کل کے غیر مقلد بھی اسی گروہ وہابیہ میں داخل ہیں اور اکثر عقائد اور مسائل میں انہیں کے پیرو اور معتقد ہیں اور محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید پر ان کا عمل ہے۔ جب سے بخیال خوف بلوہ وفساد کے سرکار انگریزی نے وہابیان ہند سے تعرض کرنا شروع کیا اور ان کے جابجا نگراں اور خبر گیر رہنے لگے، تب سے ان لوگوں نے وہابی کا لقب بدل ڈالا اور اپنے تئیں دوسرے القاب سے مثل محمدی یا عامل بالحدیث یا غیر مقلد یا موحد وغیرہ سے مشہور کیا۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل قرآن وحدیث پر ہے تقلید ائمہ مجتہدین کی شرک وبدعت ہے، ہم کو اس سے کچھ کام نہیں پابندی مذہب میں آزادی اسلام نہیں، جس حدیث پر چاہیں عمل کر لیں، حالانکہ یہ آزادی ان غیر مقلدین کی عین پابندی خواہش نفس کی ہے۔ جس طرح اپنا جی چاہا اور جس حدیث میں اپنا مطلب نکل آیا اسی کو اپنا معمول بہ ٹھہرایا، دین کو ایک بازیچۂ طفلان بنایا، جیسا کہ ہم تلفیق کے مسئلے میں اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ ساتویں حدیث بھی ان لوگوں کی عدم تقلید اور آزادی کی خبر دیتی ہے اور عمل ان کا مصداق اس حدیث کا ہوتا ہے:''

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ الشَّاۃِ الْعَائِرَۃِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ تَعِیْرُ اِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً وَّاِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً رَوَاہُ مُسْلِمٌ ''یعنی مسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ منافق کی مثل اس بکری کی سی ہے، جو دو گلوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے کبھی اس ریوڑ میں جا گھستی ہے اور کبھی اس ریوڑ میں جا گھستی ہے۔ پس یہ حال منافق کا ظاہر ہے کہ کبھی ایمان کی طرف جھک جاتا ہے، کبھی رکابی مذہب بن جاتا ہے، وہ کمبخت نہ ادھر کا ہوتا نہ ادھر کا۔ اور آٹھویں حدیث کتاب مجمع الزوائد میں طبرانی نے ''بَابُ مَا جَاءَ فِی الْکَذَّابِیْنَ'' میں عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے:'' قَالَ وَاللّٰہِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ لَیَکُوْنَنَّ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ دَجَّالُوْنَ وَبَیْنَ یَدَیِ الدَّجَّالِ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ اَوْ اَکْثَرُ فَقُلْنَا مَا آیَاتُھُمْ قَالَ یَاْتُوْنَکُمْ بِسُنَّۃٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا عَلَیْھَا لِیُغَیِّرُوْا بِھَا سُنَّتَکُمْ وَدِیْنَکُمْ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھُمْ فَاجْتَنِبُوْا وَعَادُوْا ''یعنی کہا انہوں نے قسم اللہ کی تحقیق سنا ہم نے آنحضرت ﷺ سے کہ فرماتے تھے کہ قریب قیامت کے آخر زمانے میں نکلیں گے دجال اور قریب زمانہ دجال کے ایک جھوٹا فرقہ تیس آدمیوں یا زائد کا ظاہر ہوگا، سو عرض کیا ہم نے یا رسول اللہ کیا علامتیں ہیں اس فرقہ کذاب کی؟ فرمایا کہ لائیں گے وہ یعنی سکھائیں گے تم کو ایک نیا طریقہ کہ تم اس طریق پر نہ ہوگے اور اس کو سنت کہہ کے تم لوگوں کو دھوکا دیں گے، تا کہ بدل دیں اس کے سبب سے

تمہاری سنت نبوی اور دین اسلام کو کہ جس پر تم عمل کرتے ہو اور ثابت قدم ہو، پس جب دیکھو تم اس قوم کذاب کو تو دور رہو ان سے اور ان کو دین کا دشمن جانو اور ان سے عداوت رکھو انتہی۔

پس اس حدیث سے سب اعمال واقوال احوال غیر مقلدین کے ظاہر ہو گئے

پس اس حدیث سے لامذہبوں کا حال صاف ظاہر ہے کہ نئی نئی باتیں دین میں نکالتے ہیں اور سنت کا نام لے کر مقلدین کو بہکاتے ہیں اور طریق تقلید کو ان سے چھوڑاتے ہیں اور آپ اہل حدیث بنتے ہیں ان کو اہل الرائے بتاتے ہیں، فقہ کو عقل کا ڈھکوسلا بتاتے ہیں اور فقہا کو سخت اور سست باتیں سناتے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں کی موٹی سمجھ پر کہ حق تعالیٰ خود ارباب عقل ورائے کی تعریف فرماتا ہے:" اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ "یعنی وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی ہیں عقل والے۔" وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ "یعنی نہیں سمجھتے ہیں مگر عقل والے انتہی۔ اور یہ لوگ عقل کی بات سے چڑھتے ہیں اور اہل الرائے سے چڑتے ہیں اور فقہا سے جھگڑتے ہیں، گویا اپنی عقل سے لڑتے ہیں اور اعتراف اپنی بلادت اور بے عقلی کا کرتے ہیں۔ اور طرہ یہ کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو تو شرک و بدعت کہیں اور خود محمد بن عبدالوہاب نجدی وابن تیمیہ وداؤد ظاہری وابن حزم وقاضی شوکانی زیدی یمانی کی تقلید کریں ۔

یہ ہیں باتیں اہل حدیث کی تجھے کیونکر ان کو بتاؤں میں

تو نہیں سمجھتا ہے فقہ کو تجھے کس طرح سے جتاؤں میں۔

غیر مقلدین نے تعظیم مقامات مقدسہ کے متعلق قرآن وحدیث کو ترک کر دیا

تیسواں مسئلہ غیر مقلدین جو حرمین شریفین ودیگر بلاد عرب وحجاز وشام وبیت المقدس ومسجد الحرام کے خاص وعام مقلدین کو مشرک اور بدعتی کہتے ہیں اور ان کو خالص دیندار اور متقی پرہیزگار نہیں جانتے ہیں اور وہاں کے طریقہ تقلید ائمہ اربعہ اور چاروں مصلوں کی تعیین کو بدعت اور خلاف سنت بتاتے ہیں۔ سو انہوں نے (بسبب اس سوء ظن کے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ یعنی بیشک بعض بدگمانی گناہ ہے) خلاف کیا ہے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا

مناقب وفضائل حرمین ودیگر مقامات مقدسہ قرآن وحدیث سے

کہ حق تعالیٰ نے اور اس کے رسول مقبول نے ان مقامات مقدسہ کے رہنے والوں کی شان میں کیا کچھ ارشاد فرمایا۔ یعنی بطور پیشین گوئی ان کے پرہیزگار اور متقی ہونے اور قیامت تک ان کے طریق حق پر رہنے کی خبر دی، چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے:" قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ "یعنی کہہ دے اے محمد ﷺ یہاں کے رہنے والوں سے کہ آ گیا دین اسلام کا اور نہ ظاہر ہو گا طریقہ کفر وشرک کا اور نہ لوٹ آئے گا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:" وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ "یعنی بیشک لکھ دیا ہم نے زبور میں بعد نصیحت کے کہ آخر مالک ہوں

گئے زمین بیت المقدس کے میرے نیک بندے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:" اِنْ اَوْلِیَاؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ "یعنی مسجد الحرام کے مالک وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں۔" وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ مَکَّۃَ وَحَوْلَ الْکَعْبَۃِ ثَلٰثُ مِائَۃٍ وَسِتُّوْنَ صَنَمًا فَجَعَلَ یَطْعَنُھَا بِعُوْدٍ فِیْ یَدِہٖ وَیَقُوْلُ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ "یعنی روایت ہے عبداللہ بن مسعود سے کہ داخل ہوئے آنحضرت ﷺ مکے میں دراں حالیکہ گرداگرد کعبے کے تین سو ساٹھ بت تھے، سو آنحضرت ﷺ کو نچا دیتے تھے ان بتوں کو لکڑی سے جو ہاتھ میں آپ کے تھی اور فرماتے تھے کہ آگیا دین اسلام اور نکل بھاگا کفر باطل، بے شک کفر باطل نکل بھاگنے والا ہے۔ یعنی سچے دین کا غلبہ آیا اور کفر مکے اور تمام عرب سے چلا گیا۔ اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے:" غِلَظُ الْقُلُوْبِ وَالْجَفَاءُ فِی الْمَشْرِقِ وَالْاِیْمَانُ فِیْ اَھْلِ الْحِجَازِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ "یعنی سختی دلوں کی اور ظلم و جفا ملک شرق میں ہے اور ایمان واتقا اہل حجاز میں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:" اَلْاَبْدَالُ یَکُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَھُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلًا رَوَاہُ اَحْمَدُ "یعنی ابدال ملک شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس آدمی ہیں۔ جب ان میں کوئی مرجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے قائم مقام کر دیتا ہے دوسرے کو۔ اور حضرت نے فرمایا:" طُوْبٰی لِلشَّامِ قُلْنَا لِاَیٍّ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لِاَنَّ مَلٰئِکَۃَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَۃٌ اَجْنِحَتَھَا عَلَیْھَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ "یعنی خوشحالی ہے واسطے اہل شام کے، عرض کیا ہم نے کس سبب سے؟ فرمایا اس واسطے کہ فرشتے رحمٰن کے پھیلائے ہوئے ہیں بازو اپنے ملک شام پر، واسطے محافظت کفر کے کہ وہاں ابدال رہتے ہیں۔ اور حضرت نے فرمایا:" اَلْمَدِیْنَۃُ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ "یعنی مدینہ نکال پھینکتا ہے کافروں کو جیسے بھٹی نکال پھینکتی ہے لوہے کے میل کو، یعنی مدینے میں کفر نہیں سما سکتا ہے۔ اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے:" اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ "یعنی تحقیق شیطان ناامید ہو گیا اس بات سے کہ عبادت کریں لوگ اس کی جزیرۂ عرب میں۔ اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے:" اِنَّ الدِّیْنَ لَیَاْرِزُ اِلَی الْحِجَازِ کَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ "یعنی تحقیق دین سمٹ آئے گا ملک عرب کی طرف، جیسے سانپ سمٹ آتا ہے اپنے بل کی طرف۔ اور بخاری میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث اس طرح ہے:" اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَاْرِزُ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ کَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا "یعنی تحقیق ایمان سمٹے گا مدینے کی طرف، جیسے سانپ سمٹتا ہے اپنے بل کی طرف۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حجاز اور مدینہ دین و ایمان کا گھر ہے اور قیامت کے قریب ہر طرف سے کفر کا غلبہ ہوگا، تو آخر سب ملکوں کے ایماندار سمٹ کر مدینے میں امام مہدی کے پاس جمع ہوں گے۔ پس ایسے مقدس مقامات کے مسلمانوں کو بسبب تقلید ائمہ اربعہ کے بددین اور مشرک اور بدعتی کہہ بیٹھنا اور ان کے مسلک اور مذہب کو خلاف سنت سمجھنا کیسا بڑا گناہ ہے کہ صریح آیات و احادیث مذکورہ کا انکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ ارشاد فرمایا:" کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا "یعنی کیا

بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔

ثبوت اور بقاء دین محمدی کا حقیقت مذہب مقلدین پر موقوف ہے

اور بخاری اور مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ وارد ہے کہ حضرت نے فرمایا: ''مَنْ اَرَادَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ بِسُوْءٍ اَذَابَهُ اللّٰهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ'' یعنی جو کوئی مدینے کے رہنے والوں سے برائی کا قصد کرے گا، خدا اس کو گلا ڈالے گا، جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور سوا اس کے ثبوت اور بقاء دین محمدی کا حقیقت مذہب مقلدین پر موقوف ہے کہ یہ دین خاتم النبیین انہیں حضرات مقلدین کی بدولت ہم کو پہونچا اور معاذ اللہ جب بزعم فاسدان غیر مقلدین کے سب اہل تقلید مشرک اور بے دین ٹھہر جائیں، تو دین محمدی کیونکر قابل اعتبار کے رہے گا اور جب قابل اعتبار نہ رہا تو منقطع ہونا لازم آئے گا، حالانکہ یہ دین حق المسلمین قیامت تک باقی رہے گا۔ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ''ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ'' یعنی یہ دین قائم رہنے والا ہے، لیکن بہت لوگ اس کو نہیں جانتے۔ اور بروایت سعد بن ابی وقاص مسلم میں حدیث وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ''لَا يَزَالُ اَهْلُ الْغَرْبِ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ'' یعنی ہمیشہ رہیں گے تمام عرب کے لوگ قائم دین حق پر، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ اور فرمایا آنحضرت نے: ''لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ'' یعنی ہمیشہ رہے گا میری امت سے ایک گروہ قائم امر الٰہی پر، نہ ضرر پہونچائے گا ان کو خراب اور مخالف ان کا، یہاں تک کہ آجائے گی قیامت اور وہ لوگ اسی حال پر ہوں گے، اور بخاری و مسلم میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت نے: ''لَا يَزَالُ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى يَاْتِيَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ'' یعنی ایک گروہ میری امت سے ہمیشہ قائم اور غالب رہے گا، یہاں تک کہ آئے گی قیامت اور وہ غالب ہی رہے گا۔

ملقب باہل السنۃ اور مصداق سواد اعظم کا جماعت مقلدین ہے نہ کہ غیر مقلدین

یعنی وہ لوگ ملقب باہل السنۃ والجماعت مقلدین ہیں کہ تمام فرقوں میں امت محمدیہ کے سواد اعظم اور اکثر الافراد اور سب پر غالب ہیں۔ اور بالعکس اس کے یعنی ایک جم غفیر اور گروہ کثیر غالب مقلدین کا تو گمراہ ہو جائے اور غیر مقلدین چند گنتی کے آدمی مغلوب راہ ہدایت پر ہوں، یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ اس سے اکثر امت کا گمراہ ہونا لازم آتا ہے حالانکہ یہ حدیث صحیح بروایت ابن عمرؓ نفی کرتی ہے اس کو کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے: ''لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَاَنَّهُمْ لَا يَجْتَمِعُوْنَ عَلٰى ضَلَالَةٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَالطَّبْرَانِيُّ فِيْ مُعْجَمِهٖ'' یعنی میری امت گمراہی پر نہ جمع ہوگی اور وہ لوگ اکثر گمراہ نہ ہوں گے۔ اور نیز یہی فرقہ مقلدین کا بسبب انبوہ کثیر ہونے کے ناجی ہوگا، کہ فرمایا حضرت نے: ''اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ'' یعنی پیروی کرو تم بڑی جماعت کی کیونکہ جو تمہارا باس

سے، جا پڑا وہ دوزخ میں۔ اور فرمایا حضرت نے: "عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ رَوَاهُ أَحْمَدُ" یعنی لازم پکڑو بڑی جماعت کو۔ پس ظاہر ہے کہ بڑی جماعت یہی چاروں مذہب کے مقلدین ہیں کہ تمام دنیا انہیں لوگوں سے بھری ہوئی ہے اور انہیں میں لاکھوں کروڑوں اولیا واقطاب وابدال وغوث ہو چکے اور ابھی موجود ہیں اور غیر مقلد تو ہزار میں ایک بھی نہ نکلے گا۔

بے شمار ان کا جو کثرت سے گروہ دین ہوں ان کی کیا گنتی ہزاروں میں جو اک دو تین ہوں

غیر مقلدین نے عوام مقلدین کو بہکانے کے لیے اشتہار کا طریقہ اپنایا

اکتیسواں مسئلہ ان غیر مقلدوں نے واسطے بہکانے اور شک میں ڈالنے عوام مقلدین حنفیہ کے ایک نیا طریقہ یہ نکالا ہے، کہ ہمارے ان سوالات کا کوئی جواب دے تو اس قدر انعام لے، تا لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ سوالات نہایت مشکل ہیں کہ جوابات ان کے کسی سے نہ ہو سکیں گے، ورنہ یہ لوگ اشتہار جواب طلب بوعدۂ انعام نہ دیتے۔ چنانچہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے (کہ فی الحال لامذہبی اور ترک تقلید میں گمراہی اور ضلالت کو ۲۵ برس کے تجربے سے ثابت کیا ہے چنانچہ ان کی عبارت ہم پہلے بحث تقلید میں درج کر چکے ہیں) زمانہ سابق میں ایک ہزار روپے کا اشتہار اپنے پرچہ اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ششم بابت ماہ رجب ۱۳۰۱ ہجری میں اس مضمون کا دیا تھا، کہ جو شخص اُن اعتقادات اور عملیات کو جو کہ فرقۂ غیر مقلدین کی طرف ایک پرچہ جامع الشواہد مطبوعہ فیض محمدی لکھنؤ میں منسوب کر دیے ہیں، ان کی کتب معتبرہ سے ثابت کر دے، تو ہزار روپے نقد پائے انتہی۔

محمد حسین بٹالوی کا تجاہل اور جواب باصواب پا کر انعام دینے سے مکرنا

واہ کیا جعلی فریب بازی ہے اور کیسی تجاہل عارفانہ دھوکے بازی ہے اور مجھے اس وعدۂ انعام کی فضول شیخی پر نہایت تعجب آتا ہے، باوجودیکہ پرچہ فتویٰ جامع الشواہد میں مفتی لبیب نے پہلے ہی سے بایں خیال کہ کسی منکر کو ان عقائد و اعمال کے مان لینے میں گنجائش انکار کی نہ ہو۔ ہر ایک عبارت کو بحوالہ ہندسہ صفحہ کتاب مع تصریح نام مطبع و مصنف کتاب کے صاف صاف لکھ دیا ہے اور انہیں غیر مقلدین کی چھپی ہوئی تحریر سے ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدہ کو بخوبی ثابت کر دیا ہے، پھر اب ان مسائل کے طلب ثبوت میں اشتہار دینا کس قدر تجاہل اور فریب دہی عوام ہے اور کتنی بڑی دھوکے بازی کا یہ کام ہے۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

کیا ناظرین اُس اشتہار اور اس ملامت کی بوچھار سے (جو درحقیقت ان کے قائلین پر مینھ کی طرح موسلا دھار لگاتار برستی ہے اور فرشتے صالح المومنین آمین کہتے ہیں) یہ سمجھیں گے کہ مفتی لبیب نے جن کتابوں کا حوالہ اس فتوے میں دیا ہے یہ کفریات ان میں نہیں ہیں اور ناحق ان کے مولفین کی طرف منسوب کر دیے ہیں؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں، مشتہر صاحب اگر غیرت کے پورے اور وعدے کے سچے ہیں، تو پہلے ان کتابوں کو جن کا اس پرچے میں حوالہ ہے بغور ملاحظہ فرمائیں اور اگر ان کی سمجھ میں

نہ آئیں، تو کسی عالم سے دریافت کر لینے میں ہرگز نہ شرمائیں، اسی واسطے ہم نے اس فتوے کو اس کتاب میں چھپوا دیا ہے، بعد اس کے حسب وعدہ ہزار روپیہ رائج الوقت ہمارے پیشکش کریں مگر ان کی عسرت پر ہم ترحم کر کے پانسو معاف کرتے ہیں، وہ پانسو ہی اپنے غیر مقلدین بھائیوں سے چندہ کر کے یا جس طرح ممکن الوصول ہو تحصیل کر کے ہم کو دیں، ورنہ پھر ایسے خیالی انعام دینے کے جھوٹے وعدوں کا نام نہ لیں، اور قبل اس کے بھی ان مشتہر صاحب نے واسطے دھوکا دینے اور متردد کرنے مقلدین کے ایک اشتہار سوالات عشرہ کا بڑے شدومد اور نہایت زور وشور سے بوعدۂ انعام دس روپیہ فی آیت وفی حدیث کے چھپوا کر مشتہر کیا تھا، چنانچہ واسطے ملاحظہ ناظرین کے وہ اشتہار بجنسہ مندرجہ ذیل ہے۔

اشتہار

نقل اشتہار سوالات مولوی محمد حسین لاہوری کی

میں مولوی عبدالعزیز صاحب ومولوی محمد صاحب ومولوی اسمٰعیل صاحب ساکنان بلیہ والی اور جوان کے ساتھ طالب العلم ہیں، جیسے میاں غلام محمد صاحب ہوشیار پوری ومیاں نظام الدین صاحب ومیاں عبدالرحمٰن صاحب وغیرہ یعنی جملہ حنفیان پنجاب وہندوستان کو بطور اشتہار وعدہ دیتا ہوں، کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی صاحب مسائل ذیل میں کوئی آیت یا حدیث صحیح جس کی صحت میں کسی کو کلام نہ ہو اور وہ اس مسئلے میں جس کے لیے پیش کی جائے نص صریح قطعی الدلالۃ ہو پیش کریں، تو فی آیت اور فی حدیث یعنی ہر آیت وحدیث کے بدلے دس روپے بطور انعام کے دوں گا۔ اولاً رفع یدین نہ کرنا آنحضرت کا بوقت رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے۔ ثانیاً آنحضرت کا نماز میں خفیہ آمین کہنا۔ ثالثاً آنحضرت کا نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا۔ رابعاً آنحضرت کا مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا۔ خامساً آنحضرت یا باری تعالیٰ کا کسی شخص پر کسی امام کی ائمہ اربعہ سے تقلید کو واجب کرنا۔ سادساً ظہر کا وقت دوسرے مثل کے اخیر تک باقی رہنا۔ سابعاً عام مسلمانوں کا ایمان اور پیغمبروں اور جبرئیل کا مساوی ہونا۔ ثامناً قضا کا ظاہر وباطن نافذ ہونا تشریح مثلاً کوئی شخص ناحق کسی کی جورو کا دعویٰ کرے کہ یہ میری جورو ہے اور قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کر کے مقدمہ جیت لے اور وہ عورت اس کو مل جائے، تو وہ عورت بحسب ظاہر بھی اس کی بی بی ہے اور اس سے صحبت کرنا بھی اس کو حلال ہے۔ تاسعاً جو شخص محرمات ابدیہ جیسے ماں یا بہن سے نکاح کر کے اس سے صحبت کرلے، تو اس پر حد شرعی جو قرآن یا حدیث میں وارد ہے نہ لگانا۔ عاشراً تحدید آب کثیر جو وقوع نجاست سے پلید نہ ہو دہ در دہ سے کرنا

تنبیہ: ان مسائل کی احادیث کی تلاش کرنے کے واسطے میں ان صاحبوں کو اس قدر مہلت دیتا ہوں جس قدر یہ چاہیں، زیادہ مہلت میں ان کو بھی گنجائش ہے کہ یہ اپنے اور مذہبی بھائیوں سے مدد لیں۔

المشتہر ابوسعید محمد حسین لاہوری۔ محمد حسین ابوسعید

تحصیل جوابات اشتہار مذکور کے

حالانکہ یہ سب مسائل کتب معتبرہ حنفیہ میں جیسے فتح القدیر شرح ہدایہ لابن الہمام و شرح ہدایہ للعینی و شرح معانی الآثار للطحاوی و برہان شرح مواہب الرحمٰن و موطا للامام محمد و کتاب الحج للامام محمد و کتاب الآثار للامام محمد و عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی و لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للشیخ الدہلوی و مرقات شرح مشکوٰۃ لملا علی القاری و تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق و مستملی شرح منیۃ المصلی و عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ لمولانا محمد عبدالحی لکھنوی و سعایہ علی شرح الوقایہ لمولانا محمد حسن السنبھلی وغیرہ میں اچھی طرح ثابت ہو گئے ہیں۔ اور عموماً جا بجا اس کتاب فتح المبین میں بھی لکھے گئے ہیں اور خصوصاً اس کے جواب میں بہت سے رسائل مثل اولیٰ کاملہ و اظہار الاولہ و عشرہ کاملہ و عشرہ مبشرہ و اشعار الاشاعرہ علی اشتہار العشر و و انتصار الاسلام وغیرہ کے مطابع کانپور و امرتسر و دہلی و لودھیانہ میں چھپ کر تمام ممالک پنجاب و ہندوستان میں پھیل گئے لیکن اب تک مشتہر صاحب نے باوجود قرآن و حدیث سے جواب باصواب پانے کے ایفائے وعدہ نہ کیا اور کسی مجیب مصیب کو ایک ٹکا بھی نہ دیا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت کا بالکل زبانی جمع خرچ تھا اور پھر اس پر طرہ یہ کہ فی الحال ان کے کسی تبع نے اسی اشتہار کو دوبارہ سہ بارہ چھپوا کر لکھنؤ اور دہلی وغیرہ میں تقسیم کیا اور اس کے نیچے لکھا افسوس کہ آج تک جواب اس اشتہار کا مقلدین نے نہیں دیا واہ رے تجاہل اور سفاہت! کہ ساری دیگ ہضم ڈکار تک نہ آئی، وعدہ خلافی کا وہ حال جواب پا کر مکر جانے میں یہ کمال کیوں نہ ہو۔ ع

تجاہل ہو تو ایسا ہو تجاہل ہو تو ایسا ہو

اب ہم پوچھتے ہیں جب کہ سوالات عشرہ مشتہرہ درمیان مجتہدین ائمہ دین کے مختلف فیہا ظنی اور قیاسی ٹھہرے، بلکہ بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ حضرات صحابہ میں جن کے باب میں حدیث: ’’أَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ ‘‘ وارد ہے مختلف فیہ ہیں۔ جیسے رفع یدین وغیرہ کہ بعض صحابہ کرتے تھے اور بعض نہیں اور بعض صحابہ خلف الامام قراءت کرتے تھے اور بعض نہیں اور بعض صحابہ آمین جہر سے کہتے تھے اور بعض نہیں اور احادیث مرفوعہ بھی ان امور میں آنحضرت ﷺ سے مختلف وارد ہیں اور جو مسائل مختار حنفیہ کے ہیں ان سب کے دلائل اور ماخذ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور کوئی مسئلہ کسی مجتہد کا خلاف قرآن و حدیث کے نہیں ہے۔

فریب دہی محمد حسین بٹالوی کی سوالات مشتہرہ میں

پھر آپ کا ایسے مسائل اجتہادیہ و مختلف فیہا کے ثبوت میں آیت یا حدیث صحیح متفق علیہ اور نص صریح قطعی الدلالہ طلب کرنا یہ کیسا سوال تعلیق بالمحال صریح البطلان قطعی الہذیان ہے؟ اس کو ادنیٰ علم والا بھی سمجھ لے گا کہ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین اور علمائے محدثین کا سرے سے اختلاف چلا آیا ہو اور ہر ایک نے ان کو اپنے اپنے اجتہاد کے موافق قیاس اور ظن سے ترجیح دی ہو تو پھر ان مسائل کا سب کے نزدیک متفق علیہ اور قطعی ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ (اختلاف میں اتفاق کیسا) بھلا اہل سنت

جماعت کے یہاں مشتہر صاحب کے ایسے سوالات جواب طلب مشروط فریب آمیز کو دخل کہاں حضرت سائل تو بجوز معنی عبارت اہل سنت و جماعت سے بھی واقف نہیں، اللہ اللہ کہاں یہ اہل سنت و جماعت اور کہاں یہ طریقہ مبتدعہ! کہ جس سے عبادات و اعمال مروجہ خیر القرون کی اسناد طلب کرنا اور پھر اس پر انعام کا وعدہ دینا کہاں اصل کی نقل کہاں نقل سے اصل! اس عبث در عبث کا نتیجہ کیا بجز اس کے کہ سائل کو خواص جاہل جانیں اور عوام ان سوالوں سے دھوکا کھائیں اور آپس کی نا اتفاقی سے فتنہ و فساد برپا ہو اور شر و عناد پیدا ہو۔ ؎

جدال و رنج و کینہ اک جگہ کے رہنے والوں میں — بلا غور و تردد ہے بنائے خانہ بربادے

نہیں رہتا ہے لطف زندگی بغض و عداوت میں — وبال جان و دل ہے فرط غم میں گرچہ ہو شادی

نہ وہ ان کے یہاں آئیں نہ یہ اُن کی طرف جائیں — ہوئے خاصے مقید خوب سمجھے قدر آزادی

اور اہل سنت کی کوئی غرض دینی اس میں متوقع نہیں، یہ طریقہ ایسا مشکوک و غیر مسلوک ہے کہ صحیح لذاتہ و حسن لذاتہ بھی بدون شہادت کسی قاعدہ یقینی کے اہل حدیث کے اصول کے بموجب ہرگز عمل کے لائق و یقیناً توقع نجات کے قابل نہیں، جس کے اصول ظنی اس کے کل فروعات بھی ظنی ہیں اور جس کے اصول یقینی اس کے کل فروعات بھی یقینی الحاصل۔ اگر بطور جرح و تعدیل کے اہل حدیث کے اصول پر صحت کا ثبوت کسی کے معمول بہ کی نسبت ہوا بھی ہو، تو اس کا کیا نتیجہ؟ اور جس پر یہ دعویٰ نے معنی کہ اس کی صحت میں کسی کو گفتگو نہ ہو، حالانکہ بغیر گفتگو کے صحت کا وجود کیونکر سمجھا جائے پہلے تو سائل کو یہ چاہیے کہ اپنے مسائل معمول بہا کو بطریق جرح و تعدیل کے احادیث صحیحہ سے ثابت کر دے کہ جس سے ان کی عبادات اور معاملات کے اعمال یقینی النجات ثابت ہو جائیں اور عند اللہ ماجور ہو کر انعام اُخروی پائیں، ورنہ انعام دنیا کی خواہش ہو تو لامذہبی سے نیچریت کی طرف قدم بڑھائیں اور مزے اڑائیں اور مباحثہ علمی کے جھگڑوں میں نہ پڑیں اور ہرگز ہرگز مسائل خلافیہ کے جواب کو بدلائل اتفاقیہ بوعدہ انعام نہ طلب کریں، ورنہ اُن کو یا ان کے تلامذہ یا اساتذہ میں جن کو دعویٰ ہو ان پر واجب ہے کہ حسب شرائط خود ہمارے چودہ سوالات ذیل نمبر اول کا بھی جواب دیں اور دس کے بدلے میں فی جواب ہم سے بیس روپیہ انعام لیں، اور اگر تیس سوالات نمبر دوم کے جوابات بغیر مدد اجماع و قیاس فقہی کے صرف قرآن و حدیث سے ثابت کر کے پیش کریں گے، تو ایں جانب فی آیت اور فی حدیث دس اشرفیاں زر خالص کی انعام دیں گے۔ اور مثل مشتہر صاحب کے وعدہ خلافی ہرگز نہ کریں گے۔

سوالات نمبر(۱)

اشتہار جدید مقلدین کی طرف سے چودہ سوالات

اول آنحضرت ﷺ کا بوقت رکوع کرنے اور سر اٹھانے کے ہمیشہ رفع یدین کرنا۔ **دوم** آنحضرت ﷺ کا نماز میں

ناف سے اوپر بلکہ سینے کے اوپر ہمیشہ ہاتھ باندھنا۔ **سوم** آنحضرت ﷺ کا نماز میں آمین بالجہر ہمیشہ کہنا۔ **چہارم** حدیث قراءت خلف الامام کا بعد نزول آیت: "اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ الخ " کے مروی ہونا۔ **پنجم** آنحضرت ﷺ یا حق تعالیٰ کا ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید شرعی کو منع کرنا۔ **ششم** کتاب وسنت سے قیاس واجماع کا حرام ہونا۔ **ہفتم** تین طلاق دے کر بدوں حلالہ کرنے کے عورت کا نکاح شوہر اول سے کرا دینا۔ **ہشتم** ائمہ اربعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وداؤد ظاہری وابن حزم وقاضی شوکانی زیدی کی تقلید کرنا۔ **نہم** بغیر کسی عذر شرعی کے جمع حقیقی بین الصلاتین کرنا یعنی ظہر وعصر کو ایک ساتھ اور مغرب وعشا کو ایک ساتھ پڑھنا۔ **دہم** احادیث صحاح کا کتب صحاح ستہ میں منحصر ہونا اور سوائے ان کے دوسری کتاب کی حدیث کو غیر معتبر سمجھنا۔ **یازدہم** اس زمانہ پر شور وفتن میں ہر شخص عامی کا قرآن وحدیث پر بلا تحقیق عمل کرنا اور اس پر لوگوں کو حکم دینا۔ **دوازدہم** جو حدیثیں امام اعظم کو سند شیوخ تابعین یا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے واسطے سے پہونچی ہوں ان کو بروایات رجال غیر تابعین کے ضعیف اور مقدوح سمجھنا۔ **سیزدہم** حاجیوں پر زیارت قبر شریف نبوی کا حرام یا مکروہ ہونا۔ **چہاردہم** علمائے حرمین شریفین اور جو لوگ ان کے پیرو ہوں اور کل مقلدین کو مشرک اور بدعتی کہنا اور غیر مقلدین کو موحد ومومن سمجھنا۔

سوالات نمبر (۲)

ایضاً بیس سوالات نمبر بوعدۂ انعام دس اشرفی فی جواب کے

اول کسی لامذہب کے جنبے میں چوہا مرا ہوا نکلا اور اس جبے میں سوراخ بھی ہے اور اسی سے اس نے نمازیں پڑھی ہیں تو کتنے وقتوں کی نماز پھیرے؟ حدیث صحیح سے ارشاد ہو۔ **دوم** کسی شخص نے اپنے غلاموں سے یہ کہا: "هٰذَا حُرٌّ وَهٰذَا وَهٰذَا" اس قول سے کون کون آزاد ہوگا؟ **سوم** سر منڈوانے یا ناخن ترشوانے یا زخم کا چھلکا اتار دینے سے تجدید وضو یا غسل یا مسح اس موضع کا فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ **چہارم** اندرون چشم وحاجب کا دھونا فرض ہے یا نہیں؟ **پنجم** جس کے ایک جانب دو ہاتھ پیدا ہو جائیں دونوں کا دھونا فرض ہے یا ایک؟ بتصریح نص ارشاد ہو۔ **ششم** داخل بروت وناف وسوراخ بند میں پانی پہونچانا غسل میں ضرور ہے یا نہیں؟ **ہفتم** مجرد مباشرت فاحشہ یعنی التقائی ختانین سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں یا کوئی اور شرط منصوص ہے؟ **ہشتم** نفس لواطت سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں اور اسی طرح وطی زن جنیہ اور جماع خنثیٰ اور وطی بہیمہ وصغیرہ غیر مشتہاۃ موجب غسل ہے یا نہیں؟ **نہم** قراءت انجیل کا حالت جنابت میں کیا حکم ہے؟ **دہم** دباغت سے جلد خنزیر ومار وموش بھی پاک ہو جائے گی یا نہیں؟ **یازدہم** کس قدر فصل بعد سے تیمم جائز ہوگا؟ **دوازدہم** عورت صاحب نفاس کو بھی بعد انقطاع نفاس بر تقدیر عجز تیمم جائز ہے یا نہیں؟ **سیزدہم** مقطوع الیدین والرجلین ومجروح الوجہ کا کیا حکم ہے؟ بلا وضو نماز پڑھے یا مسح یا تیمم کرے؟ **چہاردہم** جس کو پانی اور مٹی پاک میسر نہ ہو وہ کیونکر نماز پڑھے؟ **پانزدہم** عورت

ومرد دونوں توام پیدا ہوئے ان کے نکاح کی کیا صورت ہے؟ **شانزدھم** کوئی شخص دریا یا تالاب کے پانی میں پاکانہ پھرے تو نہی اس کی بغیر قیاس حدیث: "مَنَعَ الْبَوْلِ فِيْ الْمَاءِ الرَّاكِدِ" کے ارشاد ہو۔ **ہفدھم** جو پانی کہ لید یا گوبر کے کنڈوں سے گرم کیا گیا ہو، اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ **ہیجدھم** جب آدمی سو کے سے جاگے اور بڑا مٹکا پانی کا زمین میں گڑا ہوا ہے اور چھوٹا کوئی برتن نہیں، تو وضو اور طہارت کیونکر کرے؟ **نوزدھم** جو روٹی کہ لید یا گوبر کی پکی ہو کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بستم** جن گھڑوں اور مٹکوں کی مٹی لید اور گوبر کے ساتھ گوندھی گئی ہو، جیسا کہ کمہاروں کا دستور ہے، استعمال ان برتنوں کا جائز ہے یا نہیں؟

غیر مقلدین دربارۂ شرائط جوابات

تنبیہ حسب شرائط مذکورہ ان مسائل کے جوابات لکھنے میں اس قدر مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام برادران غیر مقلدین سے بھی خاطر خواہ مدد لیں اور جواب باصواب دیں، ورنہ اس آیہ کریمہ کے مورد میں ان کو داخل ہونا پڑے گا: "اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ" یعنی کیا ان کے اور شریک ہیں جو راہ نکالی ہے انہوں نے ان کے لیے دین کی، جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے۔

عقائد فاسدہ واعمال کاسدہ غیر مقلدین میں کہ خلاف اہل سنت کے ہیں

بتیسواں مسئلہ ان غیر مقلدین کے اکثر عقائد اور اعمال اہل سنت جماعت کے بالکل مخالف ہیں کہ بعضے مسائل مخترعہ واحکام مبتدعہ ان کے موجب کفر اور بعضے مبطل نماز اور بعضے موجب فسق وابتداع ہیں، کہ تفصیل ان کی موجب تطویل ہے بدینوجہ ہم صرف یہاں ایک کتاب اعتصام السنہ مصنفہ عبداللہ عرف جھاؤ ساکن مئو کے چند مسائل خلاف شریعت وعقائد مخالف اہل سنت وجماعت بقید جلد وصفحات بطریق مقتے نمونہ از خروارے واسطے ملاحظہ ناظرین کے درج کرتے ہیں تا پھر کوئی صاحب غیر مقلدین میں سے یہ نہ کہیں کہ ہم تو اہل حدیث سے ہیں، ان مسائل فاسدہ وعقائد غیر مشروعہ کا انتساب ہماری نسبت صحیح نہیں ہو سکتا، یہ سب بالکل بہتان اور تہمت ہے او رمحض بر عداوت ونفسانیت۔ حالانکہ چور کی داڑھی میں تنکا جب آپ ایسے عقائد واعمال سے مبرا ہیں، تو پھر کیوں زبردستی ایسی باتوں کے مصداق ہو کر چڑھتے ہیں اور بگڑتے ہیں؟ ہم تو ڈنکے کی چوٹ جو لوگ کہ ان امور کے قائل ہیں خواہ وہ لامذہب بن جائیں یا غیر مقلد کہلائیں یا اہل حدیث سے شرف امتیاز پائیں، انہیں کی کتابوں سے بحوالہ عبارات مع جلد وصفحات ثابت کر کے دکھا دیتے ہیں، یہاں تک کہ جھاؤ صاحب کی عبارت جو بالکل ٹوٹی پھوٹی خلاف محاورہ اردو ہے بلا تصرف نقل کر کے بتا دیتے ہیں کہ پہلے کس نے چھیڑ نکالی اور کس نے برا کہنے کی بنیاد ڈالی۔

ذرا انصاف سے دیکھیں نکالا کس نے شر پہلے | کہ پوچھا یا سفیہوں نے فقیہوں کو شر پہلے

یہ میاں جھاؤ صاحب کہ جن کو اردو عبارت لکھنے کی بھی تمیز نہیں ہرگز علما اور اہل علم میں شامل ہونے کی لیاقت نہیں

رکھتے ہیں، نہ کہ عامل بالحدیث ہو کر اہل حدیث میں شامل ہوں اور خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہوں، اگرچہ پانچویں سواروں میں ان کا نام بھی لکھا گیا کہ یہ اعتصام السنۃ کے مصنف ہیں، اس سے کیا ہوتا ہے ؟ ۔

بوریا باف گرچہ بافندہ ست | نبرندش بکارگاہ حریر

مگر مولوی عبداللہ صاحب غازی پوری مدرس مدرسہ احمدیہ آرہ نے ان میاں جیاؤ صاحب کو علمائے اہل حدیث میں داخل کیا ہے اور جا بجا اعتصام السنۃ کی عبارات رکیک خلاف شرع وتخطیہ اکابر دین ومطاعن ائمہ مجتہدین کو بے جا تاویلوں سے زبردستی بنا بنا کر محمل صحیح پر اتارا ہے، گویا شاہد حق کو باطل کے پردے میں چھپایا ہے لیکن ۔

اگر نبشتہ کی درمیاں صد چلہ | خرد زدور نشاں می دہد کہ کافرست

چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی کتاب: " اِبْرَاءُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ وَالْقُرْآنِ مِمَّا فِي جَامِعِ الشَّوَاهِدِ مِنَ التُّهْمَةِ وَالْبُهْتَانِ " مطبوع سعید المطابع بنارس کے صفحہ ۵۰ میں میاں جیاؤ صاحب کے مضمونی خطاؤں کو کھینچ تان کے راہ صواب پر لا کے اور ان کو اعتراضات سے بچا کے، ان کی رکیک عبارتوں اور بھونڈی باتوں کی نسبت لکھا ہے، ومع ہذا ہمارے نزدیک اس میں بھی کچھ شک نہیں ہے کہ مصنف اعتصام السنۃ سے عبارت میں بعض بعض جگہوں میں ضرور مسامحہ ہوا ہے یعنی عبارت بعض جگہوں میں ایسی ناصاف لکھی ہے، جس کے معنی سباق وسیاق کے لحاظ سے کھنچ پڑتے ہیں، اس کو مناسب تھا کہ اس طرح کی باتیں بہت صاف عبارت میں لکھتا کہ بلا لحاظ سباق وسیاق کے نفس عبارت سے مطلب بخوبی ادا ہو جاتا، لیکن اس کی کتاب کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کو عبارت لکھنے کا سلیقہ خوب نہ تھا انتھی کلامہ ۔ سبحان اللہ! کیا انصاف کیا بلکہ انصاف کا خون کر کے دو پہلو کا وہ حسن التافیصلہ کیا کہ مطالب بیجا ومعانی ناروا کے خطاؤں کو تو بالکل چھوڑ دیا اور لفظوں کی رکاکت پر مسامحے کا اعتراض کیا، حالانکہ معاملہ بالعکس تھا خیر اب ہم انہیں کے ملفوظات صفا میں اور مسامحات مقامیم کو انہیں کے عبارات سے ثابت کرتے ہیں ۔ اجماع وقیاس کا انکار کرتا ہے اور اس کو بوم فزار کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے، صفحہ ۳۱ رسالہ مذکورہ میں لکھتا ہے اول یعنی قرآن شریف اور حدیث روشن تر ہے مانند سورج چوتھے آسمان کے دوپہر میں اور دوسرا یعنی قیاس اور اجماع مانند الو بھاگنے والے کے ہے انتھی ۔ تفاسیر اور جملہ کتب فقہ واصول فقہ کو داخل کرنے والیں گھر عذاب کے لکھتا ہے ۔ صفحہ ۸و۹ میں لکھتا ہے اور اسی طرح کافر ہو گئے محبت مذاہب اربعہ میں کہ ٹھہرالیا اس کو مولویوں نے اور تصنیف کیا واسطے تائید مذہب کے کتابیں عقل کی اور وہ کتابیں فقہ اور اصول کی ہیں ۔ جیسے: توضیح اور وقایہ اور تلویح اور ہدایہ (یہاں تک کہ کہا) کلام اللہ اور کلام رسول یقینی ہے اور مضمرات اور تنویر اور نہایہ ومحیط وخلاصہ داخل کریں گھر عذاب کے طرف، اس واسطے کہ کلام آدمیوں کا عقلی ہے انتھی ۔ جملہ مقلدین ائمہ مجتہدین اور تمام اتباع اور معتقدین اولیاء اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بہتر فرقوں ناری میں شمار کرتا ہے ۔ صفحہ ۲۹ میں لکھا ہے اور اسی طرح مذاہب اربعہ یعنی حنفیہ وشافعیہ ومالکیہ وحنبلیہ اور غیر اس کا جیسے: قادریہ اور مجددیہ اور

نقشبندیہ اور چشتیہ یہ اور بدعت ہے نہیں ہے حق، اور نسبت کرنا اس کی طرف کھینچ لے جائے گا بہتر مذہب کی طرف، اس واسطے کہ یہ سب زائد ہیں۔ ایک پر، اس واسطے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب دوزخ میں ہوں گے ایک نہیں" اور وہ ایک مرد ہے کہ چنگل مارے ساتھ رسی قرآن صحیح کے اور حدیث صحیح کے انتہی۔ صحابہ کرام علیہ السلام پر طعن وافترا کرتا ہے، حضرت علی مرتضیٰ یا امیر معاویہ یا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مصداق آیہ کریمہ: " وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ " الآیۃ اور حدیث " قِتَالُ الْمُسْلِمِ كُفْرٌ " کا ٹھہراتا ہے۔ صفحہ ۱۹ میں لکھتا ہے، اس آیت میں برائی ہے رائے شخص کی کہ مقابلہ کرے ساتھ اس کے کلام رسول مقبول کو، اس واسطے کہ بیشک ہر نبی معصوم ہیں اور غیر انہوں کے معصوم نہیں ہے اور لینا قول اور فعل انہوں کا رحمت کا ہو یا غضب کا حق ہے، واسطے امت انہوں کے اور قول وفعل امت کا انہوں کے نہیں حق کسی کے واسطے۔ جیسے: جنگ صفین اور جنگ معاویہ اور علی کا اور جنگ جمل اور جنگ علی اور عائشہ کا اور قتل عثمان کا اور حسین کا اور گالی عباس کی علی کو اور کینہ فاطمہ کا ابوبکر صدیق کو اور کینہ عمر کا علی کے ساتھ اور سوائے اس کے بہت قصے ہیں، کہ چاہیے بہت سا دفتر۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "جس نے قتل کیا مومن کو جان بوجھ کر پھر بدلا اس کا جہنم ہے" اور فرمایا نبی ﷺ نے کہ قتل کرنا مسلمان کا کفر ہے اور گالی دینا اس کا فسق ہے روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے اور کینہ زائد تین دن سے بد ہے انتہی بلفظہ۔ نماز تراویح کو بدعت سیئہ عمریہ لکھتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مبتدع ضال ناری ٹھہراتا ہے معاذ اللہ من ہذہ الکفریات۔ صفحہ ۲۰ میں لکھتا ہے اور سوا اس کے اور کرتے ہیں بدعت مانند نماز معکوس اور تراویح کے اور نہ پڑھا اس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور کہا اس کو عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت اور نہ پڑھا عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ نے مگر جیسا کہ پڑھا رسول اللہ ﷺ نے تیرہ رکعت اعتکاف میں انتہی۔ پھر صفحہ ۷۹ میں لکھتا ہے بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے یعنی ہر بدعتی دوزخی ہے اور بدعت اسے کہتے ہیں کہ جو زمانہ رسول اللہ میں نہ ہو، مصداق اس کا قول عمر کا ہے تراویح میں: "نعم البدعۃ" بری بدعت ہے تراویح۔ روایت کیا اس کو بخاری نے انتہی بلفظہ۔ اور اسی طرح کے بہت سے کلمات کفریات وخرافات رسالہ مذکورہ میں لکھتا ہے۔ صفحہ ۱۹ میں ہے نہ ثابت ہوا استنجا پتھر اور پانی کا واسطے پیشاب مرد اور عورت کے رسول اللہ ﷺ سے اور تھے ابن عباس ہمیشہ پیشاب کرتے جگہ پیشاب کرنے رسول خدا ﷺ کے، جب تک جیتے رہے انتہی بلفظہ۔ صفحہ ۱۵ میں ہے اور قول دور کرنے والا قیاس کا یہ کہ پہلے جس نے قیاس کیا ابلیس تھا۔ اور صفحہ ۷۹ میں ہے اور بارہ امام ان میں سے امام باقر وجعفر وموسیٰ وکاظم وغیرہ ہیں، ان کے تابع داروں کو شیعہ کہتے ہیں مقابل سنی کے (پھر لکھا) ان میں اور ان میں اتنا فرق ہے بموجب مثل مشہور کے کہ سگ زرد برادر شغال، کیونکہ ان دونوں میں اب کفر وشرک اور بدعت اور زنا اور غصب وغیرہ کثرت سے ہے۔ نام کو اسلام میں داخل ہیں، (یہاں تک کہ کہا) اور یہ سب امام کسی کا مذہب نہ رکھتے تھے سوائے: " أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ " کے پھر ان سب تابع داروں کو چاہیے کہ یہ بھی کسی کا مذہب نہ رکھیں، لامذہب ہوں بموجب قول سعدی شیرازی کے: " اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ " سب لوگ اپنے دین بادشاہوں پر ہوویں

اور مذہب رکھنا بدعت ہے مصداق اس کا یہ حدیث صحیح نسائی میں ہے: ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ''۔ اور صفحہ ۹۸ میں اور جو یہ آیا ہے کہ بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک بہشت میں اور وہ جس پر رسول اللہ ﷺ تھے اور ان کے سب صحابی تھے اور جوان دونوں کے بعد اس پر جو قائم رہے گا، پھر ان چار مذہبوں میں سے ایک کو جب لو گے تو ایک ہی بموجب فرمان رسول مقبول کے جنتی ہے اور باقی دوزخی۔ اور اسی طرح سے شیخ سید مغل پٹھان کو بھی فرض کر لو اور چشتیہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ وغیرہ کو ایسے ہی جان لو انتہی۔ صفحہ ۱۳۷ فصل چوتھی، جمع تقدیم نماز کی گھر میں اور جمع تاخیر نماز کی گھر میں اور دلیل اس بات کی حدیث ابن عباس سے کہ ہے کہ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ صفحہ ۱۳۸ جس نے خاص کیا اکٹھا کرنا نمازوں کا عرفات میں، پس اس شخص سے خطا ہے خطاؤں سے، اس واسطے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے اکٹھا کیا نمازوں کو سب جگہ انْتَهٰى خُلَاصَةُ عِبَارَاتِ الْاِعْتِصَامِ السُّنَّةِ۔ اور نیز ہم یہاں فتوی جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد کو حسب وعدہ سابقہ درج کیے دیتے ہیں، تا ناظرین کو ان لوگوں کا جھوٹا وعدہ انعام کرنا ان مسائل اور احکام کے وجہ ثبوت میں ظاہر ہو جائے اور نیز ہر شخص جو اس کو ملاحظہ کرے غیر مقلدوں کے عقائد فاسدہ و مسائل کاسدہ سے بخوبی ماہر ہو جائے، کہ اس فتوائے جامع الشواہد کے مفتی لبیب اور فقیہ ادیب نے بقید جلد و صفحہ و نام کتاب ان کے عقائد و اعمال کو انہیں کے اقوال سے ثابت کر کے دکھا دیا، بلکہ زبان خود زبان خود کا ان کو مصداق بنا دیا۔ اور غرض اس سے یہی ہے کہ برادران دینی اس کو دیکھ کر ضلالت اور گمراہی سے بچیں اور سلف صالح کا طریقہ جو بالکل طریقہ سنت نبوی اور عین اتباع شریعت مصطفوی ہے اختیار کریں، اور اس میں کوئی طعن و اعتراض اہل حدیث پر نہ سمجھیں کہ سلف کے اہل حدیث تو اکثر فقہائے مقلدین ہیں نہ آج کل کے سفہائے محدث فی الدین۔ پس اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ ہم اہل حدیث سے ہیں، نہ ہمارے یہ عقائد ہیں اور نہ ہمارے یہ اعمال، ہماری طرف ان باتوں کا انتساب محض تہمت اور بہتان ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہی ہماری مراد ہے کہ تم ان باتوں سے بچو اور دور رہو۔

فتوائے جامع الشواهد
فی
اخراج الوهابيين عن المساجد

مصنف: علامہ وصی احمد السنی الحنفی السورتی

فتوائے جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

(۱) علمائے اہل سنت وجماعت اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں، کہ یہ گروہ وہابیین یعنی فرقۂ غیر مقلدین بہ ایں عقائد داخل ہے اہل سنت وجماعت میں یا خارج ہے ان سے مثل دیگر فرق ضالہ کے؟ (۲) اور ہم مقلدوں کو ان کے ساتھ مخالطت اور مجالست کرنا اور ان کو اپنے مساجد میں باوجود خوف فتنہ وفساد کے آنے دینا درست ہے یا نہیں؟ (۳) اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بَیِّنُوْا بِالتَّفْصِیْلِ تُوْجَرُوْا بِالْاَجْرِ الْجَزِیْلِ!

جواب سوال اول

علامات ظاہری لامذہبوں کی

وہابیہ غیر مقلدین (کہ قطع نظر عقائد کے جن کی علامات ظاہری اس ملک میں بحیثیت مجموعی نہ باعتبار افرادی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہ کرنا اور فقہ کو مخالف حدیث کے کہنا اور مقلدوں کا نام مشرک اور بدعتی رکھنا اور اپنے تئیں موحد اور محمدی ظاہر کرنا اور تقلید سے چڑھنا اور نفس انعقاد مجلس میلاد خیر العباد اور فاتحہ خوانی وعرس اولیاء اللہ کو شرک وبدعت کہنا اور بغیر کسی امام کی تقلید کے نماز میں آمین پکار کے کہنا اور وقت رکوع اور قومہ کے رفع یدین کرنا اور نماز میں ناف سے اوپر بلکہ سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا اور جو ایسا نہ کرے اس کو برا کہنا) مثل دیگر فرق ضالہ رافضی وخارجی وغیرہما کے اہل سنت وجماعت سے خارج ہیں، کیونکہ ان کے بہت سے عقائد اور مسائل مخالف اہل سنت وجماعت کے ہیں۔ چنانچہ بموجب تحریر انہیں کی کتابوں کے چند عقائد اور مسائل بقید نام کتاب بمعہ صفحہ کے بطور نمونہ بیان کیے جاتے ہیں، تاکہ پھر کسی منکر کو ان کے ثبوت میں گنجائش انکار اور شبہے کی باقی نہ رہے۔

پہلے ان کے عقائد سنیے!

تفصیل عقائد غیر مقلدین قابل ملاحظۂ ناظرین

اول یہ کہ خدائے پاک کا جھوٹ بولنا ممکن کہتے ہیں، چنانچہ صفحہ ۵ کتاب صیانۃ الایمان مطبوعہ مرادآباد تصنیف مولوی شہود الحق شاگرد مولوی نذیر حسین میں مندرج ہے۔ دوم انبیاء علیہم السلام سے احکام دینی میں بھول چوک کے قائل ہیں، جیسا کہ مولوی حسین خان صفحہ ۱۴ کتاب رد تقلید بکتاب المجید مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی میں اس مضمون کا اقرار کرتے ہیں اور طرہ یہ کہ اس کی صحت پر مولوی نذیر حسین وشریف حسین وغیرہما اکابر غیر مقلدین کی مہریں بھی ثبت ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ احکام میں بالاتفاق معصوم ہیں۔ سوم یہ کہ آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کرتے ہیں، چنانچہ یہ مضمون صفحہ ۱۲ و ۱۹ ظفر المبین

مصنفہ اخوند صدیق پشاوری شاگرد رشید مولوی نذیر حسین سے ظاہر ہے کہ انہوں نے خَاتَمُ النَّبِيِّين کے الف لام کو عہد خارجی کا لکھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بعض کے خاتم ہیں نہ سب کے حالانکہ آپ کل انبیاء کے خاتم اور نبی آخر الزماں ہیں کہ بعد آپ کے کوئی نبی نہ ہوگا۔ چہارم کہتے ہیں کہ حدیث آحاد سے یعنی سوائے حدیث متواتر کے آنحضرت ﷺ کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا، جس کا یہ مطلب ہوا کہ آنحضرت سے سوائے ایک دو معجزوں کے زیادہ صادر نہ ہوئے، کیونکہ سوائے قرآن کے اور معجزات حدیث متواتر سے ثابت نہیں ہوتے، چنانچہ یہ مضمون کتاب دلیل محکم مطبوعہ دہلی تصنیف مولوی نذیر حسین سے ظاہر ہے۔ پنجم اجماع کل امت کا جس کی سند ہم کو معلوم نہ ہو حجت شرعی نہیں ہے، جیسا کہ صفحہ ۱۳۱ کتاب معیار الحق مطبوعہ لاہور مصنفہ مولوی نذیر حسین میں و صفحہ ۲۲ کتاب اعتصام السنہ مطبوعہ کانپور تصنیف مولوی عبد اللہ محمدی معروف جہاؤ ساکن متو میں موجود ہے۔ ششم مجتہد کا قیاس شریعت میں قابل اعتبار کے نہیں ہے، چنانچہ اسی کتاب معیار الحق کے صفحہ ۹ ے میں اور اعتصام السنہ کے صفحہ ۳۶ میں مرقوم ہے۔ ہفتم کتاب دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور مصنفہ ملا معین کے صفحہ ۲۱۹ میں لکھا ہے کہ حضرت امام مہدی کے زمانے میں رجعت ہوگی یعنی جو لوگ ان کی محبت میں بدون ملاقات کے مر گئے ہیں اور نہ پایا انہوں نے زمانہ امام کو تو بحکم خدائے تعالیٰ قبروں سے قبل قیامت کے زندہ ہو کر ان سے مستفید ہوں گے، چنانچہ اصل عبارت عربی اس کتاب کی یہ ہے: " مَنْ مَاتَ عَلَى الْحُبِّ الصَّادِقِ لِإِمَامِ الْعَصْرِ الْمَهْدِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَمْ يُدْرِكْ أَوَانَهُ أَذِنَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ أَنْ يُحْيِيَهُ فَيَفُوزُ فَوْزاً عَظِيماً فِي حُضُورِهِ وَهٰذِهِ رَجْعَتُهُ فِي عَهْدِهِ " حالانکہ مسئلہ رجعت کا نزدیک اہل سنت جماعت کے مردود ہے، چنانچہ امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ رجعت باطل ہے اور معتقد اس کے رافضی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ طریقہ رفاض کا ہے نہ اہل سنت کا۔ ہشتم کہتے ہیں کہ بارہ امام اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا معصوم ہیں یعنی ان سے خطا کا ہونا محال ہے اور حضرت ابوبکر صدیق اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کہ مخالف ہوئے حضرت علی کے بیعت خلافت میں اور حضرت فاطمہ کے ارث دینے میں، وہ سب کے سب خطاوار ہیں اور نیز یہ کہتے ہیں کہ عصمت آنحضرت ﷺ کی عقلی ہے اور عصمت امام مہدی علیہ السلام کی نقلی، چنانچہ یہ مضمون اسی کتاب دراسات کے صفحہ ۲۱۳ میں مرقوم ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ بھی خاص رافضیوں کا ہے کہ بارہ امام اور چودہ معصوم ان کے یہاں مقرر ہیں اور ہمارے یہاں تو سوائے پیغمبروں کے کوئی دوسرا معصوم نہیں، جیسا کہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ کے باب دہم میں لکھتے ہیں: "مذہب اہل سنت نیست کہ کسے را غیر نبی معصوم دانند" انتہی۔ نہم اسی کتاب دراسات میں حدیث: " أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ " کو بمقابلہ عصمت اہل بیت کے موضوع قرار دیا ہے اور حدیث: " اِقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ " سے جواز اقتدائے شیخین کا قائل ہوا ہے اور وجوب و استحباب کو بالکل اڑا دیا، چنانچہ عبارت عربی اس کی یہ ہے: " وَالْحَدِيثُ الْأَوَّلُ مَوْضُوعٌ وَإِلَّا لَكَانَ قَوْلُهُ اِهْتَدَيْتُمْ فِيهِ خَاصَّةً بِمَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ خَطَائِهِمْ وَالثَّانِي مِنْهُ جَوَازُ الْاِقْتِدَاءِ بِهِمَا وَهُوَ لَا يَقْتَضِي

عَدَمَ خَطَائِہِمَا" باوجودیکہ قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی نے اپنی کتاب سیف المسلول میں حدیث "اصحابی" کی نسبت لکھا ہے کہ " مَتْنُہٗ مَشْہُوْرٌ وَقَدْ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیْ بِاَسَانِیْدَ مُتَنَوِّعَۃٍ یَرْتَقِیْ بِہَا اِلٰی دَرَجَۃِ الْحَسَنِ "دوسری حدیث اس موقع پر ہے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے: میں نہیں جانتا کہ زندگی میری کتنی ہے پس اقتدا کرو تم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی۔ چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۶۵ میں فاضل مدراسی مولانا واستاذنا محمد عبدالعلی صاحب آسی نے اس حدیث کی پوری تخریج اسنادکلہودی اور توثیق روایت کردی۔ دہم حضرت ابوبکر صدیق بنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ معاذ اللہ عداوت اور کینہ رکھتے تھے، چنانچہ صفحہ ۶۹ کتاب اعتصام السنہ مذکور میں مسطور ہے۔

حضرات مقلدین وصوفیہ کو غیر مقلدین مشرک اور کافر جانتے ہیں

یازدہم چاروں اماموں کے مقلد اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور چشتیہ وقادریہ ونقشبندیہ ومجددیہ وغیرہ سب لوگ مشرک اور کافر ہیں، چنانچہ اسی کتاب اعتصام السنہ کے صفحہ ۷۰و۸۰ میں لکھا ہے۔ اور مولوی محمد یٰسین نے رسالہ اشعار الحق جواب رسالہ تنویر الحق میں سب مقلدوں کو اخوان یزید اور رافضی پلید اور شیطان وکافر لکھا ہے۔ اور اسی طرح مولوی محی الدین نومسلم کتب فروش لاہوری نے بھی کتاب ظفر المبین مطبوعہ لاہور مورخہ ۷ رمضان ۱۲۹۷ ہجری کے صفحہ ۱۸۹ او ۲۳۰و۲۳۲ میں تقلید کو شرک اور حرام اور مقلدین حنفیہ کو مشرک اور کافر لکھا ہے اور چاروں اماموں کے مصلوں کو ضلالت اور بدعت قرار دیا ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْہَا

نواب بھوپال نے فقہ جعلسازی اور فقہا ومقلدین کو مشرک وبدعتی کہا

اسی طرح نواب صدیق حسن خان نے فقہ کو جعلسازی ومکاری اور فقہا ومقلدین کو مشرک وبدعتی ودغاباز لکھا ہے، چنانچہ صفحہ ۳۵و۳۶ ترجمان وہابیہ مطبوعہ مفید عام آگرہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم فقہ ورائے ہے، اور عیاجال ان سب خرابیوں کا فقہا اور مقلدین کی بول چال ہے، اور ساری خرابی ڈالی ہوئی ان ملاؤں کی ہے جو دام تقلید میں گرفتار ہیں اور نشہ شرک وبدعت میں سرشار اور تمام عالم کا فساد اور ساری خرابیوں کی بنیاد گروہ مقلدین سے ہے۔

نواب بھوپالی نے صدقات ثواب اموات کو طریقہ ہنود قرار دیا ہے

اور اسی کتاب کے صفحہ ۹۲ میں لکھا ہے کہ کثرت نوافل نماز ووظائف اور صدقات طعام وغیرہ واسطے ثواب رسانی اموات کے موافق طریقہ ہنود کے ہے انتہی۔ اور نیز نواب صاحب نے نصب الذریعہ الی تحدید علوم الشریعہ مطبوع مفید عام آگرہ ۱۳۰۲ھ کے صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ علم شرعی عبارت ہے تفسیر وحدیث وفقہ سنت وفرائض سے، رہی فقہ مصطلح سو یہ علوم دنیا سے ہے، نہ علوم آخرت سے انتہی بلفظہ۔ استغفراللہ ثم استغفراللہ فقہ اور فقہا سے اس شخص کو کس قدر تعصب ہے کہ فقہ مصطلح کو

(کہ عبارت ہے حرام وحلال کے مسائل کو کتاب وسنت واجماع وقیاس سے استنباط کرنا اور کتب فقہ سے بلحاظ مالہ وماعلیہ کے فتوی دینا) علوم دنیاوی سے شمار کیا۔ **تنبیہ:** مقام عبرت ہے اور کتنی بڑی جرأت ہے کہ جب انہوں نے علمائے مقلدین اور اولیائے کاملین کو بے دھڑک مشرک اور کافر لکھ دیا، تو اب ان کے کفروالحاد میں کیا شک باقی رہ گیا؟ افسوس صد افسوس! ان ناعاقبت اندیشوں اور بے خبروں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ہماری اس بیہودہ تقریر اور ناشائستہ تحریر سے خود ہمارے امام المحدثین اور مقتدائے عالمین حضرت امام بخاری علیہ رحمۃ الباری بھی معاذ اللہ کافر ومشرک ہوئے جاتے ہیں، بدیں وجہ کہ وہ بھی مقلد ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے اور داخل ہیں زمرہ مقلدین شافعیہ میں۔

امام بخاری کا شافعی ہونا مقلدین کو برا کہہ کر ان کی برائی کرنا

جیسا کہ زبدۃ المحدثین عمدۃ المفسرین عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی کتاب الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں لکھا ہے: "وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الْبُخَارِيُّ فَاِنَّهٗ مَعْدُوْدٌ فِيْ طَبَقَاتِ الشَّافِعِيَّةِ وَمِمَّنْ ذَكَرَهٗ فِيْ طَبَقَاتِ الشَّافِعِيَّةِ الشَّيْخُ تَاجُ الدِّيْنِ السُّبْكِيُّ وَقَالَ اِنَّهٗ تَفَقَّهَ بِالْحُمَيْدِيِّ وَالْحُمَيْدِيُّ تَفَقَّهَ بِالشَّافِعِيِّ وَاسْتَدَلَّ شَيْخُنَا الْعَلَّامَةُ عَلٰى اِدْخَالِ الْبُخَارِيِّ فِي الشَّافِعِيَّةِ بِذِكْرِهٖ فِيْ طَبَقَاتِهِمْ وَكَلَامُ النَّوَوِيِّ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ شَاهِدٌ لَهٗ انتهی"۔ یعنی جس طرح ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی المذہب ہیں، اسی طرح امام محمد بن اسمٰعیل بخاری بھی مقلدین شافعیہ میں شمار کیے گئے ہیں اور جس شخص نے ان کو طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے وہ امام تاج الدین سبکی ہیں اور انہوں نے فرمایا کہ امام بخاری نے علم فقہ سیکھا ہے امام حمیدی سے اور حمیدی نے امام شافعی سے۔ اور دلیل لائے ہیں ہمارے شیخ علامہ امام بخاری کے داخل ہونے پر شافعیہ میں ساتھ مذکور ہونے ان کے کے طبقات شافعیہ میں، اور کلام امام نووی کا جو ذکر کیا ہم نے اس کو گواہی دے رہا ہے اس بات کی کہ امام بخاری شافعی المذہب ہیں انتہی۔ پس جب ایسے بڑے امام المحدثین نے بدون تقلید کے دین میں چارہ نہ دیکھا، ناچار مذہب شافعی اختیار کیا تو اب ان لامذہبوں کو تقلید امام بخاری علیہ الرحمہ کے ضرور چاہیے کہ کسی مذہب کو اختیار کریں اور اپنی لامذہبی پر ہزار بار تفریں اور پھٹکار کریں۔

مولوی نذیر حسین نے متقی ہونے کے لیے اتصاف بالحسنات اور احتراز عن السیئات کو ضروری نہیں جانا

دوازدہم جو شخص ایمان باللہ والیوم الآخر وتصدیق بما جاء بہ النبی رکھے اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے اس شخص کو غیر مقلدین مسلمان متقی اور مصداق اس آیت کا جانتے ہیں: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" چنانچہ یہ مضمون رسالہ ثبوت الحق الحقیق تصنیف مولوی نذیر حسین مطبوعہ چشمۂ فیض دہلی محلہ چیل پہاڑیو کے صفحہ اول میں مندرج ہے، حالانکہ صرف موصوف بالایمان ہونے اور تصدیق بما جاء بہ النبی کرنے سے مسلمان متقی کذائی نہیں ہوسکتا، ورنہ باوجود مرتکب ہونے محرمات قطعیہ کے اور تارک ہونے واجبات حتمیہ کے متقی اور مصداق ہونا اس آیت کا لازم آتا ہے، اور یہ بالاتفاق تمام

علمائے اہل سنت کے نزدیک باطل ہے بلکہ متقی کہلائی ہونے میں اتصاف بالحسنات اور احتراز عن السیآت بھی ضرور ہے۔ اور مصداق آیۂ مذکورہ کے وہی لوگ ہیں جو باوجود موصوف بالایمان ہونے کے موصوف بالفضائل العملیہ بھی ہوں۔ جیسے بذل اموال وایتای زکوٰۃ واقامت صلوٰۃ وادائے صوم وحج وایفای عہود ومواثیق بصبر واستقلال بوقت مصیبت وملال، غرض کہ جملہ ضروریات دین اور مستحسنات اسلام پر بھی عمل۔

نذیر حسین نے تقلید کو بدعت اور ائمۂ مجتہدین کو احبار ورہبان بتایا

ہوبیز دہم اسی کتاب ثبوت الحق الحقیق کے صفحہ ۳۰۴، ۵ میں مولوی نذیر حسین نے تقلید کو بدعت مذمومہ اور مخالف طریق اسلام قرار دیا ہے اور ائمہ مجتہدین کو مثل احبار ورہبان یعنی علمائے یہود وترسا کے بتایا ہے اور حضرات مقلدین کو مصداق ان آیات کا ٹھہرایا ہے۔ " اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَاءَنَا " حالانکہ یہ آیتیں یہود ونصاریٰ وکفار مشرکین کی شان میں وارد ہیں۔ افسوس کہ مصداق اس کے مومنین ومجتہدین اسلام ٹھہرائے جائیں، اس سے بڑھ کر تعصب اور گمراہی کیا ہوگی۔

از برون طعنہ زنی بر بایزید   وز درونت ننگ میدارد یزید

خیال کرنا چاہیے کہ تفسیر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے جو تحریم ما احل اللہ اور تحلیل ما حرم اللہ میں اپنے احبار ورہبان کا اتباع کیا تو کافر ومشرک ہو گئے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ تحلیل اور تحریم محرمات ومباحات یقینیہ ضروریہ کی تھی یا ایسے محرمات ومباحات کی کہ جن کی حرمت واباحت میں اختلاف اور ضرورت اجتہاد کی ہے؟ پس در صورت اول مولوی صاحب کو ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کی نسبت بھی تحلیل تحریم محرمات ومباحات یقینیہ ضروریہ کی ثابت کرنا چاہیے، حتیٰ کہ ان کے مقلدین بسبب اتباع کرنے کے ایسی تحلیل وتحریم میں مشرک وکافر قرار دیے جائیں اور بدون اثبات اس امر کے مقلدین ائمہ کو مشرک قرار دینا قیاس نارو ااور اجتہاد بیجا ہے۔ اور در صورت ثانی معاذ اللہ صحابۂ کرام کا مشرک وکافر ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ انہوں نے لفظ " انت طالق ثلاثا " سے طلقات ثلاثہ واقع ہونے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتباع کیا ہے۔ یا کافر ہونا خود بدولت اور ان کے اکابر کا مثل قاضی شوکانی وابن القیم وغیرہم کے لازم آتا ہے، اس واسطے کہ انہوں نے لفظ مذکور سے طلقات ثلاثہ واقع ہونے میں ابن تیمیہ وداؤد ظاہری وابن حزم کی تقلید کی ہے۔ پس شق اول تو بدیہی البطلان ہے کہ صحابہ سے تحریم ما احل اللہ ہرگز نہیں ہو سکتی اور شق ثانی بزعم مولوی صاحب کے متعین ہوگی۔ اب اس کا کیا جواب ہے؟ کیوں ایسی بات کیجیے کہ الٹا الزام اس کا اپنے اوپر لیجیے؟

آیات متشابہات صفات باری میں اور فرقۂ ظاہریہ کا رد اور اہل سنت کی تحقیق

چہاردہم رسالہ الاحتوا علی مسئلۃ الاستوا تصنیف نواب صدیق حسن خان امیر بھوپال مطبوعہ گلشن اودھ لکھنؤ میں لکھا ہے

کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے اور عرش اس کا مکان ہے۔ اور دونوں قدم اپنے کرسی پر رکھے ہیں اور کرسی اس کے قدم رکھنے کی جگہ ہے اور ذات خدا کی جہت فوق اور طرف علو میں ہے اور اس کو فوقیت جہت کی ہے نہ فوقیت رتبے کی۔ اور وہ عرش پر رہتا ہے اور اترتا ہے ہر شب کو طرف آسمان دنیا کے اور اس کے لیے داہنا بایاں ہاتھ اور قدم اور ہتھیلی اور انگلیاں اور دو آنکھیں اور منہ اور پنڈلی وغیرہ سب چیزیں بلا کیف ثابت ہیں۔ اور جو آیتیں اس بارے میں ہیں سب محکمات ہیں، آیات متشابہات نہیں اور ان آیات واحادیث میں تاویل نہ کرنا چاہیے، سب آیتیں اور حدیثیں اپنے ظاہر معنی پر محمول ہوں گی اور اسی ظاہر معنی پر عمل اور اعتقاد رکھنا چاہیے انتہی۔ حالانکہ یہ مذہب فرقۂ مجسمہ و مشبہہ وجہلۂ حنابلہ کا ہے اور مخالف ہے اہل توحید و ارباب تنزیہ سنت جماعت کے۔ چنانچہ اس رسالے کے رد میں رسالہ استیلاء علی الاستواء مطبع مصطفائی لاہور میں چھپ چکا ہے۔ اور دوسرا رسالہ بھی اس کے جواب میں موسوم بہ ضوء الایمان فی تنزیہ الرحمن مطبع رحیمی لودھیانہ میں مطبوع ہوا ہے۔ ان دونوں رسالوں میں مذہب اہل حق کو خوب تفصیل سے لکھا ہے اور نواب صاحب کے عقائد کا رد بخوبی کیا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے صفات وارادہ فی الشرع پر ہرگز ایمان نہیں لاتے ہیں، بلکہ ظواہر معنی متشابہات پر اپنی رائے اور تاویل اور تفسیر کے موافق ایمان لاتے ہیں اور اس سے مصداق زائغین اور مفتن فی الدین کے بن گئے ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:" فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ "یعنی جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور گمراہی ہے، سو وہ پیروی کرتے ہیں ظواہر معنی آیات متشابہ کی، بغرض فتنہ گمراہی کی اور واسطے چاہنے اس کی حقیقت کے، حالانکہ حقیقت اس کی اللہ ہی جانتا ہے، پس اس بارے میں مذہب اہل سنت جماعت کا یہی ہے کہ آیات واحادیث صفات باری تعالیٰ باعتبار الفاظ اور کلمات کے محکم ہیں یعنی صاف اور واضح الدلالۃ ہیں۔ اور باعتبار مفاہیم اور معانی کے متشابہ ہیں یعنی ان کے کئی کئی معنی ہیں اور اجمالاً اس کے ظاہر الفاظ پر ایمان لانا کافی اور بلا ضرورت اس کی تفسیر اور تاویل نہ کریں اور حق تعالیٰ کو ان معنوں سے کہ حق تعالیٰ کے لائق ہیں ان سے پاک اور منزہ جانیں اور اس کے مرادی معنوں کو علم الٰہی کے سپرد کر دیں اور اس کی کیفیت سے ساکت اور خاموش رہیں اور اس کے کسی معنی کو معین نہ کریں۔ مثلاً یہ نہ کہیں کہ استواء بمعنی استقرار یا جلوس کے ہے یا ید بمعنی قدرت یا جارحہ کے ہے یا وجہ بمعنی ذات یا منہ کے ہے، بلکہ اتنا کہنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور صاحب ید اور صاحب وجہ ہے، کیونکہ ظاہر معنی متشابہات کے لینے سے اللہ تعالیٰ کے واسطے جسم اور صورت اور جہت تحتانی وفوقانی اور مکان وزمان وجوارح ودیگر لوازم جسمیت من صفات الحوادث والممکنات ثابت ہوتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور ان چیزوں سے منزہ اور پاک ہے۔ اور اس کا نہ منہ ہے اور نہ ہاتھ ہے اور نہ وہ چڑھتا ہے اور نہ اترتا ہے اگرچہ بے کیف ہی۔ فَافْهَمْ وَخُذْ هٰذَا مِنْ عَقَائِدِ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الظَّوَاهِرِیَّةِ وَالْغَیْرِ الْمُقَلِّدِیْنَ

نواب بھوپال نے بیس تراویح کو لے کر حضرت عمر کو مخترع بدعت ضلالہ کا ٹھہرایا

یا نزدہم بیس رکعت تراویح کو بدعت اور ضلالت جانتے ہیں اور اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صریح خاطی اور مخترع بدعت ضلالہ کا ٹھہراتے ہیں، چنانچہ نواب صدیق حسن خان امیر بھوپال نے کتاب الانتقاد الرجیح مطبوعہ مطبع علوی لکھنو کے صفحہ ۶۲ و ۶۳ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت بے باکی سے صاف خاطی اور بدعت ضلالہ کا مخترع لکھا ہے، چنانچہ عبارت اس کی یہ ہے: "وَاَمَّا قَوْلُهٗ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ فَلَيْسَ فِي الْبِدْعَةِ مَا يُمْدَحُ بَلْ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ اِلَّا طَرِيْقَتُهُمُ الْمُوَافِقَةُ بِطَرِيْقَتِهٖ مِنْ جِهَادِ الْاَعْدَاءِ وَتَقْوِيَةِ شَعَائِرِ الدِّيْنِ وَنَحْوِهَا وَمَعْلُوْمٌ مِنْ قَوَاعِدِ الشَّرِيْعَةِ اَنَّهٗ لَيْسَ لِخَلِيْفَةٍ رَاشِدٍ اَنْ يَّشْرَعَ طَرِيْقَةً غَيْرَ مَا كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ثُمَّ اَنَّ عُمَرَ نَفْسَهُ الْخَلِيْفَةُ الرَّاشِدُ سَمّٰى مَا رَاٰهُ مِنْ تَجْمِيْعِ صَلَاتِهٖ لَيْلَ رَمَضَانَ بِدْعَةً وَلَمْ يَقُلْ اِنَّهَا سُنَّةٌ" اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ نواب بھوپال نے جماعت تراویح کو مخالف حکم آنحضرت کے سمجھ کر اس پر اطلاق سنت کا ناجائز خیال کیا ہے، حالانکہ قول و فعل صحابہ کرام بھی سنت ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ" اور سوائے اس کے اس بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہنا رافضیوں کا قول ہے۔ کما ذکرہ السیوطی فی جوامعہ اور آٹھ رکعت تراویح کو سنت کے بہانے سے راحت نفس کی سمجھ کر پڑھنا اور بیس رکعت کو بدعت عمری کہہ کے مشقت کے سبب سے چھوڑ دینا، تو صریح اس میں تقلید خواہش نفسانی ہے نہ اتباع سنت رسول رحمانی، بلکہ آنحضرت کی سنت فعلی و مختصر تخفیف محنت کے لیتا ہے اور سنت قولی کو تو بباعث مشقت کے چھوڑ دیتا ہے۔ سبحان اللہ! دعویٰ یہ کہ ہم پوری سنت پر عمل کرتے ہیں اور عمل یہ کہ آدھی سنت پر چلتے ہیں اور وہ آدھی بھی پوری نہیں، اس واسطے کہ آنحضرت نے نماز تراویح ایک مرتبہ تہائی شب تک پڑھی اور دوسری مرتبہ نصف شب تک پڑھی اور تیسری مرتبہ یہاں تک پڑھی کہ وقت صبح کا قریب ہو گیا تھا، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ پس غیر مقلدین اس طرح طول قیام کے ساتھ کہاں پڑھتے ہیں؟ تاکہ پوری پوری سنت قولی کی تعمیل ہو، اور اس پر طرہ یہ کہ جو تمام امت محمدیہ شرق سے غرب تک بیس رکعت تراویح کی پڑھتے ہیں اور سنت قولی و فعلی دونوں پر عمل کرتے ہیں، (یعنی بیس رکعت تو موافق سنت قولی کے ادا کرتے ہیں اور آٹھ رکعتیں سنت فعلی کی تو بیس کے اندر آ گئیں) بدعتی اور تارک سنت نبوی ہو جائیں، اور خود جو نیم سنت پر چلتے ہیں عامل بالسنت کہلائیں، یہ بھی عجیب دھوکے کی بات ہے جو پیرو سنت کہلاتے ہیں وہ راہ سنت پر نہیں آتے ہیں اور جو سنت کو بجالاتے ہیں وہ بدعتی کا خطاب پاتے ہیں۔ کیا اندھیر ہے اور کیسا الٹ پھیر ہے؟ کہ غیر مقلد نے صرف آٹھ رکعت پڑھ کے فراغت پائی، تخفیف عبادت کی راحت اٹھائی اور مقلد نے ہر چند کہ بیس رکعت ادا کرنے میں بار مشقت اٹھایا، لیکن پیرو سنت کے میدان تکمیل پیروی سے قدم نہ ہٹایا ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن
اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشقباز

شانزدہم کتاب منحی المومنین مطبوعہ مطبع محمدی لاہور تصنیف قاضی محمد حسین ساکن اچھرہ ضلع ملوان کے صفحہ ۹۷ تا ۱۰۳ میں لکھا ہے، کہ یا شیخ عبدالقادر الجیلانی شیئاً للہ کہنے والا کافر اور مشرک ہے کہ اس نے یہ تینوں شرک کیے: اشراک فی العلم اور اشراک فی التصرف اور اشراک فی العبادۃ۔ اور اسی طرح سے یا رسول اللہ کہنے والا بھی کافر اور مشرک ہے، حالانکہ یہ کہنا بالکل تعصب اور نفسانیت سے بھرا ہے اور خود معترض علم معرفت سے بے بہرہ ہے۔ ہفدہم اُسی کتاب کے صفحہ ۱۱۹ میں لکھا ہے جو کوئی اذان میں وقت سننے "اشهد ان محمدا رسول الله" کے انگوٹھوں کو چوم کے آنکھوں پر رکھے وہ بدعتی ہے اور جس قدر اس بارے میں حدیثیں ہیں وہ سب موضوع اور بناوٹی ہیں، اور عمل کرنا ان پر موجب ضلالت ہے، حالانکہ یہ کہنا بھی بالکل حماقت اور جہالت ہے۔ ہیجدہم اُسی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ سے تا ۱۲۸ میں مرقوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عالم برزخ میں احوال اور اعمال امت پر واقف ہونا بدیہی البطلان ہے اور اعتقاد اس پر موجب شرک جلی اور مستلزم اثبات علم غیب ہے، کہ یہ خاصہ علام الغیوب کا ہے۔ اور جو بواسطۂ ملائکہ کے احوال امت پر آپ مطلع کیے جاتے ہیں، سو یہ بھی غیر متقن اور غیر مثبت ہے اور قابل اعتبار کے نہیں ہے کہ سوائے ارباب سیر کے کسی نے معتبرین اہل حدیث سے اس کو نقل نہیں کیا، بلکہ حدیثیں اس کے خلاف پر وارد ہیں۔ حالانکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قبر شریف میں آنحضرت ﷺ پر احوال واعمال امت پیش کیے جاتے ہیں، جن لوگوں کے اعمال صالح ہوتے ہیں، تو آپ خوش ہوتے ہیں اور جن کے اعمال بد ہوتے ہیں، تو آپ ان کے حق میں دعا واستغفار فرماتے ہیں۔ نوزدہم اُسی کتاب میں صفحہ ۱۳۰ سے تا ۱۳۳ لکھا ہے کہ میت کو ادراک اور سماع ثابت نہیں ہے۔ ارواح مفارقہ کو تعلق اور حیات صرف بقدر "ما يتالم ويتلذذ به" حاصل ہے اور جو حدیثیں کہ شرح الصدور میں در بارۂ اثبات سماع موتی کے وارد ہیں، وہ قابل تمسک نہیں کہ اکثر حدیثیں اُس میں رسائل جلال الدین سیوطی کی طبقۂ رابعہ سے لکھی ہیں، اور احادیث طبقۂ رابعہ اس قابل نہیں ہیں کہ کسی عقیدے یا عمل کے اثبات میں قابل سند و تمسک ہوں۔ حالانکہ عقیدۂ اہل سنت اس میں یہ ہے کہ ادراک اور سماع اموات کو حاصل ہے اور یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

غیر مقلدین فیض روحانی انبیاء و اولیاء کے قائل نہیں

بستم اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ میں مرقوم ہے کہ ارواح انبیاء کرام و اولیائے عظام سے خلق اللہ پر کسی طرح کا فیض نہیں ہے اور افعال اختیاریہ وغیر اختیاریہ میں استفاضہ ان سے شرعاً وعقلاً ناجائز بلکہ بدیہی البطلان ہے، ورنہ بعثت انبیاء کی مرۃ بعد اُخریٰ بیکار اور بے فائدہ ہو جاتی ہے اور ایک ہی وجود شریف حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت تک کافی ہو جاتا اور وہ آثار افادہ واستفادہ و تعلیم و تعلم کے جو آنحضرت سے بعد انتقال کے زمانہ صحابہ میں پائے گئے وہ سب بے اصل معلوم ہوتے ہیں، ورنہ اگر قبر شریف سے تعلیم وافادہ ہوتا، تو آپ کے تعیین کفن وکیفیت دفن وغسل و دیگر مسائل عبادات ومعاملات میں فیما بین صحابہ اختلاف نہ پڑتا اور نوبت محاربات ومنازعات ومشاجرات صحابہ کی نہ آتی اور اسی طرح اختلاف تابعین وتبع تابعین وائمہ

مجتہدین ومفسرین ومحدثین کا ہرگز نہ رہتا، بلکہ کارخانۂ قیاس واجتہاد واستنباطات مسائل وتتبع روایات احادیث وفقہ کا درہم برہم ہوجاتا انتہی۔ خدا بچائے ایسی سوءعقیدت اور بدگمانی سے کہ صریح اس سے معجزات انبیا اور کرامات اولیا کا انکار پایا جاتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ بست ونہم اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۵ میں مرقوم ہے کہ استمداد اہل قبور سے بایں طور کرنا کہ یا حضرت واسطے حصول مطالب کے دعا فرمایئے! یہ خلاف شرع بلکہ موجب شرک ہے کہ یا حضرت کہنا سماع کو چاہتا ہے اور ادراک وسماع اہل قبور سے بالکل منتفی ہے، اور نیز واسطے دعائے اہل قبور کے کوئی اثر مرتب نہیں ہے، پس دعا کرانا ان سے لغو ہے انتہی۔ پس یہ عقیدہ بھی خلاف اہل سنت کے ہے۔ بست ودوم اور اسی صفحہ ۱۳۵ میں لکھا ہے کہ سفر کرنا بقصد تحصیل برکت کے امکنۂ ثلاثہ یعنی مسجد نبوی ومسجد حرام ومسجد بیت المقدس کی طرف بحکم حدیث ”لَا تُشَدُّوا الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ الخ“ منصوص ہے اور بجز ان مقامات کے اور کسی قبر نبی یا ولی کی زیارت کو دور سے جانا ناجائز ہے کہ خود حدیث صحاح کی موجود ہے کہ فرمایا آنحضرت نے: ”لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ وَثَنًا“ اور دعا مانگی آپ نے: ”اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا“ یعنی اے اللہ نہ بنا میری قبر کو بت، کہ لوگ اس کی پرستش کریں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ وثن صنم سے عام ہے کہ صورت وغیر صورت دونوں پر بولا جاتا ہے اور بھی یہ بات دریافت ہوئی کہ قبر بھی بر تقدیر پرستش کے داخل اوثان ہے۔ اور مصنف ابوبکر بن شیبہ میں مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو کے کچھ عرض حال کر رہا تھا، پس زین العابدین علی بن حسین نے اس کو منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ وَثَنًا“ پس یہاں سے یہ بات نکل آئی کہ جس طرح بت پرست بتوں کے آگے عرض حال کرتے ہیں، اس طرح کسی قبر کے آگے نہ کیا جائے، ورنہ وہ قبر عداد وثان میں داخل ہو جائے گی اور اجتناب اس سے واجب ہوگا، اسی واسطے خواجہ بہاءالدین نقشبند نے فرمایا۔

تو تا کے گور مردان را پرستی	بگرد کار مردان کن درستی

إِنْتَهَتْ خُلَاصَةُ مَا فِیْ مُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ بَلْ هٰذَا مُهْلِكَةٌ مِنَ الْإِضْلَالِ لِعَوَامِ الْمُقَلِّدِیْنَ

مانعین زیارت قبر نبوی پر قرآن سے لعنت ثابت ہے

اب ان غیر مقلدوں کا کیا کہنا کہ جس طرح محمد بن عبد الوہاب نجدی نے آنحضرت ﷺ کے مزار شریف کو اسی کج فہمی کے سبب صنم اکبر قرار دے کر انہدام کا حکم لگا دیا تھا، یہ بھی ویسا ہی کیا چاہتے ہیں اور یہ خبر نہیں کہ خود حق تعالیٰ مانعین زیارت نبوی پر لعنت فرماتا ہے، اس واسطے کہ جب یہ حدیث صحیح دربارۂ وعید غیر مجوزین زیارت نبوی کے وارد ہوگی: ”مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ“ یعنی جس نے حج کیا اور نہ زیارت کی میری قبر کی سو اس نے بے شک مجھ پر ظلم کیا۔ جب اللہ تعالیٰ مطلق ظالموں کے حق میں ارشاد فرماتا ہے کہ: ”لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ“ پس جو لوگ کہ آنحضرت ﷺ پر ظلم کرنا جائز رکھیں گے، وہ تو اللہ کے نزدیک بہت بڑے پکے ملعون ہوں گے۔ بست وسوم ختم بخ آیت وسوم میت ومصافحہ جمعہ ومعانقہ عیدین

ومجلس میلاد وفیر العباد وعمل استقاط میت وغیرہ یہ سب امور بدعت اور ضلالت ہیں، چنانچہ یہ مضمون کتاب تحقیق الکلام فی مسائل اربعہ والالہام تصنیف ابوعبداللہ قصوری عرف غلام علی مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر مورخہ ۱۲۹۸ھ کے صفحہ ۱۵ میں مرقوم ہے۔
بست وچہارم اسی کتاب کے صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں لکھا ہے کہ تاثیر اوراد واعمال سلب امراض وافاضۂ توجہ باطنی وتصرف خیال وآگاہی نسبت اہل اللہ واطلاع خطرات قلبیہ وکشف وقائع آئندہ ودیگر تصرفات اولیاء اللہ وکشف قبور وکشف ارواح وتعویذات وطریق دفع بلیات وغیرہ من اعمال المشائخ الصوفیہ سب شرک اور بدعت ہیں اور خلاف حدیث وسنت۔

غیر مقلدین بیعت حضرات صوفیہ کو شرک جانتے ہیں

اور صفحہ ۲۸ میں بعد انکار ورد بیعت صوفیہ کے لکھا ہے کہ بہت بڑا استدلال اس بیعت کے حرام ہونے پر یہ ہے کہ بیعت مروجہ یعنی پیری مریدی سے دین اسلام میں اس قدر رخنہ اور فسادات پڑے ہیں کہ جن کا شمار امکان سے باہر ہے، شرک فی الالوہیت وشرک فی الربوبیت وشرک فی الدعا، جس قدر اقسام شرک کے ہیں سب اسی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ سچ پوچھو تو یہی بیعت مروجہ باعث ہوتی ہے کلمات کفریہ واعتقادات حلولیہ کی، جس کو فنافی اللہ اور فنافی الشیخ سے تاویل کرتے ہیں انتہی۔ مقام حیرت اور جائے عبرت ہے کہ اس شخص نے بتقلید نفس پلید بلکہ باتباع خبث یزید کے حضرات صوفیہ کرام کی شان میں کیسی کیسی صریح بے ادبیاں کی ہیں؟ کہ گویا گالیاں دی ہیں، منتقم حقیقی اس کا بدلا لے یا اس کو توفیق ہدایت دے۔
بست وپنجم اسی کتاب کے صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے کہ درود مستغاث اور دلائل الخیرات وکبریت احمر ودرود اکبر وغیرہ کتب درود سب بے اصل اور محض اختراعی ہیں، بلکہ یہ درود ہی نہیں انتہی۔ خدا بچائے ایسے خیالات واہیہ اور مقالات بیہودہ سے کہ بالکل خباثت اور آنحضرت ﷺ سے صاف عداوت معلوم ہوتی ہے۔ بست وششم اسی کتاب کے صفحہ ۴۰ و ۴۱ میں فرط محبت عشقی کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرک لکھا ہے اور آپ کے ساتھ زیادہ محبت کرنے والے کو مشرک کہا ہے۔ نعوذ باللہ منہا اور اسی بنا پر صفحہ ۴۲ میں حضرت مولانا نظام الدین گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کو مشرک لکھ دیا ہے کہ انہوں نے بسبب فرط محبت کے سکندر نامہ میں یہ بیت نعتیہ لکھی ہے ۔

چہ گویم کہ عیسیٰ بموکب رواں ‏ ‏ بہاروبخش خضر وموسیٰ دواں

اور لکھا ہے کہ اس فرط مدح میں دوسرے پیغمبروں کی تحقیر اور توہین ہوئی جاتی ہے، حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے سید المرسلین، خاتم النبیین کی سواری معراج کے ساتھ ساتھ جلو میں ہونا پیغمبروں کا موجب کمال تعظیم اہل موکب ہے، اور نہایت عزت وتکریم ہمراہیان کا سبب ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ شب معراج میں آپ بمقام بیت المقدس سب پیغمبروں کے پیشوا اور امام ہوئے اور سبھوں نے آپ کے پیچھے اقتدا کی اور نماز پڑھی، اسی طرح سے آسمانوں میں بھی پیغمبروں نے بتعظیم تمام آپ کا استقبال کر کے ملاقات کی اور اپنی اپنی حد اختیار تک آنحضرت ﷺ کی سواری کے ساتھ رہے، اس میں تو

کوئی توہین پیغمبروں کی نہیں نکلتی، ہاں البتہ بزرگی اور سرداری آپ کی سب پیغمبروں پر ظاہر ہوتی ہے اس میں کیا قباحت؟ کہ خود حق تعالیٰ نے آپ کو سارے پیغمبروں کا سردار اور بادشاہ بنا کے بھیجا اور سب اہل اسلام کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ آپ افضل الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ پس ایک خارج کی معقول مثال دیکر ہم قصوری صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب دولہا برات میں گھوڑے پر سوار ہو کے جاتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ براتی بڑے بڑے بزرگ مثل باپ اور دادا اور نانا اور چچا اور استاد اور پیر وغیرہ کے پیادہ پا چلتے ہوں تو کیا اس دولہا کے یہ سب بزرگ خدمت گار اور رعیت کہلائیں گے؟ اور کیا دولہا کے ہم رکاب ہونے سے ان بزرگوں کی تحقیر اور توہین لازم آئے گی؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں، پس اس شعر کے سبب حضرت نظامی کو مشرک کہنا قصوری صاحب کی عقل کا قصور ہے اور دماغ میں ان کے بالکل فتور ہے۔ بست وہشتم اسی کتاب کے صفحہ ۵۱ سے صفحہ ۴۹ تک لکھا ہے کہ الہام صرف دل کے خیال کو کہتے ہیں، خواہ خدا کی طرف سے ہو، خواہ شیطان کی جانب سے، خواہ وہ خیر ہو، خواہ شر اور الہام ہر ایک کو ہوتا ہے مکھی سے لے انسان تک اور کافر سے لے مسلمان تک، اس میں کسی کی خصوصیت نہیں ہے، اس الہام کو اولیاء اللہ کا خاصہ سمجھنا خطا ہے، بلکہ ہر ایک مومن اولیاء اللہ ہے اور الہام کسی کا خاصہ نہیں انتہی کلامہ۔ واہ اب کیا پوچھنا ہے؟ کہ مکھی مچھر اور مشرک وکافر کو بھی الہام ہونے لگا اور ہر مومن خواہ فاسق ہو یا فاجر مورد الہام ہے۔ لاحول ولاقوۃ ایسی سمجھ کے آدمی سے خدا بچائے اور کسی مسلمان کو ان کے دام وسوسۂ شیطانی میں نہ پھنسائے، ظاہر ہے کہ وسوسہ امور شر میں شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور الہام امور خیر میں رحمٰن کی جانب سے ہوتا ہے، جیسا کہ علما نے بیان کیا: "

اَلْاِلْهَامُ اِلْقَاءُ مَعْنًى فِي الْقَلْبِ بِطَرِيْقِ الْفَيْضِ مِنَ الْخَيْرِ لِيَخْرُجَ الْوَسْوَسَةُ"

غیر مقلدین حضور کے تمام اقوال وافعال کو محمود نہیں جانتے اور عصمت نبوت کے قائل نہیں

بست ونہم اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ و ۴۵ میں لکھا ہے کہ سب افعال اور اقوال آنحضرت ﷺ کے شرعی اور محمود نہیں ہیں اور عصمت مطلق آپ کے واسطے ثابت نہیں ہے، بدر صحابہ آپ کی بعض خطاؤں پر اعتراض کر دیتے تھے انتہی خلاصہ کلامہ۔ یہاں تو ملا قصوری آنحضرت ﷺ سے بھی خوش عقیدہ نہیں ہے اور ان کو پیغمبر معصوم نہیں سمجھتا ہے اور آپ کے بعض قول وفعل کو خلاف شرع اور نامحمود بتاتا ہے اور انہیں کی امت میں ہو کر انہیں پر اعتراض جماتا ہے اور نسبت اس کی صحابہ کی طرف لگاتا ہے۔ معاذ اللہ اگر کوئی بادشاہ دین ہوتا تو اس گستاخی اور بے ادبی کی ضرور سزا دیتا اور دائرۂ اسلام سے خارج کر کے بدلا اس کا قرار واقعی لیتا۔ خیر اب ہم ملا قصوری کے اس قصور سراپا فسق وفجور کو حکم حقیقی کے سپرد کرتے ہیں کہ وہ اپنے حبیب پر افترا اور اعتراض کرنے والوں کو خوب سمجھ لے گا، جو چاہے گا اس کی سزا دے گا، حالانکہ عقیدہ اہل سنت کا آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ ہے کہ جملہ افعال واقوال آپ کے محمود اور مشروع ہیں اور مطلق عصمت آپ کو حاصل ہے، سب صحابہ آپ کے حکم کے تابع اور فرمانبردار تھے، کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا بلکہ بعض معاملات میں بطریق مشورہ اور بمقتضائے مصلحت وقت کے عرض حال کرتے تھے اور آپ کو ہر کام میں امام مطلق اور پیشوائے برحق سمجھتے تھے اور کسی نے مخالفت اور عدول حکمی آپ کی نہیں کی کہ اس پر یہ آیت

واضح الدلالۃ ناطق ہے" وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا" یعنی نہیں لائق ہے واسطے کسی مومن کے اور نہ مومنہ کے جب کہ مقرر کردے اللہ اور رسول اس کا کوئی کام، یہ کہ ہو واسطے ان کے اختیار اپنے کام سے اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی سو وہ بالکل گمراہ ہو گیا۔

غیر مقلدین حضرات سعدی، جامی اور حافظ کو بوجہ تضمین اقتباس قرآنی کے کافر بنا دیا

بست ونہم: اسی کتاب کے صفحہ ۵۵ میں تضمین اور اقتباس قرآنی کو کفر اور ممنوع لکھا ہے اسی بنا پر شیخ سعدی و حضرت جامی و حافظ رحمہم اللہ ایسے بزرگوں کو کہ جن کی جلالت و منزلت و ثقاہت متفق علیہ زمانہ ہے کافر بنا دیا، اور ان پر تکفیر کا فتویٰ لگا دیا بصرف اس قصور پر کہ سعدی نے گلستان میں ۔

زنہار از قرین بد زنہار وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ اور جامی نے زلیخا میں ۔

شد از سبحان گردوں صدا او کہ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ اور حافظ نے اپنے دیوان میں ۔

چشم حافظ زیر بام قصر آن حور سرشت شیوۂ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ داشت ☆ کو آیات سے تضمین کر کے قرآن کو سیاق سے نکال کر اپنے جنس کلام سے کیوں کر دیا، اس واسطے کہ یہ آیتیں جس محل اور مورد پر وارد ہوئی تھیں اس کے خلاف یہاں وارد کیا ہے، اس لیے کہ قرین بد کو عذاب نار قرار دیا اور " سُبْحَانَ الَّذِي الخ " کو حق تعالیٰ نے اپنی تعریف میں فرمایا ہے، نہ یہ کہ وقت معراج نبوی کے فرشتوں سے اس کے پڑھنے کو کہا ہے اور حافظ نے معشوق کے محل کو جنت اور اپنی آنکھوں کو نہر قرار دیا، پس کتنی بڑی تحریف قرآن کی کی ہے! حالانکہ پہلے شعر میں تضمین آیت کی نہیں ہے کیونکہ آیت تو فقط " وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ " ہے یا " فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ " ہے، نہ قصوری صاحب کا بہم قرآن میں سوا مقصود ہے اس واسطے کہ یہ پورا مصرعہ سعدی علیہ الرحمہ کی تصنیف دعا ہے ٹھہرا اور آیت شریف نہ ہوا، اس کا قصوری صاحب کو بالکل یاد نہ رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد، ورنہ کبھی اس کو آیت قرار دے کر ایسے بزرگ کی تکفیر پر مستعد نہ ہو جاتے۔ اور یہ سمجھنا کہ شعر جامی میں آیت سیاق سے نکل گئی بصرف منشا سوءفہمی اور عقل کی کمی ہے، کوئی عاقل اس کو نہ کہے گا کہ یہ آیت اپنے سیاق سے نکل گئی کیونکہ اس شعر کا صرف یہی مطلب ہے کہ جب آنحضرت ﷺ شب معراج میں آسمان پر پہنچے تو ملائکہ نے آپ کا یہ عروج اور مرتبہ دیکھ کر اس آیت کو جو خاص بیان معراج میں وارد ہے زبان حال سے بطور تسبیح کے ادا کر دیا، یا بزبان قال بعینہ پڑھ دیا، جیسے احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ بوقت افتتاح صلوٰۃ کے آیت " إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ الخ " جو خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں وارد ہے، بعینہ پڑھا کرتے تھے۔ اور نیز بخاری شریف میں وارد ہے کہ پہلے آسمان سے اخیر تک فرشتے شب معراج میں " مَرْحَبًا بِهِ وَنِعْمَ الْمَجِيءُ " کہتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کلہ واسطے اظہار قدر و منزلت حضرت

رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے تھا اور جائز ہے کہ یہ خاص تسبیح "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی الخ" کی فرشتوں کو لوح محفوظ سے پہونچی ہو کہ اس کے عموم مورد سے بزبان حال یا مقال ہر مخلوق کا تسبیح کرنا ثابت ہے، پس خصوصیت تسبیح آیۂ مذکورہ کی ہرگز سیاق نظم قرآنی کی خلاف نہیں ہو سکتی۔" کما فی قوله تعالیٰ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ "اور علیٰ ہذا القیاس شعر حافظ میں بھی جو استعارۂ لطیف عارفانہ وتشبیہ بلیغ شاعرانہ ہے، وہ ہرگز منافی سیاق آیت کے نہیں ہے۔ جو شاعر ہے وہ اس کے مضمون باریک سے ماہر ہے اور جو قصوری ہے، وہ اس نازک خیال کے فہم سے قاصر ہے۔ اس واسطے کہ لفظ شیوہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ حافظ نے اپنے معشوق کے مکان اور اپنی آنکھوں کی تشبیہ مضمون آیت سے دی ہے، نہ یہ کہ الفاظ آیت کا مصداق حقیقی مکان اور آنکھوں کو بنایا ہو۔ اور کیا عجب؟ کہ مراد معشوق سے آنحضرت ﷺ ہوں۔ اور نیز قصوری صاحب علم معنی، بیان اور فن بدیع بلاغت سے بالکل کورے ہیں، ورنہ حدیث وقرآن کے اقتباس کو کفر نہ جانتے اور مقتبس کو کافر نہ کہتے۔ پس اقتباس کے لغوی معنی تو استفاضۂ نور اور روشنی لینے کے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ" اور اصطلاحی معنی قرآن وحدیث کو بدون اشارت کے اپنی عبارت میں واسطے برکت حاصل کرنے کے لانا اور یہ نظم ونثر میں سلف سے اد یا اور بلغا برابر لاتے ہیں اور فیض اٹھاتے ہیں اس سے کلام مستحسن سمجھا جاتا ہے۔" هُوَ عِنْدَ الْبُلَغَاءِ اَنْ یُّضَمِّنَ الْكَلَامَ نَثْرًا كَانَ اَوْ نَظْمًا شَیْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَالْحَدِیْثِ لَا عَلٰی اَنَّهٗ مِنْهُ اَیْ عَلٰی وَجْهٍ لَا یَكُوْنُ فِیْهِ اِشْعَارٌ بِاَنَّهٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَوِ الْحَدِیْثِ هٰذَا احْتِرَازٌ عَمَّا یُقَالُ فِیْ اَثْنَاءِ الْكَلَامِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَا اَوْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ كَذَا وَفِی الْحَدِیْثِ كَذَا وَنَحْوِ ذٰلِكَ وَهُوَ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا مَا لَمْ یُنْقَلْ فِیْهِ الْمُقْتَبَسُ عَنْ مَعْنَاهُ الْاَصْلِیِّ فَمِنَ الْمَنْثُوْرِ قَوْلُ الْحَرِیْرِیِّ فَلَمْ یَكُنْ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ وَمِنَ الْمَنْظُوْمِ قَوْلُ الْاٰخَرِ ؎

اِنْ كُنْتَ اَزْمَعْتَ عَلٰی هَجْرِنَا ۔۔۔ مِنْ غَیْرِ مَا جُرْمٍ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ
وَ اِنْ تَبَدَّلْتَ بِنَا غَیْرَنَا ۔۔۔ فَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ

وَالثَّانِیْ مَا نُقِلَ فِیْهِ الْمُقْتَبَسُ عَنْ مَعْنَاهُ الْاَصْلِیِّ كَقَوْلِ ابْنِ الرُّوْمِیِّ ؎

لَئِنْ اَخْطَاْتُ فِیْ مَدْحِكَ مَا اَخْطَاْتَ فِیْ مَنْعِیْ ۔۔۔ لَقَدْ اَنْزَلْتُ حَاجَاتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

اَرَادَ بِقَوْلِهٖ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ جَنَابًا لَا خَیْرَ فِیْهِ وَلَا نَفْعَ وَاُرِیْدَ فِی الْقُرْاٰنِ بِذٰلِكَ مَكَّةُ اِذْ لَا مَاءَ فِیْهَا وَلَا نَبَاتَ وَلَا بَاْسَ فِی اللَّفْظِ الْمُقْتَبَسِ اَنْ یَّقَعَ تَغْیِیْرٌ یَسِیْرٌ لِلْوَزْنِ كَمَا فِیْ شِعْرِ الْحَافِظِ الْمَذْكُوْرِ وَقَعَ جَنَّاتٍ بِلَا تَنْوِیْنٍ فَلَمْ یَتَعَرَّضْ لِلْاِقْتِبَاسِ اَحَدٌ مِّنَ الْمُتَقَدِّمِیْنَ وَالْمُتَاَخِّرِیْنَ مَعَ شُیُوْعِهٖ فِیْ اَعْصَارِهِمْ وَاسْتِعْمَالِ الشُّعَرَاءِ لَهٗ قَدِیْمًا وَّحَدِیْثًا وَقَدْ تَعَرَّضَ لَهٗ بَعْضٌ فَسُئِلَ عَنْهُ الشَّیْخُ عِزُّ الدِّیْنِ بْنُ

عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَجَازَهٗ وَاسْتَدَلَّ بِمَا وَرَدَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهٖ فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا وَجَّهْتُ وَجْهِيَ الخ وَقَوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ فَالِقَ الْاِصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا اِقْضِ عَنِّيْ دَيْنِيْ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ وَهٰذَا كُلُّهٗ اِنَّمَا يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِهٖ فِيْ مَقَامِ الْمَوَاعِظِ وَالثَّنَاءِ وَالدُّعَاءِ وَفِيْ شَرْحِ الْبَدِيْعِيَّةِ لِاِبْنِ حَجَّةَ اَلْاِقْتِبَاسُ ثَلٰثَةُ اَقْسَامٍ مَقْبُوْلٌ وَهُوَ مَا كَانَ فِي الْخُطَبِ وَالْمَوَاعِظِ وَالْعُهُوْدِ وَمُبَاحٌ وَهُوَ مَا كَانَ فِي الْغَزَلِ وَالرَّسَائِلِ وَالْقِصَصِ وَمَرْدُوْدٌ وَهُوَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ اَحَدُهُمَا مَا نَسَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى نَفْسِهٖ وَنَحْنُ نَنْقُلُهٗ اِلٰى نَفْسِهٖ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَالثَّانِيْ تَضْمِيْنُ اٰيَةٍ فِيْ مَعْنٰى هَزْلٍ۔

اور پھر ان کے عملیات دیکھیے

تصریح عملیات غیر مقلدین اس میں سترہ اعمال ہیں

اول یہ کہ پانی اگرچہ نہایت ہی قلیل ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا، جب تک کہ رنگ اور بو اور مزہ اس کا نہ بدلے اور پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا، چنانچہ یہ مضمون طریقۂ محمدیہ ترجمہ دررہیہ مصنفہ قاضی شوکانی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے صفحہ ۱۰ے میں نواب صدیق حسن خان امیر بھوپال نے لکھ دیا ہے، اور یہ وہ کتاب ہے کہ جس پر خود مولوی نذیر حسین نے اپنی مہر لگا کر لکھا ہے کہ اس پر موحدین بے دھڑک عمل کریں اور دیباچے میں خود نواب مترجم لکھتے ہیں کہ متبع سنت اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرے اور اپنی اولاد اور بیویوں کو پڑھائے اور یہی مضمون کتاب فتح المغیث فقہ الحدیث مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کے صفحہ ۵ میں بھی مندرج ہے، یہ وہی کتاب طریقۂ محمدیہ ہے کہ جس کا نام بدل کے نواب بھوپال نے دوبارہ اور سہ بارہ بھوپال اور لاہور میں چھپوا دیا۔ غرض مطلب اس کا یہ ہوا کہ کسی کنویں میں سور یا کتا یا بلی ڈوب مرے کہ جس سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں تغیر نہ آیا ہو یا ایک لوٹے یا ایک پیالے پانی میں یا ایک گھڑے میں اس قدر گو یا موت یا شراب یا کوئی نجس شے پڑ جائے جس سے اس کا رنگ اور بو اور مزہ نہ بدلنے پائے یا اس میں کتا یا سور منہ ڈالے تو وہ پانی پاک اور پاک کرنے والا ہے اس سے وضو نماز درست ہے اور پینا اس کا جائز۔ اگرچہ یہ مخالف ہے نص صریح کے اور منافی ہے اس حدیث صحیح کے "اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ " یعنی جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔ مگر غیر مقلدین ظاہر یہ شاید اس کا یہ جواب دیں کہ یہاں حدیث میں صرف کتے کے منہ ڈالنے سے برتن دھونے کا حکم آیا ہے، نہ پانی ناپاک ہونے کا اور نہ ذکر ہے کتے کے پینے کا، جیسا کہ داؤد ظاہری نے فرمایا کہ بموجب اس حدیث کے "لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ " پانی میں پیشاب کرنا درست نہیں ہے مگر پاخانہ پھرنا جائز ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی۔

دوم گو اور موت آدمی کا اور لعاب اور لینڈ کتے کا اور خون حیض اور نفاس کا اور گوشت سور کا، یہ سات چیزیں نجس اور پلید ہیں اور سوائے ان کے بول پسر شیر خوار کا اور پیشاب اور گو سور کا اور بول کتے کا اور گدھے اور گھوڑے اور خچر اور بندر اور ریچھ اور بھیڑیے

اور بلی اور شیر وغیرہ حیوانات کا بول و براز اور چربی وخون ومنی وشراب یہ سب چیزیں پاک ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب طریقۂ محمدیہ کے صفحے میں اور فتح المغیث کے صفحہ ۵ میں یہ عبارت بجنسہ لکھی ہے کہ نجاست گو اور موت ہے آدمی کا مطلق مگر موت لڑکے شیر خوار کا اور لعاب ہے کتے کا اور لینڈ بھی اور خون ہے حیض ونفاس کا اور گوشت ہے سور کا اور جو اس کے سوا ہے، اس میں خلاف ہے اور اصل اشیا میں پاکی ہے اور نہیں جاتی پاکی مگر نقل صحیح سے کہ جس کے معارض کوئی نقل دوسری نہ ہو انتہی۔ پس جب ان سات چیزوں میں نجاست و پلیدی کا حصر ہو گیا، تو دیگر اشیائے مذکورہ کے پاک ہونے میں کیا کلام رہا؟ بلکہ خود اس کی تصریح کر دی کہ اصل اشیا میں پاکی ہے چنانچہ روضۂ ندیہ شرح عربی درر بہیہ مطبوعہ کے صفحہ ۹۰۸ میں نواب بھوپال اس مقام پر لکھتے ہیں: " وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ اَنَّ الْاَصْلَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اَنَّهٗ طَاهِرٌ " اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ میں در بارۂ پاکی منی کے لکھتے ہیں: " وَالْحَقُّ اَنَّ الْاَصْلَ الطَّهَارَةُ وَالدَّلِيْلُ عَلَى الْقَائِلِ بِالنَّجَاسَةِ فَنَحْنُ بَاقُوْنَ عَلَى الْاَصْلِ " اور پھر صفحہ ۱۲ میں در بارۂ پاکی شراب و گوشت مردار وخون مسفوح کے ارشاد فرماتے ہیں: " فَتَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ لَا يَدُلُّ عَلٰى نَجَاسَةِ ذٰلِكَ فَتَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَاللَّحْمِ الَّذِيْ دَلَّتْ عَلَيْهِ النُّصُوْصُ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ نَجَاسَتُهُمَا بَلْ لَا بُدَّ مِنْ دَلِيْلٍ اٰخَرَ عَلَيْهِ وَاِلَّا بَقِيَ عَلَى الْاُصُوْلِ الْمُتَّفَقِ عَلَيْهَا مِنَ الطَّهَارَةِ فَمَنِ ادَّعٰى خِلَافَهٗ فَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ " اور بھی کتاب نہج المقبول من شرائع الرسول مطبوعہ بھوپال کے صفحہ ۲۰ میں نواب بھوپال نے اپنے بیٹے نور الحسن خان کی طرف سے لکھا ہے کہ منی اور شراب اور دیگر مسکرات وخون رواں پاک ہے، اور نجاست کتے اور سور کے گوشت کی مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ عبارت فارسی اس کتاب کی بجنسہ نقل کی جاتی ہے۔ وشستن منی از برای استقذار بودہ است نہ بنا بر نجاست و بر نجاست خمر و دیگر مسکرات دلیلے کہ صالح تمسک باشد موجود نیست و ہر نجس حرام ست و ہر حرام نجس نیست و کیف کہ اصل در ہمہ چیز بالطہارت ست و در نجاست سگ و لحم خوک خلاف ست و ہر خون وادی نجس نیست و دم مسفوح حرام ست نہ نجس انتہی۔ سوم اسی طریقہ محمدیہ کے صفحے ۷ اور ۱۸ میں اور فتح المغیث کے صفحہ ۱۴ اور ۱۵ میں لکھا ہے کہ واجب نہیں زکوۃ مگر اونٹ، گائے، بکری میں اور اموال تجارت میں بھی زکوۃ نہیں ہے اور زیور پر بھی اس مفتی نے عدم وجوب زکوۃ کا حکم لگایا ہے، چنانچہ کتاب نہج المقبول مطبوعۂ مذکور کے صفحہ ۳۵ میں اس مضمون کو لکھا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ تجارت اور سوداگری کے مال میں اگرچہ کروڑہا روپے کا ہو اور مثل بھینس اور بھیڑ وغیرہ جانوروں میں اگرچہ کروڑہا روپے کے ہوں اور سونے اور چاندی کے زیور میں اگرچہ کروڑہا روپے کا ہو زکوۃ نہیں ہے۔ پس جب لوگ یوں ہی زکوۃ کے ادا کرنے میں باوجود فرض ہونے کے سستی اور غفلت کرتے تھے اور تاہم اموال تجارت اور زیور میں ہزاروں اور لاکھوں روپے کی زکوۃ نکالتے تھے اور غربائے اہل اسلام اس سے فیض پاتے تھے، اب تو مجتہد غیر مقلدین نے حکم لگا دیا کہ زکوۃ ان چیزوں میں واجب نہیں بہانہ بازوں اور حیلہ سازوں کو سند مل گئی۔ افسوس! کہ دروازہ خیر کا بند ہو گیا اور مجتہد صاحب بھی: " مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ " کے پورے پورے مصداق ہو گئے۔ اِنَّا لله وانا الیه راجعون

چہارم ایک طلاق سے زائد دو طلاقیں دی ہوں یا تین اور بیچ میں رجوع نہ کیا ہو تو دو طلاقیں یا تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی اور اس کے خاوند کو وہ عورت بغیر حلالہ (یعنی بغیر نکاح دوسرے شوہر کے) درست ہو جائے گی، چنانچہ یہ مسئلہ اسی کتاب طریقہ محمدیہ کے صفحہ ۲۶ میں مرقوم ہے۔ اور اسی طرح صفحہ ۲۰ فتح المغیث میں لکھا ہے کہ حلالہ کرنا حرام ہے (یعنی مطلقہ ثلاثہ کا نکاح دوسرے شخص سے کرا کے پھر اپنے نکاح میں پھیر لینا) حالانکہ یہ مسئلہ تمام اہل اسلام بلکہ نص قرآن کے خلاف ہے، کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:" فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ "یعنی جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو پھر نکاح اس عورت کا اس مرد سے جائز نہ ہوگا جب تک کہ وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ پس بموجب نص قرآنی کے جو نکاح ثانی مطلقہ کا بعد حلالہ کرنے کے زوج اول پر حلال تھا، اس کو مجتہد صاحب نے اپنی رائے سے حرام کر دیا۔ پنجم مرد پر سونے کا زیور حرام ہے، نہ اور چیزوں کا، چنانچہ یہ عبارت طریقہ محمدیہ کے صفحہ ۳۸ و فتح المغیث کے صفحہ ۲۵ میں واقع ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مرد کو خواہ وہ مولوی ہو یا واعظ مفتی ہو یا قاضی کتنا ہو یا بجز چاندی کی بالیاں، بالے، کڑے، چھڑے، کنگن وغیرہ زیور درست ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ششم اسی کتاب فتح المغیث کے صفحہ ۶ میں لکھا ہے۔ اور کافی ہے مسح کرنا بعض سر کا اور مسح کرنا پگڑی اور عمامے پر انتہی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بعض سر کا مسح نہ کرے تو پگڑی اور عمامے پر مسح کرنا کافی ہے، حالانکہ یہ خلاف نص قرآنی کے ہے" وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ "ہفتم اسی فتح المغیث کے صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ وضو لیٹنے سے ٹوٹتا ہے انتہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیند کو کچھ دخل نہیں فقط لیٹنے سے بغیر سوئے وضو جاتا رہتا ہے، حالانکہ یہ باطل ہے۔ ہشتم اسی کتاب کے صفحہ ۷ میں مرقوم ہے کہ توڑنے والی تیمم کی وہی چیزیں ہیں توڑنے والی وضو کی ہیں انتہی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ پانی کے دیکھنے اور اس پر قدرت پانے سے تیمم نہیں ٹوٹتا، حالانکہ یہ غلط ہے۔ نہم اسی کتاب کے صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے کہ اگر خلل پڑے نماز میں امام کی تو وہ خلل امام پر ہے نہ مقتدیوں پر انتہی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر امام جنبی ہو یا اس سے کوئی فرض ترک ہو یا اس کا کپڑا نجس ہو یا اس نے وضو نہ کیا ہو یا وضو اس کا ٹوٹ گیا ہو تو فقط امام کی نماز فاسد ہوگی اور مقتدیوں کی نماز میں کچھ نقصان نہ آئے گا حالانکہ یہ باطل ہے۔ دہم اسی کتاب کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ حرام ہے زکوٰۃ بنی ہاشم اور ان کے غلاموں پر اور آسودہ اور تندرست کماؤ پر انتہی۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ مصرف زکوٰۃ کے واسطے بیماری لازم ہے اور اگر فقیر تندرست ہوگا تو اس کو زکوٰۃ لینی حرام ہوگی، حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ یازدہم اسی کتاب کے صفحہ ۲۵ میں مرقوم ہے کہ جائز ہے دودھ پلانا بڑی عمر والے کا، اگرچہ داڑھی رکھتا ہو واسطے جائز ہونے نظر کے انتہی۔ یہ بات تو موافق مطلب بعض یاروں کے کہی، یعنی اگر کوئی جوان مرد کسی عورت مرضعہ پر عاشق ہو تو وہ اس دودھ پینے کے بہانے سے اس عورت کو ہر روز دیکھا کرے اور اس کی چھاتیاں چھوئے، پس جس عورت سے یہ بات حاصل ہو تو پھر پردہ چہ معنی دارد؟ دوازدہم وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح فرض ہے چنانچہ فتاویٰ ابراہیمیہ مصنفہ مولوی ابراہیم غیر

مقلد مطبوعہ مطبع دھرم پرکاش الہ آباد کے صفحہ ۲ میں مسطور ہے، حالانکہ یہ رافضیوں کا دستور ہے۔

غیر مقلدین پانی سے استنجاء کے بعد ڈھیلا لینے کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں

سیزدہم پیشاب کے بعد پانی سے استنجا کرنا اور ڈھیلا لینا بدعت ہے، چنانچہ کتاب اعتصام السنہ کے صفحہ ۱۹، ۲۰، ۲۷ میں تصریح اس کی موجود ہے۔ اور بدعت ان کے نزدیک ایسا فعل ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے بعد ہوا ہو اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار، پس ہر بدعتی ان کے نزدیک ناری اور دوزخی ٹھہرا، تو کلوخ اور پانی سے استنجا کرنے والا بھی دوزخی ہوا، حالانکہ یہ سنت حضرت عمر ﷺ سے ثابت ہے، پس بقول ان کے معاذ اللہ حضرت عمر ﷺ بھی بدعتی اور دوزخی ٹھہرے۔ چہاردہم جو کوئی اپنی بی بی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کی نماز بغیر غسل کے درست ہے، چنانچہ کتاب ہدایت قلوب قاسیہ جواب گلزار آسیہ تصنیف مولوی محمد سعید شاگرد مولوی نذیر حسین کے صفحہ ۳۶ میں موجود ہے۔ پانزدہم تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل پڑھنا اور تہائی رات سے زیادہ عبادت میں جاگنا بدعت مذمومہ ہے، چنانچہ کتاب معیار الحق مصنفہ مولوی نذیر حسین مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۲۲ میں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ اکثر شب یا تہائی رات سے زیادہ عبادت کرنا جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام و صحابہ کرام و اولیائے عظام مثل حضرت غوث اعظم وغیرہ سے ثابت ہے، ان کے نزدیک گناہ ہے۔ معاذ اللہ شانزدہم سوتیلی خالہ یعنی جس کا باپ ایک ہو اور ماں جدا جدا اس سے اس کے بھانجے کا نکاح درست ہے، چنانچہ فتوائی مہری مولوی عبد القادر غیر مقلد امام کالی مسجد دہلی میں مرقوم ہے، کہ جس پر ان کے استاد مولوی نذیر حسین کی مہر بھی ثبت ہے۔

سور کی چربی کھانے کا اتہام آنحضرت ﷺ پر

ہفدہم پنیر شام کا جو سور کے پنیر مایہ سے بنایا جاتا اس کا مشہور ہے یا اور چیزیں مثل جوخ کے کہ جن میں سور کی چربی پڑنی مشہور ہے جب وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آتی تھیں تو آپ بلا دریافت کھاتے تھے، چنانچہ یہ عبارت فتوائی مہری مولوی عطا محمد مندرجہ کتاب اظہار الحق مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور کے صفحہ ۱۸ میں مرقوم ہے۔ اور اس رسالے میں مولوی نذیر حسین وغیرہ علمائے غیر مقلدین کی بھی مہریں موجود ہیں اور اس کے چھپوانے میں مولوی نذیر حسین نے بڑی کوشش فرمائی۔ چنانچہ خود مصنف رسالہ مذکور نے عنوان کتاب میں اس امر کی تصریح کر دی ہے، اب جائے انکار باقی نہیں نعوذ باللہ من ذلک، آنحضرت ﷺ پر ایسی حرام چیزوں کے استعمال کرنے کا سراسر بہتان اور اتہام ہے اور پھر ایسے خرافات مضامین کی اشاعت میں علما کا سعی اور کوشش کرنا باعث سوء انجام و موجب ہدم بنیان اسلام ہے، نہیں معلوم غیر مقلدین ایسی باتوں کو بمقابلہ مقلدین کے از راہ نفسانیت جان بوجھ کر چھپواتے ہیں یا بسبب نادانی اور بے سمجھی کے ایسے امور ان سے ظہور میں آتے ہیں بہر حال۔

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِیْبَةٌ

وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَةُ اَعْظَمُ

جواب سوال دوم

غیر مقلدین اہل بدعت وضلالت ہیں ان کی مصاحبت شرعاً ممنوع ہے

ایسے غیر مقلدوں سے جو عقائد وعملیات مذکورہ کے قائل ہیں، مخالطت اور مجالست کرنا اور ان کو مساجد میں آنے دینا، شرعاً ممنوع اور باعث خوف فتنہ دین ہے، کیونکہ مسائل متذکرہ بالا سے معلوم ہوا کہ وہ اہل بدعت ہیں اور مخالف ملت اہل سنت ہیں اور مجالست ومخالطت اہل بدعت سے شرعاً ممنوع ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں بروایت عقیلی وارد ہے:" عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اللهَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَلِیْ اَصْحَابِیْ وَاَصْهَارِیْ وَسَیَاتِیْ قَوْمٌ یَسُبُّوْنَهُمْ وَیَنْتَقِصُوْنَهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُوَاکِلُوْهُمْ وَلَا تُنَاکِحُوْهُمْ "یعنی فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا مجھ کو اور اختیار کیا میرے واسطے میرے صحابہ کو اور میری سسرال والوں کو اور عنقریب آئے گی ایک قوم کہ گالیاں دے گی ان کو اور منقصت چاہے گی ان کی، پس نہ بیٹھو تم ان کے ساتھ اور نہ پیو تم ان کے ساتھ اور نہ کھاؤ تم ان کے ساتھ اور نہ نکاح کرو تم ان کے ساتھ۔ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس آیت" وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ " کی تفسیر میں فرمایا ہے: در حقائق تنزیل مذکور ست کہ سہل بن عبداللہ تستری فرمودہ اند کہ مَنْ صَحَّ اِیْمَانُهٗ وَاَخْلَصَ تَوْحِیْدَهٗ فَاِنَّهٗ لَا یُؤَانِسُ اِلَی الْمُبْتَدِعِ وَلَا یُجَالِسُهٗ وَلَا یُؤَاکِلُهٗ وَلَا یُشَارِبُهٗ وَیُظْهِرُ مِنْ نَفْسِهِ الْعَدَاوَةَ وَمَنْ دَاهَنَ بِمُبْتَدِعٍ سَلَبَهُ اللهُ تَعَالٰی حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ تَحَبَّبَ اِلٰی مُبْتَدِعٍ نَزَعَ اللهُ تَعَالٰی نُوْرَ اِیْمَانِهٖ مِنْ قَلْبِهٖ یعنی مرد صحیح الایمان را باید کہ ایتان انس نگیرد و ہم مجلس و ہم کاسہ و ہم نوالہ با ایشاں نشود و ہر کہ با مبتدعان دوستی پیدا کند نور ایمان وحلاوت آں از وی برگیرند انتہی۔

جو شخص اس زمانے میں مذاہب اربعہ سے خارج ہو وہ بدعتی اور دوزخی ہے

اور طحطاوی نے حاشیہ در مختار کی کتاب الذبائح میں فرمایا ہے:" وَهٰذِهِ الطَّائِفَةُ النَّاجِیَةُ قَدِ اجْتَمَعَتِ الْیَوْمَ فِی الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَهُمُ الْحَنَفِیُّوْنَ وَالْمَالِکِیُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّوْنَ وَالْحَنْبَلِیُّوْنَ وَمَنْ کَانَ خَارِجاً مِنْ هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ فِیْ ذٰلِکَ الزَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ انتهی "یعنی یہ گروہ نجات پانے والا جمع ہے آج کے دن چاروں مذہب میں اور وہ لوگ حنفی اور شافعی اور مالکی اور حنبلی ہیں اور جو شخص ان چاروں مذہب سے اس زمانے میں خارج ہوا سو وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔ اور یہی مضمون اور بہت سے کتب دینیہ میں موجود ہے ضرورۃً اسی قدر قلیل پر اختصار کیا

جواب سوال سوم

غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں

اگرچہ در صورت مراعات مذہب مقتدی کے بشرطیکہ امام کسی مفسد ومبطل صلوٰۃ کا مرتکب نہ ہو، اقتدا کرنا جائز ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ مسائل مذکورہ اور عقائد مسطورہ بعض موجب کفر اور بعض مفسد نماز ہیں

اور سوائے اس کے جب کہ شافعی المذہب متعصب کے پیچھے اقتدا جائز نہ ہوئی، جیسا کہ فتاوی عالمگیری وجامع الرموز میں مرقوم ہے: " اَمَّا الْاِقْتِدَاءُ بِالشَّافِعِیِّ فَلَا بَاْسَ بِهٖ اِذَا لَمْ یَتَعَصَّبْ اَیْ لَمْ یُبْغِضِ الْحَنَفِیَّ " یعنی شافعی کے پیچھے اقتدا کرنا مضائقہ نہیں بشرطیکہ متعصب نہ ہو یعنی حنفیوں سے بغض وعداوت نہ رکھتا ہو۔ پس ان غیر مقلدین لامذہب کے پیچھے تو بطریق اولی اقتدا جائز نہ ہوگی کہ یہ تو حنفیوں کے نام سے جلتے ہیں اور مقلدین کو علانیہ برا کہتے ہیں بلکہ مشرک اور بدعتی سمجھتے ہیں۔

حکم لامذہبوں کا مثل حکم باغیوں کے ہے

اور اس سے بڑھ کر ایک بات ان لامذہبوں کے حق میں محدث نامی علامہ شامی نے حاشیہ رد المحتار میں لکھی ہے کہ ہمارے زمانے کے وہابی عبد الوہاب نجدی کے پیرو اور تابع مثل خارجیوں کے ہیں، جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر کے ان کے لشکر سے خروج کیا تھا، پس جب لامذہب مثل خارجیوں کے ٹھہرے اور خارجی مثل باغیوں کے ہوئے تو جو حکم باغیوں کا ہے وہی حکم لامذہبوں کا ٹھہرا " کَمَا فِی الْبَدَائِعِ وَلَا یُصَلّٰی عَلٰی بُغَاةٍ بَلْ یُکَفَّنُوْنَ وَیُدْفَنُوْنَ " یعنی ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھی جائے صرف ان کو کفن دے کے دفن کر دیں۔" وَحُکْمُ الْخَوَارِجِ عِنْدَ جُمْهُوْرِ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ حُکْمُ الْبُغَاةِ وَذَهَبَ بَعْضُ الْمُحَدِّثِیْنَ اِلٰی کُفْرِهِمْ " یعنی حکم خارجیوں کا نزدیک جمہور علمائے محدثین وفقہا کے حکم باغیوں کا ہے اور بعض محدثین تو ان کے کفر کے قائل ہو گئے۔ (شامی صفحہ ۳۰۹ جلد ۳ مطبوعہ مصر)

واضح ہو

حقیقت حال صلح نامہ علماء دہلی مورخہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۹۸ھ کا

کہ شہر دہلی میں فیما بین ہر دو فریق کے نوبت نزاع کی یہاں تک پہونچی کہ عدالت دیوانی اور فوجداری میں مقدمات دائر ہو گئے تھے، سو صاحب کمشنر بہادر دہلی نے فریقین کے بعض لوگوں کو اپنی کوٹھی پر بلا کر واسطے دفع فساد کے باہم ملاپ کرانا چاہا، چنانچہ ۲۸ / ذی قعدہ ۱۲۹۸ ہجری کو ایک کاغذ لکھا گیا کہ کوئی شخص ایک دوسرے سے معترض نہ ہو اور بشرط مراعات عدم مفسدات نماز وترک طعن فقہ وفقہا کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لے، پس ہم لوگ تو اس شرط پر راضی ہو گئے مگر انہوں نے اس کو نہ مانا اور جا بجا ظاہر کیا کہ مقلدین نے اس فیصلے کو جائز نہیں رکھا، باوجودیکہ انہوں نے مواہیر اور دستخط کر دیے تھے حالانکہ مضمون " اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ " کا ملحوظ رکھا گیا۔ اگر یہ مسائل مقلدین کی بحسب اقرار خود مراعات کریں تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لینے میں ہمارا کوئی حرج نہیں۔ وَهٰذَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ ۔ اَلْعَاصِیْ حَمْزَةُ رَحِمَ اللّٰهُ السُّنِّیُّ الْحَنَفِیُّ السُّوْرَتِیُّ۔

مواہیر و دستخط علمائے دہلی و کانپور وغیرہ

ھو الموفق

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔ حررہ الفقیر الی رحمۃ الاحد القاضی شیخ احمد عفاعنہ اللہ الصمد

ھو العلی

اصاب واجاد من اجاب وافاد واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حررہ العبد الخامل محمد عادل عاملہ اللہ تعالٰی بفضلہ الشامل وجعلہ من الآمنین یوم الرجف والزلازل

ھو المصوب

ایسا شخص بہیأت اہل سنت و جماعت سے گذائی گروہ خارج ہے اور نماز اسکے پیچھے نہ پڑھنا چاہیے۔ کتبہ الفقیر الی اللہ الغنی محمد علی عفی عنہ

ہوالموفق

مجیب لبیب نے جو مسائل و احکام مخالف فرقۂ اہل سنت و جماعت غیر مقلدین کے فرقۂ اہل سنت سے خارج ہونے پر بطور دلیل کے ان کی کتابوں سے لکھے ہیں ان میں سے بعض احکام ان کی بعض کتابوں میں راقم نے بھی دیکھے ہیں غیر مقلدین کے یہ مسائل مخترعہ و احکام مبتدعہ بلاشبہ قابل رد و انکار ہیں کہ ان میں سے بعض موجب کفر اور بعض موجب فسق و ابتداع اور عموماً یہ سب احکام اہل سنت کے نزدیک محض لغو اور بے اعتبار ہیں ایسے احکام مخالف اہل سنت کا معتقد و ملتزم بلاشبہ اہل سنت کی جماعت سے خارج ہے اور جب وہ شخص ایسے مسائل مخالف کے التزام سے اہل سنت کی جماعت سے خارج ہوا تو اس کے پیچھے اہل سنت کو نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اگر ایسے شخص کے مسجد میں آنے سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہو تو انسداد فتنہ کے لیے مسجد میں آنے سے منع کرنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبداللہ الحسینی الواسطی البلگرامی عاملہ اللہ بلطفہ العمیم السامی۔

مدرس مدرسہ عربی کانپور

صح الجواب — مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی

الجواب صحیح — امام مسجد حوض

المجیب مصیب — امان کریم احمد

ذلک کذلک

الجواب صحیح

ذلک کذلک

صح الجواب

المجیب مصیب

مدرس مدرسہ ہذا

دہلوی

الجواب بالصواب

مدرس مدرسہ ہذا

صح الجواب

من اجاب اصاب

فی الحقیقت اگر ان لوگوں کے یہ عقائد اور اعمال ہیں تو ایسا ہی ہے جیسا مجیب صاحب نے جواب دیا

واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع و الماٰب صح الجواب واللہ سبحانہ اعلم و علمہ اتم

ھو الفتاح

فی الواقع اس فرقۂ لامذہب کو کہ جن کے عقائد موافق تحریر مفتی تحریر ہیں اہل سنت وجماعت سے خارج سمجھنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور بسبب فتنہ وفساد کے ان کو مساجد میں آنے دینا بجا اور درست ہے۔ اللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الکتاب حررہ الراجی عفو ربہ القوی الحافظ فتح محمد الفاروقی الحنفی

الدهلوی

بے شبہ جو غیر مقلدین ایسے ہوں کہ عقائد ان کے خلاف اہل سنت و جماعت وسلف صالح کے ہوں مقلدین کو اپنے زعم فاسد میں مشرک اور بدعتی سمجھتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان کو بسبب فتنہ وفساد کے اپنے مساجد میں آنے دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع و المآب ابو الجیش محمد مهدی عفا عنه الله الهادی الفرنجی محلی

یعنی مولانا مفتی یوسف صاحب مرحوم لکھنوی

مواہیر و دستخط علمائے مقام لودھیانہ و دیوبند

تخمینا مدت ۴۶ سال یعنی ۱۲۵۴ھ سے ۱۳۰۰ھ تک اس فرقہ کو خوب دیکھا مسائل مندرجہ فتاوی ہذا کے سوا بڑی بڑی مخالفت حدیث پر یہ فرقہ جری ہے مولانا اسحق صاحب مرحوم برملا ان کو ضال مضل وعظ میں فرمایا کرتے تھے اور یہ لوگ باہر نکل کر کہتے کہ میاں صاحب کا مذہب وہی ہے جو ہمارا ہے ظاہر میں ایسا کہہ دیا ہے اسی طرح ہر عالم دیندار کو ہم مذہب اپنا بتلا کر دین محمدی سے اور قرآن وحدیث سے منحرف کرتے ہیں ان کے دین محمدی سے مخالف ہونے اور سنت جماعت کے مخالف اور دشمن ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے جیسے روافض وخوارج کے پیچھے نماز پڑھنی ایسے ہی ان کے پیچھے نماز پڑھنی یہاں کی امامت جائز نہیں ہے تفصیل طول رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

چونکہ گروہ شرذمہ لامذہبان اہل بدع وہوا میں سے ہیں اس لیے ان سے حتی الامکان احتراز ضروریات سے ہے۔ وما علینا الا البلاغ الراجی رحمۃ ربہ الباری ابو البشیر عبد العلی الغاری

یہ فرقہ غیر مقلدین بیشک خارج اہل سنت وجماعت سے ہے ان سے مجالست کرنی ایسی ہے جیسے کہ اہل ہوا و بدعتیوں سے امامت ان کی جائز نہیں کیوں کہ عقائد اور عملیات ان کے مخالف حدیث وقرآن کے ہیں واللہ اعلم بالصواب

باسمہ سبحانہ

عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال فی غزوة خیبر من اکل من هذا الشجرة یعنی الثوم فلا یقربن مسجدنا رواه البخاری یعنی جو شخص کہ کھائے لہسن کو پس نزدیک نہ پھٹکے ہماری مسجد کے اور موطا امام محمد میں عمر بن

خطاب سے مروی ہے کہ ایک عورت مجذوبہ کو طواف مکہ سے مانع آئے اور فرمایا تو اپنے گھر میں بیٹھ اور لوگوں کو ایذا نہ دے

اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کی ہے کہ ایک دن ایک واعظ کو مسجد کوفہ میں دیکھ کر فرمایا کہ یہ کون شخص ہے لوگوں نے عرض کیا یہ واعظ ہے لوگوں کو گناہوں سے ڈراتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے پوچھو کہ ناسخ منسوخ کو جانتا ہے اس نے کہا کہ مجھ کو ناسخ منسوخ کا علم نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو مسجد سے نکال دو۔

اور نیز شاہ عبدالعزیز صاحب نے بہ تحت بیان آیہ **و اصبر علی ما یقولون** کے لکھا ہے کہ طعن کرنا سلف پر سخت ترین ایذا اسے لسانی سے ہے۔ اور اشباہ میں لکھا ہے کہ موذی کو مسجد میں آنے سے منع کرنا چاہیے اگر چہ ایذا اس کی لسانی ہو

فائدہ پس جب کہ روکنا مسجد کے آنے سے بسبب موجود ہونے ایک امر کے امور مذکورہ سے درست ہوا تو غیر مقلدوں کو جو جامع امور مذکورہ کے ہیں نکالنا بطریق اولی درست ہوا اور بسبب لحوق مرض باطنی کے جو جذام سے بڑھکر ہے اور مساجد میں اس کے آنے سے فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے اور خدائے تعالی مفسدوں کو درست نہیں رکھتا کما قال اللہ تعالی واللہ لا یحب المفسدین باقی تحقیق اس مسئلے کی رسالہ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد میں جو اس عاجز کی تالیفات سے ہے موجود ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

بقلم خادم العلماء محمد حبیب الرحمن لودھیانوی المرقوم سنہ ۱۳۰۰ھ

عقائد اس جماعت کے جب کہ خلاف جمہور اہل سنت ہیں تو بدعتی ہونا ان کا ظاہر ہے۔ اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زیادہ ازدواج کے ہاور تجویز تقلید اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہے تو اب نماز اور نکاح اور دیگر امور میں ایسے لوگوں سے احتیاط لازم ہے۔ جیسے روافض اور خوارج کے ساتھ احتیاط چاہئے۔

حررہ محمد یعقوب النانوتوی عفا عنہ القوی

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ — ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ — محمود حسن عفا اللہ عنہ — محمد محمود دیوبندی عفی عنہ

حامدا ومصلیا۔ فی الحقیقت یہ گروہ غیر مقلدین اور لامذہب خارج ہیں اہل سنت وجماعت سے، ان کو اہل سنت و جماعت میں سمجھنا بڑی غلطی کی بات ہے، کس واسطے کہ اہل سنت وجماعت منحصر ہیں مذاہب اربعہ میں۔ اور جمیع اہل سنت حنفی ہیں

یا مالکی یا شافعی یا حنبلی، پس جو کوئی بالکلیہ ان چار مذہبوں میں سے اس زمانے میں ایک کا بھی مقلد اور پیرو نہ ہو اور اپنے تئیں ان میں سے ایک کی طرف منسوب نہ کرے وہ اہل سنت سے نہیں، بلکہ وہ خارج مذہب اہل سنت جماعت سے ہے۔ اور مثل دیگر فرق ضالہ روافض و خوارج و معتزلہ و جبریہ و قدریہ کے ہے۔

قال الطحاوي في شرح الدر المختار: فعليكم يا معشر المؤمنين اتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة: فان نصرة الله و حفظه و توفيقه في موافقتهم، وخذ لانه وسخطه و مقته في مخالفتهم، و هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الاربعة، وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون، ومَنْ كانَ خارجاً من هذه المذاهب الاربعة في ذالك الزمان فهو من اهل البدعة والنار انتهى. وقال في التفسير الاحمدي: قد وقع الاجماع على ان الاتباع انما يجوز للائمة الاربعة انتهى. وقال في الاشباه والنظائر تحت القاعدة الاولى: ماخالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع وان كانَ فيه خلاف غيرهم، فقد صرح في التحرير: ان الاجماع قد انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للائمة الاربعة انتهى. قال الفاضل الجليل الفقيه المحدث المفسر الشيخ ولي الله الدهلوي في عقد الجيد: اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة، وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة: قال رسول الله ﷺ: اتبعوا السواد الاعظم، فمن شذَّ شذَّ في النار انتهى. قال القاضي ثناء الله في التفسير المظهري: فان اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلثة والاربعة على اربعة مذاهب، ولم يبق مذهب في فروع المسائل سوى هذه المذاهب الاربعة، فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قولٍ يخالف كلهم، وقد قال رسول الله ﷺ: لاتجتمع امتي على الضلالة. وقال الله تعالى ﴿ومن يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولي ونصله جهنم وساءت مصيرا﴾

پس ثابت ہوا حصر اہل سنت و جماعت کا اس زمانے میں مذاہب اربعہ میں۔ اور جس کسی کا قول مخالف ائمہ اربعہ ہوگا وہ مردود اور باطل ہوگا، بسبب مخالف ہونے اہل سنت جماعت کے، اور رد مانا جائے گا۔ اور یہ لامذہب لوگ قائل ہیں جواز خروج کے مذاہب اربعہ سے۔ اور حصر مذاہب اربعہ کو باطل سمجھتے ہیں۔

چنانچہ معیار الحق مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۳۶ میں مولوی نذیر حسین نے لکھا ہے: "جب کہ اہل سنت و جماعت منحصر اور مجتمع ہوئے مذاہب اربعہ میں بالاجماع، تو اب اس انحصار اور اجماع کا باطل کہنے اور سمجھنے والا اور قائل جواز خروج مذاہب اربعہ کا اہلسنت و جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور مثل دیگر اہل مذاہب باطلہ اور فرق ضالہ روافض و خوارج اور جبریہ اور قدریہ اور

مرجیہ وجہمیہ کے ہے"۔

پس جب کہ لامذہب اور غیر مقلدین اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں تو اہل سنت و جماعت کی نماز لامذہبوں کے پیچھے نہیں ہوگی۔ اور بالکل غیر جائز اور نادرست ہے۔ اور انکے ساتھ مخالطت اور مجالست اور مواانست رکھنے سے بھی اہل سنت جماعت کو پرہیز اور اجتناب چاہیے۔ کیونکہ مجالست اور مخالطت اور مصاحبت اہل شر فساد اور اہل بدعت کے ساتھ، بموجب حدیث صحیح کے بالاجماع ممنوع ہے۔ قال الامام النووی فی شرح صحیح مسلم قبیل کتاب القدر فی باب استحباب مجالسة الصالحین و مجانبة قرناء السوء: فیه تمثیله ﷺ الجلیس الصالح بحامل المسك والجلیس السوء بنافخ الكیر فیه فضیلةُ مجالسة الصالحین واهل لخیر والمروة ومكارم الاخلاق والورع والعلم والادب، والنهیُ عن مجالسة اهل الشر واهل البدع ومن یغتاب الناس او یكثر فجر ته وبطالته ونحوذلك من الانواع المذمومة انتهی۔

اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

دور شو از اختلاطِ یارِ بد — یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

مارِ بد تنہا ہمیں بر جاں زند — یارِ بد بر جان و بر ایماں زند

بادِ خزاں باغ را خزاں کند — صحبتِ نیکانت نیکاں کند

صحبتِ صالح ترا صالح کند — صحبتِ طالح ترا طالح کند

پس اہلسنت وجماعت کو فرقۂ ضالۂ لامذہبان غیر مقلدین کی صحبت سے بہت احتراز کرنا اور بچنا چاہیے۔

فروا من صحبتهم كما تفرون من الاسد۔

کس واسطے کہ صحبت کو بڑا اثر ہے حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ محبوب العارفین میں ارشاد فرماتے ہیں۔

نشستن باید ان کہ صحبت بد — گرچہ پاکی ترا پلید کند

آفتابِ بدیں بزرگی را — ذرۂ ابر ناپدید کند

جس حالت میں کہ یہ غیر مقلدین خارج اہل سنت وجماعت اور داخل اہل بدعت و فرق ضالۂ ہوائیہ میں ٹھہرے، اور نماز اہلسنت وجماعت کی ان لامذہبوں کے پیچھے غیر صحیح و ناجائز و نادرست ہوئی، اور مخالطت اور مجالست بھی حسب روایات مذکورہ ان سے ممنوع ہوئی تو اہل سنت وجماعت کو چاہئے کہ ان لامذہبوں کو اپنے مساجد سے نکال دیں اور ہرگز نہ آنے دیں، اس واسطے کہ ان کے آنے سے مسجدوں میں شر و فساد و فتنہ و عناد پیدا ہوتا ہے۔

قال اللّٰه تعالی ﴿ والفتنة اشد من القتل﴾ وقوله تعالی ﴿ واللّٰه لایحب الفساد﴾

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی وقت نماز کے لہسن پیاز گندنا وغیرہ بدبودار چیز کہ جس کے کھانے سے منہ میں بدبو پیدا ہو کھا کر مسجد میں آئے تو اسے دخول مساجد سے منع کرو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: من اکل من ھذہ الشجرۃ فلا یقربنّ مسجدنا ولا یوذینا بریح الثوم۔ رواہ مسلم۔ وعن ابن عمران رسول اللہ ﷺ قال: من اکل من ھذہ الشجرۃ یعنی الثوم فلا یقربن المساجد۔ رواہ مسلم۔ وعن عمر بن الخطاب قال: انکم ایھاالناس تاکلون شجرتین لا اراھما الا خبیثتین، ھذاالبصل والثوم، ولقد رایت رسول اللہ ﷺ اذا وجد ریحھما من الرجل فی المسجد امر بہ، فأُخرِجَ الی البقیع، فمن اکلھما فلیُمِتْھما طبخا۔ رواہ مسلم۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم فی باب نھی من اکل ثوما او بصلا اوکُرّاثا او نحوھا مما لہ رائحۃ کریحۃ عن حضور المسجد حتی یذھب ذلک الریح واخراجہ من المسجد قولہ ﷺ: من اکل ھذہ الشجرۃ یعنی الثوم فلا یقربن المساجد ھذا تصریح بنھی من اکل الثوم ونحوہ عن دخول کل مسجد وھذا مذھب العلماء کافۃ، انتھی

پس یہ احادیث صحیحہ دال ہیں اس امر پر کہ جس شخص کی ذات سے لوگوں کو تکلیف وایذا پہنچے اسے مسجد میں نہ آنے دینا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ لامذہبوں کے مسجدوں میں آنے سے شروفسا اور فتنہ وعناد پیدا ہوتا ہے۔ اور لوگ بے علم بے خبر بے چارے ان کی صحبت سے بگڑتے اور خراب ہوتے ہیں۔ پس لازم ومناسب ہے اہل سنت وجماعت کو کہ ایسے غیر مقلدین کو اپنی مسجدوں میں نہ آنے دیں۔ اور ایسے مفسد لامذہبوں کو اپنے مساجد سے اخراج کریں اور نکال دیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ حررہ الفقیر المفتقر المذنب الراجی الی رحمۃ اللہ الاکبر العلی الولی القوی الغنی محمد احسن الدین ابو النصر المعروف بسید محمد اکبر علی الحسینی الجیلانی الحنفی القادری الچشتی النقشبندی الدھلوی غفراللہ لہ ولوالدیہ و احسن الیھما والیہ

تحقیق مخفی در مسجد ہم موجد فتنہ است والفتنۃ اشد من القتل دال بر اخراج کردن ایں شرذمۂ باطلہ ہویدا است اولاً ایں فرقہ ما ولین متشابہات اند، بلکہ منکر محکمات میباشند، چنانچہ در رسالۂ استوی علی العرش استوی

ازنواب بھوپال موجود ست ، وایں ہمہ بدان عقیدہ باوی متفق اند، حال آنکہ انصرام تام از متشابہات کلام عزوجل وما یعلمه تاویله الا الله ثابت۔ بکی مورد من فسر القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار بحکم شرع مبطل اند۔ **ثانیاً** منکرین قیاس واجماع اند، بنا علیه مجتهدین را بد میگویند، ومقلدین را مشرک میدانند، حال آنکہ بکتاب الله ثابت است بقوله تعالیٰ: ﴿فاعتبروا یا اولی الابصار﴾ وبحدیث نبوی نیز، وهو هذا: ما روی ان النبی ﷺ حین بعث معاذاً الی الیمن، قال: کیف تقضی یا معاذ؟ فقال: بکتاب الله، قال: فان لم تجد فی کتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله ﷺ. قال: فان لم تجد؟ قال: اجتهد برأیی. فقال علیه السلام: نحمدُ الله الذی وفق رسولَ رسوله بما یرضی به رسولُه۔ فان لم یکن القیاس حجة لا نکره، بل حمد الله علیه.

ثالثاً: کتمان بطلان عقیدہ خود عند ظہور الحق (بل یسکتون عند اهل الحق اذا غلبوا علیهم، خذلهم الله تعالیٰ) بقول حبیبه ﷺ: من سکت عن الحق فهو شیطان اخرس.

فثبت ان هذا قوم لا یحصی قبائحهم وخیانتهم فی الدین، فحسب علیهم ضرب النعل من اهل الحق والکمال الذین استقروا علی هذه الضبطة ان لا بد خلوا هذا القوم فی مساجدهم ولا یصاحبوا معهم ابداً والله تعالی علیهم بما کانوا یفعلون۔ کتبه تراب اقدام اهل الاسلام العبد الضعیف المدعو بمحمد عبدالسلام الکاشمیری وطناً والحنفی مذهباً والچشتی النظامی الفخری النیازی مشرباً غفرالله له فی حیاتهم ویدخله الجنة بعد مماتهم آمین۔

نحمدهٗ الله العظیم ونصلی علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ اٰله وصحبه ذوی الفیض العمیم

ان لامذہبوں کے پیچھے جو جامع الشواہد کے عقائد واعمال کے قائل ہیں مقلدین اہل سنت وجماعت کو نماز پڑھنا نہ چاہیے۔ کہ یہ لوگ مفسدین فی الدین اور سبابین سلف صالحین بھی ہیں اور ان کے عقائد واعمال جمہور فقہاء ومحدثین کے بالکل خلاف ہیں۔ اور جو لوگ ایسے نہیں، بلکہ سب بزرگان دین اور صوفیۂ کاملین کو مانتے ہیں اور سب مقلدین کو علی الحق جانتے ہیں ان کی اقتدا کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہم کو کچھ کلام نہیں۔

پس جو لوگ مفتی جامع الشواہد کو بے سمجھے بوجھے اور بغیر ان کتابوں کی طرف رجوع کیے جن کا حوالہ بقید جلد وصفحات دیا ہے برا بھلا کہتے ہیں بلکہ گالیاں دیتے ہیں ہم ان کو بھی اہل سنت وجماعت سے خارج جانتے اور لامذہب سمجھتے ہیں۔

راست گوئی میں کوئی تعصب اور نفسانیت نہیں ہے، دین کی بات میں صاف صاف نہ کہنا تو منافقوں کی شان ہے، بلکہ اس میں دین کا نقصان ہے، یہاں جو دل میں ہے وہی بر زبان ہے، مجھ سے تو ہزاروں لامذہبوں اور سیکڑوں غیر مقلدوں

سے کام پڑا، اور برسوں مقدموں ان سے جھگڑا رہا۔ ہم ہمیشہ ان کو صلح کی بات بتاتے رہے اور فساد سے بچاتے رہے لیکن ادھر یہ راضی ہو گئے اور ادھر وہی مخالفت کی باتیں اور وہی ہتھکنڈے اور وہی فساد کی گھاتیں۔

کوئی کوہتہ پایا ان بتاں سر و بالا میں　　　جسے دیکھا نظر آیا وہ باون گز کا لنکا میں

چنانچہ اس بیان کی تصدیق اس خط اور اس کے جواب اور واقعہ آرہ سے جو ابھی حال میں ہوا بخوبی ہو جائے گی۔

خط

از طرف شاہ رحمت اللہ صاحب بخدمت حضرت مولانا صاحب قبلہ غازی پوری دام بالفیض السمدانی والصوری

جناب مستطاب مخدومنا مولانا شاہ محمد امانت اللہ صاحب زاد مجدہم

بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ کے مکلف ہوں کہ انواع و اقسام کی خبریں جو بذریعہ اخبار کے شائع ہوئی ہیں علی الخصوص اخبار زمانہ میں۔ ایسی عجیب تشویش پھیلی ہوئی ہے کہ ہنوز حقیقت واقعہ سے جو لکھنؤ میں درمیان جلسہ ندوۃ العلماء تصفیہ بین المقلدین و غیر المقلدین ہوا پورے طور پر آگاہی نہیں ہوئی۔ اور نیز آرہ میں بھی کیا گزرا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ لہٰذا برائے خدا صحیح صحیح واقعات سے مطلع فرمائیں۔ اور مہر کر دیجئے تا کہ ہم لوگوں کو اطمینان ہو اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

راقم شاہ محمد رحمت اللہ سوداگر ساکن محلہ خدائی پورہ

بخدمت شریف برادرم محب قلبی مخلص دلی مقبول بارگاہ الٰہ شاہ محمد رحمت اللہ صاحب تاجر زاد محبتکم۔ بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ کے واضح ہو کہ آپ کا خط مسرت نمط آیا، حال معلوم ہوا، واقعی مصالحہ اور ملاپ بمقام لکھنؤ مجمع عام جلسہ ندوۃ العلماء واقعہ بارہ دری قیصر باغ ضرور ہوا، اس طور پر کہ بعد نماز صبح کے مولوی محمد ابراہیم صاحب آروی بمقام لکھنؤ ہمارے فرودگاہ پر مع چند علماء حسن بیگ مولوی سید محمد علی صاحب ناظم جلسہ بھی تشریف لائے۔ اور اپنے عقائد کو مثل ہم لوگوں کے بیان کیا۔ اور اسی مضمون کی ایک تحریر بدستخط مولوی صاحب ممدوح کے پیش ہو کر پڑھی گئی۔ جس سے ہمارا دل بہت خوش ہوا۔ اور ہم نے کہا بارک اللہ جزاکم اللہ۔ اب ہماری طبیعت آپ سے صاف ہو گئی، کیوں کہ اصل مخالفت آپ سے عقائد کی وجہ سے تھی، ہر گاہ آپ نے مثل اہل سنت و جماعت کے اپنا عقیدہ ظاہر فرمایا تو صرف آمین بالجہر اور رفع یدین ایسا امر نہیں ہے کہ مسجدوں کی آمد و رفت میں تکرار ہو۔ بہتر ہوگا کہ آج دوسرا جلسہ ندوۃ العلماء کا ہے ہزار ہا عوام و خواص اور بڑے بڑے علماء کا مجمع ہے، آپ تشریف لے جا کر اپنا عقیدہ عام طور بیان کر دیجئے تا کہ تمام سامعین و حاضرین کی تشفی ہو جائے اور برسوں کا جھگڑا مٹ جائے۔ مولوی صاحب ممدوح مع ناظم صاحب و فقیر کے جلسے میں تشریف لائے، مولوی محمد ابراہیم صاحب نے آبدیدہ ہو کر خدا کو گواہ کر کے کہا کہ جو خیالات عرصے سے میرے دل میں تھے سب کو آج میں نے بطیب خاطر بلا جبر و تعدی بنظر انصاف سے واپس لے کر میں اپنا عقیدہ بیان کرتا ہوں، آپ لوگ سنئے، قیامت کے روز میرے اس عقیدے پر آپ لوگوں

کو گواہی دیتا ہوگا۔ وہو ہٰذا: میں خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک لہ جانتا ہوں۔ اور محمد ﷺ کو اللہ کا سچا رسول و خاتم النبیین مانتا ہوں۔ اور کل اکابرین و صحابۂ کرام و ائمہ مجتہدین و محدثین و اولیاء اللہ و علمائے مقلدین کو اپنا پیشوا اور مقتدیٰ جانتا ہوں۔ اور ان کا سچے دل سے ادب کرتا ہوں۔ اور ان کی بے ادبی کرنا اور ان کی طرف سے کھنچا رہنا گناہ جانتا ہوں۔ اور معجزات انبیاء علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ و کرامات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو برحق سمجھتا ہوں۔ اور ہم مقلدین ائمہ دین اور اہل حدیث ہر ایک دوسرے کو موحد و مومن کہتے ہیں۔ اور کسی مومن کو مشرک اور بدعتی کہنا سخت گناہ جانتے ہیں۔ اور نہ خود کسی مقتدی اور امام کو برا کہتے ہیں۔ اور نہ کسی کو برا کہنا یا برا جاننا جائز رکھتے ہیں اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت کے امیدوار ہیں۔

اور پوری آمنت باللہ پڑھی۔ اور حاضرین کو اس پر گواہ رکھا۔ جب مولوی محمد ابراہیم صاحب فارغ ہوئے تو میں کھڑا ہوا۔ اور میں نے باواز بلند کہا بارك الله جزاكم الله۔ اس وقت آپ کی تقریر نہایت دلچسپ اور اطمینان بخش ہوئی، مرحبا شاباش۔ ہم لوگوں کو آپ لوگوں سے نفرت کی وجہ اور کدورت کی علت محمد بن عبد الوہاب نجدی کے عقائد باطلہ سے موافقت کرنے کے سبب تھی، جس نے صدہا علماء کو مکہ معظمہ میں قتل کرڈالا اور حرم شریف میں خون کی ندی بہادی، یہ وہ جگہ ہے کہ جس کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿ و من دخله كان امنًا ﴾

حتیٰ کہ کسی ذی روح اور چیونٹی کو اور جوؤں کو بھی ستانے اور مارنے کی ممانعت ہے، افسوس کہ وہاں ان وہابیہ خدا ناترس نے علمائے مقلدین کے قتل کرنے کا حکم لگادیا، جیسا کہ شامی حاشیۂ درمختار میں وارد ہے:" فاستباحوا بذالك قتل اهل السنة و علمائهم"

حالانکہ وہ علماء تعزیہ پرست نہ تھے، قبر پرست نہ تھے، بت پرست نہ تھے، مشرک نہ تھے، فاسق نہ تھے، فاجر نہ تھے۔ ہاں، مقلد مذہب تھے۔ جب پھر مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں ہرگز ان کا تبع نہیں ہوں۔ اور نہ کوئی مجھ کو ان سے واسطہ ہے۔ غرض کہ جلسہ برخاست ہوا۔ تیسرے روز پھر اس امر میں گفتگو پیش ہوئی کہ ایسے عقائد والے جیسا مولوی صاحب نے بیان کیا ہے مسجدوں میں آئیں جائیں، اتحاد و محبت قائم رکھیں، چونکہ مولوی ابراہیم صاحب نے اپنے دستخطی تحریر میں بعد بیان عقائد مجھ کو یہ لکھا تھا کہ نماز ایک کی دوسرے کے پیچھے بلا کراہت درست ہے۔ ہم نے کہا اس میں اس قدر اور شرط لگایئے کہ جو امام ہو مقتدیوں کی رعایت وضو و غسل وغیرہ میں ضرور ملحوظ رکھے اور ناظم صاحب و دیگر علمائے حاضرین نے بھی اس شرط کے ساتھ اتفاق فرمایا مگر مولوی عبد العزیز صاحب رحیم آبادی نے منظور نہ کیا۔ اور مولوی ابراہیم صاحب کو بھی اس سے باز رکھا۔ اور یہ کہا کہ "ایک لفظ بھی اگر اس رقعہ میں بڑھے گا تو نہ ہماری دستخط نہ ہم صلح میں شریک"۔

یہ کہہ کر مولوی ابراہیم صاحب وغیرہ کو اس مقام سے اٹھا کر لئے چلے گئے۔ اس پر علمائے حاضرین کو بڑا افسوس ہوا کہ صلح اور اتحاد کی بنی بنائی بات صرف ایک شخص کی مخالفت سے بگڑ گئی۔ اور اس شخص کو سوائے بدنامی رخنہ اندازی و فتنہ پردازی کے

کوئی بات حاصل نہ ہوئی مگر وہی مثل

شادم کہ زرقیبان دامن کشاں گذشتی   گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد

آخر سب علماء کی یہ رائے قرار پائی کہ ہر گاہ ہم مقلدین میں باخود باہ اس کا لحاظ ہے بلکہ التزام ہے کہ حنفی جب امام ہو شافعی وغیرہ کی رعایت ضرور ملحوظ رکھے۔ اور شافعی امام ہو تو دوسرے ائمہ مجتہدین کے مقلدین کی ضرور رعایت کرے۔ گو یہ لوگ نہیں مانتے ہیں نہ مانیں، مگر بعض علمائے حاضرین کی یہ رائے ٹھہری کہ بلا اس شرط کے مانے ہوئے کیوں کران کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ جلسہ برخاست ہوا اور نماز ان لوگوں کے پیچھے جائز نہیں رکھی گئی۔ دوسرے روز سب لوگ اپنے اپنے مکان روانہ ہوئے۔ عنقریب کیفیت لکھنؤ سے چھپ کر آئے گی اس کے دیکھنے سے اس میرے بیان کی پوری پوری تصدیق آپ کو ہو جائے گی۔

واقعہ آرا

مولوی محمد ابراہیم صاحب میری ملاقات کو غازی پور تشریف لائے۔ اور میری دعوت کر کے آرے لے گئے، میں اپنی جماعت کے ساتھ مولوی محمد ابراہیم صاحب کے مکان پر گیا، مولوی صاحب کو مع ہم عقائد اہل حدیث کے اپنے ہمراہ لے کران کی مسجد میں مختصر وعظ صلح واتفاق باہمی کا بیان کر کے مولوی صاحب کو جامع مسجد میں لایا، مولوی صاحب نے عمدہ عقائد ومضامین کے ساتھ وعظ فرمایا، اثنائے وعظ میں چودھری حاجی شجاعت علی صاحب رئیس آرہ نے کہا کہ ائمہ مجتہدین کا کچھ تذکرہ فرمایئے، مولوی صاحب نے بڑے زور وشور سے تعریف ائمہ مجتہدین اور علمائے مقلدین کی بیان فرمائی۔ اور بعد ختم وعظ کے یوں دعا کی: "اے اللہ مجھ کو ائمہ مجتہدین کی فرماں برداری میں زندہ رکھنا اور ان کی محبت میں مارنا اور قیامت میں انکے بعداروں میں محشور کرنا"۔

تمام حاضرین کو بڑی خوشی ہوئی، یہاں تک کہ ایک دوسرے سے ملے اور جوش محبت سے طرفین کے دلوں پر ایک عجیب رقت رہی۔

الحمد للہ کہ آرے میں مصالحت کا رنگ خوب جم گیا، عشاء کی نماز ہوئی، چوں کہ میں مسافر تھا قصر کی وجہ سے حافظ عبدالرزاق صاحب پیش امام جامع مسجد نے نماز پڑھائی۔ باخود باکی محبت اور باہمی صلح کا اثر کہ ہم مذہب مولوی ابراہیم صاحب جو میرے بغل میں تھے نہ زور سے آمین کہی، نہ رفع یدین کیا۔ اور جس نے آمین بالجہر کہی بھی تو ایسے خفیف آواز سے کہ اسکے قریب کے دو چار آدمیوں نے سنی۔ اس سے سب کو بڑی خوشی ہوئی اور نہایت نرمی کے ساتھ ایک دوسرے کو اپنا محب صادق سمجھنے لگا اور آپس میں خیال ازدیاد محبت کا ہو گیا۔

مگر غازی پور، بنارس ودیگر بلاد میں ہنوز تصفیہ کا عنوان کوئی قائم نہیں ہوا، اس وجہ سے ہنوز کوئی غیر مقلدین کی مسجد

میں نہیں آسکتا اور نہ کوئی مقلد غیر مقلد کی مسجد میں جا سکتا۔ غازی پور میں فقیر نے خود حافظ عبداللہ صاحب سے (جو سرگروہ غیر مقلدین ہیں) کہا کہ صرف جس قدر مولوی ابراہیم صاحب نے جلسۂ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بیان کیا ہے اور آپ نے بھی اس کو یہاں سنا ہے آپ بھی کہہ دیجئے اور مسجدوں میں باہم آمد ورفت رکھیے اور کسی ایک دوسرے کو منع نہ کیجئے۔

مگر یہ حضرت راضی نہ ہوئے اور کہا کہ جس طور پر مولوی ابراہیم نے کہا ہے میں ہرگز نہیں کہوں گا، پھر کیونکر مصالحت ہوتی۔ اور مولوی محمد سعید بنارسی سے بھی بنارس کے لوگوں نے کہا کہ جس طور پر مولوی ابراہیم صاحب نے اپنی صفائی کر دی آپ بھی ویسے ہی عقائد کا اظہار کر دیجئے تو مسجدوں میں آیئے جایئے۔ مگر انہوں نے بھی حافظ عبداللہ صاحب کی طرح سے نہ مانا بلکہ ان سے زیادہ شورش کی اور تمام لوگوں میں اپنے انکار کا اشتہار دیا۔ اور مولوی ابراہیم صاحب کو سخت کلامی سے یاد کیا۔ پس بنارس کے لوگوں نے بھی جواب دیا کہ آپ لوگ اگر پہلے عقائد پر جمے رہیں گے تو ہرگز مساجد احناف میں نہیں جا سکتے۔

چنانچہ غازی پور، بنارس، مرزاپور، وغیرہ وغیرہ میں نہ غیر مقلدین نے عقیدے کی صفائی ظاہر کی۔ اور نہ صلح کی بات ہونے دی، خدا رحم فرمائے اور مسلمانوں کو باہمی اتفاق کی توفیق دے اور فتنہ وفساد کی باتوں سے بچائے۔ افسوس صد افسوس ہے ان مولویوں پر جن کے مزاج میں اصلاح اصلا نہیں ہے بلکہ بجھتی ہوئی آگ کو مشتعل کرنا چاہتے ہیں۔ اے میرے خدا اتفاق ومحبت امت محمدیہ کو عطا فرما آمین۔ حقیر فقیر محمد امانت اللہ عفی عنہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً حضرت مولانا شاہ امانت اللہ صاحب غازیپوری مدظلہ العالی کی اس تحریر حق پذیر نے تا غالیان لامذہب اور متعصبان مذہب کی دروغ گوئی وحیلہ جوئی اور ناانصافی وکید بازی کی ساری قلعی کھول دی، بلکہ ان لوگوں کی صورت پر کدورت، آئینہ واقعہ آرہ میں دکھادی، یعنی ہم لوگوں کی صلح وراستی اور ان لوگوں کی نفسانیت وکج بحثی صاف صاف بلا انصاف بتادی۔

لامذہبی اب کیا ہے قید کی آزادی	بے قیدی مذہب میں ہے دین کی بربادی
کہتے ہو برا سب کو اس سخت کلامی کی	تم نے ہی بنا ڈالی الوزر علی البادی

حررہ العبد الاواہ ابو محمد سلامت اللہ غفر لہ اللہ ولمن والاہ

من اجاب لقد اصاب

مدرس مدرسہ بمبئی

من جاء بالجواب قد فاز فوزا عظیما من الحدیث والکتاب

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا شاہ امانت اللہ صاحب غازیپوری نے موافق منشائے اصل اسلام حسب مقاصد ندوۃ العلماء کے آپس میں میل جول اور ایک دوسرے کے پیچھے بلا کراہت نماز پڑھنے کے واسطے یہ سب کوشش کی تھی۔ اور ان لامذہبوں کے ظاہری اقراری وجہ سے سب مقلدین نے بآواز بلند علی روس الاشہاد کہہ دیا تھا کہ اب ہمارے انکے پوری صفائی ہوگئی اور کوئی بات رکاوٹ کی باقی نہیں رہی ہم کو چاہیے کہ آپس میں مثل برادران حقیقی کے اتحاد ومحبت کا برتاؤ رکھیں مگر افسوس کہ بعض متعصب لامذہبوں کی مخالفت سے اتحاد کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔

مواہیر و دستخط علمائے شہر اندور و چھاؤنی

الجواب صحیح ھکذا فی کتب الفقہ والحدیث

خادم شرع رسول اللہ قاضی حبیبات اندوری ....

صح الجواب خادم العلماء

عبدالواحد حال وارد شہر اندور

صح الجواب سید غیاث الدین

ساکن عدن حال وارد اندور

فرقۂ جدیدۂ غیر مقلدین کے عقائد جو مجیب مصیب نے تحریر کیے فی الواقع اہل سنت وجماعت وسلف صالحین کے خلاف ہیں۔

اور یہ فرقہ بدعتی مفسد مفارق الجماعت اور اہلسنت وجماعت سے خارج ہیں۔

اور مخالطت اور مجالست فرقۂ مذکورہ کے ساتھ ہرگز جائز نہیں ہے اور اپنی مسجدوں میں ان کو ہرگز آنے دینا نہیں چاہیے اور نماز اس فرقۂ مذکورہ کے پیچھے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم راقم خیر خواہ مسلمین

وقد اطلعت علی هذا الجواب المسطور بتمام مافیه من اللؤ لؤ المنثور فوجدته موافقا بالکتاب والسنة والدلائل، قد جاء الحق وزهق الباطل. اشکر الله علی حسن توفیق المجیب المصیب، واسأله ان یعطیه فی الدارین اکمل النصیب. حرره حافظ محمد اکرم قاضی، کمپ مؤ، فقط

اعظم الله اجر من اجاب فانه قد نطق بالقول المصاب واتی بمایشهد به السنة والکتاب، ویقبله اولوالالباب. نمقه تراب اقدام اهل العلم اضعف عباد الله المنان محمد ن المدعو بعبدالرحمن نائب قاضی کمپ مؤ

ماقاله المجیب المصیب حق سدید، وبالحق المحض عقید. جزاه الله خیرا الجزاء عنا وعن المسلمین، آمین یارب العلمین، ویا مجیب دعاء السائلین، فی کل آن و حین.

سطره الراجی غفران الله المستعان محمد فضل الرحمن قاضی دارالفتح اجین

جو عقائد غیر مقلدین کے انہیں کی کتب معتبرہ سے بیان کئے گئے ہیں در حقیقت خلاف عقیدۂ اہلسنت وجماعت ہیں، ان کو مفسدین جان کر ان سے مخالطت نہ کریں۔ عاجز محمد عبدالرحمٰن اندوری

مشاہیر علمائے دارالاسلام مصطفیٰ آباد عرف رام پور

بلاشبہ یہ فرقۂ ضالہ (جس کے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدہ، مخالفہ فرقۂ ناجیۂ اہل سنت والجماعت کے مجیب مصیب نے بحوالۂ رسائل وفتاویٰ باطلۂ غیر مقلدین نقل کئے اور اکثر اس کے راقم الحروف کی نظر سے بھی گزرے) مبتدع ہے اور اس کے حق میں یہی حکم ہے جو مجیب مصیب نے تحریر کیا۔ واللہ سبحانہ الموافق

هذاهو الحق عندی	هذا الجواب بلا ارتیاب	الجواب صحیح	من اجاب لقد اصاب
ذلک کذلک	هذا الجواب بالصواب	ذلک الکتاب لاریب فیه	قد اصاب من اصاب

یہ شخص امام کو اس گروہ غیر مقلدین کا سمجھتا نہیں ہے۔ رافضی ہو تو عجب نہیں، یہ بے چارہ عامیوں کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ واللہ اعلم کتبہ سید عبدالحق ۔ سابق متوطن کانپور حال باشندہ کانپور

فی الواقع عقیدہ اس فرقۂ جدیدہ و جماعت مستحدثہ کا ایسا ہی ہے جیسا کہ مجیب مصیب نے ثابت کیا۔

الجواب بالسنة و الكتاب — من قال سوى ذالك قد قال محالا — من اجاب جاء بالحق و الصواب

واقعی یہ فرقۂ باطلہ جس کے جواب میں علمائے دین ہمارے جو کچھ تحریر فرماتے ہیں درست ہے۔ حررہ الراجی الی رحمۃ اللہ محمد کریم اللہ

الجواب صحیح — الجواب هو الصواب — المجيب مصيب

ان حضرات مشیخت مآب حاسدین مفسدین دین و معاندین مجتہدین و مقلدین اور ان کے مریدین و معتقدین کے حق میں جن کو حضرت حق جل جلالہ و عم نوالہ نے آزادی کا طوق گلے میں ڈال کر ہندوستان کا شیخ نجد بنا کر چھوڑا ہے، جس قدر شمشیر دست و زبان کے ذریعہ سے مقابلہ بر عمل کیا جائے تھوڑا ہے۔ فی الحقیقت یہ سب کے سب ضال اور مضل ہیں، اور سلسلۂ مذاہب

اربعۂ فقہ سے خارج اور محمدی بن کر دین محمد ﷺ میں رخنہ انداز و مخل و باعث فتنہ و فساد اور ان کے عقائد بہ مکائد مجر بکفر و شرک والحاد۔ من یضلل اللہ فما لہ من ھاد، وھو الموفق الی سبیل الرشاد ومنہ المبدأ والیہ المعاد ۔ الا لا یعقوہ بذالک العقائد المذکورۃ الا من لہ ذھن سقیم. واللہ سبحانہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

کتبہ العبد الاثم ابو الجمیل معین الدین محمد عبد الجلیل صانہ اللہ عن کل ذمیل وزمیل

اصاب من اجاب

الجواب صحیح والمجیب مصیب

ان ھذا الجواب صحیح

ھو الموفق ان ھذا الجواب موافق
للسنۃ والکتاب کتبہ العبد
المذنب
محمد عبد القادر

ھو المستعان
فی الحقیقت یہ جواب باصواب
مسکین مقلدین اور حق الیقین ہے محمد
عبد القادر خان

ھو الرحمن الرحیم
لا شک ان ھذا الجواب صحیح و
المجیب
مصیب فقط حررہ الاثیم محمد
عبد الکریم

تحریر بے نظیر و تقریر دلپذیر متضمن اثبات وجوب تقلید مع مواہیر علمائے مشاہیر مجمع علامہ علامہ وحید عدیم النظیر صاحب التصنیف والتالیف

مولانا وصی احمد حنفی سورتی مدرس مدرسہ پیلی بھیت

کہاں ہیں وہ شیدائے نقل و روایت ۔ کدھر ہیں وہ اعدائے عقل و درایت

کہاں ہیں وہ اصحاب دعوائے سنت ۔ کدھر ہیں وہ ارباب فتوائے ملت

جو کہتے ہیں تقلید کو شرک و بدعت ۔ اور اہل فقاہت کو اہل سفاہت

ذرا آئیں دیکھیں بعین بصیرت ۔ کہ تقلید اور فقہ ہے عین سنت

اور اس پہ ہے شاہد حدیث اور آیت ۔ کہ تقلید ہرگز نہیں شرک و بدعت

ہے تقلید واجب زروئے روایت ۔ دلیل اس کی ہے بس حدیث اور آیت

ہے لا مذہبوں کی سرا سر جہالت — کہ تقلید شخصی کو کہتے ہیں بدعت

بھلا اہل تقلید ہوں اہل بدعت — یہ قول ان کا محمول ہے بر عداوت

عداوت ہے ان کی سراسر شرارت — شرارت میں ان کے بھری ہے ضلالت

بدی ان کی عادت ہے شر ان کی خصلت — فریب ان کی خصلت ہے کید انکی عادت

ہے مدحت میں ان کے گماں مذمت — مذمت میں ان کے ہے ایہام مدحت

ایمہ پہ طعن ان کی فہم و فراست — فقیہوں پہ لعن ان کی عقل و کیاست

مقلد ہیں سب سالکین ہدایت — مقلد ہیں سب عاملین روایت

یہ تقلید واجب ہے از راہ صحت — یہ تقلید ثابت ہے از روئے حجت

یہ تقلید مفروض ہے بالبداہت — یہ تقلید مامور ہے بالروایت

یہ تقلید ائمہ کی ہے عین سنت — یہ تقلید ایماں کی ہے علامت

ہے تقلید خضر رہ دین و ملت — ہے تقلید ارشاد پیر طریقت

ہے تقلید اسلام کی عین حجت — ہے تقلید دین نبی پر دلالت

ہے تقلید واجب ز روئی روایت — ہے تقلید ثابت ز راہ درایت

ہے تقلید سر منزل راہ سنت — ہے تقلید سرچشمۂ استقامت

ہے تقلید باغ و بہار ہدایت — ہے تقلید نقش و نگار سعادت

ہے تقلید منشائے ضبط شریعت — ہے تقلید نقوائے ربط طریقت

ہے تقلید فتح درِ استخارت — ہے تقلید بال و پر استشارت

ہے تقلید خوگر رہ استکانت — ہے تقلید پرور رہ استمالت

ہے تقلید تعلیم ارباب حجت — ہے تقلید تفہیم اصحاب ملت

ہے تقلید بوئے ریاحین خبرت — ہے تقلید گوئے گریباں عبرت

ہے تقلید تاج سر استقامت — ہے تقلید تخمیر استجابت

ہے تقلید در محیط کرامت — ہے تقلید نور بسیط ولایت

ہے تقلید سنت پہ روشن دلالت — ہے تقلید مومن کی پاکیزہ خصلت

ہے تقلید تاکید حکم رسالت — ہے تقلید تائید امر ہدایت

ہے تقلید مرقات بام درایت
ہے تقلید مرأت روئی روایت

ہے تقلید برہان دین و دیانت
ہے تقلید سلطان رشد و ہدایت

ہے تقلید آئینہ حسن صورت
ہے تقلید گنجینۂ نقد سیرت

ہے تقلید مفتاح باب ارادت
ہے تقلید مصباح تاب عبادت

ہے تقلید مستاصل شرک وبدعت
ہے تقلید مستحصل دین وملت

ہے تقلید رسم و رہ اہل سنت
ہے تقلید آئین اہل دیانت

ہے تقلید کالشمس تجلو لا نارۃ
ہے تقلید کالبدر فی الا ستنارۃ

ہے تقلید فرض اور واجب بآیت
ہے تقلید کی دین میں بس ضرورت

ہے تقلید ریحان و روح ولایت
ہے تقلید سرو ریاض ریاضت

ہے تقلید اسلامیوں کی علامت
ہے تقلید ایمانیوں کی شہادت

ہے تقلید معمول عامل بسنت
ہے تقلید موصول واصل بقربت

ہے تقلید مسلم کی راہ سلامت
ہے تقلید مومن کی ایمانی الفت

وصی بس کر اب مدح کی کیا ہے حاجت
کہ آسی نے خود کی خیمے میں مدحت

وہ آسی کہ نیر اس انوار وحدت
وہ آسی کہ قسطاس اسرار حکمت

وہ آسی کہ برہم زن شرک و بدعت
وہ آسی کہ رونق دہ دین وملت

وہ آسی کہ ہے شمع بزم ذہابت
وہ آسی کہ ہے لمع رزم ظرافت

وہ آسی کہ کشاف رمز عبارت
وہ آسی کہ حلال عقد اشارت

وہ آسی کہ دانائے حکم شریعت
وہ آسی کہ بینائے راز طریقت

وہ آسی کہ سباح دریائے جودت
وہ آسی کہ سیاح بیدائے فطنت

وہ آسی کہ ہے صدر ایوان خلوت
وہ آسی کہ ہے بدر شبستان جلوت

وہ آسی کہ شمس الضحائے فصاحت
وہ آسی کہ بدرالدجائے بلاغت

وہ آسی کہ ہے جامع فقہ و سنت
وہ آسی کہ ہے قامع شرک وبدعت

وہ آسی کہ تقلید واجب کی آیت
بتا دی دکھا دی حدیث اور روایت

وہ آسی کہ تقلید کو عین سنت
کیا ثابت از روئے برہان حجت

پس اب بھی نہ مانیں جو اہل روایت — تو ہرگز نہ پائیں گے راہ ہدایت
نہ دیکھیں گے آنکھو سے روئی حقیقت — سنیں گے نہ کانوں سے رائی اصابت
ہے ان جاہلوں کی جہالت پہ فطرت — ہے بدنیت ان کی بدی ان کی طینت
نہ مانیں گے جب یہ کسی کی نصیحت — وصی کیا کرے کوئی ان کو وصیت

پس حضرت سراپا افاضت مولانا استاذ مولوی محمد عبدالعلی صاحب آسی مدارسی مدظلہ العالی علی راسی، بل علی روٴس الاعادی نے جو اس کتاب کے ضمیمے تنبیہ الوہابیین من معرکۃ الآرائی کا علم یعنی حق نویسی کا قلم اٹھایا، تو زمانہ قرون ثلاثہ میں تقلید شخصی کے وجوب وفرضیت کو قرآن وحدیث کے نص صریح سے ثابت کر دکھایا۔ جزاہ اللہ رب البرایا، کہ آج تک کسی نے اس اہم مسئلہ تقلید کے وجوب کو سوائے عقل ودرایت کے محض نقل وروایت سے اس طرح خطاب شارع میں داخل نہ کیا۔ اور ایسا جواب باصواب منکرین کو دیا جس سے غیر مقلدین بغلیں جھانکنے لگے۔ اور بجائے خجالت عجز جواب کے کھسیاں باچنے لگے اور قطع نظر اس کے ہر جگہ ضمیمے میں یہ التزام کیا کہ مدعیان عمل بالحدیث کو احادیث صحاح کی مخالفت کا صریح الزام دیا جس کے سبب اہل الرائے عامل بالحدیث ٹھہرے اور عمل بالحدیث کے مدعی مخالف حدیث ہو گئے۔

جو دیکھا عکس دلبر کو وصی نے ساغر دل میں — قضیہ منعکس ہونے کا رنگ آیا نظر دل میں

پس ہم یہاں مزید براں، واسطے اثبات وجوب تقلید کے، علمائے حرمین شریفین وغیرہم کا وہ فتویٰ درج کیے دیتے ہیں کہ جب دہلی میں غیر مقلدین کا فتنہ پھیلا تو مولانا نواب قطب الدین خاں محدث تلمیذ مولانا محمد اسحٰق سجادہ نشین حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک رسالہ ثبوت تقلید میں، مدلل بآیات واحادیث واجماع لکھ کر زید کو مقلد اور عمرو کو غیر مقلد ٹھہرا کر ۱۲۸۷ھ میں علمائے حرمین شریفین کے پاس بھیجا تو سبھوں نے بالاتفاق مہریں کر دیں اور تقریظیں لکھ دیں کہ بموجب قول زید کے ایک امام کی ائمہ اربعہ میں سے تقلید واجب ہے اور منکر اس تقلید شخصی کا گمراہ اور گمراہ کنندہ خلق اور واجب التعزیر ہے۔ مقلدوں کو واجب ہے کہ ایسے شخص سے پرہیز کریں اور اس کی صحبت سے گریز کریں۔

فاعلم ان بعض علماء هذه الديار لمّارای تنازع زید وعمر في امر التقليد جمعَ رسالة بين فيها دعا ويهما ودلائلهما المذكورة في ذالک الكتاب، واستفتى عنها من علماء العرب والعجم مختصره انه قال عمرو: انّ التقليد غير جائز و بين دلائله. وقال زيد: ان التقليد جائز و بين دلائله واجاب عن ادلته. وقال عمر لو سلم جوازه فانحصاره في المجتهدين باطل، وبيّن دلائله وقال زيد: ان انحصار في

المجتهدين واجب بالاجماع وبين دلائله واجاب عن ادلته. وقال عمرو: لوسلم انحصاره في المجتهدين فانحصاره في المذاهب الاربعة باطل وبين دلائله. وقال زيد ان انحصاره في المذاهب الاربعة ثابت باجماع اهل السنة وبين دلائله، و اجاب عن ادلته. وقال عمرو: لو سلم انحصاره في المذاهب الاربعة فتعين المذهب الواحد غير واجب وبين دلائله. وقال زيد: ان تعين المذهب الواحد من المذاهب الاربعة واجب لانتظام الدين بالكتاب والسنة والاجماع والقياس وبين دلائله واجاب عن ادلته فافتوا بتصويب زيد والبتوا مواهيرهم.

مواهير العرب من مفاتي مكة المعظمة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلاة على سيدنا محمد و على آله واصحابه اللهم اهدني لما اختلف فيه من الحق انك تهدي من تشاء الى صراط مستقيم.

اما بعد فقد تاملتُ هذه الرسالة وما جرى بين المتناظرَين في هذه المقالة فرايتُ ما قاله زيد هو الصواب، الذي لامحيد عنه عند اولي الالباب، لا تفاق كلمة مَن يُعتدُّ به من علماء الشريعة المحمديه أنّ من لم يبلغ رتبة الاجتهاد يلزمه التقليد. واين الواصل الى هذه الرتبة العلية؟ كيف؟ وقد قال مولانا العلامة الحافظ الشيخ قاسمُ الحنفيُّ تلميذُ المحقق الكمال بن الهمام، وكان من اهل القرون التاسع: قد طُوِيَ بساطُ الاجتهاد منذ دهرٍ طويلٍ لفقد شرائطه، فاذا كان هذه في زمن الحافظ المذكور فما بالك بهذا الزمان الذي عمّ فيه الجهل، وقلّ العرفان بالحديث والقرآن، كما هو الواقع الآن في الديار الهندية من بعض الجهلة اللئام الذين هم كالا نعام من الطعن في حق العلماء الاربعة الاعلام، لاحول ولا قوة الا بالله العلي العظيم وحسبنا ونعم الوكيل قاله بفمه وامر برقمه خادم الشريعة والمنهاج عبدالرحمن ابن عبدالله سراج الحنفي مفتي مكة المشرفة حالا كان الله لهما حامدا و مصلياً.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده، والصلاة على سيدنا وعلى آله وصحبه، قد تاملتُ هذه الرسالة، ثم تاملتُ مااجاب به مولانا مفتي الاسلام، فرايتُ جوابه هو المُعتمَد عند العلماء الاعلام، والله الموفق للصواب

واليه المرجع والمآب

كتبه احمد دحلان مفتي الشافعية بمكة المحمية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلاة علي رسوله واله وصحبه اما بعد فلما طالعت هذه الرسالة من اولها الي آخرها طلقا طلقا وجدت الحكم الذي اشتملت عليه حقا حقا موافقا للقران الازهر والحديث الابهر والاجماع الاظهر والقياس الاشهر قلت بصحته ومهرت.

كتبه الفقير احمد المكي مدرس المدرسه السليمانية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده، والصلاة علي من لا نبي بعده، اما بعد فقد اطلعتُ علي هذه الرسالة وتاملتُ جوابَ مفتي الاسلام وجدتهُ حقاً لا ريب فيه ولا شك يعتريه. كتبه حسين بن ابراهيم مفتي المالكية ببلد الله المحمية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين ، لما طُلعتُ علي هذه النبذة اللطيفة ورايت ما افتي به مولانا حامل راية الامام الاعظم ابي حنيفة وما كتبه مولانا العلامة مفتي مذهب الامام الشافعي وما سطره العلامة مفتي المالكيه فرايته هو الحق الصريح وهو مذهبنا علي الراجح الصحيح

كتبه الفقير محمد بن عبدالله مفتي الحنابلة بمكة المشرفة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده فالجواب الموافق للصواب هو ما اجابَ به علماءُ الاسلام مفاتي البلد الحرام ،والله سبحانه وتعالىٰ الموفق كتبه السيد محمد الحنفي المدرس بالمسجد الحرام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله، فما اجاب به مفاتي الاسلام المحققون الاعلام هو الحق الذی یجب المصير اليه، والتحقيق الذي ينبغي التعويل عليه، وان هذه الرسالة قد اشتملت على الادلة الواضحة والحجج القاطعة اضاءت بها شموس التحقيق، واشرقت عليها كواكب التدقيق، مثلث صوارم الحجج القطعية على عقائد الملحدين، ورمت شهبها شياطين المبطلين، والله الموافق للصواب، واليه المرجع والمآب

كتبه عبدالرحمن بن عثمان جمال المدرس بالمسجد الحرام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي شرح صدورنا بالاسلام، والصلاة على سيدنا وعلى آله واصحابه الكرام، امابعد فقد اطلعت على هذه الرسالة، وما اجاب به مفاتي البلد الحرام فوجدته الصواب الذي يجب الرجوع اليه والتحقيق الذي ينبغي التعويل عليه

كتبه عبدالرحمن بن حامد المكي المدرس

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم هداية للصواب، مااجاب به هؤلاء لعلمة من تاييد مافي هذه الرسالة المزينة بنور البرهان المزونة بقواطع الحجج والتبيان هو الحق الذي يجب المصير اليه، والصواب الذي لايعول في المشكلات الا عليه.

رسمه السيد عبدالرحمن

بسم الله الرحمن الرحيم

سبحانك لاعلم لنا الا ما علمتنا، والصلاة على من ارسلته رحمة للعلمين، وعلى آله واصحابه ائمة الدين. اما بعد فقد تاملت هذه الرسالة ووقفت على ماجاب به موالينا العلماء الكرام وائمة الدين والاسلام ببلدالله الحرام فوجدته الحق الذي لا يعول الا عليه والصحيح الذي لا محيد عنه

الا اليه

كتبه: مصطفى بن محمد احد المدرسين ببلد الله الامين

بسم الله الرحمن الرحيم

حمداً لك يا من هديتنا للصواب، والصلاة على سيدنا والآل والاصحاب. امّا بعد فاني وجدت هذه الرسالة وما اجاب به مفتي الاسلام في البلد الحرام هو المعوّل عليه، فيجب العمل به والرجوع اليه

كتبه الفقير عمر بركات الشامي

الحمد لله الذي قوّىٰ شريعة سيد المرسلين بالعلماء الراسخين، صلى الله عليه واله واصحابه الى يوم الدين. امّا بعد فلما تفكرتُ بالذى جرىٰ بالسؤال والجواب في هذه الرسالة ثم تاملتُ ماافتي المفاتي والمدرسون بالمسجدالحرام فرأيتُ جوابهم يوافق الحديث ويحكم القرآن الذى بيّن فيه الحلال والحرام

كتبه عبدالرحمن بن محمد مراد

بسم الله الرحمن الرحيم

ماجاب به موالينا الكرام من المفاتي والعلماء العظام المقيمين ببلد الله الحرام هو الحريّ بالقبول كتبه رحمة الله

مواهير علماء المدينة المنورة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على قدر الامكان، والصلاة على سيدنا سيد ولد عدنان. اما بعد فاقول إنّ ماذكره زيد هو القول السديد، والعمل به هو الفعل الحميدُ،

نمّقه: الفقير محمد مصطفى الياس مفتي المدينة المنورة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الذی اقوله - وامنت به تعالی - إنّ ماقاله زیدٌ هو الحقُّ المبینُ، ومنهجُ المؤمنین، والصوابُ الذی یجبُ المصیر الیه، والصراط المستقیم الذی ینبغی المسیر علیه، کتبه: السید جعفر بن اسمٰعیل مفتی الشافعیه بالمدینة المنورة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماقاله زید فهو حقٌ، والاتباع به احقُّ.

حرره السید محمد جلال الدین القاضی بالمدینة المنوره

قاضی مدینہ	مفتی حنابلہ	مدرس مسجد نبوی	مدرس مدرسہ محمودیہ
مدرس	مدرس مسجد نبوی	مدرس	مدرس

مواهیر علماء العجم من مشاهیر دیارالهند

ماقاله زیدٌ فهو صحیحٌ، وعلیه العلماءُ، ووقع اتفاق اهل السنة والجماعة علیٰ وجوب التزام المذهب الواحد، والله اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب ، حرره :

صحّ ماقاله زید الفقیه، وبطل ماقاله عمر و السفیهُ عند اهل السنة والجماعة .

الذی قاله زید فهوالحق الصریح، والذی قاله عمرو فهو الزعم القبیح.

الحمد لله تعالی والصلوة علی سیدنا. اما بعد فاثبت زیدٌ حقّ الشریعة لیهتدی به عمرو، والله اعلم و علمه احکم

ما قاله زيد فهو الصواب، كما هو مدلول السنة والكتاب، وعليه اهل السنة والجماعة

ماحرره المجيب فهو صحيح بناء على طلع الحق حق الطلوع وسطع الصدق حق السطوع

الروايات المذكورة في الجواب

قد انعقد الاجماع بحسب العمل من العلماء الاعلام والفضلاء الكرام والاولياء العظام وصلحاء اهل الاسلام من المفسرين والمحدثين والفقهاء المفتين والمجتهدين، بل اتّفقت الامّة المرحومة كافّة في جميع الاوطان والاوطار والامكنة والامصار والازمنة والاعصار بعد تقرّر المذاهب الى هذاالآن على أن يتّبع كلُّ واحدٍ منهم مذهباً معيّناً بالاحسان. حرّره

لاشك في امر التقليد قداتّفقت عليه الأراء وتلقاه العلماء ماقاله زيد فهو الحق الصريح. وماقاله عمرو فهو القول القبيح. نمقه

ماقاله زيد فهومقبول العلماء الاعلام، وما قاله عمرو فهو غير مسلم عند الفضلاء العظام.

الذى افاده الواقف على نكات المعقول والمنقول العريف بغوامض الفروع والاصول اعنى زيد فهو نفيس عبقرى ولطيف بهي، وما حرّره عمرو فكله غمّر، اوله عاطل وآخره باطل

تقليد الواحد منهم اقرب الى الضبط، وابعد عن الخبط.

قول زيد صواب وصحيح وحق صريح. كتبه:

مواهير علماء المنتجاب

ما قاله زيد فهو حقٌ مطابق بالكتاب والسنة واجماع العلماء الراسخين

ما قاله زيد فهو حقيق بالقول عند اهل المعقول والمنقول وما ينكره الا الجهول

ماقاله زيدٌ فهو المقبولُ والمعقولُ عند اهل السنّة والجماعةِ. وما قاله عمرو فهو المخالف للمعقول والمنقول .

شهدتُ وختمتُ علي ان العلماء الذين زينواهذه الرسالة بعلاماتهم ومواهيرهم كلهم مع جامع هذه الرسالة علي دين متين

ما قاله زيد فهو مطابق بالكتاب والسنة والاجماع والقياس

مدّعي زيد ثابتٌ عند اهل السنة والجماعة

ما قاله زيدٌ هوالدين الذی استقرّ عليه قواعد الاسلام وتقرّر عليه آراءُ علماء الانام. والذی قاله عمرو متمسكا بالكريمة فهو متولّدٌ من قلة تبحّره في الاصول وكثرة تجرّده عن الحق المعقول. ولنعم ماقال بعض الظرفاء: ان القرآن ماالسحيُّ يتمسک به الغبيُّ والذكيُّ.

ماقاله زيد وجدناه مطابقا للمعقول والمنقول، وموافقا للفروع والاصول. وماقاله عمرو وجدنا مخالف الاجماع

ماادّعاه زيد فهو ثابت بآيات قطعية واحاديث مشهورة واجماع امة وقياس صحيح، وهو معمول في الامصار واكناف العالم واطرافه، فصار مجمعاً عليه من اهل السنة والجماعة قولًا و فعلاً .

وماقاله عمرو فتسو بلاتٌ نفسانيةٌ، وتخيلات فلسفية سببُها نقصانٌ في العلم من الاصول والفروع، واعراض عن الطريقة المحقة .

لاشک ان التزام اتباع الواحد منهم اقرب الیٰ ضبط الاحوال وابعدُ عن تشتت البال .

ماقاله زید من تقلید المعین فهو حق لتوارث الامة علی تقلید المعین

ماقاله زید فهو اضبط واصوب.

ما قاله زید فهو ثابت وحق، وما قاله عمرو فهو عمرو زائد

مالفتی به العلماء علیٰ ماحرره زید فی المتن فهو صحیح

ما قاله زید فهو الحق الصریح وما قاله عمرو فهو الباطل القریح

ما قاله زید فهو حق

لقد اصاب زیدٌ وکلامه موافق بالسنة والکتاب واجماع اولی الالباب ومخالفه ضالٌ و مضلٌ بلا ارتیاب.

ما قاله زید فهو مطابق بکلام الملک الکریم وموافق باحادیث النبی العظیم، وما قاله عمرو فهو سبیل الطغیان وطریق البهتان.

صاحب الدر المختار فی الدر المختار والشیخ ابن الهمام فی تحریر الاصول وابنُ حاجب فی مختصر الاصول وغیرهم قالوا: ان الرجوع من التقلید بعد العمل ممنوع بالاتفاق. وقال صاحب البحر فی الرسائل الزینیة: فوجب علیٰ مقلد ابی حنیفة العملُ بقوله، ولا یجوز له العمل بقول غیره، لمانقل الشیخ القاسم فی تصحیحه عن جمیع الاصولیین انه لایصح الرجوع عن التقلید بعد العمل بالاتفاق.

ماحررهٗ المجیب النجیب فی تقلید الامام الواحد من الایمة فهو مطابق بالکتاب والسنة، موافقٌ لاقوال السلف

هذه الرسالة حجةٌ و برهانٌ في تصويب قول زيد، فمن لم يعمل بها فهو متبعُ شيطانٍ مريدٍ وكان كعمرٍو ضلَّ واضلَّ. حرره

مواهير علماء الولاية

ما قاله زيد في هذه الرسالة فهو مقبول عند اهل السنة والجماعة

ما قاله زيد فهو المعمول به عند اهل السنة والجماعة

ما حكم زيد في هذه الرسالة فهو المقبول وهو المعمول عند اهل السنة والجماعة

ما قاله زيد فهو مقبولٌ لنا ومعمولٌ لنا واخينا به

ما قاله زيد في هذه الرسالة فهو صواب، وموافق بالكتاب والسنة واجماع الامة والقياس الصحيح، وما قاله عمرو فهو خطا.

ما قاله زيد فهو معمول لي ولجميع قضاة زماننا وبواقي اهل السنة والجماعة، ختمت عليه ان هذا الكتاب مقبول. حرره سعدالدين

فاعلم ان مواهير علماء الحرمين الشريفين في ذالك الباب كافيةٌ. وسائر المواهير انما هي لتاكيد ذالك المرام، لقوله عليه الصلوة والسلام: ان الدين ليارز الى الحجاز كما تارزُ الحيّةُ الى جُحْرِ ها الخ، والله اعلم

فتوىٰ مفتيان مكة معظمه زادها الله شرفا و تعظيما بثبوت وجوب تقليد شخصى

ما قولكم دام فضلكم ان العامي هل يجب عليه في زماننا هذا تقليد واحدٍ من المجتهدين الاربعة، أو له ان يقلِّدَ مَنْ شاءَ من العلماء؟ وعلي تقدير وجوب تقليد احد منهم هل يجوز التقليد

الشخصی بان یقلد احدً واحداً منهم بالتعیین فی جمیع الفروع ام لا؟

الجواب

الحمد للہ وحدہ۔ ومن فیضہ الکون استمدُ التوفیق والعون۔ انہ یجب علی المقلد الذی لم تبلغ درجۃ الاجتہاد فی زماننا ھذا تقلیدُ واحدٍ منہم، وان التقلید الشخصی جائز بل مستحسنٌ، بل لازمٌ علی القول المشہور عند الحنفیۃ والشافعیۃ، اما الاول فلانّ التقلید بغیر ہؤلاء الاربعۃ من المجتہدین وان کان جائزاً عقلا وشرعا تقلیدھم، لکنہ لمّا لم یثبت تدوینُ مذھبِ ذالک الغیر وضبطُ قواعدہ واستقراءُ احکامہ وتحریرُ تلک الاحکام فرعاً فرعاً کما ثبت لمذاھب ہؤلاء الاربعۃ یجب علی المقلّد تقلیدُ واحدٍ منہم ؛لانّ مذاھبھم قددُوِّنت وقواعدھا قد ضبطت واحکامُ تلک القواعد قد استقرئت، وتابعیھم قد حرّروھا غایۃ التحریر، بحیث لا یوجد حکمٌ الا وھو منصوصٌ اما اجمالا واما تفصیلا۔ قال المحقق ابن الھمام فی آخر تکملۃ تحریر الاصول: نقل امام الحرمین اجماعَ المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابۃ بل یقلدون من بعدھم الذین تدبروا ووضعوا ودونوا وعلیٰ ھذا ما ذکرہ بعضُ المتاخرین من منع تقلید غیر الاربعۃ لانضباط مسائلھم وتقییدھا وتخصیص عمومھا، ولم یُدْرَ مثلُہ فی غیرھم لا نقراض اتباعھم وھو صحیحٌ۔ انتھیٰ۔ وقال المحقق ابن نجیم فی ذیل القاعدۃ الاولیٰ من الفن الاول من الاشباہ ناقلا عن التحریر: ان الاجماع قد انعقد علیٰ عدم العمل بمذھبٍ مخالفٍ ... للائمۃ الاربعۃ انتھی

وقال الطحطاوی فی حاشیتہ علی الدر فی کتاب الذبائح قال بعض المفسرین فعلیکم یا معشر المومنین اتباع الفرقۃ الناجیۃ المسماۃ باھل السنۃ والجماعۃ فان نصرۃ اللہ وحفظہ وتوفیقہ فی موافقتھم و خذلانہ وسخطہ ومقتہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفۃ الناجیۃ قداجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعۃ ھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فھو من اھل البدعۃ والنار انتھی

وقال المحقق ابن حجر ن المکی فی الفتح المبین شرح الاربعین للامام النووی اما فی زماننا فقال بعض ائمتنا لا یجوز تقلید غیرا لائمۃ الاربعۃ الشافعی ومالک و ابی حنیفۃ واحمد بن حنبل رضوان اللہ علیھم لان ھولاء عرفت قواعد مذھبھم واستقرت احکامھم وکثر تابعوھم وحرروھا فرعا

فرعا وحکما حکما فلا یوجد حکم الا وهو منصوص له اجمالا او تفصیلا بخلاف غیرهم فان مذهبهم لم تحرر ولم تدون کذلک فلا یعرف لها قواعد یستخرج احکامها فلم یجز تقلیدهم فیما حفظا عنهم لانه قد یکون مشروطا بشروط اخری وکلوها الی فهم من قواعد فقلت الثقة بما یحفظ عنهم من قیود او شروط فلم یجز التقلید ح انتهی

فظهر مما نقلنا ان العامی یجب علیه فی زماننا هذا تقلید واحد من المجتهدین الاربعة رضوان الله علیهم اجمعین ولیس له ان یقلد غیرهم و اما الثانی فلانه اقرب الی الضبط وابعد عن الخبط فی ترکه خوف تلاعب متلاعب بمذاهب المجتهدین ولزوم مفاسد یتعسر اصلاحها علی المصلحین فلذلک اجتهد الفحول من علماء اهل السنة والجماعة سلفا وخلفا فی تحریر مذهب من قلدوه اما خلطوا ذلک المذهب بمذهب غیره واختار المحققون منهم اتباع للمقلد لمذهب امامه فی کل تفصیل

وقال الامام الغزالی فی بحث ارکان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر علی کل مقلد اتباع مقلده فی کل تفصیل فاذا مخالفة المقلد متفق علی کونه منکر بین المحصلین انتهی

وقال القهستانی فی شرح مختصر الوقایة قبیل کتاب الاشربة واعلم ان من جعل الحق متعددا کالمعتزلة اثبت للعامی الخیار فی الاخذ من کل مذهب ملهواه ومن جعل الحق واحدا کعلمائنا الزم للعامی اماما واحدا کما فی الکشف فلو اخذ من کل مذهب مباحه صار فاسقا تاما کما فی شرح الطحاوی انتهی

وقال الامام الشعرانی فی المیزان اما من لم یصبح الی شهود عین الشریعة الاولی وجب علیه التقلید بمذهب واحد خوفا من الوقوع فی الضلال وعلیه عمل الناس الیوم انتهی

وقال المحدث الدهلوی ولی الله فی عقد الجید المرجح عند الفقهاء ان العامی المنتسب الی مذهب لا یجوز له مخالفته انتهی ومن قال ان التقلید مطلقا او التقلید الشخصی بدعة وضلالة فهو مبتدع ضال ویلزم علی قوله ان السواد الاعظم من الامة المحمدیة اجتمعوا علی الضلالة وان مائة الوف منهم من العلماء العظام والاولیاء الکرام وغیر المحصورین من الصلحاء الفخام الذین اتفقت کلمة جمهور اهل السنة والجماعة علی عظم درجتهم وجلالتهم وصلاحهم وورعهم وصلابتهم فی امر الدین کانوا مبتدعین ضالین ماتوا علی البدعة الضلالة حاشا ان یکونوا کذلک وقد قال النبی ﷺ ان

الله لا یجمع امتی او قال امة محمد علی ضلالة و ید الله علی الجماعة من شذ شذ فی النار رواه الترمذی

وقال اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار بل هذه الشرذمة القلیلة یخاف علیهم ان یکونوا مطامع الشیطان وان یخلعوا ربقة الاسلام عن اعناقهم قال النبی ﷺ ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاة القاصیة و الناحیة و ایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة رواه احمد

وقال من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه رواه احمد و ابو داود

والعجب منها هولاء الجهلة انهم یدعون الناس الی تقلیدهم و یمنعون الناس عن تقلید الائمة المجتهدین الذین انعقد الاجماع علی کمال علمهم و دیانتهم وورعهم و قوة اجتهادهم فی استنباط المسائل وغایة سعیهم فی امر الدین ووفقنا الله وایاهم للصواب والله اعلم وعلمه اتم

امر برقمه خادم الشریعة عبدالرحمن ابن عبد الله سراج الحنفی مفتی المکة المکرمة کان الله لهما

حامدا مصلیا مسلما ولقد اجاد مولانا مفتی الاسلام ام مجده فیما افاد

الحمد لله وحده وصلی الله وسلم علی من لا نبی بعده قد اطلعت علی ماحرره مفتی الانام ببلد الله الحرام من الجواب عن السؤال عن وجوب التقلید لواحد من الایمة الاربعة من غیر تردید، فوجدته جوابا صحیحا مطابقاً لما هو فی المذاهب منصوص علیه، فیجب الرجوع عند الاختلاف الیه، وفیه کفایة و مقنع لمن کان یمرئ من التوفیق ومشمع. والله سبحانه وتعالی اعلم. امر برقمه المرتجی من ربه الغفران احمد بن زین دحلان مفتی الشافعیة بمکة المحمیة غفر الله له ولوالدیه ومشایخه ومحبیه وجمیع المسلمین

الحمد لله وحده وصلی الله علی من لا نبی بعده رب زدنی علما اما بعد فقد اطلعت علی هذا السؤال وما حرره مولانا مفتی مکة المشرفة فی الحال فی خصوص التقلید لواحد من الایمة الاربعة هو عین الصواب الموافق لنصوص المذهب بلا شک ولا ارتیاب وحیث انه جواب صحیح مطابق للسنة والشریعة النبویة فیجب ان یکون المعمول علیه والمرجع عند الاشتباه الیه والله الموافق

للصواب واليه المرجع والمآب. والله اعلم خادم الشريعة ببلدالله المحمية ابوبكر عجمي بيروني مفتي المالكية كان الله في عونه

ترجمہ

کیا فرماتے ہیں علمائے مکہ مکرمہ اس باب میں کہ ہمارے زمانے میں عامی کو ایک مجتہد کی چار اماموں سے تقلید واجب ہے یا جس کی چاہے علماء سے تقلید کرلے؟ اور دوصورتے کہ ایک امام کی تقلید واجب ٹھہری تو کیا تقلید شخص یعنی ایک ہی امام کی پیروی سب فروع میں جائز ہیں یا نہیں۔ بینوا توجرو

الجواب

ساری حمد وثنا خدائے یکتا کے لئے خاص ہے، جہاں کے مددگار سے توفیق اور مدد کا خواستگار ہوں۔ بے شک ہمارے زمانے میں ایک امام کی ائمہ اربعہ سے تقلید واجب ہے اُس پر جو درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچے، اور بہ تحقیق تقلید شخصی جائز اور پسندیدہ بلکہ حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک لازم ہے۔ پہلی بات یعنی ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی تقلید کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ ہر چند ان چار اماموں کے سوا کسی دوسرے مجتہد کی تقلید بھی عقلاً وشرعاً جائز ہے مگر چوں کہ سوا ان چار اماموں کے کسی کے مذہب کی تدوین اور قواعد کا ضبط اور عکسوں کا استقرار اور سب فروع کی تحریر عمل میں نہیں آئی ہے اس لئے ایک مجتہد کی چار اماموں سے تقلید واجب ہے کیوں کہ ان کے مذاہب بخوبی مدون ہوگئے اور قاعدے مضبوط اور احکام مقرر ہیں۔ اور بھی ان کے تابعوں سے سب مسائل عملی سے لکھے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر ہر جزئی خواہ اجمالاً ہو خواہ تفصیلاً منصوص ہے۔ امام محقق ابن الھمام نے کتاب تحریرالاصول کے خاتمے میں امام الحرمین سے نقل کیا ہے کہ محققین کا اجماع ہے اس پر کہ عام مسلمان، صحابۂ کبار کی تقلید سے منع کئے جائیں بلکہ تقلید پچھلوں کی کریں جنہوں نے امتحان سے مسائل بنائے اور پھر مذاہب مدون کرائے۔ اور اسی بنیاد پر ہے جو بعض متاخرین نے چار اماموں کے سوا کسی اور کی تقلید کو منع فرمایا ہے اس لئے کہ انہی چار مذہبوں میں ضبط اور تقیید اور تخصیص موجود ہے۔ چنانچہ ایسا نظام کسی اور مذہب میں نہیں ہے کیوں کہ ان کا تابع کوئی نہیں رہا اور تصریح متاخرین کی صحیح ہے انتہی۔ اور محقق ابن نجیم مصری نے بھی اشباہ کے پہلے فن کے پہلے قاعدے میں تحریر سے نقل کیا ہے کہ ان چار مذہبوں کے مخالف پر عمل کرنے میں اجماعی ممانعت ہے، انتہی۔ اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیۂ درمختار کے کتاب الذبائح میں بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ سب مسلمانوں پر فرقۂ ناجیۂ اہل سنت کا اتباع لازم ہے اس واسطے کہ خدائے پاک کی نصرت اور حفظ اور توفیق اہل سنت کی موافقت میں ہے اور غضب وعذاب الٰہی و رسوائی اہلسنت کی مخالفت میں ہے اور یہ فرقۂ ناجیہ آج چار مذہبوں میں

منحصر ہے یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اور جو شخص ان چار مذہبوں سے خارج وہ بدعتی اور ناری ہے، انتہی۔ اور محقق ابن حجر کی فتح المبین میں جو امام نووی کی اربعین کی شرح ہے لکھتے ہیں: لیکن ہمارے زمانے میں، پس بعض ائمۂ دین نے فرمایا ہے کہ چار اماموں کے سوا کسی دوسرے کی تقلید ناروا ہے کیوں کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے قاعدے مشہور اور احکام مقرر ہیں۔ اور ان کے تابعوں نے ہر فرع اور حکم کو لکھ دیا ہے کوئی حکم غیر منصوص نہیں خواہ اجمالاً ہو یا تفصیلاً، برخلاف دوسرے مذہبوں کے، کہ وہ ایسے محرر اور مدون نہیں، نہ ان کے قواعد مشہور ہیں جن سے احکام نکالے جائیں۔ پس ان کے محفوظ احکام میں بھی تقلید روا نہیں کیوں کہ کبھی کوئی بات کسی ایسی شرط سے مشروط ہے جو ان کے قواعد سے مفہوم ہے یعنی صریح مذکور نہیں، پس قیود اور شروط محفوظہ کا بھی اعتبار کم ہو گیا تو ان کی اب تقلید جائز نہ ہوئی، انتہی۔ پس ان منقولات سے ظاہر ہے کہ ہمارے زمانے میں عوام یعنی مجتہدین سے کم رتبے کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایک امام کی ائمہ اربعہ کی ائمہ اربعہ سے تقلید کریں۔ **دوسری بات** یعنی تقلید شخصی کا جواز اور لزوم پس اس لئے کہ وہ بہت مضبوط ہے اور حیلہ سے بہت دور ہے۔ اور اسکے ترک میں خوف لہو ولعب کا ہے مجتہدین کے مذہبوں سے، اور نیز ترک تقلید شخصی میں ایسے فساد لازم آتے ہیں جن کی اصلاح کسی اصلاح کنندہ سے غیر ممکن ہے، اسی واسطے بڑے بڑے نامی گرامی علمائے اہل سنت نے خواہ متقدمین میں سے تھے یا متاخرین سے اپنے امام کے مذہب کے لکھنے میں ایسی کوشش کی کہ وہ دوسرے مذہب سے غلط نہ ہو۔ اور محققین نے یہی اختیار کیا ہے کہ مقلد کو ہر واقعے میں اپنے امام کی ہی تقلید لازم ہے اور مخالفت امام کی گناہ ہے، انتہی۔ قہستانی نے مختصر الوقایہ کی شرح میں کتاب الاشربہ کے پہلے لکھا ہے جان لو کہ جس نے معتزلہ کی طرح حق کو متعدد قرار دیا اس نے عام مسلمانوں کے لیے ہر مذہب پر عمل کا اختیار ثابت کیا۔ اور جس نے اہل سنت کے طور پر حق ایک ہی مقرر کیا اس نے ایک ہی امام کی پیروی کو لازم گردانا، جیسا کہ کشف میں لکھا ہے پس جس نے ہر مذہب سے اپنے مطلب کے موافق لے لیا وہ فاسق گنہگار ہے جیسا کہ شرح طحاوی میں ہے۔ اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص عین شریعت اولی کے شہود تک یعنی رتبۂ اجتہاد تک نہیں پہونچا اس پر ایک ہی مذہب کی تقلید واجب ہے تا کہ گمراہ نہ ہو۔ اور اسی وجوب تقلید شخصی پر مسلمانوں کا عمل در آمد ہے، انتہی۔ اور محدث دہلوی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقد الجید میں لکھا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اسی کو ترجیح ہے کہ مقلد مذہب کو اپنے مذہب کی مخالفت ناروا ہے، انتہی۔ اور جس نے کہا کہ مطلق تقلید یا تقلید شخصی بدعت اور گمراہی ہے تو وہ خود بدعتی اور گمراہ ہے۔ اور اس کے قول پر لازم آیا کہ سواد اعظم امت مرحومہ کا گمراہی پر ہے۔ اور لاکھوں مقلد مسلمان جن میں بے حد علماء و اولیاء و صلحاء داخل ہیں۔ اور جن کی عظمت شان اور جلالت برہان وصلاح و تقوی وصلابت دینی پر اکثر اہل سنت متفق الکلمہ شاہد ہیں۔ وہ سب کے سب بدعتی اور گمراہ تھے اور بدعت و گمراہی پر مرے، پناہ بخدا! پھر پناہ بخدا! ایسے قول اور قائلین سے حالانکہ بے شک وہ سب ایسے نہ تھے جیسا کہ یہ لوگ ان پر گمان کرتے ہیں۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔ اور خدا پاک کا ہاتھ جماعت پر ہے

، جو جماعت سے نکلا ان سے آگ میں جا پڑا۔ پس لاکھوں خواص و عوام اہل اسلام مقلدین مذہب گمراہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ چند شخص منکرین تقلید کہ ان پر سخت خوف ہے کہ شیطان کے منظور ہو کر اسلام کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار دیں، حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے، جیسا کہ بکریوں کا بھیڑیا اکیلی اور کنارہ گیر کو پکڑ لیتا ہے اختلاف سے بچو اور جماعت و جمہور جاملو۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد نے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت اسلام سے بالشت بھر نکلا پس بیشک اس نے قلادہ اسلام کا اپنی گردن سے اتار دیا، روایت کیا اس کو امام احمد اور ابو داود نے، اور تعجب ہے ان جاہلوں سے کہ لوگوں کو اپنی تقلید کی طرف بلاتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کی تقلید سے ہٹاتے ہیں جن کے کمال علم و دیانت و پرہیزگاری و اجتہاد پر سب کا اجماع ہے، اللہ تعالی ہم کو اور ان کو نیک توفیق دے، اور خدا بہتر جانتا ہے یہ جواب لکھوا دیا عبد الرحمن بن عبد اللہ سراج مکہ مکرمہ کے مفتی نے اللہ تعالی ان کی مدد کرے حمد اور درود اور سلام سے ختم کرتا ہوں

مولانا مفتی الاسلام نے بہت عمدہ جواب کا افادہ فرمایا سبحان کی بزرگی ہمیشہ ہے

خدا یگانہ سب کو حمد ہے اور خدای سبحانہ کا درود و سلام ان پر جن کے پیچھے کوئی نبی نہیں اما بعد: میں نے مطالعہ کیا مکہ شریف کے مفتی الاسلام کے جواب کو جو سوال تقلید امام پر ائمہ اربعہ سے تحریر فرمایا ہے پس میں نے اس کو جواب صحیح مطابق مذاہب حقہ کے پایا اختلاف کی حالت میں اس تحریر کی طرف رجوع واجب ہے اور اس میں کفایت و قناعت ہے اس کے لیے جس کو توفیق سے مدد ملی اور خدای پاک کو بہت علم ہے یہ لکھوا امام احمد بن زید دحلان مکی شافعیوں کے مفتی نے حق تعالی اس کو اور اس کے والدین اور مشائخ اور دوستوں اور سب مسلمانوں کو بخشے

خدای لاشریک یعنی یگانہ کے لیے ساری حمد و ثنا ہے اور خدا کا درود ہو ان پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہے خدایا مجھ کو علم زیادہ دے اما بعد: پس میں مطلع ہوا اس سوال اور مکہ معظمہ کے جواب پر جو تقلید شخص کے ثبوت میں لکھا گیا ہے یہ عین صواب اور بیشک موافق مذہب کی تصریحات کے ہے اور چونکہ یہ جواب صحیح موافق شرع اسلام کے ہے تو اسی پر اعتبار کا دارومدار ہے اور بوقت اشتباہ اس کی طرف رجوع لازم ہے حق تعالی موفق ثواب ہے اور اسی کی طرف مرجع و مآب ہے

ابوبکر بن محمد بسیونی مکی مالکیوں کے مفتی نے یہ لکھا اللہ تعالی مدد کرے

حمد و سلام کے بعد علی بن محمد بن حمید مفتی الحنابلہ بمکۃ المکرمۃ

فتوی مفتیان حرمین شریفین

برد کتاب الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین

و به نستعین حامدا لله تعالی و مصلیا علی نبیه و اله اجمعین امابعد: فما قولکم دام فضلکم فی رجل یقول ان اکثر مسائل کتب الفقه خلاف القرآن والحدیث وان الائمة الاربعة رحمهم الله تعالی لیسوا علی الحق لا سیما الامام ابی حنیفة النعمان اقواله مخالفة للقران والحدیث وانه ما تلقی فی جمیع عمره الا سبعة عشر حدیثا و یزعم انه مخالف للقران والحدیث وشنع علیه تشنیعا فاحشا وصنف فی ذلک کتابا و سماه الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین و طبعه فافشاه و ذکر فیه بعض المسائل المذکورة فی کتب الحنفیة وسطر ایضا فی رقم مائة من الکتاب المسطور قائلا ان هذه لمخالفة للقران والحدیث وقال من قلد ابا حنیفة تقلیدا شخصیا فهو مرتکب بالحرام او مشرک واستدل بقوله تعالی "اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله" قال کل ذلک مخالف للقران والاحادیث الفلانیة واعرض عن الاحادیث التی استدل بها الامام رحمه الله تعالی وارضاه و هذا الاجل ان یصد الناس العمل بالفقه بقوله مسائل الفقه مردودة خصوصا مسائل الامام وینفر کل من عمل بها من عوام الناس و یدعوهم ویرغبهم فی العمل بالحدیث مطلقا سواء کان ناسخا او منسوخا ضعیفا او موضوعا حتی ترک الناس العمل بالکتب المعتبرة کالهدایة والنقایة والبحر والمنتقی والهندیة والکنز وشروحه والدر و حواشیه ویخرج کل من عمل بهذه الکتب المجلة والمعظمة عن الاسلام ویلقبهم بالمشرکین نعوذ بالله تعالی منه فما حکم هذا الرجل المصنف بهذا الکتاب ومن یعمل بکتابه افتونا ماجورین

الجواب

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا و هب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب حکم هذا الرجل متصف بالصفات بالمذکورة انه ضال مضل ساع فی الارض بالفساد و قد زین له سوء عمله فهو واتباعه من حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون ویحسبون انهم علی شئ الا انهم هم الکاذبون وقوله من قلد ابا حنیفة کان مشرکا ذلیل الا انه خارج عن جماعة المسلمین وقد ورد فی الحدیث الشریف اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فی النار وما یقوله فی حق الهدایة التی هی هدایة الی احکام الاسلام وفیما عطف علیها من المعتبرات التی تشرح صدور اولی الاعلام فهذه هفوة منه

نشير بزندقته. نعوذ بالله منها. وقد تقرر ان اهانة العلم والعلماء كفر خصوصا التكلم بالفاحشة في حق الايمة الاربعة رحمهم الله تعالى، وقد انعقد الاجماع خلفا عن سلف على وجوب تقليد واحد منهم، لان المجتهد مفقود بعد المائة الرابعة، كما في اذكار النووي حيث انه لم يوجد بعد هذا التاريخ من يستكمل شروط الاجتهاد، ومن ادعاه فدون ذالك خرط القتاد، ولاسيما اقدمهم الامام ابوحنيفة النعمان لا زالت منهلة على ضريحه الاقدس سُحُبُ الرحمة والرضوان، كيف؟ وقد ادرك جمعا من الصحابة، وممن جزم بذالك الحافظ الذهبي والحافظ العسقلاني وغيرهما. شهد له النبي ﷺ بالخيرية؛ لانه من التابعين بلاشبهة ولاريب، ففي الحديث الشريف مرفوعا خيرامتي القرن الذي بعثت فيه، ثم الذين يلونهم. الحديث من جامع الحافظ السيوطي. وروى الشيخان عن ابي هريرة والذي نفسي بيده لو كان الدين معلقا بالثريا لتنا وله رجل من فارس. قال الحافظ السيوطي هذا الحديث الذي رواه الشيخان اصل صحيح يعتمد عليه في الاشارة لابي حنيفة. وهو متفق على صحته. وفي حاشية الشرا ملسي، قال: جزم به شيخنا يعني الحافظ السيوطي من ان اباحنيفة هو المراد من الحديث ظاهر لاشك فيه؛ لانه لم يبلغ من ابناء فارس في العلم مبلغه احد. انتهى. وقد تبعه كثير من ايمة الدين وكل منهم الف بفضله واثنى عليه على رؤس الاشهاد بين المسلمين، فقد روى عن خلف بن ايوب انه قال صار العلم من الله تعالىٰ الي محمد ﷺ صار الي الصحابة، ثم صار الي التابعين، ثم صار اليٰ ابي حنيفة فمن شاء فليرض ومن شاء فليسخط انتهى. فيجب على كل من اراد ان لا يخرج عن جماعة المسلمين ان يباعد عن هذا الرجل الطاعن في ايمة الدين ويجب زجره الي الدرجة التي بها انتهى عن هذا العمل الفضيح والكلام في هذا المقام يطول وفيما حررناه كفاية عند ذوى الدين والعقول والله يقول الحق وهو يهدى السبيل.

نمقه الفقير محمد امين باليالحنفي مفتي المدينه منوره من ايمة الحنفية في مسجد خيرالبرية المدرس بالحرم الشريف النبوي

الحمد لله وحده ـ من مهد الكون استمد التوفيق والعون ـ الحكم في هذا الرجل انه ضال مضلّ، اقواله المسطورة بدعٌ وضلالةٌ لايقوله الا مبتدع خارج عن طريقة علماء الشريعة، وخصوصا نهيه عن اتباع الكتب المدوّنة في المذاهب الاربعة فانّ تلك المذاهب مستمدة من الكتاب والسنة ، فهي عبارة عن شريعة رسول الله ﷺ التي من خرج عنها كان محكوما بكفره، فيلزم على قول هذا الضال ان السواد الاعظم من امة محمد ﷺ اجتمعوا على الضلالة وان مائة الوف منهم من العلماء العظام والاولياء الكرام وغير المحصورين من الصلحاء الفخام الذين اتفقت كلمة جمهور اهل السنة والجماعة على جلالتهم وعظم درجتهم وصلاحهم وورعهم وصلابتهم في امر الدين كانوا مبتدعين ضالين وماتوا على البدعة والضلالة، حاشا ثم حاشا ان يكونوا كذالك، وقد قال النبي ﷺ ان الله لا يجمع امتي اوقال امة محمد على ضلالة، ويدالله على الجماعة، ومن شذ شذ في النار رواه الترمذي. وقال اتبعوا السواد الاعظم، فانه من شذ شذ في النار. فيجب على ولاة الامور ضاعف الله لهم الاجور ردع هذا الضال المضل بشديد النكال ولو بالقتل. نسأل الله التوفيق والهداية لاقوم طريق والله سبحانه وتعالىٰ

اعلم امر برقمه خادم الشريعة والمنهاج عبدالرحمن بن عبدالله سراج الحنفي مفتي مكة المكرمة كان الله لهما

حامدا ومصليا ومسلما لا شك في ان ذالك الرجل ضال مضل

حامدا ومصليا واصاب من اجاب والله سبحانه وتعالى اعلم بالصواب حرره محمد عبدالحق

عفى

ترجمہ

اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حمد بجالا کر اور اس کے رسول اور اس کی آل سب پر درود پہونچا کر بعدہ سوال ہے کہ آپ کیا فرماتے ہیں ۔ ایسے شخص کے حق میں جو کہتا ہے کہ بالتحقیق اکثر مسئلے فقہ کی کتابوں کے قرآن وحدیث کے برخلاف ہیں اور بے شک چاروں مجتہدین حق پر نہیں خصوصا امام ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے اقوال مخالف قرآن اور حدیث کے ہیں ۔ اور ان کو ساری عمر میں صرف سترہ حدیثیں ملیں ۔ اور امام قرآن وحدیث کے برخلاف عمل کرتے ہیں ۔ اور اس شخص نے امام صاحب کو بہت برائی سے یاد کیا ہے بلکہ اس بارے میں ایک کتاب بنام الظفر المبین فی رد مغالطات

المقلدین تیار کر کے اسکو چھپوایا اور پھیلایا ہے اور اس کتاب میں ایک سو مسئلے فقہ حنفی کے لکھ کر کہا کہ یہ سب قرآن و حدیث کے مخالف ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ جو کوئی ابوحنیفہ کی تقلید شخصی کرے گا تو وہ شخص حرام کار اور مشرک ہے بدلیل اس آیت شریف کے (اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله) یعنی پکڑا انہوں نے اپنے علماء اور زاہدوں کو رب سوا خدا کے۔ پھر کہا اس شخص نے کہ سب مسائل فقہ کے قرآن اور فلاں فلاں حدیث کے مخالف ہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن حدیثوں سے سند پکڑی تھی ان سے روگردانی کی یعنی انکو چھوڑ دیا اور ظاہر نہ کیا۔ اور سب کوشش اس لئے کی کہ مسلمانوں کو علم فقہ پر عمل کرنے سے منحرف کرے اور باز رکھے اور یہ بات سناتا ہے کہ فقہ کے مسئلے مردود ہیں خاص کر امام اعظم کے مسائل اور عوام الناس کو فقہ پر عمل کرنے سے نفرت دلاتا ہے اور ہر قسم کی حدیث پر خواہ ناسخ یا منسوخ ضعیف ہو یا موضوع عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایسا کرتے کرتے یہاں تک نوبت پہونچادی کہ لوگوں نے فقہ حنفی کی معتبر کتابوں پر مثل ہدایہ وقایہ و بحر رائق و منتقی و فتاوی عالمگیری و کنز اور انکی شرحوں و در مختار اور اس کے حواشی پر عمل کرنا چھوڑ دیا، کیوں کہ وہ شخص ان کتابوں پر عمل کرنے والوں کو اسلام سے خارج کر کے مشرکین نام رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس برے کام سے مسلمانوں کو اپنی پناہ میں رکھے۔ پس اس شخص اور ایسی کتاب بنانے والے کا اور اس کتاب کے پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کیا حکم ہے فتویٰ دیجئے حق تعالیٰ سے اجر پاؤ گے۔

الجواب

اے پروردگار ہمارے دلوں کو سچے دین سے منحرف نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہم کو ہدایت کی اور بخش ہم کو اپنی رحمت سے! بے شک تو ہی ہے بخشنے والا ہے۔ حکم اس آدمی موصوف صفات مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ اور زمین میں فساد پھیلانے والا ہے اور بے شک کافی ہے اس کے لئے اسکا بدعمل۔ پس وہ اور اس کے تابعدار شیطان کی جماعت میں داخل ہیں۔ خبردار ہو کہ یہ بے شک شیطان کی جماعت زیان کار ہے۔ اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اپنے پاس کوئی دلیل ہے خبردار ہو بے شک وہی وہی جھوٹے ہیں۔

اور قول اس شخص کا کہ امام ابوحنیفہ کا مقلد مشرک ہے یہ دلیل ہے کہ اس کی کہ خود وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہے۔ اور بے شک حدیث میں آیا ہے کہ نیکوکاروں کی بڑی جماعت کا اتباع کرو پس جو بڑی جماعت سے نکلا وہ دوزخ میں پڑا۔ اور ہدایہ جس میں احکام شرع کی طرف ہدایت ہے اور باقی معتبر فقہ کی کتابوں جن سے علماء کے سینے کھلتے ہیں ان دینی کتابوں کے حق میں اس شخص نے بیہودہ گوئی کی تو یہ بھی اس کی بدخصلتی ہے جیسے اس کے زندیق ہونے پر اشارہ ہے اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پناہ میں رکھے اور بے شک شرع میں مقرر ہے کہ علم دین اور علماء کی توہین کفر ہے خصوصاً چار اماموں کے حق میں برا کہنا جن پر خدائے پاک کی رحمتیں نازل ہیں اور بے شک پہلے پچھلے علماء کا اجماع ہے اس پر کہ ان چار اماموں سے ایک امام کی تقلید

واجب ہے کیوں کہ چوتھی صدی کے بعد پھر کوئی ایسا مجتہد نہ ہوگا جیسا کہ اذکار نووی میں لکھا ہے اس لئے کہ اس تاریخ کے بعد ایسا شخص نہیں پایا گیا جس میں اجتہاد کی پوری پوری شرطیں پائی جائیں اگر کسی نے یوں ہی دعویٰ کر دیا تو وہ باطل ہے خصوصا امام اعظم جن کے مزار پرانوار پر باران رحمت برس رہا ہے سب سے پہلے مجتہد مقبول واجب الاطاعۃ ہیں اور کیوں نہ ہو کہ انہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا اور وہ بے شک تابعی ہیں اور اس پر یقین کرنے والے امام ذہبی اور عسقلانی وغیرہما بہت سے اکابر علماء ہیں جب امام صاحب تابعین سے ہیں تو آنحضرت ﷺ کی شہادت کے موافق بہترین امت سے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آپ نے فرمایا میری امت میں بہتر صحابہ ہیں پھر تابعین۔ آخر حدیث تک روایت کیا اس کو امام سیوطی نے اپنی جامع میں اور صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما میں بروایت ابوھریرہ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا بخدا اگر دین اسلام ثریا سے لٹکا ہوتا یعنی زمین سے نکل کر ساتویں آسمان پر چلا جاتا تو فارسیوں سے ایک مسلمان اسے اتار لاتا۔ امام سیوطی نے کہا کہ اس حدیث صحیح میں امام اعظم کی طرف اشارہ ہے اور اسی پر اعتماد ہے اور حاشیہ شبراملسی میں لکھا ہے کہ شیخ مشائخ الحدیث امام سیوطی کا یقین کرنا کہ یہ حدیث صحیح امام اعظم کے حق میں ہے بے شک درست ہے؛ کیوں کہ فارسیوں سے امام صاحب کے برابر کوئی عالم ویسا نہیں ہوا، انتہی۔ اور بے شک بہت سے امامان دین نے امام صاحب کی تقلید کی اور سب نے آپ کی فضیلت کا اقبال کیا، بلکہ صدہا اہل اللہ نے آپ کی تعریفیں کیں، جیسا کہ خلف بن ایوب سے جو امامان دین اور اولیاء کاملین سے تھے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم رسول اکرم ﷺ کو عطا ہوا اور آپ سے صحابہ کو ورثہ ملا اور صحابہ سے تابعین کو پھر امام ابوحنیفہ کو علم پہونچا جسکا جی چاہے راضی ہو اور جس کا جی چاہے ناراض ہو، انتہی۔ پس جو شخص چاہے کہ دین کے دائرے سے نکلے تو اس پر واجب ہے کہ اس شخص یعنی ظفر مبین کے مصنف سے جو امامان دین پر طعن کرتا ہے۔ دور رہے یعنی اس کے ساتھ ہم سلام ہم کلام نہ ہو اور اس شخص کو ایسی تعزیر اور تنبیہ کرنا چاہیے جس کے سبب سے یہ دین میں خلل اندازی سے باز آجائے۔ کلام اس باب میں طویل ہے اور جس قدر ہم نے لکھا ہے دین دار دانشمندوں کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ راستگو اور ہادی حقیقی ہے۔ فقیر محمد امین بالی حنفی

مدینہ منورہ کے مفتی نے یہ جواب لکھا۔

مدینہ منورہ کی مسجد کے اماموں سے

مدینہ شریف کی مسجد کے مدرسوں سے

سب تعریفیں خدائے یگانہ کے لئے خاص ہیں جو جہاں کے پروردگار سے توفیق اور مدد کا خواستگار ہوں۔ اس شخص کا حکم یہ ہے کہ بے شک وہ گمراہ ہے اور گمراہ کنندہ۔ اس کی کتاب کے اقوال جو اوپر مذکور ہوئے ہیں بدعت اور گمراہی ہیں، بدبختی اور علماء شرع سے خارج ہونے والا ایسی باتیں کرتا ہے اور بالخصوص اسکا فقہ کی معتبر کتابوں سے روکنا پس بے شک یہ چاروں مذہب

قرآن اور حدیث سے نکلے ہیں اور یہی شرع محمدی ہیں جو شخص اس سے نکلا کفر میں پڑا اور گمراہ کے قول پر لازم آتا ہے کہ بڑی بھاری جماعت نیکوکاران امت مرحومہ کی گمراہی پر جمع ہوئی اور لاکھوں مسلمان (جن میں سے ہزارہا علمائے عظام و اولیاء کرام اور بے شمار نیکوکار جن کی عظمت شان اور جلالت برہان اور تقویٰ اور صلابت دینی پر سب اہل سنت بالاتفاق شہادت دیتے ہیں) بدعتی و گمراہ تھے اور بدعت اور گمراہی کی حالت میں مرے، حالانکہ یہ سب کے سب مقلدین گمراہ نہ تھے بلکہ یقیناً ہدایت پر تھے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ امت محمدیہ ﷺ کو گمراہی پر جمع نہ کریگا اور خدائے پاک کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے نکلا وہ دوزخ میں پڑا روایت کی اسکو ترمذی نے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بڑی جماعت نیکوکاران اسلام کا اتباع کرو پس جو شخص جماعت سے نکلا دوزخ میں جا پڑا پس حاکمان اسلام پر اللہ تعالیٰ ان کو دو چند اجر عطا کرے واجب ہے کہ اس گمراہ اور گمراہ کنندہ (یعنی مصنف ظفر مبین) کو سخت تعزیر سے دفع کریں اگرچہ قتل سے دفع ہو ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں توفیق اور ہدایت سیدھے راستے کی۔ اور خدائے پاک کو بہت علم ہے۔

امر کیا اس کے لکھنے کا خادم شرع عبدالرحمٰن بن عبداللہ سراج حنفی مکہ معظمہ کے مفتی نے۔

بے شک یہ شخص مصنف ظفر مبین کا خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔

جواب دینے والا مصیب ہے اور خدائے پاک اعلم بالصواب ہے۔

تقاریظ دلپذیر و عبارات بے نظیر

مثبتۂ مواہیر و دستخط علمائے دار العلم والعمل فرنگی محل و لکھنؤ

حامداً و مصلیاً و مسلماً مؤلف ظفر مبین محی الدین نے جس قدر اپنی تالیف میں غلو کر کے حضرات ائمہ مجتہدین و اکابر دین پر طعن نا روا کیا ہے علی الخصوص حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کو احادیث صحیحہ و نصوص صریحہ کی مخالفت کا بے جا الزام دیا ہے۔ جس سے جملہ مقلدین و غیر مقلدین متنفر ہیں اور ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ کی تلاوت کر رہے ہیں اسکے تلافی اور ازالے کے واسطے یہ کتاب فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین مؤلفہ جامع فضائل و فواضل مولوی منصور علی خان صاحب مرادآبادی کافی و وافی ہے اور ہر اعتراض کا جواب شافی ہے کہ میں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک جا بجا دیکھا ہے۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

حامداً ومصلیاً احقر نے اکثر مضامین کتاب الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین کے جا بجا دیکھے موافق عقائد اہل سنت وجماعت مقلدین حنفیہ کے پائے۔ فی الواقع واسطے جواب مغالطات ظفر المبین مؤلفہ محی الدین لاہوری کے کافی اور دافع مطاعن ائمہ مجتہدین کے لئے وافی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حررہ عبدہ الاحی الاثیم خادم العلماء والفقراء ابوالحیاۃ محمد عبدالحلیم عفا عنہ اللہ الکریم۔

من مقام فرنگی محل لکھنؤ ۲۵ جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ یوم الخمیس

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ خاکسار نے جو مضامین کتاب الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین کے دیکھے تو بہت صحیح اور حسب عقائد اہلسنت وجماعت مذہب مقلدین حنفیہ کے پائے ہر چند کہ مصنف کتاب کی استعداد بخوبی تمام ہم جانتے تھے یعنی معقولات میں یہ شخص بھی سیکڑوں میں ایک فرد ہے مگر اب اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ شخص جامع علوم دینیہ بھی ہے بڑی مشقت ومحنت کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور کل اہل اسلام کو عقائد باطلہ سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین فقط

حررہ اضعف عباداللہ محمد فضل اللہ حنفی مدرس اول عربی کیننگ کالج لکھنو

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ فی الواقع کتاب الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین مؤلفہ فاضل اکمل عالم باعمل مخزن محاسن خفی وجلی مولوی محمد منصور علی صاحب مرادآبادی ضاعف اللہ عمرہ ولم فیضہ کتاب لاجواب ہے بلکہ نیر ہدایت وصواب ہے فقیر حقیر نے جا بجا چند اقوال دیکھے بغایت صحیح پائے فیاض مطلق مؤلف کو اجر جزیل عطا کرے اور جملہ ناظرین وسامعین کو فائدۂ تام بخشے۔

حررہ محمد امان الحق تجاوز عن جرائمہ رب الفلق ابن مولانا الحاج محمد برہان الحق قدس سرہ الفرنجی محلی

باسمہ تعالیٰ۔ یہ کتاب فتح المبین بہت اچھی کتاب ہے۔ الظفر المبین کا جواب لاجواب ہے۔ اس کے مصنف نے رد اعتراض میں سعی بلیغ فرمائی ہے۔ اور بتائید ایزدی سے ظفر پر ظفر پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اجر عظیم عطا فرمائے اور معترض کو ہدایت کر کے آئندہ ایسے اعتراض باطلہ سے بچائے آمین۔

حررہ فخر الدین احمد عفا عنہ اللہ الاحد الفرنجی محلی

ھوالعلیم یہ کتاب فتح المبین بلاشبہ حسب تسمیہ فتح مبین بر مخالفین مقلدین ہے مضمون اس کا بلاشک ذریعۂ تائید دین ہے۔ مصنف کو خدائے تعالیٰ جزائے خیر دے کہ تصنیف ان کی فارق بین الباطل والحق الیقین ہے

حررہ الفقیر محمد عبدالوہاب عفا اللہ عنہ ابن مولانا ومرشدنا الحافظ المولوی محمد عبدالرزاق دام فیضہ فی الآفاق علی الاطلاق

ھوالہادی میں نے کتاب فتح المبین کو جا بجا سے دیکھا واقعی اسم با مسمی ہے جناب باری مؤلف کی سعی کو مشکور کرے اور سنت سنیۂ حنفیہ کو منصور۔

حررہ الفقیر محمد قیام الدین عبدالباری عفااللہ عنہ

ھوالحق یہ نسخہ نہایت عمدہ پسندیدۂ اولی الباب ہے ظفر مبین کا جواب لاجواب ہے اس کے مصنف نے تردید اعتراضات بیجا میں کوشش بہت فرمائی ہے بفضل ایزدی سے ظفر پر ظفر پائی ہے، خالق اکبر مصنف کو جزائے جزیل اور ثواب جمیل مرحمت فرمائے۔ اور معترض کو ایسے اعتراضات واہیات سے آئندہ بچائے۔ آمین یارب العلمین۔

حررہ الراجی رحمة رب الفلق خادم العلماء اهل الحق المدعو بمحمد لمعان الحق غفر الغفار ذنوبه وستر الستار عيوبه بن مولانا ومرشدنا الحاج المولوى محمد برهان الحق قدس سره الفرنجى محلى.

فی الواقع ایں کتاب فتح المبین در رد مغالطات محی الدین مؤلف ظفر مبین عدیم البدل ست بلکہ حجت مقلدین اہل سنت و دستور العمل ست کہ از مطالعۂ آں در دوام مکائد فرقۂ ظواہریہ نیا یند و بر جادۂ تقلید خود پایدار جا مانند مصنف عالی مقام دریں کتاب ہدایت انتساب کاری کردہ کہ در دفع ہر اعتراض دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ از قرآن و حدیث آوردہ کہ تا خصم نام نہاد عامل بالحدیث از تسلیم آں چارہ نباشد، تیر از ترکش و فتر شبہات آں درہم پاشد واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

كتبه ابو الجيش محمد مهدى عفاعنه الله الهادى ابن مولانا المولوى المفتى محمد يوسف الفرنجى محلى.

لا اله الا هو العلى الرب الحكيم. نحمده ونشكره على ما اصطفى مولانا ومقتدانا نبينا المصطفى بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله بالفتح المبين على الملحدين غير المقلدين لمن هو رسول من الله يتلو صحفا مطهرة فيها كتب قيمة فى الطريقة الانيقة الحنيفة القويمة والدين الثابت الى يوم الدين يريدون ان يطفئوا نور الله بافواههم ويابى الله الا ان يتم نوره ولو كره الكافرون ان الدين عندالله الاسلام ومن يبتغ غير سبيل الاسلام دينا فلن يقبل منه وهم فى الاخرة خاسرون. ونصلى ونسلم عليه وعلى المحبوبين المنسوبين اليه من آله البررة الفقهاء العرفاء وصحبه الخيرة الخلفاء الحنفاء وسائر الاحناف التابعين لهم باحسان، سيما الايمة الاربعة الذين هم للدين المتين اربعة اركان خصوصا على امامنا ابى حنيفة شريفة والحنفاء والخلفاء الاعلام منهاج الملة سراج الامة اعظم ايمة الاسلام اما بعد: شفیق صدیق، مظہر خلوص عمیق، جوہر آئینۂ علوم، گوہر قرینۂ فہوم، فضائل و شمائل نشان، مولوی محمد منصور علی خان

سنی المذہب حنفی المشرب مرآدابادی القام لازال کاسمہ بعلمہ محمد منصور اعلیٰ علی الخصام نے ان دنوں بمزید اہتمام کتاب نایاب مطبوع ارباب الباب مسمّی با الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین تالیف فرمائی۔ اور مقامات چیدہ سے ساعات عدیدہ میں اس خاکسار خادم صغار وکبار کے مطالعے میں درآئی۔ بملاحظہ تقریرات نجیدہ، وجوابات پسندیدہ، کاسرۃ الاسنان کے ہفوات مطاعن پرضغائن غیر مقلدین مجتہدین سے نسبت الحمدوین خصوص حضرات بابرکات حنفیہ عالیشان کثر اللہ الرحمٰن معاشر ہم فی کل مکان وزمان کے ساتھ اسانید صحیحہ وعبارات فصیحہ کے سزاوار تحسین وثناخوانی ومعانی ومبانی وبانی کی پائی، حلہ اللہ تعالیٰ وایاہ، والی مدارج الکمال رقاہ، ولم یجعل لبنی الکونین غیرہ، وجزاہ فی الدارین خیرا۔ آمین ثم آمین رب العلمین۔

حررہ الفقیر الحقیر المقر بالجرم والتقصیر حامل نعال العلماء والعظماء النعمانیۃ ومتشبث اذیال الاولیاء الاصفیاء الجیلانیۃ ابوالکرم محمد اکرم الانصاری النظامی محتداً والکنوی الفرنجی مولداً۔ تجاوز الرب الاکرم عما اجرم بکرمہ الکریم، وجعلہ کما کان اہلہ من ورثۃ جنۃ النعیم ابن مولانا الحافظ الحافظ المولوی محمد نعیم دام بالفیض العمیم۔

حامدا ومصلیا ومسلما۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ مولوی منصور علی خان صاحب مؤلف کتاب ھذا نے بہت قلیل زمانے میں محققانہ جواب ظفر تبیین کا دیا ہے۔ اور مکائد غیر المقلدین کو بعبارات وتقاریر محققین ظاہر وہویدا کردیا ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

حررہ العاصی محمد عبدالعزیز الفرنجی محلی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ۔

ھو الموفق۔ درحقیقت الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین جس کو جامع کمالات صوری ومعنوی مولوی محمد منصور علی خان صاحب مرآدبادی نے تالیف کیا۔ دریا کو کوزے میں بھردیا۔ تقریر بے نظیر وتحریر دلپذیر ہے بخصوص فرق متاولہ کے حق میں بے نیام شمشیر ہے۔ راقم آثم نے جابجا چند اقوال دیکھے صحیح ودرست پائے خداوند عالم مؤلف کو جزائے خیر عطا کرے اور سائر مستفیدین کو نفع بخشے۔

نمقہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفر اللہ الرحیم ابن مولانا المولوی علی محمد رحمہ اللہ الصمد الفرنجی محلی۔

میں نے فتح المبین اور ضمیمے کو جابجا دیکھا غیر مقلدین کے اعتراضات نفسانیہ کا اس میں کافی جواب ہے خداوند عالم مؤلف وصاحب ضمیمہ کو جزائے خیر عنایت فرمائے اور اس مؤلف وضمیمہ کو مقبول ومنتفع بہ کرے۔

حررہ خادم اولیاء اللہ الباری محمد عبدالباقی تجاوز عن سیأتہ یوم التلاقی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت میں کتاب مذکور غیر مقلدین کا پورا جواب ہے اور ضمیراس پر نور علی نور۔

حررہ خادم اولیاء اللہ الباری محمد عبدالہادی غفرلہ اللہ ذوالایادی یوم ینادی المنادی لاھل المدن والبوادی

نحمدہ و نستعینہ. مولوی منصور علی خان صاحب نے یہ کتاب فتح المبین بہت اچھی تحریر فرمائی۔ رد اعتراضات الظفر المبین میں فتح کامل پائی۔ کیوں نہ ہو ایک تو انہیں تائید مذہب حق حنفی منظور ہے۔ اور الحق یعلو ولا یعلیٰ مشہور ہے۔ دوسرے ان کا نام نصرت سے مشتق ہے۔ اور الاسماء تنزل من السماء حق ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور معترض کو راہ صواب دکھائے آمین ثم آمین۔

حررہ نظام الدین احمد عفا عنہ اللہ الاحد ابن مولانا الحافظ المولوی فخر الدین احمد القرتجی محلی۔

باسمہ سبحانہ۔ الحمد للہ الذی اصطفیٰ مولانا بالھدایۃ والملۃ الحنیفیۃ، وصدیٰ قلوبنا الی تقلیدہ فی الطریقۃ الشریفۃ، والصلاۃ والسلام علی رسول خیر الانام وعلی آلہ واصحاب المجتہدین فی شرائع الاسلام اما بعد۔ کیا ہم ہیں کیا ہماری زبان ہے۔ کہاں خداوند عالم کہاں اس کی شان ہے۔ کیونکر حرف شکر زبان پر لائیں کہ پیش گاہ عزیز میں بضاعت مزجات ہے۔ اپنے کو دیکھیں یا اس کو۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ کیسی کیسی نعمتوں سے ہردم ہم کو سرفرازی ہے۔ کیسی ہماری تنگ چشمی اور کیسی اس کی بے نیازی ہے۔ اس خاکی کالبد انسان کو عقل دے کر کیسا ممتاز کیا۔ جاء الحق وزھق الباطل کا مژدہ سنایا۔ کیوں کر احاطۂ نیازمندی سے قدم باہر رکھیں۔ اور کس طرح تقلید کو توڑیں۔ اور سر پھر اٹھائیں۔ کل اس کے احسان مند و ممنون ہیں۔ اس کے سامنے عاجز و سرنگوں ہیں۔ جس نے ذرا بھی سرکشی سے سر اٹھایا۔ ذلیل ہوا اور پچھتایا۔ چنانچہ سابق میں سرکشان خود بین و بدگویان اسلاف متین نے ظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین تصنیف کر کرکے اپنی لیاقت غیر معتبرہ کا ظاہر کیا۔ بزعم خود مجتہدان عالی شان پر غلطیوں کا الزام دیا۔ جہاں ناقص الیقین کو سبز باغ دکھایا۔ حضرات کبار کو اپنی بدتہذیبی سے نشانہ تیر ملامت بنایا۔ من عمل صالحاً طعن ولعن کیا۔ تیرھویں صدی میں لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا کے مضمون کو بیان کیا۔ چاند پر خاک ڈالی۔ اپنے منہ پر آئی۔ کیا فائدہ ہوا؟ بقول شخصے: لکل فرعون موسیٰ ولکل دجال عیسیٰ. بحمدہ تعالیٰ عزشانہ فاضل جلیل عالم نبیل صاحب طبع وقاد، وذوالایادی مولوی محمد منصور علی خان صاحب مرآدبادی نے کس متانت و دیانت سے جواب دیا ہے۔ اور کیسے عمدہ طرز سے مہذبانہ دلائل پیش کر کے خصم کو قائل کیا ہے۔ ماشاء اللہ! کیسی کتاب مستطاب فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین تالیف فرمائی کہ جس کے دیکھنے سے سرکش وہابیوں نے گردن جھکائی۔ حق تو یہ ہے کہ۔ فأتوا بسورۃ من مثلہ کی تفسیر کبیر ہے۔

کہ ہر دلیل اس کی برہنہ شمشیر ہے۔ ہر سطر اس کی خصم کے واسطے تیر جگر دوز ہے۔ اور ہر لفظ اس کا منکرین کے لیے شعلۂ جان سوز ہے۔ کتاب کیا ہے دستور العمل اہل سنت ہے کہ ہر نقطہ اس کا تیرہ دلوں کے واسطے چراغ ہدایت ہے۔ حق تعالیٰ اس کتاب سے مقلدین کے دلوں کو پر نور کرے۔ اور غیر مقلدوں کے تعصب و نفسانیت کو دور کرے آمین ثم آمین۔

حررہ خادم الطلبہ ابو الغناء محمد عبدالمجید غفر لہ اللہ الوحید ابن مولانا المولوی الحافظ ابی الحیاء محمد عبدالحلیم علیہ الرحمۃ اللہ الرحیم الفرنجی محلی۔

ھو الحکیم الحلیم۔ حامدا للہ المجید الحمید۔ ومصلیا ومسلما علیٰ رسولہ الوحید۔ وآلہ المکرماء۔ واصحابہ الرحماء۔ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین من الایمۃ والمجتھدین۔ سیما امامنا الاعظم، ومقدامنا المکرم، قطب دائرہ الشریعۃ والاحکام، ناظم نظام الملۃ والاسلام۔ سیدنا ابی حنیفۃ وصاحبیہ واتباعہ المتقین۔ جزاھم اللہ عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء الی یوم البقاء۔ اما بعد یہ تحالۂ نافعہ رد غیر مقلدین میں ایک بے بہا ذ دستور ہے۔ ہر جملہ اس کا مخالفین پر منصور ہے کیوں نہ ہو کہ فاضل نحریر، عالم عدیم النظیر، مشہور بین الاماثل والاقران مولوی محمد منصور علی خاں صاحب کی عمدہ تالیف ہے، برگزیدہ تصنیف ہے، جس قدر بتعمق نظر سراپا تفصیر کے دیکھنے میں آئی۔ فوائد سے مملو، زوائد سے خالی پائی۔ مضامین اس کے نہایت نفیس۔ عبارت اس کی بدرجہا سلیس۔ ہر سطر گویا سطر ہدایت ہے۔ ہر حرف برہان قاطع ضلالت ہے۔ خداوند کریم اپنے فضل عمیم سے اس کو مقبول فرمائے۔ اور بحرمت آں حضرت علیہ الصلاۃ والتحیۃ مخالفین کو راہ راست پر لائے۔

اللھم افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

حررہ الفقیر الی اللہ الوحید ابو الحسنات محمد عبدالحمید غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ ابن سلطان الشریعۃ برھان الطریقۃ مولانا الحافظ محمد عبدالحلیم مد ظلہ الظلیل وفیضہ العمیم الفرنجی محلی اللکھنوی

ھو العلیم الحکیم۔ للہ درُّ المجیب حیث اتی باجوبۃ صالحۃ منقولۃ فی کتب الفقھاء بترجمۃ مستحسنۃ مرۃً، وبتوضیح اخریٰ، فی دفع شبھۃ خلجۃ بتوھم ورودھا علی مخالفۃ اقوال المقلدین للحدیث والاخبار الصحیحۃ المرویۃ عنہ ﷺ بحیث صارت تلک الشبۃ ھباءً منثوراً من غیر تعصب واعتساف، بل بنظر الانصاف بالفاظ عذبۃ، وبیانات طریۃ۔ وکفیٰ بھذا، فمن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نورٍ ولو علی طور۔

وعین الرضی عن کل عیب کلیلۃ۔ ولکن عین السخط تبدی المساویا۔

حرره العبد الآسی محمد انور علی عفا الله الولی المرآد بادی — محشی کتب صرف ونحو ومعقول ومنقول مطبوعه و مصنف انوار الحواشی شرح نفیسی۔

المجیب مصیب فیما اجاب، فلله فیما اجتهد واصاب۔ نمقه العبد الراجی رحمة ربه الولی المدعو بمحمد عباس علی

مدرس مدرسہ جامع مسجد مراد آباد و برادر زادۂ حضرت مولانا موصوف الصدر

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم۔ پیداست کہ در وابرکون بقا وامری بزرگ تر از اصلاح دین خواستن وبا حقائق حق برخاستن نبوده است، وبخشایش ایزدی وتوفیق ازلی بجز کسانی کہ خمیر مایۂ شان ہمہ سعادت است وزیور پیرایۂ آنہا تمام کرامت، کسی را این دولت سرمد عطا نفرمود۔ پس بشارت باد فخر المعاصرین، حامی دین، نصیر الایمان، محی السنہ مولوی محمد منصور علی خان را کہ این عطیۂ کبری ارزانی داشتند، واعلام نصرتش بہ تیر وے بازوے ان حزب الله هم الغالبون برافراشتند، سکۂ کرامتش بچار حد تحقیق جاری، ونقد وقت مخالفان بہ روقت کساد بازاری، بحمد الله این جواب لاجواب کہ سواد وبیاضش عین صدق وصواب ست وحروف ومعانیش مقاصد رفیعہ واسرار مشکلہ حضرات سلف را فتح باب، الفاظش صورتی ست جان معنی حکمیہ، ودرو ورق ورقش آئینہ ایست پیکر تائید نفوس قدسیہ روبرو۔ وحق را کہ بتفسیر آیۂ کریمہ ان الله لا یهدی کید الخائنین ہم آغوش بود، بمصداق کریمۂ یحق الحق ویبطل الباطل ولو کره المجرمون پس وپیش میداشت، انفراغی واطمینانی بدست آمد، وپاے حقیقت بر صراط مستقیم با ثبوت وثبات یافت۔ وتقریرش چنان نقش تحقیق بست کہ خصم بیچارہ اگر منصف باشد زبان بہ تحسین نکشاید چہ کند؟ وبراہین عقلیہ ونصوص قطعیہ چنان بکرسی قبول نشستہ کہ طاعن شرمسارانہ زاوی خریدار گر بجادۂ تسلیم وتقلید قدم نہ نہد کجا رود؟ ہر چند سعادت طلبان موافق را از نشاط تردد رستگاری رسید، ودقائق ودقائق کامگاری بحر حرمان بر مخالف، دائیر تصحیح وتذییل سد باب گستاخی وشوخ چشمی شده، بعید تقلیل جنایت وامتناع منکر تخفیف عقوبت وتوفیق ندامت متوقع ست پس شکر فضلش بر مخالف وموافق واجب۔ ومن لم یشکر الناس لم یشکر الله۔ از انجا کہ از کتمان حق خموشیدن خصوصا بوقت حاجت واستشہاد وتکلم" ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فانه آثم قلبه "امری ست ممنوع، بنگوید سراپا معائب فتح محمد تائب کہ مضامین متفرقہ وجمعہ صحیح ایمین بچشم انصاف دیدم وبمیزان شعور وتحقیق سنجیدم، دعاویش صحیح، براہینش قوی، جوابش مسلم، بحثش مشکور، منعش مقبول یا قم، والله اعلم وعلمه اتم۔ العبد المذنب فتح محمد تائب عفی عنہ

ہو العلیم الحکیم۔ الحق کہ این نسخہ نسخہ ایست بی نظیر تأثیر، طبی در دفع مواد فاسدۂ مس قلب منکران تقلید بعزل اکسیر۔ مصنف علامہ انتصار بالحق کہ خودش نیز اسم با مسمّی منصور ست برد ہفوات وخرافات پوچ و پا در ہوائے مؤلف ظفر مبین علم خلاف انصاف در مصاف مخالفین سراپا انتصاب برافراشت، ودر دیدۂ حسد لافد بیان کور باطن خاک مذلت انباشت۔ جزاه الله تعالی احسن

الجزاء في الدنيا والآخرى وشكر سعيه الذى بذله لاحقاق الحق وهداء الورىٰ. نمقه الفقير الشهير بحافظ فتح محمد الفاروقي الحقير۔

حامدا ومصليا۔ بعد تحمید علام الغیوب، ونعت توحید ستار العیوب، ونعت سید الابرار وآل الاطہار، واصحاب الاخیار کے، اس احقر العباد واصغر الافراد نے کتاب فتح المبین جواب باصواب ظفر المبین کے اکثر مقامات کے جو غور سے دیکھا تو جوابات مجیب مصیب کو موافق اعتراضات ودافع مغالطات مؤلف ظفر مبین کے پایا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر مجیب لبیب کو عطا فرمائے اور ناظرین کو راہ راست تقلید سلف صالحین کی دکھائے۔

حررہ خادم الشرع المتین محمد شمس الدین عفی عنہ

ھو عالم الغیب۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مؤلف ظفر مبین نے محض نفسانیت اور تعصب سے فقہائے مجتہدین، خصوصا احناف مقلدین کی نسبت اتہام بے جا کیا ہے۔ اور مسائل خلافیہ میں ناحق کا الزام دیا ہے۔ سلف صالحین اور حضرات ائمہ دین پر جو کچھ اس نے اپنی خباثت اور جہالت سے مطاعن واعتراضات کئے ہیں اور اپنے زعم فاسد اور عقیدۂ کاسد اور طبع جامد میں غلط کو صحیح اور ضلالت کو ہدایت سمجھ کر بجائے خود میاں مٹھو بن کر شیخی کی ہے، اور عمل بالحدیث کا مدعی ہے یہ سب مکر وفریب کے رنگ تھے۔ دین کے پردے میں دنیا کمانے کے نئے ڈھنگ تھے۔ چنانچہ عالم باعمل مناظر بے بدل فاضل یگانہ علامۂ زمانہ مولانا محمد منصور علی خان صاحب نے اس کتاب فتح المبین میں ان کی دھوکے بازیوں کی ساری قلعی کھول دی اور بذریعہ جوابات دندان شکن کے خوب ہی ان کی خبر لی۔ اب ان کو اور ان کے تابعین کو چوں وچرا کی جا نہ رہی، خیریت ان کی اسی میں ہے کہ اس کتاب کو دیکھ کر سیدھی راہ اختیار کریں۔ اور اپنی کج فہمی پر بار بار پھٹکار کریں۔ ورنہ اگر چھیڑ چھاڑ سے باز نہ آئیں گے۔ اور ذرا بھی اس کی تردید میں قلم اٹھائیں گے۔ تو بالضرور ہمارے مولانا صاحب موصوف میدان معرکۂ مناظرہ میں علم اٹھائیں گے۔ پھر تو شدید قلم کی ٹاپوں سے ہر ایک کی سرکشی کو مثل نقش پا کے خاک میں ملائیں گے۔ اور جب تک کہ ہر مدعی سے حقیقت مذاہب اربعہ پر مچلکہ نہ لیں گے۔ اس میدان سے قدم نہ ہٹائیں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔

حررہ الراجی رحمۃ ربہ الولی محمد حامد علی عفا اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی

ھو الفارق بین الخطاء والصواب۔ اکثر مضامین اس کتاب فتح المبین کے بجواب ظفر المبین نہایت عمدہ اور لائق عمل اہل سنت وجماعت ہیں۔ اور باعث ہدایت وہابیاں سراپا ضلالت ہیں۔ کیوں کر نہ ہو کہ اس کے ہر ہر مسئلے کا مضمون موافق قرآن وحدیث کے صاف صاف ہے۔ جو جواب ہے بلا تعصب واعتساب ہے۔ سچ پوچھئے تو واسطے فتح یابی بہادران مقلدین میدان مناظرہ میں ہر فقرہ اس کتاب کا ایک ذو الفقار آبدار ہے۔ اور ہر سطر اس کی واسطے دفع فتنہ مخالفین کے ایک تیغ تلوار ہے۔ اور ضمیمہ تنبیہ الوہابیین کا تو کیا کہنا کہ اس کے ہر ہر مسئلے میں مصنف علام نے ایک عجیب التزام کیا ہے کہ مدعیان عمل

بالحدیث کو مخالفت سنت کا صریح الزام دیا ہے۔ اگر ان مخالفین کو کچھ بھی عقل ہو تو حق بجانب اہل الرائے کو جانیں اور دل سے حقیقت مذہب مقلدین کو مانیں، خصوصاً اس ضمیمے کو دیکھ کر راہ حق پر آئیں۔ لامذہبی کو چھوڑ کر مقلد بن جائیں۔ حق تعالیٰ اس فرقۂ ظواہریہ پر مقلدین اہل باطن کو پرتو ڈالے اور ان کو راہ راست تقلید پر لگا کر آزادی کی دلدل سے نکالے۔

آمین ثم آمین یا رب العلمین۔ حررہ العبد الفقیر محمد بخش عفااللہ القدیر

تقريظ العالم اليلمعي والفاضل اللوذعي
مولانا محمد ايوب الكويلى الاسرائيلى

الحمد لاهله، والصلاة على اهلها. وبعد فاني وقفت على رسالة معزية الى الذكي الاريب، الفهامة النجيب، ذي الايادي، المولوى منصور على المرآدبادي، مسماة بالفتح المبين، التزم فيها مؤلفها الذبَّ عن الامام الاعظم ابي حنيفة النعمان حيث اورد عليه رحمة الله بمخالفته لصريح الاحاديث والآيات البينات من بعض السفهاء المغرين الجامعين لبعض الرسائل الغير المميزين القشر عن الرطب، والغير المدركين المسبب عن السبب. ولله درُّه حيث خاطبهم بما افاد. واجابهم فقد اجاد، واتى بما حث خلت عنها الدفاترُ . وفرغت عنها الافئدة كابرا عن كابر، فلله هي من جنة قطوفها دانية، لايسمع فيها لاغية، وحصن مشيد على الشريعة الغراء، رفع على دعائم الادلّة التي لا ياتيها الباطل من بين يديها ولا من خلفها، ولا تنهض فئة الخصيم للقيام لديها، فانها متوارية من خوفها. سلّت منه صوارمُ الحجج القطعية على عقائد النجديين، ورمت بخُبثها شياطين من المبطلين. وقُطع دابرُ القوم الذين ظلموا، والحمد لله رب العلمين. واني ربما كنت اتردد فيما هم فيه مختلفون. واتحيّر في مبحث التقليد الذي تشكّك فيه المشكّكون. واتفحّصُ دلائل الفريقين، الذين وقعا في البون والبين. فتخصخص لديّ القولُ به، وايقنتُ حقّةً ان المذاهب الاربعة الحقة دار فيها الحقُّ، وانحصرَ، ولا ينكره الا معتدٍ مريب اشرٌ. كيف وانا لسنا بقادرين على ان نستنبط حكما الا وان نعول على ما قالوا ودونوه في اسفارهم. ولا نستطيع على افتاء مسألة الا وان نتكل على ما استخرجوه من جزئيات الاحكام في كتبهم. فلما اصبحنا على شاطئ العجز بما ترى، فيا اسفاه وواحسرتاه على ما فرّطنا فيه من ترك تقليدهم، والسبّ عليهم، وترجيح انفسنا على نفوسهم المباركة وارواحهم الطيبة، فالنجاء النجاء ياقومنا مما انتم فيه منهمكون. واستقيموا على الصراط السوىّ، وحذروا انفسكم مما انتم فيه مترددون، واعلموا ان في الاخذ بهذه

المذاهب الاربعة مصلحة عزيزة وفي طيّ الكشح عنها مفسدة كبيرة. هذا، وان عزمت على ان تحقق ذالك المبحث لديك بما هو عليه، فعليك باستيعاب مطالعة ضميمة انضمّت بتلك الرسالة المتبرقة، وهي لمولي الا دالي والا قاصي، العلامة الايجل، قدوة الكُمّل مولانا عبدالعلي المدارسي، ادامه رب السالم والاناسي، تجد ها شافيةً لدائك، كافية وافية لرواتك، وها انا قد القيت سلاحي، ولويت راسي تحت طي جنا حي، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين، ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين. وانا العبدمحمد ايوب الكويلي الا سرائيلي.

اس کتاب کے مضامین نافعہ و براہین قاطعہ، ورفع اوہام ومغالطات، ودفع شکوک وشبہات، وتنقیح معانی، وتوضیح مبانی کواللہ تعالیٰ ہدایت وحق بینی کا ذریعہ فرمائے۔

وانا العبد المفتقر الى الله الغني محمد المدعو باشرف على التهانوي الفاروقي الحنفي غفرالله ذنبه الخفي والجلي

تقاریر مثبتۂ دستخط و مواهیر علماء جون پور

بسم الله الرحمن الرحيم. حمداً لمن بحكمته استقامت المخلوقات، وصلوٰة وسلاما على سيدنا محمد اشرف المرسلين با لمعجزات، وعلىٰ آله واصحابه الطاهرين وازواجه الطاهرات، وبعد فقد سرّحت نظرى في رياض هذاالكتاب، الغني بشهرته عن المدح والا طناب، فوجدتُ مؤلف الضميمة المولوى الفاضل الخير الراسي مولانا محمد عبدالعلي الجعوري المدراسي، سالكاً مسلك المحققين اولي الالباب، في بحث تقليد الائمة المجتهدين ذوى الاداب، فجزاه الله خير الجزاء، الله الملك الوهاب.

حرره العبد الارذل عبده عبدالاول عفاعنه الله الاجل

بعد حمد خداوند عالم، ونعت رسول معظم ﷺ وآل وصحبہ وسلم، بر سالکان جادۂ رشد ورشادمخفی ومحتجب مباد کہ دریں عالم کون وفساد منکران تقلید یا اہل تقلید بغض وعناد وست وتفرو تضاد

داد داد از دست ایشاں داد داد	کایں فساد و ایں عناد و ایں تضاد
ان في تقليد اهل الاجتهاد	جاء حفظ الدين من وجه السداد
یا رب اندر عالم کون و فساد	خانۂ لا مذہبی برباد باد
کژ دم لا مذہباں پر عناد	کفپائے شیخ نجدی روسے داد

بہر و نعش آں روشن سواد | داد تقلید از دلائل خوب داد

بانصوص آں کروش استناد | ہم بر اخبار صحیحش اعتماد

در ضمیمہ طرح قسمش خوش نہاد | قرعۂ تحقیق بر نامش فتاد

بخت چوں دیدم ضمیمہ شاد شاد | دستخط کردم براں ہم مہر وصاد

پس دعای خیرش آوردم بیاد | عُذّہ شرّ المُغفر یا ربّ العباد

قاله بفمه، ورقمه بقلمه، خادم الاطباء والحافظين محمد قيام الدين عفاعنه ربّ العالمين

حرره الفقير الاثيم   العبد الاواه هدايت الله   مهرالعبد محمد محسن

تقاریر مثبتۂ دستخط ومواہیر علمائے تحریر وفضلائے مشاہیر شہر کانپور

هو الفتاح العليم. الحمد لله وحده، الذي صدق وعده ونصر عبده، والصلوة والسلام على من لانبي بعده۔ امابعد، اس کتاب لاجواب مسمّٰی بالفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین کو خاکسار نے دیکھا مؤلف علام نے اس کو نہایت تحقیق وصحت سے لکھا۔ شاہد مقصود کو دلائل متلالی نصوص آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے مزین فرمایا۔ مضمون صدق مشحون۔ "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" کا جلوہ دکھایا۔ دفع جدال والزام الدالخصام بجلا حسن کیا۔ جواب باصواب دندان شکن دیا۔ دلائل عقلیہ سے اس کو آئینہ حق نما بنایا۔ صیقل براہین قطعیہ سے زنگ تعصب کو مٹایا۔ فی الواقع یہ قول منصور ہے۔ اس میں کلام حق مسطور ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے مؤلف علام فطین فہام عالم عامل، فاضل کامل مناظر بے نظیر، متکلم تحریر والا مناقب، مولوی محمد منصور علی خان صاحب مرآدبادی سلمہ الباری کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آفات دارین سے بچائے۔

جعله الله تعالى كاسمه منصورا، وكان سعيه مشكورا. كتبه العبد الراجي مغفرة الله القوى محمد عبدالغفار اللكنوى ثم الكانفورى.

هو الملهم بالصواب. حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب فتح المبین کے شائع ہونے سے ظفر المبین پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی۔ اور اس کے مؤلف محی الدین کی ساری وقعت جاتی رہی، تمام لاہور اور بلاد ہندوستان میں فتح المبین کا ایسا ہتھیار پایا کہ جس کے مقابلے میں غیر مقلدوں سے چھکے چھوٹ گئے آگے گا۔ اور جو کسی نے ذرا بھی چوں چرا کی تو مقلدوں سے قائل معقول

ہو کر حسد کی کھائے گا۔ حق تعالیٰ اس کتاب کے مصنف علامہ اور اس کے دیکھنے والوں کو منکرین تقلید اور طاعنین فقہ پر ہمیشہ مظفر و منصور رکھے۔ اور ان لامذہبوں کے تزویر و فریب سے ہر وقت ہم کو دور رکھے۔

آمین یا رب العالمین۔ حررہ العبد المذنب محمد یعقوب تجاوز عن عمله المعیوب علام الغیوب وستار العیوب۔

بسم الله الرحمن الرحیم

حامدا لله علی آلائه، ومصلیا ومسلما علی افضل رسله وخاتم انبیائه۔

بعد ازیں مخفی مباد کہ درین وقت کساد بازار علم بعضے از کم مایگان، جہالت نشان، حرفی چند از ترجمہ اردوئے مشکوٰۃ شریف وغیرہ دریافتہ خود را در عداد علما گرفتہ اند، و طعن و تشنیع بر اکابر مجتہدین و سب و شتم علمائے ربانیین را ذریعہ شہرت خود فہمیدہ، درین راہ پر خار کورانہ رفتہ اند، واز جہل مرکب و سوء ادب کہ در جبلت این طائفہ مخمر ست، علم بعض احادیث را کہ بر جملہ احادیث دانستہ، اگر کدامی مسئلہ فقہی را خلاف حدیثی در نظر خود می پندارند، علی الاطلاق مخالف کتاب و سنت انگاشتہ بر مجتہدان دین زبان سب و شتم می کشایند۔ از ان جملہ شخصی ست کہ کتابی در تجہیل و طعن و تشنیع ائمہ دین، موسوم بالظفر المبین فی مغالطات المقلدین بعرض تحریر در آوردہ بے علمی خود را بر اہل علم آشکارا گردانید، و از کمال تعصب و نفسانیت مخالف حدیث نبوی "لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی" مبالغات مکروہ خود را از کجا تا کجا رسانید۔ اگر چہ این ہمہ گمرہی و بے راہ روی او بجز تقلید عامیان و بغرض انحراف جاہلی از تقلید مجتہدان بود، لیکن از ان جہت کہ خدائے تعالیٰ برائے ہر مطلبے ... و برائے ہر شوریدہ سرے سرکوبی مقرر فرمودہ است، وحید عصر عالم متبحر حاضر جوابی، مولوی محمد منصور علی خان مرادآبادی حفظه الله مؤیدا بالأیادی، فکان منصورا علی الاعادی، کہ ہمہ روز بعنوان ... برسبیل رشتہ تالیف این کتاب رسالت اصحاب را با کمال تحقیق بر کشود، و بمصقل قلم ہدایت رقم زنگ تجہیل و رنگ ترجیح از آئینہ "الحق یعلو ولا یعلی" بزدود، فصار کیده فی نحره، وامن المؤمنین من شرّه وضرّه. بارک الله في علم هذا المؤلف وعیشه وذات یده، وأیده بتحقیق الحقائق في ردّ الباطل وطرده، هذا، وانا العبد الراجي شفاعة النبي الأمّي التهامي محمد عبدالله بن الحاج السید آل احمد الحسیني الواسطي البلجرامي رزقهما الله النعیم المقیم، وجعل مآلهما الی دار النعیم۔

هو الحق المبین. اما بعد الحمد لخالق الکل، والصلاة علی افضل الرسل وعلی آله

واصحابه هُداة السُّبُل۔

اس احقر، خادم الطلبہ نے ان ایام میں جو کتاب فتح المبین جواب ظفر مبین کے متعدد مقامات کو دیکھا تو فی الحقیقت یہ کتاب لاجواب سراسر صواب ہے، مضمون اس کا موافق ماقال الرسول والاصحاب ہے، پسندیدۂ اولی الالباب ہے۔ قابل ہدیۂ احباب ہے۔ رعایت قواعد اصول و فروع میں دلیل نایاب ہے۔ تحریر عاقل میں مؤلف ظفر مبین جو صاحب شتم وسباب ہے، جس کے نزدیک ائمہ ہدیٰ کو برا کہنا ثواب ہے قابل عتاب ہے۔ اور مستحق عقاب ہے۔ کیوں کر فتح المبین کی تعریف نہ کی جائے، مؤلف اس کا عمدۃ الاماثل، معتمد علیہ الاماثل، برگزیدۂ اقران، فخر زمان، فاضل اجل عالم اکمل، مقبول بارگاہ لم یزل، مولوی محمد منصور علی سلمہ ربہ العلی ہے۔ خداوند کریم حضرت مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے، اس کے مقابل کو عناد اور تعصب سے بچائے آمین ثم آمین۔ حررہ الٰہی بخش مدرس مدرسہ فیض عام کانپور

هو الملهم للصواب۔ میں نے اس کتاب کو جابجا دیکھا، جواب شافی تو ہر جگہ پایا، مگر بعض جگہ تو نہایت ہی عمدہ دندان شکن جواب دیا ہے۔ اس میں عمدگی جواب کے علاوہ یہ امر بھی لائق تحسین ہے کہ ایسے غیر مہذب فرقے کے مقابلے میں مصنف علام نے تہذیب و متانت کو نہایت دخل دیا ہے۔ جزاه الله تعالیٰ خیر الجزاء۔ کتبه الفقیر الی الله الغنی محمد علی اصلح الله حاله الخفی والجلی۔ فقط

تقاریظ بلاغت مضمون وتقاریر فصاحت مشحون علمائے بریلی وبدایوں وسنبھل

هو حافظ دین الاسلام: بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ شریعت حقہ اسلامیہ میں اختلاف ائمہ صحابہ وعلماء کا موجب رحمت حق سبحانہ کا ٹھیرا دیا گیا ہے اور احادیث کا اختلاف بھی بیان حلت و حرمت وغیرہ میں بخوبی ہو چکا ہے، لیکن من جملہ ائمہ اربعہ مجتہدین اہل سنت کے جس مجتہد کی تقلید در صورت عدم طاقت اجتہاد کے کی جائے گی موجب نجات ہے۔ اور اپنے نفس کی لذت کے واسطے حلال و حرام کو بدل دینا اور برائے نام کبھی حنفی اور کبھی شافعی بن جانا محض خرافات۔ اور طعن کرنا خاص کر حضرت امام صاحب پر سراسر گمراہی ہے کہ اجتہاد اور تقویٰ اور ورع اور تبحر آپ کا مسلم جمہور ائمہ دین ہے اس کا انکار کرنا وسوسۂ شیاطین۔ پس اس زمانے میں گمراہوں نے باتباع روافض کے جو رسائل طعن مسائل حنفیہ میں لکھے ہیں۔ وہ مطاعن یک قلم باطل ہیں کہ احادیث واقوال صحابۂ کرام سے وہ سب مسائل ثابت ہیں۔ چناں چہ اہل سنت نے اپنے رسائل میں اس کی تحقیق کر دی ہے۔ خاص کر یہ رسالہ کہ جس کا نام نامی فتح المبین ہے جابجا میرے دیکھنے میں جو آیا تو میں نے اس کو تحقیق حق کے ساتھ بخوبی موصوف پایا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور گمراہوں کو راہ ہدایت پر لائے

کتبه عبدالقادر بدایونی عفی عنه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے نزدیک یہ کتاب فتح المبین نہایت مفید اور نافع ارباب تقلید ہے اور ادلۂ سمعیہ وقیاسیہ مندرجہ اس کتاب کے درست وسدید مبنی بر صراط مستقیم ونہج رشید۔ اور کیوں نہ ہو مصنف کتاب مولوی منصور علی خان صاحب مرادآبادی حفظہ اللہ تعالیٰ عن شرور الاعادی سے میں خوب واقف ہوں، واقعی نہایت ذی استعداد، صاحب طبع سلیم ومذہب مستقیم ہیں۔ ایام تحصیل میں بھی جب اس بندۂ حقیر ہیچمدان ناکارۂ زمان پر اکثر عنایت فرماتے تھے اور اپنے حسن اعتقاد سے بعزیمت استفادہ، بہنگام انتصاب بندہ، بمدرسی اول مرادآبادی بعض کتب معقول بصورت سبق سناتے تھے تو خود رنگ استقامت ان کی ناصیۂ حال سے ظاہر ونور سلامت ان کی پیشانی پر تاباں ودرخشاں تھا اور طبیعت گونہ سیالہ ووقادہ، وقوت مدرکہ جیدہ ونقادہ تھی۔ اگرچہ حنفیہ کی جانب سے اس باب میں بکثرت کتب مشتمل بر اجوبۂ دنداں شکن تصنیف ہوگئی ہیں، بندے کو مزید حاجت کچھ تحریر کی نہیں ہے تاہم اس قدر برادران اہل اسلام کی خدمت میں التماس مختصر ضروری تصور کرتا ہوں کہ شیوع اس قدر اس طریقۂ بے قیدی ومطاعن ائمہ خصوصا رئیس المجتہدین ورأس المحدثین امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ کا اس وجہ سے ہوا کہ اکثر کم استعداد اشخاص ارباب اذہان قاصرہ نے جب ان ظواہر احادیث کتب مروجۂ شافعیہ وغیرہ مشکوۃ مصابیح وترمذی یا انکے تراجم کا مطالعہ کیا جو اکثر مقصور بر احادیث مناسبۂ مذہب شافعی ومالک وغیرہما ہیں۔ اور مضامین ظاہرہ سے بجانب بواطن معانی ومغز ولب لباب مقصود بغور وفکر خالص انتقال کرنا ان کے قوت سے باہر تھا۔ اور نہ طرق استنباط مسائل سے کچھ مناسبت بلکہ اجنبیت محض۔ علاوہ ازاں (وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم) جو کچھ ان میں کسی قدر اہل علم بھی تھے وہ اس قدر غبار تعصب ونفسانیت میں آلودہ، اور بحر کینہ وخلاف وکدورت سینہ میں حنفیہ کے مستغرق، کہ موارد انصاف ومواد تحقیق وتنقیح مقام سے بمراحل بعید۔ اس پر یہ اور باعث جرأت وجسارت کہ مسانید وکتب حدیث حنفیہ مثل شروح عینی وعسقلانی وغیرہ بر بخاری، وشروح مشکوۃ از جانب حنفیہ ومعانی آثار طحاوی وشرح عینی بر معانی آثار ومسانید امام ودیگر مویدات حنفیہ اکثر کمیاب یا نایاب۔ ان وجوہ اور ان کے امثال سے ان اذہان قاصرین میں یہ خیال بندھا کہ یہ مسلک حنفی مبنی بر مجرد رائے عقل، مثل فلسفہ مخالف احادیث صحیحہ نبویہ ہے۔ اور اگر کہیں کوئی حدیث مطابق بھی ان کے آگئی تو وہ ضعیف ہے، کیوں کہ صحاح وحسان تو محصور انہیں صحاح ستہ میں ہیں اور اسی وجہ سے ان کا اصحاب الرائے نام رکھا گیا ہے۔ کشف ان وساوس وشبہات کا اگرچہ قرار واقعی اس ناچیز نے اجوبۂ راضیہ اور مقدمۂ حواشی شرح وقایہ میں کر دیا ہے۔ مگر اس وقت اس سے قطع نظر کرکے صرف اس قدر عرض پر اکتفا کرتا ہوں کہ حنفیہ کی جانب ہر ہر مسالۂ خلافیہ میں نصوص قرآنی واحادیث، بکمال صحت وقوت متن وسند بکثرت موجود۔ موافقت مذہب امام احمد حنبل کی جو مبنی بر ظواہر احادیث وآثار ہے مذہب امام الائمہ اکثر مسائل میں ادل دلیل ہے مطابقت مذہب حنفی کی ظاہر اخبار وآثار کے ساتھ۔ خیر ان سب سے درگزرے تو جس طرح ہم عامیان بے دست وپا کو مسائل اجتہادیہ غیر منصوص میں بدون تقلید کوئی چارہ نہیں

ہے اسی طرح مسائل منصوصہ خلافیہ میں بھی بغیر تقلید امام کوئی صورت بطور استقامت ممکن نہیں ہے۔ یہ موازنہ ہر دو کفہ جانبین
کا اور رجحان ایک پلے کا بنظر امعانی و تعمق در جملہ نصوص متعلقہ مسائل با مراعات جمیع اطراف و جوانب مراتب و مدارج از روی
یقین و جزم، و مراتب مختلفہ ظن، و اسانید و متن از روی رجال و اضطراب، و دلالت و اقتضا و صراحت و اشارت وغیرہ ذالک، حصہ
انہیں ائمہ مجتہدین، بالخصوص اربعہ متناسبہ کا تھا، جو بہمہ تن اسی نقادی اور پرکھنے میں باکمال افراغ جہد در طریق اجتہاد یہ تمام
عمر اپنی جان صرف کر گئے۔ اور وہ بھی بوجہ سہولت اسباب و قلت آرا و اختلاف و قدسیت و ملکیت نفوس، و آلاف برکات و انوار
قرب عہد نبوی یہ امر متعذر الحصول بارادۂ تائید و تفضیل دین محمدی ان کی ارواح مقدسہ کو عنایت کر دیا گیا تھا۔ ذالک فضل اللہ
یوتیہ من یشاء۔ ورنہ ذرا غور فرمائیے کہ کتاب صحیح بخاری جو در باب صحت بعد کتاب اللہ الباری معدود ہے۔ اس کے رجال
احادیث میں بھی بکثرت کلام موجود، اور انتقادات دار قطنی وغیرہ مشہور و مشہود۔ ہاں، یہ کہئے کہ رجحان اس میں بجانب توثیق و
تعدیل ہے، مگر اختلاف میں شک نہیں، پھر اگر حدیث صحیح باصح الاسانید بھی مل جائے تو عمل اس پر اس وقت ممکن ہے کہ منسوخیت
اس کی معلوم ہو اور کوئی معارض عقلی و نقلی راجح یا مساوی موجود نہ ہو، ناسخ و منسوخ کے علم کی یہ کیفیت کہ جس قدر اہتمام و اعتنا
بشان اس بارے میں بلکہ عامہ ابواب میں کلام باری کا کیا گیا ہے، اور مساعی بلیغہ جلیلہ، و جہود وشیلہ جزیلہ اس میں صرف
کیے گئے ہیں۔ اس کا عشر عشیر بھی دوسری شی میں نظر نہیں آتا۔ اور اس نظم معجز کے نسخ تلاوت و نسخ حکم وغیرہ کی باتم تفصیل بحث
و تفتیش کی گئی ہے تاہم جو اختلاف تعداد منسوخات و تعیین ناسخ منسوخ میں بکثرت واقع ہوئے، وہ کسی قدر مطالعہ تحبیر اتقان
سیوطی سے ظاہر ہیں۔ پھر احادیث کا کیا حال پوچھنا ہے کہ تواریخ ارشاد کا علم تو اور چیز ہے، شان ورود بھی اکثر میں نامعلوم۔ اور
اگر کچھ علم ہوا بھی تو اکثر بطریق ضعیف۔ ہاں، البتہ وہ زمانہ قرب عہد کسی قدر صالح رمز اور تنقیح و تنقید تھا جس سے کوئی امر ایسا
حاصل ہونا ممکن تھا کہ اس سے طبیعت کو سکون و طمانیت حاصل ہو جائے اگرچہ بطور قطع و جزم دشوار ہو۔ پھر معارض کو خیال کیجئے
کہ فقدان معارض عقلی کے مقامات تو شاید کچھ نکل بھی آئیں، اگرچہ عدم علم سے علم عدم ضروری نہیں ہے مگر معارض نقلی کے مفقود
ہونے کا علم ہونا تو ایسا امر متعسر بلکہ قریب بہ متعذر ہے کہ غالبا یہ انہیں نقادین سلف مجتہدین کا حصہ تھا۔ اس وقت میں تو اگرچہ
کوئی مجتہد مطلق ان سے اعلیٰ درجے کا بھی پیدا ہو تو بظاہر ماورای امام مہدی موید بتائید غیبی کے اس امر پر باتم طریق حاوی و
قابض ہونا اس کا محال عادی نظر آتا ہے۔ اس واسطے کہ یہ بھی ایک قسم کا معارض نقلی ہے کہ جو مشاہدہ بعض شریعت غرای حنفیہ سے
اصول شرعیہ مقررہ کے اکناہ و حقائق بخط سرایت و حلول فی مواد الشریعۃ معلوم کر کے اس کے انہار و بحور کے سیلان و روانگی یا
امالۂ اشکال و اعماق مجاری کے طرق و مناہج پر وقوف کلی حاصل کیا جاتا ہے جو مخصوص موہوب انہیں ارباب اجتہاد و مکاشفان
شریعت کے ساتھ تھا، یہ مضمون خبر اس صحیح اور اس نمط روانگی و طرز سیلان و جریان کے مخالف نہ ہو۔ چنانچہ موضوعیت حدیث بھی
بعض جگہ ان مجاری ظاہرہ کے وقوف سے ارباب تحدیث نے دریافت کی ہے، مگر تدقیق نظر و تعمق فکر اس باب کی، جو ان ارباب

اجتہاد کو حاصل تھی، اصحاب تحدیث کو اس میں سے حصہ یسیرہ حاصل تھا۔ بلکہ بعنایت تقریر جلی اس امر کی عنایت ہوئی تھی۔ اور ایک قسم معارض نقلی کی یہ ہے کہ مضمون خبر کسی صریح آیت یا ظاہر نص و مفسر و محکم یا اشارت و دلالت و اقتضا یا عموم و اطلاق یا خصوص و تقیید کسی آیت کریمہ کی معارض و منافی ہو۔ اور ایک قسم معارض نقلی کی یہ ہے کہ کسی دوسری صحیح کے مخالف ہو، گو وہ حدیث صحیح مابین دفتین بخاری یا مسلم مکتوب مسطور نہ ہو، خواہ رجال اسناد اس کے رجال صحیحین یا احد الصحیحین ہوں یا نہ، اور علی شرط البخاری یا مسلم ہوں یا نہ ہوں، مگر وہ حدیث ان کی قوت ضبط و عدالت سے واصل بدرجہ صحت ہو، بلکہ حسن بھی معارض صحیح اس وقت ہو سکتی ہے کہ قوت دلالت و مزید صراحت و قطعیت مدلول میں صحیح سے بعنایت اقوی ہو۔ اور ایک قسم معارض نقلی کی یہ ہے کہ مضمون خبر کی وہ حدیث معارض واقع ہو کہ گو بعید روات ساقطہ بہ نسبت ہمارے اس طریق وصول سے اس میں ضعف ناشی ہوا ہو، مگر زمانہ مجتہد معتدل تک کے روات میں ضعف اصلا نہ ہو، اور وہ استدلال اس کا بہمہ وجوہ تام ہو۔ اور شاید کہ اکثر احادیث حنفیہ میں اگر ہو تو اسی طرز کی مطعونیت لاحقہ زمانہ مابعد امام طاری ہوگئی ہوگی۔ جس سے مسائل امام میں کچھ اختلال نہیں ہو سکتا جیسا کہ شیخ عبدالحق بھی شرح سفر السعادۃ میں تحریر فرماتے ہیں بلکہ بعض متعصب نفس روایت امام سے اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں نہ بروات مابعد، و نہ بروات ماقبل، جیسے حدیث نہی قرأت فاتحہ خلف الامام اور فقدان ایسے معارضات کا علم بدون احاطہ و تحقق کامل جمیع احادیث مرویہ صحاح و سنن و مسانید و مستدرکات و مصنفات و معاجم و دیگر اصناف تصانیف حدیث علی وجہ الاستیعاب مع الامعان الکامل کے نہیں ہو سکتا، جن میں سے آج کل کے محدثین اہل تخفیف کو اکثر کے نام بھی مسموع نہ ہوئے ہوں گے، چہ جائے کہ معاینہ صورت، چہ جائے عبور و مطالعہ، باقی احاطہ و استیعاب اور اس پر غور کامل تو اور چیز ہے۔ علاوہ ازاں یہ اسباب مہیا بھی ہوں تو حصر جمیع کتب اس مقدار مہیا میں ممنوع بلکہ غیر ظاہر، اور بفرض محال وہ حصر بھی مسلم تو حصر جمیع احادیث صادرہ کا اس مجموعہ میں کیا ثبوت؟ کل متفرقات کے تحقیق لا یشذ عنہ شئ مکتوب بمدان ہونے پر کیا دلیل و برہان قائم ہے؟ محتمل ہے کہ مثلا امام کو وہ حدیث پہنچی ہو جو ان میں غیر مدون ہے، پھر ہماری عقل بلا وجہ ثبوت جانبین فیصلہ مقدمہ کر دینے پر کس طرح قادر ہو سکتی ہے، یا کسی جانب کو ترجیح دی جا سکتی ہے؟۔ اور ایک قسم معارض نقلی کی یہ ہے کہ یہ مضمون خبر کسی حدیث مشہور المحوی، یا اقوال و تعامل و عملدرآمد صحابہ یا مذہب راوی کے صراحۃ مخالف ہو، یا بروایت واحد فیما یعم بہ البلوی یا متعلق اجراء احکام و حدود و یا بعدم علم خلفائے راشدین ہو، یا باوجود اہم فرائض عامہ و احکام ضروریہ کے غیر مشہور و مستفیض فیما بین الصحابہ ہو۔ اور ایک قسم یہ ہے کہ باوجود روایت غیر فقیہ کے جمیع اقیسہ ظاہرہ شرعیہ کے منافی ہو، پھر ان سب معارضات اور ہر معارضے کے جمیع انحاء و اصناف کا احاطہ تام کرنا ہم بانصاف آپ ہی سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت یا اس سے قبل کسی سے ہو سکتا ہے؟ پھر یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وہ حدیث قطعی الدلالۃ علی معناہ غیر محتمل تاویل و تخصیص ہو۔ اور غالبا اگر احادیث معارضہ و مخالفہ حنفیہ کہیں نکل بھی آئیں تو تاویلات کثیرہ و معانی جمہ کے محتمل، اور تخصیصات بسیار و احتمالات بے شمار ان میں راہ

پائے ہوئے کہ اگر مقامین محتملۂ غیر ظاہرہ بہ بعجہ کسی حدیث ضعیف منجبر الکسیر متعددۃ الطرق قابل احتجاج کی وجہ سے اخذ کرکے معمول بہ ہوں تو اسکا نام مخالفت کوئی رکھ سکتا ہے؟۔ بلکہ اگر بنظر اثر ضعیف غیر شدید الضعف ولا کثرۃ الطرق باوجود قطعی الدلالۃ ہونے کے بنظر تطبیق بین الحدیثین معنی محتمل غیر ظاہر حدیث قوی کے لئے جائیں تو اس کا نام بھی مخالفت حدیث نہیں ہے۔ ہاں اگر ہو تو مخالفت ظاہرہ بعروض ضرورت کرسکتے ہو۔ یہ کل مضمون عجالۂ وقت بالبداہت بر بنائی لزوم عقلی ونقلی تقلید بہر کیفیہ باشد متعلق بجملۂ مسائل قیاسیہ واجتہادیہ غیر قیاسیہ بطور احسان وتبرع تحریر کیا گیا ورنہ اس سے قطع نظر کرکے اگر دیکھیے تو ہر طالب تحقیق وتنقیح بالانصاف کو بعد مطالعۂ موطائے محمد، ومعانی الاثار طحاوی، وکتاب الآثار امام محمد، ومسانید امام اعظم، ومرقات ولمعات وفتح الیبان ومواہب الرحمٰن وبرہان وعقود الجواہر وشرح عینی بر بخاری وہدایہ وشرح صغانی بر بخاری وفتح القدیر وشرح عینی بر معانی الآثار ودراسات کاملہ ودیگر مؤیدات حنفیہ کے یہ امر واضح وہویدا وپیدا نصب العین مثل عین الیقین کالشمس فی نصف النہار ہو جائے گا کہ ادلۂ سمعیہ واحادیث ونصوص بجانب حنفیہ نہایت صریح وقوی وصحیح ظاہر الدلالۃ جملہ مسائل خلافیہ وغیر خلافیہ پر موجود ہیں، بلکہ معاینۂ فتح القدیر کی عجب نہیں کہ بعد غور واستیعاب بنظر حق بیں، انصاف پسند یک لخت بے ساختہ برعکس مشہور یہ کہہ اٹھے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اصحاب الرائے میں سے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اصحاب ظواہر میں سے۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق بھی اسی طور کا مضمون تحریر فرماتے ہیں، بلکہ اگر صرف اصول حنفیہ در بارۂ اتباع حدیث ضعیف ومرسل ومنقطع وغیرہ، وترک قیاس بمقابلۂ ہر قسم حدیث واقوال صحابہ، وتقلید صحابی وتابعی مشہور الافتاء بزمانۂ صحابہ مطالعہ کیے جائیں تب بھی شاید حنفیہ کو ظاہریہ کہہ دینا کچھ بعید نہ ہوگا، باقی تحقیق وتفصیل علمۂ مسائل حنفیہ بر بنائے نصوص واخبار وآثار روشن واحادیث ہمارے حاشیہ شرح وقایہ موسوم بعمدۃ الحمایہ علی شرح الوقایہ اور اس کے مقدمے اور شرح مسند امام بروایت حصکفی مسمی بہ تنسیق النظام فی مسند الامام میں مذکور ہیں جس کو منظور وضح نظر ہو ان کا مطالعہ کرے۔ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ ذی المنن المدعو محمد حسن عفا اللہ عنہ ما جناہ فی السر والعلن السنبھلی مسکونا الاسرائیلی نسبا والحنفی مذہبا۔

ہم سب جناب مولانا حافظ محمد حسن صاحب سنبھلی بالجد العلی والفخر الجلی کے بلا خلاف موافق ومتفق ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمدا لک یا من عمت نعماؤہ وخصت آلاؤہ، وجودہ واجب القدیم، وصلوٰۃ وسلاما علی خاتم الانبیاء، وآلہ الاصفیاء، وصحبہ الاصدقاء، الاکرمین عند اللہ العظیم، وبعد فلا یخفی علی من طالع الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین انہ کتاب حسن ضخیم لم لا،

مصنفہ العالم الامجد والفاضل الارشد الکریم ابن الکریم محمد منصور علی بن محمد حسن علی المرادآبادی رحمہ اللہ الرب الرحمن الرحیم ۔ وانی لقد شفتہ مقاما بعد مقام من اولہ واوسطہ والختام فوجدتہ موافقا للسنۃ والکتاب الکریم، ولاشک فی ان مصنفہ اید الحنفیۃ عموماً و روّح روح ابی حنیفۃ خصوصاً ،جزاہ اللہ تعالیٰ وایانا خیر الجزاء ورزقنا شفاعۃَ خیر الشافعین لیوم عظیم، وثبتنا علی ملۃ حنیفیۃ، ونصرنا علی اعداء ابی حنیفۃ ، وادخلنا معہ جنات النعیم وانا الفقیر المذنب العاصی بانواع المعاصی الخاطی الاثیم خادم الفقراء والعلماء الراجی رحمۃ ربہ بحسن الرجاء ومستمد کرمہ ولطفہ العمیم ابو بکر علی وجہ اللہ الشہیر علی احمد محمود اللہ شاہ القادری الچشتی النظامی المذاقی کان لہ الھادی الباقی العزیز الحکیم بن سیدی الوالد مولای الماجدذی العز والجاہ الحافظ علی اسداللہ الحاج الرئیس القادری المجیدی الصدیقی المحمدی الارشدی البدایونی سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ وزاد فی فضلہ الجسیم ۔ یوم الاربعاء الثامن عشر من اولی الجمادیین والمائۃ الثالثۃ بعد الالف من ھجرۃ رسول الثقلین ﷺ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ وسلم احسن التسلیم ۔

اعجاز احمد نو شہ فی اشیخو پوری عفی عنہ

ھذا التحریر صحیح خادم القوم السید عنایت احمد النقوی ابن السید مطیع احمد بدایونی

غضب ہے جودت طبع مصنف ۔ لکھوں کیامدحت سحرالبیانی ۔ جو ہوتی ٹیکوں ورقوں پہ تحریر ۔ تو کہتا میں کتاب آسمانی ۔
سبحان اللہ ! مضامین، ہیں گلدستہ ریاحین ۔ طبع کی روانی ہے یا جادو بیانی ۔ جو مضمون ہے یکتا ہے ۔ جو طرز ہے وہ نرالا ہے ۔ ہر جواب لاجواب ۔ ہر اعتراض زبان عدو پر معتراض، تحقیق وتدقیق مصنف علام قابل داد ۔ جس میں طعن وتشنیع کا پورا پورا انسداد ۔ الٰہی یا ایجاز بیان اہل خرد کے واسطے بہار ہو ۔ کج فہموں کے حق میں کھٹکتا ہوا خار ہو ۔

حامداً ومصلیا ۔ فتح المبین کتاب بہت ٹھیک اور باصواب ہے جو اس کے مطالب حقہ کو نہ مانے دونوں جہاں میں خراب ہے ۔ یہ تحقیق وتدقیق بن پڑنا ابوحنیفہ کوفی صوفی کی کرامت ہے ۔ جو اس پر بھی نہ سمجھے اس کی یہاں در پردہ اور وہاں ظاہر اشامت ہے

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ حضرت مؤلف فتح المبین کی سعی واسطے دین ونصرت مذہب مقلدین

کا دل و جان سے شاکر ہوں۔ خواہ غائب ہوں، خواہ حاضر ہوں۔ ان غیر مقلدین کی طرف سے خصوصاً من جانب مؤلف ظفر المبین کی
المبین کہ در حقیقت محیط الدین ہے جو زبان درازیاں اور دریدہ دہنیاں نسبت ائمہ مجتہدین اور علمائے مقلدین کے معرض ظہور میں
آئیں سب کا جواب باصواب دلائل احادیث و آیات قرآن اس کتاب میں مذکور ہے اور ہر طعن کا دفعیہ نہایت تہذیب کے ساتھ بحوالہ
کتاب و سنت مسطور ہے مصنف علام نے تحریر جوابات میں منصب حفظ مراتب کا بخوبی ادا فرمایا۔ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع
العلیم ۔ جس کے دیکھنے سے ہر ایک کی آنکھوں میں ہدایت کا نور آیا، ان لامذہبوں کا فتنہ دجال کے فتنے سے کم نہیں ہے، ان میں سے
دشمن مقلد تو دشمن دین ہے، بلکہ ایسے دشمنوں کا دوست بھی مصداق بئس القرین ہے، مسلمانوں کی صورت، مقلدوں سے کدورت
، لاحول ولاقوۃ۔ جہاں تقلید کو چھوڑا، لامذہب ہو گئے، ادھر کے نہ ادھر کے، درمیان میں مذبذب ہو گئے۔ پھر جو اس تذبذب سے نکلے تو
خاصے آزاد بن کر نیچریت میں کامل ہوئے، پرانے فیشن کو چھوڑ کر نئی روشنی والوں میں شامل ہوئے، اب کیا پوچھنا کہ ٹھیٹ اسلام کے
نیچری ہیں اور ترقی قومی اور ہمدردی کے کلمات زبان پر جاری ہیں، علمائے سلف پر لعن و طعن کی بوچھار ہے، حضرات صوفیہ پر ذلیل
قافیوں کی بھرمار ہے، یہ مجرد خیال و امکان ذاتی نہیں، بلکہ واقعی ہے کہ مصادیق و افراد اس معنی کے علی گڑھ، دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد و مدارس
و کلکتہ و عظیم آباد وغیرہ میں موجود ہیں جس کا جی چاہے دیکھ آئے۔ اللھم انصر من نصر دین محمد ﷺ والہ وسلم
واجعلنا منھم آمین یا رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد للہ وکفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، لا سیما علی
ھذا النبی المجتبی، الحبیب المرتجی، والہ واصحابہ اھل التقی والنقی، وعلماء امتہ ومجتھدی ملتہ
والمقلدین لھم باحسان دائما ابداً۔

حضرت حق تبارک تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ و نعمت شاملہ سے اپنے نبی کریم ﷺ پر قرآن عظیم و ذکر حکیم نازل فرمایا
۔ تبیاناً لکل شیٔ جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے مگر اس کے ہر ظہر کے لئے ایک بطن ہے، اور ہر بطن کے لئے ایک اہل۔
وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العلمون ۔ کہاوتیں کہیں تو سب کے لئے ہیں، پر ان کی سمجھا نہیں کو ہے
جو علم والے ہیں۔ الرحمن فاسئل بہ خبیرا۔ اہل خبرت سے سوال ضروری ہے، ہر فہم قاصر اس کے ادراک سے معذور
ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ ذکر والوں سے پوچھو اگر تمہیں خبر نہ ہو۔ وکل العلم فی القرآن
لکن ۔ تقاصر عنہ افھام الرجال، اگر قرآن عزیز کو سب سمجھ لیتے تو وہ تو تفصیل کل شیٔ ہے۔ حدیث بھی محض بیکار و مہمل
رہ جاتی، اسی لئے ارشاد فرماتے ہیں حضرت ﷺ ۔ لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری

مما امرت به او نهيت عنه فيقول: لا ادري، ماوجدنا في كتاب الله اتبعناه۔ نہ پاؤں میں تم میں کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے، کہ آئے اس کے پاس میرا کوئی حکم جو میں نے کرنے کو کہا ہے یا نہ کرنے کو تو بولے میں نہیں جانتا، ہم نے جو خدا کی کتاب میں پایا اس کی پیروی کی۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی دلائل النبوۃ عن ابی رافع رضی اللہ تعالی عنہ۔ اور فرماتے ہیں حضرت ﷺ الا اني اوتيت القرآن ومثله معه۔ سن لو مجھ کو دیا گیا قرآن اور اس کے ساتھ اس کا مثل یعنی حدیث۔ الحديث اخرجه الدارمي وابو داؤد وابن ماجة عن المقدام بن معد يكرب رضي الله تعالى عنه۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں۔ انه سياتي ناس يجادلونكم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله رواه الدارمي عن عمر بن الاشجع۔ اے عزیز! ای گمراہی کی شامت ہے کہ وہ پیٹ بھرا بے فکرا اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے، جب اسے حدیث پہونچے کہتا ہے ہم یہ حکم قرآن میں نہیں پاتے۔ قاتلهم الله انى يوفكون۔ جان اے برادر ایسا ہوتا تو عیاذاً باللہ حضرت حق سبحانہ وتعالی کا یہ ارشاد۔ ما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا۔ جو تمہیں رسول دے وہ لو اور جس سے منع کرے باز رہو محض لغو تھا۔ لہذا حضور ﷺ نے قرآن کے مجملات کی تفریع، مشکلات کی تفسیر، محتملات کی تعیین، مبہمات کی تبیین، مطویات کا اظہار، مخفیات کا اسفار فرمایا اور وجہ شریعت غراء و بیضائے نقاب وحجاب کو اٹھایا۔ فصلى الله تعالى وسلم وعليه وعلى اله قدر جاهه وجلاله وفضله وكماله۔ یہاں تک تو صحابہ کرام وفحول مجتہدین کی تسکین ہوئی کہ حضور پر نور ﷺ ایسا نہ فرماتے تو ان اراکین ملت واساطین شریعت کا ذہن ثاقب وفکر صائب بھی دامن ادراک سے کوتاہ دست رہ جاتا اس لئے ارشاد ہوا۔ يعلمهم الكتاب والحكمة۔ یہ نبی انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے ﷺ، کتاب عزیز خود سمجھ میں آسکتی تو تعلیم کی کیا حاجت تھی مگر ابھی احادیث کی غیر فقیہ وصحابہ کرام کے حق میں وہی کیفیت تھی جو قرآن عظیم کی صحابہ وفقہاء کے سامنے، لہذا سیدنا سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالی عنہ کہ اجلہ ائمہ محدثین وشیوخ بخاری ومسلم سے ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔ الحديث مضلة الا للفقهاء۔ حدیث گمراہ کر دینے والی ہے مگر مجتہدین کو۔ امام عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں السنة المتقدمة من سنة اهل المدينة خير من الحديث۔ اہل مدینہ کی سنت کی قدیم روش حدیث سے بہتر ہے۔ سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں العمل اثبت من الاحاديث۔ تابعین میں کچھ لوگوں کو ان کے خلاف پر حدیثیں پہونچیں تو فرماتے ہیں۔ ما نجهل هذا ولكن مضى العمل على غيره۔ ہمیں یہ حدیثیں معلوم ہیں، مگر عمل تو ان کے خلاف پر ہو چکا ہے۔ محمد بن ابی بکر بن جریر سے جب ان کے بھائی کہتے لم لم تقض من حديث كذا تم نے فلاں حدیث پر کیوں نہ حکم دیا؟ جواب دیتے لم اجد الناس عليه میں نے لوگوں کو اس پر نہ پایا کل ذالک نقله الامام العلامة ابن الحاج في مدخله۔ لاجرم تقلید کی ضرورت ہوئی، اور اس کے وجوب میں کسی طرح کا کلام نہ رہا۔ اور کیوں کر نہ ہوگی؟ حالانکہ ہر شخص نہ مجمع ادلہ شرع

وحفظ آیات واحادیث واحکام وغور کامل وفہم بالغ وتامل صادق ومراعات وجہ ترجیح وتطبیق ودفع تعارض وتمیز ناسخ ومنسوخ وعلم اقسام نظم ومعنی ومواضع اجماع وانواع حدیث ونقد رجال واوراک موردو مقتضی واسباب نزول وطرق تعلیل سے متصف، نہ اس پر غیر مجتہد کو قدرت میسر، پھر کیا یہ مرضی ہے کہ ان مدہوشوں کی طرح ہر جاہل بے تمیز خر بے لجام وشتر بے مہار کردیا جائے۔ اے عزیزو! تم کیا اور تمہاری بساط کتنی؟ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فلم تجدوا ماء کے معنی پانی حقیقۃً نہ پانا سمجھ کر ایک زخمی کو تیمم کو اجازت نہ دی، وہ نہایا اور انتقال فرمایا، حضور پر نور ﷺ کو خبر ہوئی ارشاد فرمایا۔ قتلوہ، قتلهم الله، الا سالوا اذا لم يعلموا، فانما شفاء العيّ السؤال۔ انھوں نے اسے قتل کرڈالا، اللہ انہیں قتل کرے۔ کیوں نہ پوچھا جب نہ جانتے تھے، کہ تھکنے کی دوا تو پوچھنا ہی ہے۔ رواہ ابوداؤد عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اللّٰہ اللّٰہ! ایک سفیہ جاہل کہے کہ خدا ورسول کا کلام سمجھنا کچھ مشکل نہیں، نہ اس کے لیے بڑا علم چاہیے کہ قرآن تو ان پڑھوں کے سمجھانے کو اترا ہے۔ اے غافلو! اگر یہی مانتے ہو تو کیا حضور اقدس ﷺ کا سیدنا عبد اللہ بن عباس وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے لئے تعلیم کتاب کی دعا مانگنا کما رواہ البخاری والامام احمد محض عبث واتحصال حاصل وشبیہ بالبول تھا؟ نہیں نہیں، جبراً ماننا پڑے گا کہ بے شک خدا اور سول کا کلام سمجھنا سخت دشوار ہے، اور بے شک اس کے لئے علم عزیز وسامان کثیر درکار ہے، لہٰذا حضرت حق تعالیٰ وتقدس کی رحمت عامہ ورافت تامہ نے کہ اس امت مرحومہ کے حال پر روز ازل سے بنہایت وفور متوجہ ہے، ان اکابر دین وعمائد یقین کو توفیق بخشی کہ شریعت مطہرہ کی ہر مجمل کو بیان، اور ہر مشکل کو آسان کردیا، حکم الٰہی فاعتبروا یا اولی الابصار کا بار ثقیل اپنے دوش ہمت پر اٹھایا فجزاهم الله عن الاسلام خير الجزاء، وهنّاهم بكل سرور يوم المزيد واللقاء، آمیـــــن۔ اب جس طرح حضور پر نور ﷺ کی حدیث معاذ اللہ! کچھ قرآن سے جدا نہ تھی، بلکہ اسی کے مکنونات وخبیات کو منصۂ ظہور میں لانے والی تھی، اسی لئے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حسبنا كتاب الله فرمانا صحیح ومقبول ٹھہرا، اسی طرح ان آیات امت، وخدام شریعت مطاہرعلیہ "انما انا لكم بمنزلة الوالد اعلّمكم" ارشادات بھی مظہر احکام خدا ورسول ہیں، نہ مثبت، والعیاذ باللہ تعالیٰ! تو ان میں سے کسی پر طعن کرنا بعینہٖ قرآن وحدیث پر حرف رکھنا ہے، علی الخصوص حضرات مطہرہ ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ انہیں جو حسن قبول وتلقی امت بالاقتدا سے بہرۂ وافی ملا، وہ ان پر ایک خاص فضل الٰہی تھا، یہاں تک کہ صدہا سال سے فرقہ ناجیہ اہل سنت انہیں کے اتباع میں منحصر، اور انہیں کے اتباع پر مقتصر ہے کما ذکر العلامة الطحطاوی فی حاشیة الدر۔ محروم اور سخت محروم علوم اور پورا ظلوم وہ بے برکت بے سعادت، خود پسند، بے قید وبند، جو ان حضرات میں سے کسی پر معاذ اللہ تحکم عناد وخبث فساد، اولٰی تشنیع کرکے اپنی زبان کو آلودۂ غبار خباثت کرے، یہ سب ائمہ رشد وہدایت ہیں، اور ان سب کے پیرو سالکان راہ خدا۔ جزاهم الله عنا خير الجزاء۔ علمائے دین تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات ائمہ مجتہدین اما تنا الله على حبهم واتباعهم باليقين، تمام اولیائے تابعین سے افضل واکمل ہیں۔ قال

سیدی عبدالوہاب الشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ: فاعتقادنا ان اکابر الصحابۃ والتابعین والایمۃ المجتہدین کان مقامھم اکبر من مقام باقی الاولیاء بیقین ۔ پھر ان سے عداوت لف جبار قہار جل جلالہ سے لڑائی باندھنا ہے، قال ربنا تبارک وتعالیٰ فیما یروی عنہ نبیہ ﷺ: من عادی لی ولیا آذنتہ بالحرب رواہ البخاری جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے گا میں اس سے لڑائی کا اعلان کردوں گا۔ اف رے ہمت ان لوگوں کی اور بل بے جگر سے ان بہادروں کے، جو خدا سے خم ٹھونک کر لڑنے کو تیار ہیں۔ ربنا نسألك حسن الادب مع جمیع اولیائك آمین ۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزائے خیر کرامت فرمائے ۔ کہ انہوں نے دشمنان دین کی سرکوبی فرما کر قلوب مؤمنین کو شفا اور صدور منکرین کو زیادت غیظ وشفا بخشی۔ فرحم اللہ من شفی واستشفی واغنی وکفی والسلام علی من اتبع الھدی ۔

قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ عبدہ المفتاق الیہ المتوکل علیہ عبدالمصطفیٰ احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی اصلح اللہ احوالہ وجعل الی خیر مالہ وبمثلہ لکل مومن ومؤمنۃ آمین ثم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

عبارات مثبتۂ مواھیر ودستخط علمائے دیوبند وسہارنپور ومنگلور

باسمہ سبحانہ: بعد حمد وصلوٰۃ معلوم ہو کہ اس کتاب کو بندے نے اکثر مقامات سے دیکھا حق یہ ہے کہ بعض جا پر تو بہت ہی مدہ لکھا ہے ۔ اور بعض مقام پر بقدر ضرورت تسامح ہوگیا ۔ بہرحال مضمون اس کا روبخوبی محی الدین مؤلف تلفر مبین کے لیے کافی ہے اور واسطے ہدایت مخالفین کے وافی ۔ فقط حررہ رشید احمد گنگوہی

ہم سب مدرسین مدرسہ دیوبند جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب کے ہم زبان ہیں اور مہر اس پر کرتے ہیں ۔

حامداً ومصلیاً ۔ میں نے اس کتاب کو مقامات متفرق سے دیکھا مصنف سلمہ اللہ تعالیٰ نے جوابات میں طریق انصاف اختیار کیا اور خیانت مؤلف مطاعن کو ظاہر کر دیا ہے اور حق کو باطل سے جدا فرما دیا ۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء ۔ اس فرقے نے ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مثل آج کل کے نیم ملایان خطرۂ ایمان کے گردانا ہے، بلکہ ان سے بھی کم کہ ان کی تقلید چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کی ہے، استاذی جناب مولانا حافظ احمد علی صاحب سہارنپوری مرحوم فرماتے تھے کہ امام بخاری رحمۃ

اللہ علیہ کے شاگرد رشید ترمذی ہیں، لیکن انہوں نے فقہاء کے ذیل میں کہیں بھی اپنے استاذ کا نام نہیں لیا، پس جب بخاری ایسے شخص باجود اس علم وفضل کے اس قابل نہ ہوئے کہ ان کا فقہاء اور مجتہدین کی ذیل میں نام لیا جائے تو اور کسی شمار میں ہیں۔ پس اصل یہ ہے کہ جس کو نور عقل وفہم سے ازل میں حصہ نہیں ملا وہ مجتہدین کے مقام کو کیا سمجھے۔ ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور ۔ فقط

للہ الحمد، ہر آن چیز کہ خاطر میخواست آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

کتاب ظفر مبین ایک زمانے میں نظر سے گزری تھی بعض بعض مقامات جو اس کے دیکھے گئے، بجز طعن وتشنیع ائمہ سلف کے اس کے مؤلف کا مقصد اور کچھ نہ معلوم ہوا، واقعی جہاں تک مؤلف صاحب کی زبان نے یاوری کی اسی قدر اپنے مقصد کے ادا کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ معاذ اللہ من شرور انفسنا! مگر بحمد اللہ یہ جواب بھی وہ جواب لکھا گیا ہے کہ جس کا جواب نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالی مصنف علام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس نسخے کو مقبول خاص وعام کرے۔ حررہ خليل الرحمن ابن مولانا احمد علي السهارنفوري عليه الرحمة والرضوان.

تقاريظ مثبتۂ مواہیر ودستخط علمائے کاملین شہر مراد آباد وعلی گڑھ

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خير خلقه محمد الذي قال من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين. اما بعد فقد طالعت هذا لكتاب المسمى بالفتح المبين في كشف مكائد غير المقلدين وتاملت فيه، فوجدته حقا صريحا وصدقا نصيحا بالاذعان واليقين، قد سلك المصنف سلمه الله تعالى مسلك ارباب التحقيق، وابطل مكائدهم ومطاعنهم بقر يراتيق، على الاصول الراسخة للامام الطمطام القمقام الذي هو سراج لامة نبي آخر الزمان الشيخ المشهور بابي حنيفة النعمان جزاه الله عنا وعن جميع المسلمين. حرره العبد المفتقر الى رحمة الله الغني ابو المكارم المدعو بمحمد قاسم علي المرآد بادي ابن المحدث محمد عالم علي.

حامدا ومصليا ومسلما ۔ بندہ نحیف نے کتاب فتح المبین کو چند جا سے بامعان نظر غور کامل دیکھا تو الفاظ وعبارات بغایت درست اور جوابات اس کے اول درجے کے نہایت چست پائے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ کتاب اپنی نوع میں لاجواب

ہے، مسائل فقہیہ کی احادیث نبویہ ﷺ کے ساتھ عمدہ تطبیق دی ہے، اور ہر ہر مسئلے کا ماخذ کتاب وسنت سے خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور بڑی خوبی اس کتاب کی یہ ہے کہ باوجود اس امر کے کہ فی زمانہ ھذا مناظرات باہمی تعصب وتعند سے کم خالی ہوتے ہیں۔ فریقین کی تحریرات میں افراط وتفریط تک نوبت پہونچ جاتی ہے، مگر مؤلف کتاب موصوف عالم نبیہ ومحدث فقیہ مولانا مولوی محمد منصور علی خان صاحب جعل الله سعیه مشکوراً ولا زال هو کاسمه مظفرا و منصورا کا کمال انصاف ہے اور غایت تہذیب کہ باوجود ہمہ گستاخی وشوخی کلام مخالف کہ جس کی تحریر تعصب وعناد سے مالا مال ہے، اور بنظر تعصب اس شخص نے سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے حق میں زبان درازی کر کے اپنے کو مورد لعنت بنایا ہے۔ لیکن مولوی صاحب موصوف نے انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیا اور بحکم ارشاد ہدایت بنیاد " واذا مروا باللغو مروا كراما " کے عمل کیا۔ اور بطور " جزاء سيئة سيئة مثلها " کے بھی ان کے حق میں لکھنے اور کہنے سے اپنی زبان وقلم کو روکا۔ بالجملہ یہ کتاب از جملہ مغتنمات ہے، وداخل باقیات الصالحات۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب کو جزائے خیر اور برادران اسلام کو توفیق عمل عنایت کرے۔

كتبه بقلمه خادم الطلبه احقر الزمن احمد حسن الحسيني الامروهي غفر الله له ولوالديه جميعا فقط۔

حامداً ومصلیاً۔ فی الواقع یہ کتاب لاجواب رد حسن فتح مبین ہے۔

كتبه احقر البرايا اسمه يحيیٰ غفر الله له ولوالديه

حامداً ومصليا ۔ اما بعد فاني نظرت في هذا الكتاب المستطاب فوجدته تذكرة لطالبي سبيل الرشاد، وتبصرة لمن يبتغي الاستقامة والسداد، فبشرى لمن يطلب الصواب، وطوبى لاولي الالباب، وواويلا لمن لم يتخذه خليلا، وواحسرتا لمن لم يجد منه سبيلا ، ويجزى الله عنا لمصنفه جزاء موفوراً، ويجعل سعيه مشكورا . نمقه خادم طلبه العلم في المدرسة الاسلامية الواقعة في بلدة مرادآباد الموسوم بعبدالحق صانه الحق . فقط

فی الواقع کتاب فتح المبین مؤلفہ جناب فاضل اجل مولانا مولوی محمد منصور علی خان صاحب دام فیوضہم غیر مقلدوں کے رد میں ایسی تالیف ہوئی ہے کہ آج تک کوئی کتاب اس بارے میں ایسی خوبی سے دیکھنے میں نہیں آئی۔ افراط وتفریط سے خالی ہے، حق وانصاف سے مالا مال ہے۔ عمدہ بات اس کتاب میں یہ ہے کہ مؤلف دام فیوضہم نے تقلید کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور محدثین کی بھی کمال طرف داری کی ہے، یہ بات اور کتابوں میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مصنف علام کا حق پسندی طریقہ ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا۔ کتبہ احقر الزمن محمد روشن عفا اللہ عنہ۔ فقط

بسم الله الرحمن الرحیم . یقول العبد الضعیف لطف الله: انی طالعت هذا السفر السامی، بل البحر الطامی، فوجدته محویاً علی تحقیقات انیقة، وتقریرات رشیقة، ومشتملا علی ماهو کاف لدفع اوهام الزائغین، وشاف لاثبات ماهو الحق المبین . جزی الله مصنفه خیر الجزاء، وحصل اماله بحرمة سید الانبیاء ﷺ .

مدرس مدرسہ علی گڑھ وازارشد تلامذہ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم ہے

عبارات مستندہ مثبتہ مواہیر و دستخط علمائے اعلام و فضلائے کرام شہر رامپور

مضامین فتح مبین کے اکثر جگہ سے دیکھے گئے مطابق عقائد اہل سنت والجماعۃ کے اس کو صحیح پایا۔ فی الواقع مصنف کتاب نے بکمال کوشش جوابات عمدہ، اغلاط اور شبہات ظفر المبین کے لائق قبول ارباب دیانت اور عقول کے تحریر کئے۔ بعد اس کے خصم غوی اور معاند غبی کو گنجائش افترا و تکلم بے جا باقی نہ رہی۔ جزاہ الله تعالیٰ عنا عن جمیع المسلمین خیر الجزاء فقط . العبد الراقم

حامدا ومصلیا ومسلما ۔ فقیر نے کتاب فتح المبین کے اکثر مقامات دیکھے، تحقیق اس کی قرین حق کوئی و انصاف ہے۔ اور مضمون اس کا دور از اعتساف ہے۔ نمقه العبد المذنب الاواه محمد لطف الله عفی عنه ابن مولانا الحاج مفتی محمد سعد الله غفر الله له.

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی خلق الانسان وهدی، واوضح له بینات من الفرقان والهدی، وجعل مساعیهم فی اخذ ناصیتهم الیه شتی، فوفق من یشاء لما یحبه ویرضی، فیعطه الفهم والذکا والفقه فی الدین التقی، ویشرح صدره وییسره للیسری، ویضل من یشاء ان یهوی، ویذله فی الدنیا ویخزیه فی الاخری . فیجعل صدره ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء وییسره للعسری، والصلاة والسلام علی خیر البریة والوری، افضل من اوحیٰ الیهم ربهم وعلمهم شدید القوی، من اطاعه فقد اطاع الله ونجا، ومن عصاه فقد تاه وهوی، وضل وغوی، واله واصحابه الذین هم شموس برافع الترفع والعلا، و اقما

وظلام الاحوى ونجوم الدجى، وعلى من تبعهم باحسان المدى، من المجتهدين ائمة الدين الذين لهم الدرجات العلى، آتاهم ربهم من لدنه ذكرى، لاسيما الاربعة الذين فاح من انوار رياضهم القدس نفحات الانس والرضا، فعطرت مشام العالم وعرف عرفهم وشذى، وظهر انوار مقباس حقائقهم وتجلى، فضاء فضاء الخلق الى المنتهى، وابرزوا كنوز الد قائق الاسنى، فلاح فلاح العالمين واسنى، فمن آمن بهم بان قلدهم باعيانهم فقد استمسك بالعروة الوثقى، ومن اظلم واطغى، فاعرض عنهم وابى، فلعله باخع نفسه على آثارمن اتبع هواه بما سعى، ومقتحم فى الاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا، وبعد فانّ عادة الله قدجرت وسنة الله قد مضت فى حفظ دينه، وشرع امينه، فى كل زمان ومكان، من بدء طلوع ذُكائه الى الآن. يبعث الحق على عقبى المبطل الزاہق، ليقذف الحق على الباطل، فيدمغه فاذا هو زاهق، كما قال لعلامه ابن عابدين على قوله الدر" ولا يخلو الوجود عمن يميز هذا حقيقةً لاظناً ". جزم بذالک اخذا مما رواه البخارى من قوله ﷺ : "لاتزال طائفة من امتى ظاهرين على الحق". وذالک لانه سبحانه وتعالى ممحا فظ لما اوحى الى عبده مااوحى، وهو متم نوره ولوكره الكافرون كرها، فما اراد احد ممن مضى، ان يطفى نوره الا وقد اذله الله واخزى، وما نهض فرد ممن اتى، يريد ان يلبس الحق بالباطل الا ونكّسه الله واخرى، فكانها كلمة سبقت من ربنا الذى له الاسماء الحسنى، على تصديق القول الدائر والمثل السائر" لكل فرعون موسى"، فلذا ابعث هذا الحبر النبيل، والبحر الوبيل، المحرز قصبات السبق على اقرانه واشباهه فى كلّ فنّ يحوى المحمود البالغ من كل علم اقصى المدى، اعنى المولوى منصور على خان المرادآبادى صاحب هذالكتاب المتين، المسمى بالفتح المبين، لا رغام قدوة المضلين وزبدة المفسدين من الفرقة النجديه المفتنة الحادثة الشائعة الذائعة فى زماننا شيوع الشمس وذيوع النوى، ولقد رأينا كتابه هذا وحظنا به الا بهى، مع ذالک الكفل الا عزل القمر القلم المافون الخبّ الا عشى، فوجدناه قد اتى فى مباحثه ببيان شاف وبرهان كاف وتبيان اوفى، فلله دره حيث سلک مسلک الاقتصاد فى اماطة الاذى عن طريق الحق سبيل السوى. فمن صدق به وارتضى، وسلمه وتصدى، فقد اذعن للحق المتلقى واهتدى، وتقلص عن شوب اللظى، واتقى وصدق بالحسنى، فاما من استكبر واستغنى، وادبر وتولى، وسعى فى ضلاله وتلهى، فقد اعتدى وطغى، وتعدى وعتى، وكذب بالحسنى، يبعث يوم الرجعى فى طائفة ودعهم الله وقلى، ويحشر فى زمرة من كان فى هذه اعمى فهو فى الاخرة اعمى، وفقنا الله سبحانه وتعالىٰ وسائر

اخوانـنـا لـمـا ينال به القربیٰ من امتثال ما امرنا والاجتناب عما نهی، وﷺ علی سیدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعین ابدا ابدا.

باسمه سبحانه ان هذا الجواب حق صحیح صریح، والمجیب نجیح. فقط

الجواب صحیح والمجیب مصیب.

حامدا ومصلیا اصاب من اجاب، فجزاه الله خیر الجزاء عنی وعن سائر النظراء

تقاریر متعدد عبارات مصدقۂ علمائے مشاہیر وفضلائے نحریر شہر دہلی

الـحـمـد لـلـه رب الـعـالـمـيـن، والصلوة علی سید المرسلین، وعلی آله المجتبین، واصحابه المـنـتـخبین، واتباعه المنتصرین، وانصاره المجتهدین. اما بعد فیقول الصدیقی السنی الحنفی محمد شاه، اوصله الله سبحانه وتعالی شانه الی مایرضاه، لما کان نظام الانام باحکام الاحکام، وکان احکام الاسـلام بـالـعلماء الاعلام؛ لان العلماء ورثة الانبیاء، کما فی حدیث رواه احمد والترمذی وابو داؤد وابـن ماجة والـدارمی. وکـان حکم الانبیاء والمرسلین أن من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده، فان لم یـسـتـطـع فبلسانه، وان لم یستطع فبقلبه، وذالک اضعف الایمان. رواه مسلم وغیره من المحدثین. وکـان حکم الزمان ان الزمان السابق خیرٌ من اللاحق بحکم حدیث "خیر امتی قرنی، ثم الذین یلونهم، ثم الـذین یلونهم" الحدیث. متفق علیه. حتی صار ترجمته هکذا کل یوم ابتر بحکم حدیث قال علیه الصلوة والسلام" لایاتی علیکم الزمان الا الذی بعده شر منه حتی تلقوا ربکم". رواه البخاری حتی کـان آخـر الـزمـان اشـدّ الاشد. خرج طلّاب الـدنـیـا بـالـدیـن والـدجـاجلة الکذاب فیخترعون فی صـور الـمـشـایـخ والـعـلـمـاء مسائل فاسدة وعقائد باطلة، کما فی مجمع البحار فی بحث الدال بحکم حـدیـث؛ فـانـه قـال عـلـیـه السلام "یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین، یلبسون للناس جـلـود الـضـان من اللین، السنتهم احلی من السکر، وقلوبهم قلوب الذیاب. رواه الترمذی. وقال علیه

السلام: "يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم بالاحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم، لا يضلونكم ولا يفتنونكم". رواه مسلم وكان حال السفلة وعادة الجهلة اغترارهم بالامور المحدثة، واسراعهم الى قبول الاقوال الباطلة عند العلماء العظام والفضلاء الكرام، كما صرح به مسلم صاحب الصحيح حيث قال في صدر الصحيح: لمّا تخوّفنا من عواقب الشرور، واغترار الجهلة لمحدثات الامور، واسراعهم الى اعتقاد خطاء المخطئين، والاقوال الساقطة عند العلماء رأينا الكشف عن فساد قوله وردّ مقالته بقدر مايليق بها من الرد أجدى على الانام احمد للعاقبة ان شاء الله تعالى" انتهى. قام العلماء الاعلام والفضلا والعظام قديما وحديثا مشمرين لنصرة الدين، والشرع المتين، بالقدح والجرح والرد بالجد على اهل البدع والاهواء، واهل الزيغ والغواء، بالدلائل الواضحة، والبراهين الساطعة من الادلة الاربعة الكتاب والسنة والاجماع والقياس، كالأيمة الاربعة، فلم يزالوا هكذا وهكذا، حتى قام جامع المعقول والمنقول، حاوى الفروع والاصول، سالك مسلك المتقدمين، هالك اساس المبتدعين، المولوى محمد منصور علي خان المرادابادي، ادامه الله ذوالمنن والايادي، فانه صنف كتابا في كشف مكائد غيرالمقلدين، فسماه بالفتح المبين في كشف مكائد غيرالمقلدين، فلمّا رأيته في المواضع المتفرقة، والمقامات المنتشرة فوجدته كتابا مستطاباً، جعل الله تعالى سعيَ مصنفه ومعينه سعيا مشكوراً، واجراًمو فوراً. و آخرُ دعوانا أن الحمد لله رب العلمين والصلوة على سيد المرسلين.

الحمد لوليه، والصلوة علي نبيه. امابعد میں نے اس کتاب فتح المبین رد ظفر مبین کو دیکھا بہت عمدہ کتاب ہے اور خوب ہے۔ جواب باصواب ہے، کیوں نہ ہو بحکم (تعرف الرجال بالاقوال) مولانا مولوی محمد منصور علی خان صاحب کی استعداد ولیاقت کو ہزار آفریں، اگرچہ مؤلف ظفر مبین پیشوائے غیر مقلدین یعنی محی الدین کتب فروش ولد ہری چند جاٹ (جو چند روز سے مشرف باسلام ہوا تھا اور جس کو سوائے اردو کتابیں دیکھنے کے اور کچھ لیاقت نہیں، نہ مذہب حقی سے ماہر نہ ان کے دلائل سے واقف۔ اور پھر احادیث میں اپنی عادت قدیمانہ کے موافق دغابازی وحیلہ سازی بلکہ محض بے ایمانی سے اعتراض جمانے لگا آدمی) قابل جواب ولائق خطاب نہ تھا مگر بحکم۔

"چو یا سفلہ گوئی بنرم وخوشی فزون گرددش کبر وگردن کشی" مصنف موصوف نے اس کتاب میں اس کی خوب ہی خبر لی۔ اور ظفر مبین کے خرافات کی بخوبی تردید کردی، ورنہ ادھر اگر ایسا جواب باصواب نہ پاتے، تو یہ جاہل لوگ اتراتے اور گلی کوچوں

میں بغلیں بجاتے۔ اللہ اللہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو (کہ جن کی عبداللہ بن مبارک، وکیع، یحییٰ، یحییٰ بن معین وغیرہم ائمہ حدیث مدح فرمائیں اور جن کے وفورِ علم و کثرتِ قبول پر ان کے معاصر رشک میں آئیں) یہ فرقہ (کہ جس نے تیرھویں صدی میں سینگ نکالے، اور جن کا طریقہ ٹٹیوں کی آڑ میں شکار کھیلنا ہے یعنی عمل بالحدیث کے پیرایہ میں آزادانہ خواہش نفسانی کو کام میں لانا، کبھی پانچوں نمازوں کو بلاعذر ایک ہی وقت میں پڑھ لینا، کبھی درصورت جماع بلا انزال بغیر غسل نماز ادا کرنا،(۱) مال تجارت میں زکوٰۃ نہ دینا،(۲) چاندی کے زیورات کو مرد کے لئے درست بتانا،(۳) مطلقہ ثلاثہ کو بغیر حلالہ کے جائز کرنا،(۴) ختم نبوت کا انکار کرنا،(۵) حضرت عمر کو بدعتی کہنا،(۶) حضرت علی و عباس و فاطمہ زہرا و ابوبکر صدیق کو مصداق "سباب المومن فسوق وقتالہ کفر" کا بتانا،(۷) عبادت تمام شب کو بدعت سیئہ قرار دے کر تمام اولیائے کرام و صحابہ عظام کو جو شب بھر یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے برا بتانا،(۸) کل ثمن خنزیر کو آں حضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا،(۹) انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کا منکر ہونا(۱۰) وغیر ذالک من القبائح التی لایحسن ذکرھا فی ھذا المقام) برا کہے اور ائمہ کرام اور ان کے اتباع کو (کہ جنہوں نے کمال محنت و عرق ریزی سے قرآن و احادیث و اقوال صحابہ کو درست کیا، ناسخ منسوخ، مطلق مقید کو شرح فرمایا، تاکہ بوالہوس لوگ قرآن و احادیث کو اپنی خواہش نفس کے تابع کر کے دین میں فتور مچائیں، آزادی کے مزے نہ اڑائیں) مشرک و تارک احادیث و قرآن قرار دیں۔ اور اپنی اس ہوائے الحادی و تعصب الدعاوی کو عمل بالحدیث بتائیں، چہ خوب۔

از تحت خانہ تا بلب بام از آن من۔ وز سقف خانہ تا بثریا از آن تو۔ کیوں نہ ہو مخبر صادق نبی ﷺ نے اس گروہ کی ایک مدت پیشتر خبر دی تھی۔ "عن انس بن مالک وابی سعید الخدری عن رسول اللہ ﷺ قال: سیکون فی امتی اختلاف وفرقہ، قوم یحسنون القیل ویسیئون الفعل یقرؤن القرآن الخ۔ حتی قال یدعون الی کتاب اللہ ولیسوا منا فی شیء"۔ رواہ ابوداؤد۔ یعنی انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں اختلاف پڑے گا، ایک قوم ہوگی ان کی باتیں اچھی اور کام برے ہوں گے، قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا، (یہاں تک فرمایا کہ) قرآن کی طرف بلائیں گے اور کسی بات میں میرے سے نہ ہوں گے۔ فقیر اب اسی ختم کلام کرتا ہوں اور اس بحث کو تمام کرتا ہوں۔ حررہ ابو محمد عبدالحق الدھلوی مدرس مدرسہ فتحپوری دھلی

۱...... ردالجواب تصنیف محمد سعید غیر مقلد ۱۲ ۲...... دررِ بہیہ تصنیف قاضی شوکانی ۱۲ ۳...... دررِ بہیہ ۱۲

۴...... فتاویٰ مولوی نذیر حسین ۱۲ ۵...... رسالہ ظفر المبین تصنیف ملا صدیق پشاوری شاگرد مولوی نذیر حسین ۱۲

۶...... الاعتصام بالسنہ تصنیف ملا عبداللہ عرف چھاگا ۱۲

۷...... الاعتصام بالسنہ ۱۲ ۸...... معیار تصنیف مولوی نذیر حسین ۱۲

۹...... فتاویٰ اظہار الحق ورد قول مولوی عطا محمد ۱۲ ۱۰...... رد تقلید بکتاب مجید تصنیف مولوی محمد حسن خان خورجوی مع مہر مولوی نذیر حسین مطبوعہ مطبع فاروقی ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کی حمد مجھ ایسے سے ہو کیا — لکھوں میں نعت کیا میرا کیا رتبہ

اما بعد ایں خاکسار ابوادریس محمد عبدالرب حنفی قادری دہلوی ثم انبسار نقوری بھائی مسلمانوں کو بعد سلام مسنون الاسلام کے آگاہ کرتا ہے کہ یہ فتنہ لامذہبوں نے جو چند سال سے اٹھایا ہے، یہ ہم رنگ اس فتنے کا ہے کہ جس میں حضرت عثمان شہید ہوئے، اور قاتل ان کے جہنم میں گئے، اس فتنے کا سردار نومسلم عبداللہ بن سبا یہودی تھا کہ وہ خاص اسی فتنہ کے واسطے مع قوم یہود کے مسلمان ہوا تھا، پس اس فتنے کے سردار لالہ اتت رام صاحبزادے لالہ کوئی مل کے مع اپنی قوم کے خاص اس واسطے مسلمان ہوئے، کہ اسلام اور مسلمانوں میں فتنہ ڈالیں، عبداللہ بن سبا نے بھی اہل بیت کی اوٹ رکھ کر مسلمانوں کو حضرت عثمان سے باغی کیا، اور سب کو یہی پٹی پڑھائی کہ قابل اور لائق خلافت کے حضرت علی تھے، نہ کہ حضرت عثمان، ان لالہ صاحب نے بھی عمل بالحدیث کے پردے میں فقہ اور فقہاء سے مسلمانوں کو بدظن کرا کے کہنا شروع کیا کہ صحیح بخاری کتاب رسول اللہ کو چھوڑ کر ہدایہ شرح وقایہ پر کیوں عمل کرتے ہو؟ جیسے اس وقت کے جاہل مسلمان اطراف جوانب کے اس یہودی کے دھوکے میں آگئے، اور یہ نہ جانا کہ حضرت عثمان کی خلافت انصار اور مہاجرین کے مشورے سے ہوئی، اور حضرت علی نے بھی خود ان سے بیعت کرلی پھر ہم کیوں اس یہودی کے بہکانے میں آئیں۔ ایسے ہی اس وقت کے کم فہم مسلمانوں نے یہ نہ جانا کہ فقہ اور فقہاء آج کل کے تو نہیں، زمانۂ پیغمبر سے فقہ اور فقہاء امت میں چلے آتے ہیں، بلکہ زمانۂ حضرت ﷺ میں جو صحابہ صاحب فقاہت تھے وہ داخل مشورۂ پیغمبر ہوا کرتے تھے، پیغمبر ﷺ بحکم "وشاورھم فی الامر" کے انہیں سے مشورہ لیتے تھے۔ اردو... کی کتابوں میں اگر ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگ بدر، جنگ احد، جنگ احزاب، اور جنگ حنین اور فتح مکہ میں پیغمبر ﷺ مشورہ فقہائے صحابہ لیتے تھے یا غیر فقہا صحابہ سے، جو یہ بات کہ لوگ مسلمان تھے جیسے اس یہودی اور اس کی قوم نے حضرت عثمان کے فضائل جو دربار نبوت سے عطا ہوئے تھے فراموش کر کے کان لم یکن کر دیئے تھے، ویسے ہی اس ہندو قوم نومسلم نے محی فقہ کے اور فضائل فقہا کے جو آیات و احادیث سے ثابت تھے سب دیکھ کر بھال کر بھلا دئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: فما لھؤلاء

القوم لا یکادون یفقھون حدیثا۔ وقال رسول اللہ ﷺ "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد"۔

اور جیسے اس یہودی نے بعض اچھے اچھے لوگ مسلمانوں میں سے مکر و فریب کر کے اپنے ساتھ کر لئے تھے ویسا ہی اس قوم ہنود نے بعض علمائے اسلام کو کہ جن کی خلقت ارض طین سے ہے اور درحقیقت وہ مقلد مال و جاہ کے ہیں اپنے ڈھنگ پر لگا لیا۔ اور جیسے اس قوم یہود نومسلم نے ایک دم سے مسلمانوں کو مقابلہ کفر یہ یہودیہ تعلیم نہ کئے بلکہ رفتہ رفتہ اس سرشتے کو جاری کیا۔ اور بعض ان کے اس کام پر مسلط ہوئے کہ محبت اہل بیت کی فرض ہے، حضرت عثمان کو قتل کرنا اجر عظیم ہے۔ سو وہ ان سے ظہور میں آیا۔ بعض کو اس کام پر مامور کیا کہ حضرت عثمان کو حضرت علی نے قتل کرایا، انہوں نے شام میں جا کر حضرت معاویہ کو طالب قصاص خون

خلیفۂ برحق کا بنایا اور حضرت شاہ ولایت کا ناک میں دم کرایا۔ بعض اس کام پر مامور ہوئے کہ عقیدے مسلمانوں کے تباہ اور خراب کریں، کسی نے یہ درس جاری کیا کہ حضرت شاہ ولایت کو نبوت ہوئی تھی، جبریل سے وحی لانے میں خطا ہوئی۔ بعض نے یہ تعلیم شروع کی کہ حضرت شاہ ولایت خود ذات خدا تھے، انہوں نے تصدیق پورا کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایسا ہی اس قوم ہنود نومسلم نے عقاید ہنود کفر یا یک دم سے مسلمانوں کو تعلیم نہ کئے، بلکہ اول مسلمانوں کے دلوں سے شان و وقعت دین اسلام اٹھانی شروع کی۔ بعض اس پر آمادہ ہوئے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں سے شان فقاہت کہ عبارت کامل سمجھ سے ہے۔ اور وقعت فقہائی کہ وہ اعلیٰ درجے کے صحابہ اور تابعین تھے اٹھادی، یہاں تک کہ تراویح بیس رکعت کی کہ سنت فاروقی ہے اور شرق سے غرب تک تمام مسلمان کی معمول بہا ہے، بعض اہل اسلام کے دلوں سے اٹھادی، کہ انہوں نے اس کو بدعت عمری جان کر آسائش نفس کے واسطے ترک کیا اور لباس رفض کا پہن لیا۔ بعض نے یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ علم صرف، نحو، فقہ، عقائد، معانی، بلاغت، تفسیر، سب موقوف کراکر فقط ترجمہ قرآن مجید کا لڑکوں اور بوڑھوں کو حفظ پڑھانا شروع کیا۔ اور یہ لوگوں کے قلب میں ڈالا کہ تحصیل علوم کرنے سے کچھ فائدہ دین کا نہیں۔ دیکھو تمام لوگ علم پڑھ کر تباہ ہوگئے، ہم تم کو فقط قرآن شریف کے معانی بتاتے ہیں کہ اس سے قیامت میں پوچھ ہے اور مضمون ﴿یهدی به کثیرا ویضل به کثیرا﴾ کو قطعا فراموش کیا۔ بعض نے ان میں سے ایسا امر خطیر اختیار کیا کہ اولوالعزم علمائے امت کی مذمت (جیسے ائمہ اربعہ اور اتباع ان کے کہ انہوں نے جد و جہد تحقیق حدیث میں اپنے جان و مال کو سب قربان کیا اور ان کی کارگزاریاں جناب باری عز اسمہ میں مشکور ہوئیں اور وہ مقبول کافۂ انام وجملۂ اہل اسلام ہوئے) اس نہج سے کرنی اور لکھنی شروع کی کہ انہوں نے اپنے قیاس سے مخالفت کی حدیث رسول اللہ ﷺ کی، اور فقہ کی کتابیں خلاف سنت کے لکھیں۔ چنانچہ ان دنوں ایک کتاب مسمی بہ ظفر المبین لالہ ہری چند بن دیوان چند صاحب کھتری نے کسی عالم ناعاقبت اندیش سے لکھوا کر اپنے نام سے چھاپی، اس میں لکھا ہے کہ امام اعظم نے سو مسئلے حدیث صحیح کے مخالف لکھے اور یہ نہ جانا کہ کہاں میں اور کہاں تصنیف میری اور کہاں وہ ذات عالی صفات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی؟ کہ ان کی تقلید بارہ سو برس سے ہر ہر زمانے کے لاکھوں علماء اور کروروں فضلاء و اولیاء و ابدال نے اختیار کی ہے حتی کہ اس جماعت نومسلم کے پیشواؤں نے بھی ان کی تقلید اپنی بڑی عزت سمجھ کر قبول کی ہے، لیکن لالہ صاحب نے امام صاحب کی جناب پاک میں بڑی گستاخی کی۔ اور یہ نہ غور کیا کہ ہم جن کے نام لیوا ہیں ان کا تو امام صاحب کے ساتھ یہ عقیدہ ہے اور مقلد ہیں وہ امام کے کیوں کر ان کے شان میں گستاخی کریں؟ چنانچہ کہا صاحب المعیار نے " قال امامنا وسیدنا الامام الاعظم ابوحنیفۃ "۔ اور صاحب دراسات اللبیب نے امام صاحب کی بہت تعریف لکھی ہے، امیر بھوپال نے اپنی کتاب تحفۃ النبلا میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے جنازے پر پچاس ہزار مسلمانوں نے نماز پڑھی اور چار سو چھیالیس فقہا محدثین مقلدین کے محاسن اور مناقب اسی کتاب میں انہوں نے لکھے ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب تقصار میں تمام اولیاء مقلدین کے مفاخر و محامد کیسی عمدگی کے ساتھ ذکر کئے ہیں کہ یہ قوم تو

مسلم اگر ان کو دیکھ کر ایمان لائے تو اپنی غلط فہمی بھول جائے مولوی سید نذیر حسین کو میں نے سوال لکھ کر دیا تھا کہ آپ مقلد ہیں یا نہیں اور جو مقلد ہیں تو امام صاحب کے یا کسی اور کے؟ انہوں نے جواب اس کا اپنی مہر سے مزین کر کے مجھے دیا کہ "ہاں میں فروعات جزئیہ میں امام صاحب ہی کا مقلد ہوں" ۔ وہ میرے پاس موجود ہے۔ لالہ صاحب نے یہ دعوٰی کیا تھا کہ امام صاحب کے سو مسئلے مخالف حدیث صحیح کے ہیں، اگر اس مضمون کو لکھا تھا تو اپنے مقتداؤں کی مہریں اس کتاب پر کرا لیتے تھیں کہ ان کا بھی مافی الضمیر معلوم ہو جاتا اور عقیدۂ دلی ظہور میں آتا۔ اب معلوم ہوا کہ لالہ صاحب ہی منکر امام صاحب کے فضل و کمال کے ہیں خیر اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔

نہیں ہے معتقدان کا اگر حاسد تو کیا غم ہے ۔۔۔ ہوا بے سجدۂ ابلیس کیا نقصان آدم کا

اور لالہ صاحب ایسے خوشی میں آئے کہ سر دفتر علمائے امت پر صد ہا عیب لگائے، یہ نہ جانا کہ عنایت الٰہی سے ڈنکا ان کے مذہب کا از شرق تا غرب اسی دھوم دھام سے آج تک بج رہا ہے جیسا کہ شروع میں تھا۔ ظاہر ہے کہ یہاں حنفی مذہب کے علما نڈی دل ہیں۔ دیکھو تو کیسی ان کی زراعت زمین لا مذہبی کی خاک اڑاتے ہیں اور ان کے باغ و بہار کی رونق مٹاتے ہیں اس ظفر المبین کی کیسی ہزیمت المبین بناتے ہیں۔ انتصار الحق کو کیا کچھ کم جانا، آج تک جواب اس کا نصیب نہیں ہوا۔ اور جو کتب و رسائل مقلدین کی ہر چہار طرف سے ژالہ باری ہو رہی ہے اس فرقے کی سخت جان ہے کہ تنہیں نکلتی۔ اگر کچھ بھی غیرت کو کام فرماتے تو منہ نہ دکھاتے اور اس ظفر المبین کے جواب جو چند در چند ہوئے ملاحظہ میں گزرے ہی ہوں گے اب یہ فتح المبین آپ کو تحفہ بھیجی جاتی ہے، قبول کیجئے، خدا کے واسطے انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا، اپنے ہر دعوے کا جواب صاف صاف لینا اور چھیڑ چھاڑ شعر اشعار سے کہ طرز عاشقانہ پر اس کتاب میں بے دلیرانہ پیش پر جبیں شلانا ہمیدان استقامت سے ہرگز قدم نہ ہٹانا۔

جا سکتا کوئی اس بت خود کام تک نہیں ۔۔۔ جاتے اگر تو کا مبد ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

دو چار گالیاں ہی ہمیں خط میں لکھ کے بھیج ۔۔۔ گر چہ دعا سلام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

چنانچہ میں نے چہل حدیث کو صحاح ستہ نقل کر کے بڑی امید سے تحفۃً اس فرقۂ نامبارک کو ارسال کیا تھا، کوئی تو کچھ نہ بولا، مگر رنجیت سنگھ عرف مولوی محمد سعید صاحب نے وہ گالیاں مجھے لکھیں کہ اس کے دیکھنے سے بے اختیار مجھے ہنسی آ گئی اور ان کی تحریر سے قطعاً معلوم ہو گیا کہ ہمشیرہ کا نکاح کرنا معیوب ہے مگر خر چی پر چلانا خوب ہے۔ ایسا ہی جواب اس کتاب کا ہو گا۔ خیر اب وہ کچھ ہی لکھیں، مصنف صاحب یعنی مولانا منصور نے تو ایسے وقت میں یہ کتاب اس فرقۂ ناصواب کے جواب میں لکھی کہ دور زمانے کا آخر ہے، اہل مجلس اٹھے جاتے ہیں، جلسہ درہم برہم ہو چلا، شمع اسلام سنبھالا لے رہی، باد مخالف کے جھونکے بے حد چل رہے ہیں، اس میں بھی جماعت علما کے اتفاق سے اعدا کے دانت کھٹے تھے اور کسی کو کچھ بن نہ آتی تھی، جو سامنے آتے تھے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے تھے، اس فرقۂ ناعاقبت اندیش نے وہ تفرقہ امت میں ڈالا کہ اپنے بیگانے ہو گئے، دوست دشمن بن

گئے، بھائی کو بھائی قہری نگاہوں سے دیکھنے لگا، عیادت وتعزیت سب موقوف ہوگئی اعانت ونصرت بھی کوچ کرگئی، حسد کا بازار گرم ہوا کہ ایک کو ایک دیکھ نہیں سکتا۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ الغرض یہ ایسی کتاب ہے کہ واسطے دفع تاریکی جہالت کے ایک روشن آفتاب ہے۔

کتاب نی کہ رخشندہ ذکائے	کہ ذرہ ذرہ از روی پرضیائے
ز خلاق جہاں غرض من ایں ست	دہد فتح المبین راہم بقائے
مصنف را دہد روزی فراواں	ز راحت روح وریحان ہم رضائے
خدا منصور دارد مثل نامش	برا عدائش بود نازل بلائے
بقلب منکر تقلید نعمان	ز تاثیر کلامش باد جائے
بحق احمد و اصحاب و آلش	بود مقبول یا رب این دعائے

حررہ ابوادریس محمد عبدالرب ساکن دھلی

تقاریظ مثبتہ دستخط ومواہیر علمائے مشاہیر مقام چیلی بھیت

الحمد للہ الذی جعلنا من امۃ حبیبہ محمد صاحب القرآن، صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ وسلم الی ما تعاقب الملوان۔ ووفقنا لتقلید الامام الاعظم التابعی ابی حنیفۃ النعمان علیہ الرحمۃ والرضوان۔ بعدہ س کے واضح ہو کہ اس زمانے میں کس قدر ضعف اسلام ہے کہ دینداری برائے نام ہے، اخلاص واتفاق کی کہیں صورت نظر نہیں آتی، جدھر دیکھئے اختلاف وفساد کی ترقی ہوتی جاتی ہے علم وعمل نایاب ہے جہالت کا ہر طرف فتح باب ہے، لعن وطعن کا بازار گرم ہے، نہ کسی کو خدا کا خوف ہے، نہ رسول سے شرم، عجب دور ہے؟ طرفہ طور ہے زمانہ خیر القرون ثلاثہ یعنی صحابہ وتابعین وتبع تابعین کا گزر گیا، بلکہ اس کے بعد بھی ہزار برس سے زیادہ گزر گئے اور اس درمیان میں لاکھوں علمائے معتبرین اور اولیاء کاملین پیدا ہوئے اور سبھوں نے اتفاق کیا کہ دین حق ان چار مذاہب میں منحصر ہے، چنانچہ کوئی حنفی کوئی شافعی کوئی مالکی کوئی حنبلی ہوا، اسی طرح برابر سلسلہ ان چار مذاہب کا چلا آیا اور ہر ایک نے اسی اتباع اور تقلید میں مرتبہ قربت وولایت کو پایا، لیکن اس تیرھویں صدی میں کہ اشر القرون ہے، چند سال سے فرقہ وہابیہ نجدیہ نے ایک نیا پانچواں طریقہ نکالا ہے کہ وہ کسی مذہب کو نہیں مانتے ہیں، بلکہ اپنے زعم فاسد میں اس کو بدعت اور ضلالت جانتے ہیں۔ حضرات ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کو مشرک اور بدعتی

ٹھہراتے ہیں اور ان کے مسائل کو مخالف قرآن و حدیث کے بتاتے ہیں۔ ان کے کذب و افترا سے شریعت میں فساد کے رخنے پڑ گئے اور لوگوں کے دلوں میں عقائد فاسدہ ان کے گڑ گئے۔ بے شبہ زمانہ قیامت کا قریب آیا۔ انہیں کذابوں اور مفتریوں کے حق میں مخبر صادق ﷺ نے بطور پیشین گوئی کے "یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون" فرمایا، چنانچہ مصدق اس حال کی اور شاہد اس مقال کی ایک کتاب کذب اور بہتان کی لب لباب، موسوم بظفر المبین مجمع عداوت و کین تصنیف محی الدین کی در حقیقت ممیت الدین، و او رمفسد بالیقین ہے دیکھنے میں آئی جس سے مسلمانان مقلدین خصوصاً عوام حنفیہ اپنے امام اعظم سے بدظن ہونے لگے اور تقلید سے ہاتھ دھونے لگے، فقہائے سلف پر لعن طعن کے آوازے آتے تھے، جہلا لامذہبی کی طرف جھکے جاتے تھے، شیاطین نے دین میں فساد ڈالنے کا موقع پایا، لامذہبوں نے مقلدوں کو بہکایا، یہاں کیا خوب مضمون برجستہ حسب حال ان کے زبان قلم پر آیا۔

سب غیر مقلد ہیں بلاشک گمراہ   کہتے ہیں ائمہ کو برا شام و پگاہ

شیطان ہیں بہکاتے ہیں ہر مؤمن کو   لا حول و لا قوۃ الا باللہ

غرض کہ جب اس فساد کو ہمارے مولانا فاضل جلیل، علامہ نبیل، فقیہ اجل، محدث بے بدل، مولوی محمد منصور علی خان صاحب مراد آبادی، دام بالفضل و الایادی نے ملاحظہ فرمایا تو میدان مناظرہ میں تیز قلم کو اٹھایا اور سیف زبان کو چمکایا پھر تو کوئی مخالف سامنے نہ آیا، ہر مفسد نے "فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین" کا نتیجہ پایا، حتی کہ مولانا منصور تمام عالم میں فتح و نصرت کا ڈنکا بجایا اور اس کتاب فتح المبین کو رد خرافات ظفر المبین میں بجوابات دندان شکن تصنیف فرمایا۔

جزاہ اللہ عنی و عن سائر المقلدین خیر الجزاء و حفظہ عن جمیع طوارق الآفۃ و البلاء۔ حررہ الفقیر الی رحمۃ اللہ الغنی وصی احمد الحنفی السورتی

تحمدہ و نستعینہ۔ میں نے اس کتاب کو دیکھا اور مصنف علام کو فتحیاب پایا اور جن احادیث سے مؤلف نے تمسک کیا ہے سب قوی اور صحیح اور نہج بہا ہیں۔ اس کتاب کے چھپنے سے نہایت طبیعت خوش ہوئی اس واسطے کہ در بارۂ قمع و قلع اوہام فرقۂ نجدیہ کے آج تک ایسی کتاب نظر نہیں پڑی۔ اللہ تعالی اس کے مصنف اور چھپوانے والے کو جزائے خیر دے اور اس کے مضامین کو ذریعۂ ہدایت فرقہ وہابیہ کرے آمین ثم آمین۔ حررہ عبد اللطیف سورتی

تقاریر بے نظیر دلپذیر علمائے مشاہیر لاہور و امرتسر مع دستخط و مواہیر

الحمد للہ و کفی۔ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد فقد طالعت الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین علی سبیل الاجمال للاستعجال، فوجدت دلائلہ ساطعۃ

كالشمس في الضحى . وبراهينه لامعة كالقمر في الدجى . لم لا؟ وقد حققه المصنف المولوى محمد منصور علي خان المرادبادى سلمه الله ذوالايادى لرد اصحاب الظواهر الذين لا يميزون بين الغث والسمين . والمهين والمتين . ولبته بالكتاب والسنة واجماع الامة التى لا تجمع على الضلالة اصلا . ثم بقياس الفقهاء المجتهدين الذين هم هداة الشريعة الغراء . جعل الله سعيه مشكورا في الاخرة والا ولى . نمقه الفقير محمد الدين الحنفي الاهورى مصنف كتاب روضة الادباء.

باسمه سبحانه ۔ فتح المبین را کہ مولوی محمد منصور علی خان صاحب دررد مقالات ظفر مبین مؤلف محی الدین تالیف نمودہ انداز مواضع مطالعہ نمودم ۔ مصنف علام جزاہ اللہ خیر الجزاء داد تحقیق وتدقیق دادہ اند ۔ ودلائل حنفیہ را برد اقوال ظاہریہ کہ اگرچہ تحقیق محض نابلد اند بزبان اردو انمودہ اند ۔

حررہ خادم شریعة رسول اللہ خلیفة حمیداللہ قاضی لاہور عفی عنہ ۔

حامداً ومصلیاً ۔ امابعد فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ۱۳۰۶ھ ۲۵ ربیع الاول کو میرے پاس پہونچی اور دوسرے روز بباعث قلت وقت کے واپس دے گئی اگرچہ پوری پوری واقفیت اس کتاب کی حاصل نہیں ہوئی لیکن تاہم بعض بعض مقامات اس کتاب کے مطالعے میں آئے چونکہ مشتے نمونہ خروارے ہوتا ہے اس لئے میری رائے ناقص میں یہ کتاب بہت فائدہ مند اور ظاہریہ کے لئے جواب کافی ہے ۔

حررہ الفقیر البگوی نور احمد امام مسجد باد شاہی لاہور .

حامداً ومصلیاً . اما بعد فقد رایت هذاالكتاب من اوله الى آخره، فوجدته مطابقا بالقرآن والحديث والاجماع والقياس . سعى المصنف فيه سعيا كثيراً، وادى حق الرد تحديثا وتفسيراً . جزاه الله عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء . فقير محمد الحنفي الجهلمى ثم الاهورى

باسمه سبحانه نظرت في هذاالكتاب المستطاب، فوجدته مطابقا لاهل السنة والجماعة، جعل الله سعى المصنف عنده ماجوراً وعندالناس مشكوراً.

العبد الاثيم فقير برهان الدين ولد مولوى عبدالرحيم . امام مسجد گمٹی بازار

حامداً ومصلیاً ومسلماً ۔ کتاب لاجواب کاسر رؤس ملحدین مسمی بفتح المبین جو ماشاء اللہ چشم بدور اسم بامسمی ہے رد مجموعہ مفتریات اعدائے دین ۔ حد اھم اللہ القوی المتین ۔ جس کا نام برائے نام ظفر مبین ہے میرے نظر سے گزری اور میں نے اس کو بنظر اجمالی ملاحظہ کی ، فی الواقع یہ کتاب لامذہبوں کے فرقہ طاغیہ باغیہ گندم نمائے جو فروش کی قلعی کھولتی ہے ۔ اور حق

نمائی میں آئینہ سکندری کا حکم رکھتی ہے۔ اعدائے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قلع و قمع میں سیف صارم کا کام دیتی ہے۔ خدا وند عالم عزاسمہ حضرت مصنف علام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اتباع شیخ نجدی کا سرخوب ہے توڑا۔ اشیاع عدو مبین ائمہ مجتہدین کا کیا ہے بھانڈا پھوڑا۔ واہ واہ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ اب مقلدین حقانیین خم ٹھوک کر وندناتے ہوئے دل کھول کر بے دھڑک یہ کہتی۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ اور بے چارے لامذہب غریق دریائے خجالت بنے کیے سے منفعل ہو کر کہیں۔ یالیتنی کنت ترابا۔ اگر اب بھی لامذہب باطل پرست اپنی ہٹ دھری اور بہتان بندی سے جو ان خبیث نجدیہ کا شیوۂ ناصواب ہے باز نہ آئیں تو بجز خاموشی ان کا کیا جواب ہے۔ جواب جاہلان باشد خموشی۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

والسلام على من اتبع الهدى. حرره الراجى رحمة ربه البارى ابو البشير عبدالعلى القادرى مفتى مدرس مدرسة اسلامية امرتسر.

تقاریظ مثبتہ مواہیر و دستخط علمائے مشاہیر آرا و ہوگلی و کلکتہ

الحمد لله الذي لولاه ما اهتدينا. والصلوة والسلام على رسوله محمد الذي أرسل إليه إنا فتحنا لك فتحا مبينا. وعلى اله واصحابه الذين هم مقتدانا وعلى الأيمة المجتهدين هم وسيلتنا في القرب والإقتداء برسولنا ونبينا ومولانا وحبيبنا وشفيعنا محمد الذي خاتم الأنبياء ورحمة للعالمين.

امابعد مخفی مباد کہ کمینہ امت کمترین اہل سنت بندۂ گمنام محمد علی اکرم نام خادم الحدیث و رجالہ الکرام۔ الآروی وطناو الحنفی مذہبا والقادری مشربا والصدیقی العلوی نسبا وبواسطہ و بواسطتین الحنفی تلمذا والمکی اصلا والمدنی مدفنا ازین شاد تعالیٰ کہ چوں زمرۂ قبول اسلام مولوی محی الدین و امثال ایشاں بگوشم رسید بادای شکر باری تعالیٰ بر موی تنم صورت زبان گرفت کہ درین ہنگام کہ کساد بازاری اہل اسلام بحد ے ست تا ہم مردمان دوزمرۂ اسلام داخل میشوند و بجماعت مومنین رغبت میکنند در مسرت و شکر این بودم کہ تا گاہ اتفاق دیدن کتاب ظفر المبین مؤلفۂ ایشاں گردید سرم برنج و غم انجامید و زمانے متحیر ماندم کہ الٰہی این چہ معاملہ است آیا این نو مسلمان در پردۂ اسلام آمدہ افتراق اہل اسلام ارادہ کردہ یا چہ مطلوب ایشاں ست آخر کار دانستم کہ مولوی صاحب مذکور ہر چند باسلام گرویدہ اند لیکن ہنوز ادب کہ سرآمد اخلاق ایمان ست از کسے نیا موختہ اند بلکہ بگوش جان نہ شنیدہ اند۔

حافظا علم و ادب ورز کہ در حضرت شاہ ہر کرا نیست ادب لائق صحبت نبود

تحفۂ تالیف این کتاب چنان گردیده که هر ناقص العلم آزاد بوده از جادۂ ادب پا بیرون نهاده یا گر او خود مؤدب است از مقلدان این کتاب و مؤلف آن به جنگ درپیوست کم کسی است که از دیدن این کتاب تحفۂ بدنه برداشته باشد جمیع معاندین دین راه ستادیز نیست خوش و بے ادبان را تمسکے ست خوب و در حق حنفیان تمرا ئیست که بدان جان بازی و جنگ کردن ضرورت افتاده است خاصۂ آنکه مؤلف رساله عجب شور و فساد در دین متین انداخته که در اخوان دین افتراق و تباغض بعدے پیدا گردیده که قابل بیان نیست دانسته بودم که اسلام آوردن اغیار موجب موافقت و تحابب با خود باشد خواهد شد بخلاف آن ذریعۂ تفارق و وسیلۂ تباغض فیما بین گشت ؎

تو برای وصل کردن آمدی | نے برای فصل کردن آمدی

نعوذ بالله من ذلک تالیف این کتاب بلائے ست و مطالعۂ آن ابتلائے پروردگار عالم مومنین را از آن دور تر دارد و از فضل خود ایشان را مؤدب سازد ؎

بے ادب محروم شد از فضل رب | بے ادب تنها نه خود را داشت بد

از خدا خواہیم توفیق ادب | بلکه آتش در همه آفاق زد

و هر چند این فقیر از این وادی درگذشته است که میان غوغائے طلب در آید و به میدان لا و نعم و جنگ و جدال با منکرین پرداز دو دوستان تکلیف این معنی بسیار میدهند لیکن مرکب من چنان بالا رفته است که آواز این اشرار نیز در آنجا بگوش ما نمی خراشد مگر خصوصاً این کتاب را پیش من رفقائے آورده و خواندن گرفت پس در دل من چنان ریختند که لزوم و نزد احبابم بفضله تعالی اکثر کتب حدیث موجود است جوابی کافی تحریر کنم و مؤلف این کتاب را احادیث متمسک حنفیان که بجز آن را نشنیده تبلیغ کنم که مسائل حنفیان مر آنچنان ست که بدون سند را حدیثے نباشد بلکه بر هوسها لیحنفیان و دیگرا ترحدیثے ست ثابت و آنچه ست فہم کے آن را ی فهمد و کسے بے ادب آنرا بگوش نمی آرد و در بعد ازین تردد و جمع کتب و استنباط بودم که ناگاه رسالۂ جواب درد این کتاب مسمی بفتح المبین لزوم رسید اکثر جا بجا آن را دیدم جواب شافی در یافتم پروردگار در اعانت مؤلفش بموجب والله فی عون العبد ما کان فی عون أخیه باشد بر تمام اهل اسلام عموماً و بر حنفیان خصوصاً ادائے شکر مؤلف ضرورست که جوابی خوب نوشته اند هر چند آنچه من توقع بطرز دگری شده لیکن این کتاب هم قابل استناد و لائق اعتماد است اهل حق را باید که بدین کتاب عمل نمایند و از مطالعۂ ظفر المبین احتراز فرمایند فقط

كتبه المسكين خادم الحديث والرجال محمد علي اكرم تغمده الله وأساتذته ووالديه برحمته ومغفرته.

من اجاب لقد اصاب

الحمدلله الذي كفى وحده ،والصلوة والسلام على نبيه الأميّ الذي لانبيّ بعده وعلى اله الطيبين ،وأصحابه الطاهرين،وعلى الأئمة الاربعة المجتهدين المقبولين كلهم أجمعين امابعدفقداطلعت ماحرره من المضامين، في هذاالكتاب ألفتح المبين،في كشف مكائدغيرالمقلدين ،في جواب الظفرالمبين ،في ردّ مغالطات المقلدين ،فوجدته أحسن التصنيفات للمصنفين ،وأجمل التاليفات للمؤلفين ،وحسبته حاوياعلى تحقيقات المذاهب ،وجامعاًعلى تدقيقات المارب ورأيته موافقاًلماهوفي الشريعة لأهل السنة والجماعة منصوصاًعليه فينبغي لنا الرجوع عندإختلاف الروئة اليه ،فهذايفضله تعالي لقلع ضلالة الأشقياء كاف،ولنفع هداية الأتقياء واف، فلاشك أن المؤلف قدأجادفيماأراد،وسلك سبيل السدادوالرشاد،وكلماأجاب،فأصاب فكان سعيه مشكوراً،فلذلك صاركاسمه على المخالفين منصوراً،فمخالفوه اللامذهبون في كل واديهيمون،لمالم يبق لهم من الجواب ،فبغيظهم يموتون،فياأيهااللامذهبون موتوابغيظكم،ولاتلوماغيركم،فإنكم مفسدون في الأرض لامصلحون ،لم تقولون مالاتعلمون،فتوبواإلى باريكم واستغفروه من ذنوبكم،فتنجوا، وإلاّ فتهلكوا،لأن الشريعة عبارة عن هذه المذاهب الأربعة فحسب وهي فيهاقدانحصرت ،فإن هذه المذاهب قددونت ،وقواعدهاقدضبطت وأصولهابالنصوص قدانطبقت ،وبفضله تعالى أحكامهافي كل البلاد جرت ،وفروعهافي جميع الجهات انتشرت ،فبحار هدايتهافي قلوب المسلمين تموجت ، ودررهاالمكنونة في صدورالمؤمنين قداستقرت ،فنفوس المقلدين بضوئهاإنجلت ،فرأت بهامارات ،وحصلت بهاماحصلت ،وعرفت بهاماعرفت ،فلذلك ترى ان الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة فيهاقداجتمعت ،لأن الشريعة من غيرهذه المذاهب في الدنياماوجدت واطاعة أحكام الشريعة للناس قدفرضت ،فإن لم يحتسبْ هذه المذاهب الأربعة للشريعة معتبرة فالشريعة عن الدنياعدمت، لأن ماسواهامن المذاهب ليست كمثلها في ضبط القواعدوالأصول وفي ربط العلة والمعلول ،بل كلهاقداندرست وفي بعض كتبهاالتي بقيت، أقوال المعاندين فيهاقدمخلت ،فتغيرت ماتغيرت فكيف تكون هي الشريعة التي من الشارع شرعت فمااعتبرت أحكامهاالمنتشرة فيهاوماحسبت فلامحالة ان هذه المذاهب الأربعة لإجراء الأحكام الشريعة قدبقيت لأنهامن التغيرات قدحفظت لمامن الدلائل التي قدذكرت والإختلافات التي بين المذاهب نظرت فهي رحمة للعالمين من خالق الثقلين خلقت فمن كان خارجاًعن المذاهب الأربعة

في هذا الزمان فهو من اهل البدعة والنار وتبعي الشيطان كيف لا وقد قال رسول الله ﷺ إن الله لا يجمع أمتي أو قال أمة محمد على الضلالة ويد الله على الجماعة ومن شذ شذ في النار، وقد قال الله تعالى من يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى ونصله جهنم وساءت مصيراً فكما يجب علينا الإيمان والتصديق بكل ماجاءت به الرسل وإن لم نفهم حكمتة ، فكذلك يجب علينا الإيمان والتصديق بكلام الأئمة الأربعة وإن لم يفهم علته فإن قلت هذا شرك قلت لا، لأنهم كانوا من أولي الأمر أهل الذكر المعروفين المقبولين وقد أوجب الله تعالى علينا اتباعهم بقوله أَطِيْعُوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم ، فإن الله تعالى قد عطف اولي الأمر منكم على الرسول والمعطوف والمعطوف عليه في الحكم مساويان ، فأين الشرك في هذا الكلام مقيم ، إن هذا لا يفهمك السقيم، وامرنا ان نسألهم عما لا نعلم بقوله فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون ، وهدانا ان نرد المسائل إليهم ونثق بإستنباطهم بقوله وَلَوْرَدُّوهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلى أُوْلِي الأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ ، وأخبرتنا ان الأئمة منا يهدوننا بقوله وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا فكيف لا يجب إتباعهم علينا، وكما لا يجوز لنا الطعن فيما جاءت به الأنبياء مع إختلاف شرائهم ، فكذلك لا يجوز الطعن فيما استنبطه الأئمة المجتهدون بطريق الأجتهاد والإستحسان مع إختلاف إستنباطاتهم لأنهم ما استدلوا وما استنبطوا إلا بالحديث ومن الحديث وبالقرآن ومن القرآن ، امان لم يجدوا فيهما لو في اقضيته الصاحبة رضي عنهم الرب المستعان حكما من الأحكام أو ركنا من الأركان ، فقاسوا ما قاسوا بإتحاد العلة والبرهان ، فصار هذا القياس أصلاً رابعاً ثابتاً بنص الحديث والقرآن اما القرآن فاعتبروا يا أولي الأبصار، وغير ذلك من الايات التي الفتها في كتابي '' تذكرة المذاهب لمطالعة الأخوان '' وأما الحديث فعن ابن عباس ؓ قال أتى رجل النبي ﷺ فقال إن أختي نذرت أن تحج وانها ماتت فقال النبي ﷺ لو كان عليها دين أكنت قاضيه قال نعم قال فاقض دين الله وهو احق بالقضاء أخرجه البخاري وعن ابن مسعود ماراه المؤمنون حسنا فهو عندالله حسن ، وغير ذلك من الأحاديث التي جمعتها في التذكرة فارجعوا إليها إن شئتم يا أيها الخلان ، فهذه الأئمة الأربعة هم العلماء الذين قيل في ثنائهم علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل ، فأولئك هم الأمناء للشارع على شريعته من بعده فلا إعتراض عليهم فيما بينوه للخلق واستنبطوه من الشريعة لاسيما الإمام الأعظم رحمه الله فلا يجوز لأحد الإعتراض عليه لكونه من أجل الأئمة وأقدمهم

تدوينا للمذهب وأقربهم مسنداً إلى الرسول ﷺ وشاهداً لفعل الصحابة وأكابر التابعين رضي الله عنهم أجمعين ،وكيف يجوز لأمثالنا الإعتراض عليه لقد أجمع السلف والخلف على جلالته وعلمه وفضله وورعه وزهده وعفته وعصمته وسخاوته وعبادته وكثرة مراقبته لله تعالى وخوفه منه فمن قال غير ذلك فهو من جملة الجاهلين المتعصبين المنكرين على ائمة الهدى المقبولين بفهمه السقيم ،وبعناده الذي بقلبه المقيم ،بل يجب على كل مكلف أن يشكر الله تعالى على ايجاده مثل الإمام أبي حنيفة ﷺ في الدنيا،ألم تركيف بذل الجهد وسعى الإمام الأعظم في إستنباط أحكام الشريعة الغراء وضبط أركان الطريقة البيضاء،إماطة الأذى وسبيل المعرفة العليا،ألم تركيف استحكم به الشرع المبين ،واهتدى به الخلائق كلهم فإنه بوبه مبوباًوفصله مفصلاً وهذبه مهذباً،ورتبه مرتباونقحه تنقيحاً وعلله تعليلاً ،وميزه تمييزا،ويسره تيسيراً، اتعرف مثله من الأئمة في الدنيا،فلا تجدن نظيره فيها،فإذاعرفت أنه أفضلهم فلا تنس فضله واعمل بقوله تعالى "ولا تنسوا الفضل بينكم" وإذاعرفت أنه أحسنهم فلاتشغل عنه واعمل بقوله تعالى "واتبعُوا أحسن ما أنزل إليكم من ربكم" فظهر من هنا أن من انكر مسائل الإمام المستنبطة من الكتاب والسنة واقضية الصحابة رضي الله عنهم فهو كافر، لأنه أنكر الشريعة وكل من أنكر الشريعة فهو كافر فمنكر المسائل كافر،وكذلك من لعن أو طعن في الإمام الهمام فهو ليس بمؤمن لأنه طعن أو لعن المؤمن الذي هو أكمل المؤمنين ،وأجلهم وأحسنهم في الدين وكل من طعن أو لعن المؤمن فهو ليس بمؤمن فطاعن الإمام أو لاعنه أو فاحشه ليس بمؤمن ،كيف لا وقد قال رسول الله ﷺ ليس المؤمن بطعّانٍ ولا لعّانٍ ولا فاحش لا بذي كذافي التيسير، أيضاً قال لا يرمي رجل رجلاً بالفسق والكفر إلا ردت إليه إن لم يكن صاحبه كذلك، أخرجه البخاري، وكذلك من سب الإمام فهو فاسق ،لأنه سب المسلم وكل من سبّ المسلم فهو فاسق، فمن سب الإمام فهو فاسق ،كيف لا وقد قال رسول الله ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر أخرجه الخمسة كذافي التيسير، وقد قال الله تعالى والّذين يؤذون المومنين والمومنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتاناً وإثماً مبيناً وكذلك من ضار الإمام فهو ملعون لأنه ضار مومناً وكل من ضار مومناً فهو ملعون، فمن ضار الإمام فلا شك أنه ملعون كيف لا وقد قال رسول الله ﷺ ملعون من ضار مومناً أو مكربه أخرجه الترمذي كذافي التيسير،قد قال الله تعالى إن الذين يحبّون أن تشيع الفاحشة في الّذين آمنُوا لهُم عذابٌ أليم في الدّنيا والاخرة،وكذلك من لم

يؤقر الإمام فهو خارج عن أهل الإسلام لأنه لم يؤقر كبيرنا الإمام الهمام وكل من لم يؤقر كبيرنا فهو ليس من أهل الإسلام فمن لم يؤقر الإمام فهو ليس من أهل الإسلام ،كيف لا وقد قال النبي ﷺ "ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقر كبيرنا" أخرجه الترمذي ،فلذلك وقرة الإمام الشافعي عند زيارة قبره في البغداد،فارضاهما الله تعالى عن العباد وهكذا كلها في كتابي التذكرة فما يقال لهري چند بن ديوان چند المؤلف الظفر المبين في رد مغالطات المقلدين الّذي أسلم خدعاً للمسلمين ،كما أسلم عبدالله بن سبا خدعا للمومنين ،فاستفت عن نفسك ولا تستفت عن غيرك فهو كفاية لك ألم تركيف هذى بشناعة الإمام فيه فقال تارة إن الإمام ما تلقى من أحاديث الرسول الاسبعة عشر حديثاً وشنع عليه تشنيعاً فاحشاً تقليداً للمتاخرين المتعصبين المعاندين فياعجباً مع ذلك ينكر التقليد لإمام المجتهدين وقال تارة إن الإمام قد خالف الحديث والقرآن في مسائل فلان وفلان وعدها بالبيان واحتج عليه بالأحاديث التي وافقت لما تهواه نفسه من الصحاح ،وأعرض عما استدل بها الإمام الصاحب للفلاح تنفيراً للمقلدين الصالحين عن عمل الفقه للأئمة المجتهدين المقبولين وقال تارة أن الإمام قد خالف في هذه المسألة الفلانية حديث الصحيحين ليعلم الحمقاء والسفهاء أن الصحيحين قد كانا قبل الإمام أرضاه الله تعالى عن جميع المؤمنين المقلدين فلعله لا يعلم هو نفسه ولا مقلّده بفتح اللام أن صاحبي الصحاح بالنسبة إلى الإمام كطالب العلم لا بل كاحاد الرعية من السلطان الأعظم كيف لا وقد قال الإمام سفين الثوري إننا بمقابلة أبي حنيفة كالعصفور عند الباز،وأيضاً قال مخاطباً لأبي حنيفة رحمه الله أنت سيد العلماء ألا تعلم أن المسلم الشافعي تلميذ البخاري ،والبخاري تلميذ الإمام أحمد بن حنبل،وأحمد تلميذ الإمام الشافعي ،والشافعي تلميذ الإمام محمد،ومحمد تلميذ الإمام الأعظم رحمهم الله تعالى كلهم اجمعين.فأعرف منازلهم ومدارجهم واحفظ مناقبهم بدرجاتهم،فلا تقل إن أدلة الإمام ضعيفة ولا يبادر اليه بألفاظ قبيحة تقليداً للمتعصبين فتحشر مع الخاسرين ،أما الصحاح وإن كانت أصح الكتب بالنسبة إلى ما بعدها لكنها لا عبرة بها بمقابلة الأحاديث التي استدل بها الإمام الهمام قبلها لكونه اقربهم إلى الرسول فلذلك تلقت الأحاديث التي استدل بها الإمام الهمام قبلها لكونه أقربهم إلى الرسول فلذلك تلقت الأمة الإستدلال بالقبول فلا ينبغي لأحد أن يطعن في الإمام الهمام بروايات الصحاح التي بعد المأتين وثلثة مائة دونت فلاشك ان فيها اقوال المعاندين المتعصبين والمنافقين قد دخلت

فلذلك قال ابن حجر في نخبة الفكر ان الخبر اما يكون له طرق بلا عدد معين أو مع عدد حصر بما فوق الإثنين أو بهما أو بواحد فالاول هو المتواتر وهو المفيد للعلم اليقيني بشروطه والثاني: هو المشهور، والثالث: العزيز، وليس شرطا للصحيح خلافا لمن زعمه والرابع القريب وكلها سوى الأول آحاد فيها المقبول والمردود لتوقف الإستدلال على البحث عن أحوال رواتها دون الأول الخ. ألا تعلم ان اسمعيل بن علية الذي قال للقرآن مخلوق وأهلك بحكمه تلميذه الخليفة المامون خلقا كثيرا وجما غفيرا، وابو بكر بن شيبة الذي وضع في كتابه بابا للرد على الإمام أبي حنيفة وأخوه عثمان بن شيبة وغيرهم الرواة للبخاري قد كانوا متعصبين ومنكرين على الإمام الهمام فالحقيقة أو الصداقة من الرواة النازلين من الإمام بالتعصب أو بتداول الزمان والأيام قد فقدت لأن الاية السابقون السابقون أولئك المقربون الخ والأحاديث خير القرون قرني الى ثم يجئ قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه ويمينه شهادته، أخرجه البخاري. وفي رواية أوصيكم بأصحابي إلى. ثم يفشو الكذب. وفي رواية ثم يظهر الكذب وغير ذلك التي في التذكرة كتبت في فقد أنها قد سبقت بل على كذب الرواة النازلين قد شهدت فأين الإعتماد على جميع روايات الصحاح وكيف يرد بها الأحاديث التي استدل بها الإمام الصاحب للصلاح ولاشك أن اعتبار الروايات باعتبار الرواة واعتبارهم باعتبار قرب زمانهم إلى الرسول ﷺ مع قوة عدالتهم وإيمانهم وفضلهم وعلمهم وورعهم وزهدهم وعفتهم وخوفهم من الله تعالى ولاشك أنه قد ثبت أن الإمام الأعظم التابعي أقربهم سندا إلى الرسول ﷺ وأقدمهم تدوينا للمذاهب وأكملهم إيمانا، وأجملهم إسلاما، وأعلمهم علما، وأفضلهم فضلا، وأورعهم ورعا، وأحسنهم دينا، فانصف في قلبك واستفت عن نفسك، أتعرف مثله في هذه الأمور المتفرقة من رواة الصحاح النازلين عنه في الدرجة البعيدة التي قد شهدت بكذبه الأحاديث المذكورة فينبغي لنا العمل بالأحاديث التي استدل بها الإمام ولو ضعفها المتأخرون تقليدا لأكثر المعاندين لذلك الإمام الهمام او لرؤيتهم التغيرات فيها لبعد الزمان وتداول الأيام، ولو لم يوجدن كلها في الصحاح لما قال صاحبوها تركنا الأكثر من الأحاديث الصحاح، فتامل في هذا الكلام فإنه أدق الدقائق، وأحسن الحقائق، قد زلت فيه أقدام أكثر الخلائق فلقد نبهتكم عليه يا أيها الأخوان! بنصرة الله المستعان فإن خضتم وتدبرتم أيها الخلان فتجدوا كلها في كتب أهل الكشف والعرفان. والله أعلم بالصدق والصواب وإليه المرجع والماب.

هذاماكتبه الحقير الفقير المفتقر إلى ربه الكبير خادم المقلدين محمدعبدالقادر غفرله ولوالديه رب العالمين-المدرس الأول للمدرسة المحسنية في بلدة الهجلى صانهاعن الآفات هوالعلي .

من اجاب لقد اصاب

باسمه سبحانه.فماكتب مولانا المنصورعلي من الدليل والبرهان الجلي،كاف لجواب غيرالمقلدين الذين رأيهم غيرمتين ،وينبغي أن يقال إنه ذوالفقار على لقطع براهين البتّانية ،وماح لادلتهم الواهية،وجعل الله المنصورمنصوراعلى المفسدين بمقتضى اقوال القائلين ،لكل من اسمه نصيب وهذاشئ ليس بعجيب .الراقم غلام سلماني العباسي عفاالله عن والديه ،سوم مدرس مدرسة محسنيه هوگلى.

نحمده ونستعينه أجمع سادات الفقهاء وفحول العلماء من أهل السنة والجماعة على صحة التقليدووجوبه إحتياطالسدباب الفسادفي الأركان الإسلامية،وتاليفالقلوب المسلمين في الأمورالشرعية،فلاشك أن القول ببطلانه قول يخرب بناء الأصول الإسلامية ،ويفرق بين صلحاء الأمة المصطفوية،قدأجادمصنف هذاالكتاب في ردإعتراضات المبطلين الساعين في أرض الله بالفسادفي الدنياوالدين والمريدين ليطفئوا نورالله الساطع في أقطارالعالم كالشمس في ضحوالنهار بالإفتراء على سادات الأئمة المرحومين فجزاه الله تعالى عن المسلمين خيرالجزاء في الدنياوالاخرة آمين ،هذبه ونمقه عبدالعلي الإسلام آبادي عفي عنه.

لله درالمجيب الفاضل اللبيب،قداجادفي جواب غيرالمقلدين المفسدين لادنياهم ولادين ،وبئس القوم قدظهروافي زماننا،وهم يشتمون أئمة ديننا،ويقولون إن الأئمة المجتهدين قدأهدموابناء الإسلام والدين بآرائهم الباطلة وأقيستهم الفاسدة وأظهرواطريقاًخلاف الحديث والمثاني ،وأضل الناس ولامثلهم فيه الثاني،والمقلدون سلكواطريقاًغيرحق،وأنهم على الباطل

ونحن على الحق لأنانعمل بالقرآن وحديث خير البرية،وهم يعملون باراء أبي حنيفة هيهات هيهات هذالركاكة رأيهم.ومن قلة بضاعتهم أمافهموا أن الأئمة أركان الإسلام وماكان غرضهم إنهدام بناء الإسلام والإنعدام.وقدأدرك أمامناالأعظم صحابياعدة وليس في ذلك شئ من الريب والشبهة .وقدبلغ في العلم والعمل درجة القصوى واجتهدمن القرآن والحديث من المبتدأإلى المنتهى.والإستنباط والقياس كله مستنبط من كلام الله،ومن حديث خيرالبريةوكان في خيرالقرون الإمام أبوحنيفة رحمه الله وفي الزهدوالورع كان عديم المثال بلاشك وشبهة وكيف يكون إتباع الأئمة من ضلال من غيرقيل وقال،لأن المقلدين إتبعواأولى الأمرمنهم،وماأخذواسبيل الشرو الكيدمثلهم إلاأيهاالأخوان أن كيدهم ككيدالشيطان لاينبغي للعاقل أن يقع في شركهم لأنه ماخلاكل من وقع في فخهم وأمارأيتهم أنهم سلكواطريق التلهي الحرام وأخذواطريق الفجرة اللئام ففي حين من الأحيان يأخذون دلائل الروافض والمعتزلة ويلزمون الحنفية من براهينهم الباطلة،وربمايستدلون بدلائل الشافعية ليغلبوعلى المقلدين لأبي حنيفة فظهرالان أنّ غيرالمقلدين رايهم غيرمتين،وهم مضل ومضل وماسلموامن الخلل والزلل ،فنعم ماقال القائل المرء يقيس على نفسه،فنسبواالضّلال إلى الحنفي دون غيره لله درالمصنف لافض فوه فانه كلماأجاب قدأصاب وأجادبها ارادفهذانعم الكتاب وحبذاالخطاب لمطالعة أولي الألباب، نمقه محمدراشداول مدرس مدرسة عربية محسنية هوگلي۔

صح الجواب

هيهات هيهات أن متوهبة الزمان قدزوروالمقول تزويرأوضلواوأضلواكثيرأوعتوعتواكبيرأ،مع أنهم لايفقهون إلاقليلاً،تأهبوالهدم دعائم الدين وتشمروالإستيصال قوائم اليقين ،فويل لهم مماكتبت أيديهم وويل لهم ممايكسبون وتشبثوابدلائل ركيكه ،وتمسكواببراهين ضعيفه،فمثلهم كمثل العنكبوت ،إن أوهن البيوت لبيت العنكبوت ،وعمواوصمواعن حجج بينه،وعمهواغمواعن فجاج واضحه ،فهم ركبوامتن عمياء ،وخبطواخبط عشواء،إن أولياؤهم إلاالطاغوت يخرجونهم من النورإلى الظلمات،فياليت شعرى كيف تبادرواإلى التشنيع والطعن على الإمام الهمام القمقام ،أسوة الأئمة الكرام ،قدوة الأنام

،نبراس الملة الحنفية البيضاء ،ذي الأخلاق السنية والنساء،قامع البدعة محي السنة سراج الأمة النبوية صلى الله عليه وسلم على اله وأصحابه أجمعين وسلم،لله در النجيب ما أجود ما أجاب لقد جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا اللّٰهم إهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم من النبين والصديقين والشهداء والصالحين ،ربنا اغفرلنا ذنوبنا وكفّر عنا سيأتنا وتوفنا مع الأبرار ،بحرمة النعلين الشريفين المعظمين لحبيبك ورسولك خاتم النبيين والمرسلين صلى الله عليه وعلى اله وأصحابه وسلم أجمعين امين ثم امين ،نمقه أكبر على عفي عنه مدرس مدرسة عالية كلكته۔

من طعن على الأئمة سيما على الإمام الهمام مقتدي الأئمة العظام المحي لشريعة خاتم الأنبياء عليه وعليهم السلام ،أمامنا وسيدنا ومولانا الإمام أبي حنفية رحمه الله تعالى فمثله كمثل كلب أن تحمل عليه يلهث أو تتركه يلهث ،فللّٰه در المجيب العالم النحرير حيث أفضحه بسوط الجواب غاية الافضاح ،وشغله عن النباح،من أجاب فقد أصاب أللّٰهم لاتجعلنا مع القوم الظلمين وأدخلنا في عبادك الصالحين وأخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين ۔

من اجاب فقد اصاب

لقد أجاد المجيب النحرير فيما أفاد وأتى بما يفحم من أراد في الأرض الفساد،وبالغ في إشاعة الخير وإحياء الدين،وسعى سعياً كاملا في إزالة الشكوك عن قلوب المفسدين فيجعل الله سعيه الجميل مشكورا وابقى ذكره في بطون الصحائف مرقوما أو مسطورا وهدى جماعة المخاصمين إلى سبيل الرشاد وصانهم عما يقتضيه البغي والعناد،أنه هو الموفق والمعين في كل ساعة وحين وصلى الله على خير خلقه محمد واله وأصحابه أجمعين ،حرره العبد الأواه محمد محمود الله غفر الله ذنوبه وستر عيوبه مدرس مدرسة عالية كلكته۔

تقاریظ مثبتہ دستخط ومواہیر علمائے مشاہیر حیدرآباد دکن ومدراس

انچہ جواب در کتاب فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین مولوی صاحب جامع معقول ومنقول کشاف دقائق فروع واصول جناب مولوی محمد منصور علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وأبقاہ مرقوم فرمودہ اند صحیح وخلاف آن باطل جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء بایدکہ

جمیع مسلمانان برایں عمل لازم وواجب دانند اگرچہ تمام ایں کتاب رافع الوسواس یا جواب المطلق نہ دیدہ شود بجا است۔

بسم الله الرحمن الرحيم وقد رأيت هذا الكتاب كله من أوله إلى آخره وجدت صحيحا لكامل الجواب لاريب فيه وختمت عليه على صحته اعني كتاب الفتح المبين فی كشف مكائد غير المقلدين المولانا وبالفضل أولانا مولوی محمد منصور علی صاحب جزاه الله تعالى عنا وعن جميع المقلدين لمذهب الإمام أبي حنيفة خير الجزاء. وأنا الفقير الضعيف حامل نعال العلماء العالمين والصوفيين الكاملين محمد اكبر علی عفا الله عنه فقط

قد اصاب من اجاب

بسم الله الرحمن الرحيم أما بعد الحمد والصلوة فقد شرفت بمطالعة هذا الكتاب المؤيد من الله فی كل باب وتنزهت فی رياض مبانيه وحدائق معانيه فياله من كتاب فاقد النظير كاشف المعضلات بحسن التقرير ولما رأيته يحمی حمی المذهب الحنيفی ويذب عن ذاك المشرب الصافی لاهنی ويأتی بأجوبة مفحمة للخصوم دافعة لما يعتريهم من الأوهام والزعوم قلت أنا فيه مرتجلا ع

وناهيك هذا السفر فی دفع ريبة ..... يهيجها أهل الهواء بخبثهم فقط

حرره المحصل بفضل الله الرحمن خادم شرع رسالت پناهی المخاطب بعمدة العلماء محبوب نواز الدوله آصف جاهی مفتی الزمان مسیح الدین خان بهادر

بسم الله الرحمن الرحيم ۔ ألحمد لمن خلق كل شئ ثم هدى وجعل حسب إستعداد كل قوم نبيا مرشدا وأتم النبوة عند كمال استعدادهم على سيد النبيين خير الورى عليه صلوة الله تعالى لاتقصى وعلى من تبعه من أصحابه الكرام والتابعين وتابعيهم سيما الأئمة الأعلام المجتهدين المشار إليهم بحديث بلغوا عنی قرب مبلغ أفقه مابلغ ۔ وبعد فأقول أن ضميمة فتح المبين فی رد الظفر المبين الماخوذ من الظفرة فی عين اليقين فی باب إبطال أمر التقليد بين له فی التفقه مسلك سديد مع البراهين القارعة رؤس أقوام عمين فائقا على سائر ماصنف فی هذا الرد بإثبات

أمر التقليد بالإستدلالات التي منقولاتها أقوى ومعقولاتها أجلي مشحون من الفوائد كل
منها دربيضاء هذا الكتاب مشكوة فيها النور بل برح فيه الذكاء أضاءت ما أظلم ليل الجهل في
الصدور وأرشدت السالكين إلى المامول بعدما غووا جهلا وغوى الأمن كان أعمى فهم في الآخرة
أعمي ياقوم هذا هو الحق الذي فيه يمترون ولايخوضون في مابلغ إليهم من المرسلين فاسألوا أهل
الذكر إن كنتم لاتعلمون بل يتعاظمون أنفسهم بتحقير العلماء الأولين مالهم لايعلمون السابقون
السابقون أولئك هم المقربون وهو البرهان على فضيلة من صنفه مروة للأخوان الذين هم إلى
طريق الحق مهتدون أعني الفاضل الراسي مولانا محمد عبد العلي المدراسي صانه الله عن
شرور الجنة والأناسي وأنا المعترف بذنبه الخفي والجلي أبو الفتح محمد نور علي عفا الله الولي

[illegible]

لك الحمد كما حمدت على ذاتك ياخالق الظلمة والنور وصل على من لانظير له في الأزمنة
والدهور وعلى أصحابه الذين ظهر الحق بهم بعد الفتور خصوصاً الذين بذلوا مهجهم في
الإجتهاد تسهيلا للناس سبيل الرشاد وبعد فإن هذه الضميمة للفتح المبين في رد الظفر المبين
الموسومة بتنبيه الوهابيين طبعت لتاييد المقلدين أيدهم الله رب العلمين في كل حين حين
ضاقت عليهم الأرض بما رحبت من فتنة الدجالين الذين يستاصلون الإسلام في ذي المسلمين
قالوا نحن نعمل بالقرآن والحديث ويريدون بالقرآن مايقارن قلوبهم تقتضيه عقولهم وبالحديث
البدعة والأمر الحديث يفعون بحرمة التقليد الذي هو طريق رشيد للعامين حتى صنف رئيسهم الذي
هو رأس الشياطين كتابا سماه الظفر المبين تشبيهاله بأظفار البنان التي تخرط الأبدان بين في
هذا المجموع إثبات الحق من أمر التقليد ليقينيات من التمسكات بالمعقولات والمنقولات لم يظفر به
أحد من باقي الرادين للظفر المبين ردما تفوه به فيه على طريق أنيق يليق أن يقال للمتفوه فأت
بمثله إن كنت من الصادقين فلما اطلعت على فوائده قلت متحيرا مالي أجديه حرأيتموج منه أمواج
السباحين لاأرجو الطل في وادي الدجي مع كثرة مافيه من الجهل إطلالا ماهو هل هو سراب فكيف
يزيل من إليه إهتدى أم سحر فكيف يزيل الضلال والغوى بل هو الحق راسياً يذوب منه اشد القلوب
قساً ميهات ميهات لمن لايتفقه ولايكتسب فهو للجهل المركب مرتكب فانتظروا انه نذير مبين
الهاماً من الحق باليقين على عبده أن يجلب ذيل الإفتخار على فرق كمال الصواب منادياً أن الله

یحق الحق ویبطل الباطل وعقده أم الكتاب مولانا المولوی محمد عبدالعلی المدراسی معلمه رب الأناسی وأنا الفقیر إلی الله الغنی الصمد قاضی محمد تجاوز عن ذنبه الأحد۔

صح ما قال القاضی فی حق هذه الضمیمة للفتح المبین الموسومة بتنبیه الوهابیین۔

باسمه العلی الأعلی

کتاب "فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین" مع ضمیمہ تنبیہ الوہابیین ولنعم جامع الشواہد کے ابتداء سے چار سو اکسٹھ (461) صفحہ مطبوعہ تک ملاحظے میں آئی۔ الحق یہ کتاب دلائل قویہ و براہین علیہ سے مظفر و منصور ہے اور شک و شبہ و اعتراض سے دور ہے۔ جزی اللہ سبحانہ عنا المؤلف الفاضل خیر الجزاء۔ مورخہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۰ھ حررہ الراجی رحمۃ ربہ المنان طرار ش خان۔

صح الجواب

محمود بن قاضی الملک بدر الدولہ کان اللہ لہما۔

الجواب صحیح والمجیب مصیب: احمد بن قاضی الملک۔

سبحان اللہ اس کتاب کے دیکھنے سے جلائی چشم وتصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے۔

محمد اکرام غفر الله له ولوالدیه۔

الحق کہ این نسخۂ فتح المبین علی الخصوص ضمیمہ تنبیہ الوہابیین نسخہ ایست پرتاثیر بل در دفع مواد فاسدہ وہم ناقص منکران تقلید مذاہب حقہ کبریت احمر و اکسیر جزی الله تعالی مصنفیهما أحسن الجزاء فی الدنیا والأخری وشکر لاحقاق الحق واهتداء الوری حرره الراجی رحمة الودود محمد محمود عفا عنه المعبود۔

واقعی یہ جواب لاجواب باصواب ہے۔ | قد أصاب من أجاب | صح الجواب

محمد عبدالکریم عفی عنہ وعن اسلافہ | محمد شہاب الدین عفی عنہ | سید علی رضا البیض کان اللہ لہ

یہ کتاب موافق مذہب اہلسنت وجماعت کے صحیح ہے

تحریر بے نظیر وتقریر دلپذیر از علامہ نحریر وتکلامہ بے تفسیر امام الأدباء مقدام الخطباء جامع علوم عقلی ونقلی مولانا قاضی محمد فاروق صاحب چریا کوٹی مدظلہ العالی

باسمہ سبحانہ

مِنْ آفَاتِ هٰذَا الزَّمَانِ أَنَّ النَّاسَ كَثُرَ بَيْنَهُمُ الشَّغَبُ وَالْمُكَافَحَةُ بِاللِّسَانِ حَتّٰى يُؤَدِّيَ فِيْ بَعْضِ الْمَوَاقِعِ الطِّرَادَ بِالرُّمْحِ وَالسِّنَانِ حَتّٰى فَصَمَ التَّنَافُرُ وَالتَّبَاغُضُ حِبَالَ الْمَوَدَّةِ بَيْنَ الْإِخْوَانِ وَذٰلِكَ لِأَنَّ الْمُفْسِدِيْنَ قَدِ اقْتَحَمُوْا ثُغُوْرَ الدِّيْنِ وَشَتَّتُوْا بِحِيَلِهِمْ شَمْلَ الْمُسْلِمِيْنَ بِأَنْ أَوْقَدُوْا بَيْنَهُمْ نَارَ الْعِنَادِ فَأَكْثَرُوْا فِيْهِمُ الْفَسَادَ وَأَمَالُوْا كَثِيْرًا مِنْهُمْ عَنِ الْمَحَجَّةِ الْقَوِيْمَةِ وَطَرِيْقِ السَّدَادِ وَبِمَا الْمَقَالِ أُولٰئِكُمُ الْمُفْسِدُوْنَ أَنْ أَرَوْا كَثِيْرًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّ تَقْلِيْدَ الْكَامِلِيْنَ الْبَارِعِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ الْبَاذِلِيْنَ جُهْدَهُمْ فِيْ إِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ لَيْسَ مِنَ الْأُمُوْرِ الَّتِيْ لَا بُدَّ مِنْهَا لِكُلِّ مَنْ سَلَكَ مَنْهَجَ الْإِسْلَامِ وَرَامَ تَلَقِّيَ الْحَقِّ وَالْإِسْتِنَانَ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَمَّا كَانَتِ النَّاسُ مُوْلَعِيْنَ بِأَنْ تَسْرَحَ أَعْنَاقُهُمْ إِلٰى مَسَارِحِ أَهْوَائِهِمْ لِيَتَمَتَّعُوْا بِمَا أَعْجَبَهُمْ وَيَرْفُضُوْا مَا شَاقَهُمْ رَفَضُوا التَّأَسِّيَ بِهُدَاةِ الْمِلَلِ وَأُسَاةِ الْعِلَلِ حَتّٰى حُرِمُوْا بَرَكَاتِهِمْ وَعَدِمُوْا نَفَائِسَ أَنْفَاسِهِمْ وَمَحَاسِنَ مَلَكَاتِهِمْ وَلَعَمْرِيْ أَنَّ هٰذَا الضَّلَالَ مُبِيْنٌ وَمَفْسَدَةٌ فِي الدِّيْنِ لَمْ يَأْبَ أَحَدٌ مِنَ الْعُقَلَاءِ التَّأَسِّيَ بِمَنْ هُوَ أَفْضَلُ مِنْهُ مِنْ أَرْبَابِ الْآرَاءِ فِيْ مَسَائِلَ فِيْهِ شَيْءٌ مِنَ الدِّقَّةِ وَالْخَفَاءِ وَلَيْتَ شِعْرِيْ مَنْ يُدْرِيْهِمْ بِأَنَّ التَّقْلِيْدَ لَيْسَ إِلَّا نَوْعٌ مِنَ الْإِعْتِمَادِ وَحُسْنِ الظَّنِّ عَلَى الْكَامِلِ الْمَاهِرِ الصَّدُوْقِ الْأَمِيْنِ فِيْ مَسَائِلِ عِلْمٍ بَرَعَ فِيْهِ ذٰلِكَ وَبَلَغَ نِهَايَتَهُ وَهٰذَا الْأَمْرُ لَا يَخْتَصُّ بِعِلْمٍ مِنَ الْعُلُوْمِ بَلْ يَعُمُّ الْعُلُوْمَ كُلَّهَا فَإِنَّ مَسَائِلَ كُلِّ عِلْمٍ عَلٰى مَرَاتِبَ مُخْتَلِفَةٍ بَعْضُهَا وَاضِحٌ

لايَتَطَرَّقُ إِلَيهِ الْغَلَطُ لِأَحَدٍ مِمَّنْ نَظَرَ فِيهِ وَبَعْضُهَا يَتَطَرَّقُ الْغَلَطُ إِلَيهِ كَثِيرًا لِمَن لَمْ يُحسِنهُ تَعلِيمًا أَوِ النَّاسُ فِي مَهَارَةِ الْفُنُونِ أَيضًا عَلى مَرَاتِبَ مِنْهُمْ مَنْ رَتَّبَ بِاجْتِهَادِهِ الْمَسَائِلَ وَنَصَبَ لِثُبُوتِهَا الدَّلَائِلَ حَتّى أَتَمَّ الْفَنَّ وَكَمَّلَ هُمْ أَهْلُ الإِجْتِهَادِ وَرَأْيُهُم أَوثَقُ الآراءِ فِي ذَا الْبَابِ وَمِنْهُمْ مَنْ وَقَفَ عَلى مَسَائِلِ الْفَنِّ وَدَلَائِلِهِ لٰكِنَّهُمْ لَمْ يَبْلُغُوا رُتْبَةَ الإِجْتِهَادِ وَمِنْهُم من يجمع المسائل ولايعرف الدلائل ويعتمد في صحتها على الفئة الأولي أو الثانية فمن لم يرزق الوُقوف على مسائل علم بدلائله كيف يمنع منه مالم يعتمد على ماهر كامل وهذا الاعتماد كما يجري في الصرف والنحو والحساب والطبّ فإنه يأخذ أمور الإعراب من النحوي من لامهارة له في علم النحو وأمر العلاج يطلب من الطبيب كذلك في الفقه فإن من لايعلم الفقه لابد له أن يعتمد علي الفقهاء المهرة الموثوقين بالقناعة كأبي حنيفة والشافعيّ مثلاً وإذا سمعت هذا فنقول إن التقليد في الأعمال الواجبة واجبٌ لامحيص عنه فإن العمل موقوف على العلم به والعلم بشرائطه ولايتيسر هذا الأمر لفاقد المهارة إلابالتقليد فالتقليد ههنا مقدمة الواجب ومقدمة الواجب واجبة فالتقليد واجب ويظهر بماتلونا إليك أن الأوامر الواردة في النصوص مثل أقيموا الصلوٰة آتوا الزكوٰة كما أوجبت الوُضُوء وإخراج الماء من البير كذلك أوجبت التقليد وهذا المقام يقتضي بسطاً في الكلام إن اشتهيته فعليك بالمراجعة إلى ضميمة منيفة في هذا المرام أفادها الفاضل الخبير الراسي مولى الأداني والأقاصي مولانا محمد عبد الغنيّ المدراسي أدام ظله رب الأناسي فإنّه أظهر ماهو الحق فيها ودمّغ الباطل وبين ماهو الصواب وأزهق الباطل كيف لاوكلامه في بحث وجوب التقليد وضرورته مبسوطٌ كثير السوال والجواب وطويل الذيول والأذناب بإستدلال النصوص الصريحة على وجه حسن قبول القريحة وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلامُ على رسوله محمّدٍ وآله أجمعين ـ نمقه عبده محمد فاروق الچرياكوتي۔

ترجمہ

اس زمانے میں یہ آفت پیدا ہوئی ہے کہ لوگوں میں جھگڑے اور بد زبانیاں پھیل گئی ہیں جسکی وجہ سے لڑائی اور جنگ وجدال تک نوبت پہونچ گئی اور بغض وتحاسد مسلمان بھائیوں میں شائع ہو گیا ۔ اور اس بغض وعناد نے خلوص باہمی کی رسیوں کو کاٹ ڈالا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں مفسدین نے دخل دیا ۔ اور اپنے حیلوں سے مسلمانوں کی بندھی ہوئی جماعت کو متفرق

اور پریشان کر ڈالا۔ اور ان میں عداوت کی آگ بھڑکا دی، اور فساد کو بڑھا دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو سیدھے راستے سے ڈگا دیا۔ منجملہ اُن کے حیلوں کے ایک حیلہ یہ ہے کہ وہ یہ بات کہتے ہیں کہ مجتہدین کی تقلید مسلمان کے لیے کچھ ضرور نہیں ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ عموماً لوگوں کی طبیعتیں آزادی پسند واقع ہوئی ہیں اور اُن کی خواہش طبعی یہ ہے کہ بے تقیدی اور لڑکے تو یہ سنتے ہی انھوں نے اپنے بزرگوں کی اطاعت کو قطعاً چھوڑ دیا: آخر اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتوحات دین کے برکات سے محروم ہو گئے اور نفائس فیوض سے بے بہرہ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے اور دین میں بہت بڑا مفسدہ۔ آج تک کسی اہل عقل و دانش نے اپنے بڑوں کی اتباع اور پیروی کو نہیں چھوڑا۔ اور جن مسائل کو اشکال اور وقت کی وجہ سے وہ نہ جان سکے ضرور اپنے زیادہ جاننے والے سے دریافت کر لیا۔ اور اسی پر برابر عمل جاری رکھا۔ اور میں سخت حیران ہوں کیا انھیں اتنا نہیں معلوم کہ تقلید تو صرف اس کا نام ہے کہ جس علم و فن میں جو شخص زیادہ ماہر ہو اُس میں اُس پر وثوق کر لینا کہ یہ علم اس شخص کو خوب آتا ہے اور اُس کے کہنے کے موافق عمل کرنا، اب خواہ وہ علم صرف ہو خواہ علم نحو خواہ علم حساب خواہ علم طب خواہ علم فقہ۔ مثلاً جو شخص مسائل نحو یہ سے ناواقف ہے وہ اپنی تسلی نحوی سے کرے گا اور جو مریض ہے وہ طبیب سے نسخہ لکھوائے گا اور اگر اپنی رائے پر چلے گا ہلاک ہو جائے گا، اس لیے کہ مریض کی رائے بھی مریض ہوتی ہے جب سب علوم کی یہی حالت ٹھہری تو جس شخص کو اتنا ملکہ نہ ہو کہ مسائل کو دلائل سے مطابق کر سکے ذن کو بھی حکم کے معلوم کرنے میں ایک بڑے ماہر فقیہ سے اُس کا پوچھ لینا بہت ضروری ہے ورنہ گمراہی کا خوف ہو پس حاصل کلام یہ ہے کہ تقلید ایک ایسی چیز ٹھہری کہ جس کی ہر علم میں ضرورت ہے خصوصاً علم دین میں جس پر مدار کار اسلام کا ہے اس میں آزادی اختیار کرنے سے دین میں بڑے بڑے رخنے پڑ جاتے ہیں اور بدون احتیاط کے کسی مسئلے پر عمل نہیں ہو سکتا، پس خلاصۂ کلام یہ قرار پایا کہ تقلید واجب ہے کیونکہ تقلید مقدمۂ واجب ہے اور مقدمۂ واجب واجب ہوتا ہے اور یہ اصول سے ثابت ہے اور علاوہ اس کے جو دلائل وجوب تقلید کو ثابت کرتے ہیں، اس کتاب کے ضمیمہ تنبیہ الوہابیین میں بتفصیل موجود ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اللہ تعالی اُس کے مؤلف کو جزائے خیر دے۔

صورة ما كتبه على هذا الكتاب العالم الفاضل المستطاب مقتدى الشيخ والشاب مجمع المكارم والآداب مولانا شاه أمانت الله الفصيحي الحنفي الغازيفوري وابنه ذو المجد المعنوي والصوري مولانا محمد ابو الخير القادري مد ظلهما العالي ما تعاقبت الأيام والليالي

الحمد لله رب العالمين والصلوة على شفيع المذنبين واله وصحبه أجمعين أما بعد فلما سرحت نظري وغايرت بصري في ضميمة الفتح المبين من أولها إلى

آخرها طلقاً أطلقاً وجدت مافيها من إثبات وجوب التقليد حقاً أحقاً وموافقاً للقرآن الأزهر والحديث الأبهر والإجماع الأظهر والقياس الأشهر فإن هذه الرسالة العجيبة والمقالة الغريبة قليلة المباني وكثيرة المعاني، وفي الظاهر مختصرة صغرى وفي الباطن مطولة كبرى، قصرت عن ادراك دقائق حقائقها اذهان النبلاء، وتحيرت في مدارك حقائق دقائقها وجدان النبهاء تمت بتاييد المقلدين كلماتها، ودلت على إثبات التقليد اياتها، تنحل بها مشكلات الفقه والأحكام وتنكشف بها على الطلبة معضلات شريعة الإسلام، سطورها عقود الجمان وحروفها نقود الفيضان كيف لا ومؤلفها أسوة المحققين زبدة الموفقين، قسطاس نظام العلم والإيقان نبراس صراط الدين والإيمان، الفاضل الراسي العالم المدراسي مولانا محمد عبد العلي الآسي مد الله تعالى ظلال فيوضه على فروق الجنة ورؤس الأناسي

حرره العبد الضعيف الفقير محمد أمانت الله الفصيحي الغازيفوري تجاوز الله عن ذنبه المعنوي والصوري

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده

تمام دنیا کے مقلد مسلمانوں کو علی العموم اور ہندوستان کے حنفی اہل اسلام کو علی الخصوص مژدۂ جاں بخش دل افزا و خوشخبری روح پرور مسرت افزا کے ساتھ مبارکباد ہو جیو کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ کتاب لا جواب بے عدیدہ ہر شیخ و شاب ایمان کی شیرینی میں غیرت حلاوت انگبین، ہدایت کی روشنی میں رشک ضیائے ماہ مبین یعنی ضمیمہ تنبیہ الوہابیین منکران تقلید کے روشن بھگانے والی تلوار ہے بلکہ جگانے والی للکار ہے کہ لامذہبوں نے سوائے گردن جھکانے کے چارہ نہ دیکھا اور جواب دینے کا یارا نہ دیکھا کہ ہر حرف اس کا اثبات مدعا میں دلیل ساطع ہے اور ہر لفظ اس کا الزام خصم میں برہان قاطع تحقیق مسائل شرعیہ تدقیق دلائل فرعیہ تائید دین تقویت مقلدین احقاق حق وابطال باطل، اثبات مطلب و رد ایراد لاطائل، مذہب مختار حنفیہ کی ترجیح و دفع نقض و جرح کی تنقیح اقوال متناقضہ میں تطبیق، امور متباینہ میں وجہ توفیق مطلب کی تائید اعتراض کی تردید الزام کا دفع تعارض کا قطع سوال کا جواب، جواب کا صواب جعلیوں کی پردہ دری فریبیوں کی جنگ زرگری مقلدوں کا انصاف لامذہبوں کا اعتساف اسلام کی خوبی ایمان کی محبوبی فساد کی اصلاح اتفاق کی صلاح اہل حدیث حال کا احداث فی الدین اہل تقلید سلف کا مسلک شرع متین علماء کی ناحق کی کوشش فقہا کی حق نیوشی سب کچھ بحر زخار کو اس کتاب کے مختصر کوزے میں

حضرت فاضل مدراسی مولانا محمد عبدالعلی صاحب آسی نے بجر دیا اور غیر مقلدین کے اعتراضات رد تقلید کو کہ تعصب ماکول کر دیا دین حنفی میں تقلید حنفی کی ضرورتیں بتادیں، اور ترک تقلید میں فسادِ دین کی صورتیں دکھادیں سچ پوچھیے تو ہم مقلدوں کو دشمن تقلید کی فوج پر غالب آنے کے واسطے ایک ہتھیار عنایت فرمایا بلکہ جہاز تقلید کے ڈوبتے ہوؤں کا بیڑا پار لگایا جزاہُ خیر العطایا ربّ البرایا پس عموماً سب برادران تقلید اور خصوصاً ہمارے تمام حنفی بھائیوں کو ضرور چاہیے کہ ہر ایک اس گوہر شب چراغ کی جیتی جاگتی روشنی سے اپنے اپنے گھروں کو روشن اور منور کرے جس سے غیر مقلدی کی ظلمت اور لامذہبی کی کدورت بالکل دور ہو جائے، اور مثل روز روشن کے ہر ایک مقلد کا سینہ بے کینہ تقلید ائمہ مجتہدین کے پرتو انوار ہدایت آثار سے پرنور ہو جائے اور ساری بے قیدی مذہب کی تیرگی کافور ہو جائے۔ بلکہ اس سے ہر گھر کا چراغ ایمانی مثل شعلۂ طور ہو جائے، اور پھر کبھی کسی سوء عقیدت فقہ و فقہاء کی تاریکی اس کتاب آفتاب جہاں تاب کے سامنے اپنا کالا منہ نہ دکھائے آمین یا مجیب الداعین، ذبرہ العبد الفقیر إلی رحمة الله الغنی القدیر محمد ابو الخیر الفصیحی القادری الحنفی الغازیفوری۔

ماشاء اللہ جناب مولانا اولانا مقتدانا شاہ محمد ابوالخیر صاحب سجادہ نشین غازی پوری نے عجیب انداز سے بے مضمون کی تقریظ لکھی ہے اور داد تحقیق مؤلف ضمیر کی دی ہے کہ ہر فقرہ فصاحت کا بحر زخار ہے اور ہر مضمون ورکنون شاہوار ہے اللہ بس باقی ہوس، واضح ہو کہ ظفر المبین میں اور ہی حضرات کی کارروائی ہے ؎

کب سلیقہ ہے فلک کو یہ ستمگاری میں کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

کیونکہ شیخ محی الدین تو مسلّم تو اس قابل نہ تھے کہ اہل علم اُن کی تالیف کے جواب کے درپے ہوتے وہ بے چارہ تو اردو خواں کتاب فروش تھا میزان منشعب بھی پڑھا نہ تھا اور فقہ سے تو محض بے بہرہ ورنہ ظفر المبین مطبوعہ ۱۲۷۹ھ کے صفحہ ۷۶ میں بجائے عقود و فسوخ کے عقود و فسوق قاف سے نہ لکھتا اگر کاتب کی غلطی ہوتی تو غلط نامہ میں داخل کرتا بلکہ طبع بار دوم ۱۲۹۸ھ کے صفحہ ۶۳ میں بھی یہی فسوق بالقاف لکھ دیا اور پھر دوبارہ بھی غلط نامہ میں داخل نہ کیا، داخل کیا خاک کرتے کہ ان کو اس کے سمجھنے کی تمیز ہی نہ تھی وہی مثل کہ ع

خود غلط انشاء غلط املا غلط

چونکہ وہ تالیف در پردہ اور صاحبوں کی تھی اور ہدف ملامت شیخ موصوف بنایا گیا اس لیے اصل میں جواب الجواب ان کا ہے پس اب مخاطب وہی صاحب ہیں جو در پردہ ٹٹی کے آڑ میں شکار کھیل چکے اور ہمارے اس دعوے پر ان کے گروہ کے پیشوا صاحب

اشاعۃ السنہ شاہد عادل ہیں، چنانچہ انہوں نے پرچہ اشاعۃ السنہ جلد چہارم ودہم نمبر ۱۲ از ضمن مباحثہ بٹالہ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی مرزائی کی نسبت یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ منشی آدمی ہیں، اور تصنیف کرنے سے مولوی ہونے کا استحقاق اُن کو حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسے کام وہ بھی کرتے ہیں کہ جو بالاتفاق مولوی نہیں ہیں، چنانچہ عبارت اشاعۃ السنہ کی بعینہ نقل کی جاتی ہے جو صفحہ ۳۵۵ پرچہ مذکور میں موجود ہے وھی ھذہ۔ لہٰذا وہ اب ہمارے خیال میں مولوی (عالم) کہلانے کے مستحق نہیں ہیں صرف منشی کہلانے کا حق رکھتے ہیں، کیونکہ اُردو، فارسی یا کسی دوسرے شخص یا تراجم کی مدد سے عربی کتابوں کی فہرستیں دیکھ کر ان سے مضامین اور مسائل نکال لیتے ہیں، اور اُن کو غلط یا صحیح عبارت سمجھنے اور انشا پردازی پر بالکل قدرت نہیں، اور یہ امر شاید کسی کے نزدیک محل نزاع نہ ہوگا کہ اس طور پر کتابیں دیکھ کر کچھ لکھ لینا علماء (مولویوں) سے مخصوص نہیں ہے یہ کام وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو اتنا نہیں جانتے کہ علم یا مولوی کیا لفظ ہے؟ اسم ہے یا فعل اور اُس کے لغوی معنی کیا ہیں، اور اصطلاحی کیا؟ اس کی تمثیل میں ایسے بہت اشخاص کو ہم پیش کر سکتے ہیں جن کو ہمارے مہربان منشی صاحب بھی مولوی نہ کہیں گے اور مع ہٰذا وہ صاحب تصانیف ہیں از انجملہ ایک شخص شیخ محی الدین مرحوم تاجر کتب لاہور ہیں جو بڑے بڑے ضخیم کتب ظفر المبین اور بلاغ المبین وغیرہ ہمارے شاگردوں غلام حسین لاہوری اور اُردو تراجم کی مدد سے تصنیف کر کے تمام ملکوں میں شائع کر گئے ہیں، اور ان تصانیف کو دیکھ کر پنجاب سے باہر اور دور کے بلاد ہندوستان بنگال، مدراس، بمبئی، برما، آسام، رنگون وغیرہ کے لوگ ان کو مولوی اور عالم سمجھتے ہیں اور در حقیقت وہ بے چارے میزان منشعب بھی پڑھے نہ تھے، اور ماضی مضارع کے معنی نہ جانتے تھے اور اس امر کو آپ بھی جانتے اور مانتے ہوں گے نہیں جانتے تو لاہور اور امرتسر کے لوگوں سے معلوم کر سکتے ہیں اور خود بلاغ المبین کے مشمولہ اور ملحقہ تقریظ مولوی ابوعبداللہ غلام علی قصوری مرحوم کو دیکھ سکتے ہیں اس میں مولوی صاحب مرحوم مقام تعریف کتاب میں اس امر کو جتا چکے ہیں۔ انتہی کلامہ پس مؤلف ظفر المبین کی جہالت دریافت کرنے کے واسطے یہ مختصر تحریر کافی و بس ہے باقی سب ہوس ہے۔ حررہ الفقیر الحقیر محمد امیر عفا عنہ اللہ القدیر۔

تحریر خامۂ علامہ نحریر مولانا جناب مولوی وکیل احمد صاحب سکندرپوری

بعد حمد خدا و نعت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا و علی آلہ اہل الہدیٰ والتقیٰ ظاہر ہو کہ عاجز نے بھی اسی کتاب ناصواب مجموعۂ اوہام شیاطین ظفر المبین کے جواب میں ایک کتاب مبسوط عام "نصرۃ المجتہدین" تصنیف کی ہے جو شائقین کی کثرت خریداری سے دوبارہ چھپی ہے اور یہ فتح المبین بھی جا بجا سے میرے مطالعہ میں آئی خوب ہی جواب دنداں شکن ہے اور اثبات تقلید میں اس کا ضمیمہ تو غیر مقلدی کا بیخ کن، چونکہ یہ کتاب خود فوائد حسنہ سے مالامال ہے اور عوائد مستحسنہ کے لحاظ سے بے مثل و بے مثال اور اپنی گرانمائیگی اور بلند پائیگی کے شواہد صادقہ لکدعوی الشئ بالبینات والبراھین الناطقۃ باوضح

الایمان اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے اس لئے میں اس کی توصیف اور اس کے ضمیمے کی تعریف میں زیادہ خامہ فرسائی ضروری نہیں سمجھتا ہوں ناظرین خود دیکھ لیں گے کہ اس میں ہر ایک نے اپنے خامۂ خاراشگاف کی تیز دبازی اور اپنے مخالفین بئس القرین کی زہرہ گدازی میں کیسی قدر اندازی سے کام لیا ہے کہ اہل وفاق میں بھی اپنا نام کر دیا ہے بلکہ دشمنان امام صاحب کے منہ میں خاک اسکات کو بھر دیا ہے، پس اب اس کتاب سے پوری امید کی جاتی ہے کہ یہ ان خود سران سر دہوا کے تعصبات کو جن کے دماغ میں بخرہ دلخراکابر کی فاسد ہوا بھری ہوئی ہے دھوئیں کی طرح اُڑا دے اور جن کی آنکھیں لمعات تقلید سے خیرہ اور جن کے قلوب زنگ ریب سے تیرہ ہو رہے ہیں اُن کو اپنے صیقل تعلیم سے جلا دیکر کانور علی شاهق الطور چمکا دے، حق یہ ہے کہ ایسے زمانہ شر القرون میں جن اہم مسائل کی ضرورت تھی اُن کی بجا آوری میں صاحب فتح المبین و صاحب ضمیمہ کو ایک حد تک کامیابی ضرور ہوئی کہ اکثر متعصب لامذہبوں اور سدید مذبذبوں کے قلوب قاسیہ سے تقلید امام ہمام وفقہ وفقہا کی بدظنی دور ہوئی اگر اب بھی یہ لوگ حق ظاہر ہو جانے کے بعد باطل پر اڑے رہیں گے تو چاہ ضلالت میں پڑے رہیں گے۔ العبد الراجی رحمۃ الصمد وکیل احمد عفا عنہ الأحد

الحمدللہ رب العالمین کہ یہ کتاب فتح المبین مع ضمیمہ الوباتین ہم حنفی بھائیوں کے واسطے حدیث وفقہ کا ماخذ ہے اور اصول مسائل کا فتاوی۔ حررہ الفقیر الحقیر محمد حبیب الحق المحلو اروی ثم العظیم آبادی بے شک یہ کتاب مستطاب حنفیوں کے واسطے نہایت کار آمد اور ضروری ہے ہر مقلد کو چاہیے کہ ایک ایک نسخہ اس کا اپنے پاس رکھے جس سے ہمیشہ لامذہبوں پر فتحیاب رہے اور اُن کے پھندے میں نہ پھنسے اور ان بادلیل مسائل کے عقیدت جازم سے قدم نہ ڈگے حق تعالی اس کے مؤلف کو جزائے خیر عنایت کرے۔ حررہ المحتاج إلى الله محمد عبدالله سلمۂ الله وعفاہ.

تقریر دلپذیر جناب مولانا مقتدانا محمد اشرف علی صاحب صدر مدرسین جامع العلوم کانپور

بعد الحمد والصلوٰۃ ضمیمہ فتح المبین میں مسئلہ اثبات تقلید کا اس عاجز کے مطالعہ میں آیا جس کی تقریر پسندیدۂ ہر صغیر و کبیر کو مفصل و مدلل وکافی ووافی پایا، جزی اللہ تعالی المصنف جزاء تاماً۔ وجعل نفعہ شاملاً عاماً، چونکہ اجمال بعد التفصیل کا اقرب الی الضبط ہونا مسلم و معلوم ہے اس لیے اس مقام پر ایک مختصر تقریر ضرورت تقلید میں بطور تذکرہ کے مرقوم ہے وھوھذا احکام شرعیہ عملیہ دو قسم پر ہیں۔ منصوص و غیر منصوص۔ اور منصوص کی دو نوع (۱) متعارض (۲) و غیر متعارض۔ اور متعارض

کی دو قسم معلوم التقدیم والتاخیر غیر معلوم التقدیم والتاخیر، یعنی احکام منصوصہ غیر متعارضہ یا متعارضہ معلومۃ التقدیم والتاخیر میں نہ قیاس جائز نہ کسی کے قیاس کا اتباع جائز۔ لقوله تعالىٰ "وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ" ولقوله تعالىٰ "إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ" اس ظن سے مراد وہی ظن ہے جو مقابل نص کے ہو اور احکام غیر منصوصہ یا منصوصہ متعارضہ غیر معلومۃ التقدیم والتاخیر میں یا تو کچھ عمل نہ کرے گا یا کچھ کرے گا اگر کچھ نہ کیا تو مخالفت نص "أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى" اور "أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا" کی لازم آئے گی اگر کچھ کیا تو بدون علم یا تعیین کسی جانب کے عمل ممکن نہ ہوگا، پس علم یا تعیین حکم نص سے تو ہو نہیں سکتی لعدم النص فی الاول وللتعارض من غیر علم بالتقدیم والتاخیر فی الثانی ضرور علم یا تعیین قیاس سے ہوگی۔ پس یا قیاس ہر شخص کا شرعاً معتبر ہے کہ جو کسی کی سمجھ میں آئے یا بعض کا معتبر ہے بعض کا نہیں کل کا تو معتبر ہو نہیں سکتا لقوله تعالیٰ "وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ" پس بعض کا معتبر ہوگا بعض کا نہ ہوگا، جس کا معتبر ہے اس کو مجتہد و مستنبط کہتے ہیں اور جس کا معتبر نہیں اس کو مقلد کہتے ہیں۔ پس مقلد پر ضرور ہوا کہ کسی مجتہد کی تقلید کرے لقوله تعالیٰ "وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ" اب جاننا چاہیے کہ ائمہ اربعہ کے تاریخی حالات سے بالقطع معلوم ہے کہ وہ تحت عموم "مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ" داخل ہیں، پس ان کا اتباع بھی ضروری ہوا۔ رہی یہ بات کہ مجتہد تو بہت سے گزرے ہیں کسی دوسرے کی تقلید کیوں نہ کی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اتباع سبیل کے لیے علم سبیل ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ بجز ائمہ اربعہ کے کسی مجتہد کی سبیل بتفصیل جزئیات و فروع معلوم نہیں، پس کیونکر کسی کا اتباع ممکن ہے۔ پس انحصار مذاہب اربعہ میں ثابت ہوا۔ رہی یہ بات کہ ان چاروں میں سے ایک ہی کی تقلید کیوں ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل دو قسم کے ہیں (۱) متفق علیہا (۲) مختلف فیہا، مسائل متفق علیہا میں تو سب کا اتباع ہوگا مسائل مختلف فیہا میں سب کا تو ہو نہیں سکتا بعض کا ہوگا بعض کا نہ ہوگا پس ضرور ہے کہ کوئی وجہ ترجیح کی ہو حق تعالیٰ نے اتباع کو انابۃ الی اللہ پر متعلق فرمایا ہے جس امام کی انابت زائد معلوم ہوگی اس کا اتباع کیا جائے گا اب تحقیق زیادہ انابت کی یا تفصیلاً کی جاوے گی یا اجمالاً۔ تفصیلاً یہ کہ ہر فرع و جزئی مختلف فیہ میں دیکھا جائے کہ حق کس کی جانب ہے اجمالاً یہ کہ ہر امام کے مجموعۂ حالات و کیفیات پر نظر کی جائے کہ غالباً کون حق پر ہوگا اور کس کی انابت زائد ہے۔ صورت اولیٰ میں علاوہ حرج اور تکلیف مالا یطاق کے مقلد مقلد نہ رہا بلکہ اپنی تحقیق کا متبع ہوا نہ دوسرے کی سبیل کا وهو خلاف المفروض، پس صورت ثانیہ متعین ہوئی کسی کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے مجموعۂ حالات سے یہ غالب ظن و اعتقاد راسخ ہوا کہ یہ مصیب و مصیب ہیں۔ کسی کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر، کسی کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر، کسی کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ پر۔ اس لئے ہر ایک نے ایک ایک کا اتباع اختیار کیا۔ اور جب ایک کے اتباع کا بوجہ علم بالا نابۃ اجمالاً التزام کیا گیا اب بعض جزئیات میں بلا کسی وجہ قوی یا ضرورت شدیدہ کے اس کی مخالفت میں شق اول عود کرے گی و قد ثبت بطلانہ۔ پس بحمد اللہ تقریر بالا سے وجوب تقلید مطلقاً و تقلید ائمہ اربعہ خصوصاً و انحصار فی المذاہب الاربعہ و وجوب تقلید شخصی و بطلان تلفیق

کالشمس فی کبد السماء واضح ہو گیا اور روشن ہو گیا خرط القتاد والکلام فیہ طویل وفیما ذکرناہ کفایۃ لطالب الرشاد انشاء اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

تقریظ ماثل دول علامہ اجل مولانا حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی عم فیضہم

بعد الحمد للہ وحدہ والصلوۃ علی النبیّ لا نبی بعدہ میں نے اس کتاب کو اکثر مقامات سے دیکھا بے شک مخالفین حنفیہ کے رد شبہات کے لیے ایک کافی ذریعہ ہے اور منکرین ائمہ مجتہدین کے دفع توہمات کے واسطے ایک عمدہ وسیلہ ہے واللہ اعلم تمقہ محمد حسین المحب اللّٰہی الإلہ آبادی غفرلہ اللہ۔

قد تشرفت بمطالعة هذا الكتاب المستطاب فرأيت ان مؤلفه الفاضل الكامل قد ميز القشر من اللباب واتى فيه بما افحم به اهل الزندقة والإرتياب جعل المولى سبحانه سعي مؤلفه العلامة مشكوراً وجزاه يوم الجزاء من فضله جزاء موفوراً كتبه الحقير فرحت الله

الحمد لله وكفى والصلوة على عباده الذين اصطفى۔ جہاں بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں نے اس کتاب پر تقریظیں لکھیں اور مہریں کر دیں، وہاں ایک مجھ ایسے طالب العلم کم فہم کی تحریر کا کیا اعتبار اور کیا شمار لیکن جہاں گل ہے وہاں خار ہے اور جہاں گنج ہے وہاں مار ہے، ظلمت سے نور اور نور سے ظلمت کا ظہور لہذا ان لوگوں کی عبارت اگر بمنزلۂ عقد لآل ہے تو یہ خذف ریزہ و سفال ہے اگر وہ کمال ہے تو اس نقصان کا شامل حال ہے۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ　　　لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحاً

بس ایک مدت مدید سے میرا خار خلجان و اسکیر اطمینان تھا کہ جب تقلید شخصی کے واجب ہونے کا ثبوت کسی نص صریح الدلالت سے نہیں ملتا تو تارک تقلید کا گنہگار ہونا کیونکر نکلتا ہے مگر مؤلف ضمیمہ حنفیہ الوباطنین پر ۔

ہزار آفریں صد ہزار آفریں　　　کہ در کار ما کرد کار ایں چنیں

یعنی جب انہوں نے تقلید شخصی کے وجوب کو نص صریح سے ثابت کر دکھایا تو اب قول فقہا کا آثم ہونا تارک تقلید پر بخوبی صادق آیا جیسا کہ صاحب بحر الرائق نے رسالہ ترصیع کے کتاب الاحسان میں حاوی سے نقل کیا ہے " واما الذی

لم يكن من اهل الإجتهاد فانتقل من مذهب إلى مذهب من غير دليل فهو المذموم الآثم المستوجب للتاديب والتعزير لإرتكابه المنكر في الدين۔

تقاریظ و دستخط ومواہیر علمائے مشاہیر گجرات وسورت وبمبئی وغیرہ زید فضلھم

حامداً ومصلیاً میں نے اس کتاب فتح المبین کو جابجا دیکھا اس کے مصنف عمدۃ العلماء مولانا محمد منصور علی خان صاحب سلمہ الواہب نے وہابیان لامذہب ظاہری المشرب بلکہ مذبذب کے رکیک اعتراضوں کا قرآن وحدیث سے خوب ہی جواب باصواب دیا اور حنفیہ کے مسائل کو سنت وکتاب سے ثابت کیا علے الخصوص مولانا محمد عبدالعلی صاحب آسی مدراسی زبدۃ الفقہاء والمحدثین مصنف ضمیمہ سیحب الوہابیین نے تو قرآن وحدیث سے مسئلۂ وجوب تقلید کو ایسا ثابت کیا اور مدعیان عمل بالحدیث کو مخالفت حدیث کا ایسا الزام دیا کہ آج تک کسی سے ایسا مشکل کام معرض ظہور میں نہیں آیا جزاهما الله رب البرايا ووقاهما عن جميع الآفات والبلايا حرره الفقير محمد عبيد الله عفا الله عنه ماجناه ووفقه لما يحبه ويرضاه۔

اس کتاب میں ہر ایک جواب موافق مضمون حدیث وکتاب ہے لہذا لامذہبوں کو چاہیے کہ اپنی لامذہبی سے توبہ کرکے حقیقت تقلید کی راہ راست پر آئیں اور حق کی طرف ہوجائیں تاکہ دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں اجر جزیل پائیں ۔ نمقه العبد الآثم محمود بن ملا محمد هاشم السورتي عفي عنه.

یہ کتاب مستطاب قرآن وحدیث کے دلائل سے مالامال ہے اور لامذہبوں کا حملہ روکنے کے واسطے مذہب والوں کی ڈھال ہے۔ كتبه خادم العلماء محمد كاظم عفي عنه۔

ہم نے اس کتاب کو اکثر مقامات سے دیکھا تو سبحان اللہ کیا کہنا کہ تحقیق سے پر ہے بلکہ دریائے تدقیق کا بے بہا در ہے۔

چونکہ اس کتاب مستطاب پر بڑے بڑے اکابرین دین اور علمائے کاملین نے مہریں کردیں اور تقریظیں لکھیں کہ ہرایک جواب اس کا باصواب ہے بلکہ موافق حدیث و کتاب ہے لہذا اب کوئی منکر اس کی حقیقت سے انکار کرے تو وہی مثل کہ آفتاب پر خاک ڈالتا ہے اور جان بوجھ کر حق بات کو ٹالتا ہے غرض کہ صد ہا عالموں نے اس کتاب کے معتبر ہونے پر اتفاق کیا ہے تو کسی معاند بداندیشہ و حاسد فساد اندیشہ کے نفاق و انکار سے کیا ہو سکتا ہے، پس یہ کتاب باصواب اور اس کا ضمیمہ لاجواب دفع مطاعن معاندین و قمع مطاعن مخالفین کے لیے کافی ہے اور قلوب قاسیہ کے واسطے شافی حق تعالی مؤلف فتح المبین و مصنف ضمیمہ تنبیہ الوہابیین کو تمام مقلدین حنفیہ کی طرف سے جزائے خیر عنایت فرمائے اور ان دونوں کتابوں کی برکت سے منکروں اور گمراہوں کو راہ راست پر لاوے اور ان کو زمانی اور مکانی اور زمینی اور آسمانی ہر آفت سے بچائے آمین۔ کتبہ سید عالم معروف عبدالحق ہزاروی مقیم کٹھور ضلع سورت۔

واقعی یہ کتاب ''فتح المبین'' مع ضمیمہ تنبیہ الوہابیین غیر مقلدوں کے رد کے لیے محققانہ جواب ہے اور ہرایک مسئلہ اس کا برطبق سنت و کتاب ہے یہ طائفہ محدثہ عجب گروہ مبتدعہ ہے کہ ان کی بدعت معتزلہ و خوارج و روافض کی بدعت کا مجموعہ ہے بلکہ اس سے بھی اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور ان کا مذہب تعصب نفسانی سے بھرا ہوا ہے یہ اپنے زعم باطل میں تمام مقلدوں کو کافر اور مشرک جانتے ہیں اگر کوئی لامذہب صاحب کہیں کہ یہ بالکل جھوٹ اور ہم لوگوں پر بہتان اور سراسر اتہام ہے تو ہم ابھی ڈنکے کی چوٹ اس دعوے کو دلیل و برہان سے ثابت کرکے دکھا دیتے ہیں کہ خواہ مخواہ سلف صالحین کے خلاف مقلدوں کے مقابلے میں ان کا اپنے تئیں محمدی اور موحد کہنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام اہل تقلید غیر محمدی یعنی کافر اور غیر موحد یعنی مشرک ہیں معاذ اللہ۔

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی   کہ بورانی ست بادنجان و بادنجان ست بورانی

اور نیز دوسری تحقیق نسبت محمدی کی جو علامۂ آسی فاضل مدراسی نے ضمیمہ تنبیہ الوہابیین کے صفحہ ۳۲۹ میں بیان فرمائی ہے سچ پوچھیے تو آئینۂ حقیقت میں اس ملقب محمدی کی صورت دکھائی ہے تا مقلدین ہوشیار ہو جائیں اور ان غیر مقلدین کے دام فریب میں نہ آئیں پس اس کتاب کی برکت سے یقین ہے کہ بہت سے مبتلائے مرض ترک تقلید شفایاب ہوں و ما ذلک علی اللہ بعزیز حررہ الفقیر ہدایت اللہ العمری۔

دبوس المقلدین

بجواب فؤس المحققین

مصنف: علامہ محمد عبد العلی آسی مدراسی رحمہ الباری

دبوس المقلدین بجواب فوس المحققین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُذِلِّ الْمُفْسِدِیْنَ وَمُجِلِّ الْعَابِدِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُنْذِرِیْنَ لِاَعْدَاءِ الدِّیْنِ، وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ۔

مقام عبرت ہے کہ اب تو بیہودہ گو، ہرزہ سرا اور محض نافہم جاہلوں کے ہاتھ میں قلم آ گیا ہے، جو چاہتے ہیں لکھتے ہیں، چھپواتے ہیں، تبرا اور لعن طعن ائمۂ دین و جملہ علمائے سابقین و لاحقین پر اپنا پیشہ اور شیوہ قرار دیا ہے ان کے منہ پر لگام دینے والا کوئی نہیں، کہ ایسے سرکش نالائق حیوانوں کو آداب اور تہذیب کے چابک سے درست کرے چنانچہ ان دنوں ایک رسالہ دیکھنے میں آیا جس کا نام ملاحظہ فرمایئے کہ رسالہ دار شتر بے مہار نے کیا رکھا ہے "**فوس المحققین علی رؤس المقلدین**" افسوس یہ بھی نہ سمجھا کہ کیسے بڑے بڑے ائمۂ دین اور بزرگان محققین مقلد گزرے ہیں سب کے سروں پر یہ کیسی بے ادبی کے تبر لگائے جائیں مگر بے دین بے شرموں کو ڈر کس کا ہے جو خوف کھائیں؟

یہ رسالہ چند چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک یہ کہ ان علمائے نامدار و فضلائے کبار پر لعن و طعن اور گالی اور دشنام دہی کرنا جن کے روبرو صاحب رسالہ کے پیر مغاں اور گرو گھنٹال اگر دس برس زانوئے ادب تہ کریں تو آدمی بن جائیں۔

دوسرے جملہ مقامات پر ہٹ دھرمی اور بدفہمی اور کج فہمی اور جہالت اس قدر ظاہر کرنا، جس پر عوام لوگ بھی مضحکہ کریں۔ تیسرے افترا اور دروغ و بہتان بندی میں جوش بے حیائی سے کل دجالین و کذابین پر سبقت لیجانا۔

صاحب فوس کا علماء اسلام کو برا کہنا

جرأت و بے حیائی اس متجاسر کی قابل تماشا ہے کہ مولوی عبد القادر صاحب بدایونی کو اسلام سے خارج کیا، یعنی باتفاق علمائے لکھنؤ و دہلی و پنجاب و مصر و شام و روم و عراق و حرمین شریفین کافر قرار دیا، یہ اس کا انتقام لیا ہے کہ انھوں نے اور ان کے والد نے اس طائفۂ بے ادب کے تمام سرگروہوں کی قلعی کھول دی ہے اور ان کی کل خباثتوں پر ایک جہان کو متنبہ کر دیا اور باشندگان ہند و مصر و شام و روم و حرمین انہیں کے ذریعہ سے ان شیاطین کی شکل پر مطلع ہوئے ان بے چارے کو تو دائرۂ اسلام سے خارج کرتا ہے اور اس تو بہ نامہ کی خبر نہیں، جسے ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں کس سخت مواخذہ سے شریف مکہ نے اس طائفہ کا حشر کے دوسرے گروہ سے توبہ کرا کر مکہ معظمہ مطبع میریہ میں چھپوا دیا اور طائفۂ خبیثہ وہابیہ کو سخت گمراہوں میں شامل کیا پھر مولوی حافظ علی احمد صاحب و مولوی عنایت احمد صاحب وغیرہما کو اطفال خرد سال میں داخل کیا، جن کے دودھ کے دانت نہیں ٹوٹے اگر ان کی کم

سنی اور نابالغی فرض بھی کیا جائے تو صاحب علم وفضل ہونے کے کیا منافی ہے؟ پھر باقیوں کو پیران نابالغ میں شامل کیا اس پیری نابالغی اصل مصداق تو وہ ہونا چاہیے جو باوجود ریاست توانائی وصحت باعلاج اور بزار باچرپا کھانے کے بیکار اور محض نابجار رہے اور نتیجہ کے اظہار سے عاجز و مستوفی شمار کیا جائے اور دریا سے علم ودرس وتصنیف سوائے گھاس کاٹنے کے اور نقل لامعقلی کا گٹھا سر پر اٹھانے کے دوسرا پیشہ نہ جانتا ہو اور فہم سے معطل اس مرتبہ ہو کہ بالآخر اسی نالائقی میں معزول ہو کر مسلوب الخطاب ہو جائے اور پھر ردّ تقلید دین اور سب وشتم ائمہ مجتہدین سے باز نہ آئے اور حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحئی صاحب لکھنوی کے مقابلہ میں شکست فاش پائے اور مناظرہ میں منہ کی کھائے اس جسارت ودلیری کو ملاحظہ کیجئے کہ صاحب رسالہ نے حضرت مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کی نسبت لکھ دیا کہ علوم دین سے مطلقاً مس نہیں۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم | چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

وہ محققانہ علوم دینیہ حدیث وفقہ کی تصانیف جناب مولانا کی جو طبع ہو چکیں یا عنقریب طبع ہونے والی ہیں انہیں سے کمال تبحر علوم دینیہ کا ان کے بہرۂ علم پر ظاہر ہے مثل (۱) مختصر الفرائض (۲) نصب الفرائض (۳) فوز وائل الفرائض (۴) شرح خلاصۂ کیدانی مسمی بعلق شمسی (۵) اجوبۂ راضیہ سوالات امام رازی (۶) حاشیۂ ہدایہ (۷) حواشی اصول شاشی (۸) شرح مسند امام ابوحنیفہ (۹) حواشی شرح عقائد نسفی (۱۰) صرح الحمایہ علی شرح الوقایہ (۱۱) حواشی بر حواشی شرح وقایہ وغیرہ تصانیف بکثرت موجود اور روز مرہ کی تدریس حدیث وفقہ مشہور۔

پھر ایک جھوٹا اور بے سروپا قصہ اپنی طرف سے بنا کر حاشیہ پر چڑھا دیا جس میں علمائے لکھنؤ پر افترا کیا اور جناب مولانا رئیس المحققین حضرت مولوی عبدالحئی صاحب رحمہ الوہاب کی نسبت بکثرت بے ادبیاں کیں اور تقیہ اور دب جانا ان کی طرف منسوب کر دیا۔ استفتا بالکلف دہلی بھیجہ کے جواب میں ساکت قرار دیا۔ یہ دیکھا کہ ”فتح المبین“ میں ان کے مؤلف نے ان مسائل کے جواب میں چار پایان لامذہبوں کو مناظرہ کی چارپائی پر ڈال کر کیسا کھوندا اور اس طائفہ نابکار پر ادبار کو بزور سلاح داوزار فحول نظار کس طرح روندا۔

صاحب فوس کی لفظی غلطیاں

ایسا بے فہم وبے شعور رسالہ تصنیف کرنا ضرور کہ صحت الفاظ کی تمیز بھی نہیں جن کو مبتدی اطفال بھی جانتے ہیں۔ ”انتظاری“ بیائے مصدری اور ”تلاش“ کو ”متلاشی“ اور ”تمامت“ بجائی ”غلطی“ اور ”وعدہ وغلطی“ بجائے وعدۂ حتمی اور اسی طرح بکثرت اغلاط سے سیاہ کیا ہے جس کے مناسب حال یہ کسی کا شعر مجھکو یاد آیا۔ ؎

سینا ہے صبر ثمر صاد سے سنے سے اسرار | طفل ناداں ہے معصوم ہے معصوم کا
حاتی غلطی سے گدھا لکھتا ہے بوڑے سے حمار | اس حماقت پہ طلبگار ہے ذیلومہ کا

گو اس لاعقل سخت جاہل کا جواب ٹھیک ٹھیک تو بحکم "کلوخ انداز را پاداش سنگ ست" کے یہی تھا کہ ضلع جگت پھکڑ سے کوئی دشنام کا دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جاتا یا اگر تہذیب و مروت انسانیت کو دخل دیا جاتا تو سکوت و ترک جواب مناسب تھا کہ نباح الکلاب کا کہاں تک جواب ۔

مہ نور می فشاند و سگ بانگ میزند   سہ را چہ جرم خاصیت سگ ہمی بود

مگر کیا کیا جائے کہ ادھر عوام کو بھی گمراہی سے بچانا منظور ہے اور ادھر ان کتوں سے دامن چھڑانا بھی پر ضرور بنا بر اس ضرورت کے اس رسالہ کے خرافات و بہتانات و مقامات کج فہمی کی قلعی کھولنے کے واسطے یہ دو چار حرف ناظرین کی خدمات عالیہ میں پیش کرتا ہوں ۔

صاحب فوس کی کج فہمی

فتح المبین کی عبارتیں نقل کرتا ہے اس بارے میں کہ مؤلف وجوب تقلید مجتہدین معین کا قائل نہیں ہے حالانکہ یہ مضمون کسی عبارت سے نہیں نکلتا اگر اس لفظ سے سمجھا ہے کہ معیوب نہیں تو غلط فہمی ہے یہ قول وجوب کے خلاف نہیں باقی رہا وہم خلاف اس کو اس آیت سے دور کر لے۔ ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ اور اگر اس سے نکالتا ہے کہ تقلید کے وجوب میں کوئی نص قطعی وارد نہ ہونے کا مؤلف قائل ہے تو یہ بھی نا سمجھی ہے اس واسطے کہ اولاً یہ قید قطعی کو نہ سمجھا کہ اس کی نفی سے فرضیت قطعیہ کی نفی ہوئی نہ وجوب کی اور نہ فرضیت عملیہ کی اور ثانیاً وجوب کے واسطے نص کا ہونا ضرور نہیں البتہ وجوب بالسمع کے واسطے ضرور ہے اور وجوب بالعقل کے لئے ضرور نہیں کہ مقامات ضرورات میں ضرورت خود سبب وجوب ہو جاتی ہے چنانچہ اس طرف اصل کلی "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" بھی مشیر ہے اور اگر اس سے سمجھا ہے کہ امام صاحب کی تقلید نے جمیع المسائل کے حنفیہ مؤلف منکر ہیں پس تقلید شخصی واجب نہ ہوئی تو یہ بھی کوتہ اندیشی ہے اس واسطے کہ معنی وجوب تقلید شخصی کے یہ نہیں ہیں کہ اس کے کل اقوال کی تقلید کی جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے اصول اجتہاد یا اور طرز و انداز و روش استخراج کی پیروی کی جائے گو فروع میں باعتبار اختلاف ماخذ و منافی نہ باعتبار مسالک موضوعہ و طرق مسلوکہ اختلاف پیدا ہو اسی وجہ سے صاحبین و کرخی و طحاوی کو حنفیہ میں شمار کیا جاتا ہے گو امام صاحب کے بعض بعض مسائل میں مخالف بھی ہوں اور باعتبار معنی اول کے جو یہاں مراد نہیں ہو یہ مؤلف نے یہ لکھا کہ حنفیہ تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتے ۔

وجوب تقلید کے مسئلے میں صاحب فوس کا فریب

جو شخص کہ اتباع واقف سنت ہوگا وہ مجتہد ضرور ہوگا اس واسطے کہ وثوق تمام کا حق بغیر اجتہاد کے متصور نہیں تو اس کو جب وہ مجتہد ہے حنفی و شافعی بننا کچھ ضرور نہیں اس سے انکار تقلید شخصی نہیں نکلتا جیسا کہ صاحب رسالہ نے سمجھا ہے اور صد افسوس اس کی فہم پر کہ مؤلف نے خود اس مضمون کی شرح کر دی ہے اور اگر اس شرح سے بھی وجوب تقلید کا مسئلہ نہ سمجھ میں آئے تو **ضمیمہ تنبیہ الوہابیین** کو دیکھ کر جھوٹے کہ اس میں پہلا مسئلہ معرکۃ الآرا وجوب تقلید کا ایسی شرح و بسط کے ساتھ

مرقوم ہے کہ اطفال مقلدین کو بھی معلوم ہے۔

جناب والا کا بہتان وکج فہمی وہذیان

حد انتہا کر یک دیا کہ مولوی عبدالقادر صاحب بدایونی نے "بوارق" میں حنفیہ کو ضال وگمراہ اور فقہ وکتب فقیہ کو ضلالت وگمراہی قرار دیا ہے۔ ع

چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا

بوارق مولوی عبدالقادر کی تصنیف ہے یا ان کے والد یا باپ یا مربی کہتے ہوئے شرم آئی جن خوارج ومعتزلہ نے فروع فقہیہ میں طریقہ حنفی اختیار کیا ہے ان کے اس حنفی الفروع ہونے سے اصل حنفیہ ہونا ان کا لازم نہیں آتا جیسے روافض کہ ان کے محض دعوے اتباع مرتضی سے اصل مرتضوی اور شیعہ علی ہونا ان کا لازم نہیں آتا حنفیہ ہونے کے لئے اعظم شروط اول ارکان اتفاق اصول عقائد ہے ان گمراہوں کے دعوائے حنفیت سے امام صاحب یا ان کے اجلۂ اصحاب پر کچھ دھبا نہیں جیسے جناب مرتضی دعاوی ملعونہ عبداللہ بن سبا سے نہ کچھ الزام اور نہ اعتزال بعضلال، واصل بن عطاء وعمرو بن عبید سے حسن بصری پر کچھ نقص واتہام اور اندراج خوارج ومعتزلہ کا حنفیہ میں بھی کوئی باعث قصور حنفیہ کا نہیں یہ مکائد خوارج ومعتزلہ سے ہے جیسا کہ یہی امر مکائد روافض سے بھی ہے جو تحفہ میں مذکور ہے اس سے دعوی قرار نہیں پا سکتے ہاں بوجہ اختلاط کیدی تمیز کرنا واقفین کا کام ہے اگر ان روافض پر کید کو گمراہ کہا جائے تو اس سے سنیوں کا گمراہ سمجھ لینا ایسے شخص کا کام ہے جو مثل صاحب رسالہ کج فہمی کا پرکالہ ہو اور صاحب در مختار وصاحب اشباہ کے تنزل مرتبہ سے بمقابلہ اعاظم فقہا سابق کے کچھ تضلیل وگمراہی ان دونوں شخصوں کی سمجھ لینا اسی بیر نابالغ کا کام ہے ع برین فہم ودانش بباید گریست

صاحب فوس کا بہتان وکج فہمی

مسئلۂ طیبہ کا حرم ہونا اختلافی واجتہادی ہے اور کسی مذہب سے مخصوص نہیں جیسے اختلاف تفاضل مکہ اور یہاں کے مسائل سے کچھ اس کو تعلق نہیں جو اس کو لے بیٹھے اگر کسی نے حرم ہونا اور دوسرے نے نہ حرم ہونا اختیار کیا تو اس سے کیا ہوتا ہے نہ کوئی امر باعث گمراہی وشقاوت ہے اور نہ مولوی عبدالقادر اور منکر متقشف اجرائے حکم ضلالت چہ جائے حکم کفر "فاسکت یا ایھا الغمر"!

مصنف فوس کی دروغ بافی اور نافہمی

بے حیا بالکھ دیا کہ کل فقہا قبر پختہ بنانے کو منع کرتے ہیں اور برہان کا حوالہ دیا جس میں مشہور معمولی لفظ کراہت کا مذکور ہے وہ بھی اس کے متن میں اور شرح میں وہ دلیل لکھی ہے جس سے کراہت تنزیہی سمجھی جائے نہ تحریمی یعنی زینت سے بچنا جیسے مرد وعورت کے بالوں میں وہ کنگھی کرنے پر حکم کراہت لکھتے ہیں حالانکہ وہ تنزیہی ہے اور علت کراہت وہی زینت سے بچنا پھر

دیکھئے یہ دلیری " دروغ گوئیم بر روی تو " کہ اتفاق فقہا لکھ دیا حالانکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور مختار اہل تحقیق یہی ہے کہ ترک اولی ہے نہ حرام نہ مستحب اور شرح وعاد ردالمختار مقتب بشامی میں مذکور ہے۔

تیسرا افترا مولوی عبدالقادر پر یہ کہ وہ واجبات سے جانتے ہیں حالانکہ وہ مسنون بھی نہیں کہتے ہیں چہ جائے واجب اور چادر چڑھانے کو فرض وواجب نہیں سمجھتے چہ جائیکہ منکر پر حکم کفر جاری کریں بلکہ مسنون بھی نہیں قرار دیتے ہاں یہ کہ اس کو شرک وکفر بھی نہیں قرار دیتے اس واسطے کہ ہر شئی ممکن یا ہر فعل اختیاری ان کے یہاں شرک وکفر نہیں ہے یہ شخص مفتری ذم وتجال ہے اور مسیلمہ کذاب اس کا گر وگھنٹال ہے عجب نہیں کہ اس کا پیر مرشد ہو جائے۔

صاحب فوس کی تخن سازی وافتراپردازی

فقہائے حنفیہ کی طرف " جوش مالیخولیا " میں سماع موتی کا انکار منسوب کر دیا حالانکہ محققین نے پوست کندہ تحقیق فرمادی ہے کہ یہ اشتباہ ومغالطہ مسئلہ یمین کی جہت سے واقع ہوا کہ اگر ضرب یا تکلم کی قسم کھائی اور بعد مرنے کے کلام کیا یا مارا تو حانث نہ ہوگا حالانکہ ایمان کا مدار عرف پر ہے اور عرف میں احساس وادراک والم مردہ معروف ومشہور نہیں ہے نہ یہ کہ سماع موتی کا انکار ہے اور انکار ممکن ہی کس طرح ہے کہ اس میں احادیث صحیحہ وارد ہیں بلکہ ادراک وسماع موتی میں احادیث متواترہ ہیں جن کا ثبوت بھی یقینی بلکہ بدیہی اور مدلول بھی یقینی یعنی قطعی الدلالہ غیر قابل التاویل ہے اور اس میں حافظ سیوطی کا رسالہ مستقل ہے اور چند رسائل میں مفصلاً مذکور ہے پس جو منکر سماع موتی ہو اس کو حماقت شعار قرار دینا کس وجہ کی حماقت شعاری ہے باقی منکر سماع کو مولوی عبدالقادر کب کافر قرار دیتے ہیں یہ مفتری نامعتبر جھوٹوں کا افسر ہے اور پھر اس سفاہت پر ڈھونگ کامیابی کا طلب گار " وَزَعْمُهُ كَزَعْمِ الشَّيْخِ وَفَهْمُهُ كَفَهْمِ الْحِمَارِ فَانْعَكَسَتْ الندامة وَانْقَلَبَتْ رِيْحُ الْمَلَامَةِ "۔

اور مؤلفین ومعترضین میں ان ابواب تقلید وفروع تقلید میں ہرگز اختلاف نہیں ہے جو ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں بے ایمانی اور لامذہبی تو معاذ اللہ انہیں طوائف " نَجِسَةُ الْقِبْلَةِ فَالِبَسَةُ الْجِلْبَةِ رَافِضَةُ الْاَخْبَارِ تَحْتَ الظُّلْمَةِ مُنْفَعِلَةِ الدَّعَارِ غَلَبَ الْعِلَّةِ) کا حصہ ہے "۔

مصنف صاحب کی کج فہمی ودشنام سازی

اس بے حیا کے حصہ میں شرم آئی ہی نہیں غضب ہے کہ مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری مرحوم استاذ مولوی محمد قاسم صاحب کو جو اس جز و زمان میں خازن جواہر اخبار وناقد نقود آثار تھے کوڑ مغز بتاتا ہے۔

وَكَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيْحًا ——— وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيْمِ

ان کے قول کو مولوی رحم الٰہی نقل کرتے ہیں خود نہ سمجھا اور اعتراض کرنے پر تیار ہو گیا ان کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ بخاری فقہا سے نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ ان مدارج میں ائمہ مجتہدین سے کم درجہ پر ہیں جن کا اہتمام بالشان جامع ترمذی میں کیا گیا ہے جیسے

مالک، شافعی، احمد، اسحاق اور ابن مبارک وغیرہم اور یہ ائمہ جو ان کے مماثل ومساوی ہوں یا زائد ہوں جیسے امام اعظم وہ امام بخاری پر ترجیح رکھتے ہیں اور امام بخاری کو ان کے استاذ امام احمد پر در باب فقہ ترجیح دینا یا مبالغہ ہے یا خلاف واقع علاؤ یہ امام احمد کا رجحان تفقہ بلکہ تفقہ واجتہاد میں بدرجہا زائد ہونا امام بخاری پر مثل آفتاب کے روشن ہے اور وہ ائمہ مذ ذہبہ اربعہ میں سے ہیں بلکہ یہ بھی قریب بداہت ہے کہ فن حدیث ورجال میں بھی وہ امام بخاری پر بہت فائق تھے امام بخاری ان کے ایک خوشہ چیں و زلہ ربا ہیں اور وہ امام بخاری کے امام و پیشوا ہیں ہاں! امام شافعی کو البتہ ان پر تفقہ میں ترجیح ہے نہ فن حدیث ورجال میں اور ہمارے امام اعظم کو تفقہ میں امام شافعی اور ان کے استاذ امام مالک بلکہ جملہ فقہائے وقت پر ترجیح ہے ان کی کردکو تفقہ فی الدین میں پہونچنا باعث فخر ائمہ ہے۔

حضرت کی ناسمجھی

مولوی عبدالرب صاحب کے قول کو خود نہ سمجھا اور اکو مثل روافض اور ان کے قول کو تبرا قرار دیا حالانکہ غیر مجتہد صحابہ سے ان کی مراد غیر علمائے صحابہ ہیں جو طویل الصحبۃ نہ تھے مثل اعراب وبادیہ نشینان جن کو سوائے کلمہ توحید کے تفاصیل فرائض کی بھی تکمیل کا اتفاق نہ ہوا تھا اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پوچھ کر چلے جاتے تھے اور اکثر اپنی معائش وتدابیر کار میں مصروف ومشغول رہتے تھے اور زیادہ فرصت تفقہ کی نہ پاتے تھے۔

باقی فضل صحابیت یہ اور چیز ہے اور فضل تفقہ دوسری چیز دیکھو! امام ابوحنیفہ نے اوزاعی کے روبرو علقمہ کو ابن عمر سے فقہ میں زائد یا مساوی قرار دیا حالانکہ ابن عمر خود فقہا صحابہ میں ہیں اور علقمہ تابعی۔

مصنف کا افترا اور کج فہمی

امام صاحب پر بہتان کیا کہ ان کے نزدیک ہر بدعت ضلالت ہے یعنی بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں جو بدعت ہے سیئہ ہے اس کے واسطے صحیح نقل ضرور ہے ان کی عبارت سند صحیح پیش کرنا صاحب رسالہ کے ذمہ پر ہے۔

اولاً تو عبارت ہی نہ ملے گی بفرض محال اگر ملی بھی تو سند صحیح درکار ہوگی، اگر سند بھی مل گئی تو شاید غایت درجہ ایسی ہی ہو۔

حدیث کل بدعة ضلالة اور نعمت البدعة هذه کا مفہوم

یہ بزرگوار لوگ کہا کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ہر بدعت ضلالت وسیئہ ہے کیوں کہ حدیث شریف میں وارد ہے "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" جب آنحضرت ﷺ کے نزدیک یہ ہوا تو پھر امام صاحب کا کیا ذکر اور جیسے کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور جملہ صحابہ کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی چہا مثال عالم میں متحقق وموجود ہیں بھلا کیوں صاحب "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" کا کیا مطلب ہے؟ کیا آنحضرت ﷺ کا عرف، زبان، محاورہ اور تھا اور حضرت عمر کا اور؟ آنحضرت ﷺ عرف شرعی بولتے تھے اور حضرت عمر لغت خالص اور خیر کوئی بدعت شرعیہ بدعت حسنہ نہ سہی پھر اس سے تم کو نفع کیا؟ یہ تو نزاع لفظی ہو

کی محفل مولود، مجلس ذکر شہادت بروایات صحیحہ کو ہم اس تقدیر پر بدعت شرعیہ نہ کہیں گے جیسے مدارس و اعرابات قرآنی و اوقاف قرآنی وتصانیف کتب اور عدو تراویح کو تم بدعت شرعیہ نہ کہو گے۔

بالجملہ بدعت ضلالت و بدعت سیئہ وہی ہے جو مخالف شرع کے ہو اور اسی کو کلیہ نا جائز و گمراہی بھی فرمایا ہے اب سلف صالحین نے بھی اور امام اعظم نے بھی اگر فرمایا ہو تو اس کا یہی مطلب ہوگا نہ وہ بدعت جو مخالف شرع نہ ہو گو منصوص الشرع وعینہ بھی نہ ہو۔

اور مخالف و مغایر میں جو فرق ہے وہ خود ہر صاحب فہم پر ظاہر ہے پھر اگر امام صاحب کا قول بدیں تصریح فرض بھی کر لیا جائے تو اس ہمارے مذہب سے کیا ان کی تقلید میں فرق آتا ہے؟ اور امام صاحب کا عمل تو صدہا بدعت حسنہ پر تھا اور بکثرت ان کے اقوال میں موجود ہے فقہ اکبر کے اکثر مباحث بدعت حسنہ ہی ہو سکتے ہیں اور اکثر فقہ لطیف و دقیق کی موشگافیاں اسی قبیل میں داخل ہیں علاوہ ازاں وجوب تقلید شخصی کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے جس کا مقتضی یہ نہیں ہے کہ ہر قول کی پابندی و تقلید لازم ہو باقی نحو یہ اور علم اور شدون وغیرہ کو کوئی بدعت حسنہ نہیں کہتا چہ جائے کہ مولوی عبدالرب صاحب رسالہ دار باذلت وبے وقار کو مضامین کتاب کی طرف توجہ ہوئی پھر اس میں صدہا سخن سازیاں وحیلہ بازیاں و افتراپردازیاں و سقط اندازیاں و وقاحت شعار یاں و حماقت و ثاریاں، جن کے واسطے ایک دفتر عظیم چاہیے ان اوراق میں ان کا کوئی حصہ معقول معتدبہ سا نہیں سکتا مگر بطور "مَالَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ" ہر مقام کے متعلق جس کی تعبیر رسالہ دار فوج بے دین لاشی حاکم رعایائے زق نے بلفظ ازاجملہ کی ہے کچھ کچھ خبر گیری کر دی جائے تاکہ ناظرین کو اس کی جسارت و جرأت و بے حیائی کا کچھ نمونہ معلوم ہو جائے۔

صاحب قوس کی ترکیبی غلطیاں

ازاں جملہ اول میں لکھتا ہے کہ صاحب ظفر مبین کو بے تہذیبی سے متہم کیا ہے اور طاعن ائمہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ جھوٹ ہے وہ برکات دینی کو مورد طعن نہیں ٹھہراتا بلکہ مسائل کی خطا کا اظہار مقصود ہے کہ وہ بے اصل ہیں وہ بھی اس طور پر کہ ائمہ کے مقلدین نے ان کے نام لگا دیئے ہیں ورنہ ائمہ بری الذمہ ہیں اسی ضمن میں اس مدعی تبحر علوم نے ایک عبارت اردو لکھی ہے جس کی ترکیب نحوی قابل تماشا ہے وہ عبارت یہ ہے بلکہ غرض اظہار مسائل مذکور کتاب ظفر مبین سے یہ ہے کہ ہر مجتہد سے (قطع نظر اس کے کہ خطائے اجتہادی صادر ہوتی ہے) بہت سے وہ مسائل جو صریح مخالف کتاب وسنت ان کے مقلدین نے ائمہ کے نام سے کتب فقہیہ میں درج کر دیئے ہیں ان سے تمام مسلمان متنبہ ہو جائیں الخ۔

عبارت مابین الخطین تو ایک طائفہ معترضہ ہے بعد حذف اس کی عبارت ملاحظہ کے قابل ہے "یعنی مجتہد سے بہت سے وہ مسائل جو صریح مخالف کتاب وسنت ان کے مقلدین نے ائمہ کے نام سے کتب فقہیہ میں درج کر دیئے ہیں الخ"۔

ان مہملات کو تصور کیا جائے از روی ترکیب کس درجہ اہمال پر ہیں جس کا سوق عبارت اردو میں یہ نقشہ ہو چہ جائے مسائل اصول صرف نحو چہ جائے تبحر جملہ علوم دینیہ وعقلیہ وہ کس کے خطاب کے قابل ہے اس طفل دبستاں کی دم کو یوں لکھنا نہ آیا کہ قطع نظر

اس کے کہ ہر مجتہد سے خطائے اجتہادی صادر ہوتی ہے بہت سے وہ مسائل جو صریح مخالف کتاب وسنت ہیں مقلدین نے اپنے ائمہ کے نام سے الخ۔

تقدیم وتاخیر سے جو خبط ہو جاتا ہے اس کی بھی اس مرتبہ عقل ہیولانی کے رضیع کو خبر وتمیز نہیں۔

اجتہاد اور مسائل فقہیہ کا بیان

خیر اب مطلب پر آیئے اور سنیے۔

اولاً یہ کہ ہر مجتہد سے خطا کا صادر ہونا ضرور نہیں ہاں ممکن ہے اور مطلق مجتہد کے افراد میں دو قسمیں موجود ہیں مصیب ومخطی مگر ہر فرد میں ضرور نہیں کہ مخطی ومصیب دونوں ہوں جیسے ہر فرد افراد انسان میں ضرور نہیں کہ سیاہ وسفید دونوں ہوں۔

اور ثانیاً یہ کہ یہ مسائل فقہیہ وہ ہیں جو ماخوذ ہیں ان کتب سے اصحاب وتلامذہ ائمہ نے اپنے کتب میں تحریر کیے ہیں پھر الزام صریح مخالفت قرآن وحدیث کا یا ائمہ پر بالآخر لگے گا یا تلامذہ ائمہ پر مثل محمد ابن الحسن وحسن بن زیاد کے اور یہ تلامذہ واصحاب بھی ائمہ مجتہدین ہیں بہر کیف اصل مقصود ومآل کار آپ صاحبوں کے مطاعن کا یہی ٹھہرا کہ ائمہ ومجتہدین مطلق یا مجتہدین منتسب ومجتہدین فی المذہب کو جو کل بزرگان دین ہیں مطعون کیا جائے اور اتہام ارتکاب صریح مخالفت قرآن وحدیث سے اشارۃً بے دین کہا جائے اور اصول ستہ امام محمد کی مثلاً خود متواتر ہیں محتاج سند نہیں اور نہ کچھ اور یہ مسائل فقہیہ بھی مروی بسند آحاد کی پھر آپ از راہ عنایت یہ قول امام صاحب کا (اُترُکُوا قَولِی الخ) جو آپ نے نقل کیا بسند صحیح ثابت کر دیجیے از خود با مام تمام۔

ائمہ مجتہدین کو برا کہنا تو غیر مقلدین کا مذہب ہے

اور ثالثاً یہ کہ ؏

چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد

دیکھو! یہ ہے وہ مراد جس ائمہ دوسرا اس قدر تو تحری وبرأت وذمہ وبے لوثی ظاہر کرتا ہے اور خود کس درجہ امام ابو یوسف صاحب کے درپے اہانت وتوہین واز راہ شان وتحقیر مکان ہو گیا اور اثبات حکایات واہیات پر کمر باندھی تا اپنے اصول مذہب کی بنیاد دین کو منہدم ہو جائیں مگر امام ابو یوسف صاحب شاگرد امام صاحب کی تحقیر وتذلیل ہاتھ سے نہ جائے اور ان کی برائی تمام جہاں میں پھیلے اور فریبی ودغاباز بلکہ منعقد قانون فریب ودغا ان کو قرار دیں اور اسی واسطے آیات واحادیث مذمت دغا وفریب کی جھڑکیاں ایسے امام ثانی لاثانی کے حق میں تصور کیں اب بھی اپنے دعوے شرم وحیا پر خاک نہیں ڈالتے اور اپنی اس وقاحت اور روبہ بازیوں اور فریب سازیوں کو نہیں سنبھالتے یہاں صاحب فتح المبین کے دعوے پر بینہ کو خود صاحب رسالہ نے قائم کر دیا بلکہ حقیت دعوے کا معاینہ ومشاہدہ کرا دیا جھوٹی دبی زبان سے اپنے بچاؤ کے واسطے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ طعن والزام مخالفات صریحہ کتاب وسنت کا ہم مقلدین واتباع ائمہ پر رکھتے ہیں کہ انہوں نے ان مسائل سے اپنے ائمہ کو خود بدنام کیا نہ خود ائمہ پر ہم یہ

مطاعن والزامات لگاتے ہیں حالانکہ یہ مفسد فی الدین سراپا حقد و کین اسقدر حیا نہیں کرتے کہ دروغ گوئیم بروردی تو برابر ائمہ کو مطاعن بیجا و الزامات ناروا میں لپیٹے اور ساتھ چلے جاتے ہیں اور خاص انہیں ائمہ مجتہدین مطلق کو یہ لوگ مخالف صریح قرآن و حدیث صحیح قرار دیتے ہیں اور ان الفاظ سے ملحد و بے ایمان و زندیق مراد لیتے ہیں جیسا کہ کبھی کبھی بلفظ احبار و رہبان یاد کرتے ہیں مسئلہ نفاذ حکم قاضی من الظاہر والباطن میں مخالف صریحہ کا الزام کس پر قائم کیا اتباع و مقلدین ابوحنیفہ پر کہ انہوں نے یہ اختیار کیا اور امام پر یہ تہمت و بہتان اٹھایا یا خود حضرت امام رحمۃ اللہ پر جس کے واسطے عبارت نووی بھی نقل کی کہ ابوحنیفہ اس کے قائل ہیں اور معارض سنت کس کو قرار دیا اور تشفی خاطر اور دل کا غبار نکالنے کے واسطے تحریر کس پر لگائی جاتی تھی نام تو برائے نام صدر انجمن اور مہر والوں کا لے دیا اور اصل صدر انجمن تو مراد و مقصود کیوں کہ اصل مخالف و معارض تو ان کو تحریر کر چکا اب فرمایئے کون سا مرحلہ تحقیر و اہانت کا اس نے بحق امام الائمہ چھوڑ دیا اور صاحب فتح المبین نے کیا بے تہذیبی کی جو بری چند اصل نام مؤلف ظفر مبین کا لکھ دیا اور جب صاحب فتح کے نزدیک وہ برائے نام مسلمان ہوا تو وہ اصل نام ہی مسمی پر ٹھیک آیا اصل غرض یہ ہے کہ کمال حلیۂ ایمان و جمال زیور اسلام سے اسکو اتصاف ہوا گو نفس طبیعت ایمان کا حصول بھی ہو گیا ہو اور جب کہ اہل اسلام میں اکثر رواج و عرف یہی تھا کہ غلام محی الدین نام رکھتے ہیں نہ محی الدین اس واسطے کہ یہ لقب حضرت عبدالقادر جیلانی کا ہے اور اپنے آپ کو ان کے اتباع میں سے اور ان کو مثل آقا کے شمار کرتے ہیں بطور تفاؤل تو لفظ غلام کا اضافہ مناسب ہوا اور خیال ہوا کہ سہو کاتب سے ساقط ہو گیا ہے یا بدیں نظر کہ ہر دو موجود موجب حکم غلامی کی ہے باقی اس بے شعور سراپا قصور کو اس قدر بھی تمیز نہیں کہ آیت اپنے موافق لکھتا ہوں یا خصم کی دلیل ناحق کریمہ ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ درج کر بیٹھا۔

بعد مدت کے پھنسا آ کے پرانا چنڈول | تھی جنگل کی ہوا دم کا بلانا گیا بھول

لفظ اسم پر فریفتہ ہو کر لکھ گیا یہ نہ سمجھا کہ یہ خود اسی مفتری کی مدح ہو جائے گی کہ بعد ایمان نافرمان بنا اور نام فسق رکھنا اسکا نشان ہوا۔

الزام الٹے احناف پر

اور دوم میں لکھتا ہے کہ جب یہ اعتراضات مصنف ابن ابی شیبہ کے ہیں تو صاحب ظفر و موحدین پر کیا الزام تنقیص امام اور ان اعتراضات کی دھجیاں اڑانا بے ایمانی ہے اس واسطے کہ وہ قرآن و حدیث کی دھجیاں اڑانا ہے شاید اسی وجہ سے حنفیہ فلاح یاب نہیں ہوتے اور مصداق "وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ" کے رہتے ہیں اور نیز صاحب ظفر اور بھی صدہا مسائل اس کے سوا لکھنے والا ہے۔

راقم کہتا ہے اولاً ابن ابی شیبہ میں اور ان اذناب کلاب ذات الانیاب میں جو اپنے آپ کو محدثین کہلواتے ہیں مگر واقع میں بالتحقیق ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے صاحب مصنف کی یہ خطا بلاشک ہے لیکن خطائے اجتہادی ہے اور اگر نہ بھی سہی تب بھی یہ ایک منازعہ عالمانہ و مناظرہ فاضلانہ ہے نہ مشاتمہ جاہلانہ و مکابرہ معاندانہ منظور نظر حق گوئی و صدق نموئی ہے نہ سراسر

حق پوشی و بادفروشی تمہاری طرح نہ کسی جہالت شعاری ہے نہ رذالت وتاری تعصب وقساوت نہیں جوش بغض وعداوت نہیں اہل انصاف اب ذرا اسی جگہ ملاحظہ موقع کریں فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان کی قلعی کھول دی اور لتاڑ بتائی ہے۔ کیوں صاحب کس کی قلعی کھولی اور کس کو لتاڑ بتائی اس وقت مقلدین واتباع کہاں تھے یہ قلعی تو قلعی امام ابوحنیفہ کی ہوئی اور انہیں کو لتاڑ بتانا ہوا سچ فرمایئے حضرت اب بھی آپ کو یہی دعویٰ ہے کہ ہم کو امام صاحب سے سوءظن وکدورت قلبی نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ کے زمانے سے پہلے تو یا امام تھے یا ان کے خاص تلامذہ بلا واسطہ علاوہ ازاں اس میں اگر ذکر ہے تو خاص امام صاحب کا ہے پھر یہ الفاظ بحق امام علما تو علماء اصحاب فہم وارباب تہذیب کی بھی شان نہیں ہے اس پر دعویٰ مساوات ابن ابی شیبہ کا اور بتانا اگر صاحب مصنف بھی مورد الزام ہو جائیں تو مخذور ومحال کیا ہے عصمت تو صحابہ کے حق میں بھی ثابت نہیں اور ناقل پر بھی ضرور الزام ہے جب وہ اس کی صحت کا مدعی وملتزم ہو بلکہ وہ اشد مورد الزام ہے کہ باوجود کھل جانے نقصان الزام وشناعت طعن کے پھر باعتقاد صحت نقل کیا ﴿وَ هٰهُنَا الْاَمْرُ كَذٰلِكَ﴾ علاوہ ازاں یہ اس وقت ہے جب ناقل نے بحیثیت نقل وارد کیا ہو اور یہاں تو نقل نہیں اگر ہو تو سرقہ یا انتحال ہو یا مسخ وتحریف بعید نا فہمی اور نا شناسی معلوم نہیں کہ یہ لامذہب مدارج کم فہمی میں کون سا پاس حاصل کئے ہوئے ہیں؟ شاید بذریعہ ڈاکٹر ہسپتال بیماران جہال کے سند حاصل کر چکے ہوں گے دھجیاں اڑانے کا یہ مطلب ہوا کہ قرآن وحدیث کی معاذ اللہ دھجیاں اڑائیں واہ! واہ! یہ تو طفل شیر خوار بھی نہ سمجھے گا کتب میں معلم سے سمجھ لیتا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث وقرآن کا مطلب ومضمون واضح کر دیا ہے جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مذہب حنفی اس کے خلاف نہیں یا ان کے معارض احادیث وآیات پیش کر دیے ہیں اور بضرورت رفع تعارض ان میں تاویل کر دی ہے اور حقیقت حال یہی ہے کہ محدثین ظاہر مثل دوافروش کے ہیں اور ائمہ مجتہدین وفقہا مثل عطار ذی ہوش جیسا کہ خود ان لوگوں کے امام صاحب دراسات نے امام بخاری کو ساذہ مزاج وظاہر میں اور بعید از مدارک دقائق عقلیہ قرار دیا ہے جیسا ابن ابی شیبہ نے ظاہر اخبار واصول کا خیال کیا اور حنفیہ لن کی مغز ولب لباب کو پہونچ گئے اور کل نصوص متعارضہ وغیر متعارضہ کا نتیجہ بدقت نظر نکال لیا جس کارروائی کا ان لوگوں کو فہم بھی دشوار ہے۔

باقی رہی فلاح دنیوی یا ذلت ورسوائی حنفیہ کی جسکے واسطے آیہ کریمہ ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الخ﴾ کی تلاوت ہوئی "اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" (بے حیا باش وہر چہ خواہی کن) کچھ تو آنکھ اٹھا کر دیکھا ہوتا روئے زمین کے اہل اسلام میں سے حنفیہ دو ثلث سے کم نہ ہو نگے اگر ہوں گے تو نصف سے بہر حال زائد ہوں گے پھر سلطنت ومملکت وفرماں روائی ان کی حجاز وعراق وحرمین وروم وشام ومصر وغیرہ پر خود ظاہر ہے ہند کی ریاستہائے اسلامیہ بھی اکثر حنفیہ ہی سے آباد ہے اور تمام بلاد ہند کے شریف وامیر ووجیہ ووضیع حنفیہ ہی سے بھرے ہوئے ہیں اور ہمیشہ منازعات تحریری وتقریری وزبانی وسنانی میں بالخصوص نامردان لامذہب پر غالب ومنصور رہتے ہیں۔

اور مصداق ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ خیر یہ صدمہ اولیٰ ہے ابھی صبر کرو۔

ابھی تو پہلی ہی منزل ہے سوچتے کیا ہو
مقام دور ہے اس کا چلے چلو تو سہی

اسناد حدیث کے مراتب

اور سوم میں یہ وظیفہ پڑھتا ہے کہ صاحب فتح نے اسناد کو بے اصل کر دیا اور ناجائز اور بدعت سیئہ ٹھیرایا حالانکہ وہ دین اسلام کا ایک رکن اعظم ہے اور لکھتا ہے کہ مطلق یہ خیال نہ کیا کہ ہم کیا نہ ار ہیں؟ اب مجیب کہتا ہے۔

اولاً تو اعتبار اسناد کا مؤلف فتح کو اور ہم کو انکار ہے مگر اس اعتبار کے مقامات پھر ان مقامات کے مدارج و مراتب ہیں۔ ع

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

اعتبار اسناد کے مقامات اخبار نبویہ و آثار صحابہ ہیں اور احادیث میں بھی جو اسناد علی التوالی والاتصال یا لاعلی الاتصال معتبر ہے اس کے بھی مراتب ہیں احکام حلال و حرام و فرائض و واجبات و اصول شرعیہ وغیرہ میں مزید احتیاط ملحوظ ہے جس کے واسطے تکمیل شروط صحت علی وجہ الکمال مرعی ہے اور جرح رواۃ اور علل حدیث اسمیں مؤثر فی النقض ہے اور کبھی ائمہ و حفاظ کی تصحیح و تحسین یا تمسک واحتجاج بالحدیث بھی جاری مجرائے اسناد موجود مستقیم شمار کیا جاتا ہے بنا بر اعتماد و وثوق کامل بر تحقیق و تفحص تام ان ائمہ ثقات واعلام اثبات کے خیال فرمایئے کہ مثلاً شیخ نووی نے شرح مسلم میں لکھ دیا کہ یہ مذہب عمر و علی و ابن مسعود کا ہے یا جمہور صحابہ و تابعین کا ہے یا جمہور سلف صالحین یا اس قسم کی عبارات مثلاً ترمذی یا اور کسی معتمد نے لکھیں اور اسناد درج نہ کی تو تم کو کس طرح یقین یا ظن غالب اس کا ہوگا کہ یہ قول ان خلفاء کا ہے یا جمہور صحابہ یا اکثر مسلمین و جمہور ائمہ کا ہے سوا اس کے کہ بھروسا اور تکیہ کیا جائے ان بزرگواران ثقات کے صدق مقالات پر اور اگر ہر جگہ اسناد طلب کی جائے گی تو خیال کر لیجیے کہ مذہب لامذہبی کی بالکل دھجیاں اڑ جائیں گی اور احادیث فضائل اعمال یا مناقب یا قصص و امثال و مواعظ وغیرہا کی اسانید میں مساہلہ کیا جاتا ہے احادیث ضعیف الاسناد بھی اس کے واسطے کافی ہوتی ہیں۔

انتساب روایات میں سلسلۂ اسناد ضروری نہیں

باقی رہا انتساب روایات و اقوال بہ نسبت ائمہ سلف اس میں کچھ سلسلہ وار اسناد علی التوالی ضرور نہیں مشائخ کرام و ائمہ اعلام کا انتساب بوجہ ان کی امانت و دیانت کے کافی ہے۔

اور **ثانیاً** اگر تم کو یہ دعوی ہے کہ ہمارے پاس ہر کتاب دین کی اسناد صحیح تا مصنف کتاب موجود ہے تو آپ ایک سلسلہ حسنہ رجال ثقات کا از خود تا مصنف ہر کتاب تحریر کیجیے کل کتابیں اگر نہ سہی تو دو چار ہی کتب سہی مثلاً تفسیر حسینی تا ملا کاشفی اور تفسیر نیشاپوری و اشراف ابن المنذر رودجیز و وسیط غزالی۔

اور **ثالثاً** یہ بے ہودہ مرد اوشن عقل و فہم اسقدر نہیں سمجھتا کہ امر متواتر کو اسناد سے کیا تعلق اور سند کو وصف تواتر سے کیا علاقہ فسق بلکہ کفر تک بھی تو مانع تواتر نہیں اگر فہم و دانش نہ تھی تراکات کا الوقا اور فکر کا تفسیر تو نخبہ و شرح نخبہ کی عبارت ہی کسی سے پڑھوا کر سمجھ لی ہوتی کہ حدیث متواتر کو اسناد سے کیا تعلق ہے اور یہ قرآن میں بھی اسناد قائم کر رہا ہے اور اسی طرح ترتیب سور و تراویح وغیرہ میں۔

اور **رابعاً** اس کج فہمی کی ناسمجھی قابل تماشا ہے اعتبار اسناد کی دلیل آیت کریمہ ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا الآية﴾

اور قول بخاری "قَوْلُ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا وَأَخْبَرَنَا وَأَنْبَأَنَا الخ" لکھتا ہے یہ سمجھ بوجھ کا شخص ہے یہ ادلہ قطعیہ تو یہ ہوئے وجوب اعتبار اسناد کے سبحان اللہ! میاں کلام وجوب سلسلہ اتصالیہ صحیحہ کے اعتبار میں ہے نہ مطلق خبر میں جو بلا تسلسل ہو اور نہ مطلق سلسلہ میں گو منقطع ہو اور نہ خبر فساق و فجار میں بلکہ خبر علمائے اخیار و ائمہ و مشائخ کبار میں۔

اور **خامساً** وجوب وجود اسناد صحیح کا ثبوت ان ادلہ سے کس تقریب سے ہوا۔

اور **سادساً** یہ آیت تمہارے مشائخ کے مسلک کے ظاہراً مخالف ہے مگر تم کو اس کی تمیز کہاں؟ فقط دلیل پیش کرنے سے کام ہے آیت کریمہ سے خبر فاسق میں توقف کرنا اور تفتیش و تحقیق واقعی کرنا ثابت ہوتا ہے اور تمہارے مرشدین سب خبر فاسق کو مردود سمجھتے ہیں نہ موقوف۔

اور **سابعاً** بحکم مفہوم مخالف جس پر تمہارا بھی ایمان ہے یہ نکلتا ہے کہ خبر غیر فاسق کی مقبول و معمول بہ بلکہ قابل جزم ہونی چاہیے حالانکہ تمہارے شیوخ مطلقاً یہ امر منکور نہ کریں گے مثلاً اگر غیر فاسق حافظ و ضابط مغفل ہو یا متہم بہ بدعت ہو تو بحکم مفہوم آیت خبر اس کی قبول ہونی چاہیے اور بحکم تمہارے تقلید ائمہ کی نامقبول۔

اور **ثامناً** کلام و بحث تو ایسے مقام میں ہے کہ جب مصنف کتاب نے مسائل یا روایات کو کسی امام عالی قدر کی طرف منسوب کیا تو آیا ان روایات میں اسناد کے سلسلہ صحیحہ متصلہ کی ضرورت ہے اور معنعن یا بحذف سلسلہ رجال و رکار ہے یا نہیں مثلاً صاحب ہدایہ نے کسی روایت یا مسئلے کی نسبت امام اعظم یا محمد کی طرف کر دی اور اسناد درج نہ کی تو اب یہاں اس روایت یا مسئلے کی اسناد بیان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

اور آیت کریمہ کو اس محل متنازع فیہ سے کچھ تعلق نہیں اس واسطے کہ یہ خبر فاسق نہیں بلکہ خبر امام عدل ثقہ ہے باقی وجوب تسلسل و تواصل سے اس آیت میں مطلقاً تعرض نہیں علاوہ ازاں اشتہار و شہرت روایت و تداول السنہ و شیوع تام و تدوین فی الکتب خود اسانید متصلہ سے فائق ہے مگر نہ ہر تداول و ہر اشتہار بلکہ وہ جس کو اعلام کرام مقبول و قابل حجت سمجھیں نہ شہرت عوام۔

اور **تاسعاً** اس تعلیق بخاری "وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا الخ" وغیرہ سے کلیہ ہر امر دین قولی و فعلی و فرعی و اصلی میں وجوب اعتبار اسناد اصطلاحی سلسلہ بند علی الشروط المعتبرہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟ میرے کیا کسی عاقل بالغ بلکہ نابالغ کے بھی خیال میں نہیں آ سکتا کہ اس تعلیق اور اس جملہ ضرور یہ کلیہ مقیدہ مشروطہ متفرعہ علی الاصطلاحی میں کچھ بھی قرابت یا آشنائی یا کوئی علاقہ بعیدہ مس و مساس کا بھی ہے یہ تو وہی مثل ہے کہ "تو نے کھٹا پھوڑے خیرآباد"۔

مجھ کو اس پر ایک قصہ مختصر یاد آیا کہ کسی شخص نے ایک صاحب علم سے پوچھا کہ قنوت کا وتر میں کھڑے ہو کر پڑھنا کہاں سے ثابت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ سے۔

صاحب فوس کی چالبازی اخذ عبارت میں

باقی مؤلف فتح نے اسناد کو بدعت سیۂ اس کے حق میں کہا ہے جو اس کو مدار کار ہر امر میں سمجھے اور جزو دار عایت میں تصور کرے اس کے واسطے ابد الآباد جہنم سمجھے اس کے واسطے بدعت سیۂ بلکہ اکبر الکبائر ہونے میں کیا شبہ ہے؟ جیسے کوئی نماز چاشت کو فرض سمجھ لے۔

ان فریبوں کے ایک یہ بھی داؤ گھات ہیں کہ آدھی عبارت ادھ بچرا مضمون لکھ کر عوام کو اس سے متنفر کر دیتے ہیں ﴿لا تقربوا الصلوۃ﴾ پر ان کا عمل ہے فریب ودغا وبہتان وافترا اور دروغ بے فروغ تو گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہے بہلا وکج فہمی تو سرتا پا ان کی طینت سرشت اور قوام طبع ہے۔

اور ان کا سند سے جو مقصود مقلدین تحریر کیا وہ ایک عجیب سودائے غیر طبعی و مالیخولیائے لاعقل ہے کہ صد ہا بلکہ ہزار ہا مسائل بے سند وغیر مستند ان کی کتب میں ہیں انکار سند اور ناچیز کر دینے سے سند کے یہ مطلب ہے کہ عوام ان کو عموماً بلا غل وغش مان لیں اور بدل بلا طلب سند قبول کریں میں پوچھتا ہوں کہ اچھا اگر سند سلسلہ وار مسائل کی تحریر کی جائے اور صاحب مذہب مثلاً امام اعظم تک سند صحیح پہونچا بھی دی جائے تو لا مذہبوں کو کیا نفع ان کو تو سند وعدم سند دونوں میزان طعن میں برابر ہیں خود ہی کہہ چکے ابن ابی شیبہ نے قلعی کھولی اور لتاڑ بتائی پھر سند لیکے کیا کرو گے؟

یا سند مسئلہ سے یہ مراد ہے کہ تا بہ رسول کریم ﷺ پہونچائی جائے اگر یہ مراد ہے تو یہ عجیب خبط ہے جیسے یہ کہا جائے کہ سلسلۂ سند تفسیر فتح العزیز تا بہ علی مرتضیٰ پہونچایا جائے یا یہ مجانین ومخادعین اپنی دیوانگی وخلل دماغ سے یا ازروئے فریب ودغا لفظ سند بولتے ہیں اور کہیں سلسلۂ رجال وروات مراد لیتے ہیں اور کہیں دلیل وبرہان اور یہاں مسائل بے سند وغیر مستند سے مراد وہ ہیں جن پر دلائل سمعیہ یعنی احادیث صحیحہ قائم نہ ہو۔

خمر کے سلسلے میں چار اعتراضات اور ان کے جوابات

چہارم میں در باب خمر صاحب فتح پر چار اعتراض کئے ہیں۔

ایک فہم مطلب شعر متنبی پر کہ ترکیب غلط سمجھ کر مطلب غلط کر دیا۔

اور دوسرے یہ کہ متنبی ان شعرا سے نہیں جو قابل تمسک واحتجاج ہوں بلکہ اعتبار در بارۂ زبان قدیم شعرائے جاہلیت کا ہے۔

اور تیسرے یہ کہ بعد تسلیم مفید مدعا نہیں۔

اور چوتھے یہ کہ اگر ہو تو بھی ساقط الاعتبار ہے بمقابلۂ صرائح قرآن واحادیث صحیحہ وتفاسیر معتبرہ۔

میں کہتا ہوں کہ اول کا جواب یہ ہے کہ جو ترکیب مؤلف فتح نے سمجھی ہے اس کے متنازع پر برہان قائم کیجئے۔ ﴿فاتوا برهانكم ان كنتم صادقين﴾ علاوہ ازاں یہ بھی پایۂ ثبوت کو پہونچانا ضرور ہے کہ خول بمعنی تغلب سے تھی۔

اور دوم کا جواب یہ ہے کہ متنبی کی زبان والفاظ معتبر ہیں اور قابل تمسک کو شعرائے جاہلیت کے برابر نہ ہوں

احیانا اس کے مرتبے سے تو کسی طرح نازل و کم ہو وجہ نہیں ہے اور یہاں مقام اعتبار و استشہاد کا ہے نہ تمسک و احتجاج کا۔

اور **سوم** کا جواب یہ ہے کہ تم خوب بے شعور اور نعوذ بے خودی میں چور مصداق ﴿الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ ہو یہ نہ سمجھے کہ اس خبر کی اصل عتب کو ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ خبر ماخوذ اسی عتب سے ہے ورنہ ذکر عتب کی کیا خصوصیت تھی۔

اور **چہارم** کا جواب خود صاحب فتح نے مفصلاً و مشرحاً تحریر کیا ہے۔

اور قاضی پانی پتی کی رائے جو تفسیر مظہری سے نقل کی جو امام اعظم سے دس گیارہ سو برس بعد گزرے ہیں امام صاحب پر حجت نہیں ہو سکتی شیخ عبد الحق سے تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ اتنی مدت بعد کہاں سے الہام ہوا اور مولوی احمد علی بارہ سو برس بعد ہجرت سے گزرے اس وجہ سے ان کا قول نا مقبول ہوا لیکن قاضی صاحب بالکل ان مطالبوں و مواخذوں سے بچ گئے اور یوں ہی قضا کر گئے اور قضا کو ادا اور فرع کو اصل اور مجاز کو حقیقت در حقیقت کر کے مر گئے، ایسا تو بے لوث و بے لاگ چھوڑنا اچھا نہیں اور نہ کچھ وکالہ ہماری ہی طرف سے کچھ تو دھبا لگا دینا چاہیے حالانکہ شیخ صاحب کے تو دلائل و قرائن بکثرت موجود ہیں۔ اور قاضی صاحب کا اعتماد تو انہیں وجوہ مردودہ پر ہے جن کا حنفیہ رد کر چکے ہیں صاحب فتح نے مفصلاً و مبسوطاً ان خیالات کا جواب دیا ہے اور اس اطلاق خبر کو مجاز مستحدث قرار دیا ہے اور اس کی تجویز کے قرائن و امارات بکثرت ہیں مگر وجوہات مردودہ کو بار بار اعادہ کرنا اور لوٹ لوٹ کے وہی بے تال سُر کا راگ گانا ان غیر مقلدوں کا شیوہ بلکہ داخل طبیعت ہے بغیر اس کے ان سے رہا نہیں جاتا اگر ذرا ضبط کریں تو کچھ اور خبط کریں یا پیدا مرگ مفاجات سے ربط کریں اور اگر زیادہ تحقیق منظور ہو تو حضرت مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کا حاشیۂ ہدایہ مطالعہ کیا جائے جو مطبع اودھ اخبار میں طبع ہو کر شائع ہو گیا ہے اس میں اکثر معارک خلافیہ میں غیر مقلدوں کی بیخ و بن اکھاڑ کر پھینک دی ہے اور مباحث حدیث کے عجیب تحقیقات و تنقیحات ہیں جو مناسب ان کی وسعت نظر و تبحر علوم کے بے لامذہبوں کے تو دیکھ کر ہوش اڑ جائیں گے اور پیٹ پھٹ جائیں گے اور پھر ایک اور ہی عالم نظر آنے لگا نا منکرین کی زبان پر ہو گا کہ یہ کیا سماں بندھا ہے۔

قضاء القاضی نافذ ظاہراً و باطناً کے معنی

اور **پنجم** میں در باب حدیث نفاذ قضائی الظاہر و الباطن صاحب فتح کی دشمنی سے مولوی احمد علی صاحب علیہ الرحمہ کو بھی ماخوذ کرتا ہے کہ جب وہ بارہ سو برس بعد گزرے ہیں تو تخصیص حدیث بالا سوال اس قدر مدت کے بعد کس طرح ہو سکتی ہے (بریں عقل و دانش بباید گریست) پھر لکھتا ہے کہ حدیث عام ہے تخصیص اس میں نہیں ہو سکتی اور ڈرتا ہے اس امر سے کہ اگر کسی مقلد نے غیر مقلد کی زوجہ پر جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی گواہی دلوا کر قاضی کا حکم لے لیا اور نصیب اعدا اس سے خلوت صحیحہ بھی ہوئی تو کس قدر جوتیوں میں دال بٹے گی اور نابکار کے سوا کس کس باپ بھائی چچا بھتیجے کی اس میں ناک کٹے گی اور کیسی تفضیح اور تفضیحت ہو گی اس خوف کے مارے یہ عام عام گا رہا ہے اور عام کا ہی ثمرہ کھا رہا ہے ارے کم بخت امام اعظم کے پیرو مرد میدان اور بہت

چست و چالاک اور معارضہ و مبارزہ میں خصوصاً حکایت و نصرت امام الائمہ بالکل بے باک ہیں ایسے بڑے امام پر یہ برے خیال نہ باندھو اور ایسی ناقص تجسیں نہ لگاؤ آخر تھوڑی بے ادبیوں کا نتیجہ اور سزا اپنے گروگھنٹال صاحب جاہ و مال کے حق میں دیکھ چکا پھر بھی ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ کو بے حیائی سے مقلدین و ائمہ کے حق میں پڑھے جاتا ہے یہاں بھی وہی مردود باتیں لوٹ لوٹ کے بک دی ہیں جن کا فتح المبین میں استیصال کر دیا گیا ہے اس واسطے۔

اولاً سیاق حدیث اور الفاظ حدیث مثل "مِنْ حَقِّ أَخِيهِ" اور "أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ" وغیرہ خود قرائن جلیلہ ہیں اس پر کہ یہ حدیث متعلق بالمال ہے۔

اور ثانیاً خود حدیث اس پر شاہد ہے کہ یہ امر متعلق اس معاملے سے ہے جو کسی پر گفتگو و مباحثہ ہونا اس سے جو بذریعہ و شہادات ہو۔

اور ثالثاً عموم علی وجہ التمام اس کا باقی نہیں رہ سکتا ورنہ مخالفت جمہور لازم آئے گی کہ آپ سے احکام میں خطا سرزد نہیں ہوتی اور اگر فرض کیا جائے تو اس پر از جانب الٰہی متنبہ بطریق وحی کر دینا ضرور ہے۔ جیسے اُسارائی (قیدی) بدر میں اور قصہ نابینا میں جو سورۂ عبس میں ہے۔

باقی تبلیغ احکام الٰہیہ میں تو خطا سرزد ہو ہی نہیں سکتی اور ہم نے جو ذکر کیا یہ احکام "فِيمَا بَيْنَ الْعِبَادِ وَالْمُعَامَلَاتِ" میں ہے، پھر اگر بالفرض خطا کے صادر ہونے کا خیال و تصور تھا تو اس میں کچھ حرج و گزند نہیں اور نہ احتیاج اس نصیحت کی اس واسطے کہ حقیقت حال تو آپ کو منکشف ہو ہی جاتی اسی وقت انتزاع ممکن ہوتا۔

اور رابعاً جب نووی وغیرہ محدثین بھی اس کو غیر اجتہاد کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں تو حنفیہ کی تخصیص پر کیا الزام؟ اگر الزام ہوگا تو اسی قدر کہ سیاق و قرائن خصوص اموال کے حنفیہ کا ساتھ دیتے ہیں اور غیر اجتہاد کا خصوص تنہا اکیلا ہے بلا دلیل۔ اب دیکھو! صاحب رسالہ کی ناسمجھی کیسی علانیہ مثل آفتاب کے روشن ہوگئی اور غیب کی خبر کا قائل کون ہے جو مفت مجذوب کی سی بڑ مار رہا ہے اور اس پر یہ طرہ تنزل کہ اگر آپ کو بذریعہ وحی خبر ہو جاتا مسلم بھی کی تو یہ تاضیان زمانہ کیا کریں گے؟ ان پر تو وحی و الہام نہیں اترتا یہ تا بھی اور دعوے جواب وہی کا کلام تو اس میں ہے کہ جب یہ اطلاع و خبر وحی ضروری تھا تو مضمون حدیث کیا قرار پایا اور "فَلَا يَأْخُذْهُ" کے کیا معنی ہوئے؟! اس کو اختیار اخذ ہی کب رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب مبارکہ

اور خامساً جب حضرت علی کا قول اس کے مخالف ہے تو جمع و توفیق واجب ہے ورنہ یہ بھی ایک مجروحیت و مطعونیت حدیث کی علامت و نشانی ہے کو صحیح السند ہو کہ متعلق بلکہ شدید التعلق خلفائے راشدین ہوا اور وہ اس پر مطلع نہ ہوں یا اس پر عملدرآمد نہ کریں اور احکام فصل قضایا و فصل خصومات و اجرائے حدود و قصاص و نظم و نسق شرائع و بندوبست دین و شرع و سیاست

عباد وغیرہ امور متعلق بلکہ شدید التلبس یا مخلفا ہیں ان پر منکشف وظاہر کردینا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ضرور ہے اور اسی طرح حدیث غیر مشہور "فِيْمَا يَعُمُّ بِهِ الْبَلْوٰى" مقبول نہیں ہوتی اس واسطے کہ یہ امور علی تغیرہ قوادح باطنہ میں درباب مطعونیت حدیث خصوصا حضرت مرتضی کرم اللہ وجہہ کہ فصل قضایا میں معروف تھے اور "قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَاحَسَنٍ لَهَا" کی مثل ان پر صادق آتی تھی اور خود عہد نبوت میں عمدہ مفتی وقاضی کثیر الاتفاق والقضاء رہے "أَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ" کا تمغا وخطاب پایا علاوہ ازاں اسی خلیفہ راشد خاتم الخلفا کے حق میں "اَللّٰهُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ" اور "اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ" وارد ہوا اور یہ حضرت مرتضی صاحب مناقب جمہ ہیں اور اخیش فی ذات اللہ اور "أَشَدُّ الْاِتِّبَاعِ لِلْأَثَرِ النَّبَوِيِّ" پھر عموما حدیث "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي الخ" بھی جو حدیث صحیح ہے وجوب اتباع کے واسطے کافی ہے اور وجوب تطبیق وجمع سے بھی کیا کم وجہ انکار ہے گا اب فرمایئے کہ یہ تخصیص ہماری خانہ ساز بات ہے یا خانہ نبوت و اہل بیت نبوی میں پختہ ہوکر برآمد ہوئی ہے اور بدنام اب کس کو سمجھتے ہو حنفیہ کو یا امام اہل بیت رسالت کو نعوذ باللہ منہما اور صاحب فتح نے کیا دغا کی جو یہ کہا کہ جمہور کی مخالفت لازم آ ئے گی بلکہ یہ صحیح ہے کہ جمہور عام نہیں کہتے تخصیص کے قائل ہیں یہ صاحب فتح نے کب کہا ہے کہ جمہور تخصیص بالمال کے قائل ہیں؟ تاکہ تم لوگ جھوٹوں کے بادشاہ اور دغا بازوں کے میر اور مفتریوں کے سردفتر انکو جھوٹا سمجھو۔

تغلیط امام نووی اور موافقت حدیث علی رضی اللہ عنہ

وہ جو بزرگ نووی بلحاظ مغلطات کثیرہ کا دامن پکڑا کہ انہوں نے قول امام صاحب کو مخالف حدیث ومخالف اجماع من قبلہ اور مخالف قاعدۂ اتفاقیہ قرار دیا یہ سب لغو اور بے ہودہ سرائی ہے زعم مخالفت حدیث کی قلعی تو خود کھل گئی اور یہ بالکل جھوٹ بہتان ہے کہ ابوحنیفہ سے پہلے کل ائمہ تابعین اور جملہ صحابہ کا اس پر اتفاق واجماع تھا حالانکہ حضرت علی کا قول تم خود سن چکے کیا وہ صحابی نہ تھے یا مجتہد نہ تھے یا غیر امین سے تھے؟ اس کے سوا امام صاحب کے ساتھ بہت ائمہ موجود ہیں۔

قاعدۂ اتفاقیہ کا جواب

باقی یہ کہ قاعدہ اتفاقیہ کے خلاف ہے کہ بضع وفرج میں احتیاط بہ نسبت مال کے زیادہ چاہیے۔

اس کا جواب **اولا** یہ ہے کہ یہاں احتیاط کے خلاف کیا ہوا امام صاحب کا مذہب تو یہ ہے کہ یہ حکم قاضی انشائی منعقد ہوگیا اور مال میں یہ صورت ممکن نہیں۔

اور **ثانیا** یہ کہ بضع وفرج میں تو کبھی ایک گواہ بھی کافی سمجھا جاتا ہے بخلاف مال کے جیسے ولادت میں زوال بکارت میں۔

اور **ثالثا** اگر اس تمہاری احتیاط پر عملدرآمد ہو تو جھگڑا اور زیادہ بڑھے گا اور حکم قاضی واسطے قطع خصومت کے ہوتا ہے نہ واسطے پیدا کرنے خصومت کے وہ بھی کیسی سلسلہ بند کہ مدعی یا مدعیہ کو مثلا پھر دعوے ومطالبۂ وطی ہوگا دوسرا خواہ مرد ہو یا عورت وطی سے انکار کرے گا بنا بر تمہارے فتوی کے پھر منازعہ اور زیادہ بڑھے گا اس کے آگے تحریر صدر انجمن وتحریر مہر کنندگان کا ذکر کرکے کتاب

واشارہ کیا امام صاحب کی طرف والعیاذ باللہ یہ لوگ کیا خلاء میں مشغول منصور و واثق و مروان بن معاویہ وغیرہما سے کچھ کم ہیں ہاں! قابو نہیں پاتے ہیں اور نہ امام کو پاتے ہیں ورنہ منصور کے ناصر اور مروان کے تابع فرمان تو اب بھی ہیں اور مروانی سرشت خود انکی محمد و صفت ہے اور اس جرح سے یہ کل رجال برائے نام معلول ہیں اور سب کے سب منفعل و نامقبول۔

اور **ششم** میں قصہ احیاء العلوم کے درپے اثبات ہوا ہے صرف اس خبث طینت سے کہ امام ابو یوسف کے دامن پر دھبا لگائے۔ ع

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکان برد

اسی وبال اور پھٹکار میں ایک بڑے رئیس سرکار آ گئے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے مقلدین کے بغض میں اپنے بخت و قسمت کی دھجیاں اڑا گئے مؤلف فتح نے تو اس قدر لکھا کہ بلا سند قابل حجت نہیں صاحب رسالہ نے بے محابا بے دیکھے بھالے کہہ دیا کہ بے محابا موضوع کہہ دیا حالانکہ اس کی نسبت لفظ موضوع نہیں ہے اسی قدر ہے کہ بلا سند قابل حجت نہیں۔

میں کہتا ہوں مع سند بھی قابل حجت نہیں بلکہ مع سند صحیح بھی قابل حجت نہیں قابل مردودیت ہے ہم کو ایسی رطب و یابس گھاس پھوس پر کیا وثوق بموجب اسانید و رجال و اخبار و آثار کے۔

امام ابو یوسف پر ابو حاتم کا صریح افتراء

اور تمہارے امام رئیس النقاد والکرام ابن حبان بستی ابو حاتم اپنے ثقات میں بسند نقل فرماتے ہیں امام ابو یوسف سے یہ نسبت امام اعظم کے کہ اس کا ہم نے کر کیا کریں وہ جہنمی ہو کر مر گیا بھلا صاحب کیا عقل حکم کرتی ہے کہ امام ابو یوسف کی زبان سے حضرت امام ابو حنیفہ کی شان میں ایسے کلمات نکلے ہوں گے؟ پھر ان قصوں کو لے کر کوئی کیا کرے سوا اس کے کہ ان کے ہی منہ پر مارے اور ان حماقت شعاروں کے سروں پر جو حصہ الا اتہام وارثی ہیں لگا تار موسلا دھار آسمانی پھٹکار کو اتارے۔

چار کھوٹے اعتراضات

پھر صاحب فتح پر چار اعتراض کئے۔

اول یہ کہ طلب سند تم کو نامناسب ہے کہ منکر سند ہو۔

اور **دوم** یہ کہ احیاء العلوم کی یہ حکایت معروف السند ہے اور بلفظ قد صح مسطور ہے اور تاریخ ابن خلکان میں بھی مرقوم ہے۔

اور **سوم** یہ کہ امام غزالی کا قول تمہارے واسطے مستند ہے کہ بکثرت سند لاتے ہو یہاں معتبر سمجھ کر انکار کیا۔

اور **چہارم** یہ کہ مقلد اس حیلے کو جائز جانتے ہیں گو تعصب سے طالب حدیث خلاف ہیں حالانکہ قرآن و حدیث مذمت دغا فریب و مخادعت سے مالا مال ہیں۔

اول کا جواب گزر چکا کہ ہم کو اعتبار سند سے انکار نہیں اس کے مقامات بھی ہم لکھ چکے اور غزالی کا تعصب بحق حنفیہ خود معروف و مشہور ہے چنانچہ منخول ان کی تصنیف خود انکی شاہد عدل ہے پس اہل خلاف کے اقوال ایسے ابواب میں مقبول نہیں ہوتے

بالخصوص ان کے جن کو سیر و آثار اور ان کے مبادی و مبانی کی تصحیح سے تعرض نہیں اور عموماً تسوید اوراق اور رطب و یابس افسانوں کے جمع پر آمادگی و میل خاطر ہے ہنگیا سے محقق و محدث کامل و ناقد فاضل کو دیکھو کیا واہیات نقول و روایات موضوعہ و حکایات مصنوعہ عند الحول پر تعصب میں کمر بستگی پیدا کی جن کی قلعی خود شافعیہ نے بھی کھول دی مثلاً امام محمد کا بعد ابو یوسف کے قاضی ہو کر ہارون رشید کو اشارہ کرنا کہ امام شافعی کو قتل کر دے اسی طرح کے اور بہت سے خبط بے ربط افسانوں سے کتب مالا مال ہیں۔

اور سوم کا جواب یہ ہے کہ قصہ معروف السند تو کیا امام سے غیر معروف السند بھی نہیں اور غزالی یا امام الحرمین کا "قد صح" کہہ دینا کوئی چیز اہل خبرت و حدیث کے نزدیک نہیں ہے یہ امر ادنیٰ مطالعہ تلخیص الحبیر و کلام ابن الصلاح علی الوسیط سے ظاہر ہے باقی رہے مؤرخ و خود صاحب الیل ہوتے ہیں ہاں تعجب تو یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین اہل حدیث اپنا لقب رکھ کر اس بلا سند قصہ واہیہ کو قابل حجت سمجھتے ہیں باوجودیکہ سند کو فرض بلکہ مدار ایمان خیال کرتے ہیں اور یہاں بقصد تحقیر و اہانت امام سب مختم تمام محدث کا قول تو کچھ کچھ غیر حدیث میں قبول بھی کر لیتے ہیں لیکن قول غزالی کا کبھی قبول کرنا تو خواب میں بھی نہیں دیکھا اب یہ سفاہت و جہالت کس کی ہوئی؟

اور سوم کا جواب یہ ہے کہ۔ ع

ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مقامی دارد

جو امور متعلق بامام غزالی ہیں اور جس میں ان کو منصب امامت و کمال حاصل ہے جیسے مباحث سلوک و تصوف و غیرہ ان مقامات میں ان سے تمسک بلا ریب جائز ہے نہ ان ابواب میں جن میں وہ توجہ بلیغ نہیں فرماتے جیسے احادیث و آثار کے صحت و سقم سند میں "هٰذَا مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ" نہ یہ کہ حاطب اللیل نوابانہ ریاست کے خمار و نشے میں مدہوش ہو کر کشف الظنون و غیرہ جو پایا صحیح غلط نقل کر ڈالا آگے پیچھے کی خبر کچھ مدرسی کر کیا کیا ہو گیا علاوہ ازاں اگر اس باب میں امامت بھی مسلم ہوتی تو معاینہ معاندانہ عالمانہ و یروز حالات تعصب ان کے کبھی اس پر آمادہ نہ کرنے دیتے کہ ان کی تحریر حکایت مسلم کی جائے۔

اور **چہارم** کا جواب یہ ہے کہ خود صاحب فتح نے لکھ دیا کہ اس پر حنفیہ کا ہرگز عمل نہیں پھر یہ کہاں سے ورق تحریر کی عبارت نقل کر دو اور احادیث و آیات تو خوب اس مسئلے کے مخالف نقل کیں اسی سمجھ بوجھ اور عقل پر ورق کالے کرنے کو فرض واجب سمجھے تھے حیلہ سقوط زکوۃ تو نام فریب و دغا و مخادعت کا ہے جس پر آیات و احادیث مذہب پڑھنے پر تیار ہوئے حیلہ اور چیز ہے اور خداع و فریب اور چیز ہے یہ کسی استاد سے سمجھ لینا۔

اچھا بھائی ایک ہی سہی تو ان عمومات نصوص مذمت سے اس خصوص کی مذمت ثابت نہ ہوگی جیسی عمومات نصوص ذم کذب سے ہر کذب کی ذم ثابت نہیں ہے اور بہت سے اقسام کذب جائز بلکہ واجب ہیں بھلا صاحب اس آیت کی بھی تو تلاوت فرمایئے۔ ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾ الآیۃ یہ بھی آیا کوئی تعلیم حیلہ ہی کی تھی یا اور کوئی چیز تھی مگر بنظر اصلاح نہ بنظر

افساد ہو نیت خالص چاہیے اور حدیث میں بھی اسی بنا پر جس پر حکم صدقہ تھا آپ نے ایک شمراخ مار دینے کا حکم فرمادیا تھا کہ ایک ہی مرتبہ صورت حد ادا ہو جائے اور تعقیبات مجالس قضا یا ئے حدود زنا سرقہ خود مشہور ہیں اور بعض مقامات میں زیر باری زائد سے طرق سبکدوشی پیدا کرنا اور نیت خالص رکھنا کیا مضا ئقہ کی بات ہے مال یتیم میں جو حدیث میں حکم تجارت وارد ہوا تو سبب و دلیل بھی ارشاد فرمائی گئی "كَيْلَا تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ" کہ کہیں رکھے رکھے زکوۃ اس کو نہ چٹ کر جائے۔

قفال مروزی کا قصہ موضوع ہے

اور ھفتم میں قصہ قفال مروزی کے درپے اثبات ہو گیا واسطے اہانت وتحقیر مذہب حنفی کے حالانکہ ان سب کے پیر مرشد مربی جد الاشیاخ صاحب جاہ مال امیر بھوپال خود پوست کندہ لکھ چکے کہ یہ افسانہ گڑھا ہوا اور روافض کا ہے اور "تبصرہ" کا حوالہ بھی دیا اور "منہاج الفاضلین" ، مجالسی میں تحریر ہونا بھی نقل کر دیا اور ملا علی قاری کا انکار شدید بھی رقم فرمایا اور پھر بھی ان چیلوں کو گرو کی راستی سخن کا یقین نہ آیا اور کیوں آتا حنفیہ کے مقابلے میں تو ان لامذہبوں کے بے بنیاد دروغ بافیوں کا اثبات اور متعین روایات صحیحہ واحادیث واخبار قویہ کی تکذیب اصل مقصود ہوتی ہے۔

اولا لکھ دیا کہ "کشف الاساس" نواب کی کوئی کتاب نہیں نہ اس کا پتا از شرق تا غرب اور ثانیا یہ قصہ امام رازی وغزالی و جماعت کثیر محققین نقل کرتے ہیں اسکو موضوع کہنا تواتر کا انکار اور حماقت کا اظہار ہے یہ حماقت وانکار تواتر جو یہ مفتری مؤلف فتح بلکہ مثل علامہ ملا علی قاری و دیگر اکابر ائمہ ومشائخ حنفیہ کی طرف منسوب کرتا ہے اس کی نسبت نواب صاحب کی طرف بھی ہوئی اور ایک دو عالم کے نقل کرنے سے جنہوں نے بے تحقیق نقل کر دیا اور غشاوۂ تعصب مذہبی میں کچھ نظر نہ آیا یا فریب نقل رافضی میں آ گئے اور مغرور ہو گئے استناد نہیں کر سکتے آخر وہ لوگ بشر تھے اور خطا اجتہادی سے تو معصوم بھی محفوظ نہیں رہتے مگر اس ایک دو نقل سے تواتر ہو جانا عجیب ہذیان ہے ملا علی قاری تو اس حکایت کو ہذیان وظاہر البطلان کہتے تھے مگر یہ اس ہذیان کا جد امجد ہے موضوع احادیث تو صدہا کتب میں مصنفین بے تحقیق نقل کر دیتے ہیں اور تمیز بھی نہیں ہوتی حالانکہ جو اہتمام شان ور باب حدیث ہے اس کو قصص وحکایات میں کوئی حصہ قائم نہیں ہو سکتا تصوف وسلوک وفقہ کی کتب کو دیکھئے کس قدر ایسی احادیث کی نقل کی کثرت ایک طبقہ میں ہوئی اور پھر نقل در نقل برابر متسلسل ہوتی گئی ہوئی پھر وہ احادیث متواترہ ٹھہریں گی نہ موضوع اور ان کا انکار مثل انکار قرآن سمجھنا چاہیے اور یہاں تو شاید ایک دو کی نقل ملے گی جس میں الحاقیت کا احتمال قوی اور خود ملا قاری نے بھی احتمال امام الحرمین کے حق میں قائم کیا ہے اس کے علاوہ استار عصبیت سے مغشو رہنا اور بھی سقوط اعتبار کو قوی کرتا ہے پھر ادھر ایک دو نقل کے مقابلے میں صدہا اکابر علما کا انکار موجود اور نواب صاحب کا قول اگر صاحب فتح کے نزدیک حجت نہیں تو بے وقوف وہ احتجاجا کیوں نقل کرتے ہیں وہ تو الزاما نقل کرتے ہیں تم صاحبوں کے نزدیک تو حجت تو یہ بلکہ فوق النص ہے "لِأَنَّ أَنْفَكَ مِنْكَ وَإِنْ كَانَ أَجْدَعَ" علاوہ از ایں وہ بھی تو نقل کرتے ہیں وہ خود دیکھ لو کیا ہے یا نہیں نواب اس کو صحیح و مکار نا سمجھتے ہیں

بڑی مصیبت تو یہ پڑ گئی کہ یہ لوگ در بارۂ امور دین محض لا عقل و بہائم سیرت ہیں اور خود اپنے آپ کو بہائم بنانا فرض سمجھتے ہیں بدیں غرض کہ دین میں عقل و دانش معطل ہے اس سے ہرگز کام لینا نہ چاہیے یہ نا سمجھ بے شعور محدثین ظاہر پرست ہی کو دیکھتے ہیں کہ موضوعیت حدیث کے اثبات کے طرق بکثرت بیان کرتے ہیں۔

قفال مروزی کے قصے کی فاحش غلطیاں

من جملہ ان کے ایک رکاکت الفاظ اور ایک سخافت معانی اور ایک عدم احتمال وقوع یا استبعاد قوی وغیرہ امور ہیں اور اس قصہ میں یہ امور اس کثرت سے موجود ہیں کہ طلبہ و صبیان بھی سن کر یہی کہیں گے کہ قفال کوئی عالم یا امام تھا یا کوئی جاہل لا یعقل لہذا میں کہتا ہوں کہ اس قصہ کے گڑھے ہوئے ہونے کے براہین تو بکثرت اسی قصہ میں موجود ہیں وہ قصہ گویا سراپا اپنا مکذب ہے اور یہ بھی ایک کرامت امام کی ہے۔

اول یہ ہے کہ لکھا ہے ''وَالسُّنَنُ وَالْآدَابُ وَالْفَرَائِضُ عَلَىٰ وَجْهِ الْكَمَالِ وَالتَّمَامِ مِمَّا لَا يُجَوِّزُ الشَّافِعِي الصَّلٰوةَ دُوْنَهَا ''۔

حالانکہ بدون سنن و آداب کے بھی نماز جائز ہے اور یہاں موقع سنن و آداب کب تھا یہ تو وہ موقع تھا کہ اکتفا صرف فرائض پر کیا جاتا جو مدار نفس جواز کا ہے نہ مناسبات کمال و آرائش و جمال۔

دوم یہ ہے کہ حسب موقع مذکور طہارت مسوفہ ادا نہیں ہو سکتی بلکہ واجب یہ تھا کہ ایک بال کے مسح پر اکتفا کیا جاتا اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنا ترک کیا جاتا۔

سوم یہ کہ کتے کی جلد مدبوغ کا عند الضرورۃ استعمال روا ہے نہ ہر طرح حنفیہ کے نزدیک۔

چہارم یہ کہ ایک ربع ثوب نجاست میں سن جانا طیوں میں ہے نہ مفروش میں اور وہ بھی نجاست خفیفہ میں نہ غلیظہ میں یہاں تصریح نہیں پھر اگر بول ماکول تھا تو استاد شافعی کے نزدیک وہ خود طاہر ہے کل سن جانا بھی مضر نہ تھا۔

پنجم یہ کہ نبیذ تمر سے وضو اگر درست ہے تو جب کہ پانی نہ ہو اور بادشاہ کے روبرو یہ کیا ممکن اور اس وضو سے نماز پڑھنا بعض کے نزدیک تو کفر ہے اور فسق میں کلام نہیں۔

ششم یہ کہ بغیر نیت کے نماز امام صاحب بلکہ کل حنفیہ کے نزدیک فاسد پس یہ نماز مذہب ابوحنیفہ کی نہ ہوئی بلکہ اسی شیطان قفال کی ہوئی یا اس کی ذریات و فضلات کی۔

ہفتم یہ کہ دو برگ سبز ترجمہ ﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ کا قرار دینا بالکل جہالت ہے کیا قفال کا نام قفال اس وجہ سے رکھا گیا کہ ﴿اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ کا مصداق ہو جائے یہ آیت میں صفت جنتین کی ہے نہ برگ کی اور ادہیمام کے معنی سیاہ ہونے کے ہیں یا سبز ہونے کے بہرحال تعیین معنی سبزی اور مقدر کو ملفوظ کر دینا ترجمہ میں وہ بھی خلاف ماسبق اور مقصود کے کس طرح عالم سے

سرزد ہو سکتا ہے پھر یہ نماز بوجہ تحریف قرآن یا ترجمہ قرآن کے نماز ایسی ہوئی ای جنڈ بلے کی اور اسکیلے اس اُبیلے کی نہ امام کے کسی چیلے کی علاوہ ازاں قول وہی لیا جاتا ہے جس پر قیام وثبات ہوا ہو اور مختار اخیر ہو اور مرجوع الیہ قول امام کا یہی ہے جو صاحبین کا کہ قادر کو فارسی میں قراءت جائز نہیں تو اس قفل ساز حیلہ پرداز کینہ توز شامت اندوز کو یہی منظور تھا کہ ہنسی واستہزا نماز کا کروں اور شریعت کا ٹھٹھا بناؤں اور اسی پر عمل درآمد کیا کہ ۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے   عاقبت کی خبر خدا جانے

ہشتم یہ کہ بغیر رکوع کسی حنفی کے نزدیک نماز صحیح نہیں چہ جائے امام ابو حنیفہ بلکہ کوئی بازاری عامی بھی نہیں کہہ سکتا۔ ع

چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد

آفتاب پر خاک ڈالنا ایسے بے حمیت و بے حیاؤں کا کام ہے۔

نہم یہ کہ تشہد اخیر بالاتفاق حنفیوں کے نزدیک فرض ہے بغیر اس کے نماز کس طرح جائز ہوگی ان امور کے ساتھ کسی طرح امام کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہو سکتی پھر کس طرح کتب حنفیہ کو کوئی شخص عاقل بالغ کو کسی قدر رتا بلد و کم فہم ہو دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ نماز مذہب ابو حنیفہ کی ہے۔

دہم یہ کہ تھم عدل اور پنچ ہونے کے واسطے وہی نصرانی مردود کافر قطعی رہ گیا تھا کوئی دوسرا عالم کسی مذہب کا نہیں مل سکتا تھا نہ مالکی نہ حنبلی نہ ظاہری اچھا نہ سنی رافضی معتزلی خارجی بھی میسر نہ تھا جو کافر کا قول مردود متفق بہ قرار دیا گیا۔

اور **ہشتم** میں قصہ ہائے ہارون رشید کے درپا اثبات ہو گیا اور یہ تحقق حضرت امام ابو یوسف صاحب کی استحقار شان واستخفاف منزلت ومکان کے واسطے پھر دعوی بے حیائی یہی کہ ہم کو طعن اکابر دین پر منظور نہیں اور صاحب فتح نے جو اسکو بطور الزام و حکیت والہام تسکیت بحوالہ نواب صاحب سرگروہ قوم ان سب کو مردود کر دیا تو اس پر دو اعتراض کئے ایک یہ کہ نواب تمہارے واسطے حجت نہیں (اری بندۂ شقاوت آگندہ تیرے اور تیرے گھرانے کے واسطے تو حجت قویہ جلیہ ہے)۔

خود نواب صاحب کے قول سے حکایت ابو یوسف بے اصل ہے

دوسرا یہ کہ نواب کا کلام مفید تم کو نہیں اور نہ تقریب تمام بل بے جرأت و دلیری و وقاحت یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی نواب تو صاف کہتے ہیں یہ حکایت محض بے اصل ہے اور یہ بھی صاف کہتے ہیں کہ اصل فقہ صحیح معلوم نہیں کیونکہ اس کو معلقا کہتے ہیں اور اشتباہات واحتمالات طعن ان کی رائے میں بکثرت ہیں پھر مفت عبارت "تاریخ الخلفا" نقل کر دی کیا کسی نے دیکھی نہ تھی کیا اس سے کچھ معتبر ہونا روایت کا ثابت ہو گیا "طیوریات سلفی" وغیرہ کتابیں گو ان میں آثار و روایات بسند مذکور ہوں تاہم وہ عجیب رطب و یابس کے مجموعے ہیں کہ صحیح و قابل اعتماد ان میں شاذ و نادر کھنا چاہیے کہ کتب سیر و مغازی سے بھی نازک تر چیزیں ہیں پھر اگر یہی تو امام ابو یوسف صاحب نے حدیث و قرآن میں کس کا خلاف کیا؟

کیا مجرد قول محتمل صدق وکذب کا نہیں ہوتا پس شک واشتباہ سے جزم سابق زائل نہیں ہوسکتا حرمت قطعی کہاں سے پیدا ہوگئی یہ لوگ ملوک ایسے تورع وتقوی وتحرز شبہات کے پابند نہیں ہوتے محرمات قطعیہ وکبائر سے بچنا بھی مغتنم ہے باقی دفع استبرا کے لیے حیلہ تقلاد دینے میں بغرض صحت روایت کیا محذور اور کیا حرام شرعی لازم آیا اور کس کی اس میں حق تلفی ہے صورت مسئلہ جب بدل جائے گی تو جواب بھی دوسرا ہوگا اور صلات سلاطین خصوصا امراء المومنین کے قبول میں گو برائے نام ہی ہام اقتا منسوب ہوں کیا حرج ہے علاوہ ازاں رزق قاضی ومفتی تو خود بذمہ امام امیر المومنین ہے جو چاہے اپنی رائے سے دے روزینہ خود امام حسن نے امیر معاویہ سے لاکھوں کا اپنے نام ٹھہرایا تھا اور اس کی طلب بھی فرمایا کرتے تھے امام ابو یوسف کی کیا خطا ہے یہاں نقل عبارت تاریخ الخلفا جس میں صاحب رسالہ کی علم عربیت کا کمال ومہارت شہادات عادلہ مبرہن ہے طلبہ صرف ونحو کو ضرور ملاحظہ کرنی چاہیے۔

اور فہیم میں صاحب فتح پر بہت غضب وغصہ کیا ہے اس سے کہ محدثین ونقاد رجال پر طعن کیا ہے کہ ضعف وصحت حدیث وتوثیق وجرح رجال اپنے اختیار وقابو میں رکھا ہے جو چاہا سو کیا۔

اور بیچارے فقہا پر مفت کا الزام کہ ضعیف حدیثوں پر ان کا عمل ہے اس پر خوب شور وغوغا مچایا کہ یہ بزرگان دین وائمہ شرع پر طعن ہے اور یہ بات مردود وبدیہی البطلان ہے اور اکابر پر افترا وبہتان ہے یہ علمائے حنفیہ کا نقشہ ہے مثلاً ابن الہمام محمد بن اسحٰق کو ثقہ کہتے ہیں اور پھر حنفیہ مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام ابن اسحٰق کو مجروح قرار دیتے ہیں اور یہ مبلغ علم در بارہ حدیث کہ کہیں مولوی احمد علی کے قول پر عمل، اور کہیں شیخ عبدالحق کی تقلید سراپا خلل، اور کہیں دھوکہ اور فریب دے دینا جیسا صاحب ہدایہ نے ارتکاب کیا کہ حدیث قلتین کی تضعیف ابوداؤد کی طرف نسبت کردی اور حدیث حرمت مسکر کی یحییٰ بن معین کی طرف اور دونوں بے پر کی اڑائیں۔

میں کہتا ہوں اولاً تم کو کہ مرد کہ طفل شیر خوار تابلد از جملہ فنون آثار واخبار ان معارف علوم نقد کو کیا جانو اور کیا سمجھو ابھی تمہارے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے، بلکہ ابھی اماں جان سے دودھ پینے کے نشان ہونٹوں سے نہیں چھوٹے، گو تم باہر نکل آئے گند ے کے گندے اور جھوٹے کے جھوٹے، ابھی ایک مدت کسی استاد کی کفش برداری کی ہوتی اور ایک زمانہ مدید تک خدمت فن رجال اپنے ذمے لی ہوتی تو زبان کھولی ہوتی اور بولی ہوتی بے تک چرغنا کسی کو پسند نہ آئے گا کسی دانشور سے پوچھ لینا کہ اس فن میں گروہ قصابین کون طائفہ ہے؟ اور فرقہ حطابین کون قوم ہے؟ اور بھڑیا چال کا لشکر کس کمپو میں رہتا ہے، اور ستم وظلامت، سب وملامت، غلیظ پلید وشتام وکینہ، دبغض سینہ، وشق بطن وقتل وقتال غضینہ کا دریائے زخار کس طرف بہتا ہے اگر اس فن کی ایک ایک صف کا ایک ایک نمونہ لکھا جائے تو ایک ایک دفتر سے کم نہ چاہیے یہاں مختصراً ایک دو مثالیں لکھتا ہوں۔

انقطاع کے نذور وجوش پر آئے تو وہ بھی منقطع اور وہ بھی منقطع اور اس کو بھی سماع نہیں اسکو بھی سماع نہیں حبیب بن ابی ثابت کو عروہ سے سماع نہیں اور خلاس کو علی مرتضی سے سماع نہیں اور حسن بصری کو حضرت علی سے اتصال وروایت وسماع مطلقاً نہیں پھر ایسے

اموور پر صد با جزار با تفق ہوتے جڑتے ملتے چلے جاتے ہیں اور واقع وحق کی طرف نظر نہیں خیالات پر بنائے کار حبیب کو ابن عمرو وغیرہ صحابہ تک سے سماع ہو اور عروہ سے بعض خلاس خود حضرت علی کا کو اول مدت کا ہو اور عمار تک سے سماع اس کو ہو اور حضرت علی کی اس کو صورت نصیب نہ ہو اور حسن بصری کو اس واسطے مطلق وصل واتصال وملاقات ووصال نہ ہو کہ سلسلہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ وغیرہ کل برباد ہو کر خاک میں مل جائیں، اور جھوٹ بہتان کے پیوند ان کے جیبوں میں سل جائیں، اور رشتہ متصلہ ٹوٹ جائے، اور اطلس اسکو آ کر لوٹ جائے، بھلا شہادت عثمانی تک جب حسن کی عمر چودہ برس کی ہو اور دونوں صاحب مسجد مدینہ میں پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھیں اور حسن سا حریص علم وکمال علی مرتضی سے شفیق ومعظم کامل پھر ان سے تعذر کر کے تعارف تک نہ پیدا کرے، اور ام سلمہ ام المومنین وفدائے خانہ مرتضوی کے گھر میں پرورش پا کر جوان ہو جائے خیر سب درگور جس میں کٹ جائے جڑ سے ناک اور آفتاب پر بھی خاک۔

مگر مسند ابویعلی کی روایت تو جمہور کے وفاق وازدحام کی جڑ کاٹنے کو کافی تھی اس کی پروا کچھ رکھنا اس قدر ردتوں تک کس کا کام ہے؟ پھر جب کینہ وری وسینہ وری کی دیگ جوش مارے گی تو دیکھئے کیسا ابال آتا ہے ایک کہتا ہے کہ ابوحنیفہ جہمی مرا (معاذ اللہ رب العلمین)

دوسرا کہتا ہے قدری معتزلی تھا، کوئی کہتا ہے بدعتی مرجیہ تھا کوئی کہتا ہے اچھا نہ تھی حدیث میں خطا کار تھا، بھول چوک اس کا شعار تھا، اغلاط بھر دینا نشان واطوار تھا، کوئی کہتا ہے دشمن دین ومبغض السنہ تھا، کوئی کہتا ہے کہ مخالف وعمداً احادیث تھا، اور یہی اصحاب الرائے اعداء السنہ ہیں۔

کوئی کہتا ہے محمد بن حسن کذاب تھا اور یوسف ابن خالد سمتی اور حسن بن زیاد کذاب ودجال ہونے پر تو بکثرت شہادتیں لمبی لمبی ریش والوں کی گزر گئیں اور اسی طرح استاد حارثی اور حکم بلخی وغیرہما کے مقدمات سب فیصل ہو گئے اور رسالہ حفظ قوانین ونقاد سب ڈسس ہو کر داخل دفتر ہو گئے اب بھلا کوئی ان میں سے کسی کا نام تو لے پائے تعزیرات سے ہندوستان سے ہیں رپورٹ کی پاداش سر پر آئے کہ لو یہ لوگ محکمہ مجسٹریٹی سے مجرم بدمعاش قرار پا چکے اب ان کا نام شرفا میں نہ لینا۔

محمد ابن اسحق نے موطا کی بیطاری کا دعوی کیا دجال قرار پا گئے، فاطمہ بنت المنذر سے روایت کرنے کا اظہار کیا کذاب ودجال کے داد ابن گئے، پھر کیا ہے جو آتا ہے شوہر فاطمہ ہشام کے قدم بقدم جھوٹا ہے کذاب ہے دجال ہے مفتری ہے حالانکہ ممکن ہے کہ اس بے چارے نے بچپن میں سنا ہو یا جوانی میں اور پردہ موجود ہو بڑی دادیوں کا حال بھول گئے عائشہ واسماء کا کہ صد با ہزار مردان سے روایت کرتے ہیں جو فاطمہ سے لاکھوں درجہ برتر تھیں۔

پھر بے چارہ یہ تو جھوٹا ٹھہرا اور اپنا جھوٹ گا خود اس کی کچھ سزا نہیں جو کہہ دیا کہ فاطمہ کا جب میرے پاس زفاف ہوا تو نو برس کی تھیں یہ کس طرح ممکن ہوا فاطمہ جب نو برس کی تھیں تو ہشام صاحب ماں کے پیٹ میں بھی نہ تھے تیرہ برس تو وہ تم سے خود بڑی ہیں دوسرے کو جھوٹا کذاب بناتے ہو پھر ابوحنیفہ پر بخاری تک نے منہ کھولا، اور کیا کہوں یہی کہوں کہ سچ ہی سچ بولا، جس پر انہیں

کے مرید اور چیلے صاحب ورامات و پیشوائے اہل ضلالات نے کمر باندھ کر اور شکنجہ تکذیب و تجہیل میں کھینچ کر خوب خبر لے لی پس اس عجیب نادری سرکار نے بخاری کے مبلغ علم و منتہائے فہم کی قلعی کھول دی اور خوب لتاڑ بتلا کر رغم انف کی بولی بول دی ﴿وَكَفَى اللهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ ۔

جتوں میں دیکھیے میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے　　　　پڑی ہے آبلوں میں پھوٹ اور ایکا ہے خاروں میں

یہ طرح طرح کی جوتی پیزار تو ہوئی ہے اور جوتیوں میں دال بٹی ہے اب آگے چلیے متاخرین میں حافظ ذہبی رو کے متشدد اور متعصب خود مشہور ہیں پھر ان تک نے ابن حبان کو قصاب کہا اور جروح ابن حبان کو خسف و حشف و حشو قرار دیا اور لکھ دیا کہ "لَا يَدْرِي مَا يَخْرُجُ مِنْ رَأْسِهِ" یہ ابو حاتم بستی حد وثقاوت سے گزر رہے تھے جو برائے کمینی حد سے گزر رہے تھے۔

اور سنیئے عبد الکریم ابو امیہ محسودی کے جرم میں گرفتار ہو کر دار پر چڑھے اور یہ شخص عہد سلف تابعین میں بیدار مغز فقیہ تبحر فاضل کامل رئیس الفقہاء والمحدثین ہے جس کے دونوں امام یعنی مالک و ابو حنیفہ شاگرد و خوشہ چیں و ترلہ ربا ہیں ادھر تبحر و کمال کی محسودیت ادھر ابو حنیفہ کی صحبت و استادیت دونوں چیزیں ان کو لے مریں۔

اور تیسری ایک کتاب حسن السمت تہذیبا و تادیبا تصنیف کرنا تتم کمال محسودیت ہو گیا بیداری کی داد پا گئے پھر تو ضعیفی و متروکی و مجروحی و کذابی کے میدان و مضمار میں شمل ہو گئے ایک حدیث ایوب سے پوچھی پھر خود بھی روایت کی متہم ہو گئے اہل حل و عقد برہم ہو گئے زمرۂ ثقات سے نکال باہر کیا یہ فہم متطلبین صناعت کی افسوسناک حالت ہے یہ لوگ قابل رحم ہیں پھر جو آیا بھیڑ چال ضعیف متروک غیر ثقہ غیر مامون وغیرہ جو منہ میں آیا کہتا ہوا چلا گیا جمود تقلید کا مزا باوجود یکہ ہوں خود علماء و فضلاء اور مجتہد و مدعو فضلاء و صاحب قدرت و دستگاہ انہیں کا حصہ سمجھنا چاہیے۔

فن نقد کی تحقیق

پھر تقلید عامی بمسائل فروع جائے ملامت و صد سرزنش و غرامت اور سنیئے عبد الملک بن ابی سلیمان عمدہ ائمہ اعلام ثقات میں مجمر و روایت شعبہ جار بر طبق حنفیہ مجروح سخت ہو گئے پھر ایک صنف اس علم نقد کی بھیڑ چال ہے جس کی دو ایک مثالیں گزر چکیں اور در بارہ ایک راوی کے ابن مبارک سے پوچھا کہ کیوں ترک کیا؟ کہا ثوری و شعبہ نے ترک کیا اور جرح کی میں نے بھی ترک کیا ان قصوں کو جمود تقلید اور عمہ وتی اور بے باکی و بے پروائی و عدم مداخلت عقل و فہم اور استر خائے بدن و عدم تحقیق کی کہاں تک لکھوں پھر ایک صنف اس فن نقد کی سب و شتام اور تغلیظ کلام اور سرزنش و ملام میں طاق ہے وہ باتیں جن سے طوائف اور بھٹیاریاں بھی منہ چھپائیں اور شرما جائیں وہ اس محکمہ مجسٹریٹی اور مزاجر سپرنڈنٹی میں بے چارہ بے گناہ مجرموں پر پھینکے جاتے ہیں یہ لوگ حراست پولیس میں جو جو کچھ تکالیف و آلام اٹھاتے ہیں وہ ان کی ارواح ہی کو خبر ہوگی یہاں ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں: "یتا" رجال میں سے ایک شخص ہیں جن کے بارے میں ایک صاحب جرنل میجر بہادر فرماتے ہیں "مَنْ يَتَا

اَلْمَاضِ بِظِلِّ اِنَّه " کیا عمدہ نفیس علم دمحرک جملہ سنایا کہ بی آ جائے یہ مسلم کہ تم صاحبوں کے واسطے بضرورت غیبت جائز ہے مگر مخمصہ کے عالم میں سور کے گوشت کو اسی قدر کھانا چاہیے کہ رمق روح باقی رہ جائے" غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ " کی قید کا بھی لحاظ ضرور ہے غضب ہے کہ اس قدر پیٹ بھر کھایا جائے کہ تخمہ ہو جائے اور چار روز تک دست بند نہ ہوں اور منہ اس بھر جائے پھر اس فرقہ نقادیں بعض خود بدعتی و ناصبی دشمن خاندان نبوی ہیں جیسے جوزجانی یا خود سخت مجروح و مطرود ہیں جیسے ابو الفتح ازدی باقی مزید بسط ان حالات نقاد کا مولانا کے حاشیہ ہدایہ میں موجود ہے اگر اور زیادہ مطلوب ہو تو مقدمہ مصرح المحاکمہ و مقدمہ مسند شریف میں دیکھ لو اور نیز یہ حماقت عجیب اپنی ظاہر کی کہ ابن ہمام ابن اسحٰق کو ثقہ کہتے ہیں اور قرات فاتحہ میں حنفیہ ان کو مجروح کہتے ہیں۔ ع

چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا

اُن حنفیہ میں ابن ہمام کب داخل ہیں وہ اس باب میں بھی تضعیف نہیں کرتے اور جواب اور دیتے ہیں ہاں دوسرے حنفیہ الزاما علی اہل الظاہر والشافعیہ ان کے جروح نقل کرتے ہیں بدیں نمط کہ تمہاری زبان بند ہے تم کو جائے سخن نہیں ہے اس واسطے کہ تمہارے اعلیٰ طبقے کے پیشوا و ائمہ مالک و ذہیب و قطان و سلیمان و ہشام وغیرہم تکذیب کرتے ہیں اور احمد و ابن معین و نسائی و دار قطنی و ابو حاتم وغیرہم نے ضعیف قرار دیا اور بسند قول مولوی احمد علی یا شیخ دہلوی مضمون حدیث بیان کیا ضعیف کو صحیح اور صحیح کو ضعیف نہیں کیا۔

کبار شوافع حضرات کی غلطیاں

اور صاحب ہدایہ پر کیا اعتراض ہے در باب حدیث تو اگر ایک ایک امام حدیث مثل نووی کے اغلاط و خطایا جمع کریں تو ایک دفتر ہو جائے ابن حجر وغیرہ کی تصانیف معاینہ کرو پھر نووی کے اغلاط احادیث و اسانید شمار کرو اور فقہاء کا تو کیا تو کرے شافعیہ کے امام الحرمین وغزالی ورافعی کو دیکھو جس کا ایک نمونہ "تخریج احادیث رافعی" سے پیش نظر ہو جاتا ہے اور یہاں تو بعض نے ابو داؤد طیالسی کا احتمال بھی توہم کیا ہے اور یہ بھی کہ شاید سوائے سنن کے اور کتاب میں خود سجستانی نے تضعیف کی ہو عدم علم سے علم عدم لازم نہیں اور حدیث منکر میں خود حافظ علاؤ الدین ترکمانی نے یہ نقل بیان کی ہے حالانکہ وہ علم خلاف کا بڑا عالم متبحر ہے اور قطع نظر ان سب باتوں کے علی سبیل التنزل یہ کہ خطائے اجتہادی مجتہد مطلق سے بھی بکثرت ہوتی ہے۔

باقی بزرگوں پر طعن کرنا خود اولاتم نے شروع کیا ہے پھر ہم سے مجبوراً خاندان خلاف کے تار و پود ظاہر کراتے ہو۔ "وَالْبَادِیْ اَظْلَمُ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا"۔

اور دھم میں صاحب فتح پر یہ اعتراض کیا کہ چاروں مذہب کے حق ہونے سے چاروں مصلوں کی اباحت وجواز کو کیا تعلق؟ حقیقت مذاہب اور چیز ہے اور حقیقت اس کی جو بنام مذاہب فرض کی جائے دوسری چیز ہے، علاوہ ازاں اگر فرض کیا جائے تو یہ اجتہاد ہے تم کو لائق نہیں تم مقلد ہو اور تمہارے علماء اس کی مذمت اپنے کتب میں لکھ چکے من جملہ اس کے عبارت کسی کی نقل تک کی

ہاں شاہ عبدالعزیز کی تفسیر کی عبارت نقل کی جس سے بدعت ہونا اس تقسیم کا ثابت ہوا اور مذمت ترجیحات لایعنی کی برآمد ہوئی سوا
س میں کلام کس کو ہے بدعت ہے لیکن حسنہ اور ترجیح جہت کوئی چیز نہیں فضول ولایعنی گفتگو بے فائدہ خود منع ہے درباب اصول
دین علاوہ ازاں یہ منع بھی منع تنزیہی ہے نہ تحریمی باقی رہی مناسبت بین الدعوی والدلیل سو تمہاری نافہمی حد سے گزر گئی اب تم کو
سبق پڑھانا پڑا کہ جب حق دائر ہوا انہیں چار مذہب میں بدیں نظر کہ امت ناجیہ یہی گروہ اہل سنت ہے جو محصور ہے ان چار میں
اور جب ان چاروں مذہب کے ارائین واساطین ایک امر پر متفق ہوجائیں تو پھر وہ حق سے خارج نہیں رہ سکتا ورنہ ضلالت
امت مرحومہ وفرقۂ ناجیہ لازم آئے گی اور دوران حق کا مضمون بھی باطل ہوجائے گا اور "لاَ یَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلاَلَۃٍ" کے
خلاف واقع ہوگا لبدا اسکی حقیقت ثابت ہوئی اور اگر حصر اہل سنت ان چاروں میں نہ فرض کیا جائے تو بھی سواد اعظم وجمہور کا
اس طرف ہونا اتباع کے واسطے کافی ہے اور یہ اجتہادی نہیں ہے بلکہ تعرف جزئیات ہے ضابطہ کلیہ سے تم خود نا سمجھ محض ہو۔

اور **یازدھم** میں یہ حماقت ظاہر کی ہے کہ صاحب فتح نے خود یہ تمہید قائم کی کہ جب محدثین باوجود حدیث کے صحیح ہونے کے اس
کو غیر معمول بہ قرار دیتے ہیں اور عمل نہیں کرتے اور ضعیف پر عمل کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ثبوت صحت کو عمل لازم نہیں اس پر یہ
بنا کی کہ پھر مقلدین پر کیا اعتراض ہے جو باوجود حدیث صحیح ہونے کے امام کے قول پر عمل کرتے ہیں اس بنیاد قوی اور بنائے مستحکم
کے واسطے یہ بدرقہ اور ظاہر کر دیا کہ حماقت اور تکبر سے خالی نہیں ۔۔

در میر ور زیر الخ

اور تکبر سے مراد یہ ہے کہ بلا ضرورت خواہ مخواہ اپنے آپ کو مجتہد بنانا اور بخاری اور مشکوۃ کا نام عرض غیر صحیح سے ادا کرنا اور حماقت یہ کہ
خلاف طریقہ معمولہ جاریہ محدثین بھی کرنا اور غیر معتد و چیز کے اتمام وانصرام پر آمادہ و کمربستہ ہونا اور بغیر وسائل دربار میں پہونچ جانا
خود حماقت بھی ہے اور تکبر بھی مگر لامذہبوں کو کیا حیا و شرم اور کیا باک پھر اس تمانف پر یہ اعتراض محمدیوں اور "لاَ تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ"
ہے کر کے کہ صحیح حدیث کو بمقابلہ قول ائمہ ترک کرنا کسی کا مذہب نہیں اختراعی بات ہے اور باعث بربادی عاقبت۔

عمل بالحدیث کے لیے چند قیود ہیں

امام صاحب تو ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں اور صحیح حدیث کو اپنا مذہب فرماتے ہیں اور صحابہ کے
اقوال بسر وچشم لیتے ہیں اور طرفین کے نزدیک تو ظاہر حدیث پر عمل واجب ہے تم یہ قید کہاں سے لگاتے ہو کہ نہیں جب تک
اقوال ائمہ معلوم نہ ہوں بھلا صاحب بعد وفات نبویہ صحابہ وتابعین کیسے احادیث پر عمل کرتے تھے اور اقوال ائمہ کیوں نہ تلاش
کرتے تھے وہ تو خود ائمہ تھے اور خود وسائل بلکہ قریب تر وسیلہ ان کو وسیلے کی کیا ضرورت تھی جو بے وسیلت الخ۔

پڑھنے سے تیرا کہنا ہے اور اصل جواب **اولاً** یہ ہے کہ عمل حدیث کے واسطے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ صحت وعدم نسخ وتاویل پائی
جائے بلکہ عدم معارضات عقلیہ ونقلیہ بھی ضرور ہے ذرا تقریظ حضرت مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کو جو اسی کتاب کے صفحہ ۵۱۸

میں واقع ہے ملاحظہ فرمایا ہوتا مگر سمجھ میں کس کی آئے علم تو علم عقل بھی کہاں سے مانگے پھریں۔

اور **ثانیاً** عدم منسوخیت اور عدم تاویل کا علم تم بے چارہ بے بضاعت کو کہاں سے ہو گیا اور عدم علم و علم عدم کا فرق تو کبھی تمہارے اجداد نے بھی نہیں سمجھا۔

اور **ثالثاً** یہ کہ قیاس میں یہاں کب کلام ہے جو حدیث ضعیف کو اس پر مقدم بیان کرتے ہو یہاں کلام قول امام میں ہے کیا ہر کلام امام کا قیاس ہی ہوتا ہے تم کو کیا معلوم ہو گیا کہ وہ کسی نص کا مضمون نہیں ہے امام کو پہنچی ہو تم کو نہ ملی ہو یہ ممکن ہوا کہ ہزار ہا تم کو مل جائیں امام کو نہ ملیں اور یہ ممکن نہ ہو کہ انکو ایک بھی مل جائے جو تم کو نہ ملی ہو۔

اور **رابعاً** یہ کہ عمل در آمد اور تقدیم و تاخیر اور ضعیف پر کیا عمل کرنا بلکہ صحیح پر بھی مجتہد کا کام ہے ہاں امام صاحب تقدیم دے کر عمل کر سکتے تھے جب تم بھی امام کی سواری کی گرد آنکھوں سے دیکھ لیتا تو کچھ منہ کھولتا۔

اور **خامساً** یہ کہ تقلید صحابہ اور ان کے اعمال و اقوال کو تلاش کرنا اور عملدر آمد ان کا نکالنا اور اس پر عمل کرنا اور حدیث صحیح پر عمل کرنے میں بھی اس کا ملاحظہ رکھنا تو ہمارا ہی حصہ ہے جیسا کہ صاحب فتح نے لکھا ہے تم نے جو تقلاً عن الامام اپنے واسطے مفید جان کر لکھا یہ از حد گزشتہ حماقت ہے اس طرح کی جیسے ہم سابق میں لکھ چکے ہیں کہ خصم کے دلائل و مفید مطالب اپنے واسطے بے سمجھے بے خا ئفہ رقص و سکر میں زبان سے نکال جاتا ہے تم بے ادب مجسم حماقت حدیث مرفوع جہاں دیکھتے ہو تو جامے میں کب ماتے ہو ہاں چوہے کی طرح ہلدی کی دکان البتہ لگاتے ہو اور عملدر آمد صحابہ کو تو کچھ خیال میں ہی نہیں لاتے یہی قول ہوتا ہے ''بجوے کی ارزم'' بلکہ خلفائے راشدین کو جو چاہتے ہوئے کہہ بیٹھتے ہو۔

اور **سادساً** یہ کہ اقوال ائمہ معلوم ہونے کی قید آج کل کے بے دست و پا کو کیا بلکہ مجتہدین مطلق و ائمہ کے حق میں بھی لازم ہے تا کہ خلاف اجماع سے تحرز ہے ایسا نہ ہو جائے کہ اجماع اگر حدیث کے خلاف ہو تو عمل با لحدیث سے مخالفت اجماع لازم آئے اور خود یہ اجماع دلیل منسوخیت یا ضعف یا مؤول ہونے حدیث کا ہوگا اور مابعد وفات نبوی کون سے اجماع بکثرت واقع ہو گئے جن کا دریافت ضرور تھا اور اگر کچھ اجماع ہوئے تو خود بوجہ قرب زمانہ معروف و مشہور تھے علاوہ ازاں کثرت اختلافات نہ تھے اور نہ تدوین مذہب پس تکلیف تقلید خود غیر متصور تھی علاوہ ازاں وہ لوگ دو قسم تھے یا عوام یا خواص فقہا سو عوام تو مسائل خود علماء و فقہا سے پوچھتے تھے اور احادیث کا پہونچنا اور طلب کرنا اس عصر میں بطریق تحقق ہوتا تھا نہ بطور تلفظ جیسے قاری و حافظ قرآن عہد نبوی میں وہ ہوتے تھے جو قرآن کو مع علم قرآن کے یاد کرتے تھے اور تفاسیر آیات بوجہ کمال حاصل کر لیتے تھے نہ مثل مابعد زمانہ کے حفاظ قرآن کے کہ وہ حافظ نظم قرآن ہیں نہ عالم قرآن اسی واسطے اقرأ ہونے کو اعلم ہونا لازم تھا پس جن حضرات کو احادیث پہونچی اور انہوں نے طلب و مشقت حاصل کئے وہ متفقہ بھی ہو گئے گو کسی مرتبے کے ہوں اور خود نفوس بھی اس عہد قرب نبوی کے ایسے قدسیہ و صافیہ و درخشاں تھے کہ اخبار و نصوص کے پہونچنے سے بہت جلد ادراک کامل اور تفقہ فی الدین ہو جاتا تھا اسی وجہ

سے دیکھو اس زمانہ کی کثرت مجتہدین کو باوجود عدم رواج علوم عقلیہ وفلسفہ وعدم تدوین علوم اصول وعقائد ومعانی وبیان وغیرہ کے اوران زمانوں کے فقدان اجتہاد کو کہ بطور شذوذ وندرت بھی بعد سن چارسو کے ندرہا اوران ازمنہ میں جو فرقہ فقہا تھا وہ خود مواضع اجماعیہ سے واقف تھا تا کہ اجتہادات وغیرہ سے مخالف اتفاق سے پرہیز رہے۔

اور دوازدھم میں جو صاحب تحفہ نے بطور نمونہ وتمثیل وبغرض تفہیم کے قصہ حضرت موسیٰ وخضر کو درج کیا بدیں طور کہ یہ معاملہ فیمابین محدثین وفقہا حنفیہ مشابہ معاملہ حضرت موسیٰ وخضر کے ہے کہ حضرت موسیٰ نے ظاہر بینی پر عمل فرمایا اور حضرت خضر چونکہ واقف حقیقت واقعیہ اور عالم کنہ وقائع تھے ان کا عملدرآمد اسی پر رہا اور بنظر ظاہر بینی کے جو شبہات ومواخذات حضرت موسیٰ کے ان پر تھے وہ ان پر وارد نہ ہوئے اسی طرح عموماً محدثین کا عملدرآمد ظواہر مفاہیم نصوص واخبار پر ہے لیکن اپنی محنت شاقہ وادہان ثاقبہ سے بفضل والطاف خفیہ ربانی کنہ حقیقت پر وقوف حاصل کر لینا اور واقعی اصل مقاصد پر اطلاع پالینا بدقت نظر وتعمق فکر انہیں حضرات فقہائے حنفیہ کا حصہ تھا ﴿ذَالِكَ فَضلُ اللهِ يُؤتِيهِ مَن يَشَاءُ﴾ اور دیکھو تمہارا ہی پیر مغاں صاحب دراسات امام ابوحنیفہ اور امام بخاری کے درمیان کیا فرق بیان کرتا ہے امام صاحب کو تو علوم عقل ونقل کا ایک جبل از جبال اللہ الشامخہ قرار دیتا ہے اور امام بخاری کو ممارست علوم دقیقہ وثواقب دقائق نظر سے محروم اور ظاہر پرست اور نصوص کے اوپر اوپر کا حرف چکھنے والا اور تہ کو نہ پہونچنے والا جیسا کہ حضرت امام صاحب کا حصہ تھا قرار دیتا ہے تم لوگوں کی اس کی تقلید جامد لازم وفرض ہے تم تقلید ائمہ اربعہ حرام وناجائز بلکہ سخت بدعت وشرک ہو اس پر اعتراض تو صاحب رسالہ کو کچھ بن نہ پڑا ناحق یہی ایک بے تکی ہانک لگادی کہ اس تشبیہ میں حنفیہ کو مثل خضر کے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کو مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ بڑی گستاخی کی میں کہتا ہوں کہ ع بریں عقل ودانش بباید گریست

ع دعویٰ تو تبحر علوم کا اور فہم کا یہ حال

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

ارکان تشبیہ کی بھی خبر نہیں کہ کیا ہیں آنحضرت ﷺ کے احادیث تو مثل وقائع خضریہ کے ہوئے اور حنفیہ مثل خضر اور محدثین یا اصحاب الظواہر مثل حضرت موسیٰ کے ہم پھر یہی کہیں گے جو اس تشبیہ میں بھی مقصود تھا کہ ظاہر پرستی اور ظواہر تراجم کو لے لینا بہت آسان وسہل ہے اور حقائق کو پہونچنا اور کنہ مقصود کو بدقت ومشقت نکالنا اسی کا کام ہے جو اس کا اہل ہے۔ ہر مرد ے وہر کار ے۔ ع

ہر کسی را بہر کارے ساختند۔ ع

اور سیزدھم میں مسئلہ نکاح محرمات چھیڑ کر عجیب خبط کا عالم بنایا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو برا کہا ہے اور بڑی تشنیع وتفضیح کرنی چاہی ہے کہ ان کو اتنی مدت بعد کہاں سے الہام ہوا کہ وہ مرتد تھا حالانکہ یہ نہ کسی صحابی یا تابعی نے کہا نہ اہل مذہب نے یا تاویل کی سوائے شیخ صاحب کے اور دوسری حماقت اس شخص کی دیکھو کہ حدیث "مَن وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحرَمٍ فَاقتُلُوهُ" الخ

کر منہ اٹھا کر کہہ دیا کہ لوتم کہتے تھے نکاح کا ذکر ہے وطی کا ذکر نہیں ہے پس اس نے کس قدر رقدح مسکر چڑھایا ہے جس کا خمار قیامت تک اتر تا نہیں معلوم ہوتا کیا حدیث اس واقعہ کی مفسر ہے یا متعلق ہے اتحاد حکم سے اتحاد سبب بھی کیا لازم ہے ورنہ ارتداد وقتل مومن ایک چیز ہو جائیں اور اگر یہاں وطی کا ذکر ہے تو نکاح کا ذکر کہاں ہے یہ خبر ما فیہ النزاع وکل بحث سے تعلق ہی نہیں رکھتی اور یہ لفظ "من" تو اس مرتد کو شامل ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی وطی کہاں ثابت ہے جو اس مبتدا کے افراد میں شامل ہو بے ہودہ خواہ مخواہ عام جتلا رہا ہے حالانکہ "ما" و "من" محتمل عموم ہیں نہ محکم فی العموم۔

چند شبہات کے مسکت جوابات

اب اس کج فہم کے جواب سنیے اول یہ کہ قصہ میں نکاح کا ذکر اور وطی کا کہیں پتا اور نشان نہیں پھر مجرد فعل نکاح پر تو یہ سزا کسی مذہب میں مقرر نہیں اور نہ نصوص کہیں اس طرف مشیر پھر بغیر تاویل شیخ کے چارہ ہی کیا ہے یا دہی حدیث (مَنْ وَقَعَ عَلٰى ذَاتِ مَحْرَمٍ الخ) اس کا قرینہ ہے کہ اس شخص ناکح نے اپنی تزویج پدر سے وطی بھی کر لی تھی مگر اس کا نام تو بے شک نہ ذکر نکاح ہے پھر عموماً ٹھہرائی مگر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اسی کے افراد میں جملہ ناحسین آگئے پھر ہر ناکح پر وطی بھی لازم ہوگی تو معلوم ہوا نکاح اسی کا نام ان کے مذہب میں ہے کہ بوقت ایجاب وقبول ضرور دخول بھی ہو جائے یہ شرط صحت نکاح ہے یا مقوم ورکن عقد یعنی قولین و بدلین دونوں میں ارتباط ہو کر انعقاد اجتماعی ہوتا ہے اور مبادلہ حکمیہ وحسیہ دونوں کی مجامعت سے حسب ایجاب ذکری مادہ قابلہ کے قبول سے بانفراج باطنی مستقر القام ہو جائے اور علاقہ رحمیہ خلطیہ سے نصاب مجمع البحرین پورا ہو جائے تب عقد صحیح متحقق ہوتا ہے قاضی حوائج وموجب ثمرات ونتائج ورنہ روکھی سوکھی باتیں کیا نتیجہ واثر پیدا کریں گی بابرکات حرکات کے اور بدون قبالے کے رجسٹری شدہ اور داخل خارج ہونے کے۔

دوم یہ کہ اسی حدیث میں مال لوٹ لینے کا بھی حکم ہے یہ حکم مسلمان پر جاری ہو نہیں سکتا کیونکہ تخصیص مالی کا کوئی رائج نہیں پایا گیا یہ شان مال حربی ومال مرتد کی ہے کہ ان کا مال البتہ غنیمت وفی ہو جاتا ہے پھر بدون تاویل ارتداد کون سی صورت استقامت حکم سے قائم ہو سکتی ہے اصول دین کے موافق۔

اور **سوم** یہ کہ اس بارے میں احادیث متواترہ وارد ہو چکے کہ آدمی مسلم کا خون مباح نہیں ہے مگر تین خصلتوں میں سے ایک کی وجہ سے (۱) زنا بعد محصن (۲) وقتل نفس معصومہ (۳) مفارقت جماعت یعنی ارتداد پھر یہاں تین میں سے کون سی خصلت متحقق تھی وطی تو ثابت نہیں ہوئی فعل نکاح عین زنا نہیں ہے بہرحال ارتداد متعین ہوا پھر اگر حدیث میں مثلاً یہ وارد ہو کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اور شیخ صاحب یہ لکھیں کہ بعد زوال پڑھی ہوگی نہ قبل زوال تو تم یہی کہو گے شیخ صاحب کے لکھنے سے یہ بات کس طرح ثابت ہوگی کہ بعد زوال ہی پڑھی تھی نہ قبل زوال شیخ صاحب کو اتنی مدت کے بعد الہام ہوا تھا یہ نہ کسی صحابی وتابعی کے قول سے ظاہر ہے نہ کسی اہل مذہب نے یہ تاویل کی یا اپنے عموم پر رہے گا۔

اور **چہارم** یہ کہ جب حدیث "اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ" مسلم ہوگئی اور جو معنی صاحب فتح نے باجماع علمائے سلف بیان کئے وہ غیر مسلم تو کچھ اپنے ہی شعور و درک سے منہ بولے ہوتے یا سر کھیلے ہوتے کہ اس کے یہ معنی ہیں اور "لِمَ وَلَا نُسَلِّمُ وَ اِنَّمَا قلنا" سے کام چلتا نہیں۔

اور **پنجم** یہ کہ شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو آج تک تو کسی عالم کیا بلکہ صاحب شعور نے بھی جھوٹا و دروغ گو نہیں بتلایا اور یہ گستاخی کوئی زبان پر لایا جائے بوجھے لامذہبوں میں بھی صاف یہ جرأت نہیں ہوئی تھی چہ جائے آنکہ تمام جہاں اور سب آدمیوں کے نزدیک ان کو جھوٹا بتائے یہ ہمت اسی بے ادب کو ہوئی۔

اور **ششم** یہ کہ ایک دلیل ظاہر تصدیق شیخ رحمۃ اللہ کی یہ بھی ہے کہ اگر یہ حکم قتل بنا بر نفی اسلام و مفارقت جماعت و حراب دینی ثابت ہوتا بلکہ مجرد اقامت حد ہوتا تو عقد لوا کی کیا حاجت تھی جو روایت ابن ماجہ میں مذکور ہے شیخ صاحب نے جو غرابت حدیث کا جھگڑا چکا دیا تو لامذہبوں نے اپنی ناک کٹانے کو سر جھکا دیا اور شرم نہ آئی کہ ایسے عالم متبحر و محدث بے نظیر و صوفی صافی فانی ولائے نبوی و آل نبوی کو جو مجمع علیہ پیشوائے اہل سنت ہند کے ہیں اور تخم حدیث ہند میں بو کر کیسا سرسبز گلستاں خیر و بوستاں اثر بنا دیا تم نے جھوٹا اور دروغ باف و مفتری بتا دیا۔

اور **ہفتم** یہ کہ اچھا تم نے سب وجوہ سے قطع نظر کی اور حضرت شیخ کے کلام و توجیہ کی اعتنا بھی نہ کی جس سے جو تمہارے منہ میں آتا ہے چہ خوش گفتے ہو ذرا آپ ہی بیان تو فرمائیں کہ حد قتل کا کیا ثبوت ہے کہ یہ حکم صرف بنا بر حد تھا نہ بنا بر سیاست یہ نہ کسی حدیث سے ثابت نہ کسی صحابی و تابعی کے قول سے ظاہر جس کا اتباع ضروری ہو پھر محتمل کا مستدل قرار دینا کم عقل جہلا کا کام ہے۔

اور **ہشتم** یہ کہ اگر مدار عموم الفاظ پر ہے تو یہاں قصہ میں کوئی لفظ عام نہیں اور اگر بلا دلیل جمیع افراد ناکح محارم پر یا واطی محارم پر حکم حد جاری کرتے ہو تو پھر یہ خلاف جملہ سلف صالح ہے اور یہ قید ظلم حرمت کی لگاتے ہیں حالانکہ یہ قید کہاں موجود ہے اور **نہم** یہ کہ اگر ایسے ہی عموم ناقص پر مدار ہے تو زانی محصن کے حکم نص قرآنی سو درّے مارو اور واطی امۃ الابن کے سر پر بھی سو کوڑے مارو اور

اور **سیزدہم** میں مسائل ہشتم تا دوازدہم کو تکثیر کر صاحب فتح نے جو حدیث و آیت ان کے مخالف طلب کی تھی اس کے جواب میں منہ اٹھا کر بک دیا کہ ان مسائل کا بطلان شرعا ایسا واضح ہے کہ ہرگز کسی عاقل کے نزدیک محتاج دلیل نہیں اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ بطلان ضروریات دین سے ہے پس لازم ہے کہ اس کا منکر اجماعا کافر ہو پس فرقہ حنفیہ میں ابوحنیفہ سے لے کر مولوی اسحٰق دہلوی یعنی میاں صاحب تک کی تکفیر تو ہوگئی بلکہ مولوی نذیر حسین کی بھی جو فروع میں حنفی ہونے کا اقرار کرتے ہیں اب تو اچھے خاصے بکر معظم سے حنفی بن آئے بلکہ رجسٹری شدہ حنفی ہو گئے چاہے ذنابات اگلی حنفیت کو ضلالت کہے جائیں باقی بنا بر مسائل وطی بہیمہ تو مالکیہ میں امام مالک سے لے کر اور شافعیہ میں امام شافعی سے اور حنابلہ میں امام احمد محدث و پیر و مرشد و استاذ شیخ بخاری و مسلم سے لے کر آخر مقلدین ثلاثہ تک کی تکفیر لازم ہے بنا بر روایت مطلق بہانے مذاہب کے مگر ان لامذہبوں کو کیا غم و

اندیشہ ہے کہ محدثین کے گھر کی کمائی جن کا پیشہ ہے بلکہ ظاہر پرستوں کی پیروی کا فخر کرنا ان کا رگ وریشہ ہے اور پھر انہیں کے شیوخ واساتذہ وائمہ پیشوا کہ جب تک کافر مردود نہ کہیں تو اس صیغہ کا مبلغ معلوم کس طرح ہضم ہوا اور نمک حلالی کی کس طرح نظم ونسق ہو گیا یہ بھی یہ لوگ اس کے مصداق نہ ہوئے کہ ﴿مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا﴾ جب ان کو کوئی نص نہ ملی اور دال نہ گلی تو شوق لعنت کی رگ پھڑکی اور نس دھڑکی زبیں اٹھائے ہوئے اور منہ کی کھائے ہوئے مطرود مغلوب کا جو پایہ کے یہی حال ہوا کرتا ہے کہ یا لعن وتکفیر پر کمربستہ یا سب وشتم کا طبل شکستہ پھر کہتا ہے کہ یہ بھی وہی مسائل ہیں جن کو مولوی صاحب نے کیا تھا یوں بے ٹال دیں گے بھلا مفتری بے حیا کچھ تو ہٹ دھرمی میں کمی ہوتی جناب مولوی صاحب نے تو ان مسائل کی خوب تحقیق اپنے متعدد حواشی ومستقل رسائل میں کردی ہے وہ کیا ٹالنے کو فرماتے ان کو تو غلامان غلام بھی تم کو بغیر ٹال کے ٹال دیں گے اور پھر تمہاری عاجزی پروہی ٹال تمہارے باطن خبیث سے نکال دیں گے یہ بے وقوف تیرہ دروں خیرہ بیروں اس قدر نہیں سمجھتے کہ یہ مسائل ودقیق اجتہادات سے مربوط ہیں نصوص سے صراحۃً ان کو تعلق ہے کیا ہے اور کون سے نصوص ہیں جو علی وجہ الخصوص یا علی وجہ العموم ہی سہی ان سے متعلق ہیں اگر تم اپنے دعوے کے سچے اور بات کے پکے ہو تو ایک دو نص لکھ دو گے ورنہ تری تمام اور مات کا نام تو ہو ہی چکا۔

معنی جماع کی تحقیق

مسائل ہشتم ونہم متعلق تحقیق معنی جماع ہے اور بعد تحقیق متعلق تحقیق تو گو مسائل اصلاً بالکل میں فتویٰ وعملدرآمد عدم فساد پر نہیں ہے مگر تم معنی جماع کا تحقیق اس میں ثابت ہی نہیں کر سکتے اس واسطے کہ محل مشتہی یہاں موجود ہی نہیں نہ حقیقۃً نہ حکماً یہ باب تو لازم ہے متعدی سمجھنا اس کا تعدی لازم ہے اور وطی بہیمہ ومردہ میں تو خود ظاہر ہے کہ محل مشتہی بھی نہیں ہاں وجود محل ہے سوا اگر اس کے ساتھ وجود انزال مقارنت ومدد واعتضاد کرے گا تو جماع صوری معنی کہہ سکیں گے جس کے سبب سے فساد صوم لازم آئے ورنہ خیر وعافیت ہے اسی وجہ سے حنفیہ اس میں وجوب غسل کے بھی قائل نہیں ہیں حالانکہ وہ جماع پر موقوف نہیں مجرد انزال سے بھی واجب ہو جاتا ہے اور ظاہریہ کو لازم ہے کہ لواطت بلا انزال میں بھی نہ فاعل پر غسل واجب کریں نہ مفعول پر اور حکم روزہ ٹوٹنے کا دین اس واسطے کہ ظاہر حدیث التقائی ختانین اس سے کہاں متعلق ہے اور وہ تو ان احادیث صحیحہ کو مانتے بھی نہیں ان کا عملدرآمد "اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ" پر ہے۔

حقیقت اجارہ کی تحقیق

باقی مسائل دہم متعلق تحقیق حقیقت اجارہ ہے اور پھر یہ بحث کہ صحت ونفاذ اس کا بنا برضرورت ہے کہ ایراد عقد امر معدوم پر ناجائز ہے پس متعلق بہ تسمیہ مخصوص تعلق ایراد عقد از جانبین متعاقدین رہے گا اس واسطے کہ ضروری مقدر بقدر ضرورت ہوتا ہے۔ لہذا ازالہ کا تقوم غیر ضروری ہے کہ مورد عقد نہیں وہ مثل منفعت مقصود ہے جس کا معاوضہ ضمان ممکن نہیں جیسے وطی زوجہ کی تضمین

وتعویض متصور نہیں اگر کوئی غصبا کر جائے پھر یہ مسائل موارد نصوص کے موافق ہوا یا مخالف دیکھو مسلم کو بضرورت جائز رکھا گیا اور اسی طرح استصناع اور بلا ضرورت خلاف اصول ملت کا ارتکاب طریقہ اولی الالباب نہیں ہے اور مسائل یازدہم اگر فرض کیا جائے تو کس نص کے مخالف ہے باقی رہا سوء ادب سو یہاں کلام جواز میں ہے نہ کراہت میں علاوہ ازاں وہ بھی مقام حاجت وضرورت میں "وَالضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" اور مسائل دوازدہم میں تم لوگوں کی نافہمی کہاں تک بیان کیا جائے حنفیہ کی غرض یہ ہے کہ دار الحرب میں جو اہل حرب سے لیا جائے وہ ربوا وسود ہی نہیں اسی واسطے کہ وہ مال مباح ہے کیوں کہ عصمت دارنہ عصمت نفس جب خون ہی مباح ہے تو مال کیا چیز ہے نہ یہ کہ ربوا وسود ہے لیکن جائز ہے اور اگر یہ بھی فرض کیا جاتا تو محذور مخالفت تب بھی کیا تھا ہزار ہا صورتیں نصوص مطلقہ یا عامہ سے خاص کر لی جاتی ہیں جیسے زنائے محصن وزنائے کنیز زوجہ وزنائے کنیز پسر وزنائے صبی ومجنون اور زنائے مکرہ وزنائے نائم وغیرہ نص قرآنی سے مخصوص ہے حالانکہ لفظ میں عموم واطلاق دونوں موجود ہیں پھر صاحب رسالہ نے جبرا قہرا عقل کو زور دے کر اظہار معقولیت سے اپنی نامعقولیت ظاہر کی اور جواب کو دو شقوں میں دائر کیا اور ہر شق پر کتاب وسنت سے ابطال مسائل کا وعدہ کیا اور دو شقیں یہ قائم کیں کہ یا اہل کتاب وسنت امور مذکورہ کو گناہ کبیرہ نہیں جانتے یا ان کے ارتکاب سے کسی عبادت مشروعہ میں نقصان نہیں تصور کرتے پھر لکھ دیا کہ اگر کبیرہ ہونا اور فساد عبادت مسلم ہے تو طلب سند حدیث جہالت ہے میں کہتا ہوں کہ اس مضمون خبط بے ربط میں چند خلل ہیں اور اس گفتگو کے گو قابل جواب نہیں ہے اسی بیان وجوہ خلل سے جوابات بھی معلوم ہو جائیں گے۔

اول یہ کہ معلوم نہیں کہ تردید بطور منع الخلو ہے یا بطور منع الجمع مگر معقولیت نامعقول ان کی جہت سے دونوں نامعقول تنقیص عبادت نہ ہونے وکبیرہ نہ ہونے کا اجتماع خود ظاہر اور اسی طرح ان امور کا دونوں سے خلو بھی ممکن۔

دوم یہ کہ اخیرین میں عبادت مشروعہ سے کیا تعلق ہے جس میں نقصان تصور کیا جائے اور مسائل چار دو کو تو کچھ واسطہ نہیں ہے تنقیص عبادت مشروعہ سے۔

سوم یہ کہ عبادت میں مشروعہ کی قید لغو ہے اس واسطے کہ جو مرتب علیہ ثواب کا ہواس کا مشروع ہونا خود ضرور ہے گو کسی جہات سے نہ ہو۔

چہارم یہ کہ کہیں نقصان بولنا اور کہیں افساد یہ دھوکا اور دغا بازی ہے نقصان اور چیز ہے اور فساد دوسری چیز۔

پنجم یہ کہ جب حنفیہ کے کتب سے تم لکھ چکے کہ ان کے نزدیک اس میں گناہ نہیں اور فلاں امر جائز ہے اور فلاں مباح ہے پھر گناہ کبیرہ ہونے کا ان سے پوچھنا کس درجے کی حماقت ہے۔

ششم یہ کہ گناہ کے کبیرہ وصغیرہ ہونے کو فساد عبادت میں کیا دخل ہے بلکہ نفس گناہ کو بھی صحت وفساد ہر عبادت سے کچھ واسطہ نہیں اگر کسی شخص نے روزے میں اپنے باپ کو مار ڈالا تو اس سے بڑھ کر کونسا گناہ کبیرہ ہوگا کہ قتل مومن کا فرد اکمل ہے یا کسی محصنہ کا قذف کیا جس سے حد شرعی درے لگانے کا مستحق ہو گیا مگر کیا اس سے اس کا روزہ بھی جاتا رہا۔

ہفتم یہ کہ دونوں شقوں میں سے ایک کا اختیار کرنا اس وقت ضروری تھا کہ ان میں حصر عقلی یا استقرائی ہوتا اور ان میں خود ظاہر حصر نہیں اگر کوئی بعض امور کو کبیرہ جانے اور منقص عبادت بھی تصور کرے تبھی مفسد عبادت یا مفسد بعض عبادات دون بعض یا منقص بعض دونوں بعض یا مفسد بعض ومنقص بعض تو اس پر اختیار احد الشقین کس طرح لازم کرو گے۔

ہشتم یہ کہ کسی شخص کے تسلیم حکم سے اس حکم کا بدیہات اولیہ سے ہونا لازم نہیں آتا نہ بطور تقلید کے تسلیم سے طلب سند حدیث میں بنا بر تحقیق کچھ محذور۔

نہم یہ کہ اگر آپ کے خصم نے کبیرہ ہونا ان خاص صور کا تسلیم کیا تو آپ اثبات بطلان پر کیسے کمر باندھتے اور اس خصوص کی آیات واحادیث پیش کیجئے یا وہ نصوص جن کے افراد میں ان موارد کا ہونا متیقن ہو۔

دہم یہ کہ اگر خصم کے پاس آپ کو یوں باریابی حاصل ہو اور وہ آپ کے متعلقات عالیہ کے سامنے اس طرح بے دھڑک ذکر کرے کہ دوسری شق پر ہم جمتے ہیں آپ سے ہو سکے دفع جرح وقدح کیجئے اور مانع ہو جائیے تو آپ کس طرح اس شق پر اس کا دائرہ جواز سے اخراج کر سکتے ہیں خیر ذرا آپ ہر ایک مسئلے پر جداگانہ ادلہ سمعیہ پیش کیجئے تو پھر میں آپ کی خبر لوں جس میں آپکو پیچھا چھڑانا مشکل پڑے۔

اور **چہارم** میں صاحب فتح کے اصل جواب کا مطلب دربارۂ حدیث مصراۃ نہ سمجھا نہ بوجھا اپنی کج فہمی سے چار اعتراض اس پر کر دیئے جن میں ثالث رابع میں تو کچھ مطلب کا فرق ہی نہیں لفظا اور نیز مضمون ایک ہی ہے تین سے نام چار کا ہو گیا۔

حدیث مصراۃ کا مفہوم

میں صاحب فتح کا مطلب لکھتا ہوں پھر مفصلا اعتراضات اور ان کے جواب تحریر کرونگا صاحب فتح کی یہ غرض ہے کہ یہاں دو حدیثیں متعارض ہیں امام صاحب نے عام کو بوجہ موافقت قیاس جملہ راۂ جمہور صحابہ پر ترجیح دی اور صرف یہی ترجیح عدم عمل بالحدیث المصراۃ کے واسطے کافی ہے ہم کو کچھ تاویل وتوجیہ کی حاجت نہیں ہے در صورت ترجیح رائی بمسلک مفاضلہ اور اگر مسلک توفیق وجمع میں کلام کیا جائے جو احسن الامور ہے تو امام صاحب اس معاملہ مصراۃ کو قضیہ شخصیہ یعنی ایک صورت خاص پر محمول فرمائیں گے اور محصل توجیہ یہ ہوگا کہ یہ امر مبنی بر تصالح ہے کہ مناسب وقت اور مقتضائے مصالح وشوار ای انتقامی یہ ہے کہ مشتری یہ دے دے اور بائع قبول کرے اور تراضی سے ایفاء واقتضاء باہم دست کشی کریں اور یہ امر بطور تشریع وایجاب لازم کے نہیں ہے گو ہم اس کو تسلیم بھی کر لیں کہ ظاہر ومتبادر ایجاب تشریع ہے مگر توفیق بین الادلہ ظواہر پر مقدم ہے اور اگر مسلک فتح میں گفتگو کیا جائے تو اس کے لئے تقریر عیسیٰ بن ابان کی کافی ہے اب یہ تین جواب ہوئے اگر کچھ سمجھ ہو تو سوچ لیں کہ رسالہ دار کا کون اعتراض وارد ہوتا ہے اس تقریر پر جو ہم نے بیان کی لہذا جس طرح یہ جواب ظفر اد ہار کا ہے اسی طرح جواب اجمالی اعتراض رسالہ دار کا ہے۔

اعتراضات کے مفصل جوابات

اب اعتراضات اور اجوبۂ مفصلہ علیحدہ ملاحظہ ہوں۔

اول یہ کہ قضیہ شرطیہ کلیہ ہے نہ قضیہ شخصیہ یعنی حدیث "مَنِ اشْتَرٰی شَاۃً الخ"۔

دوم یہ کہ بعد تسلیم قضیہ شخصیہ بھی تو شرع میں حجت ہے لیکن منطق میں حجت نہ ہو معتبر نہ ہو اور منشا صدہا اجتہادات کا واقع رہتا ہے جیسے قصۂ میمونہ ام المومنین کہ شخصیہ ہے اور منشا اجتہادِ ائمہ کا ہے۔

اور **سوم** یہ کہ ہزارہا امور شرعیہ خلاف عقل وقیاس ہیں اور اہل اسلام کو ان کا ماننا ضرور وراہ روِ طیبہ خاطر ان کو منظور جیسے مسح علی الخف۔

چہارم یہ کہ اعتبار موافقت عقل وقیاس کا امور شرعیہ میں بحث و تحران ہے اور اہل نامعقول فلاسفہ کی اسی قزاقی نے راہ ماری اگر ملحوظ رہے گا تو شرع کا انہدام لازم آئے گا اس واسطے کہ اعتقادات تو خلاف عقل ہی ہوتے ہیں جیسے مسئلۂ رویت یا جنت واثبات معاد واثبات عذاب قبر وغیرہ یہ مبلغ علم اور نصاب فہم وعقل حضرت کا قابل ملاحظہ ہے اب اعتراضات ان پر لائق تماشا ہیں اول اعتراض کے چند جواب ہیں۔

اول یہ کہ تم خود ناسمجھ ہو مطلب فہمی کا سلیقہ نہیں مطلب یہ تھا کہ اس کو معاملہ شخصیہ اور قضیہ مخصوصہ پر محمول کرتے ہیں قضیہ سے مراد معاملہ نزاعیہ ہے نہ معنی اصطلاحی میزانی جیسے "قَضِیَّۃٌ وَلَا اَبَاحَسَنٍ لَهَا"۔

دوم یہ کہ "مَنِ اشْتَرٰی الخ" موصول مع صلہ مبتدا ہے اور "فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ" خبر ہے مبتدا خبر سے جملہ شرطیہ تمہارے یہاں منعقد ہوتا ہوگا۔

سوم یہ کہ اچھا اگر قضیہ شرطیہ فرض کیا جائے تو تقدیر محض مراد ہونے اور جملہ تقادیر ممکنہ الاجتماع مع المقدم کے مراد ہونے کی کیا دلیل ہے۔

چہارم یہ کہ جمیع اوضاع وتقادیر ممکنہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے لہذا کلیہ ہونا باطل ہے اس واسطے کہ من جملہ اوضاع وحالات مقارنہ مقدم کے ایک "هلاك الغنم بعد الاشتراء" ہے اس میں حکم تخییر جاری نہیں ہو سکتا اور اسی طرح اور بکثرت صور اس قسم کے نکل سکتے ہیں مثلاً معاف کر دینا بائع کا بعد تصرف وشرب مشتری کے اور ابراء عن المطالبہ ظاہر کرنا یا عیب دار ہو جانا مبیع کا مشتری کے قبضہ میں۔

اور **پنجم** یہ کہ شرطیہ میں حکم تقادیر پر نہیں ہوتا بلکہ تالی کا حکم مقدم پر بلا حظہ تقادیر ہوتا ہے پس تقادیر واوضاع شروط حکم ہیں نہ احدی الجانبین ثانی اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔

اول وہی مذکور ہوا کہ یہ خوبی تمہاری مطلب فہمی کی ہے قضیہ سے یہاں کیا بحث ہے۔

اور **دوم** کہ قضیہ شخصیہ کے حجت ہونے سے کیا بحث ہے کلام تو اس میں ہے کہ بمخالفت جملہ اقیسہ یا بمخالفت نص دیگر اقوی مرجوح وغیر معمول بہ قرار دیا جائے گا قابل عمل۔

سوم یہ کہ کلام یہاں عموم وخصوص میں ہے اور شخصیت سے مراد خصوص ہے نہ جزئیت چنانچہ تقریر یا سبق اس کا قرینہ تو یہ ہے بس بحث حجیت شخصیہ اس مقام سے محض بے تعلق ہے اور یہ جواب اعتراض اول کا بھی ہو سکتا ہے۔

چہارم یہ کہ منشا استنباط مسائل کا قضایائے شخصیہ سے بھی خصوص وشخصیت نہیں ہے بلکہ امر کلی ومفہوم عام ہوتا ہے خواہ ماخوذ اعموم محمول سے ہو یا بنظر ابطال والغائے خصوصیت موضوع ہو۔

اور **پنجم** یہ کہ اگر ہم دعوی کریں کہ قضیہ شخصیہ قابل تمسک نہیں بلکہ مستدل ومتمسک بہ وہ حکم ہوتا ہے جو متعلق بامر کلی ہو تو اس کی صحت میں ان حضرت خفیف العقل سے کوئی خدشہ وخراش تراش ممکن نہیں ہے اور جملہ مقامات میں ان کے اوہام اکھاڑ کے پھینک دئے جائیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے قصے سے استدلال کی حقیقت

قصہ میمونہ رضی اللہ تعالی عنہ میں جو مقدار مستدل بہ بھی ہے وہ خصوص وقضیہ شخصیہ سے متعلق نہیں اس واسطے کہ مسائلہ نزاعیہ یہ ہے کہ آیا احرام مفسد ومانع عقد نکاح ہوے یا نہیں؟ اور یہ ہر دو طرف ایجاب وسلب میں سے کسی طرف میں شخصیہ نہیں ہے اور اسی پر باقی کو قیاس کرنا چاہئے پس متمسک امر کلی ہے۔

اور اعتراض سوم کے بھی چند جواب ہیں۔

اول یہ کہ اس میں کلام کس کا ہے کہ مخالف قیاس کو نص سے ثابت ہوں قبول نہ کئے جائیں گے بلکہ کلام تو اس میں ہے کہ اگر بروایت غیر مجتہد ہو اور مخالف جملہ اقیسہ ہو تو بھی یہ خبر ظنی قابل عمل ہے بالمقابلہ تمام قیاسات ہوگی یا نہیں اور میرا اس میں کہ اگر معارض کسی دوسری نص عام قوی کی ہو تو بھی معمول بہ رہے گی یا غیر معمول بہ۔

اور **دوم** یہ کہ احکام شرع میں سے کوئی حکم مخالف عقل نہیں ہوتا ہاں ایسے بکثرت ہوتے ہیں کہ مستبعد عند العقل ہوں یا عقول متوسطہ ان کی اصل وکنہ تک نہ پہونچ سکیں مخالفت عقل دوسری چیز ہے اور عدم اعتقاد عقل وعدم استقلال عقل با دراک اور چیز ہے اگر سمجھ ہے تو سمجھ لوگے ورنہ کسی سے پوچھ کر تقلیدا مان لینا اور نہ کبھی اپنے امام ابن تیمیہ کے قول پر ایمان لاؤ کہ فرقان میں بدیں عبارت لکھتے ہیں "وَالْاَنْبِيَآءُ صَلَوٰتُ اللهِ عَلَيْهِمْ يُخْبِرُوْنَ بِمَا تَعْجِزُ عُقُوْلُ النَّاسِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ لَا بِمَا يَعْرِفُ النَّاسُ بِعُقُوْلِهِمْ اَنَّهٗ مُمْتَنِعٌ فَيُخْبِرُوْنَ بِمَجَازَاتِ الْعُقُوْلِ لَا بِمُحَالَاتِ الْعُقُوْلِ وَيَمْتَنِعُ اَنْ يَكُوْنَ فِىْ اَخْبَارِ الرَّسُوْلِ مَا يُنَاقِضُ الْعَقْلَ الصَّرِيْحَ وَيَمْتَنِعُ اَنْ يَتَعَارَضَ دَلِيْلَانِ قَطْعِيَّانِ سَوَاءٌ كَانَا عَقْلِيَّيْنِ اَوْ سَمْعِيَّيْنِ اَوْ كَانَ اَحَدُهُمَا سَمْعِيًّا وَالْآخَرُ عَقْلِيًّا"۔

قیاس کے معانی ومفاہیم

سوم یہ کہ بحث یہاں مخالفت قیاس میں ہے نہ مخالفت عقل میں قیاس ایک حجت شرعیہ ہے جس کا منشا نصوص ہیں او وہ ناشی مقتضائے ادلہ سمعیہ سے ہوتا ہے اور مجرد استرسال با لعقل والفلسفہ کا نام نہیں ہے جو شرع میں معتبر نہیں۔

اور **چہارم** یہ کہ مسح علی الخف کی کیا خصوصیت ہے نفس مسح علی الخف بھی تعبدی غیر قیاسی ہے نہ خف کا مانع حلول حدث ہونا معقول ہے نہ حائل حدیث ہونا نہ مسح سے ارتفاع نجاست ہونا نہ خود نجاست حکمیہ کوئی امر معقول ہے بلکہ خود غسل رجلین بلکہ غسل چار اعضاء کا قائم مقام طہارت کل بدن ہونا اور اس امر معنوی اعتبار یعنی نجاست حکمیہ کا ایک شئی حسی یعنی پانی سے زائل ہو جانا بھی غیر مدرک با لعقل ہے۔

اور **پنجم** کہ تمام اہل اسلام کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ ہزار ہا غیر معقول امور کو بطیب خاطر قبول کر لیں اور معتزلہ موؤین معتزلہ باتفاق جمہور داخل اسلام ہیں اور کس قدر اصول اعتقادیہ غیر معقول کے منکر ہیں اور فلاسفہ کے کاسہ لیس بن کر کیا کیا کچھ تصرفات نہ کر گئے ہیں۔

اور اعتراض چہارم کے بھی چند جواب ہیں۔

اول وہی نا سمجھی تمہاری یہاں خلاف عقل کیا بلکہ خلاف قیاس ہونا بھی باعث اہمال واسقاط نہیں ہے بلکہ تعارض نصوص باں موافقت قیاس مرجح قرار دیا گیا ہے۔

دوم یہ کہ اعتقادیات کو مطلقا خلاف عقل وقیاس کہہ دینا مطلقا خلاف عقل وقیاس ہے اور بلاہت کی دلیل آپ ان دقائق کو لکھ کر بہت خوش ہوئے ہوں گے اور پھولے نہ سمائے ہوں گے مگر کیا۔ ع "اذا ضحك القرد يبكي اسنته" یہ نہ سمجھے کہ جو عقائد نجوب شرع کے مقبول علیہ ہیں وہ محض عقلی ہیں اور اسی طرح جو مسادق نبوت شرع ہیں جیسے توحید واثبات صفات کمالیہ حقیقیہ باری عزاسمہ اور اکثر مسائل کلامیہ عقلی ہیں اور عقائد سمعیہ بھی بکثرت خلاف عقل وقیاس نہیں ہیں بلکہ داخل مجوزہ عقل تو کل عقائد ہیں۔

سوم یہ کہ رویت بلاجہت تو تم صاحبوں کے نزدیک داخل عقائد نہیں ہیں بلکہ تصریح صاحب "ایضاح الحق الصریح" یہ مسئلہ داخل بدعات شنیعہ سیہ ہے پھر یہ مثال کیسی؟

چہارم یہ کہ رویت بلاجہت خلاف عقل نہیں اور داخل حیطہ مجوزہ عقل ہے ہاں البتہ عقل ادراک کیف سے عاجز ہے نہ ادراک اصل رویت سے۔

پنجم یہ کہ اثبات مطلق معاد بلاقید جسمانی کو خلاف عقل قرار دینے سے تمام عالم معقولی ومنقولی سب تم پر تھوک رہے ہیں مطلق معاد کے تو فلاسفہ کفرہ بھی بجوش تسلیم قائل ہیں مگر اس کو منحصر معاد روحانی میں کرتے ہیں اور شیخ معاد جسمانی کا بھی قائل ہو گیا ہے

اور اگر زیادہ تحقیق مسائل معراۃ کی مطلوب ہو تو جناب مولانا بحر العلوم مولوی محمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ کے حواشی ہدایہ اور رسالہ اجوبہ
راضیہ مرضیہ جو ابوالکارم نولکشوری سے ملحق ہے مطالعہ کرنا چاہیے۔
اور پانزدہم میں جو صاحب فتح نے بدلائل قاہرہ یہ ثابت کیا کہ اختلاف محدثین کا اس بارے میں اختلاف فقہا سے کم نہیں
بلکہ زائد ہے اور اسی طرح اختلاف و مدافعات اخبار و آثار ان اختلافات سے کم نہیں پھر اس سے تمسک کرنا کون سا سہل راستہ
ہے جس کو لامذہب حلوائے بے دود سمجھ رہے ہیں بلکہ وہ تو بدر جہاز ائد دشوار گزار طریق ہے اس کا قطع اور طے کرنا تو مجتہدین کا
ہی کچھ کام تھا اس پر رسالدار کیا خواب میں بول اٹھے کہ حدیث میں اختلاف نہایت بے وجہ کم ہے اونا سمجھو ذرا بات کو اپنے محک
امتحان پر لگا کر بولا کر ع

مرزن بے تامل بگفتار دم

یہ کیا شور کریں کھائی یکھی ہیں مصنفین میں داخل ہونا اور انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونا کیا ضرور تھا دعوی حدیث دانی اور گرہ میں کوڑی
نہیں چہ ہے کہ ہلدی کی گرہ لی اس نے کہا کہ پنساری کی دوکان کروں گا ذرا پچھ تو سر اٹھایا ہوتا۔ ع "اَخطَأتَ اِستُهُ الحُفرَةَ"۔
اولاً اختلافی مسائل کی احادیث کو ملاحظہ فرمائے تعارض اخبار اور معارضہ آثار اور اختلاف روایات اور اضطراب حدیث وغیرہا
ان سب حالات سے قطع نظر کر کے ایک ادنی امر پر نظر کیجیے کہ یہ عملدر آمد صحت اسناد و ثاقت رجال پر موقوف ہے اور اسناد میں
بکثرت راوی کے حق میں جو جو اختلافات ان حضرات میں واقع ہوئے ہیں وہی کیا کم ہیں ایک شخص کے بارے میں ایک کہتا
ہے کہ ملے تو پیٹ چیر ڈالوں ایک کہتا ہے جان سے مار ڈالوں ایک کہتا ہے حسن الحدیث ہے ایک کہتا ہے نہیں صالح الحدیث
ایک کہتا ہے اس کی کتابیں پھاڑ چیر ڈالو پھر بھلا جب بکثرت رجال ہوں تو اضعاف مضاعف نقادستہ ہے کے اختلافات لے لو اور
اختلاف کہاں تک طے کر دو گے اور ان قضایا کا کس طرح فیصلہ کرو گے۔

خواب کی عمدہ تحقیق

اور شانزدہم میں صاحب فتح نے جو تقیدِ امام کو تقاضائے حوائج غوث قرار دیا تو رسالدار لامذہب لاشئی عامل طوائف
رے نے اس کو اشراک فی التوحید قرار دیا اور صاحب فتح نے جو اعتبار خواب کا بطور مدد لینے اور اعتضاد و استشہاد کے نہ بطور
استدلال و احتجاج کے اور استشہاد کی شہادت کے واسطے احادیث اعتبار رویائے صالحہ کی طرف اشارہ کیا جو صحاح میں بکثرت
موجود ہیں تو رسالدار نے اولاً لکھا کہ خواب شرع میں حجت نہیں۔
اور ثانیاً یہ کہ تعیین مذہب آپ نے واجب شخصی قرار دیا کہ ایک لو باقی چھوڑ دو اہل حدیث سب کو مانتے ہیں اور ثالثاً یہ کہ ادھر بھی
چند خواب رد تقلید میں موجود ہیں اور لکھ دیا کہ ان کے انکار سے انکار نبوت لازم آئے گا نہ ان کا جزو نبوت شاید وجہ اس کی یہ ہو کہ
بعض خواب منسوب حضرت علی مرتضی ہیں نہ حضرت رسالت تو عملدر آمد نہ کرنا قول علی مرتضی پر گو ان کی رائے واجتہاد کا ہو اور گو

خواب کا ہو اور گو تمثیل بالغیر وہاں محال نہ ہو اور گو قرائن خیالیت خواب موجود ہوں بلکہ ان کا ثبوت ہے نہ انکار قول حضرت رسالت کہ یہ موجب انکار جزو نبوت بھی نہیں پھر ایک خواب شاہ عبدالعزیز کا نقل کیا جس میں حضرت مرتضیٰ خواب میں نظر آئے پھر حسن صنعانی کا خواب لکھا جس میں آنحضرت کو خواب میں دیکھا اور طاق کو حلال کیا اور یہ نسبت حنفیہ وہم اعتقاد حرام کیا پھر ان خوابوں کو بڑے بڑے صالحین کا خواب قرار دیا۔

میں کہتا ہوں شاید یہ دو صالح صالحیت میں ابوحنیفہ اور فضل بن خالد اور مسعود بن عبدالرحمن بصری اور بعض ائمہ حنابلہ سے برتر ہیں اب میں امر اول میں کلام کرتا ہوں کہ تمام تقریر اس رسالہ ادرکی تحمل ہے بوجوہ۔

اسماعیل دہلوی کا اشراک فی التوحید کہنا نمونہ جہالت ہے

اول یہ کہ یہ شخص اشراک فی التوحید کے معنی نہیں سمجھتا بلکہ اشراک فی التوحید خود بیک لفظ مہمل ہے توحید میں اشراک کے کچھ معنی ہی نہیں ہو سکتے نفس مفہوم توحید تو خود اشراک کے مفہوم کو بمراحل بعیدہ پھینک رہا ہے ہاں اشراک فی الالوہیۃ کہتا تو کچھ معنی بھی تھے۔

دوم یہ کہ اشراک فی الرسالۃ کوئی قسم شرک نہیں ہے بلکہ واقع بلکہ واجب ہیں آں حضرت کے شرکا رسالت میں ہزار ہا بالمعنی الاعم ہیں اور صد ہا بالمعنی الاخص ہیں ہاں ان کے سوا ان کے بعد اور کسی کو قرار دیا جائے مثل سید احمد بریلوی وغیرہ کے جن کو مصافحہ ربانی بلا واسطہ ہوتا تھا اور کلام و سرگوشی بھی تو بھی کفر ہوگا نہ شرک۔

وسیلہ بزرگان دین سے جائز ہے

سوم یہ کہ قبر امام کی غوث حوائج ہونے کے معنی خود صاحب فتح نے لکھ دیئے ہیں کہ وہ وسیلہ قضائے حوائج ہے تو شخص وسیلہ گرداننے سے کیا کفر و شرک لازم آتا ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ مامور بہ قرآن کا بھی شرک ہوتا ہے اور قرآن میں موجود ہے ﴿وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ اور غیر خدا کے وسیلہ کرنا ہے سے اگر شرک لازم آتا ہے تو احادیث وسیلہ اذان اور "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ الخ" وغیرہ کو کیا کرو گے۔

باقی تصرف روحی بعد ممات بہ نسبت حیات خود زائد ہو جاتا ہے بقول شاہ عبدالعزیز جو تمہارے مستند خواب بھی ہیں اس مقام پر کہ تفسیر فتح العزیز میں صاف یہ فرمایا ہے اور کچھ نہ سہی تو توسل میں کیا حرج ہے یہ تو خدا کے نزدیک بقدر رفعت درجت و قرب منزلت ہوتا ہے خواہ وہ مردہ ہو یا زندہ۔

قبر پرستی کا الزام غلط ہے

چہارم یہ کہ اگر اس کا نام قبر پرستی ہی رکھتے ہو تو شرک فی العبادۃ ہوا نہ شرک فی التوحید اور نہ شرک فی الذات اور نہ شرک فی الصفات۔

پنجم یہ کہ منشا اس کا تقلید نہیں ہے ورنہ امام شافعی اس پر کیوں عمل فرماتے پھر جو چھوٹے تو یہ دشمن دین رو باہ بازی سے امام کی

تعظیم وافراط محبت پر ٹوٹے کہ جناب امام عالی مقام ایسے کفریات سے بالکل بری ہیں قیامت میں ناراض وبیزار ہوں گے اور فرمائیں گے۔ "سُبْحَانَكَ مَاكَانَ يَنْبَغِيْ لَنَا اَنْ نَتَّخِذَ الاية" افسوس یہ تو وردووظیفہ اور متہ میں امام ہمام کی طعن ومذمت کا جیفہ تا آنکہ ہزار ہا کاغذ بھی اسی لفظ پر کالے کردیئے کہ امام اعظم نے قرآن کی ان آیات کا خلاف کیا امام اعظم نے ان دس حدیثوں کا خلاف کیا ان میں حدیثوں کا خلاف کیا پھر تم ہی اپنے منہ سے کہو کہ یہ سوائے الحاد وبے دینی امام ثابت کرنے کی اور کیا پیشہ ہوا پھر رسالہ دار نے امام ابو یوسف کے حق میں کیا کہنا چھوڑا دیا جیسا کہ گزرا پھر تم ہی لوگ امام صاحب کی تضعیفات وادجا وقدریت وغیرہ نقل کرکے اس پر ایمان لاتے ہو اگر ان حضرات سابقین سے بالفرض بوجہ شبہات بطلہ خطائے اجتہادی ہوئی تو تمہارے اس ایمان سے بالکل بربادی ہوئی مثلا اب اگر کوئی حضرت علی کو ان کے محاربات میں مصیب نہ سمجھے اور مخطی قرار دے تو فاسد الاعتقاد وملام اور عاصی ومطرح الزام ہوگا نہ مخطی خطائے اجتہادی برخلاف ان کے عہد کے پھر تم ہی اخوان الشیاطین وائمہ ضلالت کے مقلدین کیا کیا بے ادبی وتبرا وشتام بنام امام نہیں کرتے اور کیا ذلیل قافیے نہیں باندھتے سڑی ہونے کی تشبیہ بے سلیقہ بے شعور ہونے کی تمثیل الحاد وبے دینی کی مثال سب کا ہدف سہام اسی بارگاہ عالی مقام کو قرار دیئے کر بلفظ بوحنیفہ اردو محاورے پر بھی کریاد کرتے ہو معاذ اللہ من ذالک۔

تم لوگ مصداق ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَايَعْلَمُوْنَ﴾ کے ہو ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ﴾۔

اِذَاكَانَ الْغُرَابُ دَلِيْلَ قَوْمٍ   سَيَهْدِيْهِمْ طَرِيْقَ الْهَالِكِيْنَا

مومن کا عمدہ خواب یقیناً حجت ہے

اب خواب کے جواب سنیئے۔

اول یہ کہ خواب کو یہاں حجت نہیں گردانا بلکہ مؤید وشاہد ادلہ قاہرہ وبراہین باہرہ تقلید۔ یہ کہ آں حضرت کو یہ کیا ضرور تھا کہ فرماتے ایک کی پیروی کرو باقی کو چھوڑ دو بھلا کل پر عمل کس طرح ہوسکتا ہے کیا احکام متخالفہ متعارضہ پر عمل درآمد ہے ہاں نامعقول تو معقول کو الحاد وزندقہ قرار دیتے ہیں اور اجتماع النقیضین کے جواز پر بعض کلمہ طیبہ سے دلیل لاتے ہیں اور بعض آیات واحادیث سے یہ لوگ از قسم علقا ہیں ان کا معاہدہ وعاہدہ رجسٹری شدہ ہے اور ایمان غالا لکھا چکے ہیں کہ اس عطیہ عقل ولطیفہ ورا کو اپنے کاخ دماغ میں محفوظ بحفاظت بطور ودیعت رکھیں اور دواخل دیئے اور عمل میں لانے کو حرام قطعی یا از قبیل اشراک فی التوحید قرار دیں اور اس کا نام عقل پرستی رکھیں جیسے توسل اولیاء وانبیاء کا نام گور پرستی اور قیام مولد کا نام رسول پرستی اور تعظیم امام کا نام امام پرستی رکھتے ہیں۔

چہارم یہ جس روز تم سے اہل حدیث (نہیں صاحب بلکہ اہل حدث) سب مذاہب کو مانتے تو بھلا ہی دن نہ ہوتا خیر اگر تم نے

مانتے تقلید بھی نہ کرتے مگر ائمہ پر لعن طعن نہ کرتے تو بھی غنیمت تھا ضلالت و بدعت ہی پر خیر گزرتی تمہاری ساہے غالی مثل رافض کے تو کہلاتے۔

پنجم یہ کہنا ایک امام کی ائمہ اربعہ سے پیروی کرنا اور باقی کا اعتقاد عظمت و امامت و علو منزلت رکھنا لیکن عمل در آمد ان کے اقوال پر نہ کرنا ایسا امر نہیں ہے جس کو فرمانا ضرور بلکہ بہتر بھی ہوتا اس واسطے کہا اگر یہ نہ ہوں تو دین نام کھیل اور لہو لعب کا ٹھہرے اور امت مرحومہ کے امام مطلق کی طرف خطاب الٰہی ہوتا ہے کہ ﴿وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا. الآیۃ﴾ اگر پابندی سے آزادی کا اختیار بغیر قید اجتہاد ہر کسی کو دیا جاتا تو ہر عامی اپنا منہ کالا کر کے جو چاہتا کر بیٹھتا اور ترجمہ پنجم یہ کہنا ایک امام کی ائمہ اربعہ سے پیروی کرنا اور باقی کا اعتقاد عظمت و امامت و علو منزلت رکھنا لیکن عمل در آمد ان کے اقوال پر نہ کرنا ایسا امر نہیں ہے جس کو فرمانا ضرور بلکہ بہتر بھی ہوتا اس واسطے کہا اگر یہ نہ ہوں تو دین نام کھیل اور لہو ولعب کا ٹھہرے اور امت مرحومہ کے امام مطلق کی طرف خطاب الٰہی ہوتا ہے کہ (مسائل کی باگ تو ہر ایک کے ہاتھ میں ہوتی احادیث میں احداثات خود تاویلیں ہوتے پھر کیا تھا جو ہماری وہ رابعہ کی نہیں عجیب عجیب طرح سے یہ محدثین احداث فی الدین بدعات کا ایجاد کرتے ہیں کسی نے مزار مبارک و روضہ منورہ کو صنم اکبر ٹھہرایا اور کسی نے زیارت مزار پر انوار کو بحدیث شد رحال حرام ناجائز بنایا کسی نے مقلدوں کو گمراہ اور مشرک قرار دیا کسی نے خطبہ جمعہ میں اسمائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پڑھنے سے انکار کیا پھر ان آزادیوں اور عطرادیوں اور خانہ بربادیوں اور مطلق العنانی کی الحادیوں کا بیان کہاں تک کیا جا سکتا ہے آپ کے ادعائی عمل بالحدیث نے خود آپ کو رسوا کیا اور سنت پر چلنے کے جھوٹے دعوی نے خود آپ کو الزام دیا چنانچہ " **ضمیمہ تنبیہ الوھابیین** " میں آپ لوگوں کی مخالف حدیث خوب طرح ظاہر کر دی گئی اور جابجا مخالفت احادیث صحاح کے الزام سے قرار واقعی آپ کی خبر لی گئی۔

خواب کے مراتب زمان ومکان کے اختلاف کے اعتبار سے ہے

اب اپنے خوابوں کے جوابات گوش گزار کیجئے پہلے شاہ صاحب کے خواب کے چند جواب ہیں۔

اول یہ کہ مدار اس کا کسی مجہول نا معقول نقل نقال ٹونک پر ہے کہ وہاں کا یہ پرچہ اخبار ہے اور شاید مجامیل نساخ الاباطیل سے کوئی اس کا نامہ نگار ہے جب اس کا یہ نقشہ ہے اور یہ پایۂ ثبات و پایۂ قرار ﴿فَبُنْیَانُهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ﴾۔

دوم کہ بعد تسلیم جو فرق جناب رسالت مآب کو خواب دیکھنے اور ایک صحابی کو خواب دیکھنے میں ہے وہ ہر مسلمان پر ظاہر ہے بمعارضہ ہمارے شواہد کے یہ شاید پیش کرنا کس دانشمند کا کام ہے۔

سوم یہ کہ قول آں حضرت فی نفسہ ایک حجت قویہ اور اصول متاصلہ متاکلہ شرع سے ہے اور صحابی کا قول اگر حجت ہو تو نہ بمقابلۂ قول نبوی ﷺ۔

چہارم یہ کہ صدق وصلاح خواب کے مراتب باعتبار اختلاف زمان ومکان وصلاح وفضل خواب میں مختلف ہوتے ہیں پس ترجیح ان خوابوں کو ہی جو صاحب تحفہ نے درج کئے باعتبار زمان ومکان وصلاح وفضل خواب بین کے مختلف ہوتے ہیں پس ترجیح ان خوابوں کو ہے جو صاحب تحفہ نے درج کئے باعتبار زمان اس جہت سے کہ وہ زمانہ قریب عہد نبوت کا تھا جس میں صدق وصفا قلوب پر دورا ایک رخشان ولمعان حقانی تماما عالم پر فائض تھا برخلاف صدی سیزدہم کے اور باعتبار مکان اس نظر سے کہ ممالک محروسہ سلاطین اسلامیہ وملوک باایمان مہبط انوار ربانی ومخرج توجہات والطاف خفیہ یزدانی ہوتے ہیں برخلاف ہند کہ اس عہد میں بھی تحت قبلہ کفار تھا اور باعتبار صاحب رویا اس وجہ سے کہ فضل وبراعت منزلت ان حضرات ائمہ کی شاہ صاحب پر خود ظاہر ہے۔

پنجم یہ کہ بعد تسلیم مساوات فی الامور المذکور جیسی ایک ترجیح باعتبار نفس خواب بھی موجود ہے اس واسطے آں حضرت کے خواب کا ایک خاصہ عالیہ ہے کہ وہاں تمثل شیطانی محال ہے اوروں کے خواب میں یہ امر ثابت نہیں۔

ششم یہ کہ قول مناسی وخیالی فی الواقع خارجی بالمشافہ بلا نمط خواب بھی فرض کیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ از روئے رائے اجتہاد ہوا ور وہ حجت نہیں ہے دوسرے مجتہدین پر اور نہ انکے مقلدین پر۔

ہفتم یہ کہ اس قول حضرت مرتضی کو ہمارے مخالف سمجھنا تم ہی احمقوں کا شیوہ ہے اس واسطے کہ اولا تو ایک مجتہد کے آراء اجتہادو دوسرے مجتہد کے خلاف وناموافق ہوا ہی کرتے ہیں اس ناپسندی وناموافقت سے نقصان مذہب میں لازم نہیں آتا یہ امر خود فیما بین ائمہ اربعہ بھی موجود ہے باقی فضل مجتہد دوسرا امر ہے کہ مثلا حضرت مرتضی مجتہد اعظم وامام وافضل ہیں ان ائمہ اربعہ سے یہ امر تفاضل بھی فیما بین اربعہ موجود ہے باقی خود شارع حضرت مرتضی ہیں نہیں جس کا اتباع ائمہ مجتہدین کو بھی ضرور ہوا ور ثانیا کلام مذاہب مدونہ میں تھا اور تدوین مذہبی روز افزوں متزاید ہوتی جاتی ہے پس کلام ان تدوین مذہبیہ میں تھا جو عہد ائمہ سے تاوقت شاہ صاحب ہزار گیارہ سو میں ہوتے چلے آئے اور اس میں خود ظاہر ہے کہ طبائع مختلف ہوتے ہیں اور یہ لوگ بشر تھے معصوم نہ تھے تعصبات بوجہ مناظرات ومطارحات کے اور کسی قدر تجاوزات مسائل ودلائل میں بین وسط طریق وصراط مستقیم سے ضرور واقع ہوئے جملہ مذہب میں اور یہ امر مسلم ہے اور اسی وجہ سے دیکھو ہر مذہب میں ایک گروہ اہل انصاف وتحقیق وفرقہ محققین برابر چلا آتا ہے جو تسویہ وتقویم معارک کے لوا کو اپنے شانے پر لئے ہوئے اور تنویر طریقہ انصافی کو اپنے ذمہ کئے ہوئے ہے اگر اس جہت خارجیہ سے افراط وتفریط ارشاد کیا ہوا ور ناپسند فرمایا ہو تو حرج کیا ہے ہاں اقوال وطرق خالصہ ائمہ متبوعین مقلدین بالفتح کی نسبت کچھ تشنیع ہوتی تو البتہ وہم مخالفت کی گنجائش ہوتی۔

اور ثالثاً اس کلام میں حضرت ابوالحسن کرم اللہ وجہہ نے نسبت تقلید کچھ لا ونعم نہیں فرمایا جو تمہارے موافق ہو نہ تقلید فقہا سے منع فرمایا کہ عوام یا اور لوگ اہل علم تقلید نہ کریں اپنی پسند وناپسند دوسری چیزیں ہیں آپ خود تکثیر طلاق امام حسن کو ناپسند فرماتے تھے مگر خود ان سے مانع نہیں ہوتے تھے اور نہ ان کو برا یا آثم وعاصی سمجھتے تھے اور ایسے معاملات بکثرت ہیں۔

شیخ صنعانی کے خواب کا جواب

اور خواب ثانی شیخ صنعانی کے بھی چند جواب ہیں۔

اول یہ کہ کلام اس میں نہیں ہے کہ خواب مسائل حلال وحرام میں کوئی حجت شرعیہ ہے اور نہ اس سے استدلال درست ہاں بعض امور مبرہنہ کی تائید وتقویت وجبر کے واسطے از قبیل شواہد ذکر کیا جائے یعنی بطور استشہاد تو اس میں کیا مضائقہ ہے اور در بارۂ طاقی خود حنفیہ کے ادلہ سمعیہ موجود ہیں جن کا جواب خواب نہیں ہے۔

دوم یہ کہ یہاں گفتگو ایک مسالہ خاص میں نہیں ہے اور نہ مذہب ایک مسالہ خاص کا نام ہے ایک مسالہ میں احتمال خطا سے مذہب کی اصلیت میں کچھ نقص نہیں آتا ہے تو خود مقلدین در بارۂ اصل مذہب بھی قائل ہیں کہ صواب محتمل الخطا ہے اور اس قسم کی خطا خود مذاہب صحابہ کبار میں موجود ہے جو کسی شناعت کی باعث نہیں ہے۔

سوم یہ کہ حلت بمعنی جواز بکثرت مستعمل ہے اور جواز میں کلام ونزاع نہیں نزاع کراہت واباحت خالصہ میں ہے۔

چہارم یہ کہ حلال بمقابلہ حرام ہے نہ بمقابلہ مکروہ پس اثبات حل سے نفی حرمت ثابت ہوگی نہ نفی کراہت اور حنفیہ کراہت کے قائل ہیں نہ حرمت کے۔

پنجم یہ کہ آپ کی ناخوشی کو اس مضمون مخترع پر محمول کرنا قصور فہم کا ہے واسطے کہ اس کا نام برا کہنا کسی محاورے میں نہیں ہے بلکہ قصور کارا اور بے تمیزی موقع وغیر موقع ہے۔

ششم یہ کہ محمل آپ کی حدود ارضامندی کا ظاہر یہ ہے کہ ہمارے قول کے مقابلے میں جب سن لیا دوسرے قول کو پیش کرتے ہو خواہ وہ قول موافق ہو یا مخالف ہو یہ ارتکاب اقدام تفریط واستخفاف منزلت عالیہ سے ملتا ہے ہوا ہے لہذا اس کو برا کہنے کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

ہفتم یہ کہ حنفیہ کے سامنے پیش کرنے اور ان کی نہ ماننے سے ان پر غضب ہونا لازم نہیں آتا بلکہ جب حنفیہ اہل اسلام بلکہ اہل سنت سے ہیں تو مناسب قصہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ان پر ناراض نہ ہوتے بلکہ حنفیہ پر غصہ فرماتے کہ برا کہتے ہیں اور تم ان کو ہماری طرف سے سمجھا دینا۔

ہشتم یہ کہ حدیث پیش کردہ سے مراد کیا ہے کوئی اور حدیث ہے یا یہی حدیث ہے اگر اور کوئی ہے تو اس کا یہاں ذکر نہیں نہ سوال میں نہ جواب میں اور نہ اس کا کچھ اشارہ اور اگر یہی حدیث مراد ہے تو **اولاً** حدیث نہیں خواب ہے در بارۂ حجیت حلال وحرام اس کے نہ ماننے میں حنفیہ بے چاروں کا کیا قصور جو خواہ مخواہ مکو بیدہ قرار پائیں۔

اور **ثانیاً** یہ کہ یہ حدیث خواب ان سے کس وقت بیان کی کیا اسی خواب میں بیان کر کے پھر اسی خواب میں آ کر یہ امر پیش حضور کر دیا۔

اور **ثالثاً** یہ کہ اگر بالفرض یہ حدیث خود انہوں نے خواب ہی میں از جانب آں حضرت حنفیہ کے سامنے بطور عالم مثال پیش کر دی اور انہوں نے نہ مانا تو اس کا جواب یہ فرماتا تھا کہ تو نے ہمارے قول کی مخالفت و تحقیر کرائی نہ یہ کہ تو نے مجھ کو برا کہا اب فرمایئے حجت تمام ہوئی یا نہیں۔

کودے کے زور کیا تب بھی ٹٹو ٹاپڑ　　　　　　اتنا بھجے ڈنڈوں پہ کتنے ہو سر چیریں گے

پھر رسالہ دار بے بہادر نے ضمیمہ نمبر ۲ کی طرف متوجہ ہو کر اول اعتراض یہ کیا کہ یہ مجموعہ مردود و اتہامات سابقہ کا ہے اور کہہ دیا کہ جو "جامع الشواہد" کے جوابات کاشف الکائد و جامع الفوائد وغیرہ با مطبوع ہوئے ان کا جواب تو نہ بن پڑا مگر انہیں اتہامات کو پھر درج کر دیا دوم اعتراض یہ ہے کہ مصنف ضمیمہ کے نزدیک معرفت خدا "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" سے حاصل ہوتی ہے اور ولایت اسی میں منحصر ہے اور دلیل اس کی یہ عبارت ضمیمہ اپنی خوبی فہم سے درج کی (حالانکہ یہ کہنا بالکل تعصب اور نفسانیت سے بھرا ہے اور خود معترض علم معرفت سے بے بہرہ) ع　　ناز م بریں فہم و دانش

نداء : یارسول اللہ اگر کفر ہے تو تمام جہان کے مسلمان اس کفر سے متصف ہیں

حصر ولایت اس میں کس لفظ سے سمجھا جاتا ہے اور اس کا باعث معرفت خدا ہونا کہاں سے سمجھ لیا؟ صاحب ضمیمہ کا تو مطلب اس قدر ہے کہ معترض علم معرفت و حقیقت سے جس کے رجال صوفیہ ہیں بے نصیب ہے اگر کچھ ذوق رکھتا ہوتا تو واہیات نہ بکتا کہ تعین شرک اس میں قائم کرتا اور اس سے طرفہ یہ کہ یارسول اللہ کہنے کو بھی شرک و کفر قرار دیتا تھا جہاں اور تمام سلف و خلف و اساطین دین کی تکفیر ہے اور بنیان شرع کا اصل سے منہدم کر دینا بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ معقول خود شرک و بدعت کی حقیقت ہی سے ناواقف ہے بلکہ کچھ بھی اس کے معنی نہیں سمجھتا جیسا کچھ مختصر سابقاً گزرا پھر اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ وصاحبین بلکہ طبقات سبعہ میں کسی سے کچھ یا مرمنقول نہیں ہوا بلکہ ان جہلا کے فقہا اسکو کفر لکھتے ہیں اور قرآن و حدیث میں بھی نفی ان کفریات کی موجود ہے سبحان اللہ حضرت کو قطع نظر تبحر علم حدیث کے فن تاریخ میں بھی کمال ہے بھلا یا شیخ عبدالقادر الخ کا امام ابو حنیفہ یا صاحبین وغیرہم سے کس طرح منقول ہونا ممکن ہے بھلا آپ کیسے خانہ ساز مرکبات تار عنکبوتی میں کیا مندرج ہے جن کے تیرہ سو اغلاط حضرت مولانا نے مناسب دعوے مجددی مائۃ ثالثہ عشر شائع فرمائے ہیں آیا یہ مندرج ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب بعد شیخ عبدالقادر پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ مقتضائے ناصبیہ حال خاندان ہے یا اس کے برعکس اور ذرا عنایت فرما کر ان فقہائے معتمدین کا نام بھی ارشاد ہو جو اسکو کفر قرار دیتے ہیں اور اگر کسی فقیہ کی تحریر فرض بھی کی جائے تو غایت اختلاف عالمانہ یہ ہے کہ ایک جانب خطائے اجتہادی ہو جیسے درباره ابن عربی بکثرت علمائے تکفیر کی تحقیق فقہی و ذوق باطنی میں تفاوت سے پھر کچھ اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں مگر نہ اس قدر جس قدر محدثین و نقاد رجال وار باب ظواہر کے درمیان میں متنازع جوتی پیزار چلی ہے اور قرآن کے آیات اور احادیث کے متون مع اسنات بھی بیان کیجئے جن میں نفی ان کفریات کی ہو پھر قدام

متعلقات کو ریں مت تصور کیجئے ذرا فرمایئے تو مجرد ندا شرک ہے یا توسل واستمداد کسی باب میں یا کسی شئی کی طلب بطور سعی وشفارش از قبیل شرک ہے۔

غیر خدا کو عطائے الٰہی علم غیب ہونا ثابت ہے

علم غیب کو خاصہ باری ہے لیکن اطلاع دے دینا غیوب پر یہ کوئی امر محال نہیں ہے اور نہ خدا کا علم محصور انہیں غیوب ندائیہ کے علم میں ہے کہتا ہے تا کہ مساوات سے اشراک لازم آئے اور نہ اس کا اختصاص مقتضائے وجوب ذاتی تا کہ عقلا اشراک لازم ہو ورنہ فلاسفہ اس کی بہ نسبت عقول وابیہ ونفوس فلکیہ لا بیہ میں کیوں اس احاطہ علمیہ کے قائل ہوتے اور نہ یہ اختصاص منصوص کسی نص صریح کا ہے ورنہ ارشاد ہوا اور پھر تماشے پر اپنے گھر کے ذرا دل شاد ہو باقی عبادت سے تو یہاں کچھ واسطہ ہی نہیں شرک فی التصرف بھی جب لازم ہو جب تاثیر مستقل کا اعتقاد کیا جائے ورنہ مطلق تصرف تو زندہ کی بہ نسبت مردے میں قوی ہوتا ہے جو متعلق روح ہے دیکھو شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں" وبعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمیگر دد واویسیہ تحصیل کمالات باطنی ازانہا می نمایند و ارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود ازانہا میطلبند ومی یابند"۔

ندائے غیر خدا و علم غیب کے مسائل کو مولانا حکیم وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے کتاب "وسیلہ جلیلہ" میں خوب مصرح لکھ دیا ہے اور ایک بات کو حدیث وقرآن سے ثابت کر دیا ہے اور بھی دیوان حنفی میں نواب سلوب الخطاب کو "ندائے اموات" میں خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور نواب صاحب کی غزل میں سے یہ شعر لکھا ہے۔

شیخ سنت مدد ے قاضی شوکانی مدد ے	حضرت عزوجل ایزد منان مدد ے

اور اپنی غزل میں اس کا جواب اس طرح دیا ہے۔

باید دانست کہ مولوی سید اولاد حسن	زمرۂ رای درا فتاد بارباب سخن
مدعی خواست مدد از گران من ازتو	فتوی در راہ سنت کی سراید
بدعت استمداد ہے اموات سے	اہل سنت کیوں ہے اثبات کے

"وقاضی شوکانی ہم دریں باب در الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید تعاقب صاحب قصیدہ بردہ کردہ استغاثہ وندائے اموات را شرک وبدعت شمردہ پس قائل قول زمرۂ رای الخ۔ را مخالفت ایں ہر دو بزرگوار کہ اول والد ماجد او ثانی استاد استاد است چگونہ جائز باشد خصوصا استغاثہ از روح قاضی شوکانی کہ خودش مانعش بود"۔

کی بہ پسند خرد خردہ بین	مدعیت ست تو ئی چست وچاق
تو بروی در پئے تصدیق او	آں پئے تغلیط قایں الوفاق

پس یہاں خود تمہارے ہی قول سے غیر خدا کو پکارنے اور اس سے مدد مانگنے میں غیر مقلد مشرک ہوا یا مقلد۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اذان کے وقت انگوٹھا چومنا جائز و مستحسن ہے

سوم اعتراض یہ ہے کہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا وقت شہادت اذان کے محض ناجائز ہے بتصریح تیسیر المقال ومقاصد حسنہ وخیر جاری ودر منثور وفتاوی شاہ عبد العزیز ومرزا حسن علی محدث اور صاحب ضمیمہ نے اس کو موجب ثواب واجر عظیم کہا اور حدیث کے موضوع کہنے کو حماقت وجہالت قرار دیا حالانکہ دروغ بے فروغ ہے صاحب ضمیمہ نے اس کے موجب ضلالت کہنے کو حماقت قرار دیا ہے اور موجب ثواب واجر عظیم تو صاحب ضمیمہ کی طرف سے محض جھوٹ لکھا گیا ہے اگر بالفرض اس کی حدیث موضوع ہو اور یہ امر براہین ثابت بھی کر دیا جائے اور احادیث اس بارے میں مطلقات ہوں ایک ہی حدیث ہو تب بھی عمل کا ضلالت ہونا ثابت نہیں ہو سکتا غایۃ الامر یہ ہے کہ بر تقدیر ثبوت احادیث ثواب بھی ثابت ہو تا اب اباحت اصلیہ وجواز طبعی پر قائم رہا جس کو نواب معزول بلفظ براءت اصلیہ اپنی کتاب میں تعبیر کرتے ہیں اور اگر نیت نیک اور از راہ محبت وخلوص ہے تو ثواب کا ترتیب بنظر عموم احادیث نیت ہوگا ضلالت وگمراہی جب کہنا ممکن ہے کہ کوئی واجب یا مسنون مؤکد قرار دے باقی یہاں بھی از راہ عنایت عبارات ان کتب کے قلم بند فرما دیجئے میرے نزدیک تو کوئی عبارت آپ کے مفید مدعا نہیں ہے مگر عبارت اس کی ہو جو مستند اہل حق اور قابل احتجاج ہو۔

سماع موتی احادیث سے ثابت ہے

اور **چہارم** اعتراض یہ ہے کہ صاحب ضمیمہ نے انکار عرض اعمال وسماع موتی واستفادہ ارواح پر بہت تشنیع وملامت کی ہے اور اس کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے حالانکہ یہ امور احادیث صحیحہ سے ہرگز ثابت نہیں اس کے بعد پھر رسالہ دار نے بعض بدعیہ رسالہ کہ کرامت ارواح اولیاء کا انکار محض کر دیا اور کہہ دیا کہ از روئے شرع محض بے اصل ہے اور محققین صوفیہ بھی منکر ہیں جیسا کہ فصوص حضرت شیخ ابن عربی میں ہے اور سماع موتی کا انکار تمام شروح فقہ میں مذکور ہے یہاں تقلید امام کہاں جاتی رہی پھر رسالہ دار نے سماع موتی واستمداد اہل قبور کے قائل ہونے کو ترویج شرک قرار دیا اور امام صاحب ودیگر فقہاء وائمہ کو منکرین سماع واستمداد میں داخل کیا واور سے دلیری وجسارت ودروغ وبہتان بندی کہ مسیلمہ کذاب بھی شاگرد کر لیا اور واہ رے بے حیائی اور الحاد وبے دینی واقعی لامذہبی اسی کا نام ہے اور یہی اس کا نچوڑ اور انجام اور لا سنیے عرض اعمال بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم | چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اگر پھر تم کو کوئی بعد پوچھنے کے بھی حدیث نہ بتلائے تو ہم سے دو چار حدیث کا سبق پڑھ لینا۔

کرامات اولیاء حق ہیں

اور **ثانیاً** صدور کرامات روحیہ اولیا خود ایک امر متوارث و متواتر و یقینی ہے بلکہ مشہود عالم ہے اور اخبار و آثار میں انکار اس کا کہیں نہیں بلکہ اقرار و اثبات موجود ہے دیکھو شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر میں خود فرماتے ہیں: "وبعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ" اور در باب استمداد اوسی کے آگے لکھتے ہیں "و ارباب حاجات و مطالب و حل مشکلات خود از انہا می طلبند و مے یابند" اور تحفہ میں فرماتے ہیں "و نیز از یں ست کہ حضرت امیر و ذریہ طاہرہ او را تمام امت بر مثال پیران و مرشدان می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند"۔

ثالثاً کہ صوفیہ کو مطلقاً انکار نہیں ہے بلکہ بتراوشدہ و دروز و ر جوش اسکو ثابت بلکہ متواتر و مشہود و روز افزوں و مترقی سمجھتے ہیں اور ترقی بعد الموت کے برابر قائل ہیں اور اولا حضرت شیخ کا انکار نہیں۔

اور **ثانیاً** تم بلکہ تمہاری ہفتاد پشت اساتذہ و ائمہ کو بھی ان کے فہم کتب کا سلیقہ نہیں خصوصاً فصوص کہ از حد بعید از افہام متوسطہ ہے اور مسوسات ملحقہ بھی بکثرت ان کے کتب پر نظر کرنے سے تو تمہارے ہی تعین و فضلائے کاملین کو بھی منع کیا گیا ہے اور وہ خود فیما بین اہل ظاہر مختلف فیہ ہیں۔

اور **ثالثاً** تمہارا یہ منہ نہیں ہے کہ بلقب حضرت شیخ ان کو یاد کرو اور ان کی سند من ثمن الصوفیہ پیش کرو اس واسطے کہ تمہارے گرو گھنٹال اور ان کے اذناب و ذریات و فضلات فاسدہ معتقد سب ان کے درپے ہو کر اعتقاد الحاد و کفریات کی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں اور زندیق و مردود و ملحد سمجھتے ہیں اور اس قدر طعن و تبرا کرتے اور سخت و سست اور برا کہتے ہیں کہ "العظمة لله" مگر تم بے شرموں کو تہافت و خبط و بے ہودہ سرائی و ہرزہ درائی سے کیا حیا ہے۔

اور **رابعاً** کہ سماع تو ہم سمجھا چکے کہ فقہا کو اصل سماع سے انکار نہیں اور نہ انکار مسلمان کو ممکن کہ حدیثیں اس میں صحاح کی موجود اور نہ صحاح کی ہوتیں تو اس سے زیادہ کہ وہ احادیث بکثرت بے شمار طرق خود متواتر ہیں کیا حدیث "لیسمع خفق نعالهم" بھی یاد نہیں پھر ضروریات دین کو شرک قرار دینا ایسا تضاد و حقیقی قائم کرنا تمہارا ہی کام ہے آئندہ نماز روزہ کو بھی شرک میں داخل کر دینا۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اور **خامساً** ذرا از راہ عنایت جناب امام و صاحبین کا انکار سماع و استمداد و کسی ان کی معتمد کتاب سے نقل کر دیا اُن خدام پاپوش متعلقات کو دین و منت تصور کرتا۔

اور **پنجم** اعتراض پھر وہی مسائل استمداد اور ہے بے ساختہ بے دھڑک لکھ دیا کہ محققین اس عقیدہ استمداد کو محض بدعت و گمراہی جانتے ہیں ان محققین کا نام ارشاد ہو مگر اس قدر خیال رہے کہ یہ لاہوری عظیم آبادی پشاوری بھوپالی قنوجی وغیرہ وغیرہ نہ ہوں جو اعدائے محققین بلکہ اعدائے دین ہیں کیا شاہ صاحب محققین میں سے نہیں ہیں جنہوں نے صاف استمداد کو بیان فرما دیا اور اگر ہم سے مطالبہ قائلین استمداد کا ہو تو جو تعداد مطلوب ہو اسی قدر پیش کی جائے پھر ایک تماشا یہ کہ یہاں شعر۔

تو تا کے گور مردان پر اپر تی　　　بکرو کا ر مردان کن ور تی

اپنی تائید میں نقل کر دیا۔ نازم بریں شرم وحیاء۔ اتنا سمجھا کہ صاحب ضمیمہ نے اپنے موافق یہ شعر لکھا اور اس کے معنی بیان کر دیے بھانڈ سے نے رانڈ بن کر سانڈ کیا اور پھر نقل بالمساحقہ سے منہ چڑھایا۔

اور **ششم** اعتراض وجوب تقلید امام واحد پر کیا اور اس کو تقلید شخصی سمجھ کر مخالفت کلام سابق کا مناقشہ کیا حالانکہ وحدت سے مراد اگر وحدت شخصی ہو تو اس وقت اس سخن پر نظر کیا جائے پھر اس کا وہی جواب مبسوط سابق ہمارا کافی ہے اور نوعی یا عام از شخصی و نوعی ہو تو سرے سے اعتراض بے معنی ہے ہاں کچھ کچھ کاسہ گری محنت کی چیز دوسروں نے سر پر دھری اور جو کچھ بھری تھی وہ بھری اس کا مفت نام ہوا اور دولت ملی جس میں نہ ہلدی لگی نہ پھٹکری۔

ایصال ثواب جائز ہے

اور **ہفتم** اعتراض یہ ہے کہ تیج آیت دسوم میت وغیرہ امور کا جائز قرار دیا حالانکہ یہ سب امور جملہ محققین کے نزدیک بدعت ہیں اور تمام محققین حنفیہ کے نزدیک باطل ہیں واہ رے افترا پردازی اور بے تکی فرس تازی وہ کون محققین ہیں ایک کا نام درج ہو یا وہی سہسوان کے متقلعین و منفعلین کی فوج اور اشرار مبتدعین قنوج یا وہی بہار و پٹنہ و دہلی کی ہمزہ م ثال یا وہی غلامان غلام نواب بھوپال یہاں اس کے مقابلہ میں آپ بھی سنئے کہ ایک عورت میرٹھ کی ایک مسجد میں عین حالت نماز ظہر میں اپنے ہاتھ سے بار بار اپنے کان ملتی ہوئی نظر آئی بعد نماز اس سے پوچھا کہ کیا مذہب ہے کہا محمدی پوچھا کہ بار بار کانوں میں خارش کیوں اٹھی تھی؟ ہم سے کہا ہوتا گوشمالی واجبی دیتے ہیں کہا بخاری میں حدیث آئی ہے کہا گیا کہ پڑھو زبان حال سے صادر ہوا کہ ان پڑھ ہوں اچھا پھر کس نے بتلائی کہا مولوی نذیر حسین نے کہا گیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حدیث نہیں آئی جو منسوخ نہ ہو اب تم ظلم دا معتقد اد میں کس کو بڑا سمجھتے ہو امام صاحب کو یا مولوی کو بے ساختہ یہ نکلا کہہ دیا کہ مولوی نذیر کو پس تقلید اس کا نام ہے نہ اس کا جو اہل سنت اہل حق کرتے ہیں اگر کلمہ رد یہ بھی زبان پر لائیں تو خوشہ بردار کاسہ لیس ثابت قدر رہیں اور رسالہ دار نے مثنوی کے اشعار لکھ کر عجب دھوکا دیا ہے یہ اشعار تو اسی تقلید شرک و حرام کے رد میں وارد ہیں جیسا کہ صاحب ضمیمہ نے صفحہ ۷۲ میں تفصیل تمام لکھ دیا ہے پس یہاں ان اشعار کا لکھنا کسی طرح مناسب نہ تھا اگر ایسی ہی بدفہمی اور کج بحثی پر ہمت آمادہ تھی تو رد تقلید میں یہ آیت لکھ دی ہوتی کہ نام تو قرآن کا ہو جاتا۔ ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ آبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾۔

چلتے چلتے چند باتیں بطور خاتمہ

باقی رسالے کا خاتمہ اس فریب اور دھوکہ اور دغا پر کیا کہ مولفین و معترضین نے اعتراضات ظفر مبین کو تسلیم کر لیا اور تصدیق کے لئے مہر و دستخط کر دئے اور اس پر بڑا شکرانہ ادا کیا اور بہت کودے اچھلے مگر کیا دل جانتا ہوگا جو جارحین نے خاتمہ کی

پس وحش سے خبر لی ہے پھر کیا ہے منہ میں پسندہ اور دل کندوتر س آ گندہ اور بوزنہ کا خندہ " اِذَا ضَحِكَ الْقِرْدُ يَبْكِي اِسْتُهٗ "۔
پھر دلیل عمدہ اس تسلیم پر تحریر فرمائی کہ حوالجات کتب حنفیہ کو مسلم کرلیا کہ ہاں یہ عبارات ان کتب کے ہیں حالانکہ یہ بھی غلط اگر یوں ہوتا تو اس سے اور تسلیم اعتراض سے کیا علاقہ اور واسطہ صاحب علم کہلا ؤ اور فاضل یکتی نام رکھاؤ اور یہ طبیعت اور یہ سلیقہ اور یہ فہم اور یہ کمات اور یہ دانوں لیکن مضائقہ کیا ہے عامل بالحدیث ہیں۔" اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ " ہم نے جو اس جواب رسالہ میں بعض الفاظ ومناسب مطایبہ وظرافت عوام ومضحکات مضحکہ اعلام نازل تر مرتبہ اعلائے مناصب اہل علم سے درج کیے ہیں وہ اس طور پر ہیں کہ ناظرین کو مسرت ہو اور منکرین کو خجالت نہ اس طرح کہ جواب ترکی بہ ترکی نہ دھمکی نہ گھرکی۔
" وَالْاِثْمُ عَلَى الْبَادِئِ وَالْبَادِئُ اَظْلَمُ وَجَزَاؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا هٰذَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ "

تنبیہ الآسی علی تشنیع الاناسی

مصنف: حضرت علامہ عبدالعلی آسی مدراسی رحمۃ اللہ علیہ

یہ دیوان جو روح میں فوس سے لکھا گیا اس میں نہایت تہذیب اور شائستگی کے ساتھ کام لیا گیا اور معترض کو جواب باصواب دیا گیا اس فوس میں سوائے طعنہ زنی واعتراضات بےمعنی وایرادات لایعنی کے دوسری کوئی بات موجب تحقیقات نہ تھی جو دلائل عقلی ونقلی کی ضرورت پڑتی کہیں مقلدین کو مشرک بنایا اور کہیں کافر ٹھہرایا غرض جو جی میں آیا اور زبان میں سمایا برائے خاک اڑایا۔ شعر

باطعن وطنز وبخط ولعن وتبرا داری | انچہ شیعہ ہمہ دارند تو تنہا داری

بالخصوص علمائے دارالعلم والعمل فرنگی محل کی شان میں کیسی گستاخی کی ہے بلکہ بےادبی کی وادودی ہے چنانچہ صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے (منت مولویان فرنگی محل کا اور حاشیہ کسبیوں کا) واہ سبحان اللہ کیا تہذیب ہے اہل علم سے ایسی شہدانہ گفتگو اور میں میں تو تو۔ بھلا کسبیوں کا یہاں کیا کام تھا اور رنڈیوں کے ذکر سے کیا مطلب نکلا مگر ان زانیات خیشاب کے بیان سے اپنا منہ خود گندہ کیا بلکہ اس سے بڑھ کر علمائے موصوف کی شان میں ایک قطعۂ جاہلانہ بلکہ اپنی جہالت کا پتہ ضلالت کا نشانہ ایسا واہیات لکھا ہے کہ قطع نظر رکیک کلمات ونامتاسب بندش کے شاعری کا نام بدنام کیا ہے۔ قطعہ

گئی اس پانچ پہ ترے کل مت | فرنگی محل کے لقوں کی گٹ بٹ

سفیدی اڑگئی چہروں سے ان کے | تجالت سے ہوئے ہیں جوں سیہ بھٹ

بیک کونسل ہو سارے جمع قسمیا | رہے تقلید کے کرجا میں مرمٹ

جوابات ترکی بہ ترکی نثر کا نثر میں نظم کا نظم میں

واہ واہ کیا کہنا کہ رذیل قافیہ ای کا نام ہے شہدوں اور لچوں میں آپ ہی کی دھوم دھوم ہے علماء اور بچے یہ آپ کی ہی شان ہے فرنگی اور گٹ پٹ یہ آپ ہی کی زبان ہے اگرچہ آپ نے بازاری عوام الناس کی پھکڑی بازی میں اول درجے کا نمبر پایا مگر جس میں مطلع ہوا اس کو قطعہ لکھا کس شاعر بےشعور نے آپ کو بتایا اور آپ نے کس ٹکسال سے یہ کھوٹا سکہ پایا حالانکہ قطعہ اس کو کہتے ہیں ملاحظہ کیجئے اور جواب باصواب بھی سن لیجئے۔

تو لامذہب ہے لاتہذیب بھی ہے ‏ کہیں ان دو سے اک دن جائے گا پٹ

کربلا تھا چڑھا پھر نیم پر تو ‏ بڑھا نمبر ترا اک فٹ سے دو فٹ

صلہ اس بدزبانی کا میں کیا دوں ‏ بجائے آفریں تجھ پر ہی پھٹ پھٹ

یہ گندے قافیوں کا ترا پرچہ ‏ پڑی ہے گندگی میں اک سڑی چٹ

نہیں میدان نہیں چوگان نہیں گوی ‏ نہ آن جولا تجھ طفلانہ کرکٹ

کیوں اب تو آپ نے نئے قافیوں کا جواب ترکی بہ ترکی سنا کیوں آپ نے قطعہ کے اصطلاحی معنی کا خیال نہیں کیا آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں میں آپ کی بدنامی ہوئی اور ساری شاعری کی قلعی کھل گئی بھلا یہ کیسی مذہب میں بھی جائز ہے کہ جب حنفیوں کے مقابلے میں کچھ جواب بن نہ آئے گا تو گالیاں دینا شروع کردے اور فحش کی گندگی سے منہ اپنا بھر دے۔ چنانچہ اسی قطعہ مذکورہ کے بعد قصیدہ بدمذہب کے قافیہ کا لگا ہے بالکل بدتہذیبی اور دشنام ہی سے بھرا ہے۔

ان لوگوں کے سراسر رگ رگ میں ہے بھرا شر ‏ شرٌ آخرٌ ذاناب آتا ہے صادق ان پر

کہتے مقلدین کو ہیں مشرک اور کافر ‏ اک آپ اکیلے مسلم توحید والے بن کر

فوس المحققین تو برائے نام نام کتاب کا نام رکھ کر بدنام کہ نام کو بھی کہیں تحقیق سے کام نہیں لیا نہ دلیل ہے نہ برہان نہ حدیث ہے نہ قرآن جس نے اس کتاب کو دیکھا اور **فتح المبین** سے ملایا تو من چہ سرایم و طنبورہ من چہ سراید کا مضمون پایا اتنی بڑی ضخیم کتاب فتح المبین کو دیکھئے اور دو ورقی کتاب **فوس المحققین** کو ملاحظہ کیجئے کہ یہ جواب اس کا ہو سکتا ہے بھلا کوئی شورہ زار زمین میں تحقیق کا بیج بو سکتا ہے ہرگز نہیں ادھر ادھر کی بے تکی غپ شپ اڑا کر لوگوں میں شہرت دے دی کہ ہم نے فتح المبین کے جواب میں فوس المحققین لکھی حالانکہ ایک بات بھی جواب میں بن نہ آئی بلکہ ہر جگہ منہ کی کھائی۔

کیا ہوئی تیغ زبانی تیری ‏ کہاں سیف لسانی تیری

سن لے سب زمزمہ خوانی تیری ‏ کچھ نہ فلسفہ دانی تیری

میں پوچھتا ہوں کہ جب ان لامذہبوں کو تقلید اور تحقیق اور قیاس شرعی سے انکار ہے اور فقہا اور محققین کا گالیاں دینا ان کا شعار ہے تو پھر اپنی کتاب بلا ہیت انتساب فوس المحققین کا نام کس زبان سے لیتے ہیں کہیں بھولے سے بھی تقلید و تحقیق کے پاس کھڑے نہیں ہوتے ہیں جو لامذہب ہے وہ غبی ہے بلکہ غباوت کی شان سے لامذہبی ہے۔

عجب راہ گم کردہ لامذہبی ہے ‏ نہ اس میں رہ دین نہ راہ نبی ہے

یہ لامذہبی ہے کہ یا گمرہی ہے ‏ یہ لامذہبی ہے کہ یا نیچری ہے

نہ اس میں پیمبر کی پیغمبری ہے ‏ نہ اس رہ میں اصحاب کی پیروی ہے

نہ سنت کی اس میں صراط سوی ہے نہ اس کی اجازت ائمہ نے دی ہے
نہ اس میں رہ حفظ دین نبی ہے نہ اس رہ میں اسلام کی مستوی ہے
کسی نے نہ یہ راہ تحقیق لی ہے کسی سے نہ بے قیدی اس کی سنی ہے
جہاں دیکھئے واں نئی روشنی ہے پسندیدہ ہر اک کو طرز نوی ہے
ولے راہ تقلید راہ سوی ہے یہی راہ سب راہوں میں مستوی ہے
اسی رہ میں راہ کرم گستری ہے اسی رہ میں راہ بشر پروری ہے
یہ بے قیدی اسلام کی خودسری ہے وہ تقیید تقلید کی بہتری ہے۔
یہ ہے معتقد اور وہ اجتری ہے یہ ہے معتقد اور وہ سرسری ہے
رہ بوحنیفہ ہے یا شافعی ہے رہ ابن حنبل ہے یا مالکی ہے
سبھوں کو اسی راہ میں رہ ملی ہے سبھوں کی اسی راہ میں مخلصی ہے
اسی راہ میں راہ پیر ولی ہے اسی راہ میں خلق کی رہبری ہے
یہ وہ راہ ہے جس نے نور دلی ہے یہ وہ راہ ہے جس سے دل میں جلی ہے
یہ وہ راہ تقلید کی مل گئی ہے ہر اک دل کی جس سے کلی کھل گئی ہے
والا سوا اس کے جو رہروی ہے وہ سب نفس امارہ کی پیروی ہے
وہ موصل سو سوء نفس دنی ہے وہ منجر سو شاہراہ بدی ہے
بلا شبہ راہ مذبذب یہی ہے اسی میں تذبذب کی نالاتی ہے
اسی راہ کا نام لامذہبی ہے نہ الا الذی ہے نہ الا لذی ہے
یہ پھبتی بھی کیا خوب ہی چھا گئی ہے کسی کو ہے رونا کسی کو ہنسی ہے
موافق کو یہ خندہ خندیدنی ہے مخالف کو یہ گریہ جان کندنی ہے
خودی پر یہ قول اس اکا خود مجتہی ہے وہ خود ہی گرفتار دام خودی ہے
کہے جو مقلد کو یہ بدعتی ہے وہ خود مست تقلید نفس دنی ہے
خودی پہ یہ قول اس کا خود مجتہی ہے وہ خود ہی گرفتار دام خودی ہے
جو خود بین ہے آپی وہ خود ہی غوی ہے طبیعت میں اس کی خودی خود جی ہے۔

کیسی خوبی کہ حضرت سراج الامہ امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت اور درایت پر بھی خود پسندی اور زیر خندی کے آواز کسنے لگے اور سڑے ہوئے آنے کی طرح خود بخود ابلنے لگے اور ظاہر ہے کہ آپ سب ائمہ مجتہدین میں اجتہاداً واتقاً وارواءیۃ ودرایۃ اعظم الائمہ واکرالامہ ہیں اسی وجہ سے آپ سارے مجتہدین اور محدثین میں محسود ہیں اور محسود اور محسود پر حاسدوں کے مطاعن تو ہمیشہ سے ہوا کرتے ہیں کوئی نئی بات نہیں اور خلاف عادات نہیں کہ "اَلنَّخْلُ بِالثَّمَرِ یُرْمٰی بِالْحَجَرِ" اس میں کیا شک ہے کہ غیب سے آپ کا لقب امام اعظم ہو گیا اور شرق سے غرب تک لقب علم ہو گیا کہ اور مجتہدین کا نام لیا جاتا ہے اور آپ کے صرف لقب پر اکتفا کیا جاتا ہے یہ عظمت ومرتبہ من جانب اللہ ہے نہ کسی مجتہد کی یہ عزت وتکریم ہے نہ کسی محدث کی یہ جاہ وتعظیم ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ان حاسدوں کے طعن کرنے سے امام صاحب کا کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ خود طاعنین کا زیاں ہوگا۔

بحر اعظم آں امام اعظم است	کز علم در عالم ایں وصف اعلم ست
بحر اعظم بحر زخارست وبس	بحر اعظم راچہ نقص از خار وخس

وہ کون؟ امام اعظم همام افخم مستند ا فاضل العرب والعجم مقدام الامم حبر اكرم خير مجسم امام المجتهدين باتفاق ارباب اللطائف والحكم الفقيه الاعلم صاحب الدليل المحكم جميل الشيم نائب جوامع الكلم سلطان المحدثين والمفسرين برهان اهل الحق واليقين مخبرالاحاديث النبويه وارث المواريث المصطفويه العالم بدقائق فصل الخطاب الواقف علي الاحكام المستخرجه من السنة والكتاب العامل بمعاملة رسول الثقلين السالك على مسلك شريعة سيدا لكونين مقتدي ايمة الخافقين سراج الامة في الدارين كاشف المشكلات العقليه فاتح المغلقات النقلية مقنن قوانين الدين مفتن الافاتين عن اصول الشرع المتين صاحب الولايه الكبرى شمس الهداية العظمى الناطق بالصواب والحق وهوالمجتهد المطلق اول المجتهدين وافضل التابعين المستغرق في بحر معرفة الباري تعالى وصفاته وتصديق رسوله بمعجزاته الكبرى العالم بعلم الايمان والاديان وبمدارك الاحكام واقسامها وطرق اثباتها ووجوه دلائلها وتفاصيل شرائطها ومراتبها وجهات ترجيحها عند تعارضها والتقصي عن الاعتراضات الواردة عليها وله ملكة معرفة حال الرواة وطرق الجرح والتعديل واقسام النصوص المتعلقة بالاحكام وانواع العلوم الادبيه من اللغة وتصريف والنحو الاشتقاق والمعاني والبيان والبديع العروض والقوافي والرسم والقراء والمحاضرات والخطب واصول الدين والفقه والحديث والتفسير وغير ذالك وهوالحافظ الحجة

الثبت الحاكم علم الزهاد واوحد العباد لاصول المتكلم امام الايمه مولى الامه سند المجتهدين
وسيد الحفاظ فارس المعاني والالفاظ فريد العصر فريع الدهر نادرة الزمان ترجمان الحديث
والقرآن سريع الادراك سيال الفهم كثيرالمحاسن دائم الابتهال قوى التوكل ثابت الجاش نديم
الاوراد والانكار آية من آيات رب العالمين معجزة من معجزات سيد المرسلين وارث الانبياء راس
الاولياء بركة الاسلام حجة الاعلام برهان المتكلمين سلطان العارفين محيي السنه ومن عظمت به
لله علينا المنه وقامت به على اعدائه الحجه استبانت ببركته وهديه المحجه نموذ الخلفاء
الراشدين والايمة المهدين الجامع بين الظاهر والباطن فهو يقضي بالحق ظاهر اوقبله في العلى
قاطن راس الموحدين تاج المتبعين شيخ الرواية والسماعة على الاستاد السابق في ميدان
الاجتهاد على الاكابر الامجاد المطلع على حقائق الشريعة ومواردها العارف بغوامضها ومقاصدها
برع على اهل العلوم العقلية والنقلية حتى احرز جميع المعاف واتفق على تحقية المخالف
والموالف صار مشار اليه في علوم الاجتهاد بالبنان ومحلي في معرفة غوامض الشريعة
عند البرهان كان عالما حق العلم بلغة العرب ولسانهم ومذهبه من بين المذاهب احكم واصوب
واقوى واشرف بل اوفق بالكتاب والسنة وابعد عن شوائب الاراء المحضة وسوء المظنه الا انه اذا
خلا عنهما ولم يوجد فيه دليلهما بعبارة النص ودلالة واقتضائه واشارته فيقضي بالاجماع
والقياس وهو سيدالورى صاحب التقوى خزانته الاسرار مطلع الانوارد والسيرة الجميلة
والمناقب الجليلة والمحاسن العلية والمقامات العاليه والاحوال الباهرة والمكاشف الزاهرة
والاكرامات الخارقة والانفاس الصادقة والمعارف القدمية والاداب الدينية والخلاق المرضية
والتربية سلوك الطريقة والجمع بين الشريعة والحقيقة عين الاعيان شخص العرفان صائم
الدهرقائم اليل بيضة العصر مشمر الذيل والايمة الحنفية المجتهدون فى المذهب اكثر من ان
تحصى وازيد من ان تستقصى فمنهم الامام القاضي ابو يوسف والامام زفرو والامام محمد وهم
كانوا من اهل الاجتهاد وقد بلغوار تبته بكمال الاسناد والاستناد وابن المبارك المحدث المروزى
والامام داؤد ابن نصير الطائى الكوفى ووكيع بن الجراح ويحى بن زكريا والحسن بن زياد
اللؤلؤى الكوفى حماد بن الامام ابى حنيفة واسمعيل بن حماد المذكور ويوسف ابن خالد صاحب
ابى حنيفة وعافية بن يزيد الكوفي وحبان ومندل ابنا على الفزى وعلى بن مسهر الكوفي والقاسم

بن معن اسد بن عمر بن عامر واحمد ابو حفص الکبیر وخلف بن ایوب من اصحاب لامام محمد وشداد بن حکم من اصحاب زفر وموسی بن نصر الرازی وموسی بن سلیمان الجوز جانی وھلال بن یحی النصری ومحمد بن سماعۃ ابو مطیع الحکم بن عبداللہ القاضی راوی کتاب الفقہ الاکبر عن الامام الھمام ابی حنیفۃ وفی مدینۃ العلوم ان للامام ابی حنیفۃ سبع مائۃ وثلثین رجلا من تلامذتہ بل اکثر من ذلک وھوا السواد الاعظم من العرب والعجم۔

پس آپ کے تلامذہ وراشدہ اور مقلدین حنفیہ کی یہ برکت اور کثرت اس خیر وبرکت کا اثر ہے کہ جب ۸۰ھ میں ثابت امام صاحب کے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ثابت بن زوطا بن ماہ کے لیے دعائے خیر وبرکت فرمائی۔

کما قال اسمعیل بن حماد بن ابی حنیفہ نحن من ابناء فارس من الاحرار ماوقع علینا رق قط وولد جدی ۸۰ھ ثمانین وذھب ثابت الی علی رضی اللہ عنہ وھو صغیر فدعالہ بالبرکۃ فیہ وفی ذریتہ ومات ببغداد سنۃ خمسین ومائۃ علی الاصح۔

امام اعظم تابعی تھے

اور باتفاق محققین اہل حدیث سوائے فضل وخیریت قرون ثلاثہ پانے اور اجتہاد میں امام اعظم اور مجتہد اول ہونے کے تابعی ہونے کا رتبہ بھی آپ کو حاصل ہے اس واسطے کہ آپ کو آٹھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملاقات کرنے کی نوبت آئی چنانچہ (۱) انس بن مالک (۲) عبداللہ بن ابی اوفی (۳) سہل بن سعد (۴) ابوالطفیل وغیرھم کے شرف لقا سے آپ مشرف ہوئے اور بعض سے روایت کرنا بھی آپ کا ثابت ہے۔

كف النعمان فخرا ماروا ه | من الاخبار من غرر الصحابه
وما خبر من الله العظيم | وما خبر النبي الا اصابه

کیوں نہ ہو آپ چشم وچراغ دودمان مصطفوی باغ وبہار خاندان مرتضوی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسب معنوی اور فیض باطنی کا استفاضہ فرمایا ہے اور انہیں سے آپ کو بیعت بھی تھی اور برسوں آپ نے اپنے پیر ومرشد کے عتبہ عالیہ کی جاروب کشی کی ہے اور بحسن عقیدت تمام آپ کے مزار پرانوار پر حاضر ہوتے رہے اور حافظ قرآن تھے بارہا آپ ایک ایک جلسے میں قرآن شریف ختم کرتے تھے اور صاحب زہد ورع وتقوی اس درجے کے تھے کہ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ۔

مارایت احدا اورع منہ واتفق العلماء قاطبۃ من اھل الفقہ والاصول والحدیث واللغۃ والنحو وغیرھا علی امانۃ ودیانۃ وعد اللہ وزھدہ ومجاھد نفسہ وتصفیۃ قلبہ واتباعہ للحدیث والقرآن مع تد

بـو مـعـانیهـا و غـایة ورعـه وتـقـواه وجوده وحسن سیرته و علوقدره وجودة قریحته ووفور فقهه وحـدة ذهنه وفهمه فی العلوم الدینیة والمعارف القدستة وکثرة اطلاعه علی طرق الحدیث ووجوه عـلله ودقة نظره فی استنباط المسائل الفرعیة من الاصول الشریعة وکما قال قوة اجتهاد علی نهج مـقـصـود الشارع واحاطة علی الاخبار باجمعها مع علم الجرح والتعدیل وتمیز الغث والسمین من الصحیح والسقیم وقد کثرت فی مناقب ذالک الامام الهمام الاسفار الکبار ولم تبلغ ساحل هذا الحبر الـذخـار مثل خیرات الـحسـان فـی تـرجـمة الـنعمان للعلامة ابن حجر المکی الشافعی وتبلیض الـصـحـیفة فـی مناقب ابی حنیفة للحافظ جلال الدین السیوطی وشقائق النعمان للعلامة جارالله الـزمـخشـری والبستـان فـی مـنـاقب النعمان للشیخ محی الدین الحنبلی وتحفة السلطان فی مناقب الـنـعـمـان لـلـعلامة ابن کاس وعقود الجمان فی مناقب النعمان للامام ابی جعفر الطحاوی صاحب معانی الاثار وغیرها کبار الاسفار۔

پھر بااین ہمہ مناقب مسلمہ ومحامد متقدا یسے امام عالی مقام کو نہ مانے تو وہی مثل ہے کہ۔

شَمْسُ السَّنَاءِ تَزِیْدُ فِیْ عَیْنِ الْوَرٰی نُوْرًا وَتَعْمِیْ اَعْیُنَ الْخُفَّاشِ

مناقب امام اعظم در زبان فارسی

اور تذکرۃ ''الاصفیاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ اعظم کوفی رضی اللہ تعالی عنہ کنیت وی ابوحنیفہ ولقب وے امام اعظم ونام نعمان بن ثابت وے از خیر التابعین وامام اول از ایمہ اربعہ دین و با امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ صحبت داشت وفیض تام از ان قیام زمان حاصل کردہ وے مطعن کس مراد اصحاب کبار نبوی دیدہ است وروایت ہم از بعض ایشان کردہ کہ اسامی ایشان ایمہ انس بن مالک جابر بن عبداللہ وعبداللہ بن انس، وعبداللہ بن ابی، وعبداللہ بن حارث، ومعقل بن یسار، وواثلہ بن اسقع وستاد فضیل بن عیاض، یوو ابراہیم بن ادہم، وبشر حافی، وداؤد طائی، رحمہم اللہ وصاحبین نیز شاگردی اندکہ امام ابو یوسف وامام محمد باشند وصاحب کشف المحجوب در تعریف اور حضرت امام اعظم امام امامان ومقتداے سنیان اشرف فقہا وعلما نوشتہ وگو ید کہ ہرگاہ بطواف روضہ منورہ رسول اللہ ﷺ میرفتی گفتے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ جواب آمدی عَلَیْکَ السَّلَامُ یَااِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

وحضرت یحیی بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ مقر باید کہ چوں پیغمبر خدا ﷺ را بخواب دیدم عرض کردم کہ یا رسول اللہ این اطلبک یعنی کجا جویم ترا فرمود ے عند علم ابی حنیفہ۔ یعنی نزد علم ابوحنیفہ وخواجہ محمد پارسا در فصول ستہ نوشتہ کہ موجود مسعود امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ بزرگتر یں معجزات پیغمبر ماست ﷺ بعد از نزول قرآن مجید ویرا مذہبی کہ عیسی علیہ السلام بعد از نزول تا حکم

سال موافق آن مذہب حکم خواہد کرد پس ازیں عبارت اتباع طریقہ مفضول مر افضل را کہ پیغمبر جلیل القدر ست بر سبیل تفضیل مفضول وترجیح مرجوح لازم نیاید چنانکہ بعض ظاہریہ دریں شبہ افتادہ اند کہ طریقہ حضرت امام اعظم عین طریقہ اتباع شریعت محمدیہ است در راحت القلوب ملفوظ حضرت فرید الدین شکر گنج قدس اللہ سرہ منقول ست کہ در آخرین حج چوں امام اعظم بطواف خانہ کعبہ رفت شبے در دروازہ خانہ کعبہ بدست مبارک گرفتہ بر یک پا ایستادہ و نصف قرآن خواند و نصف دیگر پائے دیگر ایستادہ ختم کرد و گفت (ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک)

ہاتفے آواز داد کہ اے ابو حنیفہ شناختی تو مرا نیچہ حق شناختن بود عبادت کردی انچہ حق عبادت ست پس بیامرزیدم ترا باتابعان تو۔

اور اعتراض تو سلف سے بڑے بڑے لوگوں پر چلا آیا ہے کوئی نئی بات نہیں لیکن وہ جہلا جن کو حدیث وفقہ واصول دین میں بالکل تمیز نہیں اور علوم عربیہ سے محض بے بہرہ امام صاحب پر اعتراض کرتے ہیں کہ عربیت میں قلیل الاستعداد تھے سبحان اللہ۔

شوق اب بھی ہے بعض یاروں کو ۔۔۔ مینڈکی بھی چلی مداروں کو

امام اعظم کے ارشاد ”ولو قتلہ باباقبیس“ کی تحقیق

حالانکہ ایسے امام جلیل القدر کا لوہا عربی ادب دانی اور عربیت کے ملکہ لسانی میں بڑے بڑے ادبا، بلغاء خطباء شرق سے غرب تک مانے ہوئے ہیں اور جن کی تمام عمر قرآن وحدیث کی عربی عبارت سمجھنے اور اپنی خداداد قوت اجتہاد سے حلال وحرام کے مسائل نکالنے میں صرف ہوگئی ہو ان پر قلت استعداد عربیت کا ایسا لچر اعتراض کر ادنا ادیب بھی سنے گا تو معترض پر ہنسے گا اور فوراً جواب دندان شکن دے گا وہ اعتراض یہ ہے کہ امام صاحب نے ایک مسئلہ کے جواب میں ”ولو قتلہ بأبا قبیس“ فرمایا صحیح ”بأبی قبیس“ چاہیے حالانکہ امام صاحب کوفی تھے اور عرب میں بصرہ اور کوفہ کی زبان کا اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ مسائل نحویہ میں بولا جاتا ہے ”کما یقال فی لغۃ البصریین او الکوفیین“ پس ایک لغت کوفیوں کی یہ بھی ہے کہ اسمائے ستہ مکبرہ مضاف کو حالت رفع ونصب وجر تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ بولتے ہیں اور اس اعتراض کے جواب میں اس لغت کو فرزدق کے شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

إِنَّ أَبَاهَا وَأَبَا أَبَاهَا ۔۔۔ قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاهَا

پہلا ”اباھا“ تو اسم ان کا منصوب ٹھیک ہے اور دوسرا ”ابا“ بھی صحیح ہے کہ باعتبار عطف کے اسم ان کا واقع ہوا مگر تیسرا ”اباھا“ کہ دوسرے ”ابا“ کا مضاف الیہ ہے۔ حالت جر میں ”ابیھا“ ہونا چاہیے مگر یہاں ”اباھا“ موافق لغت بعض اہل کوفہ کے منصوب بولا گیا چنانچہ تفصیلی قصہ اس کا تاریخ ابن خلکان وابن خلدون میں اس طرح مرقوم ہے۔

”ان ابا عمرو بن العلاء المقرئ النحوی سأل ابا حنیفۃ عن القتل بالمثقل ، ولو قتلہ

بحجر المنجنیق فقال ولو قتله بابا قبیس یعنی الجبل المطل المشرف بمکة وقد اعتذروا عن ابی حنیفة رحمة الله علیه انه قال ذالك علی لغة من یقول ان الکلمات الست المعربة بالحروف وهی ابوه واخوه وحموه وهنوه وفوه وذومال اعرابها یکون فی الاحوال الثلث بالالف وانشد وافی ذالك ۔ ان اباها الخ"۔

امام اعظم کی عربی دانی ان کے قصیدۂ نعمانیہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے

اور نیز ہم یہاں مزید برآں امام صاحب کے تبحر علم عربی ملکۂ عربیت کے اثبات میں وہ قصیدہ غرا نعتیہ ندائیہ متبرکہ کہ آپ کے نظم طبع زاد کا مشکل و مترجم درج کئے دیتے ہیں ۔ جو مجموعہ تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کے اخیر میں بطور خاتمہ کے چھپ گیا ہے اور نیز سلف صالح نے تاریخ میں اس قصیدۂ متبرکہ کا پتہ دیا ہے اور یہ قصیدہ اس وقت کے جوش طبع کا نتیجہ ہے جو امام صاحب کو مدینۂ منورہ میں روضۂ مقدسہ حضرت رسالت پناہ روحی فداہ کی زیارت سراپا خیر و برکت بمعاینۂ چشم صوری و عین معنوی نصیب ہوئی اس قصیدے میں جابجا نکات و دقائق اسرار الہی کی طرف اشارہ ہے بلکہ تمام قصیدہ آں حضرت ﷺ کے معجزات باہرہ و محامد زاہرہ و فضائل قرآنیہ و شمائل حدیثیہ سے بھرا ہوا ہے کہ ایک ایک شعر اس کا دلدادگان شاہد رسالت و طالبان ذکر حضرت نبوت کے واسطے جوش و خروش پیدا کرنے والا ہے اور طالب کو مطلوب تک پہونچانے والا ہے اور دور باب ندا بالغیب کے حالت ذوق و شوق میں بڑے بڑے اکابر دین کے اشعار موجود ہیں اس کے جواز میں کسی کو شک نہیں اور جو ظاہر بین کو اس میں مماسے احضار منادائے غائب کا شبہ ہوتا ہے سو ان سے کہا جائے گا کہ جب نماز میں خطاب بلفظ " اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" باتفاق ابرار بجا درست ہے تو اس قصیدے میں کیوں درست نہیں اور ثابت ہے کہ یہ خطاب التحیات میں حکایہ نہیں بلکہ تصور میں واقعی خطاب ہے جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس کی تصریح کر دی ہے چنانچہ حالت ذوق و شوق میں قدسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ۔

یارسول الله اسمع قالنا	یاحبیب الله انظر حالنا
اننی فی بحر غم مغرق	خذیدی سهل لنا اشکالنا ۔

اور بھی قصیدہ غرا میں بمناسب مذکور و بجہت تقفیۂ اتباع خطابی لفظ مضاف الیہ بھوذ الاسلام حالت جر میں منصوب پڑھا گیا جیسا کہ شعر مذکور میں برعایت قافیہ مجرور منصوب کر دیا گیا۔

قصیدۂ نعمانیہ

هذه القصيدة البهية النورانية الزكية السنية الخطابية النعمانية للامام الاعظم والهمام الافخم سند المخرجين وسيد المستنبطين رئيس المحدثين ورأس المجتهدين نعمان بن ثابت ابي حنيفة الصوفي الكوفي النبهي رحمه الله تعالى ولوصله الى مرتبة تليق بشانه الاعلى

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا — أَرْجُو رِضَاكَ وَأَحْتَمِي بِحِمَاكَا

اے سرداروں کے سردار میں آیا ہوں آپ کے پاس آپ ہی کا قصد کر کے — امیدوار ہوں آپ کی خوشنودی کا اور بچنا چاہتا ہوں آپ کے بچاؤ میں

وَاللهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ إِنَّ لِي — قَلْبًا مَشُوقًا لَا يَرُومُ سِوَاكَا

بخدا اے بہترین مخلوق میرے پہلو میں ایک ایسا دل ہے — جو آپ کا ہی شیفتہ ہے اور آپ کے سوا کسی کو نہیں چاہتا

وَبِحَقِّ جَاهِكَ إِنَّنِي بِكَ مُغْرَمٌ — وَاللهُ يَعْلَمُ أَنَّنِي أَهْوَاكَا

اور قسم ہے آپ کی بزرگی کی کہ میں آپ کا فریفتہ ہوں — اور خدا جانتا ہے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں

أَنْتَ الَّذِي لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُؤٌ — كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرَى لَوْلَاكَا

آپ وہ ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی شخص نہ پیدا کیا جاتا — بلکہ اگر آپ نہ ہوتے تو تمام مخلوق نہ پیدا ہوتی

أَنْتَ الَّذِي مِنْ نُورِكَ الْبَدْرُ اكْتَسَى — وَالشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُورِ بَهَاكَا

آپ وہ ہیں کہ آپ ہی کے نور سے چاند نے لباس روشنی پہنا — اور آفتاب بھی آپ ہی کے نور حسن سے منور ہے

أَنْتَ الَّذِي لَمَّا رُفِعْتَ إِلَى السَّمَا — بِكَ قَدْ سَمَتْ وَتَزَيَّنَتْ لِسُرَاكَا

آپ وہ ہیں کہ جب آسمان کی طرف اٹھائے گئے تو — آپ ہی کی وجہ سے اسے علو مرتبت حاصل ہوا اور وہ مزین ہو گیا آپ کی شب روی سے

أَنْتَ الَّذِي نَادَاكَ رَبُّكَ مَرْحَبًا — وَلَقَدْ دَعَاكَ لِقُرْبِهِ وَحَبَاكَا

آپ وہ ہیں کہ آپ کو آپ کے رب نے مرحبا کہہ کر پکارا — اور بلایا اپنے قرب کے لئے اور بخشا جو کچھ کہ بخشا

أَنْتَ الَّذِي فِينَا سَأَلْتَ شَفَاعَةً — لَبَّاكَ رَبُّكَ لَمْ تَكُنْ لِسِوَاكَا

آپ وہ ہیں کہ ہم لوگوں کے بارے میں آپ نے شفاعت کا سوال کیا / تو آپ کے رب نے پکار کر کہہ دیا کہ یہ مرتبہ سوا تمہارے کسی کو نہ ہوگا

أَنْتَ الَّذِي لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ / مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ أَبَاكَا

آپ وہ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کا وسیلہ چاہا / اپنی لغزش کے باب میں تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جد بزرگوار ہیں

وَبِكَ الْخَلِيلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ / بَرْدًا وَقَدْ خَمَدَتْ بِنُورِ سَنَاكَا

اور آپ ہی کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعا کی تو ان کی آگ / سرد ہوگئی اور فرو ہوگئی آپ کی روشنی کے نور سے

وَدَعَاكَ أَيُّوبُ لِضُرٍّ مَسَّهُ / فَأُزِيلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِينَ دَعَاكَا

اور پکارا آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سختی میں جو انہیں پہونچی / پس دور کردی گئی ان سے وہ سختی جس وقت کہ انہوں نے آپ کو پکارا

وَبِكَ الْمَسِيحُ أَتَى بَشِيرًا مُخْبِرًا / بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا بِعُلَاكَا

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے آپ کی بشارت دیتے ہوئے اور خبر دیتے ہوئے / آپ کے محاسن صفات کی بڑائی کرتے ہوئے آپ کے علو پایہ کی

وَكَذَاكَ مُوسَى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا / بِكَ فِي الْقِيَامَةِ يَحْتَمِي بِحِمَاكَا

اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ رہے دنیا میں آپ کا وسیلہ پکڑنے والے / اور قیامت میں اپنے کو محفوظ رکھیں گے آپ کے بچاؤ میں

وَالْأَنْبِيَاءُ وَكُلُّ خَلْقٍ فِي الْوَرَى / وَالرُّسْلُ وَالْأَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَاكَا

اور تمام انبیاء اور سارے مخلوق / اور کل پیغمبر اور فرشتے آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے

لَكَ مُعْجِزَاتٌ أَعْجَزَتْ كُلَّ الْوَرَى / وَفَضَائِلٌ جَلَّتْ فَلَيْسَ تُحَاكَا

آپ کے ایسے ایسے معجزات ہیں جنہوں نے تمام مخلوق کو عاجز کردیا / اور ایسے ایسے فضائل جلیلہ ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتے

نَطَقَ الذِّرَاعُ بِسُمِّهِ لَكَ مُعْلِنًا / وَالضَّبُّ قَدْ لَبَّاكَ حِينَ أَتَاكَا

کردیا بکری کے شانہ نے اپنے زہر کو آپ سے باواز بلند / اور گوہ نے لبیک کہی جس وقت کہ آئی آپ کے پاس

وَالذِّئْبُ جَاءَكَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ أَتَتْ ۔۔۔ بِكَ تَسْتَجِيرُ وَتَحْتَمِي بِحِمَاكَا

اور بھیڑیا بھی آیا آپ کے پاس اور ہرنی بھی ۔۔۔ آپ سے پناہ کے خواستگار اور اپنے کو بچاتے ہوئے آپ کی پناہ میں

وَكَذَا الْوُحُوشُ أَتَتْ إِلَيْكَ وَسَلَّمَتْ ۔۔۔ وَشَكَا الْبَعِيرُ إِلَيْكَ حِينَ رَآكَا

اور اسی طرح وحشی جانور بھی آیا آپ کی طرف اور سلام کیا ۔۔۔ اور شکایت لایا اونٹ آپ کی طرف جس وقت کہ اس نے آپ کو دیکھا

وَدَعَوْتَ أَشْجَارًا أَتَتْكَ مُطِيعَةً ۔۔۔ وَسَعَتْ إِلَيْكَ مُجِيبَةً لِنِدَاكَا

اور جب آپ نے درختوں کو بلایا تو آئے سب کے سب فرمانبردار ہو کر ۔۔۔ اور دوڑے آپ کی آواز کا جواب دینے کے لیے

وَالْمَاءُ فَاضَ بِرَاحَتَيْكَ وَسَبَّحَتْ ۔۔۔ صُمُّ الْحَصَى بِالْفَضْلِ فِي يُمْنَاكَا

اور پانی جاری ہوا آپ کی ہتھیلیوں سے اور تسبیح کی ۔۔۔ سخت کنکریوں نے آپ کے دست مبارک میں

وَعَلَيْكَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَةُ فِي الْوَرَى ۔۔۔ وَالْجِذْعُ حَنَّ إِلَى كَرِيمِ لِقَاكَا

اور آپ پر سایہ کیا ابر نے خلق میں ۔۔۔ اور تنہ کھجور کا مشتاق ہوا آپ کے دیدار پر انوار کا

وَكَذَاكَ لَا أَثَرٌ لِمَشْيِكَ فِي الثَّرَى ۔۔۔ وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهِ قَدَمَاكَا

اور اسی طرح نہیں نشان ہوتا تھا آپ کے چلنے کا زمین پر ۔۔۔ اور بعض اوقات پتھر میں اتر گئے دونوں قدم مبارک آپ کے

وَشَفَيْتَ ذَا الْعَاهَاتِ مِنْ أَمْرَاضِهِ ۔۔۔ وَمَلَأْتَ كُلَّ الْأَرْضِ مِنْ جَدْوَاكَا

اور شفا دی آپ نے صاحب امراض کو اس کی بیماریوں سے ۔۔۔ اور بھر دیا آپ نے تمام زمین کو اپنی داد و دہش سے

وَرَدَدْتَ عَيْنَ قَتَادَةٍ بَعْدَ الْعَمَى ۔۔۔ وَابْنَ الْحُصَيْنِ شَفَيْتَهُ بِشِفَاكَا

اور پھیر دی آپ نے حضرت قتادہ کی آنکھ بعد ان کے نابینا ہو جانے کے ۔۔۔ اور ابن حصین کو آپ نے اچھا کر دیا اپنی شفا سے

وَكَذَا خُبَيْبًا وَابْنَ عَفْرَا بَعْدَمَا ۔۔۔ جُرِحَا شَفَيْتَهُمَا بِلَمْسِ يَدَاكَا

اسی طرح خبیب اور ابن عفرا کو بعد ان کے زخمی ہونے کے ۔۔۔ آپ نے اچھا کر دیا آپ نے دونوں ہاتھوں سے مس فرما کر

وَعَلِيًّا الْمَرْمَدَ إِذْ دَاوَيْتَهُ ۔۔۔ فِي خَيْبَرٍ فَشُفِي بِطِيبِ لَمَاكَا

اور حضرت علی کو کہ جن کو آشوب چشم تھا آپ نے ان کا علاج کیا ۔۔۔ خیبر میں پس شفا پائی انہوں نے آپ کی مُنہ کی لب کی خوشبو سے

وَسَأَلْتَ رَبَّكَ فِي ابْنِ جَابِرٍ الَّذِي ۔۔۔ قَدْ مَاتَ أَحْيَاهُ وَقَدْ أَرْضَاكَا.

اور درخواست کی آپ نے اپنے رب سے اس جاہ کے بارے میں
بعد ان کے مرنے کے پس زندہ کیا اس نے انہیں اور آپ کو راضی کیا

شَاةً مَسَسْتَ لِأُمِّ مَعْبَدٍ بِالْيَدِ
نَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شِفَا رُقْيَاكَا

اور معبد کی بکری پر آپ نے ہاتھ ملا بعد اس کے
کہ اس کا دودھ خشک ہو گیا تھا پس وہ دودھاری ہوگئی آپ کے برکت کی دعا سے

وَدَعَوْتَ عَامَ الْقَحْطِ رَبَّكَ مُعْلِنًا
فَانْهَلَّ قَطْرُ السُّحْبِ حِينَ دَعَاكَا

اور دعا کی آپ نے اپنے رب سے قحط کے سال برملا
پس برسنے لگا مینہ آپ کے دعا کرتے ہی

وَدَعَوْتَ كُلَّ الْخَلْقِ فَانْقَادُوا إِلَى
دَعْوَاكَ طَوْعًا سَامِعِينَ نِدَاكَا

اور آپ نے تمام خلق کو دعوت اسلام کی پس خوشی خوشی
سب چلے آئے آپ کے دعا کرتے ہی

وَخَفَضْتَ دِينَ الْكُفْرِ يَا عَلَمَ الْهُدَى
وَرَفَعْتَ دِينَكَ فَاسْتَقَامَ هُدَاكَا

اور پست کیا آپ نے دین کفر کو اے نشان ہدایت کے
اور بلند کیا آپنے دین کو پس جم گئی ہدایت آپکی

أَعْدَاكَ عَادُوا فِي الْقَلِيبِ بِجَهْلِهِمْ
صَرْعَى وَقَدْ حُرِمُوا الرِّضَى بِجَفَاكَا

دشمن آپ کے رہ گئے کنویں میں اپنی نادانی سے پچھڑ کر
اور محروم رہے رضائے الٰہی سے بسبب آپ پر زیادتیاں کرنے کے

فِي يَوْمِ بَدْرٍ قَدْ أَتَتْكَ مَلَائِكٌ
مِنْ عِنْدِ رَبِّكَ قَاتَلَتْ أَعْدَاكَا

بدر کے دن آپ کے پاس فرشتے آئے
آپ کے رب کے یہاں اور آپ دشمنوں سے لڑے

وَالْفَتْحُ جَاءَكَ يَوْمَ فَتْحِكَ مَكَّةً
وَالنَّصْرُ فِي الْأَحْزَابِ قَدْ وَافَاكَا

اور فتح وفیروزی آئی جس دن کہ آپ نے مکہ فتح کیا
اور نصرت الٰہی جنگ احزاب کے دن آپ کو پہونچی

هُودٌ وَيُونُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَ
وَجَمَالُ يُوسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَا

حضرت ہود اور حضرت یونس آپ ہی کے حسن سے صاحب جمال ہوئے
اور حسن یوسف آپ ہی کے نور حسن سے ہے

قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ
طُرًّا فَسُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَاكَا

بے شبہ فائق ہوئے آپ اے طٰہٰ تمام انبیاء پر
پس پاک ہے وہ ذات جس نے رات میں سیر کرائی آپ کو عالم بالا کی

وَاللّٰهِ يَا يٰسِينُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ
فِي الْعَالَمِينَ وَحَقِّ مَنْ أَنْبَاكَا

بخدا اے حضرت یاسین آپ کا مثل ... تمام مخلوق میں نہیں قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نبی بنایا

عَنْ وَصْفِكَ الشُّعَرَاءُ يَا مُدَّثِّرُ ... عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عُلَاكَا

آپ کی تعریف سے اے مدثر تمام شعراء عاجز ہوگئے ... اور تھک رہے آپ کے صفات عالیہ کے بیان سے

إِنْجِيْلُ عِيْسٰى قَدْ أَتٰى بِكَ مُخْبِرًا ... وَلَنَا الْكِتَابُ أَتٰى بِمَدْحِ حُلَاكَا

حضرت عیسیٰ کی انجیل اتری آپ کی خبر دیتی ہوئی ... اور ہمارا قرآن بھی آپ کے حلیوں کی مدح میں آیا

مَاذَا يَقُوْلُ الْمَادِحُوْنَ وَمَا عَسٰى ... أَنْ يَجْمَعَ الْكُتَّابُ مِنْ مَعْنَاكَا

کیا کہہ سکتے ہیں آپ کی مدح کرنے والے اور نہیں ممکن ... کہ جمع کر سکیں لکھنے والے کچھ اوصاف آپ کے

وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُهُمْ ... وَالشَّجَرُ أَقْلَامٌ جُعِلْنَ لِذَاكَا

بخدا اگر تمام دریا ان کی روشنائی ہوجائیں ... اور تمام روئے زمین کے درخت اس کے لئے قلم بنا دیے جائیں

لَمْ يَقْدِرِ الثَّقَلَانِ يَجْمَعُ نَزْرَهُ ... أَبَدًا وَمَا اسْطَاعُوْا لَهُ إِدْرَاكَا

جب بھی نہ قادر ہوں گے جن وانس اس پر کہ اکٹھا کرسکیں قدر قلیل اس کا ... ہرگز بلکہ اس کا ادراک بھی نہیں کرسکتے

بِكَ لِيْ قُلَيْبٌ مُغْرَمٌ يَا سَيِّدِيْ ... وَحُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَاكَا

میرا دل ہے اے میرے سردار جو آپ کا شیفتہ ہے ... اور بقیہ جان بھری ہوئی ہے آپ کی محبت سے

فَإِذَا سَكَتُّ فَفِيْكَ صَمْتِيْ كُلُّهُ ... وَإِذَا نَطَقْتُ فَمَادِحًا عُلْيَاكَا

پس جب میں خاموش رہتا ہوں تو آپ ہی کے تصور میں ... اور جب بولتا ہوں تو آپ ہی کے صفات عالیہ کی مدح کرتا ہوں

وَإِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا ... وَإِذَا نَظَرْتُ فَمَا أَرٰى إِلَّاكَا

اور جب سنتا ہوں تو آپ ہی کے پاکیزہ اقوال جو آپ سے مروی ہیں ... اور جب دیکھتا ہوں تو آپ ہی کو دیکھتا ہوں

يَا مَالِكِيْ كُنْ شَافِعِيْ فِيْ فَاقَتِيْ ... إِنِّيْ فَقِيْرٌ فِي الْوَرٰى لِغِنَاكَا

اے میرے مالک آپ میرے شفیع ہو میری فقر کی حالت میں ... میں خلق میں سب سے زیادہ آپ کی غنا کا محتاج ہوں

يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى ... جُدْ لِيْ بِجُوْدِكَ وَأَرْضِنِيْ بِرِضَاكَا

اے بزرگ ترین ثقلین اور اے خزانہ مخلوقات ... بخشئے مجھے اپنی بخشش سے اور راضی کیجئے اپنی رضامندی سے

أَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ ... لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَا

میں حریص ہوں آپ کی بخشش کا — اور نہیں ہے ابوحنیفہ کا کوئی یار بجز آپ کے

فعساك تشفع فيه عند حسابه — فلقد غدا متمسكا بعراكا

پس قریب ہو کہ آپ شفاعت کریں اس کے بارے میں اس کے حساب وکتاب کے وقت — اس واسطے کہ وہ آپ کا دامن مبارک پکڑنے والا ہے

فلانت اكرم شافع ومشفع — ومن التجى بجماك نال رضاكا

بے شبہ آپ بزرگ ترین شافع ومقبول الشفاعت ہیں — جو آپ کے پناہ میں آیا اسے آپ کی خوشنودی پائی

فاجعل فداك شفاعة لي في غد — فعسى ارى في الحشر تحت لواكا

پس کیجئے اپنی مہربانی میرے لئے شفاعت کل دن — اسلئے کہ قریب ہے کہ میں حشر میں اپنے تئیں آپ کے جھنڈے کے نیچے دیکھوں گا

صلى عليك الله يا علم الهدى — ما حن مشتاق الى مثواكا

رحمت بھیجے اللہ تعالیٰ شانہ آپ پر اے نشان ہدایت کے — جب تک کہ آرزومند ہے مشتاق آپ کے ٹھکانے کا

وعلى صحابتك الكرام جميعهم — والتابعين وكل من والاكا

اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر — اور تابعین پر اور اس پر جو آپ کو دوست رکھے

پس اس قصیدۂ غرا کی فصاحت مبانی وبلاغت معانی کو اب بھی کوئی منکر غوی اور لامذہب غبی دیکھ کر امام صاحب کی کمال عربیت وملکۂ استعداد آشنا وسعت زبان دانی عرب پر ایمان نہ لائے تو وہ کور ظاہر وباطن سمجھا جائے اور خود اسی پر جہل العربیہ کا اطلاق کیا جائے وہی مثل ہے کہ۔

پیر بخشا مسئلہ جی نکنا — کور مقری بنا فی چشم روش

بلکہ اس کو چاہیے کہ تعصب اور لامذہبی کے پردے کو آنکھوں سے اٹھا کر ذرا اس مسند شریف حضرت امام اعظم کو ملاحظہ کرے اور عربی حدیث کے روایت کرنے کی مبلغ استعداد کو بھی دیکھ لے کہ تحدیث اور تخریج اور اسناد اور تصحیح اور تنقید میں آپ کو کیسا دخل کامل ہے اور ملکہ تامہ حاصل ہے جب اشتہار ذیل میں داخل ہے۔

اشتہار

مسند شریف کی اشاعت کے موقع پر مسرت

کہاں ہیں حلقہ بگوشان مذہب نعمان — کدھر ہیں مقتدیان امام مجتہدان

چھپی ہے طبع امام ہمام کی مسند — مقلد چلو تقلید کا ہے سب سامان

جو چاہو فقہ میں ہو عین اتباع حدیث — تو دیکھے قیمت دل لو یہ مسند ذی شان

مقلدوں کو یہ تحفہ ہے عروۃ الوثقیٰ — محققوں کو یہ مسند ہے مستند برہان

یہ نسخہ حسن بوحنیفہ چھپنے سے — نکل گیا وہ جو مدت سے دل کا تھا ارمان

لکھوں میں کس طرح اس متن وشرح کی تعریف — کروں میں وصف کشی کا کس زبان سے بیان

کہیں ہے فقہ کے دریا میں غوطہ زن خامہ — کہیں حدیث کے میدان میں ہے قلم جولان

غرض کہ دیکھنے سے اس کے منکشف ہوگا — حدیث وفقہ حقیقت میں ہیں دو تن اک جان

امام اعظم ومقدام اکرم و اعلم — بڑے فقیہ ومحدث تھے اور بڑے حق دان

ملے صحابہ سے اور تابعی بلا شک تھے — ابوحنیفہ کوفی علیہم الرضوان

یہ **مسند الامام الاعظم** اسم بامسمیٰ ہے کہ پہلی کرامت حضرت **امام اعظم** علیہ الرحمہ کی اس سے یہ ظاہر ہوئی کہ جب ۱۳۰۹ھ میں اس کا چھپنا شروع ہوا تو یہی اس کا تاریخی نام نکلا۔ یہ وہ مسند نہیں ہے جو مختصر لاہور میں کئی مرتبہ چھپ چکی بلکہ امام صاحب کی جو پندرہ مسندیں مشہور ہیں ان سب میں یہ مسند اصح المسانید اور اجید الاسانید مروی مرتب بترتیب اسمائی شیوخ بروایت صدر الدین موسیٰ بن زکریا بن ابراہیم بن محمد بن ساعدی حصکفی ہے جس کو شیخ الحدیث حضرت ملا محمد عابد سندی مدنی نے بڑے جانچ اور تنقیح سے علی ترتیب ابواب الفقہ از سر نو مرتب کیا ہے جو اپنی ندرت اور کمیابی بلکہ نایابی کے اعتبار سے آج کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے اور حواشی اس کے ایسے مفید قابل دید ہیں کہ واقع بلا مبالغہ تنقید رجال۔ تخریج اسانید تصحیح احادیث۔ تحقیق مسائل۔ تدقیق دلائل میں بجائے خود ایک مستقل مبسوط تصنیف معلوم ہوتا ہے چونکہ اشاعت اس مبارک نسخے کی اذاعت کلام نبوی اور اذاعت اس مقدس کتاب کی اشاعت حدیث مصطفوی بھی تھی۔ علی الخصوص اس میں مذہب حنفی کی تائید اور طریقہ تقلید کی تقویت تھی لہذا اس بندہ آسی مداری نے اپنے **مطبع اصح المطابع** میں نہایت اور خوشخطی کے ساتھ اسی نام تاریخی کے سن میں متوکلا

علی اللہ چھپوانا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ کئی برس کے بعد ۱۱ میں بہزار آرزو واشتیاق جلوہ ظہور میں آئی صرف مقدمہ اس کا بخط نستعلیق اس مسند شریف کے اسمائے رجال میں نہایت بسط وشرح کے ساتھ شارح علیہ الرحمہ کی طرف سے لکھا گیا۔ اور پھر ان اسماء کی مختصر فہرست بھی بقید ہندسہ صفحہ مقدمہ کے آخر میں لگا دی گئی ہے اور دوسری فہرست مسائل مسند شریف کی واسطے آسانی استنباط مضمون واستخراج حدیث شریف کے بڑھا دی گئی اور سوا اس کے جابجا متن کے اوراق محشی میں بقیۃ الحواشی کے صفحات ضمائم ایک ایک دو دو چار چار چھ چھ آٹھ آٹھ تک بڑھائے گئے ہیں اور پھر بعض جگہ بحسب ضرورت حواشی پر حواشی چڑھائے گئے متن کہ آج تک دنیا میں کوئی کتاب اسقدر کثیر حواشی اور حل مضامین دقیقہ کے ساتھ دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی نہ صحاح ستہ میں کوئی کتاب اتنے حواشی کے ساتھ محشی چھپی کہاں یہ مذہبی تائید کی نعمتیں اور دینی اعانت کی دولتیں لٹ رہی ہیں حاصل کر لو اس روضہ منورہ کے ریاحین طیبہ سے اخلاص کی جھولیاں بھر لو یہ مسند شریف تمہارے عملی مسائل۔ اعتقادی دلائل۔ دینی وسائل کی اصل بنیاد ہے اور یہ تمہاری عین مراد ہے۔

وہ مقلد مسلمان جو روئے زمین پر دو ثلث سے زیادہ آباد ہیں ان کے امام عالی مقام کی یہ مسند شریف پیش کی جاتی ہے جس کی ہر حدیث سیدھی راہ سنت کی بتاتی ہے۔ کیوں نہ یہ مسند فقہ وعقائد حنفیہ کے احادیث کا معدن اور سنن وآثار نبویہ کا ایک مخزن ہے اب بد مخالفین کی کہاں ہیں ذرا منہ دکھائیں اور میدان میں آئیں جن کے اضغاث احلام اور اضداث اوہام کی یہ چڑھتی اور بہتہ و بانہ بڑھتی کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں پہونچی ہیں اگرچہ امام مالک کے ثنائیات کا اشتہار ہے اور امام بخاری کو ثلاثیات پر افتخار ہے لیکن ہمارے امام اعظم کے احادیث کا کل ائمہ حنفیہ کے نزدیک اعتبار ہے کہ یہاں تو امام صاحب کی اکثر روایتوں میں ایک ہی صحابی کا واسطہ ہے کہ آپ تابعی تھے یعنی صحابی کو دیکھنے والے۔ بھلا یہ علو اسناد۔ وقرب عہد وفضل تقدم۔ قلت وسائط کس کا حصہ تھا یہ انہیں امام کے جلوہ قسمت کا مصدقہ تھا کوئی ہم کو بتائے کہ چاروں اماموں سے سوائے ہمارے امام کے کسی کو صاحب شرع سے یہ رابطہ ہے یعنی اس کے اور رسول اکرم ﷺ کے بیچ میں صرف ایک کان کا واسطہ ہے یہ وہ امام ہیں کہ امام بخاری ومسلم کے ایمہ وپیشوا اور امام شافعی اور احمد کے شیوخ واساتذہ مثل امام مالک وسفیان بن عیینہ وابن مبارک ولیث بن سعد ووکیع وامام محمد امام ہمام کے ادنیٰ تلامذہ ہیں ابن حجر مکی شافعی خود مناقب میں معترف ہیں کہ امام مالک ولیث وابن مبارک امام اعظم کے شاگرد ہیں اور امام شافعی تو باتفاق امام محمد کے تلمیذ سعید ہیں پس ایسے امام المجتہدین ومقدام المحدثین کی مسند صحت روایت حدیث میں قابل سند کیوں نہ ٹھہرے اور پھر علامہ شارح علیہ الرحمہ کی تحقیق مسائل شرعیہ وتدقیق نکات فرعیہ وتوفیق احادیث متناقضہ وترجیح مسلک مختار حنفیہ ودفع نقض وجرح مخالفین وتحریر ادلہ سمعیہ واستدلال باحادیث صحیحہ مع تخریج وتصحیح اسناد وتوثیق وتعدیل رجال سے رتبہ اس مسند کا سب مسانید ومعاجم پر بالا کیوں نہ ہے اس مبارک نسخے کے یہ چند خصائص ہیں۔ اس کے اکثر احادیث مرفوعہ باسناد متصلہ اور بعض مرسلہ ہیں احکام عقائد کے رجال ائمہ ثقات ومشاہیر اثبات بلکہ اکثر رجال صحیحین ہیں اور آداب وفضائل کے

اسانید بھی صالحہ اور جیدہ ہیں امام کے سب شیوخ و حفاظ و فقہاء و عمائد کملا ہیں اور باعتبار قلت وسائط و کمال حفظ و ضبط و علو فقہ کے اعلیٰ درجے پر ہونے سے اسکو کتب صحاح ستہ پر ایک نوع کا فضل خاص ہے۔

حواشی میں ہر حدیث کی تخریج کتب صحاح و مسانید و مصنفات و معاجم وغیرہ سے مع اختلاف الفاظ روایات کے پورے طور پر کی گئی ہے بعد تخریج کے رجال و اسانید کے خلافیہ میں ایسی کامل بحث کی گئی ہے جس سے مذہب حنفی کا عرش تحقیق پر قائم ہونا ثابت ہو گیا۔

مخالفین کے جوابات بر طبق اصول فقہ و اصول حدیث کتب رجال عمدہ طرز پر مندرج ہیں کہ جن میں جائے سخن باقی نہیں اور فیصلہ ناطق ہے ہر حدیث کا نشان اور اخراج کا پتا بھی بتا دیا کہ فلاں جامع نے اس طریق اور ان رجال کے توسط سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اختلاف مذہبی و بیان مذاہب ائمہ حنفیہ و ائمہ دیگر مع ادلہ ہر مذہب مذکور ہیں مقدمۃ الشی میں امام کے مسانید اور تابعیت و اعتبار و اعتماد کا ثبوت و تراجم صحابہ و شیوخ مع توضیحات و تعدیلات مسطور ہیں۔ یہ مسند شریف جامع ہے مسند ابو حنیفہ و مسند حماد بن ابی حنیفہ کی اس کے مقدمے میں روایت و رجال کے تراجم و حالات موالید و وفیات و فضائل و کمالات و فواضل و جلائل امام الانام میں تین فصلیں ہیں۔

فصل اول میں تراجم صحابہ کرام — دوم میں تراجم شیوخ امام — سوم میں تراجم رجال متوسط

پس ایسی کتاب سنن امام اعظم کا ایک ایک نسخہ ہر حنفی کو رکھنا ضروریات دین سے سمجھنا چاہئے۔ خصوصاً ایسے زمانے میں کہ ہر لامذہب کو حدیث شریف سے جواب دینے کے واسطے اور منکرین کو قائل کرنے کے لیئے نہایت کارآمد اور اپنے مذہب تقلید پر ثابت قدم رہنے کے واسطے یہ مسند بہت مستند ہے پس جو صاحب چاہیں بہت جلد بذریعہ ویلو کے اس در بے بہا کو کوڑیوں کے مول مع محصول تین سو روپیوں میں راقم سے منگوالیں اور ہرگز تاخیر نہ دیں۔

کس را نمی آشنا سے طالب راز بیان وارد

راقم بندۂ آسی محمد عبد العلی مدراسی اصح المطابع زیر اکبری دروازہ محلہ محمود نگر لکھنو

تاریخ طبع سابق از نتیجۂ فکر فائق مولوی عبد الخالق صاحب لائق

امام زمان فخر دین بو حنیفہ — کہ کامل بشرع آمدہ بلکہ اکمل
شدہ معترض بروی از راہ بہتان — گروہے ز ناقص خیالان ارذل
بنام ایزد این نسخہ تصنیف گشتہ — پئے رد لامذہباں معطل
ز تحقیق و تدقیق فکر مصنف — دقائق شدہ آسان معاقد شدہ حل

بحوالہ سال اوائق ازروی ابجد   جوابات دندان شکن شد دلیل

——— ۱۳۱۰ھ ———

ایضاً از تازہ فکر علامہ افاضت مآب مولانا محمد منصور علی خان صاحب مصنف ہذا الکتاب

نَحْمَدُ رَبَّنَا وَنُصَلِّيْ عَلٰى   سَيِّدِنَا الْخَاتَمِ لِلْمُرْسَلِيْنَ
بَخْ بَخْ اَلْآنَ لِرَدِّ الظَّفَرِ   قَدْ طُبِعَتْ نُسْخَةُ فَتْحٍ مُبِيْنٍ
لِلْحَنَفِيِّيْنَ بِذَا نُصْرَةٌ   اِنَّ لَهُمْ ذَالِكَ حَبْلٌ مَتِيْنٌ
فِيْهِ بِفِقْهٍ وَحَدِيْثٍ وَّاٰيٍ   رَدٌّ عَلٰى مَذْهَبِ لَامَذْهَبِيْنَ
قَدْ حَصَلَ الْفَتْحُ لَنَا بِالْجِدَالِ   اَيَّدَنَا اللّٰهُ عَلَى الْمُفْسِدِيْنَ
جَلَّ مِنَ الْمُصْحَفِ تَارِيْخُهٗ   اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا

——— ۱۳۱۰ھ ———

ایضاً از فکر علامۂ وحید مولوی حافظ محمد عبدالحمید از علمائے دارالعلم والعمل فرنگی محل

بنام ایں و ایں نسخہ مطبوع شد   بطبع غریب و ترتیع عجیب
بود نام او فتح المبین   ز تصنیف نحریر حبر ادیب
بود صاف ہر علم و فن متصف   مفسر محدث فقیہ و ادیب
ادیب آں کہ منصور شد بر حریف   حریف آنکہ باشد ہزیمت نصیب
بہر یک رسد آنچہ مقسوم ہست   بقول عرب اَلنَّصِيْبُ يُصِيْبُ
پئے کامیابی دریں معرکہ   چہ خون خوردہ لامذہباں حلیب
ولے چونکہ نصرت بہ منصور بود   جہاں گشتہ و پایان کئیب
قلم شد سر دشمنان یک قلم   قلم راعلم کرد چوں آں لبیب
بسر شان رسید و چنان ضربتے   کہ ضرب المثل گشت ضرب الضریب

چہ ضربے کہ شد خصم ازو تلخ کام ز ضربک ضُرُوبُ الْخَبِیْبِ وَبِیْب

ز کرو فرش کردہ فر فر قرار صدائے تفرقوا چوبرزد نقیب

شدہ کسر فوج عدو آشکار ز فتح المبین شد چو رخشاں غریب

ز نصرت چو بادِ بہاری وزید شدہ تہنیت سنج ہر عندلیب

آنکس کہ خواند بصدق ایں کتاب ہر آئینہ گردد وبہشت مصیب

جوابات سرکوب دندان شکن رقم زد باقوے دلائل مجیب

زہے آب ورنگ مضامین اور زباغ سخن میوہ بہ سنج طیب

کسے گر خلاف جماعت رود رود خود بنارے کہ وارد لہیب

کسانے کہ تقلید بر ہم زنند فَوَیْلٌ لَهُمْ مِنْ عَذَابٍ مُهِیْبٍ

بآخر زمان شد بپا فتنہا تو گوئی کہ آمد قیامت قریب

شد آں کس کہ بیمار لا مذہبی نہ اور اطلا بجے نہ اور الطبیب

ظفر یا ب کن اہل تقلید را الٰہی بحق رسول حبیب

چو تاریخ نصرت قرین خواستم ز قرآن معجز نما ئے غریب

ندا از لب ہاتف آمد چنیں کہ نَصْرٌ مِنَ اللهِ فَتْحٌ قَرِیْبٌ

— ١٣٠١ھ —

ایضاً از نتائج طبع نازک خیال مناظر بے مثال متکلم انصاف منش سرکوب وہابیان کج روش صاحب التنبیہ والتبکیت المحدث المولوی وصی احمد سورتی مدرس مدرسہ پیلی بھیت

ذرا انصاف کی آنکھوں سے اے وہابیوں دیکھو کتاب اب یہ مصنف نے کہی کیا دلکشا عمدہ

جوابات اس میں سب ثابت ہیں قرآن اور حدیثوں سے ہر اک بات اس کی اردو میں ہوئی کیا دلکشا عمدہ

کتاب اس حسن وخوبی کی نہیں چھاپی گئی اب تک کہ خطا طان خوشخط نے لکھی کیا دلکشا عمدہ

عجب پھولا ہے باغ حسن اس کا شہر جدول سے اور اس لوح و پیشانی بنی کیا دلکشا عمدہ

ہے اس کا نسخ ونستعلیق ہر اک خوشنما خوشخط خفی کیا دلکشا عمدہ جلی کیا دلکشا عمدہ

ضمیمے کو جو دیکھا خصم منکر بھی یہ بول اٹھا کہ حق بات اس میں ظاہر ہوگئی کیا دلکشا عمدہ

جو پوچھا سال چھپنے کا لب ہاتف سے یوں نکلا — کتاب ردی الدین تھی کیا دلکشا عمدہ
جو کاٹو سر وہابی کا تو تماشا ہے اسی سن میں — سن تصنیف ہو پیدا اوسی کیا دلکشا عمدہ

۱۳۰۱ھ

ایضاً از کلام کلیم طور ذوق سلیم خضر چشمۂ ذہن مستقیم محمد عبد الحکیم سلمہ اللہ الکریم

فتح المبین کی طبع نے کس دھوم دھام سے — سارے جہاں میں فتح کا ڈنکا بجا دیا
لامذہبوں میں اس سے پڑی کیا ہی کھلبلی — وہابیوں کو خواب گراں سے جگا دیا
لامذہبی کی آگ جو بھڑکی تھی ہر طرف — اس آبشار طبع نے اس کو بجھا دیا
الزامی اجوبہ سے مصنف نے یک قلم — جتنے سوالات ان کے تھے سب کو اٹھا دیا
قرآن اور حدیث سے کیا کیا دیے جواب — ہر مسئلے کا شرع سے ماخذ بتا دیا
سارے معاملات نہاں کر دیے عیاں — سب ان کے واقعات کا خاکہ اڑا دیا
وہابیت کی بیخ کو بچکا اکھاڑ کر — تقلید حق کو دل میں ہر اک کے جما دیا
طبل و علم دوات و قلم لشکر سخن — میدان صفحہ تیغ زبان سب دکھا دیا
پھر کیا مجال تھی کہ یہ کرتے مقابلہ — اک دم میں سب کو تیغ دودم سے بھگا دیا
اتباع شیخ نجد نے کھائی ہے کیا شکست — پائی سزا خیال ظفر کو بھلا دیا
اس معرکہ میں مارے دلیلوں کی مار کے — فوج عدو کو جتنے رہے تک ہٹا دیا
تاپو سے خنگ خامہ کے میدان جنگ میں — مانند نقش پا کے ہر اک کو مٹا دیا
ہم کو اب ان مخالفوں سے خوف کچھ نہیں — اللہ نے تو فتح کا تمغا دلا دیا
ڈنکے کی چوٹ ہم نے اس نظم رزم میں — للکار کر شکست کو ان کے سنا دیا
تھی فکر سال غیب سے آواز آگئی — فتح المبین نے فتح کا ڈنکا بجا دیا

۱۳۰۱ھ

ولہ تاریخ تصنیف بر صنعت ذو بحرین و ذو قافیتین و ذو تجنیس

تا گل این نسخہ نصرت شگفت　　　گی وزواز مذہب منصور باد

مژدہ چوں امر حق از حرف او　　　زود لم از جوشش منصور باد

مصرع سالش زدہ کلکم رقم　　　نصرت حق جامی منصور باد

۱۳۰۱ھ

قطعۂ تاریخ طبع سال حال از جامع فضل وکمال مولانا مولوی حافظ ابوالخیر محمد جان صاحب محمد بحری آبادی احسن اللہ آبادی الیہ الہادی فی العواقب والمبادی

مرحبا واہ واہ صل علی　　　پھر چھپی یہ کتاب خوش اسلوب

اس کا دنداں شکن ہر ایک جواب　　　واسطے منکروں کے ہے سرکوب

بلکہ خود ہی ہر اعتراض ان کا　　　خود انہیں پر ہی ہوگیا مقلوب

جس کا مضمون ہے راست بے کم وکاست　　　جسکی تقریر ہی بدل مرغوب

سطریں جس کی ہیں کاکل خمدار　　　صفحہ جس کا ہے عارض محبوب

نقطے گویا کہ خال مشکیں ہیں　　　یا سویدا ہے اندرون قلوب

دائرے وہ سڈول گول کہ واہ　　　سامنے جس کے ماہ وخور محجوب

اور مدات اور تشدیدات　　　کشش دل کے واسطے کلوب

خط بھی اوسط قلم بھی اوسط ہے　　　اور تقطیع بھی نہیں معیوب

نسخ کے ساتھ ساتھ نستعلیق　　　یوں بہم جیسے طالب ومطلوب

کیا سلیقے کی یہ کتابت ہے　　　حبذا کاتب وخوشا مکتوب

اک نظر جس نے اس کو دیکھ لیا　　　وجد میں آکے وہ ہوا پاکوب

کیوں نہ ہو یہ طفیل آسی ہے　　　صَانَهٗ رَبُّنَا عَنِ الْمَكْرُوْب

حسن وخوبی ہے جس قدر اس میں　　　وہ انہیں کی طرف ہے سب منسوب

ہیں صنا عات طبع کے استاد　　　لَيْسَ هٰذَا الْكَلَامُ بِالْمَكْذُوْب

ان کے تیروے فکر کے آگے	تھی ارسطوی وقت بھی مغلوب
نظر غائر ان کی غلطیوں کو	کرتی ہے صاف جس طرح جاروب
شکر اللہ سعیۂ ابدا	ولہ کان فی جمیع خطوب
ای محمد چو غنچہ لب بربند	تا کہ این شورہا کہ این آشوب
گفتہ دوس طبع کازروئے جمل	اب کی فتح المبین چھپی کیا خوب

۱۳۰۱ھ

ایضاً از یلمعی علامہ فطین ولوذعی فہامۂ ذہین حافظ مولوی محمد ضیاء الدین مکی بابلی المسکین ساکن پہلی بھیت شہید اللہ المتقلب علی الصراط السوی باحسن التثبیت

شکر خدا کہ ان دنوں یہ چھپا کتاب	مانند آئینہ ہوئی کیا خوب منطبع
فتح المبین نہیں چھپی سچ پوچھئے تو یہ	ہے طالبوں کے واسطے مطلوب منطبع
گنجینۂ جواہر احکام علم دین	مجموعہ مسائل محبوب منطبع
مدت کے بعد کوشش سے ہوگیا	رشد وہدی کا نامہ مرغوب منطبع
ہے دشمنوں کے واسطے یہ سرشکن دبوس	اور منکروں کے واسطے مرکوب منطبع
جو کچھ کہ اعتراض تھا اس پر فتوٰی کا	خود معترض پہ ہوگیا مقلوب منطبع
مجموعۂ عجیب ہے مجموعۂ نفیس	میں کیا بیان کروں کہ ہے معجوب منطبع
دیکھو ضیاء کہ مصرع سال اسکو کہتے ہیں	دنداں شکن جواب ہے کیا خوب منطبع

۱۳۰۱ھ

تمـــــــــــــــــــــــــت

اشتہار جدید قابل دید

جب یہ فتح المبین مع ضمیمہ تنبیہ الوہابیین ۱۳۰۱ھ میں چار برس کی کوشش کے بعد چھپ کر جلوہ ظہور میں آئی تو بسبب کثرت تقاریر ومواہیر علمائے مشاہیر کے ایسی قبولیت پائی کہ ایک ہی سال میں مقلدوں نے ہاتھوں ہاتھ خرید لی بلکہ غیر مقلدوں کو بھی اسکے لینے کی توفیق ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثروں نے ترک تقلید سے توبہ کی۔ الحمد لله علی ذلك التایید الغیبی۔ یہاں تک کہ یہ کتب خریداروں کی کثرت سے بالکل نایاب ہوگئی اور ہر طرف سے طلب آنے لگی تو ناچار خاکسار نے بنظر ایفائے معاہدہ مندرجہ عنوان سابق کے ساری کتاب کے مضامین کو مع فہرست علی ترتیب الفقہ مرتب کیا اور جابجا مفید فائدوں کو بھی بڑھایا پھر ان کا خلاصہ حاشیے پر چڑھایا بعد اس کے مسئلہ وجوب تقلید کی معرکۃ الآرا بحث ضروری جو پہلے بالکل فروگزاشت ہوگئی تھی مع اضافہ دیباچہ جدیدہ ومقدمہ مفیدہ کے ضمیمے کے شروع میں کئی جز تک بڑھادی اور جابجا مناسب مقام کے کارآمد عبارت بھی بحوالۂ کتب معتبرہ زیادہ کردی اور علاوہ تقاریظ ومواہیر سابقہ کے اور بھی بڑے بڑے علمائے عرب وعجم کے مواہیر اور تقاریر کو بہزار مشقت رسل ورسائل وانتظار جوابات خطوط وصرف کثیر محصول ڈاک کے چار پانچ برس میں وقتاً فوقتاً ترتیب دیتا اور بڑھاتا پڑا کہ آج تک دنیا میں کوئی دین کی کتاب اس قدر کثرت مواہیر کے ساتھ دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی جن کی تعداد ۳۲۶ تک پہونچ گئی ہو اور درحقیقت مجموعہ ان علمائے دین اور مفتیان شرع متین کی عمدہ عمدہ تحریریں اور چیدہ چیدہ تقریریں مقلدوں کے احقاق حق اور غیر مقلدوں کے ابطال باطل میں بجائے خود عموماً اہل اسلام کے واسطے ایک کتاب مستقل ہے اور خصوصاً مقلدوں کے لئے ایک مجموعہ قابل السند کہ ہزاروں روپیہ صرف کرنے سے بھی تمام دنیا کے علمائے اور فضلاء کا ایسا مہری فتاوی میسر نہیں ہوسکتا اور پھر رسالہ **دبوس المقلدین جواب الجواب فئوس المحققین** بھی کئی جز کا بدلائل روشن وبراہین مبرہن واجوبہ دندان شکن زیادہ کیا گیا اور بعد اس رسالہ جامعہ مقالہ کے **تنبیہ الآسی علی تشنیع الاناسی** پر کتاب کا اختتام ہوا جس میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تابع الدرایۃ قاصر الروایۃ قلیل العربیۃ کہنے والوں کے منہ خاک ناپاک مذلت اسکات سے بھر دئے گئے اور آپ کی تصدیق کمال استعداد عربیت وتجنیت سنت وتنقید روایت پر قصیدہ نحو خطابیہ نعمانیہ کی فصاحت وبلاغت اور سنن ابی حنیفہ کی فقاہت وروایت کے دو شاہد عادل قائم کردئے گئے پس ان سب باتوں کے زیادہ کرنے سے بہ نسبت سابق کے کتاب کا حجم سوائے سے زیادہ بڑھ گیا اور ۸/ عنہ قیمت سابق پر صرف ۴/ کا اضافہ ہوا جو صاحب چاہیں ۱۲/ عنہ بھیج کر منگوالیں یا ویلو بھیجنے کی اجازت دیں مگر اس کو نہ چھاپیں خواہ وکلا ہو یا جز ماخواہ جا ہو یا ملخصاً کہ مطابق ایکٹ ۲۵ دفعہ ۱۸۶۷ء اس کی باضابطہ رجسٹری کرادی گئی ہے۔

الراقم بندہ آسی محمد عبد العلی مدراسی مہتمم مطبع اصح المطابع زیر اکبر

دروازہ محمود نگر لکھنؤ

اسمائے طلبہ درجۂ سادسہ

نمبر شمار	اسمائے طلبہ	سکونت
۱	حامد رضا	ناگور
۲	محمد وسیم احمد	کٹیہار
۳	شریف الحق	بستی
۴	مطیع الرحمٰن	بلرام پور
۵	ارشاد القادری	سدھارتھ نگر
۶	شمشاد احمد	بلرام پور
۷	شمس الہدیٰ	بنارس
۸	مقصود رضا	مظفر پور
۹	محمد احمد رضا	بستی
۱۰	محمد حیدر عالم	گونڈہ
۱۱	محمد جہانگیر	خلیل آباد
۱۲	حیدر علی	مظفر پور
۱۳	عبد السلام	بلرام پور
۱۴	ریاض احمد	سدھارتھ نگر
۱۵	محمد ساجد	سدھارتھ نگر
۱۶	محمد افضل	سدھارتھ نگر
۱۷	محمد اشتیاق احمد	بلرام پور
۱۸	افروز عالم	نیپال
۱۹	محمد ناصر	مراد آباد
۲۰	محمد عارف	امیٹھی
۲۱	محمد عارف	ایس نگر
۲۲	اجمل حسین	بلرام پور
۲۳	ریحان اشرف	سدھارتھ نگر
۲۴	سید ربانی اشرف	سدھارتھ نگر
۲۵	سیفی رضا	فتح پور
۲۶	محمد فضل رسول	بستی
۲۷	محمد عالم کبیر	سدھارتھ نگر
۲۸	نور علی	امبیڈکر نگر
۲۹	محمد حسن رضا	مندسور
۳۰	محمد ربیع اللہ	مہراج گنج
۳۱	جمیل احمد	کشی نگر
۳۲	محمد کاظم	سنت کبیر نگر
۳۳	عبد الحفیظ	سنت کبیر نگر
۳۴	محمد خلیل الرحمٰن	بستی
۳۵	سہیل احمد	سدھارتھ نگر
۳۶	رضوان احمد	بلرام پور

۳۷	محمد واصف	اودھم سنگھ نگر
۳۸	حسن رضا	ویشالی
۳۹	محمد ایوب	مندسور
۴۰	شان محمد	امیٹھی
۴۱	صدام سرور	بلوچپور
۴۲	جعفر علی	سنت کبیر نگر
۴۳	سید ضیاء المصطفیٰ	کشی نگر
۴۴	محمد نورانی رضا	سدھارتھ نگر
۴۵	حسن رضا	چمپارن
۴۶	محمد احمد رضا	چھتیس گڑھ
۴۷	محمد طاہر	سنت کبیر نگر
۴۸	فداء الحق	گھوسی
۴۹	محمد آصف	دہلی
۵۰	مہتاب عالم	شیوہر
۵۱	فرحت حسین	ہردوئی
۵۲	اظہر رضا	مظفر پور
۵۳	محمد سہراب	کشی نگر
۵۴	امجد رضا	دیوریا
۵۵	جعفر علی	بلرام پور
۵۶	محمد شمشاد حسین	بریلی
۵۷	عنایت اللہ	مہراج گنج
۵۸	صدام حسین	بہرائچ
۵۹	محمد شرافت	سیتامڑھی
۶۰	حشمت رضا	سیتامڑھی
۶۱	لعل محمد	جھارکھنڈ
۶۲	غلام غوث	بستی
۶۳	محمد ارشاد عالم	کوٹہ
۶۴	محمد اعظم	بستی
۶۵	مشاہد رضا	گوونڈہ

دیگر معاونین

۱	محمد معراج عالم	
۲	محمد اظہر علوی	سدھارتھ نگر
۳	جنید عالم	کشی نگر
۴	محمد قاسم	ممبئی

اور پہلی تصنیف اور تصانیف کے ساتھ ان اوّل موقعوں پر مسئلہ کا ماخذ قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا ہو گا
مؤلف کتاب مذکور نے واسطے ثابت کرنے مخالفت قرآن و حدیث کے نسبت مسائل ائمہ مجتہدین خصوصاً
امام اعظم ہوں کے اور واسطے جو تقلید کے [illegible] عوام مقلدین حنفیہ کے جابجا قرآن و حدیث کے
معنی بیان کرنے میں [illegible] کہ دیئے تھے اور حق بات کو چھپایا تھا سو حقیقت [illegible] سے اس عجیب
[illegible] حق و باطل [illegible] کے کشف و اظہار پر کمر باندھ [illegible] امام اس کتاب کا
[illegible] کشف [illegible] المقلدین [illegible] مسلمانان [illegible]
اور [illegible] اعتراضات اور [illegible] جو ائمہ مجتہدین پر کیے تھے سب نیست ہو گئے
اللہ تعالیٰ اس کو بفضل خاص [illegible] اور اس سے [illegible] دین کا فائدہ پہنچاوے آمین ثم آمین
قال ایک [illegible] کہتے ہیں کہ تقلید پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں سو جواب اس کا یہ ہے
کہ جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جابجا یہی فرمایا ہے
کہ اللہ اور اسکے رسول کی راہ پر چلو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے برخلاف بتلاتا ہے کہ تقلید پر
چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں [illegible] **اقول** یہ محض مغالطہ اور افترا ہے [illegible] معترض صاحب
کی [illegible] کوئی حنفی اس کا قائل نہیں کہ تقلید پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں بلکہ حنفیہ تو اسکے
مدعی ہیں کہ کوئی بات فقہ کی قرآن اور حدیث کے برخلاف نہیں ہے اور ماخذ فقہ کا قرآن و حدیث ہے
پس فقہ اور حدیث میں [illegible] ایک ہی ہے [illegible] اجمال و تفصیل کا [illegible]
ایک [illegible] کا [illegible] ایک [illegible] کسی قسم کی مغایرت [illegible]
نہیں [illegible] قیاس فقہ شافعی [illegible] مخالفت قرآن و حدیث کے نہیں اور بے شک
حنفیہ کے نزدیک اس حدیث پر چلنا جائز نہیں جو [illegible] منسوخ ہو گو وہ بخاری اور مسلم ہی میں
کیوں نہ [illegible] اپنی طرف سے گھڑ کر حنفیہ کی طرف منسوب کرنا [illegible]
پیش کرنا حنفیہ پر صریح کذب اور افترا ہے کیونکہ خود حنفیہ قرآن و حدیث پر چلنے کو فرض کہتے ہیں [illegible] مسئلہ
مخالف [illegible] اس پر چلنا جائز نہیں کہتے افسوس معترض صاحب [illegible] عقیدہ حنفیہ کے برعکس [illegible]
اور [illegible] کی تشریح کی ہیں اور کذب و افترا کی وعید اور کتمان حق [illegible] کے سوا [illegible] قرآن
و حدیث سے ثابت [illegible] خیال نہ کیا [illegible] قرآن شریف میں ہے ولا تلبسوا الحق بالباطل

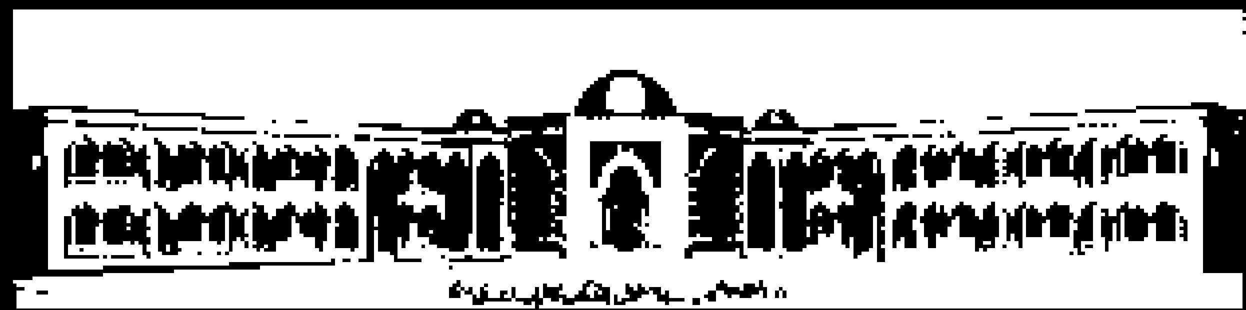
اصیبعین تصحیح اور تصنیفات کے ساتھ ان تاویل مذہبیں بہر مسئلے کا ماخذ قرآن و حدیث سے ثابت کیا اور کہا
مؤلفین کتاب ہذا کے واسطے ثابت کرنے مخالفت قرآن و حدیث کے نسبت مسائل ائمہ مجتہدین خصوصاً
امام اعظم ہوکے اور واسطے بد عقیدہ کرنے لوگوں کے یہ مقولہ مشہور ہے کہ جابجا قرآن و حدیث کے
معنی بیان کرنے میں دھوکہ دیتے ہیں اور حق باتوں کو چھپایا تھا او عنایت ایزدی سے اس عجیب
تماشا ہے نے ان کی کیا دوں اور حق پوشیوں کی کشف و اظہار پر کیونکر فتح پائی تھی واسطے نام اس کتاب کا
فتح المبین ہے کشف مکائد غیر مقلدین رکھا گیا ہے جس میں سب سازیاں اور دھوکہ بازیاں ان لوگوں
اور ان کے چھپانے ان کی ظاہر کی گئیں اور افتراءات اور طعن جو ائمہ مجتہدین پر کیے تھے سب دفع ہو گئے
اللہ تعالیٰ اس کو مقبول خاص و عام کرے اور اس سے بدعقیدگان دین کو نافع بنادے آمین ثم آمین
قال ایک مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں تو جواب اس کا یہ ہے
جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جابجا یہی فرمایا ہے
کہ اللہ اور اس کے رسول کی راہ پر چلو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے برخلاف بتلاتا ہے کہ فقہ پر
چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں الخ **اقول** یہ محض مغالطہ اور افترا پردازی ہے معترض صاحب
کی ہے کوئی حنفی اس کا قائل نہیں کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں بلکہ حنفیہ تو اس کے
مدعی ہیں کہ کوئی بات فقہ کی قرآن اور حدیث کے برخلاف نہیں اور ماخذ فقہ کا قرآن و حدیث ہی
ہے پس فقہ اور حدیث میں مغائرت نہیں کیا ہے بلکہ ایک ہی ہے یا تو اجمال و تفصیل کا ہے جیسا کہ یہ دونوں
ایک ہی ہیں یا کلیات اور جزئیات کا فرق ہو وہ ایک ہیں غرض اس قسم کی مغایرت حقیقت میں مغایرت
نہیں علی ہذا القیاس فقہ شافعی و مالکی و حنبلی بھی ہرگز مخالف قرآن و حدیث کے نہیں اور بے شک
حنفیہ کے نزدیک نص حدیث پر چلنا جائز نہیں جو متروک العمل و منسوخ ہو گو وہ بخاری اور مسلم ہی میں
کیوں نہ ہو پس مغالطہ کر اپنی طرف سے گھڑنا اور حنفیہ کی طرف منسوب کرنا پھر اس کا جواب دینا نہ بنیاد پر
ہیں کہ حنفیہ پر صریح کذب اور افترا ہے کیونکہ خود حنفیہ قرآن و حدیث پر چلنے کو فرض کہتے ہیں ہاں جو مسئلہ
مخالف ان کے ہو اس پر چلنا جائز نہیں کہتے افسوس معترض صاحب نے اس پر عقیدہ حنفیہ کے برعکس پیش
اور تہمتیں لگانی شروع کیں اور کذب و افترا کی وعید اور کتمان حق اور طعن ائمہ کے موافق بلکہ جو قرآن
و حدیث سے ثابت ہے مطلق خیال نہ کیا قرآن شریف میں ہے ولا تلبسوا الحق بالباطل

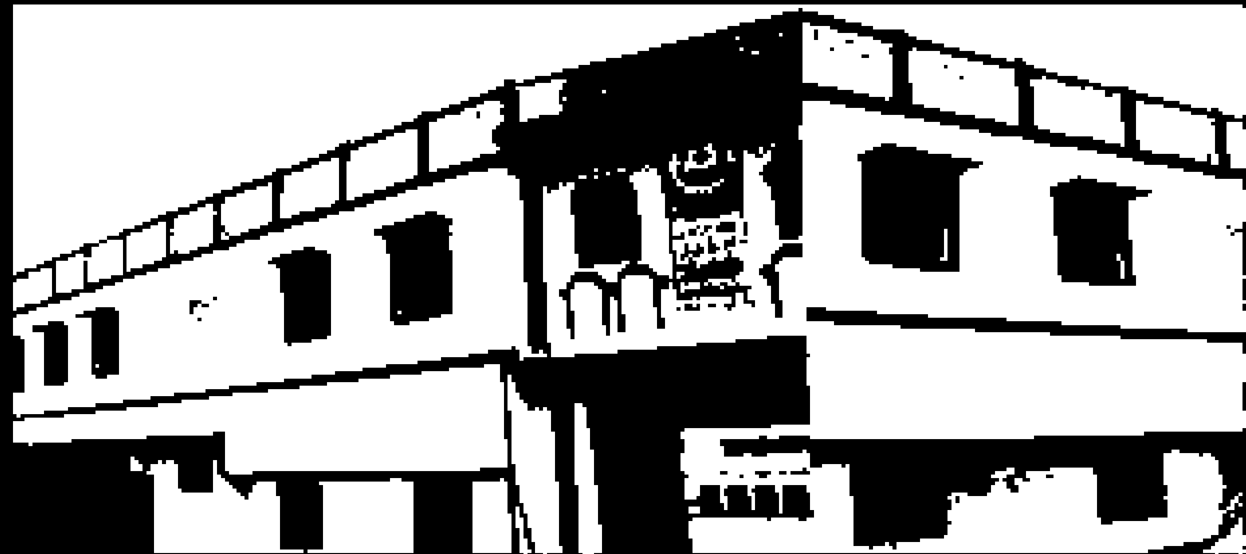
اور بعض تعصب اور نفسانیت کے سبب ان نازل معنوں پر مسئلے کو اخذ قرآن و حدیث سے ثابت کیا اور اپنی
مؤلفہ کتاب میں لکھنے کے واسطے ثابت کرنے مخالفت قرآن و حدیث کے سب مسائل امام مجتہد پر مخصوص
امام اعظم رحمہ کے اور واسطے بدعقیدہ کرنے عوام کے ... مقلدین حنفیہ کے جابجا قرآن و حدیث کے
معنی بیان کرنے میں دھوکہ دیتے تھے اور حق بات ان کو چھپایا تھا اور عنایت ایزدی سے اس عجب
خاکسار نے اشکال کیا اور ان اور حق پوشیوں کے کشف و اظہار پر کمر باندھی ... امام ... کتاب کا
انتخاب ... نے کشف ... کیا ... سب سے ... ان ... دھوکے بازیوں ...
اور اسکے ہتھیار ان کی ... اور اعتراضات ... جو ائمہ مجتہدین پر کچھ بھی شبہ نہ رہ گئے
اللہ تعالیٰ اسکو قبول خاص و عام کرے اور اس سے ... آمین ثم آمین

قال ایک مسئلہ یہ ہو سکتا ہے کہ تقلید پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں تو جواب اس کا یہ
ہے جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جابجا اس فرمایا ہے
کہ اللہ اور اسکے رسول کی راہ پر چلو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے برخلاف بتلاتا ہے کہ تقلید پر
چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں ہے **اقول** یہ محض بہتان اور افترا ہے ... معترض صاحب
کی ... ایک شخص اس کا قائل نہیں کہ تقلید پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں بلکہ حنفیہ اسکے
مدعی ہیں کہ کوئی بات حنفی کی قرآن اور حدیث کے برخلاف نہیں ہے اور ماخذ فقہ کا قرآن و حدیث ہے
پس ... اور حدیث میں ... ایک ... فرق ... اجمال و تفصیل کا ...
ایک ... کلیات اور جزئیات کا فرق ہے ... اس قسم کی مغایرت حقیقت ... مغایرت
نہیں ... قرآن و حدیث ... کہ نہیں ...
حنفیہ کے نزدیک اس حدیث پر چلنا جائز نہیں ہے جو مؤول اور منسوخ ہو گو وہ بخاری اور مسلم ہی میں
کیوں نہ ہو پس ... اپنی طرف سے گھڑنا اور حنفیہ کی طرف منسوب کرنا ...
پیش کرنا حنفیہ پر صریح کذب اور افترا ہے کیونکہ خود حنفیہ قرآن و حدیث پر چلنے کو فرض کہتے ہیں ... مسئلہ
مخالف اسکے ہو اس پر چلنا جائز نہیں کہتے افسوس معترض صاحب نے اس عقیدہ حنفیہ کے برعکس
اور ... لکھنی شروع کیں اور کذب و افترا کی وعید اور کتمان حق اور طعن ... کے مواخذہ کا جو قرآن
و حدیث سے ثابت ہے مطلق خیال نہ کیا قرآن شریف میں ہے لا تلبسوا الحق بالباطل

اور جہاں تعصب اور حضانیت کے ساتھ اُن اقوال حقہ میں جو مسئلہ کا مستند قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا گیا
مولف کتاب ہذا نے کس واسطے ثابت کیا کہ مخالفت قرآن و حدیث کی نسبت مسائل ائمہ مجتہدین خصوصًا
امام اعظم رحمہ اللہ کے اور واسطے بد عقیدہ کرنے اور متوحش کرنے عوام مقلدین حنفیہ کے جا بجا قرآن و حدیث کے
معنی بیان کرنے میں دھوکہ دیتے تھے اور حق باتوں کو چھپایا تھا اور عنایت ایزدی سے اس عجیب
رسالہ نے انکی کیا دیں اور حق پوشیوں کے کشف و اظہار پر کمر باندھی تھی اس سے نام اس کتاب کا
فتح المبین فی کشف مکائد غیر مقلدین رکھا گیا جس سے مذہب مسلمانان اور دھوکہ بازیاں انکی
اور انکے جہالتوں کی ظاہر ہوگئیں اور بہت احتیاط اور مطاعن جو ائمہ مجتہدین پر کیے تھے سب رفع ہوگئے
اللہ تعالیٰ اسکو بقبول خاص و عام کرے اور اس سے برادران دینی کو نفع پہنچاوے آمین ثم آمین

قال ایک رسالہ میں لکھتے ہیں کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں تو جواب اسکا یہ ہے
کہ جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ ہرگز مسلمان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا یہی فرمایا ہے
کہ اللہ اور اسکے رسول کی راہ پر چلو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے برخلاف بتلاتا ہو کہ فقہ پر
چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں الخ **اقول** یہ محض بہتان اور افترا پردازی معترض صاحب
کی ہے کوئی حنفی اسکا قائل نہیں کہ فقہ پر چلنا فرض ہے اور حدیث پر چلنا جائز نہیں بلکہ حنفیہ تو اسکے
مدعی ہیں کہ کوئی بات فقہ کی قرآن اور حدیث کے برخلاف نہیں اور اصل فقہ کا قرآن و حدیث ہی
ہیں فقہ اور حدیث میں فقط اتنا ہی فرق ہے جیسے کہ فرق اجمال اور تفصیل کا ہے حاصل یہ کہ دونوں کا
ایک ہی ہے کلیات اور جزئیات کا فرق ہے ایک کو دوسرے سے اس قسم کی مغایرت حقیقتہً نہیں ہے
نہیں علیٰ ہذا القیاس فقہ شافعی و مالکی و حنبلی بھی ہرگز مخالف قرآن و حدیث کے نہیں اور بے شک
حنفیہ کے نزدیک اُس حدیث پر چلنا جائز نہیں جو متروک العمل اور منسوخ ہو گو وہ بخاری اور مسلم ہی میں
کیوں نہ ہو پس جاہلانہ کو اپنی طرف سے گھڑ کر حنفیہ کی طرف منسوب کرنا پھر اسکے جواب میں تیر اندازی
پیش کرنا حنفیہ پر صریح کذب اور افترا ہے کیونکہ خود حنفیہ قرآن و حدیث پر چلنے کو فرض کہتے ہیں اور جو مسئلہ
مخالف اسکے ہو اس پر چلنا جائز نہیں کہتے افسوس معترض صاحب نے اس عقیدہ حنفیہ کو غلط پیش
اور تقلیدیں لکھنی شروع کیں اور کذب و افترا کی وعید اور کتمان حق اور طعن بالطعن کے مواخذہ کا جو قرآن
و حدیث سے ثابت ہے مطلق خیال نہ کیا قرآن شریف میں ہے ولا تلبسوا الحق بالباطل









Student of Jama'at-e-Sadsa

Darul Uloom Aleemia

Jamda Shahi, Basti, U.P.